باسمہٖ تعالیٰ

سیاست وحکومت

Politics And Government

مصنِّف

مفتی محمد رضوان

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیاست وحکومت

Politics And Government

قرآن وسنت کی روشنی میں خالق اور مخلوق کی حکومت وحکمرانی میں فرق، انسانی حکومت وحکمرانی کے متعلق اسلام کی قیمتی، مفید تر جامع تعلیمات وہدایات، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مختلف حکومتوں و حکمرانوں کی پیشین گوئیاں، نااہل، ظالم اور خائن حکمرانوں کے لئے وعیدیں اور اہل، مُنصِف وعادل حکمرانوں کی فضیلت، وزیروں اور مشیروں کے متعلق اوصاف وہدایات، حکمرانوں وافسروں کی رشوت وبھتہ اور ظالمانہ ٹیکس خوری، قومی املاک کی حفاظت کی اہمیت وفضیلت اور خیانت کا وبال، جرائم اور اُن کا مؤثر ومعتدل قانونی انسداد، اسلام میں حکمرانوں کے حقوق اور حکومتی قوانین کی حیثیت، اتحاد واتفاق کا حکم اور تفریق کی ممانعت، ظالم حکمرانوں کے خلاف مؤثر ومفید طرزِ عمل اور ہڑتال وغیرہ کا حکم، غیر مسلموں کے ساتھ معاملات وبرتاؤ اور ان کے حقوق، اسلامی ملک کی حفاظت وپاسبانی کی فضیلت واہمیت، انتخاب اور ووٹ کے شرعی احکام وآداب سیاست وحکومت سے متعلق اسلام کی پاکیزہ اُصولی منصوص تعلیمات کا جامع ذخیرہ

مُصنِّف

مفتی محمد رضوان

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

www.idaraghufran.org

(جملہ حقوق بحق ادارہ غفران محفوظ ہیں)

نام کتاب: سیاست وحکومت

مُصنِّف: مفتی محمد رضوان

طباعتِ اوّل: جمادی الاخریٰ ۱۴۳۴ھ۔اپریل 2013ء

صفحات: ۸۶۴

ملنے کے پتے

کتب خانہ ادارہ غفران: چاہ سلطان، گلی نمبر 17، راولپنڈی۔فون: 051-5507270

ادارہ اسلامیات: ۱۹۰، انارکلی، لاہور۔فون: 042-37353255

کتب خانہ رشیدیہ: مدینہ کلاتھ مارکیٹ، راجہ بازار، راولپنڈی۔فون: 051-5771798

دارالاشاعت: اردو بازار، کراچی۔فون: 021-32631861

مکتبہ سید احمد شہید: 10-الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔فون: 042-37228196

مکتبہ اسلامیہ: گامی اڈہ، ایبٹ آباد۔فون: 0992-340112

ادارہ اشاعت الخیر: شاہین مارکیٹ، بیرون بوہڑ گیٹ، ملتان۔فون: 061-4514929

ادارۃ المعارف: دارالعلوم کراچی۔فون: 021-35032020

مکتبہ سراجیہ: چوک سیٹلائیٹ ٹاؤن، سرگودھا۔فون 048-3226559

مکتبہ شہید اسلام، متصل مرکزی جامع مسجد (لال مسجد) اسلام آباد۔فون: 0321-5180613

ملت پبلیکیشرز بک شاپ: شاہ فیصل مسجد، اسلام آباد۔فون: 051-2254111

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، چوک فوارہ، ملتان۔فون: 061-4540513

مکتبہ العارفی: نزد جامعہ امدادیہ، ستیانہ روڈ، فیصل آباد۔فون: 041-8715856

کتب خانہ شمسیہ، نزد ایری گیشن مسجد، سریاب روڈ، کوئٹہ۔فون: 0333-7827929

مکتبہ معارف القرآن، دارالعلوم کراچی۔فون: 021-35123130

تاج کمپنی، لیاقت روڈ، گوالمنڈی، راولپنڈی۔فون: 051-5774634

مکتبۃ القرآن: گورومندر، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی۔فون: 021-34856701

مکتبہ الفرقان، اردو بازار، گوجرانوالہ۔فون: 055-4212716

مکتبہ القرآن: رسول پلازہ، امین پورہ بازار، فیصل آباد۔فون: 041-2601919

اسلامی کتب خانہ، پھولوں والی گلی، بلاک نمبر 1، سرگودھا۔فون: 048-3712628

اسلامی کتاب گھر: خیابانِ سرسید، سیکٹر 2، عظیم مارکیٹ، راولپنڈی۔فون: 051-4830451

مکتبہ قاسمیہ، الفضل مارکیٹ، 17، اردو بازار، لاہور۔فون: 042-37232536

الخلیل پبلشنگ ہاؤس: اقبال روڈ، کمیٹی چوک، راولپنڈی۔فون: 051-5553248

فہرست

شمار نمبر	مضامین	صفحہ نمبر
۱	تمہید (از مؤلف)	۲۳
۲	(مقدمہ) کائنات کا اصل وحقیقی حاکم ’’اللہ‘‘ ہے	۲۷
۳	اَحکمُ الحاکمین، اللہ جلّ جلالہٗ ہے	//
۴	آسمان وزمین کی حقیقی حکومت ’’اللہ‘‘ کی ہے	۲۸
۵	انسانی حکومت، اللہ کے قبضہ میں اور اس کی عطا سے ہے	۳۷
۶	انسانوں کا حقیقی حاکم، اللہ ہے	۳۸
۷	مخلوق کا ملِکُ الاملاک یا شاہانِ شاہ نام رکھنے کی ممانعت	//
۸	اس بحث کا خلاصہ ونتیجہ	۴۰
۹	(باب نمبر۱) حکمرانی کے حقوق اور حکومت کی ذمہ داریاں	۴۲
۱۰	(فصل نمبر۱) حکمرانی وحکومت کا عہدہ امانت ہے	۴۳

۱۱	حکمران کے لئے قوی، امین، حفیظ اور علیم ہونے کی صفت	۴۳
۱۲	حکمرانی یا حکومت کا عہدہ، اللہ اور عوام کی امانت ہے	۴۵
۱۳	نااہل کو حکومت کا عہدہ سپرد کرنا امانت کو ضائع کرنا ہے	۴۸
۱۴	امانتوں کو اہل کی طرف سپرد کرنے کا حکم	۴۹
۱۵	(فصل نمبر۲) **حکمرانی وحکومت کے عہدہ کی اہمیت ونزاکت**	۵۱
۱۶	حکومت کا آغاز، درمیان اور اختتام	۵۵
۱۷	حکمرانوں کو اللہ کی طرف رجوع اور دعاء کی تعلیم	۵۹
۱۸	(فصل نمبر۳) **عوامی حقوق کی اہمیت اور نرمی وخیر خواہی کی فضیلت**	۶۲
۱۹	حکمران سے قیامت میں عوام کے حقوق کے متعلق سوال	//
۲۰	عوام کے حقوق ضائع کرنے پر اللہ کی نصرت ورحمت سے محروم	۶۴
۲۱	حاکم کو عوام کے ساتھ خیر خواہی کا حکم اور خلاف ورزی کا وبال	۶۷
۲۲	نبی ﷺ کی نرم حکمران کو دُعاء اور سخت حکمران کو بددعاء	۷۱
۲۳	حکمرانوں کو عوام کی حق بات سننی چاہیئے	۷۲
۲۴	(فصل نمبر۴) **عوام کے ساتھ دھوکہ دہی، جھوٹ اور غلط بیانی کی مذمت**	۷۵
۲۵	عوام کو دھوکہ دینے والے حکمران کے لئے جنت حرام ہے	//

۲۶	قیامت میں، عوام کو دھوکہ دینے والے حکمران کے لئے جھنڈا	۷۶
۲۷	جھوٹ بولنے والے حکمران کے لئے شدید وعید	۷۷
۲۸	(فصل نمبر ۵) حکمرانوں کا عدل وانصاف اور ظلم ونا انصافی	۸۰
۲۹	حکمران کو حق وانصاف کے مطابق فیصلہ کرنے کا قرآنی حکم	//
۳۰	اپنے اور اپنے والدین واقرباء کے خلاف بھی انصاف کا حکم	۸۲
۳۱	دُشمنوں کے خلاف بھی عدل وانصاف قائم کرنے کا حکم	۸۴
۳۲	اللہ، عدل واحسان کا حکم اور ظلم وزیادتی سے منع فرماتا ہے	//
۳۳	اسلام، یہودیوں کے منصفانہ قانون کا محافظ ہے	۸۵
۳۴	اسلام، عیسائیوں کے منصفانہ قانون کا بھی محافظ ومصدِّق	۸۷
۳۵	حکمران کو فیصلہ اور تقسیم وغیرہ میں عدل وانصاف کی تاکید	۸۹
۳۶	کتابُ اللہ کے مطابق عادلانہ فیصلے نہ کرنے سے پھوٹ پڑتی ہے	۹۰
۳۷	قیامت میں، اللہ کا منصفانہ قانون قائم یا ضائع کرنے کا سوال	//
۳۸	حق کے مطابق فیصلہ کرنے والے جنت میں، ورنہ جہنم میں	۹۲
۳۹	مُنصِف حکمران، اللہ کی اور ظالم حکمران شیطان کی معِیَّت میں	۹۴
۴۰	مُنصِف حکمران وحاکم، قیامت کے دن، اللہ کے سایہ میں	۹۶
۴۱	مُنصِف حکمران وحاکم، نور کے منبروں پر	۹۸
۴۲	مُنصِف حکمران وحاکم کی دعاء رَد نہیں کی جاتی	۹۹
۴۳	مُنصِف حکمران وحاکم، اہلِ جنت میں سے ہے	۱۰۰
۴۴	ظالم حکمران کی قیامت میں طوق پہننے کی حالت میں حاضری	۱۰۱

۴۵	ظالم حکمران، اللہ کو مبغوض وسخت ناپسند ہیں	۱۰۳
۴۶	ظالم حکمران، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے محروم	۱۰۴
۴۷	گمراہ، ظالم وسرکش حکمران کو قیامت کے دن شدید عذاب	۱۰۵
۴۸	حاکم کو تقویٰ کا حکم اور عدل پر اجر اور خلاف ورزی پر پکڑ	۱۰۶
۴۹	(باب نمبر۲) وزیروں اور مشیروں کے متعلق اوصاف وہدایات	۱۰۸
۵۰	حاکم کے وزیر ومشیر کا ثبوت اور اس کے اوصاف	//
۵۱	نااہل کو وزیر بنانا، اللہ، رسول اور مسلمانوں کے ساتھ خیانت	۱۱۲
۵۲	نااہل کو حکومت کا عہدہ سپرد کرنا امانت کو ضائع کرنا ہے	۱۱۴
۵۳	حکمرانوں کے وزیر اور مشیر خطرے کے دروازے پر	۱۱۵
۵۴	غیر مسلم کو اپنا مقرب، ہمراز، مشیر ووزیر بنانا جائز نہیں	۱۱۶
۵۵	ہر حکمران کے دو طرح کے مقرب اور ہمراز وزیر ہوتے ہیں	۱۱۸
۵۶	جھوٹے وظالم حکمرانوں کے وزیروں، مشیروں کے لئے وعید	۱۲۲
۵۷	ظالم وفاسق حکمران اور اُن کے وزراء ومعاونین	۱۲۶
۵۸	اچھے حاکم کو سچا اور اچھا وزیر، اور بُرے حاکم کو بُرا وزیر عطا کیا جاتا ہے	۱۲۸
۵۹	(باب نمبر۳) رشوت وبھتہ اور ظالمانہ ٹیکس خوری	۱۳۱

۶۰	قرآن مجید میں سحت اور حرام خوری کی بُرائی	۱۳۱
۶۱	رشوت، سُحت اور حرام خوری میں داخل ہے	۱۳۲
۶۲	رشوت سے زمین میں فساد پیدا ہوتا ہے	۱۳۳
۶۳	صحابۂ کرام کی رشوت و بھتہ خوری سے نفرت	۱۳۴
۶۴	حکمرانوں وافسروں کو ہدایا وتحائف حاصل کرنے پر وعید	۱۳۵
۶۵	سُحت اور رشوت سے پلا ہوا گوشت جہنّم کے لائق ہے	۱۳۸
۶۶	رشوت خور حکمرانوں وافسروں پر نبی ﷺ کی لعنت	۱۴۰
۶۷	ظالمانہ ٹیکس خور جنت سے محروم اور جہنّمی ہے	۱۴۳
۶۸	ظالمانہ ٹیکس وصول کنِندہ کی دعاء قبول نہیں کی جاتی	۱۴۴
۶۹	(باب نمبر۴) سرکاری اموال واملاک کی اہمیت ونزاکت	۱۴۸
۷۰	حکمران وافسران کا امین ہونا اور اُس کی فضیلت	۱۴۹
۷۱	مسلمان حکمران کو مال وغیرہ کی تقسیم میں نبی کی اتباع کا حکم	۱۵۱
۷۲	حکمران، عوام کے مقابلہ میں زائد کا استحقاق نہیں رکھتا	۱۵۲
۷۳	وزیر اور گورنر کو گھر، سواری اور ملازم کا استحقاق	۱۵۳
۷۴	حضرت ابوبکر کی سرکاری امانت کی چیزوں میں وصیت	۱۵۴
۷۵	سرکاری مال میں خیانت کردہ چیز کے ساتھ قیامت میں حاضری	۱۵۵
۷۶	سرکاری اموال واملاک میں ناحق تصرف پر جہنّم کی وعید	۱۶۱
۷۷	سرکاری املاک میں خیانت سے بری ہوکر مَرنے کی فضیلت	۱۶۳

۷۸	ایک عباء یا چادر کی خیانت کی وجہ سے جہنم اوراس کا عذاب	۱۶۴
۷۹	سرکاری املاک کی ادنیٰ خیانت بھی قیامت میں رسوائی کا باعث	۱۶۹
۸۰	سرکاری املاک کے خائن سے قیامت کے دن نبی کی بیزاری	۱۷۱
۸۱	سرکاری مال کے خائن کی نمازِ جنازہ میں شرکت سے انکار	۱۷۴
۸۲	نبی ﷺ کا خیانت کرنے والے کے لئے دعاء نہ فرمانا	۱۷۵
۸۳	خیانت کے مال سے صدقہ قبول نہیں کیا جاتا	۱۷۶
۸۴	خیانت کرنے والے کو جانتے ہوئے پردہ پوشی کا گناہ	۱۷۷
۸۵	اجتماعی مال سے خیانت شدہ چیز کی خرید وفروخت کی ممانعت	۱۷۸
۸۶	سرکاری مال استعمال کے بعد ردّی حالت میں واپس کرنا	۱۷۹
۸۷	(فصل نمبر ۱) **حکومت کی طرف سے عطایا وامداد**	۱۸۱
۸۸	عطائے جاگیر	۱۸۵
۸۹	غیر آباد زمینوں کو آباد کرنے پر عطائے جاگیر	۱۹۰
۹۰	**عطائے جاگیر وامداد سے متعلق اہم احکام**	۱۹۴
۹۱	**(باب نمبر ۵)** **جرائم اور اُن کی حکومتی وقانونی روک تھام**	۲۰۹
۹۲	حکمرانوں کے ذمہ بزورِ طاقت وقانون، جرائم کا خاتمہ لازم ہے	۲۱۰
۹۳	حدود وقصاص، حکومت کا حق یا قانونی وحکومتی سزا ہے	۲۱۴

۹۴	(فصل نمبر۱) **قتل وزخم کے جرم کی قانونی سزاوقصاص**	۲۱۷
۹۵	جان کے بدلہ جان اور عضو کے بدلہ عضو کا منصِفانہ قصاص	۲۱۸
۹۶	قرآن مجید میں قصاص ودیت کا ذکر	۲۱۹
۹۷	قرآن مجید میں قتلِ خطاء ودیت کا ذکر	۲۲۴
۹۸	احادیث میں قصاص ودیت کا ذکر	۲۲۵
۹۹	**قصاص ودیت کی قانونی سزا سے متعلق چند احکام**	۲۳۱
۱۰۰	(فصل نمبر۲) **ڈاکہ وفساد برپا کرنے کے جرم کی قانونی سزا**	۲۴۴
۱۰۱	قرآن مجید میں ڈاکوؤں اور فسادیوں کی سزا کا ذکر	۲۴۵
۱۰۲	احادیث میں ڈاکوؤں اور فسادیوں کی سزا کا ذکر	۲۴۶
۱۰۳	**ڈاکوؤں اور فسادیوں کی قانونی سزا سے متعلق چند احکام**	۲۴۸
۱۰۴	ڈاکہ کی سزا پر ایک شبہ کا جواب	۲۵۵
۱۰۵	(فصل نمبر۳) **چوری کے جرم کی قانونی سزا**	۲۵۷
۱۰۶	قرآن مجید میں چوری کی سزا کا حکم	//
۱۰۷	احادیث میں چوری کی سزا کا ذکر	۲۵۸
۱۰۸	غیر محفوظ مال کی چوری پر حد جاری نہیں کی جائے گی	۲۶۲

۱۰۹	**چوری کی قانونی سزا سے متعلق چند احکام**	۲۶۶
۱۱۰	(فصل نمبر۴) **شراب نوشی کے جرم کی قانونی سزا**	۲۸۲
۱۱۱	شراب نوشی، شر وخطاؤں کی کنجی ہے	//
۱۱۲	شراب نوشی پر کوڑوں کی سزا	۲۸۸
۱۱۳	**شراب نوشی کی قانونی سزا سے متعلق چند احکام**	۲۹۴
۱۱۴	(فصل نمبر۵) **زنا کے جرم کی قانونی سزا**	۳۰۱
۱۱۵	قرآن مجید میں زانی اور زانیہ کی سزا	//
۱۱۶	تورات میں زانی کی سزا کا ذکر	۳۰۴
۱۱۷	احادیث میں شادی شدہ کے زنا کی سزا	۳۰۵
۱۱۸	غلام وباندی کے زنا کی سزا	۳۱۶
۱۱۹	عورت کے نفاس کی حالت میں سزا کو مؤخر کرنے کا حکم	۳۱۸
۱۲۰	دودھ پیتے بچے کی ماں کی سزا کو مؤخر کرنے کا حکم	۳۱۹
۱۲۱	زنا کا اقرار کرنے کے بعد رجوع سے سزا کا سقوط	۳۲۲
۱۲۲	**زنا کی قانونی سزا سے متعلق چند احکام**	۳۲۴

Idara Ghufran

۱۲۳	(فصل نمبر ۶) تہمت و بہتان لگانے کی قانونی سزا	۳۳۷
۱۲۴	بیوی پر زنا کی تہمت اور لعان	۳۳۸
۱۲۵	تہمت کی قانونی سزا سے متعلق چند احکام	۳۳۹
۱۲۶	(فصل نمبر ۷) ارتداد کے جرم کی قانونی سزا	۳۵۳
۱۲۷	کفر وارتداد کے لئے اختیار کا پایا جانا ضروری ہے	//
۱۲۸	ارتداد کی قانونی سزا کا احادیث میں ذکر	۳۵۴
۱۲۹	مرتد کی توبہ کا حکم	۳۵۶
۱۳۰	ارتداد کی قانونی سزا سے متعلق چند احکام	۳۵۸
۱۳۱	ارتداد کی سزا پر شبہ اور اس کا جواب	۳۶۷
۱۳۲	(فصل نمبر ۸) تعزیری سزائیں	۳۶۹
۱۳۳	تعزیر کی صورتیں وقسمیں	۳۷۵
۱۳۴	تعزیر جاری ہونے والے جرائم	۳۸۶
۱۳۵	قانونی سزاؤں کے نفاذ کی ضرورت واہمیت اور شبہات کا جواب	۳۹۵

۱۳۶	(فصل نمبر۹) قانونی سزاؤں کی معافی، سفارش یا ساقط ہونے کا حکم	۳۹۷
۱۳۷	قصاص کو معاف اور معافی کی سفارش کرنے کا حکم	۳۹۸
۱۳۸	قانونی ثبوت سے پہلے حدود کو معاف یا سفارش کا حکم	۴۰۰
۱۳۹	جرم سرزد ہونے یا دیکھنے کے بعد مخفی رکھنے کی فضیلت	۴۰۴
۱۴۰	صحیح ثبوت نہ ہونے یا شک کی صورت میں حدود ساقط ہیں	۴۰۹
۱۴۱	جرائم کو مخفی رکھنے، ساقط، معاف وسفارش سے متعلق چند احکام	۴۱۲
۱۴۲	اسلامی قانونی سزاؤں کی معافی ونفاذ میں اعتدال	۴۲۱
۱۴۳	موجودہ آئین سے متعلق ملحوظہ	۴۲۲
۱۴۴	(فصل نمبر۱۰) حکومت کو عوام کی جاسوسی کرنے کی ممانعت	۴۲۳
۱۴۵	(باب نمبر۶) حکمرانوں کے حقوق اور عوام کی ذمہ داریاں	۴۳۴
۱۴۶	(فصل نمبر۱) مختلف حکومتوں وحکمرانوں کی پیشین گوئیاں	۴۳۵
۱۴۷	نبوت کے بعد خلافت، پھر ملک پھر امارت اور پھر اختلاف وانتشار	//

۱۴۸	جہالت والے اعمال کرنے والے حکمرانوں کی پیشین گوئی	۴۳۹
۱۴۹	اچھے اور برے اعمال سے مخلوط حکمرانوں کی پیشین گوئی	۴۴۰
۱۵۰	خودغرض حکمرانوں کی پیشین گوئی	۴۴۱
۱۵۱	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی امت پر گمراہ کن اور ظالم حکمرانوں کا خوف	۴۴۲
۱۵۲	بے وقوف اور ظالم وجھوٹے حکمرانوں کی پیشین گوئی	۴۴۵
۱۵۳	انسانوں کے بدن میں شیطانوں کے دل والے حکمران	۴۵۰
۱۵۴	چرواہوں اور گرے پڑے لوگوں کا حکمران بننے کی پیشین گوئی	۴۵۱
۱۵۵	(فصل نمبر ۲) **اتحاد واتفاق کی اہمیت اور تفرقہ بازی کی مذمت**	۴۵۳
۱۵۶	اتفاق کا حکم اور تفرقہ بازی کی ممانعت	۴۵۴
۱۵۷	دین میں تفرقہ بازی کی ممانعت	۴۵۶
۱۵۸	باہمی تنازعہ کا نقصان	۴۵۷
۱۵۹	حکمران پر متحد ہونے کی اہمیت اور تفریق کی مذمت	//
۱۶۰	رنگ ونسل اور قبائل کی بنیاد پر تفرقہ بازی اور بغض کی ممانعت	۴۶۱
۱۶۱	باہم لڑنے والی جماعتوں میں انصاف سے صلح کرادینے کا حکم	۴۶۸
۱۶۲	صلح کرادینا افضل ومحبوب ترین صدقہ ہے	۴۷۰
۱۶۳	صلح کرادینا روزہ، نماز اور صدقہ کی کثرت سے افضل ہے	۴۷۲
۱۶۴	باہمی کشیدگی کو ختم کرادینا عظیم تجارت ہے	۴۷۴

(فصل نمبر۳)

حکومت کی اطاعت اور قوانین کی پابندی

۱۶۵	(فصل نمبر۳) حکومت کی اطاعت اور قوانین کی پابندی	۴۷۶
۱۶۶	قرآن میں اللہ، رسول اور حکمرانوں کی اطاعت کا حکم	۴۷۷
۱۶۷	حاکم کی اطاعت، نبی کی اطاعت میں داخل ہے	۴۸۱
۱۶۸	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حاکم کی اطاعت کا حکم	۴۸۲
۱۶۹	حاکم کی اطاعت، جنت میں داخلہ کے اعمال میں سے ہے	۴۸۴
۱۷۰	حاکم کی اطاعت کی وصیت	۴۸۸
۱۷۱	حاکم کی اطاعت کرنے والا برِی اور ظالم حاکم کا مؤاخذہ	۴۸۹
۱۷۲	سامع و مُطیع پر کوئی الزام نہیں، اور سامع وعاصی کی حجت نہیں	۴۹۳
۱۷۳	سننے اور ماننے کا حکم، اگرچہ حاکم ادنیٰ و ناقص غلام کیوں نہ ہو	۴۹۵
۱۷۴	حکومت اور اس کے قوانین کی نافرمانی، تفریق کا باعث ہے	۴۹۸
۱۷۵	حکمران بنانے کی اہمیت اور حکمران کی بیعت توڑنے پر وعید	//
۱۷۶	حکومت کے جائز قوانین کی پابندی بالاجماع شرعاً واجب ہے	۵۰۲
۱۷۷	(فصل نمبر۴) ظالم و گنہگار حکمرانوں کے حقوق اور ان کے خلاف طرزِ عمل	۵۰۴
۱۷۸	حکمران کے اعمالِ بد کے عوام جوابدہ نہیں	۵۰۵
۱۷۹	ظالم و گنہگار حکمرانوں کی اطاعت واجب ہے	۵۰۸
۱۸۰	حکمرانوں کی ناپسندیدہ چیز پر اطاعت وصبر کا حکم اور تفریق کی ممانعت	۵۱۱
۱۸۱	خودغرض اور غیر منصف حاکموں کے رویہ پر صبر کا حکم	۵۱۵

۱۸۲	اپنے حقوق نہ ملنے پر صبر کرنے سے جنت کا اجر	۵۱۸
۱۸۳	صبر اور ثواب کی امید، نجات اور فلاح کا باعث ہے	۵۱۹
۱۸۴	ظالم حاکموں کے حقوق اداء اور اپنے حقوق کی اللہ سے دعاء	۵۲۱
۱۸۵	ظالم حکمرانوں سے حفاظت کی مسنون دعاء	۵۲۴
۱۸۶	حکمرانوں کے ذریعہ سے شکر اور صبر کی شکل میں آزمائش	۵۲۶
۱۸۷	صریح گناہ میں اطاعت واعانت کے بجائے حسبِ قدرت نکیر	۵۳۰
۱۸۸	مسلمان حکمران کے صریح کفر میں مبتلا ہونے پر حکم	۵۴۳
۱۸۹	حکمران کے ساتھ شامل ہونے کا حکم، اگرچہ وہ گناہ گار ہو	۵۵۲
۱۹۰	حکمران کے خلاف خروج، تفریق اور خونریزی کا باعث ہے	۵۵۴
۱۹۱	ناپ تول میں کمی اور تکبر واتراہٹ سے ظالم حکمرانوں کا تسلط	۵۵۸
۱۹۲	حکومت، اللہ کی مشیّت اور اعمال کے مطابق ہوتی ہے	۵۶۲
۱۹۳	حکمرانوں کے دروازوں پر جانے کا نقصان	۵۶۸
۱۹۴	**خلاصہ**	۵۷۳
۱۹۵	(فصل نمبر ۵) **حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے خروج اور شہادت کی حیثیت**	۵۷۵
۱۹۶	(فصل نمبر ۶) **حکمرانوں کی خیر خواہی ونصیحت کی فضیلت واہمیت**	۵۹۱
۱۹۷	دین میں حکمرانوں کی خیر خواہی کا مقام ومرتبہ	//
۱۹۸	مسلمان حکام کی خیر خواہی میں مومن کا دل خیانت نہیں کرتا	۵۹۳

۱۹۹	اللہ کو حکمرانوں کی خیرخواہی پسند ہے	۵۹۵
۲۰۰	حکمرانوں کی خیرخواہی کرنے والا جنت سے محروم نہ ہوگا	۵۹۶
۲۰۱	حکمرانوں کے ساتھ دوغلہ رویہ کی ممانعت	۵۹۷
۲۰۲	حکمران کو نصیحت کرنے کی فضیلت اور اُس کا طریقہ	۵۹۸
۲۰۳	حکمرانوں کو نصیحت کی قدرت نہ ہونے کی صورت میں حکم	۶۰۱
۲۰۴	(فصل نمبر ۷) **حکمرانوں کی تکریم وتوقیر کا حکم اور تحقیر وتذلیل کی ممانعت**	۶۱۲
۲۰۵	حکمرانوں کی تعظیم وتوقیر کی فضیلت	۶۱۴
۲۰۶	حکمرانوں کی تعظیم کا حکم اور تذلیل کا وبال	//
۲۰۷	حکمرانوں کو بُرا کہنے، دھوکہ دہی اور بُغض ونافرمانی کی ممانعت	۶۱۸
۲۰۸	(باب نمبر ۷) **غیرمسلموں کے ساتھ معاملات وتعلقات**	۶۲۲
۲۰۹	(فصل نمبر ۱) **غیرمسلموں سے محبانہ تعلقات کی ممانعت**	۶۲۳
۲۱۰	(فصل نمبر ۲) **غیرمسلموں سے منصِفانہ ومحسنانہ تعلقات**	۶۲۹

۲۱۱	غیر مسلموں کے ساتھ عدل وانصاف اور بِرّ کا حکم	۶۲۹
۲۱۲	غیر مسلموں کے ساتھ مالی ناانصافی وزیادتی کی ممانعت	۶۳۰
۲۱۳	غیر مسلموں کو ناحق جسمانی تکلیف پہنچانے کی ممانعت	۶۳۲
۲۱۴	غلاموں کے ساتھ بھی نیکی واحسان کی تاکید	۶۳۳
۲۱۵	غلاموں کے حقوق کی تاکید ووصیت	۶۳۴
۲۱۶	غلام کے ساتھ حسنِ معاشرت وحسنِ اخلاق کا حکم	۶۳۶
۲۱۷	غلام کو آزاد کرنے یا آزادی میں اعانت کرنے کی فضیلت	//
۲۱۸	غلام کو مارنے پیٹنے کی ممانعت اور اس کا کفارہ	۶۳۷
۲۱۹	غلام پر زنا کی تہمت لگانے والے پر آخرت میں سزا	۶۳۹
۲۲۰	غلام کا نان نفقہ اور بے جا تکلیف پہنچانے کی ممانعت	۶۴۰
۲۲۱	(فصل نمبر ۳) **غیر مسلموں سے مصالحت ومسالمت اور امن ومعاہدہ**	۶۴۳
۲۲۲	قرآن مجید میں غیر مسلموں سے مصالحت اور معاہدہ کا ذکر	//
۲۲۳	نبی ﷺ کی مشرکین سے مصالحت اور ان کے ساتھ معاہدہ	۶۵۰
۲۲۴	صلح حدیبیہ، مکہ کی فتح کی بنیاد	۶۵۶
۲۲۵	اختلاف وانتشار کے وقت مصالحت کا حکم	//
۲۲۶	نبی ﷺ کا فتحِ مکہ کے دن مشرکوں کو امن دینا	۶۵۷
۲۲۷	کسی بھی مسلمان کا دیا ہوا اَمن وپناہ سب پر لازم ہے	۶۵۸
۲۲۸	مسلم عورت کا اَمن دینا بھی معتبر ہے	۶۶۰
۲۲۹	اَمن یافتہ غیر مسلم کے قاتل کا قیامت میں دھوکہ کا جھنڈا	۶۶۲

۲۳۰	اَمَن یافتہ غیر مسلم کے قاتل سے نبی علیہ السلام کی براءت	۶۶۴
۲۳۱	دوسرے مسلمان کے دیئے ہوئے اَمن کو توڑنے کا وبال	//
۲۳۲	غیر مسلم ودشمنانِ اسلام کے سفیر کو قتل کرنے کی ممانعت	۶۶۷
۲۳۳	غیر مسلم مُعاہِد کے قتل کی ممانعت	۶۶۹
۲۳۴	غیر مسلم مُعاہِد کا قاتل جنت کی خوشبو سے محروم	۶۷۱
۲۳۵	غیر مسلم مُعاہِد کے قاتل پر جنت حرام ہے	۶۷۲
۲۳۶	غیر مسلم مُعاہِد پر ظلم کرنے والے سے نبی علیہ السلام کی حجت	۶۷۳
۲۳۷	غیر مسلم سے عہد پورا کرنے کی تاکید اور دھوکہ دہی کی ممانعت	۶۷۵
۲۳۸	عہد شکنی، قتل وغارت گری اور دشمنوں کے غلبہ کا سبب ہے	۶۷۶
۲۳۹	قیامت سے قبل عہد شکنی گھٹیا لوگوں کا وطیرہ	۶۸۰
۲۴۰	**غیر مسلموں سے معاملات ومعاشرت سے متعلق چند احکام**	۶۸۵
۲۴۱	(فصل نمبر۴) **عملی وقولی جہاد کی فضیلت واہمیت اور جہاد کی صورتیں**	۷۲۰
۲۴۲	**(باب نمبر۸) اسلامی ملک کی حفاظت وپاسبانی کے فضائل**	۷۳۲
۲۴۳	قرآن مجید میں پاسبانی اور دشمنوں کے لئے تیاری کا حکم	//
۲۴۴	سرحد یا اندرونِ ملک پاسبانی کرنے والے کے لئے خوشخبری	۷۳۳
۲۴۵	پاسبانی، صدقۂ جاریہ اور عذابِ قبر سے حفاظت کا ذریعہ	۷۳۵

۲۴۶	پاسبانی کے لئے جاگنے والی آنکھ پر جہنّم حرام ہے	۷۴۰
۲۴۷	ایک دن یا رات یا اس سے بھی کم وقت پاسبانی کی فضیلت	۷۴۱
۲۴۸	اسلامی ملک وسرحد کی پاسبانی افضل جہاد ہے	۷۴۶
۲۴۹	(خاتمہ) **انتخاب اور ووٹ کے احکام وآداب**	۷۴۹
۲۵۰	**قیامِ حکومت کی ضرورت اور اس کے انتخاب کا طریقہ**	۷۵۰
۲۵۱	**حکمران کا انتخاب، مشورہ کے بعد بیعتِ عام کے ذریعہ سے**	۷۵۶
۲۵۲	**امیدوار Candidate کی حیثیت**	۷۶۱
۲۵۳	**ووٹ کی شرعی حیثیتیں**	۷۶۵
۲۵۴	(۱) ووٹ اور گواہی	۷۶۷
۲۵۵	(۲) ووٹ اور سفارش	۷۷۲
۲۵۶	(۳) ووٹ اور وکالت	۷۷۴
۲۵۷	(۴) ووٹ اور مشورہ	۷۷۷

۲۵۸	(۵) ووٹ اور سیاسی بیعت	۷۷۹
۲۵۹	اس بحث کا خلاصہ	۷۸۰
۲۶۰	ووٹ کی اہمیت اور اس کو ضائع کرنے کا نقصان	۷۸۱
۲۶۱	ووٹ کیسے شخص کو دیا جائے؟	۷۸۳
۲۶۲	جماعتی اور آزاد امیدوار کی حیثیت	۷۸۹
۲۶۳	امیدوار کے انتخاب وترجیح کا خلاصہ	۷۹۰
۲۶۴	ووٹوں کے متعلق چند غلط فہمیاں اور کوتاہیاں	۷۹۲
۲۶۵	(۱) ووٹ کے بجائے اللہ کے حکم، یا نیکی ودعاء سے تبدیلی کا شبہ	//
۲۶۶	(۲) ووٹ کے بجائے امر بالمعروف، نہی عن المنکر کرنے کا شبہ	۷۹۴
۲۶۷	(۳) ووٹ کے نظام میں سب ووٹروں کی رائے برابر ہونے کا شبہ	۷۹۵
۲۶۸	(۴) دین داروں کا ووٹ کے استعمال کو گناہ سمجھنا	۷۹۸
۲۶۹	(۵) شریف اور امیر لوگوں کا ووٹ استعمال نہ کرنا	۸۰۰

Idara Ghufran

۲۷۰	(۶) ووٹوں میں دھاندلی ہونے کا بہانہ	۸۰۲
۲۷۱	(۷) کسی بھی امیدوار کے اہل نہ ہونے کا بہانہ	۸۰۴
۲۷۲	(۸) اپنا ایک ووٹ نہ دینے سے فرق نہ پڑنے کا بہانہ	۸۰۸
۲۷۳	(۹) ظلم پر اعانت اور دوسروں کے ووٹوں سے کفایت کا دعویٰ	۸۰۹
۲۷۴	(۱۰) ووٹ ڈالنے کے لئے وقت نہ ہونے کا بہانہ	۸۱۱
۲۷۵	(۱۱) ووٹ ڈالنے کے بجائے حکمرانوں پر تبصرے کرنا	۸۱۲
۲۷۶	(۱۲) ذاتی تعلقات ومفادات کی خاطر نا اہل کو ووٹ دینا	//
۲۷۷	(۱۳) ووٹوں کی نوٹوں کے عوض خرید وفروخت	۸۱۶
۲۷۸	(۱۴) نا اہل کو ووٹ دینے کا حلف یا عہد، معاہدہ کرنا	۸۱۹
۲۷۹	(۱۵) نا اہل کو ووٹ دینے کا ایک نفسانی وشیطانی حیلہ	۸۲۳
۲۸۰	(۱۶) ووٹ اور سیاست کے شریعت سے خارج ہونے کا دعویٰ	۸۲۴

Idara Ghufran

۲۸۱	اس بحث کا خلاصہ	۸۲۶
۲۸۲	ووٹ کے آداب	۸۲۷
۲۸۳	ضمیمہ مروَّجہ ہڑتالوں اور احتجاجوں کا حکم	۸۳۱
۲۸۴	مروَّجہ احتجاجوں و ہڑتالوں کے مفاسد ومنکرات	۸۳۵
۲۸۵	(۱)......بے صبری کا گناہ	۸۳۸
۲۸۶	(۲)......جوش، زبردستی، ایذاء رسانی اور املاک کی تباہی	۸۴۱
۲۸۷	(۳)......قانون شکنی اور سب وشتم وغیرہ کا گناہ	۸۴۶
۲۸۸	(۴)......ریاء کاری وشہرت آوری	۸۴۷
۲۸۹	(۵)......جھوٹ اور مبالغہ آرائی کا گناہ	″
۲۹۰	(۶)......اپنے حقوق کا اللہ کے بجائے مخلوق سے سوال	۸۴۹
۲۹۱	(۷)......نااتفاقی اور تفرقہ بازی	۸۵۰
۲۹۲	خلاصہ	″
۲۹۳	احتجاجوں اور ہڑتالوں کے بجائے بہتر حکمرانوں کا انتخاب	۸۵۲
۲۹۴	بھوک ہڑتال کا حکم	۸۵۳
۲۹۵	مروَّجہ بائیکاٹ کا حکم	۸۵۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

(از مؤلف)

شریعت کا ایک شعبہ بلکہ اہم شعبہ سیاست وحکومت (Politics And Government) ہے، جس کے ساتھ کسی بھی ملک کے تقریباً تمام افراد کا کسی نہ کسی حیثیت سے تعلق ہوتا ہے، اوراس سے بڑھ کر جب سے دنیا بھر کے تمام ممالک کا ایک دوسرے کے ساتھ تعلق پیدا ہوا، یا بالفاظِ دیگر گلوبلائزیشن (Globalization) کا سلسلہ قائم ہوا، اوراس میں روز بروز تیزی کے ساتھ ترقی واضافہ ہونا شروع ہوا، اس وقت سے ایک ملک کی سیاست وحکومت کے ساتھ دوسرے ملکوں کے عوام وحکمرانوں کا بھی مختلف جہات سے تعلق پیدا ہوگیا، اورایک ملک کی سیاست وحکومت کے اچھے وبرے ہونے کے اثرات دوسرے ممالک پر بھی فوری طور پر پڑنے شروع ہوئے، اسی اندرون وبیرون ممالک کی سیاست کے مختلفُ الانواع ربط وضبط اور تعلق کومختصر لفظوں میں داخلہ وخارجہ پالیسی (Interior and Foreign Policy) سے تعبیر کیا جاتا ہے، جس کا دائرہ بڑا وسیع ہے۔

اور دینِ اسلام جوانسان کے چھوٹے سے چھوٹے عمل کے حکم کی بھی تعیین ونشاندہی یا درجہ بندی کر کے رہنمائی فراہم کرتا ہے، وہ سیاست وحکومت کے اتنے اہم، اجتماعی اور وسیع شعبہ کو کیسے نظر انداز کرسکتا ہے، مگر مسلمانوں کی کم علمی اور دین سے دوری کی وجہ سے سیاست وحکومت کے شعبہ میں کئی طرح سے افراط وتفریط اور بے اعتدالیاں سامنے آئیں، اور رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ بہت سے لوگوں کے نزدیک سیاست وحکومت یا تو ایک طعنہ اورگالی بن کر رہ گیا، یا سیاست وحکومت نے ایک نئے مذہب بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ ایک نئے بت کی شکل اختیار کرلی، اوراس کی ایک طرح سے پوجا پاٹ کی جانے لگی۔

مگر جولوگ دین کا صحیح علم اور دینِ اسلام سے غیر رسمی تعلق رکھتے ہیں، وہ اس بات کو سمجھتے ہیں

Idara Ghufran

کہ سیاست وحکومت کا دینِ اسلام سے تعلق ہے اور بڑا گہرا تعلق ہے، اس لئے سیاست وحکومت دینِ اسلام سے خارج نہیں، لیکن دینِ اسلام کا دائرہ چونکہ سیاست وحکومت کے شعبہ سے بھی وسیع تر ہے، بلکہ انسان کی انفرادی واجتماعی، نجی وغیرنجی، ہر طرح کی زندگی پر محیط اور حاوی ہے، اس لئے سیاست وحکومت دینِ اسلام کا ایک حصہ اور جزو ہے، نہ کہ پورا دینِ اسلام۔ لہٰذا نہ تو سیاست وحکومت کو دینِ اسلام یا مذہبِ اسلام سے خارج کوئی چیز سمجھنا چاہئے، اور نہ ہی سیاست وحکومت کو پورے دینِ اسلام یا مذہبِ اسلام کا درجہ دینا چاہئے۔

اور جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ سیاست وحکومت دینِ اسلام اور مذہبِ اسلام کا ایک اہم حصہ اور جزو ہے، تو اس کے بعد سمجھنا چاہئے کہ جس طرح دینِ اسلام دنیا کے دیگر تمام مذاہب کے مقابلہ میں انتہائی جامع، کامل اور معتدل مذہب ہے، اسی طرح دینِ اسلام میں سیاست وحکومت کی تعلیمات وہدایات بھی انتہائی جامع، کامل اور معتدل ہیں، بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ سیاست وحکومت سے متعلق قرآن وسنت کی صریح اور منصوص تعلیمات وہدایات، اتنی جامع، نافع اور کامل ومعتدل ہیں کہ موجودہ دور میں اگر ان کو صحیح معنیٰ میں سمجھ کر نیک نیتی کے ساتھ دنیا میں اختیار کرلیا جائے، تو پوری دنیا امن وسکون کا گہوارہ بن سکتی ہے، اور مختلف قسم کے بے شمار شروراور فتنوں سے محفوظ ہوسکتی ہے۔

مگر اس موقع پر بھی بدقسمتی سے مذہب اسلام سے تعلق رکھنے والے ایک طبقہ نے تو سیاست وحکومت کے متعلق اسلام کی منصوص بنیادی تعلیمات کو پسِ منظر میں رکھ کر اس کے بالمقابل ثانوی درجے کے مذہبی احکام اور مجتہد فیہ وفروعی مسائل پر مخصوص فقہی مباحث کا ایسا رنگ چڑھا کر پیش کیا کہ اس کی وجہ سے سمجھا گیا کہ مذہبِ اسلام کی سیاست تو صرف مخصوص نوعیت کی ملائیت تک محدود ہے، اور وہ مخصوص مسلک کی مسجد یا مدرسہ یا کسی خاص ادارہ وعلاقہ میں ہی قابلِ عمل وقابلِ نفاذ ہوسکتی ہے، جبکہ اس طرزِ عمل کے مدِ مقابل دینی علم سے بے بہرہ ایک بڑے طبقہ نے یہ سوچ کر کہ جب دینِ اسلام ومذہبِ اسلام کی سیاست ملک

بھر اور دنیا کے وسیع تر علاقہ کے لئے قابلِ عمل یا قابلِ نفاذ نہیں ہے، تو اس کی طرف متوجہ ہونے کا کیا فائدہ، انہوں نے اپنی سیاست کو چلانے کے لئے مذہب اسلام کے علاوہ دوسرے نظامہائے سیاست کی طرف رخ کیا۔

حالانکہ مذہبِ اسلام کی سیاست وحکومت کی اصولی و بنیادی منصوص تعلیمات کا نفاذ اس دور میں بھی ممکن ہے، اور نہ صرف ممکن ہے بلکہ موجودہ دور کے بے شمار سیاسی فتنوں سے نجات وحفاظت کا بھی باعث ہے، بشرطیکہ اس کو کھلے دل کے ساتھ قبول کیا جائے، اور اس میں وسعتِ ظرفی کا مظاہرہ کیا جائے، اور تنگ ظرفی سے بچا جائے، اور سیاست وحکومت سے متعلق دینِ اسلام کے خاص احکامات کے ساتھ دوسرے دین کے احکام کو منسلک ولازم نہ کیا جائے، بلکہ ان کو اپنے درجہ پر رکھا جائے۔

اس لئے ضرورت ہے کہ سیاست وحکومت سے متعلق مذہب اسلام کی مبارک تعلیمات کو اسی انداز میں پیش کیا جائے، جو انداز قرآن وسنت کی نصوص میں اختیار کیا گیا ہے، تاکہ افراط وتفریط اور بے اعتدالیوں سے نجات حاصل ہو، اور قرآن وسنت کی معجزانہ تعلیمات کا دوسرے مذاہب کے لوگ بھی جائزہ لیں، اور پھر اسلام کے نظامِ سیاست وحکومت اور اس کے مقابلہ میں دنیا کے دوسرے مذہبی یا غیر مذہبی نظامہائے سیاست کا تقابل کر کے حق کو پہچانیں، اور اس کی پیروی کریں۔

ہمیں اُمید ہے کہ ایسا کرنے سے آج کے دور کی سیاست وحکومت مختلف قسم کی گندگیوں اور غلاظتوں سے پاک وصاف ہوسکتی ہے، اور حکمران وعوام دونوں اپنے اپنے دائرۂ کار میں رہتے ہوئے ایک دوسرے کے حقوق ادا کر کے نظم وضبط اور امن وسکون کے ساتھ زندگی گزار سکتے ہیں۔

سیاست وحکومت سے متعلق اس کتاب میں بندہ نے اسی ضرورت کو ملحوظ رکھ کر سیاست وحکومت سے متعلق دینِ اسلام کی بنیادی اور منصوص پاکیزہ تعلیمات کو فقہی مذاہب میں سے کسی ایک مذہب کی ہمہ جہتی پابندیوں سے بالاتر ہو کر جمع کیا ہے، تاکہ اس کا نفع عام رہے،

اور دیگر فقہی مسلک سے تعلق رکھنے والوں کے لئے بھی استفادے میں کوئی مانع نہ ہو، اور فقہی وفروعی مختلَف فیہ ومجتہَد فیہ تفصیلی مباحث کو یا تو شامل نہیں کیا، یا بوقتِ ضرورت اور بقدرِ ضرورت ان کی طرف اشارہ کردیا ہے، کیونکہ مجتہد فیہ فروعی وفقہی مختلف فیہ مسائل میں حکومت وقضاء کے معاملہ میں بطورِ خاص مخصوص شرائط کے ساتھ حسبِ ضرورت وحسبِ موقع تغیر وترمیم اور قانون سازی کی گنجائش موجود ہوتی ہے، جس کو فقہائے کرام نے قضائے قاضی یا حکمِ حاکم (Decision rule، Judge's decision) کے رافع اختلاف ہونے سے تعبیر کیا ہے۔ [1]

اللہ تعالیٰ حق کو سمجھنے اور اس کی اتباع کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

فقط واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔ محمد رضوان

۲/ جمادی الاخریٰ/۱۴۳۴ھ 13 / اپریل/2013ء بروز ہفتہ

---

[1] پھر اگر حاکم وقاضی مجتہد ہو، تو اس میں تو شبہ نہیں، اور اگر وہ خود مجتہد نہ ہو، لیکن وہ اہلِ علم کی مجتہد جماعت یا ادارہ سے اس طرح کے امور کی قانون سازی یا ان پر نظرِ ثانی کا کام لے، تو پھر بھی یہ مقصد پورا ہوسکتا ہے، بصورتِ دیگر اگر کوئی غیر مجتہد حاکم وقاضی بھی مجتہد فیہ مسئلہ میں فیصلہ کردے، تو قطع نظر اِس سے کہ اُس کو ایسا کرنا کس حد تک جائز تھا، اس کا نفاذ معتبر ہے

ذهب المالكية والحنابلة وبعض الشافعية والحنفية -إلا فى مسائل استثنوها -إلى أن قضاء القاضى فى المجتهدات بما غلب على ظنه وأدى إليه اجتهاده ينفذ ظاهرا وباطنا، ويرفع الخلاف فيصير المقضى به هو حكم الله تعالى باطنا وظاهرا، وذلک مثل قضاء القاضى بشفعة الجوار إذا كان مذهب المقضى له لا يجيزها، فينفذ ظاهرا وباطنا ويحل للأخير الأخذ بهذه الشفعة، وذهب أبو إسحاق الإسفرايينى واختاره الغزالى من الشافعية إلى أنه لا ينفذ فى الباطن، وقال بعض الشافعية : إن كان المحكوم له عالما بالدليل لم ينفذ القضاء فى حقه باطنا ولا يحل له أخذه بشفعة الجوار، وإن كان عاميا نفذ فى حقه باطنا وكان له الأخذ بها.

نقض الحكم: إذا حكم القاضى فى مسألة باجتهاده لخلوها عن نص أو لم يكن مجمعا على حكمها، لم ينقض حكمه باجتهاد ثان يقارب ظنه الأول ويناقضه، وإنما ينقض حكمه الواقع على خلاف نص الكتاب أو السنة المتواترة أو الإجماع، أو القياس الجلى، على خلاف بين الفقهاء فى ذلک (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۳، ص ۳۳۹، مادة ”قضاء“أثر الحكم فى المجتهدات)

لأنه مجتهد فيه) أى موضع اجتهاد صحيح، بمعنى أنه يسوغ فيه الاجتهاد لأنه لم يخالف كتابا ولا سنة مشهورة ولا إجماعا، إذ لو خالف شيئا من ذلک فى رأى المجتهد لم يكن مجتهدا فيه(رد المحتار على الدر المختار، ج۳، ص ۴۴۴)

الجاهل يلزمه اتباع رأى القاضى والمفتى .على أن قضاء القاضى فى محل الاجتهاد يرفع الخلاف

(ردالمحتار، ج۳، ص۷۴۷، کتاب الطلاق، باب التعلیق)

(مقدمہ)

کائنات کا اصل وحقیقی حاکم ''اللّٰہ'' ہے

حکومت کے بارے میں سب سے پہلی بات ایک مسلمان بلکہ ہر آسمانی مذہب کے پیروکار اور اس سے بڑھ کر ہر انسان کے لئے یہ ہے کہ وہ اس نظریہ وعقیدہ کو اختیار کرے کہ کائنات پر اصل اور مطلق حکومت اللہ اَحکمُ الحاکمین کی ہے۔ [1]

قرآن وسنت میں جگہ جگہ اس کی وضاحت کی گئی ہے، اور اس کی طرف انسانوں کو مدلل انداز میں متوجہ کیا گیا ہے۔

اس سلسلہ میں قرآن وسنت کی چند وضاحتوں کو نقل کیا جاتا ہے۔

اَحکمُ الحاکمین، اللہ جلّ جلالہٗ ہے

اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ:

وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِىْ مِنْ اَهْلِىْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحَاكِمِيْنَ (سورة هود، رقم الآية ۴۵)

ترجمہ: اور نوح (علیہ السلام) نے اپنے رب کو پکارا اور کہا کہ اے میرے رب! میرا بیٹا بھی میرے گھر والوں میں ہے (اس کو بھی نجات عطا فرمایئے) آپ کا وعدہ سچا

---

[1] پاکستان کے آئین میں قراردادِ مقاصد کے تحت اسی بات کو سرِ فہرست رکھا گیا ہے، جس کی عبارت یہ ہے کہ:
چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہی پوری کائنات کا بلاشرکتِ غیرے حاکمِ مطلق ہے، اور پاکستان کے جمہور کو جو اختیار واقتدار اس کی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرنے کا حق ہوگا، وہ ایک مقدس امانت ہے (ضمیمہ: ''آرٹیکل ۲، الف'' قراردادِ مقاصد، اسلامی جمہوریہ پاکستان کا دستور)

اللہ کرے کہ پاکستان میں اقتدارِ اعلیٰ حقیقی اور عملی طور پر بھی انہی راستوں پر گامزن ہو، جن کی تعیین قراردادِ مقاصد میں ہو چکی

ہے۔

ہے اور آپ احکم الحاکمین ہیں (سورہ ھود)

اس سے معلوم ہوا کہ احکم الحاکمین، اللہ کی ذات ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ حکومت کرنے والوں میں وسعت، علم وقدرت اور عدل وانصاف وغیرہ میں بڑی اور برتر اور مطلق حکومت اللہ کی ہے (باقی سب زمینی حکمرانیاں اس کے ماتحت اور اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں) جس سے نہ تو کوئی چیز مخفی ہے، اور نہ ہی اس میں کوئی کمزوری ہے، اور نہ ہی اس میں کوئی چیز عدل وانصاف کے خلاف شامل ہے۔

اور یہ شان اللہ کے علاوہ کسی اور کی حکومت وحکمرانی کو حاصل نہیں۔

سروری زیبا فقط اُسی ذاتِ بے ہمتا کو ہے ❊ حکمراں ہے فقط وہی باقی بُتانِ آزری

آسمان وزمین کی حقیقی حکومت ''اللہ'' کی ہے

سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ (سورة البقرة، رقم الآية ۱۰۷)

ترجمہ: کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی حکومت ہے، اور اللہ کے مقابلہ میں تمہارا نہ کوئی دوست ہے، اور نہ مددگار (سورہ بقرہ)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ آسمانوں اور زمین کی اصل وحقیقی حکومت وحکمرانی اللہ کی ہے، اور اللہ کی حکومت کے مقابلہ میں کسی کا نہ تو کوئی دوست ہوسکتا ہے، اور نہ مددگار، لہٰذا اللہ کو ناراض کرکے کسی دوسرے کی حکومت وحکمرانی، دوستی اور مدد کے قابل نہیں ہے۔

اور یہ شان اللہ کے علاوہ کسی اور کی حکومت وحکمرانی کو حاصل نہیں۔

سورہ آلِ عمران میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (سورة آل

عمران، رقم الآية ۱۸۹)

ترجمہ: اور آسمانوں اور زمین کی حکومت اللہ ہی کے لئے ہے اور اللہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے (سورہ آل عمران)

اس سے معلوم ہوا کہ آسمانوں اور زمین کی اصل وحقیقی حکومت وحکمرانی اللہ ہی کی ہے، اور اس کی شان یہ ہے کہ اللہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے، جس کی قدرت وطاقت کے برابر کسی کی حکومت نہیں ہے، اور اسی وجہ سے اللہ کے حکم وقانون کے مقابلہ میں کوئی رُکاوٹ ڈالنے والا بھی نہیں۔

اور یہ شان اللہ کے علاوہ کسی اور کی حکومت وحکمرانی کو حاصل نہیں۔

سورہ مائدہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (سورة المائدة، رقم الآية ۱۷)

ترجمہ: تحقیق کفر کیا ان لوگوں نے جنہوں نے کہا کہ بے شک اللہ ہی مسیح ابنِ مریم ہے، آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کے مقابلہ میں کون کس چیز کا مالک ہے، اگر اللہ، عیسیٰ بن مریم اور ان کی ماں کو اور جو زمین میں ہیں سب کو ہلاک کرنا چاہے، اور اللہ ہی کے لئے ہے آسمانوں اور زمین اور ان دونوں کے مابین کی حکومت، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اللہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے (سورہ مائدہ)

اس سے معلوم ہوا کہ آسمانوں اور زمین اور ان کے مابین تمام کائنات پر اصل وحقیقی حکومت وحکمرانی اللہ ہی کی ہے، اور اس کی شان یہ ہے کہ اللہ اپنی اس زبردست حکومت سے جو چیز چاہے، پیدا فرماتا ہے، اور اللہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے، جس میں یہ بھی داخل ہے کہ اگر

اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اور آپ کی والدہ بلکہ زمین کی سب مخلوق کو ہلاک کرنا چاہے، تو اس میں بھی کوئی رکاوٹ نہیں، لہٰذا آسمان وزمین یا کائنات میں اللہ کے مقابلہ میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام یا آپ کی والدہ یا کسی اور کی حقیقی حکومت وحکمرانی کا عقیدہ رکھنا غلط ہے۔

کیونکہ مذکورہ شان، اللہ کے علاوہ کسی اور کی حکومت وحکمرانی کو حاصل نہیں۔

سورہ مائدہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَلِلّٰهِ مُلْکُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَإِلَيْهِ الْمَصِيْرُ (سورة المائدة، رقم الآية ۱۸)

ترجمہ: اور اللہ ہی کے لئے ہے آسمانوں اور زمین اور ان دونوں کے مابین کی حکومت، اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے (سورہ مائدہ)

اس طرح کا مضمون سورہ نور میں بھی آیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَلِلّٰهِ مُلْکُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ (سورة النور، رقم الآية ۴۲)

ترجمہ: اور اللہ ہی کے لئے ہے آسمانوں اور زمین کی حکومت، اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے (سورہ نور)

اور سورہ زمر میں بھی اس سے ملتا جلتا مضمون آیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

لَهٗ مُلْکُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (سورة الزمر، رقم الآية ۴۴)

ترجمہ: اسی کے لئے ہے آسمانوں اور زمین کی حکومت، پھر اسی کی طرف تم لوٹ کر جاؤ گے (سورہ زمر)

سورہ حدید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

لَهٗ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْأُمُوْرُ (سورة الحديد، رقم الآية ۵)

ترجمہ: اسی کے لئے ہے آسمانوں اور زمین کی حکومت، اور اللہ ہی کی طرف سب اُمور لوٹائے جاتے ہیں (سورہ حدید)

مذکورہ آیات سے معلوم ہوا کہ آسمانوں اور زمین اور ان کے مابین تمام کائنات پر اصل اور حقیقی حکومت وحکمرانی اللہ ہی کی ہے، اور اس کی حکومت کی شان یہ ہے کہ وہ اتنی محیط ہے کہ کوئی چیز فنا ہو کر بھی اس کے قانون کی دسترس سے باہر نہیں، بلکہ فنا ہو کر بھی اسی کی طرف لوٹتی ہے، جس میں تمام انسانوں کا اس کی طرف لوٹ کر جانا بھی ہے، اور اس کے علاوہ مخلوق کے تمام کام اور اعمال بھی اسی کی طرف لوٹتے ہیں، جس میں دنیا کے مختلف خطوں کے حکمرانوں اور ان کی رعایا وعوام کے اعمال بھی داخل ہیں۔

اور یہ شان اللہ کے علاوہ کسی اور کی حکومت وحکمرانی کو حاصل نہیں۔

سورہ مائدہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (سورة المائدة، رقم الآية ۴۰)

ترجمہ: کیا تم کو معلوم نہیں کہ بے شک اللہ ہی کے لئے آسمانوں اور زمین کی حکومت ہے؟ وہ جس کو چاہے عذاب دیتا ہے، اور جس کی چاہے مغفرت فرماتا ہے، اور اللہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے (سورہ مائدہ)

اور سورہ مائدہ میں ہی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

(سورة المائدة، رقم الآية ۱۲۰)

ترجمہ: اور اللہ ہی کے لئے ہے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے، ان سب

کی حکومت، اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے (سورہ مائدہ)

مذکورہ آیات سے معلوم ہوا کہ آسمانوں اور زمین اور ان کے مابین تمام کائنات پر اصل وحقیقی حکومت وحکمرانی اللہ ہی کی ہے، اور اس کی شان یہ ہے کہ وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے، جس کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں، اور اس کی حکومت اتنی مضبوط ہے کہ اس میں مجرم کو سزا وعذاب دینا اور غیر مجرم یا نیکوکار کی مغفرت کر دینا بھی داخل ہے۔

اور یہ شان اللہ کے علاوہ کسی اور کی حکومت وحکمرانی کو حاصل نہیں۔

سورہ اعراف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

قُلْ يَآ أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِىْ وَيُمِيْتُ (سورة الاعراف، رقم الآية ۱۵۸)

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اُس اللہ کا (بھیجا ہوا) رسول ہوں کہ جس کے لئے آسمانوں اور زمین کی حکومت ہے، اس کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں، وہی زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے (سورہ اعراف)

اس سے معلوم ہوا کہ آسمانوں اور زمین کی اصل وحقیقی حکومت وحکمرانی اللہ ہی کی ہے، جس کی شان یہ ہے کہ اس کے علاوہ کوئی الٰہ ومعبود نہیں ہے، اور وہی ہر چیز کو زندگی اور موت دیتا ہے۔

اور یہ شان اللہ کے علاوہ کسی اور کی حکومت وحکمرانی کو حاصل نہیں۔

سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

إِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يُحْيِىْ وَيُمِيْتُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ (سورة التوبة، رقم الآية ۱۱۶)

ترجمہ: بے شک اللہ ہی کے لئے آسمانوں اور زمین کی حکومت ہے، وہ زندہ کرتا

ہے، اور موت دیتا ہے، اور تمہارے لئے اللہ کے مقابلہ میں نہ تو کوئی دوست ہے، اور نہ مددگار (سورہ توبہ)

اس سے معلوم ہوا کہ آسمانوں اور زمین کی اصل وحقیقی حکومت وحکمرانی اللہ ہی کی ہے، اور اس کی ایک شان یہ ہے کہ وہی ہر چیز کو زندگی اور موت دیتا ہے، اور اس کی حکومت کے مقابلہ میں نہ تو کوئی دوست ہوسکتا ہے، اور نہ مددگار۔

اور یہ شان اللہ کے علاوہ کسی اور کی حکومت وحکمرانی کو حاصل نہیں۔

اور سورہ فرقان میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اَلَّذِیْ لَهٗ مُلْکُ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَکُنْ لَّهٗ شَرِیْکٌ فِی الْمُلْکِ وَخَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا (سورة الفرقان، رقم الآية ١، و٢)

ترجمہ: وہی ہے کہ جس کے لیے آسمانوں اور زمین کی حکومت ہے، اور اس نے (اپنی) کوئی اولاد نہیں بنائی، اور نہ اس کی حکومت میں کوئی شریک ہے، اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے، پھر اس کو ایک خاص مقدار کے ساتھ رکھا ہے (سورہ فرقان)

اس سے معلوم ہوا کہ آسمانوں اور زمین کی اصل وحقیقی حکومت وحکمرانی اللہ ہی کی ہے، جس کی شان یہ ہے کہ نہ تو اس کی کوئی اولاد ہے، اور نہ اس کی حکومت میں کوئی شریک ووزیر ہے، اور وہی ہر چیز کو پیدا کرتا ہے، اور اس کو ایک خاص مقدار کے ساتھ پیدا کرتا ہے، جس کی مقدار اور عمر بھی وہی مقرر کرتا ہے، جو کہ حکمت کے عین مطابق ہوتی ہے۔

اور یہ شان اللہ کے علاوہ کسی اور کی حکومت وحکمرانی کو حاصل نہیں۔

اور سورہ شوریٰ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

لِلّٰهِ مُلْکُ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّیَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّکُوْرَ. اَوْ یُزَوِّجُهُمْ ذُکْرَانًا وَّاِنَاثًا وَّیَجْعَلُ مَنْ

www.idaraghufran.org

يَّشَاءُ عَقِيمًا إِنَّهُ عَلِيمٌ قَدِيرٌ (سورة الشورىٰ، رقم الآيات ۴۹، ۵۰)

ترجمہ: اللہ ہی کے لئے ہے آسمانوں اور زمین کی حکومت، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جس کو چاہتا ہے لڑکیاں ہبہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے لڑکے ہبہ کرتا ہے، یا ان کو لڑکوں اور لڑکیوں کی شکل میں جوڑے دے دیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے بانجھ بنادیتا ہے، بے شک وہ بڑے علم والا، بڑی قدرت والا ہے (سورہ شوریٰ)

اس سے معلوم ہوا کہ آسمان اور زمین کی اصل وحقیقی حکومت وحکمرانی اللہ ہی کی ہے، اور اس کی حکومت وحکمرانی کی ایک شان یہ بھی ہے کہ وہ جسے چاہے نرینہ اولاد، اور جسے چاہے غیر نرینہ اولاد، اور جسے چاہے دونوں قسم کی اولاد عطا کردیتا ہے، اور جسے چاہے بانجھ بنادیتا ہے، اس کا علم بھی سب سے بڑا ہے، اور اس کی قدرت وحکمت بھی سب سے بڑی ہے۔

اور یہ شان اللہ کے علاوہ کسی اور کی حکومت وحکمرانی کو حاصل نہیں۔

اور سورہ زخرف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَتَبَارَكَ الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (سورة الزخرف، رقم الآية ۸۵)

ترجمہ: اور وہ ذات بابرکت ہے، اسی کے لئے ہے حکومت آسمانوں اور زمین کی، اور ان دونوں کے مابین کی، اور اسی کے پاس قیامت کا علم ہے، اور اسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے (سورہ زخرف)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی ذات اتنی بابرکت ہے کہ آسمانوں اور زمین اور ان کے مابین تمام کائنات پر اصل وحقیقی حکومت وحکمرانی اسی کی ہے، اور اس کی شان یہ ہے کہ اسی کے پاس اُس قیامت کا علم ہے، جس میں سب چیزیں فنا ہوجائیں گی، جن میں دنیا کے حکمران اور ان کی حکومتیں بھی داخل ہیں، اور پھر اس کے بعد یہ سب اللہ کے پاس حاضر ہوں گے۔

اور یہ شان اللہ کے علاوہ کسی اور کی حکومت وحکمرانی کو حاصل نہیں۔

اورسورہ جاثیہ میں اللہ تعالیٰ کاارشاد ہے کہ:

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ (سورة الجاثية، رقم الآية ٢٧)

ترجمہ: اور اللہ ہی کے لئے ہے آسمانوں اور زمین کی حکومت، اور جس دن قیامت قائم ہوگی اس دن جھٹلانے والے نقصان اٹھائیں گے (سورہ جاثیہ)

اس سے معلوم ہوا کہ آسمانوں اور زمین کی اصل وحقیقی حکومت وحکمرانی اللہ ہی کی ہے، جس کی شان یہ ہے کہ اس نے بڑے انصاف اور عدل کے لئے قیامت کا دن مقرر کر رکھا ہے، اس انصاف کے دن، قیامت اور حق کا انکار کرنے والے نقصان اٹھائیں گے۔

اور یہ شان اللہ کے علاوہ کسی اور کی حکومت وحکمرانی کو حاصل نہیں۔

اور سورہ فتح میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (سوره الفتح، رقم الآية ١٤)

ترجمہ: اور اللہ ہی کے لئے ہے آسمانوں اور زمین کی حکومت، وہ جس کی چاہتا ہے، مغفرت فرماتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے، اور اللہ غفور ہے، رحیم ہے (سورہ فتح)

اس سے معلوم ہوا کہ آسمانوں اور زمین کی اصل وحقیقی حکومت وحکمرانی اللہ ہی کی ہے، جس کی شان یہ ہے کہ اس کی حکومت اتنی مضبوط ہے کہ اس میں مجرم کو سزا وعذاب دینا اور غیر مجرم یا نیکوکار کی مغفرت کر دینا بھی داخل ہے، اور اللہ بہت زیادہ مغفرت کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

اور یہ شان اللہ کے علاوہ کسی اور کی حکومت وحکمرانی کو حاصل نہیں۔

اور سورہ حدید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ. لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (سورة الحديد، رقم الآيات ١، ٢)

ترجمہ: پاکی بیان کرتی ہیں اللہ کی، وہ چیزیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں، اور وہ زبردست ہے، حکیم ہے، اسی کے لئے آسمانوں اور زمین کی حکومت ہے، وہ زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے (سورہ حدید)

اس سے معلوم ہوا کہ آسمانوں اور زمین کی اصل وحقیقی حکومت وحکمرانی اللہ کی ہے، جس کی شان یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین کی سب چیزیں اس کی تسبیح بیان کرتی ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی ایک صفت زبردست وطاقت ور ہونا اور ایک صفت حکیم ہونا ہے، اس وجہ سے اس کی حکومت کا کوئی حکم وقانون نہ توٹلتا ہے، اور نہ ہی کوئی حکم وقانون حکمت کے خلاف ہوتا ہے، اور اس کی حکومت کی زبردست طاقت ہونے کی ایک صفت یہ ہے کہ وہی زندہ کرتا اور موت دیتا ہے، بلکہ وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔

اور یہ شان اللہ کے علاوہ کسی اور کی حکومت وحکمرانی کو حاصل نہیں۔

اور سورہ بروج میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اَلَّذِيْ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ

(سورة البروج، رقم الآية ٩)

ترجمہ: وہی ہے کہ جس کے لئے حکومت ہے آسمانوں اور زمین کی، اور اللہ ہر چیز پر گواہ ہے (سورہ بروج)

اس سے معلوم ہوا کہ آسمانوں اور زمین پر اصل وحقیقی حکومت وحکمرانی اللہ کی ہے، جس کی شان یہ ہے کہ اس کو اپنی حکومت کے احکام جاری ونافذ کرنے کے لئے کسی حاکم کی عدالت میں اپنی حکومت کے معاملہ کو بھیجنے یا اس پر گواہوں کے تلاش کرنے کی ضرورت نہیں، اور نہ ہی

اللہ کی حکومت کا معاملہ کسی گواہ کی گواہی پر موقوف ہے، کیونکہ اللہ ہر چیز پر خود گواہ ہے، یعنی ہر چیز سے پوری طرح باخبر اور واقف ہے، لیکن کیونکہ وہ حکیم بلکہ احکمُ الحاکمین بھی ہے، اس لئے اپنی حکمت اور عدل وانصاف ظاہر کرنے کے لئے بروزِ قیامت وہ مختلف چیزوں کی گواہی دلوانا چاہے، تو وہ اس کے خلاف نہیں۔

اور یہ شان اللہ کے علاوہ کسی اور کی حکومت وحکمرانی کو حاصل نہیں۔

مذکورہ تمام آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی حکومت کا ذکر کرتے وقت پہلے آسمانوں کا تذکرہ فرمایا ہے، اور اس کے بعد زمین کا، اور یہ بات ظاہر ہے کہ زمین پر اپنی حکومت کا تو انسان دعویٰ کرسکتا ہے، اگرچہ اس کے دعویٰ میں صداقت نہ ہو، لیکن آسمانوں پر بلکہ آسمان وزمین کے مابین کائنات ومخلوقات پر اپنی حکومت قائم کرنے کا دعویٰ نہیں کرسکتا، اس حیثیت سے اللہ کی حکومت جو پورے روئے زمین کے علاوہ آسمانوں پر اور آسمان وزمین کے مابین جملہ کائنات پر بھی قائم ہے، یہ دوسری تمام مخلوقات کی حکومتوں سے ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔

انسانی حکومت، اللہ کے قبضہ میں اور اس کی عطا سے ہے

سورہ آلِ عمران میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (سورة آل عمران، رقم الآية ۲۶)

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اے اللہ! سب جہان کے مالک، تو جسے چاہتا ہے حکومت دیتا ہے، اور تو جس سے چاہتا ہے، حکومت چھین لیتا ہے، اور تو جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے، اور تو جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے، تیرے ہاتھ میں ہر خیر ہے، بے شک تو ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے (سورہ آل عمران)

اس سے معلوم ہوا کہ نہ صرف یہ کہ اللہ آسمانوں اور زمین کا حقیقی حاکم ہے، بلکہ دنیا کی حکومت کا کسی کو حاصل ہونا اور ختم ہونا اور عزت کا حاصل ہونا اور ختم ہونا یہ سب کچھ اس کے دستِ قدرت میں ہے، اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔

اور یہ شان، اللہ کے علاوہ کسی اور حکمران کو حاصل نہیں۔

انسانوں کا حقیقی حاکم، اللہ ہے

سورہ ناس میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ (سورة الناس، رقم الآيات ۱، ۲)

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ میں لوگوں کے رب، لوگوں کے حاکم کے ذریعہ سے پناہ چاہتا ہوں (سورہ ناس)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی ذات ایک طرف تو انسانوں کی حقیقی مربی اور تربیت کرنے والی ہے، اور دوسری طرف حقیقی حاکم بھی ہے۔

لہٰذا ہر انسان کا یہ عقیدہ ہونا چاہئے کہ اس کا حقیقی حاکم اللہ ربُّ العزت ہے، جو اس کی ہر ضرورت کا حقیقی کفیل اور کارساز بھی ہے۔

اور یہ شان، اللہ کے علاوہ کسی اور حکمران کو حاصل نہیں۔

مخلوق کا مِلکُ الاملاک یا شاہانِ شاہ نام رکھنے کی ممانعت

جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ آسمان وزمین کی اصل وحقیقی حکومت اللہ تعالیٰ کی ہے، تو اسی سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اللہ کے علاوہ کسی اور کی حکومت یا حکمرانی کو یہ درجہ اور مقام دینا جائز نہیں، اسی وجہ سے احادیث میں کسی انسان کا ''مِلکُ الاملاک'' یا ''شاہانِ شاہ'' (شہنشاہ) یعنی بادشاہوں کا بادشاہ نام رکھنے کی ممانعت آئی ہے۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ أَخْنَی الْأَسْمَاءِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ عِنْدَ اللّٰہِ رَجُلٌ تَسَمّٰی مَلِکَ الْأَمْلَاکِ (بخاری) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک ناموں میں بدترین نام اس آدمی کا ہوگا، جس کا نام ''ملکُ الاملاک'' (یعنی بادشاہوں کا بادشاہ) ہوگا (بخاری)

اور صحیح مسلم کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ أَغْیَظُ رَجُلٍ عَلَی اللّٰہِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَأَخْبَثُہُ وَأَغْیَظُہُ عَلَیْہِ رَجُلٌ کَانَ یُسَمّٰی مَلِکَ الْأَمْلَاکِ لَامَلِکَ إِلَّا اللّٰہُ (مسلم) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے نزدیک قیامت کے دن سب سے زیادہ غضب یافتہ اور خبیث ترین وہ آدمی ہوگا، جس کا نام ''مَلِک الاملاک'' (یعنی بادشاہوں کا بادشاہ) ہوگا، اللہ کے علاوہ کوئی (بادشاہوں کا) بادشاہ نہیں (مسلم)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

إِنَّ أَخْنَعَ الْأَسْمَاءِ عِنْدَ اللّٰہِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ رَجُلٌ تَسَمّٰی مَلِکَ الْأَمْلَاکِ شَاہَانُ شَاہُ (مستدرک حاکم ،رقم الحدیث ۷۷۲۳، کتاب الادب) [3]

ترجمہ: قیامت کے دن اللہ کے نزدیک ناموں میں بدترین نام اس آدمی کا ہوگا،

---

[1] رقم الحدیث ۵۷۳۷، کتاب الادب، باب ابغض الاسماء الی اللہ .

[2] رقم الحدیث ۲۱۴۳ "۲۱"، کتاب الآداب، باب تحریم التسمی بملک الأملاک وبملک الملوک.

[3] قال الحاکم: ھذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاہ لأن جماعۃ من أصحاب سفیان رووہ عنہ بإسنادہ عن أبی ھریرۃ یبلغ بہ .
وقال الذھبی فی التلخیص: قداخرجاہ.

Idara Ghufran

جس کا نام ''ملکُ الاملاک''یعنی شہنشاہ ہوگا (حاکم)

ہماری زبان میں ''ملکُ الاملاک'' یا ''ملکُ الملوک'' بادشاہوں کے بادشاہ کو کہا جاتا ہے، جس کا ترجمہ ہماری زبان میں ''شہنشاہ'' ہے، یہ نام کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی کے لائق اور اللہ تعالیٰ ہی کی صفت ہے، اس لئے کسی غیر اللہ کے لئے اس نام کی اجازت نہیں، اور ایسا نام رکھنا اللہ تعالیٰ کی سخت ناراضگی کا باعث ہے۔ [1]

اس بحث کا خلاصہ ونتیجہ

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ ہر انسان اور خاص کر مسلمان کو اپنا اور پوری کائنات کا اصل اور حقیقی حاکم (Original Ruler، Absolute ruler) ''اللہ'' کو سمجھنا چاہئے، اور اسی پر پختہ عقیدہ رکھنا چاہئے۔

اور نہ تو اپنے عقیدہ ونظریہ کے اعتبار سے غیرُ اللہ کو (خواہ وہ کتنا ہی بڑا حکمران اور کتنی ہی طاقت ورحکومت کیوں نہ ہو) کائنات اور اپنی ذات اور اس کی ضروریات کا اصل اور حقیقی حاکم وکفیل سمجھنا چاہئے، اور نہ ہی غیرُ اللہ کے ساتھ (خواہ وہ کتنا ہی بڑا حکمران اور حکومت کیوں نہ ہو)

---

[1] قال سفیان " :إن العجم إذا عظموا ملکهم یقولون شاهان شاه :إنک ملک الملوک (مستدرک حاکم ،تحت رقم الحدیث ۷۷۲۳)

(وعن أبی هریرة -رضی الله عنه -قال :قال رسول الله صلی الله علیه وسلم " :أخنی الأسماء) : بسکون الخاء المعجمة بعدها نون أی :أقبحها، وروی أخنع أی :أذلها وأوضعها باعتبار مسماه (یوم القیامة عند الله) أی :وإن کان الیوم عند عامة الناس أعظم الأسماء وأکرمها (رجل) أی :اسم رجل (یسمی) : بصیغة المجهول من التسمیة، نص علیه السید جمال الدین، وهو المطابق لما فی النسخ المصححة، وفی نسخة بفتح الفوقیة وتشدید المیم ماض معلوم من التسمی مصدر من باب التفعل .قال بعضهم :وقع فی أکثر نسخ المصابیح بصیغة المجهول من التسمیة، وکذا رأیته فی أصل مصحح من کتاب مسلم، ووقع فی بعض النسخ بصیغة المعروف من التسمی ثم قوله : (ملک الأملاک) : منصوب علی المفعولیة، والأملاک جمع ملک کالملوک علی ما فی القاموس، وقد فسره سفیان الثوری، فقال :هو شهنشاه یعنی :شاه شاهان بلسان العجم، وقدم المضاف إلیه ثم حذف الألف وفتح الهاء تخفیفا وهو بالعربی سلطان السلاطین(مرقاة المفاتیح، ج۷ص۲۹۹۸، کتاب الآداب،باب الاسامی)

اس قسم کا سلوک وبرتاؤ کرنا چاہئے، جس سے اس کا اصلی وحقیقی حاکم ہونا ظاہر ہو۔

پس آج کل جو ہر کام کی نسبت مختلف حکمرانوں یا حکومتوں کی طرف کی جاتی ہے، اور حکمرانوں کی ہر ہر بات اور نقل وحرکت کو محفوظ رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے، اور اس کو کائنات میں بڑے انقلابات (Revolutions of the universe) کا پیش خیمہ قرار دیا جاتا ہے، ذرائع ابلاغ (Media) پر حکمرانوں کی ہر ہر بات کو بڑی اہمیت کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے، بلکہ ہر قسم کے پروگراموں میں حکمرانوں کی طرف کسی نہ کسی حیثیت سے نسبت کی جاتی ہے، اور مہنگائی، بے روزگاری، اور دوسرے معاملات کے کرتا دھرتا ہونے کی نسبت بھی حکمرانوں کی طرف کی جاتی ہے، اور اللہ کی حکومت کا کوئی ذکر نہیں کیا جاتا۔

اور اسی طرح اپنے ہر طرح کے مسائل کے لئے حکمرانوں کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، اور ان کے درِ دولت پر پہنچنے کو ساری کامیابیوں کا سرچشمہ قرار دیا جاتا ہے، اور ہر طرح سے ان کی خوشنودی حاصل کرنے کو بڑی کامیابی سمجھا جاتا ہے، اور حکمرانوں کی زبانی وکلامی باتوں میں تقدیر اور قسمت بدلنے کا راز مضمر سمجھا جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی۔

یہ اللہ کی حقیقی واصلی حاکمیت کے خلاف ہے، خواہ عقیدہ کے ساتھ ہو یا طرزِ عمل کے ساتھ۔

اور اس کو سادہ لفظوں میں آج کے دور میں سیاست وحکومت کا بُت یا خفیہ شرک کہنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ اس قسم کے غلو اور بے اعتدالی سے حفاظت فرمائے۔

(باب نمبر۱)

حکمرانی کے حقوق اور حکومت کی ذمہ داریاں

یہ بات تو معلوم ہو چکی کہ کائنات پر اصل وحقیقی حکومت وحکمرانی اللہ تعالیٰ کی ہے، اس کے بعد دنیا میں انسانوں کی حکومت کا درجہ ہے، دینِ اسلام نے انسانوں کی حکومت وحکمرانی کے لئے بھی سُنہری تعلیمات پیش کی ہیں، قرآن وسنت کی نصوص میں بڑی وضاحت اور صراحت کے ساتھ انسانوں کی حکومت وحکمرانی کے حقوق وآداب کا ذکر کیا گیا ہے، جس کی نظیر اور مثال کسی اور مذہب میں بلکہ سیاست وحکومت سے متعلق انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین میں بھی ملنا مشکل اور ناممکن ہے۔ اسلام میں حکومت اور حکمرانوں کے لئے جو اُصول وضوابط اور قوانین مقرر کئے گئے ہیں، وہ ہمہ گیر ہیں، جن میں حکومت وحکمرانی کے عہدہ اور ذمہ داری کی حیثیت کی تعیین، اس عہدہ وذمہ داری کی اہمیت ونزاکت، عوام ورعایا کے حقوق کی تاکید وترغیب اور عوام ورعایا کے ساتھ خیرخواہی اور نرمی کی فضیلت واہمیت، اور عوام ورعایا کے ساتھ عدل وانصاف کے مطابق حکومتی معاملات چلانے کی اہمیت وفضیلت اور عوام ورعایا کے ساتھ ظلم وناانصافی کی مذمت، اس کے علاوہ حکمرانوں کے وزیروں ومشیروں سے متعلق قیمتی اور سُنہری ہدایات، اور حکمرانوں کی ناجائز خوری وغیرہ، سب ہی پہلوؤں پر سیر حاصل روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور اس طرح سے حکومت وسیاست کے شعبہ کے متعلق قیمتی اور جامع ہدایات کے ذریعہ سے اس شعبہ کو انتہائی پاکیزہ بنادیا گیا، جن پر عمل پیرا ہونے سے حکومت وسیاست کا شعبہ ہر طرح کی گندگی سے پاک وصاف ہوسکتا ہے۔ [1]

آگے ان پہلوؤں پر الگ الگ کچھ تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

---

[1] اور پاکستان کے آئین میں اس بات کو تسلیم کیا گیا ہے کہ:

تمام موجودہ قوانین کو قرآن پاک اور سنت میں منضبط اسلامی احکام کے مطابق بنایا جائے گا، جن کا اس حصہ میں بطور اسلامی احکام حوالہ دیا گیا ہے، اور ایسا کوئی قانون وضع نہیں کیا جائے گا، جو مذکورہ احکام کے منافی ہو

(''آرٹیکل ۲۲۷'' حصہ نہم، اسلامی احکام، اسلامی جمہوریہ پاکستان کا دستور)

(فصل نمبر۱)

حکمرانی وحکومت کا عہدہ امانت ہے

حکومت یا حکمرانی کے بارے میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ یہ عہدہ اللہ احکمُ الحاکمین کی طرف سے، عوام ورعایا کی امانت اور انتہائی نازک ذمہ داری ہے، جس کو اسلام میں بڑی وضاحت اور اہمیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، جس کی دنیا کے کسی بھی مذہب اور قانون میں نظیر اور مثال نہیں ملتی۔

اس پہلو کی کچھ تفصیل ذیل میں ذکر کی جاتی ہے۔

حکمران کے لئے قوی، امین، حفیظ اور علیم ہونے کی صفت

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَقَالَ الْمَلِکُ ائْتُوْنِیْ بِہٖٓ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِیْ فَلَمَّا کَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّکَ الْیَوْمَ لَدَیْنَا مَکِیْنٌ اَمِیْنٌ. قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَائِنِ الْاَرْضِ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ (سورۃ یوسف، رقم الآیۃ ۵۴، و ۵۵)

ترجمہ: اور بادشاہ نے کہا کہ اس (یوسف) کو میرے پاس لاؤ کہ میں اسے اپنے لیے خاص کرلوں، پھر جب بادشاہ نے یوسف سے بات کی تو بادشاہ نے کہا کہ بلاشبہ آپ آج ہمارے نزدیک صاحبِ اقتدار، امانتدار ہیں، یوسف نے کہا کہ مجھے اس زمین کے خزانوں پر (وزیر وامین) مقرر کردیجئے، بے شک میں (اس عہدہ وامانت کی) اچھی طرح حفاظت کرنے والا (اس کے معاملات کو) خوب جاننے والا ہوں (سورہ یوسف)

اس سے معلوم ہوا کہ صاحبِ اقتدار وحکمران کے لئے امانت دار اور اس عہدہ وذمہ داری اور

امانت کا صحیح محافظ ہونا، اور امورِ اقتدار سے واقف وعالم ہونا ضروری ہے۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ صحیح محافظ وہی ہوسکتا ہے، جو کہ قوی اور باہمت بھی ہو، اس لئے حکمران کے لئے قوی اور باہمت ہونا بھی ضروری ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں ہی ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِيْنُ (سورة القصص رقم الآية ٢٦)

ترجمہ: جنہیں آپ اجرت پر رکھیں ان میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو قوی اور امین ہو (سورہ قصص)

اور ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَاللّٰهُ يُؤْتِىْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (سورة البقرة، رقم الآية ٢٤٧)

ترجمہ: اور کہا اِن (بنی اسرائیل کے لوگوں) کو، ان کے نبی نے کہ بے شک اللہ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ مقرر فرمادیا ہے، انہوں نے (جواب میں) کہا کہ اس کی حکومت ہم پر کیوں کر ہوسکتی ہے، اس سے تو ہم ہی حکومت کے زیادہ مستحق ہیں اور اس (طالوت) کو مال کی وسعت بھی نہیں دی گئی، نبی نے کہا کہ بے شک اللہ نے اسے تمہارے اوپر (حکمرانی کے لئے) منتخب فرمالیا ہے، اور اسے علم اور جسم میں زیادہ فراخی دی ہے، اور اللہ اپنا ملک جسے چاہے دیتا ہے اور اللہ وسیع، بہت علم والا ہے (سورہ بقرہ)

اس سے معلوم ہوا کہ کسی بھی کام اور بطورِ خاص حکومت کے عہدے کے لئے ضروری ہے کہ اس کام پر اسے قوت حاصل ہو، اور وہ امانت دار اور امورِ حکومت کا علم رکھنے والا ہو، اگرچہ وہ

مالدار نہ ہو۔

حکومت کی ذمہ داری انتہائی نازک اور بھاری امانت ہے، جس کا تعلق ملک بھر کے عوام سے ہے، اس لئے اس کام وخدمت کی انجام دہی کے لئے انسان کا قوی، اور امین ہونا انتہائی ضروری ہے۔

اور حکومت کے عہدہ کے لئے یہی صفات ایسی ہیں کہ کسی بھی حکمران میں بنیادی طور پر ان کا پایا جانا ضروری ہے، یعنی اس عہدہ وذمہ داری اور امانت کے لئے قوی وحفیظ اور امین ہونا اور حکومتی اُمور سے باخبر اور واقف ہونا۔

لیکن اس کے لئے مالدار ہونا ضروری نہیں، جیسا کہ آج کل سمجھا جاتا ہے۔

حکمرانی یا حکومت کا عہدہ، اللہ اور عوام کی امانت ہے

احادیث سے بھی اس مضمون کی تائید ہوتی ہے، کہ حکومت کا عہدہ اللہ کی طرف سے عوام کی اجتماعی، نازک اور اہم امانت ہے، جس کی حفاظت کے لئے قوت کا ہونا ضروری ہے۔

چنانچہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، أَلَا تَسْتَعْمِلُنِيْ؟ قَالَ: فَضَرَبَ بِيَدِهٖ عَلٰى مَنْكِبِيْ، ثُمَّ قَالَ: يَا أَبَا ذَرٍّ، إِنَّكَ ضَعِيْفٌ، وَإِنَّهَا أَمَانَةٌ، وَإِنَّهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ خِزْيٌ وَّنَدَامَةٌ، إِلَّا مَنْ أَخَذَهَا بِحَقِّهَا، وَأَدَّى الَّذِيْ عَلَيْهِ فِيْهَا (مسلم) [1]

ترجمہ: میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول کیا آپ مجھے عامل (یعنی کسی علاقہ کا وزیر وگورنر) نہیں بناتے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ میرے کندھے پر مار کر فرمایا کہ اے ابوذر! آپ کمزور ہیں اور یہ (امارت وحکومت کا معاملہ اہم ونازک) امانت ہے اور یہ قیامت کے دن رُسوائی اور شرمندگی ہے

---

[1] رقم الحديث ۱۸۲۵ "۱۶" كتاب الامارة، باب كراهة الإمارة بغير ضرورة.

سوائے اس کے کہ جس نے اس کے حقوق پورے کئے اور اس بارے میں جو اس کی ذمہ داری تھی اس کو ادا کیا (مسلم)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنِ اسْتَعْمَلَ عَامِلًا عَلٰی قَوْمٍ وَفِیْ تِلْکَ الْعِصَابَۃِ مَنْ ھُوَ أَرْضَی اللّٰہَ مِنْهُ فَقَدْ خَانَ اللّٰہَ وَخَانَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَخَانَ جَمِیْعَ الْمُسْلِمِیْنَ (السنة لابنِ ابی عاصم) [1]

---

[1] رقم الحديث ۱۴۶۲ ،باب قول الرسول صلى الله عليه وسلم رأيت فى النوم كأنى أنزع بدلو بكرة على قليب، المعجم الكبير للطبرانى، رقم الحديث ۱۱۲۱۶، السنن الكبرىٰ للبيهقى، رقم الحديث ۲۰۳۶۴)

قال الهيثمى: رواه الطبرانى، وفيه أبو محمد الجزرى حمزة ولم أعرفه، وبقية رجاله رجال الصحيح (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۹۰۷۱)

وقال البوصيرى: وقال -صلى الله عليه وسلم : -(أيما رجل استعمل رجلا على عشرة أنفس علم أن فى العشرة أفضل ممن استعمل فقد غش اللّٰه وغش رسوله وغش جماعة المسلمين، ويؤتى بالذى ضرب فوق الحد فيقول :عبدى، لم ضربت فوق ما أمرتک؟ فيقول :غضبت لک .فيقول: أكان لغضبک أن يكون أشد من غضبى؟ ويؤتى بالذى قصر فيقول :عبدى، لم قصرت؟ فيقول: رحمته .فيقول :أكانت لرحمتک أن تكون أشد من رحمتى؟ فيؤمر بها جميعًا إلى النار). وسيأتى له شواهد فى كتاب الإمارة -إن شاء اللّٰه تعالى (اتحاف الخيرة المهرة، تحت رقم الحديث ۳۵۲۵، باب فيمن ضرب فتجاوز الحد أو قصر)

رواه الطبرانى من طريق حسين بن قيس المعروف بحنش، وهو مختلف فيه، ضعفه جماعة، ووثقه ابن نمير، وحسن له الترمذى غيرما حديث، وصحح له الحاكم، ولا يضر فى المتابعات، ومع ذلک لم ينفرد به حسين بن قيس عن عكرمة، فقد تابعه عليه يزيد بن أبى حبيب.

كما رواه الحاكم أبو عبد اللّٰه الحافظ :ثنا أبو جعفر محمد بن محمد بن عبد اللّٰه البغدادى، ثنا يحيى بن عثمان بن صالح، ثنا أبى، ثنا ابن لهيعة، عن يزيد بن أبى حبيب، عن عكرمة، عن ابن عباس، عن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -حدث قال" :من استعمل عاملا من المسلمين وهو يعلم أن منهم من هو أولى بذلک منه، وأعلم بكتاب اللّٰه ولمشة نبيه؟ فقد خان اللّٰه ورسوله وجميع المسلمين."وورواه البيهقى فى سننه عن الحاكم به.

وله شاهد من حديث أبى بكر الصديق رواه الحاكم من طريق بكر بن خنيس وصححه، وأحمد فى مسنده وفى إسناده رجل لم يسم (اتحاف الخيرة المهرة، تحت رقم الحديث ۴۸۹۴باب ترهيب من ولى شيئًا من أمور المسلمين أن يولى عليهم رجلا وفى رعيته خير منه)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی قوم کا وزیر مقرر کیا، اور اُس جماعت میں اُس آدمی سے زیادہ اللہ کا پسندیدہ بندہ تھا، تو اس نے اللہ کے ساتھ خیانت کی، اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی خیانت کی، اور تمام مسلمانوں کے ساتھ بھی خیانت کی (ابن ابی عاصم، طبرانی)

اس سے معلوم ہوا کہ حکومت کی ذمہ داری پورے ملک اور اس کے لاکھوں کروڑوں عوام بلکہ اللہ اور اس کے رسول کی امانت ہے، اس لئے حکمران میں بنیادی صفت قوت وہمت کا ہونا ہے، تاکہ اس اہم ذمہ داری کو نبھانے کی قدرت ہو، اور پھر اس کے حقوق اور ذمہ داریوں کی ادائیگی امانت ودیانت کے ساتھ انجام دے، ورنہ یہ عہدہ قیامت کے دن ذلت، رُسوائی اور شرمندگی کا باعث ہوگا۔ [1]

---

[1] هـذا الحديث أصل عظيم فى اجتناب الولايات لا سيما لمن كان فيه ضعف عن القيام بوظائف تلك الولاية وأما الخزى والندامة فهو فى حق من لم يكن أهلا لها أو كان أهلا ولم يعدل فيها فيخزيه الله تعالى يوم القيامة ويفضحه ويندم على ما فرط وأما من كان أهلا للولاية وعدل فيها فله فضل عظيم تظاهرت به الأحاديث الصحيحة كحديث سبعة يظلهم الله (شرح النووى على مسلم، ج١٢، ص٢١٠، و٢١١، كتاب الامارة، باب كراهة الإمارة بغير ضرورة)

(وعن أبى ذر قال :قلت يا رسول الله :ألا تستعملنى؟) ; أى ألا تجعلنى عاملا؟ (قال) ; أى أبو ذر (فضرب بيده) ; أى ضرب لطف وشفقة، (على منكبى) وفى نسخة بالتثنية، (ثم قال يا أبا ذر إنك ضعيف) ; أى عن تحمل العمل، (وإنها) ; أى الإمارة (أمانة) يعنى ومراعاة الأمانة لكونها ثقيلة صعبة لا يخرج عن عهدتها إلا كل قوى، وفيه الإشارة إلى قوله :(إنا عرضنا الأمانة)الآية قال الطيبى: تأنيث الضمير إما باعتبار الإمارة المستفادة من قوله ألا تستعملنى، أو باعتبار تأنيث الخبر اهـ. فعلى الثانى يكون مرجع الضمير والعمل المستفاد من لفظ الاستعمال، ويؤيد الأول قوله :(وإنها) ; أى الإمارة (يوم القيامة خزى) ; أى عذاب وفضيحة للظالم ;(وندامة) ; أى تأسف وتندم على قبولها للعادل، (إلا من أخذها) استثناء منقطع ;أى خزى وندامة على من أخذها بغير حقها، لكن من أخذها بحقها (وأدى الذى عليه فيها) فإنها لا تكون خزيا ووبالا عليه، وفيه إشارة لطيفة بأنها إما أن تكون عليه، أو لا تكون عليه، وأما كونها له فلا فالأولى تركها بلا ضرورة، قال النووى :هذا الحديث أصل عظيم فى اجتناب الولاية، لا سيما لمن كان فيه ضعف عن القيام بوظائفها، والخزى والندامة فى حق من لم يكن أهلا لها، أو كان أهلا ولم يعدل فيخزيه الله يوم القيامة ويفضحه ويندم على ما فرط (مرقاة المفاتيح، ج٦ ص٢٤٠١، كتاب الإمارة والقضاء)

www.idaraghufran.org

نااہل کوحکومت کا عہدہ سپرد کرنا امانت کوضائع کرنا ہے

حکومت کا عہدہ کیونکہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے عوام کی اجتماعی اہم اور نازک امانت ہے، اس لئے اس عہدہ کا نااہل کوسپرد کرنا اس امانت کوضائع کرنے میں داخل ہے۔

چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

فَإِذَا ضُيِّعَتِ الْأَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ، قَالَ: كَيْفَ إِضَاعَتُهَا؟ قَالَ: إِذَا وُسِّدَ الْأَمْرُ إِلٰى غَيْرِ أَهْلِهِ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ (بخاری) [1]

ترجمہ: جب امانت کوضائع کردیا جائے، تو آپ قیامت کا انتظار کریں، انہوں نے عرض کیا کہ امانت کوضائع کرنا کس طرح ہوگا؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب معاملہ نااہل کے حوالہ کردیا جائے، تو آپ قیامت کا انتظار کریں (بخاری)

گزشتہ حدیث سے حکومت کا امانت ہونا معلوم ہوچکا، اور مذکورہ حدیث میں امانت کے ضائع کئے جانے کو قیامت کی علامتوں ونشانیوں میں ذکر کیا گیا ہے، اور پھر امانت کو ضائع کئے جانے کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے کہ ''جب معاملہ نااہل کے حوالہ کردیا جائے'' جس سے معلوم ہوا کہ حکومت کا معاملہ نااہل کے حوالہ کرنا سخت بُری چیز ہے، اسی لئے وہ علاماتِ قیامت میں سے ہے۔

پھر نااہل کوحکومت کا عہدہ سپرد کرنے میں صدر یا وزیر یا کسی دوسرے مجاز شخص کا کسی نااہل کو سرکاری منصب کا چھوٹا بڑا عہدہ دینا بھی داخل ہے، اور عوام کی طرف سے نااہل کوووٹ وغیرہ کے ذریعہ سے حکومت کے عہدہ کے لئے منتخب کرنا بھی داخل ہے۔

---

[1] رقم الحديث ۵۹، كتاب الايمان، باب من سئل علما وهو مشتغل فى حديثه، فأتم الحديث ثم أجاب السائل.

اور نااہل ہونے میں ضعیف، بزدل، خائن وغیرہ ہونا سب داخل ہے۔ [1]

امانتوں کو اہل کی طرف سپرد کرنے کا حکم

قرآن مجید کی سورہ نساء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلٰى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا . يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَطِيْعُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ (سورة النساء، رقم الآية ۵۸، ۵۹)

ترجمہ: بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل لوگوں تک پہنچادو اور تم جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو بیشک اللہ تمہیں نہایت اچھی نصیحت کرتا ہے بیشک اللہ خوب سُننے والا، خوب دیکھنے والا ہے۔ اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے حاکم ہوں (سورہ نساء)

ان آیات سے جہاں حکمرانوں کی اطاعت کا حکم معلوم ہوا، اسی کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوا کہ امانتوں کو ان کے اہل کو سپرد کرنا ضروری ہے، اور حکومت کا عہدہ کیونکہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے عوام کی بہت بڑی، اہم اور نازک اجتماعی امانت ہے، اس لئے اس کے لئے

---

[1] قال " :إذا ضيعت : "بصيغة المفعول من التضييع، وفى نسخة من الإضاعة (الأمانة) أى: حين جعلت الأمانة ضائعة بالخيانة، أو وضعت عند غير أرباب الديانة .... هذا فى الخليفة، وقس على هذا سائر أولى الأمر والشأن وأرباب المناصب من التدريس والفتوى والإمامة والخطابة، وأمثال ذلک مما يفتخر به الأقران. قال التوربشتى -رحمه الله :معناه أن يلى الأمر من ليس له بأهل، فيلقى له وسادة الملک وأراد بالأمر الخلافة، وما ينضم إليها من قضاء وإمارة ونحوها، والتوسيد :أخذ من الوساد، يقال :وسدته الشىء بالتخفيف فتوسده، إذا جعله تحت رأسه، ولفظة "إلى "فيها إشكال، إذ كان من حقه أن يقال :وسد الأمر لغير أهله، فلعله أتى بها ليدل على إسناد الأمر إليه اهـ (مرقاة المفاتيح ، ج۸ص ۳۴۲۹، باب اشراط الساعة)

خصوصیت کے ساتھ اہلیت ضروری ہے۔

اور مذکورہ آیات میں اہلیت کی ایک صفت لوگوں کے درمیان عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا بیان کی گئی ہے۔

جس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حکمرانی یا حکومت کے عہدہ کے لئے اہل ہونا ضروری ہے، کیونکہ یہ بہت بڑی امانت ہے، اور اہل ہونے کی ایک اہم صفت یہ ہے کہ وہ اپنے عہدہ سے متعلقہ لوگوں کے درمیان عدل وانصاف والا معاملہ کرے، اور کسی کے ساتھ ظلم نہ کرے۔

اور اہل کی طرف امانت سپرد کرنے میں یہ صورت بھی داخل ہے کہ کوئی حکمران دوسرے یا ذیلی حکمران کو حکومت کا کوئی عہدہ سپرد و منتقل کرے، یا کوئی کمیٹی یہ عمل کرے، اور یہ بھی داخل ہے کہ عوام بیعت اور ووٹ وغیرہ کے ذریعہ سے کسی عہدہ دار کا انتخاب کریں۔

خلاصہ یہ کہ حکومت کا عہدہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے عوام اور بندوں کی اجتماعی اور مشترکہ امانت ہے، جس کی حفاظت کے لئے ضروری ہے کہ محافظ قوی ہو، کیونکہ ضعیف اور کمزور شخص امانت کی حفاظت نہیں کرسکتا، اسی طرح خائن بھی امانت کی حفاظت نہیں کرسکتا، اور اسی طرح جو شخص اُمورِ حکومت وسلطنت اور اس عہدہ کی ذمہ داریوں سے ناواقف اور بے خبر ہو، وہ بھی اس امانت کو صحیح طرح ادا نہیں کرسکتا، اس لئے اس کے حق میں یہ ذمہ داری وبال ہے۔اور ایسے کسی شخص کو حکومت کا عہدہ سپرد کرنا بھی سخت و بدترین گناہ ہے۔

مذکورہ تفصیل سے ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ حکومت کے عہدہ کا اسلام سے بڑا گہرا تعلق ہے۔

لٰہذا جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حکومت وحکمرانی کے عہدہ کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، اور یہ دنیا کی ایک چیز ہے، جس میں اپنی مرضی سے آزادی کے ساتھ کام کرنا چاہئے، یہ درست بات نہیں۔

(فصل نمبر ۲)

حکمرانی وحکومت کے عہدہ کی اہمیت ونزاکت

حکمرانی وحکومت کا عہدہ کیونکہ اللہ اوراس کے رسول کی طرف سے، عوام اور بندوں کی امانت ہے، اوراجتماعی امانت ہونے کے ساتھ ساتھ لاکھوں کروڑوں افراد کے بے شمار مشترکہ حقوق بھی اس سے وابستہ ہیں، اس لئے اسلام میں حکومت وحکمرانی کے عہدہ کی بڑی اہمیت ونزاکت بیان کی گئی ہے، اوراس ذمہ داری وعہدہ سے ڈرایا اور خوف دلایا گیا ہے، تاکہ کوئی نااہل، خائن، اس عہدہ وذمہ داری کے لئے پیش قدمی نہ کرے، اوراگر کوئی پیش قدمی کرے، تو وہ اس کی اہمیت ونزاکت کو اچھی طرح سمجھ لے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ لِی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: یَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ سَمُرَۃَ، لاَ تَسْأَلِ الْإِمَارَۃَ، فَإِنَّکَ إِنْ أُعْطِیْتَھَا عَنْ مَسْأَلَۃٍ وُکِّلْتَ إِلَیْھَا، وَإِنْ أُعْطِیْتَھَا عَنْ غَیْرِ مَسْأَلَۃٍ أُعِنْتَ عَلَیْھَا (بخاری) [1]

ترجمہ: مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عبدالرحمٰن بن سمرہ! آپ امارت (وحکمرانی) کا سوال مت کرنا، کیونکہ اگر آپ کو (حکمرانی) سوال کرنے پر ملی، تو آپ اس کے سپرد کردیئے جائیں گے، اوراگر آپ کو (حکمرانی) بغیر سوال کے ملی، تو آپ کی اس پر (منجانب اللہ) مدد کی جائے گی (بخاری)

کیونکہ حکومت کا عہدہ انتہائی نازک ہے، اوراس نازک ذمہ داری سے بآسانی سبکدوش ہونا مشکل ہے، تاآنکہ اللہ کی مدد شاملِ حال نہ ہو۔

اس لئے اسلام میں حکومت کے کسی عہدہ کا خود سے سوال ومطالبہ کرنا پسندیدہ نہیں، کیونکہ اس

[1] رقم الحدیث ۷۱۴۶، کتاب الاحکام، باب من لم یسأل الإمارۃ أعانہ اللہ علیھا.

میں اللہ کی نصرت واعانت حاصل نہیں ہوتی، البتہ اگر کوئی عہدہ اپنی طرف سے مطالبہ وسوال کئے بغیر یا دوسروں کے مطالبہ پر حاصل ہو، تو اللہ کی مدد واعانت اور نصرت حاصل ہوتی ہے۔ [1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنْ وُلِیَ الْقَضَاءَ، أَوْ جُعِلَ قَاضِیًا بَیْنَ النَّاسِ فَقَدْ ذُبِحَ بِغَیْرِ سِکِّیْنٍ (سنن الترمذی) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کو قاضی (حکمران وحاکم) کا عہدہ دے دیا گیا، یا لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے والا (حکمران، قاضی وحاکم) بنا دیا گیا، تو وہ بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا (ترمذی)

اس سے معلوم ہوا کہ حکومت وقضاء کا معاملہ انتہائی نازک ہے، اسی لئے اس عہدہ کے ملنے کو بغیر چُھری کے ذبح کئے جانے سے تعبیر کیا گیا، کیونکہ اس عہدہ پر آنے کے بعد ہزاروں، لاکھوں بلکہ کروڑوں افراد کے حقوق کی ادائیگی اور ان کے درمیان عدل وانصاف کا قائم رکھنا

---

[1] (وعن عبد الرحمن بن سمرة) أی القرشی أسلم یوم الفتح وصحب النبی صلی الله علیه وسلم عداده فی أهل البصرة، ومات بها سنة إحدی وخمسین روی عنه ابن عباس والحسن وخلق سواهما (قال :قال لی رسول الله صلی الله علیه وسلم :لا تسأل الإمارة) بکسر الهمزة أی لا تطلب الحکومة والولایة لا من الخلق ولا من الخالق (فإنک إن أعطیتها عن مسألة) أی إعطاء صادرا عن سؤال (وکلت إلیها) أی ترکت إلیها وخلیت معها من غیر إعانة لک فیها لأنک استقللت فی طلبها .وقال الطیبی :أی فوضت إلی الإمارة ولا شک أنها أمر شاق لا یقوم بها أحد بنفسه من غیر معاونة من الله إلا أوقع نفسه فی ورطة خسر فیها دنیاه وعقباه وإذا کان کذلک فلا یسألها اللبیب الحازم (وإن أعطیتها من غیر مسألة) أی حال کونک مفوضا أمرک إلی الله ومعتقدا ألا حول ولا قوة إلا بالله (أعنت علیها) أی بالتوفیق والتثبیت والتحقیق(مرقاة المفاتیح، ج۶ص ۲۴۰۰، کتاب الامارة والقضاء)

[2] رقم الحدیث ۱۳۲۵ ،ابواب الاحکام،باب ما جاء عن رسول الله صلی الله علیه وسلم فی القاضی، مستدرک حاکم، رقم الحدیث ۷۰۱۸.

قال الترمذی:هذا حدیث حسن غریب من هذا الوجه، وقد روی أیضا من غیر هذا الوجه عن أبی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم.

قال الحاکم:هذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاه.

وقال الذهبی: صحیح.

www.idaraghufran.org

بہت مشکل ہوتا ہے،قدم قدم پرحق تلفی،ظلم وستم،ناحق طرفداری اور جانب داری کے خطرات پیش آتے ہیں،اور یہ ایک طرح سے روحانی موت اور بغیر چُھری کے ذبح ہوجانا ہے۔ [1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ قَالَ:وَيْلٌ لِلْأُمَرَاءِ، وَيْلٌ لِلْعُرَفَاءِ، وَيْلٌ لِلْأُمَنَاءِ، لَيَتَمَنَّيَنَّ أَقْوَامٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنَّ ذَوَائِبَهُمْ كَانَتْ مُعَلَّقَةً بِالثُّرَيَّا ، يَتَذَبْذَبُوْنَ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ، وَلَمْ يَكُوْنُوْا عَمِلُوْا عَلٰى شَيْءٍ (مسند احمد،رقم الحديث ۸۶۲۷) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حکمرانوں کے لئے ویل (وہلاکت) ہے،خزانچیوں کے لئے ویل ہے، امینوں کے لئے ویل ہے،بہت سے لوگ قیامت کے دن تمنا کریں گے کہ (کاش دنیا میں) ان کی پیشانیوں کے بال ثریا (ستارے) میں باندھ کر ان کو لٹکا دیا جاتا اور وہ زمین وآسمان کے درمیان جھولتے رہتے (اور یہ سخت ترین تکلیف برداشت کرتے) لیکن ان کو کسی کام کی

---

[1] (عن أبی هريرة قال :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم :-من جعل) بصيغة المجهول ; أى من جعله السلطان (قاضيا بين الناس فقد ذبح بغير سكين) قال الطيبى :يحتمل وجوها ; الأول :قال القاضى :يريد به القتل بغيره كالخنق والتغريق، والإحراق، والحبس عن الطعام والشراب، فإنه أصعب وأشد من القتل بالسكين ;لما فيه من مزيد التعذيب وامتداد مدته، الثانى: أن الذبح إنما يكون فى العرف بالسكين ;فعدل به إلى غيره ليعلم أن الذى أراد به ما يخاف عليه من هلاک دينه دون هلاک بدنه، قاله صاحب الجامع :قال التوربشتى :وشتان بين الذبحين فإن الذبح بالسكين عناء ساعة، والآخر عناء عمر بله ما يعقبه من الندامة يوم القيامة ;الثالث :قال الأشرف :يمكن أن يقال :المراد به أن من جعل قاضيا فينبغى أن يموت جميع دواعيه الخبيثة وشهواته الرديئة، فهو مذبوح بغير سكين، قال الطيبى رحمه الله :فعلى هذا القضاء مرغوب فيه ومحثوث عليه، وعلى الوجهين الأولين :تحذير على الحرص عليه ;وتنبيه على التوقى منه ;لما تضمن من الأخطار المردية، قال المظهر :خطر القضاة كثير وضرره عظيم ;لأنه قلما عدل القاضى بين الخصمين ;لأن النفس مائلة إلى من يحبه، أو يخدمه، أو من له منصب يتوقى جاهه، أو يخاف سلطنته، وربما يميل إلى قبول الرشوة وهو الداء العضال (مرقاة المفاتيح ،ج۶ص ۲۴۲۶،باب العمل فى القضاء والخوف منه)

[2] فى حاشية مسند احمد:إسناده حسن.

www.idaraghufran.org

حکومت نہ ملتی (مسنداحمد)

ویل سے مراد ہلاکت اور سخت ذلت آمیز ودردناک عذاب ہے، اس سے معلوم ہوا کہ حکومت یا حکمرانی کا معاملہ وعہدہ انتہائی اہمیت ونزاکت کا حامل اور قیامت کے دن سخت حسرت کا باعث ہے، خواہ وہ صدارت کا عہدہ ہو، یا کسی وزارت کا عہدہ ہو، جس میں وزیرِاعظم کے عہدہ سے لے کر وزیرِخزانہ، وزیرِبجلی وپانی اور گیس، وزیرِزراعت، وزیرِتجارت، وزیرِصحت وغیرہ کے عہدے اور تمام ذیلی سیاسی وحکومتی عہدے داخل ہیں، البتہ اگر امانت ودیانت کے ساتھ ان خدمات اور ذمہ داریوں کو ادا کیا اور نبھایا جائے، تو پھر ویل اور ہلاکت سے بچا جا سکتا ہے، جیسا کہ دوسری احادیث میں آیا ہے۔ [1]

---

[1] (وعنه) ; أى عن أبى هريرة -رضى الله عنه -(قال :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم - ويل للأمراء) مبتدأ وخبر، كقوله (سلام عليكم) وهو الحزن والهلاك والمشقة من العذاب، وقيل واد فى النار، وقد ورد ويل واد فى جهنم يهوى فيه الكافر أربعين خريفا قبل أن يبلغ قعره .رواه أحمد والترمذى وابن حبان والحاكم عن أبى سعيد، (وللعرفاء) جمع عريف بمعنى فاعل ;وهو القيم بأمر قبيلة، ومحلة يلى أمرهم ويتعرف الأمير منه أحوالهم، ومنهم رؤساء القرى، وأرباب الولايات، (ويل للأمناء) جمع أمين ;وهو من ائتمنه الإمام على الصدقات، والخراج وسائر أمور المسلمين، ويدل عطفه على الأمراء والعرفاء ، ويشمل بعمومه كل من ائتمنه غيره على مال، أو غيره، ومنهم وصى الأيتام، وناظر الأوقاف، (ليتمنين أقوام يوم القيامة أن نواصيهم) ; أى شعورهم قدام رء وسهم، (معلقة) ; أى فى الدنيا (بالثريا) مقصورا فى النهاية الثريا :النجم تصغير الثروى، يقال :إن خلال أنجمها الظاهرة، كواكب خفية كثيرة العدد، (يتجلجلون) بالجيمين ;أى يتحركون، (بين السماء والأرض وإنهم لم يلوا) بضم اللام المخففة ;أى لم يصيروا والين، (عملا) من أعمال العمال من الولاة والقضاة، قال الطيبى -رحمه الله :-اللام فى ليتمنين ;لام القسم، والتمنى طلب ما لا يمكن حصوله للمتمنى ;قوله :إن نواصيهم معلقة بالثريا، وإنهم لم يلوا، تمنوا يوم القيامة أنهم فى الدنيا لم يلوا، وكانت نواصيهم معلقة بالثريا ;يعنى تمنوا أنه لم يحصل لهم تلك العزة والرياسة والرفعة على الناس، بل كانوا أذلاء ، ورء وسهم معلقة بنواصيهم فى أعالى تتحرک وتجلجل، ينظر إليهم سائر الناس، ويشهدون منزلتهم، وهوانهم بدل تلك الرياسة والعزة والرفعة، وذلک أن التعليق بالناصية مثل للمذلة والهوان، فإن العرب إذا أرادوا إطلاق أسير جزوا ناصيته مذلة وهوانا، وهذا التمنى هو المعنى بالندامة فى قوله صلى الله تعالى عليه وسلم :(إنكم ستحرصون على الإمارة وتكون ندامة يوم القيامة) فقوله :ليتمنين أقوام كالتخصيص للعام والتقييد للمطلق، فإنه -صلى الله تعالى عليه وسلم ; -لما عمم التهديد وبالغ فى الوعيد، أراد أن يستدرک

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حکومت کا آغاز، درمیان اور اختتام

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: إِنَّكُمْ سَتَحْرِصُوْنَ عَلَى الْإِمَارَةِ، وَسَتَكُوْنُ نَدَامَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَنِعْمَ الْمُرْضِعَةُ وَبِئْسَتِ الْفَاطِمَةُ (بخاری) [1]

ترجمہ: عنقریب تم امارت (وحکومت) کے حریص ہوگے اور یہ عنقریب قیامت کے دن ندامت ہوگی، پس دودھ پلانے والی اچھی ہے اور دودھ چُھڑانے والی بُری ہے (بخاری)

دودھ پلانے والی سے مراد حکومت کی ابتداء ہے، اور دودھ چُھڑانے والی سے مراد حکومت کی انتہاء ہے، اور مطلب یہ ہے کہ حکومت کا آغاز تو بہت اچھا محسوس ہوتا ہے، اور حکومت واقتدار کے نتیجہ میں حاصل ہونے والی مراعات واختیارات کے نتیجہ میں نفسانی خواہشات کی تکمیل ہوتی ہے، لیکن اس کی انتہاء واختتام یا انجام بُرا ہوتا ہے، اور انتہاء واختتام سے مراد دنیا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ويخرج من قام بها حق القيام، وتجنب فيه عن الظلم والحيف، واستحق به الثواب، وصار ذا حظ مما وعد به ذو سلطان عادل، قال :ليتمنين أقوام ;أى طائفة من هؤلاء ، وذلك لينبه بالمفهوم على أن طائفة أخرى حكمهم على عكس ذلك ;وهم على منابر من نور على يمين الرحمن، وإنما لم يعكس ولم يصرح بمنطوق المدح للمقسطين ;ليدل بالمفهوم على ذم الجائرين ;لأن المقام مقام التهديد والزجر عن طلب الرئاسة ;لأنها وإن كانت مهمة لا ينتظم صلاح حال الناس ومعاشهم دونها، لكنه خطر والقيام بحقوقها عسر، فلا ينبغي للعاقل أن يقتحم عليها ويميل بطبعه إليها، فإن من زلت قدمه فيها عن متن الصواب قد يندفع إلى فتنة تؤدى به إلى العذاب .(رواه فى شرح السنة ورواه أحمد وفى روايته) ; أى أحمد، (أن ذوائبهم) جمع ذائبة ;أى ظفائرهم ;(كانت معلقة بالثريا يتذبذبون) ; أى يترددون، (بين السماء والأرض) ; أى مدة عملهم ;أى جميع عمرهم فى الدنيا، (ولم يكونوا عملوا) بتشديد الميم على صيغة المجهول ;أى أعطوا عملا (على شىء) ; أى من أمور الدنيا(مرقاة المفاتيح، ج٦ص ٢٤٠٩، كتاب الامارة والقضاء)

[1] رقم الحديث ٧١٤٨، كتاب الاحكام،باب ما يكره من الحرص على الإمارة.

Idara Ghufran

کے اندر بھی حکومت کا اختتام ہے کہ اختتام پر حکمران قتل یا قید یا ذلیل وغیرہ ہوجاتا ہے، اور آخرت میں بھی جب اُس سے حکمرانی کے حقوق کا سوال ہوگا، تو بہت سی کوتاہیاں ثابت ہونے پر مؤاخذہ ہوگا، اس لئے بالآخر ندامت ہوگی۔ [1]

حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: مَا مِنْ رَجُلٍ يَلِيْ أَمْرَ عَشَرَةٍ فَمَا فَوْقَ ذٰلِكَ إِلَّا أَتَى اللّٰهَ مَغْلُوْلًا، يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَدُهُ إِلٰى عُنُقِهِ فَكَّهُ بِرُّهُ أَوْ أَوْبَقَهُ إِثْمُهُ أَوَّلُهَا مَلَامَةٌ، وَأَوْسَطُهَا نَدَامَةٌ وَآخِرُهَا خِزْيٌ يَوْمَ

---

[1] قوله :وستكون أى :الإمارة ندامة يوم القيامة يعنى :لمن لم يعمل فيها بما ينبغى .قوله :فنعم المرضعة وبئست الفاطمة قال الكرمانى :نعم المرضعة أى :نعم أولها وبئست الفاطمة أى :بئس آخرها، وذلك لأن معها المال والجاه واللذات الحسية والوهمية أولا، لكن آخرها القتل والعزل ومطالبات التبعات فى الآخرة .وقال الداودى :نعمت المرضعة فى الدنيا وبئست الفاطمة أى :بعد الموت لأنه يصير إلى المحاسبة على ذلك، فيصير كالذى يفطم قبل أن يستغنى فيكون ذلك هلاكه (عمدة القارى، ج۲۴، ص۲۲۷، باب من استرعى رعية فلم ينصح)

(فنعم المرضعة) الولاية فإنها تدر عليه المنافع واللذات العاجلة (وبئست الفاطمة) عند انفصاله عنها بموت أو غيره فإنها تقطع عنه تلك اللذائذ والمنافع وتبقى عليه الحسرة والتبعة وألحقت التاء فى بئست دون نعم، والحكم فيهما إذا كان فاعلهما مؤنثا جواز الإلحاق وتركه فوقع التفنن فى هذا الحديث بحسب ذلك .وقال فى المصابيح :شبه على سبيل الاستعارة ما يحصل من نفع الولاية حال ملابستها بالرضاع وشبه بالفطام انقطاع ذلك عنه عند الانفصال عنها إما بموت أو بغيره فالاستعارة فى المرضعة والفاطمة تبعية (ارشاد السارى، ج۱۰، ۲۲۲، باب ما يكره من الحرص على الإمارة)

(إنكم ستحرصون) بكسر الراء وفتحها (على الإمارة) الخلافة العظمى ونيابتها (وإنها ستكون ندامة) لمن لم يعمل فيها بما أمر به ويسلك سبيل المصطفى صلى الله عليه وسلم وخلفائه الراشدين رضى الله عنهم (وحسرة يوم القيامة) وهذا أصل فى تجنب الولايات سيما لضعيف أو غير أهل فإنه يندم إذا جوزى بالخزى يوم القيامة أما أهل عادل فأجره عظيم لكنه على خطر عظيم ومن ثم أباها الأكابر (فنعمت) الإمارة (المرضعة) أى فى الدنيا فإنها تدل على المنافع واللذات العاجلة (وبئست) الإمارة (الفاطمة) عند انفصاله عنها بموت أو غيره فإنها تقطع عنه تلك اللذائذ والمنافع وتبقى عليه الحسرة والتبعة فالمخصوص بالمدح والذم محذوف وهو الإمارة ضرب المرضعة مثلا للإمارة الموصلة صاحبها من المنافع العاجلة والفاطمة وهى التى انقطع لبنها مثلا لمفارقتها عنها بانعزال أو موت والقصد ذم الحرص عليها وكراهة طلبها (فيض القدير، تحت رقم الحديث ۲۵۳۸، تحت حرف الهمزة)

الْقِيَامَةِ (مسند احمد، رقم الحديث ۲۲۳۰۰) ؎

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو آدمی بھی دس آدمیوں یا اس سے زیادہ کا ولی (حکمران وحاکم) بنا، تو وہ اللہ کے پاس قیامت کے دن اس حال میں طوق پہن کر آئے گا کہ جس کا ہاتھ اس کی گردن سے بندھا ہوا ہوگا، جسے اس کی نیکی (اور عدل وانصاف) ہی کھول سکے گی، ورنہ اس کے گناہ اسے ہلاک کر دیں گے حکومت کا آغاز ملامت سے ہوتا ہے درمیان ندامت سے اور اختتام قیامت کے دن رُسوائی پر ہوگا (مسند احمد)

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنْ شِئْتُمْ أَنْبَأْتُكُمْ عَنِ الْإِمَارَةِ وَمَا هِيَ؟ أَوَّلُهَا مَلَامَةٌ، وَثَانِيهَا نَدَامَةٌ، وَثَالِثُهَا عَذَابٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا مَنْ عَدَلَ (المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۱۳۲، ج۱۸ ص ۷۱)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو میں تمہیں امارت (وحکومت) کے متعلق بتلاؤں کہ یہ کیا چیز ہے؟ اس (حکومت) کا اول ملامت، دوسرا ندامت، اور تیسرا قیامت کے دن عذاب ہے، مگر اس کے لئے جو عدل (وانصاف) کرے (طبرانی)

مطلب یہ ہے کہ حکومت کا آغاز ملامت کے ساتھ ہوتا ہے، کہ لوگ مختلف طریقوں سے ملامت کرتے ہیں، اور طرح طرح سے شکوے شکایت کرتے ہیں، جس کے نتیجہ میں پھر ندامت وشرمندگی اُٹھانی پڑتی ہے، اور قیامت کے دن ناانصافی اور لوگوں کی حق تلفیوں اور بے جا طرفداریوں کی وجہ سے ذلت ورُسوائی اور عذاب کا بھی سامنا ہوگا، یہ اس کی انتہاء ہے۔

؎ فی حاشية مسند احمد: صحيح لغيره.

www.idaraghufran.org

البتہ جو حکمران عدل وانصاف سے کام لے، وہ بَری ہوگا۔ [1]

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

نِعْمَ الشَّیْءُ الْإِمَارَةُ لِمَنْ أَخَذَهَا بِحَقِّهَا وحَلِّهَا، وَبِئْسَ الشَّیْءُ الْإِمَارَةُ لِمَنْ أَخَذَهَا بِغَيْرِ حَقِّهَا فَتَكُوْنُ عَلَيْهِ حَسْرَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ (المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحدیث ۴۸۳۱، ج۵ص۱۲۷) [2]

ترجمہ: امارت (وحکومت) اس کے لئے بہت اچھی چیز ہے، جو اس کو اس کے حق کے ساتھ حاصل کرے (یعنی اس میں حکومت کی امانت سنبھالنے کی اہلیت ہو) اور (پھر حکومت کا عہدہ سنبھالنے کے بعد) اس کی ذمہ داری کو پورا کرے، اور امارت (وحکومت) اس کے لئے بہت بُری چیز ہے، جو اس کو بغیر حق کے حاصل

---

[1] (ما من رجل يلي أمر عشرة فما فوق ذلك إلا أتى الله مغلولا يده إلى عنقه فكه بره أو أوثقه اثمه) قال الطيبي :يده يحتمل أن يكون مرفوعا بمغلولا وإلى عنقه حال وعليه يكون يوم القيامة متعلقا بمغلولا ويحتمل أن يكون مبتدأ وإلى عنقه خبره والجملة إما مستأنفة أو حال بعد حال وحينئذ يوم القيامة إما ظرف لأتى وهو الأوجه أو لمغلولا (أولها) أى الإمارة (ملامة وأوسطها ندامة) إشارة إلى أن من يتصدى للولاية فالغالب كونه غرا غير مجرب للأمور فينظر إلى ملاذها فيجهد فى طلبها ثم إذا باشرها ولحقته تبعاتها واستشعر بوخامة عاقبتها ندم (وآخرها خزى يوم القيامة) لما يؤتى به من الأصفاد والأغلال ويوقف على متن الصراط فى أسوأ حال .هذا إن قلنا إن القيد يختص بالأخير من الجملة المستأنفة فإن قلنا باشتراكه تكون الثلاثة يوم القيامة .والأول هنا أولى ذكره الطيبى (حم) وكذا الطبرانى (عن أبى أمامة) الباهلى قال المنذرى :رواته ثقات إلا يزيد بن أبى مالك .قال الهيثمى :وفيه يزيد بن أبى مالك وثقه ابن حبان وغيره وبقية رجاله ثقات اھ ومن ثم رمز المصنف لحسنه(فيض القدير، تحت رقم الحديث ۸۰۳۹، تحت حرف الميم)

[2] قال الهيثمي: رواه الطبراني عن شيخه حفص بن عمر بن الصباح الرقي وثقه ابن حبان، وبقية رجاله رجال الصحيح(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۹۰۲۰،باب كراهة الولاية ولمن تستحب)

اقول: قد روى هذا الحديث ايضاً عن عطاء بن يسار مرسلا.

حدثنا إسماعيل بن جعفر ، عن شريك بن عبد الله بن أبى نمر ، عن عطاء بن يسار ، قال رجل عند رسول الله صلى الله عليه وسلم :بئس الشىء الإمارة ، فقال النبى صلى الله عليه وسلم : نعم الشىء الإمارة لمن أخذها بحلها وحقها ، وبئس الشىء الإمارة لمن أخذها بغير حقها وحلها ، تكون عليه يوم القيامة حسرة وندامة (الاموال للقاسم بن سلام، رقم الحديث ۵)

کرے (یعنی اس میں حکومت کی اہلیت نہ ہو) تو یہ اس پر قیامت کے دن حسرت بن جائے گی (طبرانی)

اس سے معلوم ہوا کہ نااہل کو حکومت کا عہدہ سنبھالنا یا حکومت کے اس عہدہ کے حقوق وذمہ داریوں کو ادا نہ کرنا اور اس امانت میں خیانت کرنا قیامت کے دن ذلت ورُسوائی اور شرمندگی کا باعث ہے۔

البتہ اگر کوئی اس عہدہ کا اہل ہے، اور اس کی ذمہ داریوں اور حقوق کو امانت ودیانت کے ساتھ ادا بھی کرے، تو قیامت کی ذلت ورُسوائی اور شرمندگی سے نجات حاصل ہوسکتی ہے۔ [1]

حکمرانوں کو اللہ کی طرف رجوع اور دعاء کی تعلیم

جیسا کہ معلوم ہو چکا کہ حکمرانی اور حکومت کا معاملہ انتہائی نازک اور دشوار ترین منصب ہے، اس لئے اس دشوار اور نازک ترین منصب کی انجام دہی کے لئے اللہ کی اعانت ونصرت اور مدد کی ضرورت ہے، جس کے لئے حکمران کو اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہئے، اور حکومتی

---

[1] (وعن أبي ذر قال :قلت يا رسول الله :ألا تستعملني؟) ; أي ألا تجعلني عاملا؟ (قال) ; أي أبو ذر (فضرب بيده) ; أي ضرب لطف وشفقة، (على منكبي) وفي نسخة بالتثنية، (ثم قال يا أبا ذر إنك ضعيف) ; أي عن تحمل العمل، (وإنها) ; أي الإمارة (أمانة) يعني ومراعاة الأمانة لكونها ثقيلة صعبة لا يخرج عن عهدتها إلا كل قوي، وفيه الإشارة إلى قوله :(إنا عرضنا الأمانة)الآية قال الطيبي :تأنيث الضمير إما باعتبار الإمارة المستفادة من قوله ألا تستعملني، أو باعتبار تأنيث الخبر اهـ .فعلى الثاني يكون مرجع الضمير والعمل المستفاد من لفظ الاستعمال، ويؤيد الأول قوله: (وإنها) ; أي الإمارة (يوم القيامة خزي) ; أي عذاب وفضيحة للظالم ;(وندامة) ; أي تأسف وتندم على قبولها للعادل، (إلا من أخذها) استثناء منقطع ;أي خزي وندامة على من أخذها بغير حقها، لكن من أخذها بحقها (وأدى الذي عليه فيها) فإنها لا تكون خزيا ووبالا عليه، وفيه إشارة لطيفة بأنها إما أن تكون عليه، أو لا تكون عليه، وأما كونها له فلا فالأولى تركها بلا ضرورة، قال النووي :هذا الحديث أصل عظيم في اجتناب الولاية، لا سيما لمن كان فيه ضعف عن القيام بوظائفها، والخزي والندامة في حق من لم يكن أهلا لها، أو كان أهلا ولم يعدل فيخزيه الله يوم القيامة ويفضحه ويندم على ما فرط، فأما من كان أهلا لها وعدل فيها ;فله فضل عظيم تظاهرت به الأحاديث الصحيحة(مرقاة المفاتيح، ج٦، ٢٤٠١، كتاب الإمارة والقضاء)

معاملات میں اللہ سے آسانی اورسہولت واعانت حاصل ہونے کی دعاء کرنی چاہئے۔

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ. وَیَسِّرْ لِیْ أَمْرِیْ. وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ. یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ. وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ أَهْلِیْ. هَارُوْنَ أَخِیْ. اشْدُدْ بِهٖ أَزْرِیْ. وَأَشْرِكْهُ فِیْ أَمْرِیْ. كَیْ نُسَبِّحَكَ كَثِیْرًا. وَنَذْكُرَكَ كَثِیْرًا. إِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِیْرًا. قَالَ قَدْ أُوْتِیْتَ سُؤْلَكَ یَا مُوْسٰی (سورة طٰهٰ، رقم الآیات ۲۵، الیٰ ۳٦)

ترجمہ: موسیٰ نے عرض کیا کہ اے میرے رب میرا سینہ کھول دیجئے، اور میرے کام کو میرے لیے آسان کر دیجئے، اور میری زبان کی گرہ کو بھی کھول دیجئے، تا کہ وہ میری بات سمجھ لیں، اور میرے گھر والوں میں سے میرا وزیر بنا دیجئے، ہارون کو، جو میرا بھائی ہے، ان کے ذریعہ سے میری کمر کو مضبوط کر دیجئے، اور ان کو میرے کام میں شریک فرما دیجئے، تا کہ ہم خوب آپ کی پاکی بیان کریں، اور آپ کو کثرت سے یاد کریں، بے شک تو ہمیں خوب دیکھنے بھالنے والا ہے۔ جواب ملا کہ اے موسیٰ! تمہاری دعاء منظور کر لی گئی (سورہ طٰہٰ)

حکومت کا کام انتہائی اہم اور نازک ہے، جس کی انجام دہی کے لئے حاکم وحکمران کو شرح صدر ہونا ضروری ہے، اور حکومت کا معاملہ انتہائی دُشوار ہے، اس لئے اس دُشوار ذمہ داری کو نبھانے کے لئے من جانبِ اللہ سہولت کی توفیق حاصل ہونا بھی ضروری ہے، اور حکمران کا تعلق چونکہ عوام ورعایا سے ہوتا ہے، اس لئے اُن سے بات اور خطاب کرنے کی بھی ضرورت پیش آتی ہے، تا کہ عوام اور سب لوگوں کو اعتماد میں لے کر چلا جا سکے، اس کے لئے زبان کی گِرہ کا کُھلنا ضروری ہے، تا کہ عوام ورعایا اُس کے مقصود کو سمجھ سکیں، اور باہمی اعتماد کی فضا پیدا وقائم ہو سکے، اس کے لئے بھی اللہ سے دعاء کرنی چاہئے۔

Idara Ghufran

نیز حکومت کا میدان بڑا وسیع ہے، جس کے لئے خیرخواہ اور ہم راز وزیر اور مشیر کا ہونا بھی ضروری ہے، جس سے حاکم کو قوت حاصل ہوتی ہے، اور وہ حاکم کے کاموں میں ہاتھ بٹاتا ہے، اس لئے اچھے ہمراز وزیر کی بھی اللہ سے دعاء کرنی چاہئے، پھر حکومت کے کاموں میں مشغول رہ کر یا بُرے وزیر کی وجہ سے عام طور پر انسان اللہ سے غافل ہوجاتا ہے، اس لئے حاکم اور وزیر کو اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرنے کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔

اس لئے مذکورہ آیات میں مسلمان حاکم اور اس کے وزیر و مشیر کے لئے اُصولی انداز میں انتہائی جامع دعاء اور اس کے ضمن میں قیمتی ہدایات موجود ہیں، جن پر ہر حکمران کو عمل پیرا ہونا چاہئے، اس سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت ان شاء اللہ تعالیٰ ضرور شاملِ حال ہوگی، اور یہ دُشوار گزار سفر تمام عوام و رعایا کے ساتھ بآسانی طے ہوسکے گا۔

اور اس کی بنیادی وجہ وہی ہے کہ کائنات کا اصل و حقیقی حاکم، اللہ ربُّ العزت ہے، جس کو اللہ ربُّ العزت کی مدد و نصرت اور اعانت حاصل ہوگئی، پھر اس کی کامیابی میں کیا شبہ ہوسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

Idara Ghufran

(فصل نمبر۳)

عوامی حقوق کی اہمیت اور نرمی وخیرخواہی کی فضیلت

اسلام میں حکمرانوں کے ذمہ عوام ورعایا کے حقوق کی بڑی اہمیت رکھی گئی ہے، اور عوام ورعایا کے ساتھ نرمی اور خیرخواہی کی تاکید وفضیلت بتلائی گئی ہے۔
جس کی کچھ تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

حکمران سے قیامت میں عوام کے حقوق کے متعلق سوال

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: كُلُّكُمْ رَاعٍ فَمَسْئُولٌ عَنْ رَّعِيَّتِهٖ، فَالْأَمِيْرُ الَّذِىْ عَلَى النَّاسِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْهُمْ (بخاری) [۱]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک نگران ہے، جس سے اُس کی رعایا کے بارے میں (قیامت کے دن) سوال کیا جائے گا، پس لوگوں پر امیر (وحاکم) نگران ہے، جس سے (اس کے ماتحت) لوگوں کے (حقوق) کے بارے میں سوال کیا جائے گا (بخاری)

اور ایک روایت میں امیر کے بجائے حاکم کا ذکر ہے۔ [۲]

مطلب واضح ہے کہ جو شخص کسی معاملہ میں لوگوں کا حاکم یا حکمران بنا، خواہ خزانے کے عہدہ کا،

---

[۱] رقم الحدیث ۲۵۵۴، کتاب العتق، باب کراهية التطاول على الرقيق.

[۲] عن عبد الله بن عمر، أنه سمع النبی صلى الله عليه وسلم يقول " : كلكم راع ومسئول عن رعيته، الإمام راع وهو مسئول عن رعيته (مسند احمد، رقم الحديث ۶۰۲۶)

فی حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط الشيخين.

Idara Ghufran

یا زراعت کے عہدہ کا، یا تجارت کے عہدہ کا، یا پانی وبجلی اور گیس کے عہدہ کا، یا صحت کے عہدہ کا، یا کسی اور بڑے یا چھوٹے عہدہ کا، اس سے بہر حال اس معاملہ سے متعلق تمام عوام ورعایا کے حقوق کا سوال کیا جائے گا کہ اس نے اس معاملہ میں عوام ورعایا کے کیا کیا حقوق پورے کئے، اور کس کس مرحلہ پر حق تلفی اور ظلم اور ناحق و بے جا طرفداری کا ارتکاب کیا؟

اور عوام ورعایا میں لاکھوں، کروڑوں مختلف قسم کے چھوٹے بڑے لوگ ہوتے ہیں، ان سب کے حقوق کی ادائیگی ظاہر ہے کہ انتہائی مشکل کام ہوگا، اگر ایک ایک نیکی بھی ایک ایک شخص کو دی جائے، یا ایک ایک گناہ ہر ایک کا سر پر لادا جائے، تو مغفرت وبخشش انتہائی دشوار ہو جائے گی۔ [1]

احادیث میں حق تلفی کے بارے میں یہی تفصیل آئی ہے۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: أَتَدْرُوْنَ مَا الْمُفْلِسُ؟ قَالُوْا: اَلْمُفْلِسُ فِيْنَا مَنْ لَا دِرْهَمَ لَهُ وَلَا مَتَاعَ، فَقَالَ: إِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ أُمَّتِيْ يَأْتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلَاةٍ، وَصِيَامٍ، وَزَكَاةٍ، وَيَأْتِيْ قَدْ شَتَمَ هٰذَا، وَقَذَفَ هٰذَا، وَأَكَلَ مَالَ هٰذَا، وَسَفَكَ دَمَ هٰذَا، وَضَرَبَ هٰذَا، فَيُعْطٰى هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ، وَهٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ، فَإِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهٗ قَبْلَ أَنْ يُّقْضٰى مَا عَلَيْهِ أُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ، ثُمَّ طُرِحَ فِيْ

---

[1] (وعن ابن عمر رضی الله عنهما، قال :سمعت رسول الله يقول :كلكم راع) تشبيه بليغ :أى مثل الراعى، قاله العاقولى وأفرد الخبر اعتبارا بلفظ كل، ويجوز فيها إذا كانت مضافة إلى المعرفة اعتبار لفظها واعتبار معناها (وكلكم مسئول عن رعيته) أى أقام بالحق الذى لها أم لا (الإمام) أى ذو الخلافة العظمى ومثله سائر ولاة الأمور (راع ومسؤول عن رعيته) يحتمل كونه من عطف خبر على مثله نحو زيد كاتب وشاعر، ويحتمل كونه من عطف الجمل :أى وهو مسئول فيكون معطوفا على الجملة قبله (والرجل راع) أى على أهله وأولاده وخدمه (ومسئول عن رعيته، والمرأة راعية فى بيت زوجها ومسئولة عن رعيتها) من بيته هل حفظته أو أضاعته؟ وعن أهله المقامة عليهم، هل قامت بما عليهم لها أم لا؟ (والخادم راع فى مال سيده ومسئول عن رعيته) أحفظها عليه أم أضاعها؟(دليل الفالحين لطرق رياض الصالحين،تحت رقم الحديث ۱۶۵۳ ،باب أمر ولاة الأمور)

www.idaraghufran.org

النَّارِ (مسلم)[1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (صحابۂ کرام سے) فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون شخص ہے؟ تو صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ مفلس ہم میں سے وہ ہے کہ جس کے پاس مال ودولت نہ ہو، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں (درحقیقت) مفلس شخص وہ ہوگا جو قیامت کے دن (اپنے ساتھ) نماز، روزے اورزکاۃ (جیسے اعمال) لائے گا، پھروہ شخص آئے گا کہ جس کو اس نے گالی نکالی ہوگی، اوروہ جس پر اس نے بہتان لگایا ہوگا، اوروہ جس کا اس نے مال کھایا ہوگا، اوروہ جس کا اس نے خون بہایا ہوگا، اوروہ جس کو اس نے مارا ہوگا، تو پھراس (نیک اعمال لے کر آنے والے شخص) کی نیکیاں اس (مظلوم) کو دی جائیں گی، اور کچھ نیکیاں اس (دوسرے مظلوم) کو دی جائیں گی، پھراس کی نیکیاں ختم ہوجائیں گی قبل اس کے کہ اس کا فیصلہ پورا ہو (یعنی اس کی اپنی نیکیوں سے اس کے حق میں فیصلہ ہونے سے پہلے دوسرے کو اس کی نیکیاں دلوا کر اس کو نہتا کردیا جائے گا) پھران (مظلوموں) کے گناہ اس (ظالم اور حق تلفی کرنے والے) پر ڈال دیے جائیں گے، پھراس (ظالم) کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا (مسلم)

عوام کے حقوق ضائع کرنے پر اللہ کی نصرت ورحمت سے محروم

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنْ وَلِیَ مِنْ أَمْرِ النَّاسِ شَیْئًا فَاحْتَجَبَ عَنْ أُولِی الضَّعَفَةِ وَالْحَاجَةِ احْتَجَبَ اللّٰہُ عَنْهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ

[1] رقم الحديث ۲۵۸۱ ”۵۹“ كتاب البر والصلة والآداب، باب تحريم الظلم.

(مسند احمد، رقم الحديث ٢٢٠٧٦) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص لوگوں کے کسی بھی چیز کے معاملہ کا ولی وحاکم بنا، پھر وہ کمزوروں اور ضرورت مندوں سے چھپ گیا (یعنی ضرورت مندوں کی پہنچ سے دُور ہوگیا، اور ضرورت مندوں کا اس سے مِلنا دُشوار ہوگیا) تو قیامت کے دن اللہ بھی اُس کو (اپنی ضرورت پوری کرنے سے) حجاب اختیار کرے گا (یعنی اس کو اپنی پہنچ اور مدد ونصرت سے محروم رکھے گا) (مسند احمد)

حضرت ابو مریم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: مَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ الْمُسْلِمِيْنَ شَيْئًا فَاحْتَجَبَ دُوْنَ خَلَّتِهِمْ وَحَاجَتِهِمْ وَفَقْرِهِمْ وَفَاقَتِهِمْ اِحْتَجَبَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ دُوْنَ خَلَّتِهِ وَفَاقَتِهِ وَحَاجَتِهِ وَفَقْرِهِ

(مستدرک حاكم، رقم الحديث ٧٠٢٧، كتاب الاحكام) [2]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ جو شخص مسلمانوں کے کسی معاملہ کا ولی (حاکم وحکمران) بنا، پھر وہ ان (مسلمانوں) کی ضرورت، حاجت، فقر اور فاقہ سے چُھپ گیا (اور ان کی پہنچ سے دُور ہوگیا) تو اللہ عزوجل قیامت کے دن اُس کی ضرورت وحاجت اور فقر وفاقہ سے حجاب (ودوری) اختیار کرے گا (حاکم)

حضرت عمرو بن مرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

إِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: مَا مِنْ إِمَامٍ يُغْلِقُ

---

[1] فی حاشية مسند احمد: صحيح لغيره.

[2] قال الحاكم: هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه وإسناده شامي صحيح وله شاهد بإسناد البصريين صحيح، عن عمرو بن مرة الجهني، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم.
وقال الذهبي فی التلخيص: صحيح.

بَـابَـهُ دُوْنَ ذَوِی الْـحَـاجَةِ، وَالْخَلَّةِ، وَالْمَسْكَنَةِ إِلَّا أَغْلَقَ اللّٰهُ أَبْوَابَ السَّـمَـآءِ دُوْنَ خَلَّتِهِ، وَحَاجَتِهِ، وَمَسْكَنَتِهِ، فَجَعَلَ مُعَاوِيَةُ رَجُلًا عَلٰى حَوَائِجِ النَّاسِ (سنن الترمذی) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا، آپ نے فرمایا کہ جو حکمران بھی (اپنی رعایا کے) حاجتمندوں محتاجوں اور مسکینوں کے لیے اپنے دروازے کو بند کردیتا ہے، تو اللہ اس کی حاجت، ضرورت اور فقر کے لئے آسمانوں کے دروازے بند کردیتا ہے، تو (یہ حدیث سُن کر) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے (اپنے دورِحکومت میں) ایک شخص کو لوگوں کی حاجات (وضروریات) معلوم کرنے کے لیے مقرر کردیا (ترمذی)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَـمِـعْـتُ رَسُـوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: مَنْ وَلِیَ أَمْرًا مِنْ أَمْـرِ النَّاسِ، ثُمَّ أَغْلَقَ بَابَهُ دُوْنَ الْمِسْكِيْنِ، وَالْمَظْلُوْمِ أَوْ ذِی الْحَاجَةِ أَغْـلَـقَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى دُوْنَـهُ أَبْوَابَ رَحْمَتِهِ عِنْدَ حَاجَتِهِ، وَفَقْرِهِ أَفْقَرُ مَا يَكُوْنُ إِلَيْهَا (مسند احمد، رقم الحديث ١٥٦٥١) [2]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا کہ جو شخص لوگوں کے کسی معاملہ میں ولی (حکمران وحاکم) بنا، پھر اس نے (اپنی رعایا کے) مسکین اور مظلوم یا ضرورت مند کے لیے اپنے دروازے کو بند کردیا، تو اللہ تبارک وتعالیٰ اُس کی ضرورت اور فقر وفاقہ کے وقت، جبکہ وہ اس کا بہت زیادہ محتاج ہوگا، اپنی

---

[1] رقم الحديث ١٣٣٢، ابواب الاحكام، باب ما جاء فی إمام الرعية.

قال الترمذی: وفی الباب عن ابن عمر: حديث عمرو بن مرة حديث غريب، وقد روی هذا الحديث من غير هذا الوجه وعمرو بن مرة الجهنی يكنی أبا مريم.

[2] فی حاشية مسند احمد: صحيح لغيره.

Idara Ghufran

رحمت کے دروازوں کو بند کردے گا (مسند احمد)

اس مضمون کی اور بھی روایات ہیں۔ ۱؎

ان احادیث سے ایسے حکمرانوں کے لئے شدید وعید معلوم ہوئی، جوضرورت مندعوام ورعایا کی پہنچ سے دُور بیٹھ جاتے ہیں، جن سے ضرورت مندوں کوسوال کرنا اور بات چیت وغیرہ کے ذریعہ سے رابطہ کرنا بھی مشکل ہوجاتا ہے، کہ ایسے حکمرانوں کی اپنی دنیا وآخرت کی ضروریات کو پوری کرنے کا معاملہ اللہ کی طرف سے بھی بند ہوجاتا ہے۔

اور یہ بات دنیا میں بھی مشاہدہ میں آتی ہے کہ ایسے حکمران بالآخر دنیا میں کسمپرسی کے عالَم میں فوت ہوجاتے ہیں، اورآخرت میں تو اللہ تعالیٰ کی مدد ونصرت سے محروم رہنا ظاہر ہے۔ ۲؎

حاکم کوعوام کے ساتھ خیرخواہی کا حکم اورخلاف ورزی کا وبال

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَمَّرَ أَمِيْرًا عَلٰى جَيْشٍ، أَوْ

۱؎ عن حنش، عن عطاء ، عن ابن عمر، عن النبى صلى الله عليه وسلم قال :من ولى شيئا من أمر المسلمين لم ينظر الله فى حاجته حتى ينظر فى حوائجهم (المعجم الكبير للطبرانى، رقم الحديث ١٣٦٠٣، ج١٢ ص ٤٤٠)

۲؎ (ما من إمام أو وال) يلى من أمور الناس شيئا وفى رواية ما من إمام ولا وال (يغلق بابه دون ذوى الحاجة والخلة) بفتح المعجمة (والمسكنة) أى يمنعهم من الولوج عليه وعرض أحوالهم عليه ويترفع عن استماع كلامهم (إلا أغلق الله أبواب السماء دون خلته وحاجته ومسكنته) يعنى منعه عما يبتغيه وحجب عنه دعاءه من الصعود إليه جزاء وفاقا قال ابن حجر :فيه وعيد شديد لمن كان حاكما بين الناس فاحتجب لغير عذر لما فيه من تأخير إيصال الحقوق أو تضييعها والفرق بين الحاجة والخلة والفقر أن الحاجة ما يهتم به الإنسان وإن لم يبلغ حد الضرورة بحيث لو لم يحصل لاختل أمره والخلة ما كان كذلك مأخوذ من الخلل لكن ربما يبلغ حد الاضطرار بحيث لو فقد لامتنع التعيش والفقر هو الاضطرار إلى ما لا يمكن التعيش دونه مأخوذ من الفقار كأنه كسر فقاره ولذلك فسر الفقير بأنه الذى لا شىء له ذكره القاضى (حم ت) فى الأحكام (عن عمرو بن مرة) بضم الميم ضد حلوة الجهنى له صحبة مات زمن عبد الملك ورواه عنه أيضا الحاكم وقال : صحيح الإسناد وأقروه ومن ثم رمز المؤلف لحسنه (فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ٧٩٩٦، تحت حرف الميم)

سَرِيَّةٍ، أَوْصَاهُ فِي خَاصَّتِهِ بِتَقْوَى اللّٰهِ، وَمَنْ مَعَهُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ خَيْرًا (مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کو کسی لشکر یا چند لوگوں کا امیر (اور وزیر) بناتے تھے، تو اس کو اپنی ذات کے لئے تو اللہ سے تقویٰ کی وصیت فرماتے تھے، اور اس کے ساتھ (ماتحتی میں) جو مسلمان ہیں، اُن کے لئے خیر کی وصیت فرماتے تھے (مسلم)

مطلب یہ ہے کہ حاکم کو چاہئے کہ اپنے اندر تو تقویٰ اور اللہ کا خوف پیدا کرے، تا کہ لوگوں کے حقوق اور اپنے عہدہ کی ذمہ داریوں کا احساس ہو، اور اپنے ماتحت لوگوں اور عوام ورعایا کے ساتھ خیرخواہی اور نرمی والا برتاؤ کرے، جس میں ان کو خیر کی باتوں کی دعوت، بری چیزوں سے ممانعت اور ان کے متعلقہ تمام حقوق کی رعایت اور ادائیگی داخل ہے۔ [2]

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَا مِنْ عَبْدٍ اِسْتَرْعَاهُ اللّٰهُ رَعِيَّةً، فَلَمْ يَحُطْهَا بِنَصِيحَةٍ، إِلَّا لَمْ يَجِدْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ (بخاری) [3]

---

[1] رقم الحديث ١٧٣١ "٣" كتاب الجهاد والسير، باب تأمير الإمام الأمراء على البعوث، ووصيته إياهم بآداب الغزو وغيرها.

[2] (إذا أمر) : بتشديد الميم ;أى :جعل أحدا (أميرا على جيش، أو سرية أوصاه) : أى :ذلك الأمير (فى خاصته) : أى :فى حق نفسه خصوصا وهو متعلق بقوله :(بتقوى الله) : وهو متعلق بأوصاه، وقوله :(ومن معه) : معطوف على خاصته ;أى :وفيمن معه (من المسلمين) : وقوله: (خيرا) : نصب على انتزاع الخافض ;أى :بخير :قال الطيبى :ومن محل الجر، وهو من باب العطف على عاملين مختلفين، كأنه قيل :أوصى بتقوى الله فى خاصة نفسه، وأوصى بخير فيمن معه من المسلمين، وفى اختصاص التقوى بخاصة نفسه، والخير بمن معه من المسلمين إشارة إلى أن عليه أن يشدد على نفسه فيما يأتى ويذر، وأن يسهل على من معه من المسلمين ويرفق بهم، كما ورد :يسروا ولا تعسروا وبشروا ولا تنفروا (مرقاة المفاتيح، ج٦، ص٢٥٢٨، كتاب الجهاد، باب الكتاب إلى الكفار ودعائهم إلى الإسلام)

[3] رقم الحديث ٧١٥٠، كتاب الاحكام، باب من استرعى رعية فلم ينصح.

ترجمہ: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ جس بندہ کو بھی اللہ نے کسی رعایا کا حاکم (وحکمران) بنایا، پھر اس نے اپنی رعایا کی خیر خواہی کے ساتھ رعایت نہ کی تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پا سکے گا (بخاری)

اور مسند احمد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

مَنِ اسْتُرْعِيَ رَعِيَّةً، فَلَمْ يُحِطْهُمْ بِنَصِيحَةٍ، لَمْ يَجِدْ رِيحَ الْجَنَّةِ، وَرِيحُهَا يُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ مِائَةِ عَامٍ (مسند احمد، رقم الحديث ۲۰۳۱۵) ؎۱

ترجمہ: جو شخص کسی رعایا کا حاکم (وحکمران) بنا، پھر اس نے اپنی رعایا کی خیر خواہی کے ساتھ رعایت نہ کی، تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پا سکے گا، حالانکہ جنت کی خوشبو سو سال کے فاصلے سے بھی محسوس کی جا سکتی ہے (مسند احمد)

اور صحیح مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَا مِنْ أَمِيرٍ يَلِي أَمْرَ الْمُسْلِمِينَ، ثُمَّ لَا يَجْهَدُ لَهُمْ، وَيَنْصَحُ، إِلَّا لَمْ يَدْخُلْ مَعَهُمُ الْجَنَّةَ (مسلم) ؎۲

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ جو شخص مسلمانوں کے کسی بھی معاملہ کا ولی (وحکمران) بنا، پھر اس نے ان کے (حقوق اداء کرنے کے) لئے محنت نہیں کی، اور ان کی خیر خواہی نہیں کی، تو وہ ان کے ساتھ جنت میں داخل نہیں ہوگا (مسلم)

اور طبرانی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ

؎۱ فی حاشية مسند احمد: حديث صحيح، وهذا إسناد قوى.

؎۲ رقم الحديث ۲۲ ”۱۴۲“، كتاب الامارة، باب فضيلة الإمام العادل، وعقوبة الجائر، والحث على الرفق بالرعية، والنهى عن إدخال المشقة عليهم.

الْـمُسْـلِمِيْنَ شَيْئًا فَلَمْ يُحِطْهُمْ بِنَصِيْحَةٍ كَمَا يُحِيْطُ أَهْلَ بَيْتِهٖ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ (المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ۵۱۳، ج ۲۰، ص ۲۲۱)

ترجمہ: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ جو شخص مسلمانوں کے کسی کام کا حاکم (وحکمران) بنے، پھر وہ ان کی خیرخواہی کے ساتھ اس طرح رعایت نہ کرے، جس طرح وہ اپنے گھر والوں کی رعایت کرتا ہے، تو اسے چاہئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے (طبرانی)

احادیث میں خیرخواہی کے لئے نصیحت کا لفظ استعمال ہوا ہے، اور نصیحت کا لفظ بڑا جامع ہے، جس میں عوام ورعایا کے ساتھ ہمدردی وخیرخواہی کا اختیار کرنا، ان کے حقوق کو ادا کرنا، اور ان کی تکلیف وپریشانیوں اور دکھ درد کا مداوا کرنا اور انتہائی شفقت ومحبت کے ساتھ اچھی باتوں کے کرنے اور بری باتوں سے بچنے کی نصیحت کرنا سب داخل ہے۔

معلوم ہوا کہ حکمران کے ذمہ عوام ورعایا کی خیرخواہی وہمدردی اور حقوق کی ادائیگی اور ان کو اچھی نصیحت کرنا ضروری ہے، اور ان کے تمام حقوق کی اسی طرح رعایت کرنا ضروری ہے، جس طرح آدمی اپنے اہلِ خانہ اور بیوی بچوں کے حقوق کی رعایت کرتا ہے، ورنہ اس کے لئے جہنم کی سخت وعید ہے، اور جنت سے محرومی کا وبال ہے، اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔

پھر جو شخص عوام ورعایا کے ہمہ گیر حقوق کا ذمہ دار بنا، مثلاً صدر اور وزیرِ اعظم، اس کو تو ہمہ گیر حقوق میں خیرخواہی ضروری ہے، اور جو شخص کسی خاص شعبہ اور ادارہ کا ذمہ دار بنا مثلاً خوراک، تجارت، زراعت، صحت بجلی، پانی، گیس، پٹرول وغیرہ، تو اس کے ذمہ اس شعبہ وادارہ کے ساتھ عوام کے وابستہ ومتعلقہ حقوق میں خیرخواہی وخیرسگالی ضروری ہے۔ [1]

---

[1] (ما من عبد استرعاه الله رعية، فلم يحطها بنصيحة، إلا لم يجد رائحة الجنة) . وقال مرة :(ما من وال يلي رعية من المسلمين، فيموت وهو غاش لهم إلا حرم الله عليه الجنة) . قال المؤلف : النصيحة فرض على الوالى لرعيته وقد قال (صلى الله عليه وسلم) : (الأمير الذى على الناس راع ومسئول عن رعيته) فمن ضيع من استرعاه الله أمرهم أو خانهم أو ظلمهم؛ فقد توجه إليه الطلب

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

نبی ﷺ کی نرم حکمران کو دُعاء اور سخت حکمران کو بددعاء

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُوْلُ فِيْ بَيْتِيْ هٰذَا: اَللّٰهُمَّ، مَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِيْ شَيْئًا فَشَقَّ عَلَيْهِمْ، فَاشْقُقْ عَلَيْهِ، وَمَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِيْ شَيْئًا فَرَفَقَ بِهِمْ، فَارْفُقْ بِهٖ (مسلم) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اس گھر میں یہ دعا کرتے ہوئے سنا کہ اے اللہ! جو میری امت کے کسی معاملہ کا حکمران بنا، پھر اس نے میری امت پر سختی کی (اور تشدُّد سے کام لیا) تو آپ بھی اس پر سختی فرمائیے، اور جو میری امت کے کسی معاملہ کا حکمران بنا، پھر اس نے میری امت کے ساتھ نرمی کی، تو آپ بھی اس کے ساتھ نرمی فرمائیے (مسلم)

اس سے معلوم ہوا کہ عوام ورعایا کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنے والا حکمران، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک دعاء کی برکت سے اللہ کی نرمی کا مستحق اور عوام ورعایا کے ساتھ سختی وتشدد کرنے والا حکمران، اللہ کی نرمی سے محروم اور سختی کا مستحق ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ بمظالم العباد يوم القيامة فكيف يقدر على التحلل من ظلم أمة عظيمة؟ وهذا الحديث بيان وعيد شديد على أئمة الجور .وقوله (صلى الله عليه وسلم) : (لم يجد رائحة الجنة) و (حرم الله عليه الجنة) فمعناه عند أهل السنة إن لم يرض الله الطالبين عنه فأراد تعالى أن ينفذ عليه الوعيد؛ لأن المذنبين من المؤمنين فى مشيئة الله تعالى .ويجب على الوالى أن لا يحتجب عن المظلومين، فقد جاء فى ذلک وعيد شديد(شرح صحيح البخارى لابنِ بطال، ج٨ص ٢١٩ ،باب من استرعى رعية فلم ينصح)

[1] رقم الحديث ١٨٢٨ "١٩"، كتاب الامارة، باب فضيلة الإمام العادل، وعقوبة الجائر، والحث على الرفق بالرعية، والنهى عن إدخال المشقة عليهم.

[2] (وعن عائشة قالت :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم -اللهم من ولى) ; بفتح الواو وكسر اللام المخففة، وفى نسخة صحيحة، بضم أوله وتشديد المكسورة بعده ;أى من جعل واليا (من أمر أمتى شيئا) ; أى من الأمور، أو نوعا من الولاية، وقال الطيبى " :من "بيان "شيئا "كانت

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حکمرانوں کو عوام کی حق بات سننی چاہئے

حضرت ابو قبیل رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِيْ سُفْيَانَ، أَنَّهُ صَعِدَ الْمِنبَرَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَالَ عِنْدَ خُطْبَتِهِ: إِنَّمَا الْمَالُ مَالُنَا، وَالْفَيْءُ فَيْئُنَا، فَمَنْ شَاءَ أَعْطَيْنَاهُ وَمَنْ شِئْنَا مَنَعْنَاهُ، فَلَمْ يُجِبْهُ أَحَدٌ، فَلَمَّا كَانَ الْجُمُعَةُ الثَّانِيَةُ قَالَ مِثْلَ ذٰلِكَ، فَلَمْ يُجِبْهُ أَحَدٌ، فَلَمَّا كَانَ الْجُمُعَةُ الثَّالِثَةُ قَالَ مِثْلَ مَقَالَتِهِ، فَقَامَ إِلَيْهِ رَجُلٌ مِمَّنْ حَضَرَ الْمَسْجِدَ، فَقَالَ: كَلَّا، إِنَّمَا الْمَالُ مَالُنَا وَالْفَيْءُ فَيْئُنَا، فَمَنْ حَالَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُ حَاكَمْنَاهُ إِلَى اللّٰهِ بِأَسْيَافِنَا، فَنَزَلَ مُعَاوِيَةُ فَأَرْسَلَ إِلَى الرَّجُلِ فَأَدْخَلَهُ فَقَالَ الْقَوْمُ: هَلَكَ الرَّجُلُ، ثُمَّ دَخَلَ النَّاسُ فَوَجَدُوْا الرَّجُلَ مَعَهُ عَلَى السَّرِيْرِ، فَقَالَ مُعَاوِيَةُ لِلنَّاسِ: إِنَّ هٰذَا الرَّجُلَ أَحْيَانِيْ أَحْيَاهُ اللّٰهُ، سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: سَيَكُوْنُ أَئِمَّةٌ مِنْ بَعْدِيْ يَقُوْلُوْنَ وَلَا يُرَدُّ عَلَيْهِمْ، يَتَقَاحَمُوْنَ فِي النَّارِ كَمَا تَتَقَاحَمُ الْقِرَدَةُ، وَإِنِّيْ تَكَلَّمْتُ أَوَّلَ جُمُعَةٍ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيَّ أَحَدٌ، فَخَشِيْتُ أَنْ أَكُوْنَ مِنْهُمْ، ثُمَّ تَكَلَّمْتُ فِي الْجُمُعَةِ الثَّانِيَةِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيَّ أَحَدٌ، فَقُلْتُ فِيْ نَفْسِيْ: إِنِّيْ مِنَ الْقَوْمِ،

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

صفة قدمت وصارت حالا، (فشق عليهم فاشقق) بضم القاف، (عليه) ; أى جزاء وفاقا (ومن ولى من أمر أمتى شيئا فرفق بهم فارفق به) بفتح الفاء فى الماضى وضمها فى الغابر، قال النووى :هذا من أبلغ الزواجر عن المشقة على الناس، وأعظم الحث على الرفق بهم، وقد تظاهرت الأحاديث فى هذا المعنى قال الطيبى :وهو من أبلغ ما أظهره -صلى الله عليه وسلم -من الرأفة والشفقة والمرحمة على الأمة فنقول بلسان الحال :اللهم هذا أوان أن ترحم على أمة حبيبك الكريم وتنجيهم من الكرب العظيم (رواه مسلم) (مرقاة المفاتيح، ج٦ ص ۲۴۰۴، كتاب الامارة والقضاء)

ثُمَّ تَكَلَّمْتُ فِي الْجُمُعَةِ الثَّالِثَةِ فَقَامَ هٰذَا الرَّجُلُ فَرَدَّ عَلَيَّ فَأَحْيَانِيْ أَحْيَاهُ اللّٰهُ (المعجم الكبير للطبرانی) [1]

ترجمہ: حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن منبر پر چڑھے، اور خطبہ کے دوران فرمایا کہ مال ہمارا ہے، اور غنیمت ہماری ہے، پس جس کو ہم چاہیں گے دیں گے، اور جس کو چاہیں گے نہیں دیں گے (لوگوں میں سے) کسی نے ان کو جواب نہیں دیا، جب دوسرا جمعہ آیا، تو انہوں نے اسی طرح کہا (پھر بھی لوگوں میں سے) کسی نے ان کو جواب نہیں دیا، جب تیسرا جمعہ آیا، تو انہوں نے اسی طرح کہا تو ایک آدمی حاضرینِ مسجد میں سے کھڑا ہوا، اور اس نے کہا کہ ہرگز نہیں، مال ہمارا ہے، غنیمت ہماری ہے، جو ہمارے اور ان کے درمیان حائل بنے گا، تو ہم اس کا فیصلہ اللہ کی طرف اپنی تلواروں سے کریں گے (یعنی ہم مزاحمت کریں گے) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ منبر سے اترے، اور اس شخص کو اپنے پاس بلانے کے لئے بھیجا، اور اس کو اپنے پاس اندر داخل کیا، لوگوں نے کہا کہ اس آدمی کی شامت آ گئی، پھر لوگ حضرت معاویہ کے پاس داخل ہوئے، تو اس آدمی کو حضرت معاویہ کے پاس تخت پر (عزت کے ساتھ) بیٹھے ہوئے دیکھا، حضرت معاویہ نے لوگوں سے فرمایا کہ اس آدمی نے مجھے زندہ کر دیا ہے، اللہ اس کو زندہ رکھے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ عنقریب میرے بعد ایسے حکمران ہوں گے، جو کوئی بات کہیں گے، لیکن ان کو جواب نہیں ملے گا، اور وہ جہنم میں اس طرح کودیں گے، جس طرح بندر کودتے ہیں، اور میں نے پہلے

---

[1] رقم الحدیث ۹۲۵، ج۱۹، ص۳۹۳، مسند أبی یعلی، رقم الحدیث ۷۳۸۲.
قال الهيثمی: رواه الطبرانی فی الكبير والأوسط وأبو يعلى، ورجاله ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۹۱۹۹، كتاب الخلافة، باب فی أئمة الظلم والجور وأئمة الضلالة)
وقال حسين سليم أسد: إسناده صحيح (حاشية ابی يعلیٰ)

Idara Ghufran

جمعہ بات کی، تو میری بات کا کسی نے جواب نہیں دیا، تو مجھے یہ ڈر ہوا کہ میں ان لوگوں میں سے نہ ہوں (جن کے لئے جہنم میں بندر کی طرح کودنے کی وعید سنائے گئی) پھر میں نے دوسرے جمعہ بات کی، تو میری بات کا کسی نے جواب نہیں دیا، تو میں نے اپنے آپ سے کہا کہ میں انہی لوگوں میں سے ہوں، پھر میں نے تیسرے جمعہ بات کی تو یہ آدمی کھڑا ہوا، جس نے میری بات کا جواب دیا (جس سے میں مطمئن ہوگیا اور سمجھ گیا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کئے ہوئے اُن برے حکمرانوں میں سے نہیں ہوں) اور اس طرح اس نے مجھے زندہ کر دیا، اس کو اللہ زندہ رکھے (طبرانی، ابویعلیٰ)

اس سے معلوم ہوا کہ حکمران کو عوام ورعایا کی حق وجائز بات سننی چاہئے، اور پھر ضرورت مندوں کا حتی المقدور مداوا کرنا چاہئے، ورنہ حکمران سخت وبال کا مستحق ہوگا، اور عنداللہ برے لوگوں میں شمار ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ عوام کے حقوق کی بڑی اہمیت ہے، اور حکمران درحقیقت عوام کا سرپرست، ان کا نگران وذمہ دار ہے، لہٰذا اس پر عوام کے حقوق کی بڑی ذمہ داری عائد ہے، اور اسی لئے حکمران کو عوام کے ساتھ نرمی اور خیر خواہی کا برتاؤ کرنا چاہئے، اور بے جا سختی وتشدُّد سے بچنا چاہئے، اور عوامی مشکلات کا مداوا کرنا چاہئے، خواہ بجلی اور گیس وپانی کی شکل میں ہوں، یا خوراک کی قلت اور مہنگائی کی شکل میں، ہر طرح کی مشکلات کو دُور کرنے میں کوئی کسَر نہیں چھوڑنی چاہئے، ورنہ قیامت کے دن اس سے عوام کی ان مشکلات کے بارے میں سوال ہوگا، اور کوتاہی ولاپرواہی اور غفلت سامنے آنے پر مؤاخذہ کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔ آمین

(فصل نمبر۴)

عوام کے ساتھ دھوکہ دہی، جھوٹ اور غلط بیانی کی مذمت

حکمران اپنی عوام ورعایا کا سرپرست، ان کا نگران، خیر خواہ اور ہمدرد اور ایک طرح سے والد کی جگہ ہوتا ہے، لہٰذا اسے اپنے ماتحتوں اور عوام ورعایا کے ساتھ دھوکہ دہی، جھوٹ اور غلط بیانی کا ارتکاب کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی، اسی لئے احادیث میں اس پر سخت وعیدیں آئی ہیں۔

عوام کو دھوکہ دینے والے حکمران کے لئے جنت حرام ہے

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

إِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰـهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: مَا مِنْ عَبْدٍ يَسْتَرْعِيْهِ اللّٰهُ رَعِيَّةً، يَمُوْتُ يَوْمَ يَمُوْتُ وَهُوَ غَاشٌّ لِرَعِيَّتِهٖ، إِلَّا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ (مسلم) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ کوئی بندہ بھی ایسا نہیں کہ جس کو اللہ نے رعیت (وعوام) پر ذمہ دار (وحکمران) بنایا ہو اور وہ اس حال میں مَرے (اور فوت ہو) کہ وہ اپنی رعایا (وعوام) کو دھوکہ دینے والا ہو، تو اس پر اللہ جنت کو حرام کر دیتا ہے (مسلم)

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ الْمُسْلِمِيْنَ

---

[1] رقم الحدیث ۲۷۷ ”۱۴۲“، کتاب الایمان، باب استحقاق الوالی الغاش لرعیته النار.

شَيْئًا فَغَشَّهُمْ فَهُوَ فِي النَّارِ (المعجم الاوسط للطبرانی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مسلمانوں کے کسی بھی معاملہ کا ولی (وحکمران) بنا، پھر اس نے ان کو دھوکہ دیا، تو وہ جہنم میں ہوگا (طبرانی)

کسی بھی معاملہ کا حکمران بننے کا مطلب یہ ہے کہ کسی بھی شعبہ کا حکمران بنا، مثلاً خوراک کا، تجارت وزراعت کا، یا بجلی و پانی اور گیس وغیرہ کا، اور پھر اس نے عوام ورعایا کو دھوکہ دیا، مثلاً اس شعبہ میں خیانت وخرد برد اور کام چوری یا حرام خوری سے کام لیا، اور غلط بیانی کر کے ان کو اندھیرے میں رکھا، تو وہ جنت سے محروم اور جہنم کا مستحق ہوگا۔ [2]

قیامت میں، عوام کو دھوکہ دینے والے حکمران کے لئے جھنڈا

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يُرْفَعُ لَهُ بِقَدْرِ غَدْرِهٖ، أَلَا وَلَا غَادِرَ أَعْظَمُ غَدْرًا مِنْ أَمِيْرِ عَامَّةٍ (مسلم) [3]

---

[1] رقم الحدیث ۳۴۸۱، ج۴، ص ۱۱.
قال المنذری: رواه الطبرانی فی الأوسط والصغیر ورواته ثقات إلا عبد الله بن میسرة أبا لیلی (الترغیب والترهیب، تحت رقم الحدیث ۳۳۳۹، کتاب القضاء وغیره الترهیب من تولی السلطنة والقضاء والإمارة)

[2] (ما من عبد یسترعیه الله رعیة) أی یفوض إلیه رعایة رعیة وهی بمعنی المرعیة بأن ینصبه إلی القیام بمصالحهم ویعطیه زمام أمورهم والراعی الحافظ المؤتمن علی ما یلیه من الرعایة وهی الحفظ (یموت) خبر ما (یوم یموت) الظرف مقدم علی عامله (وهو غاش) أی خائن (لرعیته) المراد یوم یموت وقت إزهاق روحه وما قبله من حالة لا تقبل فیها التوبة لأن النائب من خیانته تقصیره لا یستحق هذا الوعید (إلا حرم الله علیه الجنة) أی إن استحل أو المراد یمنعه من دخوله مع السابقین الأولین وأفاد التحذیر من غش الرعیة لمن قلد شیئا من أمرهم فإذا لم ینصح فیما قلد أو أهمل فلم یقم بإقامة الحدود واستخلاص الحقوق وحمایة البیضة ومجاهدة العدو وحفظ الشریعة ورد المبتدعة والخوارج فهو داخل فی هذا الوعید الشدید المفید لکون ذلک من أکبر الکبائر المبعدة عن الجنة وأفاد بقوله یوم یموت أن التوبة قبل حالة الموت مفیدة (فیض القدیر للمناوی، تحت رقم الحدیث ۸۰۶۴، تحت حرف المیم)

[3] رقم الحدیث ۱۷۳۸ "۱۶"، کتاب الجهاد والسیر، باب تحریم الغدر.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن ہر دھوکہ دینے والے کے لئے جھنڈا نصب کیا جائے گا، جو اُس کے دھوکہ کے بقدر اونچا ہوگا، یہ بات یاد رکھو کہ عوام کے حکمران سے زیادہ بڑا دھوکہ کا جھنڈا اور کسی کا نہیں ہوگا (مسلم)

کیونکہ حکمران کے دھوکہ وخیانت کا تعلق کسی ایک فرد یا ایک گھر یا ایک خاندان کے ساتھ نہیں ہوتا، بلکہ بیک وقت ہزاروں، لاکھوں اور کروڑوں افراد وعوام کے ساتھ ہوتا ہے، اس لئے قیامت کے دن عوام ورعایا کو دھوکہ دینے والے حکمران کا جھنڈا سب سے بڑا اور اونچا ہوگا، جس کو سب لوگ دیکھیں گے، اور دھوکہ دہی کو پہچانیں گے، اور اس طرح اسے تمام عوام ورعایا کے سامنے ذلت ورسوائی اُٹھانی پڑے گی، اور عذاب الگ ہوگا۔ [1]

جھوٹ بولنے والے حکمران کے لئے شدید وعید

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: ثَلَاثَۃٌ لَا یُکَلِّمُھُمُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ، وَلَا یَنْظُرُ إِلَیْھِمْ، وَلَا یُزَکِّیْھِمْ، وَلَھُمْ عَذَابٌ أَلِیْمٌ: شَیْخٌ زَانٍ، وَمَلِکٌ کَذَّابٌ، وَعَائِلٌ مُسْتَکْبِرٌ (مسند احمد) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین آدمی ایسے ہیں کہ جن سے اللہ

---

[1] (لكل غادر لواء عند استه يوم القيامة) بمعنى أنه يلصق به ويدنى منه دنوا لا يكون معه اشتباه لتزداد فضيحته وتتضاعف استهانته ويحتمل أن يكون عند دبره حقيقة وقال ابن العربى: يزيد الشهرة به وهى عظيمة فى النفوس كبيرة على القلوب يخلق الله عند وجودها من الألم فى النفوس ما شاء على قدرها وما يخلق من ذلك فى الآخرة أعظم ويزيد فى عظم اللواء حتى تكون الشهرة أشد وإنما كان عند استه لتكون الصورتان مكشوفتين الظاهرة فى الأخلاق والباطنة فى الخلق(فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ۷۳۲۶، تحت حرف اللام)

[2] رقم الحديث ۱۰۲۲۷، واللفظ لهٗ؛ مسلم، رقم الحديث ۱۰۷ "۱۷۲".
فى حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط الشيخين.

قیامت کے دن نہ کلام فرمائے گا، اور نہ اُن کی طرف (رحمت کی) نظر فرمائے گا، اور نہ ہی انہیں (گناہ سے) پاک وصاف کرے گا، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے، ایک بوڑھا زناکار، دوسرے جھوٹا بادشاہ (حکمران وحاکم) تیسرے مفلس (یعنی غریب ونادار) تکبر کرنے والا (مسند احمد، مسلم)

اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ثَلَاثَةٌ لَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ: اَلشَّيْخُ الزَّانِىْ، وَالْإِمَامُ الْكَذَّابُ، وَالْعَائِلُ الْمَزْهُوُّ (مسند البزار) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین آدمی جنت میں داخل نہیں ہوں گے، ایک بوڑھا زناکار، دوسرے جھوٹا حکمران (وحاکم) تیسرے مفلس (یعنی غریب ونادار) اِترانے والا (بزار)

حکمران وحاکم کو عام طور پر جھوٹ بولنے میں کسی کی طرف سے مؤاخذے کا ڈر نہیں ہوتا، اور اس کا عوام ورعایا سے تعلق ہوتا ہے، اس وجہ سے اس کے جھوٹ سے لاکھوں کروڑوں افراد کو دھوکہ ہوتا ہے؛ اور اسی وجہ سے حکمران وحاکم کا جھوٹ زیادہ نشر ہوتا اور پھیلتا ہے، خاص طور پر آج کے دور میں ریڈیو، ٹیلی ویژن، اخبارات اور جرائد ورسائل میں نہ جانے کس کس طرح نشر ہوتا ہے، اس لئے حکمران وحاکم کا جھوٹ بولنا عام آدمی کے جھوٹ بولنے کے مقابلہ میں زیادہ شدید گناہ ہے، اسی وجہ سے حاکم کے جھوٹ بولنے پر احادیث میں سخت وعید سنائی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ جھوٹ اور دھوکہ دہی وغلط بیانی سے حفاظت فرمائے۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ۲۵۲۹، ج۶، ص ۴۹۳.

قال المنذری: رواه البزار بإسناد جيد. العائل هو الفقير المزهو هو المعجب بنفسه المتكبر(الترغيب والترهيب للمنذری، تحت رقم الحديث ۴۴۷۰، كتاب الأدب وغيره، الترغيب فی الحياء وما جاء فی فضله والترهيب من الفحش والبذاء)

[2] (وعن أبی هريرة قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :(ثلاثة) أی :أشخاص (لا يكلمهم الله) أی : كلام رضا أو مطلقا (يوم القيامة) أی :وقت ظهور عدله وفضله وغضبه ورضاه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

خلاصہ یہ کہ حکمرانوں کو عوام ورعایا کے ساتھ دھوکہ دہی، جھوٹ، غلط وکذب بیانی سے پرہیز کرنا چاہئے، جس پر بڑی سخت وعیدیں آئی ہیں۔

اور جھوٹ بولنے اور غلط بیانی کرنے اور دھوکہ دینے میں حکومت وحکمرانی سے متعلق تمام چیزیں داخل ہیں، جس میں اپنی حکومت کی کارکردگی کو خلافِ حقیقت ظاہر کرنا اور اپنے مدِّ مقابل کی طرف غلط کارکردگی کی نسبت کرنا بھی شامل ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(ولا يزكيهم) أى :لا يثنى عليهم بخلاف سائر المؤمنين، أو لا يطهرهم من دنس الذنوب بالعفو عنهم (وفى رواية) : بدلا عما قبله أو زيادة عليه وهو الظاهر (ولا ينظر إليهم) أى :نظر لطف وعناية ورحمة ورعاية (ولهم عذاب أليم) : يحتمل أن يكون من تتمة الرواية، وأن يكون عودا إلى أصل الحديث وهو المعتمد كقوله :(شيخ زان) : لأن الزنا إذا كان قبيحا من الشاب مع كونه معذورا طبعا، فمن الشيخ المنطفء شهوته المنتفى غلمته يكون أقبح، وفى نظر العقل أسمج (وملك كذاب) أى :كثير كذب أو ذو كذب بناء على أن الصيغة للمبالغة، أو النسبة، والثانى أبلغ (وعائل مستكبر) أى :فقير متكبر، لأن كبرا مع انعدام سببه فيه من الجاه والمال يدل على كونه بالطبع ذميما فى الشرع، وقيل :المراد بالعائل ذو العيال، فتكبره عن أخذ الصدقة قدر ما يسد خلته وخلة عياله لم يكن إلا لاستيلاء هذه الرذيلة عليه، بحيث يلحقه وعياله الضرر الشديد من تكبره .قال الطيبى :يعنى الزنا قبيح ومن الشيخ أقبح والكذب سمج، ومن الملك أسمج، والتكبر مذموم ومن الفقير أذم اهـ.

ويمكن أن يقال :المراد بالشيخ المحصن سواء يكون شابا أو لا .ولكون الزنا أقبح منه شرعا وعرفا وجب فيه الرجم كما فى الآية المنسوخة :الشيخ والشيخة إذا زنيا فارجموهما ألبتة نكالا من الله والله عزيز حكيم، والمراد بالملك الغنى، فإن الفقير قد يكذب لغرض فاسد من منفعة دنيوية ضرورية، والغنى لا يحتاج إليه مطلقا .فالكذب منه أقبح، والمراد بالفقير الذى يتكبر على الفقراء ; لأن التكبر على المتكبرين من الأغنياء صدقة، والأظهر أن المراد به الفقير المتكبر عن الكسب والكد لنفسه وعياله مع القدرة عليه، كما هو مشاهد فى أهل زماننا، ولا شك أن هذا التكبر المتضمن للرعونة والرياء والسمعة مع إضرار النفس، وارتكاب السؤال، وأخذ المال من غير وجه حلال أقبح من تكبر الأغنياء ، لا سيما إذا كان يتكلف ويتزيا بزى الأكابر، كبعض الفقهاء القائلين، بأن الحلال ما حل بنا وأن الحرام ما حرمنا، فإن العلل المركبة داء عضال يعجز عنه الحكماء وإن بلغوا مبلغ الكمال .(رواه مسلم) : وفى الجامع بلفظ " :ثلاثة لا يكلمهم الله يوم القيامة ولا يزكيهم ولهم عذاب أليم :شيخ زان، وملك كذاب، وعائل مستكبر ."(مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب،باب الغضب والكبر، ج٨، ص ٣١٩٠)

(فصل نمبر۵)

حکمرانوں کا عدل وانصاف اور ظلم وناانصافی

حکمرانوں کے لئے اسلام میں عدل وانصاف اختیار کرنے اور ظلم وناانصافی سے اجتناب کرنے پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے، اور نہ صرف یہ کہ زور دیا گیا ہے، بلکہ حکمرانوں کے عدل وانصاف کرنے پر بڑے بڑے اجر وانعامات اور جنت کی نعمتوں کا وعدہ بھی کیا گیا ہے، اور اس کے برعکس ظلم وناانصافی کرنے پر سخت ترین اور بدترین سزاؤں اور جہنم کے عذابوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے حکمران یا حکومت کے لئے جو عادلانہ ومنصفانہ نظام پیش کیا ہے، دنیا کے کسی اور مذہب اور حکومت میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

اس سلسلہ میں قرآن وسنت سے کچھ تفصیل پیش کی جاتی ہے۔

حکمران کو حق وانصاف کے مطابق فیصلہ کرنے کا قرآنی حکم

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کو زمین میں عظیم حکومت عطا فرمائی تھی، آپ کو اللہ کی طرف سے حق وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کا پابند کیا گیا تھا۔

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

يَا دَاوُوْدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيْفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ إِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ (سورة صٓ، رقم الآية ۲۶)

ترجمہ: اے داؤد! ہم نے آپ کو زمین میں خلفیہ (وحکمران) بنایا ہے، پس آپ لوگوں میں انصاف سے فیصلہ کیا کیجئے، اور نفس کی خواہش کی پیروی نہ کیا کیجئے، کہ

وہ آپ کو اللہ کے راستہ سے گمراہ کر دے گی، بیشک جو لوگ اللہ کے راستہ سے گمراہ ہوتے ہیں، ان کے لیے سخت عذاب ہے اس لیے کہ وہ حساب کے دن کو بھول گئے (سورہ صٓ)

معلوم ہوا کہ دینِ اسلام میں حق کے مطابق فیصلہ کرنے کی اتنی تاکید ہے کہ اس کا حکم ان جلیلُ القدر نبیوں کو بھی دیا گیا، جن کی حکومت بڑی زبردست تھی۔

پس حکمران کو لوگوں کے معاملات کو عدل وانصاف سے چلانا ضروری ہے، اور اس سلسلہ میں خواہش کی پیروی جائز نہیں، ورنہ حکمران اللہ کے سیدھے راستہ سے بھٹک جاتا ہے، اور سیدھا راستہ لوگوں کے درمیان عدل وانصاف کرنا ہے، اور خواہش کی پیروی کرنا اس کے برخلاف کرنا ہے، یعنی کہ عوام کی جانی یا مالی حق تلفی اور ان پر جانی، مالی یا کسی بھی طرح کا ظلم کرنا عدل وانصاف کے برخلاف عمل ہے۔

سورہ نساء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلٰى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا .يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوْا الرَّسُوْلَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ .فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّأَحْسَنُ تَأْوِيْلًا

(سورة النساء ،رقم الآية ۵۸، ۵۹)

ترجمہ: بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل لوگوں کو پہنچا دو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو، بیشک اللہ تمہیں نہایت اچھی نصیحت کرتا ہے، بیشک اللہ خوب سننے والا دیکھنے والا ہے۔ اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے حاکم

ہوں۔ پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں تنازعہ ہوجائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو، اگر تم واقعی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو، یہی سب سے زیادہ خیر والا اور تاویل (وانجام) کے اعتبار سے سب سے اچھا طریقہ ہے

(سورہ نساء)

مذکورہ آیات میں پہلے تو امانتوں کو ان کے اہل کی طرف سپرد کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اور امانتوں میں حکومت کے عہدے کی امانت بھی داخل ہے، اور پھر لوگوں کے درمیان فیصلہ کرتے وقت عدل وانصاف کا حکم دیا گیا ہے، اور پھر اگلی آیت میں اللہ اور اس کے رسول اور ''اولی الامر'' کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے، اور ''اولی الامر'' سے مراد راجح تفسیر کے مطابق حکمران ہیں۔ [1]

عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کے بعد اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حکم دینے سے اس طرف اشارہ ہے کہ لوگوں کے درمیان عدل وانصاف اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے بغیر ممکن نہیں۔

پھر اس کے بعد کسی چیز میں باہمی اختلاف کے وقت اس چیز کو فیصلہ کے لئے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹانے کا حکم اس لئے فرمایا گیا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ سے زیادہ عدل وانصاف کا دنیا میں اور کوئی قانون وضابطہ نہیں ہے۔

اپنے اور اپنے والدین واقرباء کے خلاف بھی انصاف کا حکم

اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُوْنُوْا قَوَّامِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰى أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِيْنَ إِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ أَوْلٰى

[1] جس کی تفصیل آگے حکمرانوں کے حقوق اور عوام کی ذمہ داری کے بیان میں آتی ہے۔

بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰى أَنْ تَعْدِلُوا وَإِنْ تَلْوُوا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيْرًا (سورة النساء، رقم الآية ١٣٥)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم انصاف کو قائم کرنے والے ہو جاؤ، اللہ کے لئے گواہ بنو، اگرچہ تمہارے خلاف ہو، یا والدین کے، یا اقرباء کے، اگر کوئی غنی یا فقیر ہے تو اللہ ان کے مقابلہ میں اولیٰ (ومقدم) ہے، پس تم خواہش کی اتباع نہ کرو عدل وانصاف کرنے میں، اور اگر تم زبان لپیٹو گے (یعنی غلط بیانی کر کے ناانصافی کرو گے) یا (عدل وانصاف سے) اعراض کرو گے، تو اللہ تمہارے اعمال سے خوب خبردار ہے (سورہ نساء)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی رضا کے لئے عدل وانصاف کے فیصلہ پر اُس وقت بھی قائم رہنا ضروری ہے، جبکہ وہ اپنے خلاف ہو، یا والدین کے خلاف ہو، یا اعزہ واقرباء کے خلاف ہو، اور جس کے خلاف فیصلہ ہو، خواہ وہ غنی ومالدار ہو، تب بھی اُس کا غنی ومالدار ہونا حق کے فیصلہ سے اعراض کا باعث نہ بنے، اور خواہ وہ فقیر محتاج ہو، تب بھی اُس کا فقر واحتیاج حق کے فیصلہ سے اعراض کا باعث نہ بنے۔

کسی کے غنی اور فقیر ہونے کے مقابلہ میں اللہ کا حکم مقدم ہے، اور اللہ ہر غنی وفقیر کا انسان کے مقابلہ میں زیادہ خیر خواہ ہے۔

لہٰذا عدل وانصاف کرنے میں خواہش کی پیروی کی اجازت نہیں، اور اگر کوئی اپنی زبان کی ہیرا پھیری یا کسی دوسرے طریقے سے عدل وانصاف سے روگردانی اختیار کرے گا، تو وہ اللہ کی ناراضگی وپکڑ سے نہیں بچ سکتا۔

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ أَعَانَ عَلٰى خُصُوْمَةٍ بِظُلْمٍ، أَوْ يُعِيْنُ عَلٰى ظُلْمٍ، لَمْ يَزَلْ فِيْ سَخَطِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْزِعَ (سنن ابن ماجة،

رقم الحدیث ۲۳۲۰)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی معاملہ میں ظلم کے ساتھ تعاون کیا، یا ظلم پر اعانت کی، تو وہ مسلسل اللہ کی ناراضگی میں رہتا ہے یہاں تک کہ وہ (اس ظالمانہ) مدد سے باز آ جائے (ابن ماجہ)

دُشمنوں کے خلاف بھی عدل وانصاف قائم کرنے کا حکم

اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُوْنُوا قَوَّامِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلٰى أَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (سورة المائدة، رقم الآية ۸)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اللہ کے لئے انصاف کے ساتھ گواہی قائم کرنے والے ہو جاؤ، اور تمہیں کسی قوم کی عداوت عدل وانصاف چھوڑنے پر آمادہ نہ کرنے پائے، یہی تقویٰ کے زیادہ قریب ہے، اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ تمہارے اعمال سے خوب خبردار ہے (سورہ مائدہ)

اس سے معلوم ہوا کہ دشمن کے خلاف بھی عدل وانصاف قائم رکھنا ضروری ہے، اور کسی قوم کی دشمنی میں عدل وانصاف کا دامن چھوڑنا جائز نہیں، اس میں دوسرے کی سیاسی وغیر سیاسی جماعت وپارٹی بلکہ غیر مسلموں کے متعلق فیصلہ اور رائے قائم کرنا بھی داخل ہے۔

اللہ، عدل واحسان کا حکم اور ظلم وزیادتی سے منع فرماتا ہے

سورہ نحل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيْتَاءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ. وَأَوْفُوْا بِعَهْدِ

اللّٰهِ إِذَا عَاهَدْتُّمْ (سورة النحل، رقم الآية ۹۰، ۹۱)

ترجمہ: بے شک اللہ عدل وانصاف کرنے کا اور احسان کرنے کا اور رشتہ داروں کو دینے کا حکم کرتا ہے اور فحش (وبے حیائی) اور بُری چیز اور ظلم سے منع کرتا ہے، تمہیں نصیحت کرتا ہے تا کہ تم نصیحت حاصل کرو۔ اور اللہ کا عہد پورا کرو جب تم آپس میں عہد کرو (سورہ نحل)

ان آیات میں نہ صرف یہ کہ اللہ کی طرف سے عدل وانصاف کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے، بلکہ عدل وانصاف سے بڑھ کر احسان کرنے کا بھی حکم فرمایا گیا ہے، اور اس کے بعد ظلم وزیادتی سے منع کیا گیا ہے، اور اس کو اللہ کی نصیحت بتلایا گیا ہے، جس سے عدل وانصاف کی اہمیت اور ظلم وناانصافی کی مذمت معلوم ہوئی۔

پھر اس کے ساتھ ہی آخر میں اللہ کے عہد کو پورا کرنے کا حکم یہ کہہ کر فرمایا گیا کہ ''جب تم آپس میں عہد کرو'' جس سے معلوم ہوا کہ جو عہد آپس میں کیا جائے، وہ اللہ کے عہد میں داخل ہو جاتا ہے۔

اور حکمران، حکومت کا عہدہ سنبھالتے وقت اس عہدے کی ذمہ داریوں کو صحیح طرح نبھانے کا اللہ اور بندوں کے ساتھ عہد کرتا ہے، لہٰذا اس پر بھی اس عہد کی پاسداری لازم ہے، اور اس کو عدل واحسان کی صفات کو اپنانا اور عوام کے ساتھ ظلم وزیادتی اور حق تلفی سے بچنا ضروری ہے۔

اسلام، یہودیوں کے منصفانہ قانون کا محافظ ہے

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے درمیان حق اور عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کا قرآن مجید میں حکم فرمایا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہی اس بات کی شہادت بھی دی ہے کہ عدل وانصاف اور حق وسچ کے مطابق فیصلہ کا حکم یہودیوں کو تورات میں بھی دیا گیا تھا، اس حیثیت سے ایک طرف تو قرآن مجید، یہودیوں کی تورات کے منصفانہ قانون کا محافظ ہے، اور دوسری

طرف حق وسچ اورعدل وانصاف کے مطابق فیصلہ کے اس حکم میں قران مجید تنہا نہیں ہے، اور اللہ کی طرف سے یہ کوئی نیا قانون نہیں ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ:

إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَّنُورٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ أَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبَّانِيُّوْنَ وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِآيَاتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ. وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُوْنَ (سورة المائدة، رقم الآية ۴۴، ۴۵)

ترجمہ: ہم نے تورات نازل کی جس میں ہدایت اور نور ہے اس کے مطابق اللہ کے فرمانبردار نبی، یہودیوں کے لئے فیصلے کرتے تھے اور اہلُ اللہ اور علماء بھی، کیونکہ انہیں اللہ کی کتاب کی حفاظت کی ذمہ داری دی گئی تھی اور وہ اس پر گواہ تھے، پس تم لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اور میری آیتوں کی تھوڑی سی (یعنی دنیا کی حقیر) قیمت کے بدلے میں خرید وفروخت نہ کرو، اور جو لوگ اللہ کے نازل کئے ہوئے قانون کے مطابق (عادلانہ ومنصفانہ) فیصلہ نہ کریں وہ کافر ہیں۔ اور ہم نے ان پر اس کتاب میں لکھا تھا کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخموں کا بدلہ ان کے برابر ہے، پھر جس نے معاف کر دیا تو وہ اس کے لئے (گناہوں کا) کفارہ ہو گیا، اور جو لوگ اللہ کے نازل کئے ہوئے قانون کے

مطابق فیصلہ نہ کریں تو یہی لوگ ظالم ہیں (سورہ مائدہ)

معلوم ہوا کہ اسلام میں جو منصفانہ اور عادلانہ فیصلوں کا قانون ہے، وہ تورات میں بھی تھا، جس میں قصاص کا قانون بھی داخل ہے، اور اس پر فیصلہ کرنے اور اس کو قانونی وآئینی حیثیت دینے کے لئے مسلمانوں اوران کے حکمرانوں کوکسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔

اسلام،عیسائیوں کے منصفانہ قانون کا بھی محافظ ومصدِّق

یہودیوں کی تورات کے بعد آسمانی کتاب انجیل نازل کی گئی، جو عیسائیوں کی مذہبی کتاب ہے،اس میں بھی اللہ تعالیٰ نے حق اور عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کا حکم فرمایا تھا،اور قرآن مجید، انجیل کی اس بات کی بھی تصدیق کرتا ہے،اس طرح سے قرآن کا عادلانہ اور منصفانہ فیصلہ وقانون انجیل کے بھی موافق ہے، بلکہ اس کا محافظ ومصدِّق ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ:

وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ الْإِنْجِيلِ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فِيهِ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ. وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ هُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَا آتَاكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ إِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ. وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَائَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَّفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ إِلَيْكَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ أَنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ أَنْ يُّصِيبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ لَفَاسِقُونَ. أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ

یُوۡقِنُوۡنَ (سورۃ المائدۃ، رقم الآیات ۴۷ الیٰ ۵۰)

ترجمہ: اور چاہئے کہ انجیل والے (یعنی عیسائی) اللہ کے نازل کئے ہوئے (قانون) کے مطابق فیصلہ کریں، اور جو لوگ اللہ کے نازل کئے ہوئے (عادلانہ ومنصفانہ) قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں تو یہی لوگ فاسق ہیں۔ اور ہم نے آپ کی طرف حق کے مطابق کتاب نازل کی، جو اپنے سے پہلی کتاب (یعنی انجیل) کی تصدیق کرنے والی ہے اور اس کی محافظ ہے، پس تم ان کے درمیان اللہ کے نازل کئے ہوئے حکم (اور منصفانہ قانون) کے مطابق فیصلہ کرو، اور تم ان کی خواہشوں کی اتباع نہ کرو، اس کے مقابلہ میں جو تمہارے پاس حق آیا ہے، ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک شریعت اور واضح راستہ مقرر کر دیا ہے، اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت کر دیتا، لیکن وہ تمہیں اپنے دیئے ہوئے حکموں میں آزمانا چاہتا ہے، پس تم نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو، اللہ کی طرف تم سب کا لوٹنا ہے، پھر اللہ تمہیں ان چیزوں سے خبردار کر دے گا، جس میں تم اختلاف کرتے رہے، اور تم لوگوں کے درمیان اللہ کے نازل کئے ہوئے قانون کے مطابق (عادلانہ ومنصفانہ) فیصلہ کرو اور ان کی خواہشوں کی اتباع نہ کرو، اور ان سے بچ کر رہو، کہ وہ تمہیں اللہ کے تمہاری طرف نازل کئے ہوئے کسی (منصفانہ) قانون سے نہ بہکا دیں، پھر اگر یہ منہ موڑیں تو جان لو کہ بس اللہ ان کے بعض گناہوں کی وجہ سے ان کو مصیبت میں مبتلا کرنا چاہتا ہے اور بے شک لوگوں میں بہت سے فاسق ہیں، تو کیا یہ لوگ جاہلیت کا حکم (اور فیصلہ) چاہتے ہیں؟ اور اللہ سے بڑھ کر اچھا حکم (اور فیصلہ) اور کس کا ہو سکتا ہے؟ ان لوگوں کے لئے جو یقین رکھتے ہیں (سورہ مائدہ)

مذکورہ آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہمیں اللہ کے نازل کئے ہوئے منصفانہ وعادلانہ قانون

کے مطابق فیصلہ کرنا چاہئے، جس سے بہتر اور اچھا فیصلہ دنیا جہان میں اور کسی کا نہیں ہوسکتا، اور اس کو چھوڑ کر نہ تو اپنی خواہشوں کی پیروی کرنی چاہئے، اور نہ ہی اللہ کے منصفانہ وعادلانہ قانون میں معاندین ومخالفین کی طرف سے پیدا کئے ہوئے شکوک وشبہات کی طرف متوجہ ہونا چاہئے، بلکہ ان سے بچ کر رہنا چاہئے، جیسا کہ آج کل حدود وقصاص وغیرہ کے عادلانہ ومنصفانہ قانون پر طرح طرح کے شکوک وشبہات کئے جاتے ہیں۔

حکمران کو فیصلہ اور تقسیم وغیرہ میں عدل وانصاف کی تاکید

حضرت سعد بن تمیم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قِيُلَ: يَا رَسُوُلَ اللّٰهِ، مَا لِلُخَلِيُفَةِ بَعُدَكَ؟ قَالَ: مِثُلُ الَّذِىُ لِىُ مَا عَدَلَ فِى الُحُكُمِ، وَأَقُسَطَ فِى الُقَسَمِ، وَرَحِمَ ذَا الرَّحِمِ، فَمَنُ فَعَلَ غَيُرَ ذٰلِكَ فَلَيُسَ مِنِّىُ، وَلَسُتُ مِنُهُ (حلية الاولياء) [1]

ترجمہ: عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ کے بعد خلیفہ (وحکمران) کے لئے کیا ذمہ داری ہوگی؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری طرح کی ذمہ داری ہوگی، وہ فیصلہ کرنے میں عدل وانصاف سے خارج نہ ہو، اور (مال وعہدہ) کی تقسیم میں انصاف وعدل سے کام لے، اور قابلِ رحم لوگوں پر رحم کرے، جو اس سے ہٹ کر عمل کرے گا، تو اس کا تعلق مجھ سے نہیں، اور میرا تعلق اس سے نہیں (ابونعیم، طبرانی)

اس سے معلوم ہوا کہ حکمران کو عدل وانصاف سے کام لینا چاہئے، اور مال وعہدہ وغیرہ کی تقسیم میں بھی عدل وانصاف کو اختیار کرنا چاہئے، اور قابلِ رحم لوگوں پر رحم کرنا چاہئے، اور

---

[1] ج۵، ص۲۳۳، الاموال لابن زنجوية، رقم الحديث ۳۹، شعب الايمان، رقم الحديث ۶۹۷۱، المعجم الكبير للطبرانى، رقم الحديث ۵۴۶۱.

قال الهيثمى: رواه الطبرانى ورجاله ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۹۱۷۱، باب فيما للإمام من بيت المال)

اس سلسلہ میں اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور نمونہ کو سامنے رکھنا چاہیئے، اور اس سے ہٹنا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیزاری و ناراضگی کا باعث ہے۔

کتابُ اللہ کے مطابق عادلانہ فیصلے نہ کرنے سے پھوٹ پڑتی ہے

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

وَمَا لَمْ يَحْكُمْ أَئِمَّتُهُمْ بِكِتَابِ اللّٰهِ إِلَّا أَلْقَى اللّٰهُ بَأْسَهُمْ بَيْنَهُمْ

(مستدرک حاکم) [1]

ترجمہ: اور جب بھی مسلمانوں کے حکمران، کتابُ اللہ کے مطابق (عادلانہ ومنصفانہ) فیصلے نہیں کرتے تو اللہ ان کے درمیان باہمی پھوٹ (واختلاف) ڈال دیتا ہے (حاکم، ابنِ ماجہ، بزار)

اللہ کی کتاب انتہائی عدل وانصاف پر مبنی فیصلوں کا حکم کرتی ہے، جس سے بہتر فیصلہ وقانون اور کوئی نہیں ہوسکتا، لہٰذا اگر قرآن کے عادلانہ ومنصفانہ قانون کے مطابق فیصلے نہ کیے جائیں گے، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ظالمانہ اور ناحق فیصلے کیے جائیں گے، اور یہ طرزِ عمل حکمرانوں اور لوگوں کے درمیان پھوٹ اور تفریق کا باعث ہے، جیسا کہ آج کل صورتِ حال ہے کہ ایک طرف تو حکمران آپس میں دست وگریبان ہیں، اور دوسری طرف عوام کا بھی یہی حال ہے۔

قیامت میں، اللہ کا منصفانہ قانون قائم یا ضائع کرنے کا سوال

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يَسْتَرْعِي اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى

---

[1] رقم الحديث ٨٦٢٣، كتاب الفتن والملاحم، ابنِ ماجه، رقم الحديث، مسند البزار، رقم الحديث ٦١٧٥.

قال الحاكم: هذا حديث صحيح الاسناد، ولم يخرجاه.

وقال الهيثمي: رواه البزار ورجاله ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ٩٦١٥)

عَبۡـدًا رَعِيَّةً، قَلَّتۡ أَوۡ كَثُرَتۡ، إِلَّا سَأَلَـهُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى عَنۡهَا يَوۡمَ الۡقِيَـامَةِ، أَقَامَ فِيۡهِمۡ أَمۡرَ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى أَمۡ أَضَاعَهُ ؟ حَتّٰى يَسۡأَلَـهُ عَنۡ أَهۡلِ بَيۡتِهٖ خَاصَّةً (مسند أحمد، رقم الحديث ۴۶۳۷) ؎۱

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جس بندہ کو کسی رعیت کا نگران وحکمران بنایا، خواہ اس کی رعایا تھوڑی ہوں یا زیادہ، تو اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت کے دن اس سے اس کی رعایا کے متعلق یہ سوال فرمائے گا کہ اُن میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم (ومنصفانہ قانون) قائم کیا تھا، یا اُس کو ضائع کیا تھا؟ یہاں تک کہ اس سے اس کے اہل خانہ کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ خصوصیت کے ساتھ سوال کرے گا (مسند احمد)

اس طرح کی حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ ؎۲

اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن حکمرانوں سے اللہ کی کتاب یعنی قرآن مجید کے مطابق منصفانہ وعادلانہ قانون کو عوام ورعایا اور اپنے اہلِ خانہ میں قائم کرنے یا ضائع کرنے کے متعلق سوال ہوگا، اور اس سلسلہ میں کمی کوتاہی سامنے آنے پر پکڑ ومؤاخذہ ہوگا۔ ؎۳

؎۱ فی حاشية مسند احمد: حديث صحيح.

؎۲ عن أبی هريرة قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :ما من راع يسترعی رعية إلا سئل يوم القيامة :أقام فيها أمر الله، أم أضاعه؟ (المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحديث ۴۹۱۶)

قال الهيثمی: رواه الطبرانی فی الأوسط، وفيه أبو عياش المصری، وهو مستور، وبقية رجاله ثقات وفی بعضهم كلام (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۹۰۴۹، باب كلكم راع ومسؤول)

عن قتادة، أن ابن مسعود، قال :إن الله عز وجل سائل كل ذی رعية فيما استرعاه، أقام أمر الله فيهم أم أضاعه؟ حتى إن الرجل ليسأل عن أهل بيته (المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۸۸۵۵)

قال الهيثمی: رواه الطبرانی .وقتادة لم يسمع من ابن مسعود، ورجاله رجال الصحيح (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۹۰۵۳، باب كلكم راع ومسؤول)

؎۳ (إن الله تعالى سائل) إشارة إلى تحقق وقوع ذلك (كل راع عما استرعاه) أی أدخله تحت

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

حق کے مطابق فیصلہ کرنے والے جنت میں، ورنہ جہنم میں

حضرت بُریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلْقُضَاةُ ثَلَاثَةٌ: قَاضِيَانِ فِي النَّارِ، وَقَاضٍ فِي الْجَنَّةِ، رَجُلٌ قَضٰى بِغَيْرِ الْحَقِّ فَعَلِمَ ذَاكَ فَذَاكَ فِي النَّارِ، وَقَاضٍ لَا يَعْلَمُ فَأَهْلَكَ حُقُوقَ النَّاسِ فَهُوَ فِي النَّارِ، وَقَاضٍ قَضَى بِالْحَقِّ فَذٰلِكَ فِي الْجَنَّةِ (سنن الترمذی) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قاضی (وحاکم) تین قسم کے ہوتے ہیں، دو قاضی (وحاکم) تو آگ (یعنی جہنّم میں) ہوں گے، اور ایک قاضی (وحاکم) جنت میں ہوگا، جس آدمی نے ناحق فیصلہ کیا، اور اُسے اس کا علم بھی تھا، تو یہ آگ (یعنی جہنّم) میں ہوگا، اور جس نے (بغیر علم کے) ناحق فیصلہ کیا، اور لوگوں کے حقوق ضائع کیے، تو وہ بھی آگ (یعنی جہنّم) میں ہوگا، اور جس قاضی (وحاکم)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

رعايته (أحفظ ذلک أم ضيعه) بهمزة الاستفهام (حتى يسأل الرجل عن أهل بيته) أحفظهم أم ضيعهم فيعامل من قام بحق ما استرعاه عليه بفضله ويعامل من أهمله بعدله وما يعفو الله أكثر قال الطيبى :فيه أن الراعى ليس مطلوبا لذاته وإنما أقيم لحفظ ما استرعاه فعليه أن لا يتصرف إلا بمأذون الشارع فيه وهو تمثيل ليس ألطف ولا أجمع ولا أبلغ منه وزاد فى رواية فأعدوا للمسألة جوابا قالوا :وما جوابها قال :أعمال البر خرجه ابن عدى والطبرانى قال ابن حجر :بسند حسن واستدل به على أن المكلف يؤاخذ بالتقصير فى أمر من فى حكمه وفيه بيان كذب الحديث الذى افتراه بعض المتعصبين لبنى أمية ففى آداب القضاء للكرابيسى عن الشافعى رضى الله عنه بسنده دخل الزهرى على الوليد بن عبد الملک فسأله عن حديث إن الله إذا استرعى عبدا للخلافة كتب له الحسنات ولم يكتب عليه السيئات فقال له كذب ثم تلا (يا داود إنا جعلناک خليفة فى الأرض) إلى (بما نسوا يوم الحساب) فقال الوليد :إن الناس ليغروننا.

(ن حب عن أنس) ورواه عنه أيضا البيهقى فى الشعب وفيه معاذ بن هشام حديثه فى الستة لكن أورده الذهبى فى الضعفاء وقال قال ابن معين صدوقا وليس بحجة وقال غيره له غرائب وتفردات (فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ۱۷۴۵، تحت حرف الهمزة)

[1] رقم الحديث ۱۳۲۲، ابواب الاحكام، باب ما جاء عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فى القاضى.

نے حق کے مطابق فیصلہ کیا، تو یہ جنت میں ہوگا (ترمذی)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلْقُضَاةُ ثَلَاثَةٌ: وَاحِدٌ فِي الْجَنَّةِ، وَاثْنَانِ فِي النَّارِ، فَأَمَّا الَّذِيْ فِي الْجَنَّةِ فَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَقَضٰى بِهٖ، وَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَجَارَ فِي الْحُكْمِ، فَهُوَ فِي النَّارِ، وَرَجُلٌ قَضٰى لِلنَّاسِ عَلٰى جَهْلٍ فَهُوَ فِي النَّارِ (ابوداؤد) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قاضی (وحاکم) تین قسم کے ہوتے ہیں، ایک تو جنت میں ہوگا، اور دو آگ (یعنی جہنّم میں) ہوں گے، جو جنت میں ہوگا، وہ تو ایسا (قاضی وحاکم) شخص ہے کہ جس نے حق کو پہچانا اور اس کے مطابق فیصلہ کیا، اور جس (قاضی وحاکم) نے حق کو پہچانا، پھر فیصلہ کرنے میں ظلم (وزیادتی) سے کام لیا، تو وہ آگ (یعنی جہنّم) میں ہوگا، اور جس آدمی نے جہل کے ساتھ (یعنی بغیر علم کے) فیصلہ کیا، تو وہ بھی آگ (یعنی جہنّم) میں ہوگا (ابوداؤد)

مطلب واضح ہے کہ علم ہوتے ہوئے ناحق اور ظالمانہ فیصلہ کرنے والا قاضی وحاکم جہنمی ہے، اور لاعلمی وجہالت کی وجہ سے ظالمانہ وناحق فیصلہ کرنے والا قاضی وحاکم بھی جہنمی ہے، کیونکہ اس نے علم حاصل نہ کر کے ظالمانہ وناحق فیصلہ کا ارتکاب کیا، جو کہ جرم ہے، اور جس قاضی وحاکم نے حق کا علم حاصل کر کے اور حق کو پہچان کر درست فیصلہ کیا، تو وہ جنتی ہے، اس لئے قاضی وحاکم کو نجات کے لئے جہاں ایک طرف عدل وانصاف کے مطابق فیصلہ کرنا ضروری ہے، اسی کے ساتھ عدل وانصاف کے اصول وقواعد کا علم حاصل کرنا بھی ضروری ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ٣٥٧٣، كتاب الاقضية، باب في القاضي يخطئ.
قال أبو داود: وهذا أصح شيء فيه يعني حديث ابن بريدة القضاة ثلاثة.

[2] (قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: القضاة) جمع قاض، وفي معناه المفتي (ثلاثة) أي أنواع (قاضيان) أي حاكمان شرعاً أو سياسة (في النار) أي في المال، أو باعتبار مباشرة أسبابها

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مُنصِف حکمران، اللہ کی اور ظالم حکمران شیطان کی معِیَّت میں

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللّٰہَ مَعَ الْقَاضِي مَا لَمْ یَجُرْ

(ابنِ حبان، رقم الحدیث ۵۰۶۲، ج ۱۱، ص ۴۴۸، کتاب القضاء) [۱]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ، قاضی (وحکمران) کے ساتھ ہوتا ہے، جب تک وہ ظلم نہ کرے (ابنِ حبان)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللّٰہَ مَعَ الْقَاضِي مَا لَمْ یَجُرْ فَإِذَا جَارَ تَبَرَّأَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ مِنْہُ (مستدرک حاکم) [۲]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ، قاضی (وحکمران) کے ساتھ ہوتا ہے، جب تک وہ ظلم نہ کرے، پس جب وہ ظلم کرتا ہے، تو اللہ عزوجل اُس سے بری (وعلیحدہ) ہوجاتے ہیں (حاکم)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللّٰہَ مَعَ الْقَاضِي مَا لَمْ

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

فی الحال، کقولہ تعالی :(إن الذین یأکلون أموال الیتامی ظلما إنما یأکلون فی بطونھم نارا) وقولہ سبحانہ (إن الأبرار لفی نعیم ...وإن الفجار لفی جحیم) (قاض) أی أحدھما أو منھما قاض (یقضی فی الناس بغیر علم) أی من الکتاب والسنة، أو المأخوذ منھما (ویؤکل) أی یطعم (بعضھم مال بعض)، أی بالباطل بناء علی غرضہ الفاسد الباطل (شرح مسند ابی حنیفة،لمنلا علی القاری، ج ۱، ص ۵۳۱، تحت الترجمة: ذکر إسنادہ عن القاسم بن عبد الرحمن)

[۱] فی حاشیة ابن حبان: إسنادہ حسن.

[۲] رقم الحدیث ۷۰۲۶، کتاب الاحکام.

قال الحاکم: أبو العوام ھذا :عمران بن داود القطان والإسناد صحیح ولم یخرجاہ.

وقال الذھبی: صحیح.

يَجُرْ، فَإِذَا جَارَ تَخَلّٰى عَنْهُ وَلَزِمَهُ الشَّيْطَانُ (سنن الترمذى) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ، قاضی (وحکمران) کے ساتھ ہوتا ہے، جب تک وہ ظلم نہ کرے، پس جب وہ ظلم کرتا ہے، تو اللہ عزوجل اُس سے علیحدہ ہوجاتے ہیں، اوراُس کوشیطان چمٹ جاتا ہے (ترمذی)

مطلب یہ ہے کہ حاکم، وحکمران اور قاضی جب تک ظلم اور ناحق فیصلوں سے بچا رہتا ہے، اور عدل وانصاف کے اُصولوں پر قائم رہتا ہے، اس وقت تک وہ اللہ کی رحمت اور نصرت ومدد کا مستحق اور شیطان سے محفوظ رہتا ہے، اور جب عدل وانصاف کا دامن چھوڑ دیتا ہے، تو وہ اللہ کی رحمت اور نصرت ومدد سے محروم اور شیطان کے ساتھ ہوجاتا ہے، اور پھر شیطان اسے طرح طرح سے گمراہ اور پریشان کرتا ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ١٣٣٠، ابواب الاحكام، باب ما جاء فى الإمام العادل.
قال الترمذى: هذا حديث غريب لا نعرفه إلا من حديث عمران القطان.

[2] (وعن عبد الله بن أبى أوفى) : رضى الله عنه قال المؤلف :هو عبد الله بن أنيس الجهنى الأنصارى، شهد أحدا وما بعدها، روى عنه أبو أمامة وجابر وغيرهما رضى الله عنهم، مات سنة أربع وخمسين بالمدينة .(قال :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم :-الله) : وفى نسخة صحيحة :إن الله (مع القاضى ما لم يجر) : بضم الجيم ;أى ما لم يظلم (فإذا جار تخلى عنه) : أى خذله وترك عونه، وفى رواية الجامع :تبرأ الله منه (ولزمه الشيطان) : أى لازمه العصيان .(رواه الترمذى، وابن ماجه) : وكذا الحاكم والبيهقى (وفى رواية) : أى ابن ماجه (فإذا جار وكله) : بتخفيف الكاف (إلى نفسه) : الجوهرى :وكله إلى نفسه، وكلا ووكولا، وهذا الأمر موكول إلى رأيك وفرس واكل يتكل على صاحبه فى العدو، وواكلت فلانا مواكلة إذا اتكلت عليه، واتكل هو عليك (مرقاة المفاتيح، ج٦، ص ٢٤٣١، باب العمل فى القضاء والخوف منه)
(إن الله تعالى مع القاضى) بما ذكر (ما لم يجر) أى يظلم (فإذا جار) فى حكمه (تبرأ الله منه) لفظ رواية الترمذى وابن ماجه تخلى الله عنه (وألزمه الشيطان) أى صيره قرينه ملازما له فى سائر أقضيته لا ينفك عن إغوائه (ومن يكن الشيطان له قرينا فساء قرينا) وفى أصول صحيحة ولزمه الشيطان بدون همزة وبما تقرر من أن المعية فى هذا وما قبله وبعده معنوية لا ظرفية علم أنه من المجاز البليغ لاستحالة الجهة عليه تعالى فهو على وازن (إن الله مع المتقين) (إن الله مع الصابرين) (فيض القدير، تحت رقم الحديث ١٨٠٤، تحت حرف الهمزة)

مُنصِف حکمران وحاکم، قیامت کے دن، اللہ کے سایہ میں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظِلِّهٖ، يَوْمَ لاَ ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهٗ: اَلْإِمَامُ الْعَادِلُ، وَشَابٌّ نَشَأَ فِيْ عِبَادَةِ رَبِّهٖ، وَرَجُلٌ قَلْبُهٗ مُعَلَّقٌ فِى الْمَسَاجِدِ، وَرَجُلاَنِ تَحَابَّا فِى اللّٰهِ اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ، وَرَجُلٌ طَلَبَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَجَمَالٍ، فَقَالَ : إِنِّيْ أَخَافُ اللّٰهَ، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ، أَخْفٰى حَتّٰى لاَ تَعْلَمَ شِمَالُهٗ مَا تُنْفِقُ يَمِيْنُهٗ، وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ (بخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سات آدمیوں کو اللہ (قیامت کے دن خاص) اپنے سایہ میں جگہ عطا فرمائے گا، جس دن کہ اللہ کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا، ایک انصاف کرنے والے امام (حکمران وحاکم) کو، دوسرے اس جوان کو جس نے اپنے رب کی عبادت میں پرورش پائی ہو، اور تیسرے اس آدمی کو جس کا دل مساجد کے ساتھ اٹکا ہوا (اور وابستہ) ہو، چوتھے وہ دونوں آدمی جو اللہ ہی کے لئے آپس میں (مخلصانہ) محبت رکھتے ہوں، اللہ ہی کی محبت کی بنیاد پر جمع ہوتے ہوں، اور اسی بنیاد پر ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہوں، اور پانچویں اس آدمی کو کہ جس کو کوئی منصب اور حسن والی عورت (نفس کی خواہش پوری کرنے کے لئے) بلائے، پھر یہ جواب میں کہے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں، اور چھٹے اس آدمی کو جو صدقہ کرے، اور اتنا خفیہ صدقہ کرے کہ اس کا بایاں ہاتھ بھی یہ نہ جان سکے کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا، اور ساتویں اس آدمی کو جو تنہائی میں

---

[1] رقم الحدیث ۶۶۰، کتاب الاذان، باب من جلس فی المسجد ینتظر الصلاۃ وفضل المساجد.

www.idaraghufran.org

اللہ کو یاد کرے، پھر اس کی آنکھوں سے (اللہ کی یاد اور اس کے خوف یا شوق کی وجہ سے) آنسو جاری ہو جائیں (بخاری)

اور حضرت ابو ہریرہ یا حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظِلِّهٖ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ : إِمَامٌ عَادِلٌ، وَشَابٌّ نَشَأَ فِيْ عِبَادَةِ اللّٰهِ وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ بِالْمَسْجِدِ إِذَا خَرَجَ مِنْهُ حَتّٰى يَعُوْدَ إِلَيْهِ وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللّٰهِ اجْتَمَعَا عَلٰى ذٰلِكَ وَتَفَرَّقَا وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ حَسَبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ إِنِّيْ أَخَافُ اللّٰهَ وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتّٰى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِيْنُهُ (صحيح ابن حبان) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سات آدمیوں کو اللہ اپنے سایہ میں جگہ عطا فرمائے گا، جس دن کہ اللہ کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا، ایک انصاف کرنے والے امام (وحکمران) کو، دوسرے اس جوان کو کہ جس نے اللہ کی عبادت میں پرورش پائی ہو، اور تیسرے اس آدمی کو کہ جس کا دل مساجد کے ساتھ اٹکا ہوا (اور وابستہ) ہو، اس وقت سے جب سے مسجد سے نکلے، اس وقت تک کہ جب تک مسجد کی طرف لوٹ کر نہ آ جائے، چوتھے وہ دونوں آدمی کہ جو اللہ ہی کے لئے آپس میں (مخلصانہ) محبت رکھتے ہوں، اللہ ہی کی محبت کی بنیاد پر باہم جمع ہوتے اور ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہوں، اور پانچویں اس آدمی کو کہ جو تنہائی میں اللہ کو یاد کرے، پھر اس کی آنکھوں سے (اللہ کی یاد اور اس کے خوف یا شوق

---

[1] رقم الحديث ۷۳۳۸، ج۱٦ ص ۳۳۲، ذكر الخصال التي يرتجى لمن فعلها أو أخذ بها أن يظله الله يوم القيامة في ظل عرشه.

قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط الشيخين (حاشية صحيح ابنِ حبان)

کی وجہ سے) آنسو جاری ہوجائیں ، اور چھٹے اس آدمی کو کہ جس کو کوئی حسب (وعہدہ) والی اور خوبصورت عورت (نفس کی خواہش پوری کرنے کے لئے) بلائے ، پھر یہ جواب میں کہے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں ، اور ساتویں اس آدمی کو کہ جو کوئی چیز صدقہ کرے ، اور اس کو اتنا چھپائے کہ اس کا بایاں ہاتھ بھی یہ نہ جان سکے کہ اس کا دایاں ہاتھ کیا خرچ کرتا ہے (ابنِ حبان)

ان احادیث سے منصف اور عادل حکمران کی عظیم الشان فضیلت معلوم ہوئی۔

لہٰذا حکمرانوں کو اس عظیم فضیلت کو پانے کے لئے اپنی تمام رعایا وعوام کے ساتھ منصفانہ سلوک وبرتاؤ کرنا چاہیئے ، اور کسی بھی طرح کا ظلم اور حق تلفی نہیں کرنی چاہیئے۔ [1]

مُنصِف حکمران وحاکم ، نور کے منبروں پر

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ الْمُقْسِطِيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ عَلٰى مَنَابِرَ مِنْ نُوْرٍ، عَنْ يَّمِيْنِ الرَّحْمٰنِ عَزَّ وَجَلَّ، وَكِلْتَا يَدَيْهِ يَمِيْنٌ، اَلَّذِيْنَ يَعْدِلُوْنَ فِيْ حُكْمِهِمْ وَأَهْلِيْهِمْ وَمَا وَلُوْا (مسلم) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انصاف کرنے والے رحمٰن کے

---

[1] قوله الإمام العادل اسم فاعل من العدل وذكر ابن عبد البر أن بعض الرواة عن مالك رواه بلفظ العدل قال وهو أبلغ لأنه جعل المسمى نفسه عدلا والمراد به صاحب الولاية العظمى ويلتحق به كل من ولى شيئا من أمور المسلمين فعدل فيه ويؤيده رواية مسلم من حديث عبد الله بن عمرو رفعه أن المقسطين عند الله على منابر من نور عن يمين الرحمن الذين يعدلون فى حكمهم وأهليهم وما ولوا وأحسن ما فسر به العادل أنه الذى يتبع أمر الله بوضع كل شىء فى موضعه من غير إفراط ولا تفريط وقدمه فى الذكر لعموم النفع به (فتح البارى لابن حجر، ج۲، ص۱۴۴، وص۱۴۵، قوله باب من جلس فى المسجد ينتظر الصلاة)

[2] ۱۸۲۷ "۱۸" كتاب الامارة، باب فضيلة الإمام العادل، وعقوبة الجائر، والحث على الرفق بالرعية، والنهى عن إدخال المشقة عليهم، مسنداحمد، رقم الحديث ۶۴۹۲.

فى حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط الشيخين.

دائیں جانب اور اللہ کے نزدیک نور کے منبروں پر ہوں گے اور اللہ کے دونوں دائیں ہاتھ ہیں یہ وہ لوگ ہوں گے جو اپنے فیصلوں میں اپنے گھر والوں اور اپنی رعایا (وعوام) میں عدل وانصاف کرتے ہوں گے (مسلم، مسنداحمد)

اس حدیث سے عوام ورعایا کے معاملات وحقوق میں عدل وانصاف قائم کرنے والے حکمرانوں کی بروزِ قیامت عظیم فضیلت اور تکریم ظاہر ہوئی۔ [1]

مُنصِف حکمران وحاکم کی دعاء رَد نہیں کی جاتی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْإِمَامُ الْعَادِلُ لَا تُرَدُّ دَعْوَتُهُ

(مسند احمد، رقم الحدیث ۹۷۲۵) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عادل (ومُنصِف) حکمران کی دعاء رَد نہیں کی جاتی (مسنداحمد)

---

[1] (وعن عبد الله بن عمرو بن العاص) بحذف الياء تخفيفا وتقدم بيان وجهه مرارا (رضى الله عنهما قال :قال رسول الله :إن المقسطين) أو العادلين (عند الله) عندية شرف ومكانة وهو محتمل لكونه خبر إن، وقوله (على منابر من نور) فى محل الحال من الضمير المستقر فيه أو خبر بعد خبر، أو هو خبر والظرف قبله حال من الضمير المستقر فيه، ومن نور صفة منابر مخصصة لبيان الحقيقة، ويجوز أن يكون حالا بعد حال على التداخل .قال العاقولى :هذا يحتمل الحقيقة وهى جمع منبر سمى به لارتفاعه، ويحتمل أن يكون كناية عن المنازل الرفيعة والمراد بذلك كرامتهم ولذا قال عند الله فهو كناية عن ارتفاع شأنهم فى معارج القدس (الذين يعدلون فى حكمهم فى أليهم وما ولوا) صفة المقسطين أو خبر محذوف :أى الممدوحون أو مفعول أمدح مقدرا وفى حكمهم صلة يعدلون وفى أهليهم صلة حكم، ويجوز كونه ظرفا مستقرا :أى حال كون الحكم كائنا فى أهلهم، قال العاقولى :أى إن هذا الفضل إنما هو لذى العدل فيما قلده من دنيوى أو أخروى كلى أو جزئى فى أهله وغيره وهو ملخص من كلام المصنف فى شرح مسلم (رواه مسلم) وأحمد والنسائى، وعندهم زيادة عن يمين الرحمن بعد قوله :من نور(دليل الفالحين لطرق رياض الصالحين، ج۵، ص۱۲۳، باب فضل الوالى العادل)

[2] فى حاشية مسند احمد:حديث حسن.

معلوم ہوا کہ عادل اور انصاف کرنے والا حکمران وحاکم اللہ کا مقرب ومحبوب بندہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو بھی رد نہیں فرماتا، بلکہ قبول فرماتا ہے۔

مُنصِف حکمران وحاکم، اہلِ جنت میں سے ہے

حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَهْلُ الْجَنَّةِ ثَلَاثَةٌ ذُوْ سُلْطَانٍ مُقْسِطٌ مُوَفَّقٌ وَرَجُلٌ رَحِيْمٌ رَقِيْقُ الْقَلْبِ بِكُلِّ ذِيْ قُرْبٰى وَمُسْلِمٍ وَرَجُلٌ فَقِيْرٌ عَفِيْفٌ مُتَصَدِّقٌ (صحيح ابنِ حبان) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین لوگ جنت والے ہیں، ایک وہ بادشاہ (وحکمران) جس کو انصاف کی توفیق دی گئی ہو، دوسرا وہ رحم دل آدمی کہ جو اپنے تمام رشتہ داروں اور مسلمانوں کے لئے نرم دل ہو، تیسرا وہ آدمی کہ جو فقیر ہو (عیال دار ہونے کے باوجود) پاکدامن ہو اور صدقہ کرنے والا ہو (ابن حبان، مسلم)

اس سے معلوم ہوا کہ اپنی رعایا وعوام کے ساتھ عدل وانصاف کرنے والا حکمران اہلِ جنت میں سے ہے، اور اللہ تعالیٰ کو پسند اور خاص اجر وانعام کا مستحق ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ۴۵۳ ۷۴، ج ۱٦، ص ۴۹۰، واللفظ لهٗ، مسلم، رقم الحديث ۲۸٦۵ "٦۳".
فی حاشية ابنِ حبان: إسناده على شرط مسلم.

[2] (قال: سمعت رسول الله يقول :أهل الجنة ثلاثة) مفهوم العدد غير معتبر عند الأصوليين والاقتصار على ذلک لعله لدعاء المقام حين التكلم إليه، والتمييز محذوف أى ثلاثة أصناف (ذو) أى صاحب (سلطان) أى تسلطن بالولاية فى شىء من أمور المسلمين (مقسط) بالرفع صفة ذو أى عادل (موفق) أى لمراضى الله سبحانه وتعالى من امتثال أوامره واجتناب مناهيه، وقد جاء فى حديث عبادة ساعة من الملک العادل تعدل عبادة سبعين سنة من غيره والتوفيق لغة :جعل الأسباب موافقة للمسببات .وشرعا خلق قدرة الطاعة فى العبد، وقيل خلقها فيه بالفعل (ورجل رحيم) من الرحمة وهى ميل نفسانى إلى جانب المرحوم (رقيق القلب) بقافين من الرقة خلاف الغلظ والعنف أى إنه لصفاء قلبه ورحمته اللتين قامتا به خال عن الغلظ والعنف على الخلائق بل يحنو عليهم ويشفق فى أحوالهم، وقوله (لكل ذى قربى ومسلم) تنازعه الوصفان قبله، ففيه إيماء

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ظالم حکمران کی قیامت میں طوق پہننے کی حالت میں حاضری

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: مَا مِنْ أَمِيْرِ عَشَرَةٍ إِلَّا أَتَى اللّٰهَ مَغْلُوْلًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا يُطْلِقُهُ إِلَّا الْعَدْلُ (مسند احمد، رقم الحدیث ۲۲۴۵۶) [۱]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو آدمی بھی دس آدمیوں کا ولی (حکمران وحاکم) بنا، تو وہ اللہ کے پاس قیامت کے دن طوق پہن کر آئے گا، جسے اس کا عدل (وانصاف) ہی کھول سکے گا (مسند احمد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

مَا مِنْ أَمِيْرِ عَشَرَةٍ إِلَّا يُؤْتٰى بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَغْلُوْلًا، لَا يَفُكُّهُ إِلَّا الْعَدْلُ، أَوْ يُوْبِقُهُ الْجَوْرُ (مسند احمد، رقم الحدیث ۹۵۷۳) [۲]

ترجمہ: جو آدمی بھی دس آدمیوں کا ولی (حکمران وحاکم) بنا، تو اسے (اللہ کے پاس) قیامت کے دن طوق پہنا کر لایا جائے گا، جسے اس کا عدل (وانصاف) ہی کھول سکے گا، یا اس کا ظلم وجور اس کو ہلاک کروادے گا (مسند احمد)

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

إلى صلته للرحم لأن الداعى لها موجود مع فقد المانع فكأنه قال الثانى واصل رحمه فذكر السبب مرادا به المسبب (وعفيف) بالطبع عن السؤال بحسب أصل طبعه (متعفف) مبالغ فى ذلك بالاكتساب ففيه إيماء إلى أن الأخلاق غريزية باعتبار أصلها وإنما تزكو وتنمو بالمزاولة (ذو عيال) أى إنه لكمال يقينه ووثوقه بمولاه لتضمنه بأرزاق العباد فضلا منه لا يسأل أحدا وإن كان قام بسبب السؤال من كثرة

العيال المؤذن بها الإتيان بذى التى هى أبلغ من صاحب وبصيغة جمع الكثرة (دليل الفالحين لطرق رياض الصالحين، ج۵، ص۱۲۵، باب وجوب طاعة ولاة الأمر)

[۱] فى حاشية مسند احمد: صحيح لغيره .

[۲] فى حاشية مسند احمد: إسناده قوى.

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے اس طرح روایت ہے کہ:

مَا مِنْ رَجُلٍ وَلِيَ عَشَرَةً: إِلَّا أُتِيَ بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَغْلُوْلَةٌ يَدُهٗ إِلٰى عُنُقِهٖ، حَتّٰى يُقْضٰى بَيْنَهٗ وَبَيْنَهُمْ (المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحدیث ۲۸۶، ج ۱، ص ۹۴) [1]

ترجمہ: جو آدمی بھی دس آدمیوں کا ولی (حکمران وحاکم) بنا، تو اسے اللہ کے پاس قیامت کے دن اس حال میں لایا جائے گا کہ اس کا ہاتھ اس کی گردن سے بندھا ہوا ہوگا، یہاں تک کہ اُس (حکمران وحاکم) کے اور ان لوگوں (یعنی اس کی رعایا) کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے (طبرانی)

مذکورہ احادیث میں دس آدمیوں کا ذکر بطور مثال کے ہے، جس میں حکمرانوں کے علاوہ سرکاری اداروں میں مقرر افسران وملازمین کو بھی شامل کرنا مقصود ہے۔

معلوم ہوا کہ جو حکمران وافسران رعایا اور اپنے ماتحتوں کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی کریں، اور ظلم کا ارتکاب کریں، ان کے لئے قیامت میں سخت وعید ہے، اور حکمران وافسران کی عدل وانصاف کے بغیر نجات مشکل ہے۔ [2]

---

[1] قال الهيثمي: رواه الطبراني في الأوسط والكبير، ورجاله ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۹۰۴۲، باب فيمن ولي شيئا)

[2] (وعن أبي هريرة قال :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم -ما من أمير عشرة) بفتحتين، ووقع في نسخة السيد، بسكون الشين، وهو سهو، ومن زائدة، لتأكيد النفي في إفادة عموم العادل والظالم (إلا يؤتى به) وفي رواية، إلا وهو يؤتى به ;أي يحضر (يوم القيامة مغلولا) ; أي يده إلى عنقه، عكس ما كان في الدنيا، مبسوطة في إرادة نفسه وإفادة حكمة (حتى يفك عنه العدل) وفي رواية :حتى يفكه العدل ;أي عدله إن كان عادلا (أو يوبقه الجور) ; أي يهلكه ظلمه، إن كان ظالما، ف أو للتنويع، قال الطيبي " :أو يوبقه "عطف على يفك، فيكون غاية قوله :يؤتى به يوم القيامة مغلولا ;أي لم يزل مغلولا حتى يحله العدل، أو يهلكه الظلم ;أي لا يفكه عن الغل إلا الهلاك، يعني يرى بعد الغل ما الغل في جنبه السلامة، كما قال تعالى :وإن عليك لعنتي إلى يوم الدين يعني يرى يوم الدين من العذاب ما اللعنة بالنسبة إليه سهلة يسيرة (رواه الدارمي) وكذا البيهقي (مرقاة، ج٦، ص۲۴۰۸، كتاب الامارة والقضاء)

Idara Ghufran

ظالم حکمران، اللہ کو مبغوض وسخت ناپسند ہیں

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَرْبَعَةٌ یُبْغِضُہُمُ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ: اَلْبَیَّاعُ الْحَلَّافُ، وَالْفَقِیْرُ الْمُخْتَالُ، وَالشَّیْخُ الزَّانِیْ، وَالْإِمَامُ الْجَائِرُ (سنن النسائی، رقم الحدیث ۲۵۷۶، کتاب الزکاۃ، الفقیر المختال)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چار آدمی ایسے ہیں کہ جن سے اللہ عزوجل بغض رکھتے (یعنی سخت ناپسند فرماتے) ہیں، ایک قسم کھا کر سامان واشیاء بیچنے والا، دوسرے متکبر فقیر (یعنی غریب ہو کر تکبر کرنے والا) تیسرے بوڑھا بدکار، چوتھے ظلم کرنے والا حکمران (نسائی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ظالم حکمران، اللہ کو سخت ناپسند ہے، اور ایسے حکمران سے اللہ تعالیٰ بغض فرماتا ہے، لہٰذا اللہ کی ناراضگی اور غیض وغضب سے بچنے کے لئے حکمران کو عوام ورعایا پر ظلم اور ان کی حق تلفی کرنے سے بچنا چاہئے۔ [1]

---

[1] (أربعة یبغضهم) أی ممن یبغضهم (الله) تعالی یعذبهم ویحیلهم دار الهوان (البیاع الحلاف) بالتشدید .صیغة مبالغة :أی الذی یکثر الحلف علی سلعة لقد أعطی فیها أکثر من کذا (والفقیر المختال) بخاء معجمة :أی المتکبر المعجب بنفسه (والشیخ الزانی) أی الرجل الذی قد أمسی وهو مصر علی الوطء بغیر عقد شرعی ومثله الشیخة الزانیة (والإمام الجائر) أی الحاکم الظالم المائل عن الحق إلی الباطل یقال جار فی حکمه یجور جورا وظلم عن الطریق مال .وإنما أبغضهم لأن الحلاف الکثیر الحلف انتهک ما عظم الله من أسمائه وجعله سببا وحیلة لدرک ما حقره من الدنیا لعظمها فی قلبه .فبغضه ومقته هذا فی الحلف الصادق فما بالک بالکاذب؟ والفقیر المختال :أی المتکبر قد زوی الله عنه أسباب الکبر بحمایته له عن الدنیا فأبی لؤم طبعه إلا التکبر ولم یشکر نعمة الفقر فإن المصطفی صلی الله علیه وآله سلم یقول :الفقر علی المؤمن أزین من العذار الجید علی خد الفرس .والشیخ الزانی عمر عمرا یحصل به الإنزجار واستولت أسباب الضعف وکلها حاجزة عن الزنا فأبی سوء طبعه إلا التهافت فی معصیة ربه .والإمام الجائر أنعم الله علیه بالسیادة والقدرة فأبی شؤم شح طبعه إلا الجور وکفر النعمة .وتعبیره بالبغض فی هذه الأربعة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ظالم حکمران، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے محروم

حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: صِنْفَانِ مِنْ أُمَّتِیْ لَنْ تَنَالَھُمَا شَفَاعَتِیْ: إِمَامٌ ظَلُوْمٌ، وَکُلُّ غَالٍ مَارِقٍ (المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث ۸۰۷۹، ج۸، ص ۲۸۱) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے دو قسم کے لوگوں کو میری شفاعت حاصل نہ ہوگی، ایک تو ظالم حکمران کو، اور دوسرے ہر اُس شخص کو جو (دین میں) غلو کرنے والا (دین سے) خارج ہونے والا ہو (طبرانی)

اس طرح کی حدیث حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی مروی ہے۔ [2]

اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان ظالم حکمران بروزِ قیامت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی شفاعت سے محروم رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وبعدم النظر فی الأربعة قبلها یؤذن بأن هذه أقبح من تلک :فإن البغض أشد .ألا تری أن الشخص قد لا ینظر إلی الشیء ویعرض عنه احتقارا وعدم مبالاة به ولا یبغضه؟(ن هب) وکذا الخطیب فی التاریخ (عن أبی هریرة) قال الحافظ العراقی سنده جید وقال الذهبی فی الکبائر عقب عزوه للنسائی إسناده صحیح ومن ثم رمز المصنف لصحته (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، تحت رقم الحدیث ۹۳۲، تحت حرف الهمزة)

[1] قال المنذری: رواه الطبرانی فی الکبیر ورجاله ثقات (الترغیب والترهیب، تحت رقم الحدیث ۳۳۶۱، الترهیب من الظلم ودعاء المظلوم وخذله والترغیب فی نصرته)

وقال الهیثمی: رواه الطبرانی فی الکبیر والأوسط ورجال الکبیر ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحدیث ۹۱۹۵، باب فی أئمة الظلم والجور وأئمة الضلالة)

[2] عن معقل بن یسار قال :قال رسول الله صلی الله علیه وسلم":رجلان ما تنالهما شفاعتی :إمام ظلوم غشوم وآخر غال فی الدین مارق منه ."(السنة لابن ابی عاصم، رقم الحدیث ۴۱)

قال الالبانی: حدیث صحیح (ظلال الجنة)

گمراہ، ظالم وسرکش حکمران کو قیامت کے دن شدید عذاب

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: أَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ، رَجُلٌ قَتَلَهُ نَبِيٌّ، أَوْ قَتَلَ نَبِيًّا، وَإِمَامُ ضَلَالَةٍ، وَمُمَثِّلٌ مِنَ الْمُمَثِّلِيْنَ (مسند احمد، رقم الحدیث ۳۸۶۸) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن شدید ترین عذاب اِن لوگوں کو ہوگا، ایک تو جس آدمی کو نبی نے قتل کیا (کیونکہ اس کا نبی کے ہاتھ سے قتل کیا جانا، بدترین موت ہے) دوسرے جس نے نبی کو قتل کیا ہو (کیونکہ نبی کا قتل عظیم قتل ہے) اور تیسرے گمراہ (وظالم) حکمران کو، اور چوتھے کسی (جاندار) چیز کی تصویر بنانے والے کو (مسند احمد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: تَخْرُجُ عُنُقٌ مِّنَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَهَا عَيْنَانِ تُبْصِرَانِ وَأُذُنَانِ تَسْمَعَانِ وَلِسَانٌ يَنْطِقُ، يَقُوْلُ: إِنِّيْ وُكِّلْتُ بِثَلَاثَةٍ، بِكُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ، وَبِكُلِّ مَنْ دَعَا مَعَ اللّٰهِ إِلَهًا آخَرَ، وَبِالْمُصَوِّرِيْنَ (سنن الترمذی) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن جہنم سے ایک

---

[1] فی حاشیۃ مسند احمد: إسنادہ حسن.

[2] رقم الحدیث ۲۵۷۴، ابواب صفۃ جھنم، باب ما جاء فی صفۃ النار، مسندا حمد، رقم الحدیث ۸۴۳۰.

قال الترمذی: وفی الباب عن أبی سعید: هذا حدیث حسن صحیح غریب وقد رواہ بعضھم عن الأعمش، عن عطیۃ، عن أبی سعید، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نحو ھذا. وروی أشعث بن سوار، عن عطیۃ، عن أبی سعید الخدری، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نحوہ.

وفی حاشیۃ مسند احمد: اسنادہ صحیح علی شرط الشیخین.

Idara Ghufran

گردن نکلے گی جس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے وہ دیکھیں گی، دو کان ہوں گے جن سے وہ سنیں گے، اور ایک زبان ہوگی جس سے وہ بات کرے گی۔ وہ کہے گی کہ مجھے تین آدمیوں کو نگلنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک سرکش ظالم کو، دوسرے مشرک کو، تیسرے (جاندار کی) تصویریں بنانے والے کو (ترمذی)

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ گمراہ، سرکش اور ظالم حکمران کو قیامت کے دن سخت عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔ [1]

حاکم کو تقویٰ کا حکم اور عدل پر اجر اور خلاف ورزی پر پکڑ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: إِنَّمَا الْإِمَامُ جُنَّةٌ، يُقَاتَلُ مِنْ وَّرَائِهٖ، وَيُتَّقٰى بِهٖ، فَإِنْ أَمَرَ بِتَقْوَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَعَدَلَ، كَانَ لَهٗ بِذٰلِكَ أَجْرٌ، وَإِنْ يَّأْمُرْ بِغَيْرِهٖ كَانَ عَلَيْهِ مِنْهُ (مسلم) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امام ڈھال ہے، اس کے پیچھے (یعنی اس

---

[1] (وعنه): أی عن أبی هريرة (قال :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم :يخرج عنق) : نجمتين أی شخص قوی، وقيل هو طائفة .ذكره بعض الشراح، وفی القاموس :العنق بالضم وبضمتين وكصرد الجيد مؤنث، والجماعة من الناس وقال الطيبی :أی طائفة (من النار) : ومن بيانية، والأظهر أنها تتعلق بقوله يخرج كما أن قوله :(يوم القيامة) : ظرف له، ثم الضمير فی قوله : (لها) : راجع إلى معنى عنق قاله الطيبی، والظاهر أن المراد بالعنق الجيد على ما هو المعروف فی اللغة إذ لا صارف عن ظاهره فهو مؤنث، والمعنى أنه تخرج قطعة من النار على هيئة الرقبة الطويلة لها (عينان تبصران، وأذنان تسمعان، ولسان ينطق) : كما ورد مثل هذه الأوصاف فی الحجر الأسود الأسعد يشهد لمن وافاه بالعهد الميثاقی يوم القيامة (يقول) : بصيغة التذكير، وهو بدل من ينطق أو حال، والمعنى يقول لسانها حالا أو مآلا (إنی وكلت بثلاثة) : أی وكلنی الله بأن أدخل هؤلاء الثلاثة النار، وأعذبهم بالفضيحة على رؤوس الأشهاد (بكل جبار) : أی ظالم (عنيد) : أی معاند متكبر عن الحق ملازم على الباطل، وفی النهاية :الجبار هو المتمرد العاتی والعنيد الجائر عن القصد الباغی الذی يرد الحق مع العلم به .(وكل من دعا مع الله إلها آخر، وبالمصورين) : وفی هذا تهديد شديد ووعيد أكيد(مرقاة المفاتيح، ج٧ص ٢٨٥٥،٢٨٥٦،باب التصاوير)

[2] رقم الحديث ١٨٤١ ''٤٣''كتاب الامارة، باب فی الإمام إذا أمر بتقوى الله وعدل كان له أجر.

www.idaraghufran.org

کے سہارے) سے قتال کیا جاتا ہے، اور اس کے ذریعہ سے (دشمنوں سے) بچا جاتا ہے، پس اگر وہ اللہ عزوجل کے تقویٰ کا حکم کرے اور عدل وانصاف کرے، تو اس کی وجہ سے اس کے لئے ثواب ہوگا، اور اگر وہ اس کے خلاف (یعنی بُرائی اور ظلم وناانصافی) کا حکم کرے تو یہ اس پر وبال ہوگا (مسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حکمران تقوے اور عدل وانصاف پر عظیم الشان اجروثواب کا اور ظلم وناانصافی پر سخت وبال کا مستحق ہے۔ [1]

خلاصہ یہ کہ اسلام میں حکمرانوں کو عوام ورعایا کے ساتھ عدل وانصاف کی بڑی تاکید اور فضیلت ہے، اور عوام ورعایا کے ساتھ ظلم وناانصافی کی بڑی سخت وعیدیں اور عذاب کی دھمکیاں ہیں۔ اور حکمرانوں کے مفہوم میں صدر اور وزیر اعظم سے لے کر مختلف شعبوں کے وزراء اور افسران سب داخل ہیں۔

---

[1] (فإنما الإمام) أى الخليفة أو أميره (جنة) بضم الجيم أى كالترس فهو تشبيه بليغ (يقاتل) بصيغة المجهول (من ورائه) بكسر الميم (ويتقى به) بيان لكونه جنة أى يكون الأمير فى الحرب قدام القوم ليستظهروا به ويقاتلوا بقوته كالترس للمتترس، والأولى أن يحمل على جميع الأحوال ; لأن الإمام يكون ملجأ للمسلمين فى حوائجهم دائما، قال الطيبى :قوله (يتقى به) بيان لقوله (يقاتل من ورائه) ، والبيان مع المبين تفسير لقوله :وإنما الإمام جنة .قال النووى :أى هو كالساتر ;لأنه يمنع العدو من أذى المسلمين، ويمنع الناس بعضهم من بعض، ويحمى بيضة الإسلام، ويتقيه الناس ويخافون سطوته، ومعنى (يقاتل) و (من ورائه) أن يقاتل معه الكفار والبغاة والخوارج وسائر أهل الفساد وينصر عليهم (فإن أمر) أى الإمام (بتقوى الله وعدل) أى قضى بحكم الله (فإن له بذلك أجرا) أى عظيما (وإن قال) أى فى الأمر والحكم (بغيره) أى بغير ما ذكر من التقوى والعدل فى شرح السنة قوله (قال) أى حكم، يقال :قال الرجل إذا حكم ومنه القيل وهو الملك الذى ينفذ قوله وحكمه وقال التوربشتى :أى أحبه وأخذ به إيثارا له وميلا إليه وذلك مثل قولك :فلان يقول بالقدر، وما أشبهه والمعنى أنه يحبه ويؤثره، وقال القاضى :أى أمر بما ليس فيه تقوى ولا عدل، بدليل أنه جعل قسيما فإن أمر بتقوى الله وعدل ويحتمل أن يراد به القول المطلق أو أعم منه وهو ما يراه ويؤثره من قولهم :فلان يقول بالقدر، أى وإن رأى غير ذلك وآثره قبولا كان أو فعلا ليكون مقابلا لقسيمه بقطريه وما سد الطرق المخالفة المؤدية إلى هيج الفتن المردية (فإن عليه) أى وزرا ثقيلا (منه) أى من صنيعه ذلك فمنه جار ومجرور وأما ما وقع فى نسخ المصابيح وبعض نسخ المشكاة (منة) بضم الميم وتشديد النون المفتوحة وتاء التأنيث فتحريف وتصحيف ;لأنها بمعنى القوة ولا وجه لها هنا (مرقاة المفاتيح، ج٦ص ۲۳۹۱، ۲۳۹۲، كتاب الامارة والقضاء)

(باب نمبر۲)

وزیروں اور مشیروں کے متعلق اوصاف وہدایات

اسلام کی پاکیزہ تعلیمات وہدایات کا دائرہ سیاست وحکومت کے تمام شعبوں پر محیط ہے، سیاست دانوں اور حکمرانوں کا ایک شعبہ مختلف قسم کی وزارتوں کا بھی ہے، اور آج کے دور کی حکومت وسیاست میں مختلف قسم کی وزارتوں کا سلسلہ بڑا وسیع ہے، وزیراعظم سے لے کر صوبائی اور ضلعی وزیراعلیٰ اور پھر ان کے نیچے مختلف وزارتوں کی تقسیم کا عمل آج کے دور کی سیاست وحکومت کا لازمی اور بڑا اہم حصہ سمجھا جاتا ہے۔

چنانچہ وزیرِ خوراک، وزیرِ خزانہ، وزیرِ تجارت، وزیرِ زراعت، وزیرِ پانی وبجلی، وزیرِ صحت، وزیرِ ریلوے، وزیرِ نشرواشاعت وغیرہ کے مختلف عہدے آج کل کی سیاست میں معروف ومشہور ہیں، اسلام کی پاکیزہ تعلیمات وہدایات اس شعبہ پر بھی ہمہ جہتی وہمہ گیری ہیں، جس کی کچھ تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

حاکم کے وزیر ومشیر کا ثبوت اور اس کے اوصاف

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَلَقَدُ آتَيُنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَا مَعَهُ أَخَاهُ هارُوْنَ وَزِيُراً (سورة الفرقان، رقم الآية ۳۵)

ترجمہ: اور البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور ہم نے اس کے ساتھ اس کے بھائی ہارون کو وزیر بنایا (سورہ فرقان)

اس آیت سے حکمران کے لئے وزیر اور معاون کا ثبوت ہوا، بلکہ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے حضرت ہارون کو اپنا وزیر بنائے جانے کی اللہ تعالیٰ سے دعاء بھی کی تھی، جس کو اللہ

تعالیٰ نے قبول فرمایا۔

چنانچہ قرآن مجید میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ. وَیَسِّرْ لِیْ أَمْرِیْ. وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ. یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ. وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ أَهْلِیْ. هَارُوْنَ أَخِیْ. اشْدُدْ بِهٖ أَزْرِیْ. وَأَشْرِكْهُ فِیْ أَمْرِیْ. كَیْ نُسَبِّحَكَ كَثِیْرًا. وَنَذْكُرَكَ كَثِیْرًا. إِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِیْرًا. قَالَ قَدْ أُوْتِیْتَ سُؤْلَكَ یَا مُوْسٰی (سورة طٰهٰ، رقم الآیات ۲۵، الیٰ ۳۶)

ترجمہ: موسیٰ نے عرض کیا کہ اے میرے رب! میرے لئے میرا سینہ کھول دیجئے، اور میرے کام کو میرے لیے آسان کردیجئے، اور میری زبان کی گرہ کو بھی کھول دیجئے، تاکہ وہ میری بات سمجھ لیں، اور میرے گھر والوں میں سے میرا وزیر بنا دیجئے، ہارون کو جو میرا بھائی ہے، ان کے ذریعہ سے میری کمر کو مضبوط کردیجئے، اوران کو میرے کام میں شریک فرمادیجئے، تاکہ ہم خوب آپ کی پاکی بیان کریں، اور آپ کو کثرت سے یاد کریں۔ بیشک تو ہمیں (خوب) دیکھنے (بھالنے) والا ہے۔ جواب ملا کہ اے موسیٰ! تمہاری دعاء منظور کرلی گئی (سورہ طٰہٰ)

مذکورہ آیات کی تفصیل پہلے گزرچکی ہے۔

قرآن مجید میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖ أَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِیْ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ إِنَّكَ الْیَوْمَ لَدَیْنَا مَكِیْنٌ أَمِیْنٌ. قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ (سورة یوسف، رقم الآیة ۵۴، و ۵۵)

ترجمہ: اور بادشاہ نے کہا کہ اس (یوسف) کو میرے پاس لاؤ کہ میں اسے اپنے لیے خاص کرلوں، پھر جب بادشاہ نے یوسف سے بات کی تو بادشاہ نے کہا کہ

بلاشبہ آپ آج ہمارے نزدیک صاحبِ اقتدار، امانتدار ہیں، یوسف نے کہا کہ مجھے اس زمین کے خزانوں پر (وزیر وامین) مقرر کردیجئے، بے شک میں اچھی طرح حفاظت کرنے والا، خوب جاننے والا ہوں (سورہ یوسف)

اللہ تعالیٰ کے مذکورہ فرمانِ مبارک سے معلوم ہوا کہ حکومت کے وزیر ومشیر کے لئے معتمد اور امین اور اُس منصب کا محافظ اور اس کی ذمہ داریوں سے واقف ہونا ضروری ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

إِنَّ قَيْسَ بْنَ سَعْدٍ كَانَ يَكُوْنُ بَيْنَ يَدَيِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بِمَنْزِلَةِ صَاحِبِ الشُّرَطِ مِنَ الْأَمِيْرِ (بخاری) [1]

ترجمہ: حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے اس طرح ہوتے تھے، جس طرح امیر کا معاوِن (وگارڈ) ہوتا ہے (بخاری)

اس حدیث کو تھوڑے بہت الفاظ کے فرق کے ساتھ اور محدثین نے بھی روایت کیا ہے۔ [2]

اس حدیث سے حاکم کے لئے معاوِن اور وزیر ومشیر کا مقرر کرنا معلوم ہوا۔ [3]

---

[1] رقم الحديث ۷۱۵۵، كتاب الاحكام، باب الحاكم يحكم بالقتل على من وجب عليه، دون الإمام الذى فوقه.

[2] عن أنس، قال: كان قيس بن سعد من النبى صلى الله عليه وسلم بمنزلة صاحب الشرط من الأمير قال الأنصارى: يعنى مما يلى من أموره: هذا حديث حسن غريب لا نعرفه إلا من حديث الأنصارى حدثنا محمد بن يحيى قال: حدثنا محمد بن عبد الله الأنصارى، نحوه ولم يذكر فيه قول الأنصارى (ترمذى، رقم الحديث ۳۸۵۰)

عن أنس بن مالک، قال: كان قيس بن سعد من رسول الله صلى الله عليه وسلم بمنزلة صاحب الشرط من الأمير، يعنى ينظر فى أموره.

هذا حديث صحيح، أخرجه محمد، عن محمد بن خالد، عن محمد الأنصارى (شرح السنة للبغوى، رقم الحديث ۲۴۸۶، باب صاحب الشرط للأمير)

[3] قوله: (بِمَنْزِلَةِ صَاحِبِ الشُّرَطِ)، والشرطةُ فى اللغة: العلامة، وإنَّما سُمِّىَ به أعوان الأمير لكونهم معلَّمين بتلک العلامة (فيض البارى، تحت رقم الحديث ۷۱۵۵، باب القضاء والفتيا فى الطريق)

(وعن أنس قال: كان قيس بن سعد)؛ أى ابن عبادة الأنصارى، سيد الخزرج وابن سيدها، أحد

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت حارثہ بن مضرب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

كَتَبَ إِلَيْنَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: إِنِّيْ قَدْ بَعَثْتُ إِلَيْكُمْ عَمَّارَ بْنَ يَاسِرٍ أَمِيْرًا، وَعَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ مُعَلِّمًا وَوَزِيْرًا، وَهُمَا مِنَ النُّجَبَاءِ مِنْ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مِنْ أَهْلِ بَدْرٍ فَاسْمَعُوْا، وَقَدْ جَعَلْتُ ابْنَ مَسْعُوْدٍ عَلٰى بَيْتِ مَالِكُمْ فَاسْمَعُوْا فَتَعَلَّمُوْا مِنْهُمَا، وَاقْتَدُوْا بِهِمَا، وَقَدْ آثَرْتُكُمْ بِعَبْدِ اللّٰهِ عَلٰى نَفْسِيْ

(مستدرک حاكم، رقم الحديث ٥٦٦٣، كتاب معرفة الصحابة رضى الله عنهم) [1]

ترجمہ: ہمیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے یہ لکھا کہ میں نے تمہاری طرف حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کر، اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو معلم اور وزیر بنا کر بھیجا ہے، اور یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں چنے ہوئے بدری حضرات ہیں، تو تم ان کی بات کو سنو، اور میں نے ابنِ مسعود کو تمہارے بیتُ المال کا نگران (یعنی وزیرِ خزانہ) مقرر کر دیا ہے، تو تم ان حضرات کی بات کو سنو، اور ان سے علم حاصل کرو، اور ان دونوں حضرات کی اقتداء (واتباع) کرو، اور میں نے تمہارے لئے عبداللہ بن مسعود کو اپنے اوپر ترجیح (وفوقیت) دی ہے (حاکم)

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

دهاة العرب، وأهل الرأى ورياسة البيوت، وكان من ذوى النجدة، والبسالة، والكرم، والسخاء، وكان مع ذلك جسيما طويلا، وكان منتصبا بين يدى رسول الله -صلى الله تعالى عليه وسلم ؛- لتنفيذ ما يريده ويأمر به (بمنزلة صاحب الشرط) بضم ففتح (من الأمير) قال التوربشتى :وهو جمع شرطى، وهو الذى يتقدم بين يدى الأمير، وهو الحاكم على الشرط للأمور السياسية، سموا بذلك، لأنهم جعلوا لأنفسهم علامة يعرفون بها (مرقاة المفاتيح، ج٦ص ٢٤٠٥، كتاب الإمارة والقضاء)

[1] قال الحاكم: صحيح على شرط الشيخين، ولم يخرجاه.
وقال الذهبى فى التلخيص: على شرط البخارى ومسلم.

اس واقعہ کو اور محدثین نے بھی روایت کیا ہے۔ [۱]

اس روایت سے بھی امیر، اور اس کے ساتھ وزیر کا مقرر ہونا ثابت ہوا، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وزیر ایک طرح سے معلّم ہوتا ہے، اور امیر اور اس کے ساتھ وزیر کی بات سننے اور اطاعت کرنے کا حکم ہوتا ہے۔

ساتھ ہی یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ امیر اور وزیر اچھے اور پسندیدہ لوگوں کو بنانا چاہئے۔

نااہل کو وزیر بنانا، اللہ، رسول اور مسلمانوں کے ساتھ خیانت

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنِ اسْتَعْمَلَ عَامِلًا عَلٰى قَوْمٍ وَفِيْ تِلْكَ الْعِصَابَةِ مَنْ هُوَ أَرْضَى اللّٰهَ مِنْهُ فَقَدْ خَانَ اللّٰهَ وَخَانَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَخَانَ جَمِيْعَ الْمُسْلِمِيْنَ (السنة لابنِ ابی عاصم) [۲]

---

[۱] عن أبی إسحاق ,عن حارثة بن مضرب ,قال :قرء علينا كتاب عمر :أما بعد فإنی قد بعثت إليكم عمار بن ياسر أميرا ,وعبد الله بن مسعود مؤدبا ووزيرا وهما من النجباء من أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم وآثرتكم بابن أم عبد على نفسی(مصنف ابن ابی شيبة، رقم الحديث ۳۲۹۰۳)

عن حارثة بن مضرب، قال : كتب عمر إلى أهل الكوفة :إنی قد بعثت عمارا أميرا، وعبد الله بن مسعود معلما ووزيرا، وهما من النجباء من أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم، من أهل بدر، وأحد، فاقتدوا بهما، واسمعوا من قولهما، وقد آثرتكم بعبد الله على نفسی(المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۸۴۷۸)

قال الهيثمی:رواه الطبرانی، ورجاله رجال الصحيح غير حارثة، وهو ثقة (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۱۵۵۷۲)

[۲] رقم الحديث ۱۴۶۲ ،باب قول الرسول صلى الله عليه وسلم رأيت فی النوم كأنی أنزع بدلو بكرة على قليب، المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۱۱۲۱۶ ، السنن الكبرىٰ للبيهقی، رقم الحديث ۲۰۳۶۴)

قال الهيثمی: رواه الطبرانی، وفيه أبو محمد الجزری حمزة ولم أعرفه، وبقية رجاله رجال الصحيح (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۹۰۷۱)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی قوم کا وزیر مقرر کیا، اور اُس جماعت میں اُس آدمی سے زیادہ اللہ کا پسندیدہ بندہ تھا، تو اس نے اللہ کے ساتھ خیانت کی، اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی خیانت کی، اور تمام مسلمانوں کے ساتھ بھی خیانت کی (ابن ابی عاصم، طبرانی)

اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ وزیر اور مشیر ایسے شخص کو مقرر کرنا چاہئے جو ان لوگوں میں اللہ کا زیادہ پسندیدہ ہو، اور پسندیدہ ہونے میں قوی، باہمت اور امانت دار اور اس شعبہ کا واقف کار ہونا یہ سب چیزیں داخل ہیں، جیسا کہ پہلے گزرا۔

اور اس کی مخالفت کرنا درحقیقت اللہ، اس کے رسول اور مسلمانوں کے ساتھ خیانت وبددیانتی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال البوصيرى: وقال -صلى الله عليه وسلم : -(أيـما رجل استعمل رجلا على عشرة أنفس علم أن فى العشـرة أفضـل مـمن استعمل فقد غش اللّه وغش رسوله وغش جماعة المسلمين، ويؤتى بالذى ضرب فوق الحد فيقول :عبدى، لم ضربت فوق ما أمرتک؟ فيقول :غضبت لک .فيقول: أكان لغضبک أن يكون أشد من غضبى؟ ويؤتى بالذى قصر فيقول :عبـدى، لم قصرت؟ فيقول: رحمته .فيقول :أكانت لرحمتک أن تكون أشد من رحمتى؟ فيؤمر بهما جميعًا إلى النار). وسيأتى له شواهد فى كتاب الإمارة -إن شاء اللّه تعالى (اتحاف الخيرة المهرة، تحت رقم الحديث ۳۵۲۵، باب فيمن ضرب فتجاوز الحد أو قصر)

رواه الـطبـرانـى من طريق حسين بن قيس المعروف بحنش، وهو مختلف فيه، ضعفه جماعة، ووثقه ابـن نـمـيـر، وحسـن لـه التـرمـذى غيـرما حديث، وصحح له الحاكم، ولا يضر فى المتابعات، ومع ذلک لم ينفرد به حسين بن قيس عن عكرمة، فقد تابعه عليه يزيد بن أبى حبيب .كما رواه الحاكم أبـو عبد اللّه الحافظ :ثـنـا أبـو جعفر محمد بن محمد بن عبد اللّه البغدادى، ثنا يحيى بن عثمان بن صـالـح، ثـنـا أبى، ثنا ابن لهيعة، عن يزيد بن أبى حبيب، عن عكرمة، عن ابن عباس، عن رسول الله - صلى الله عليه وسلم -حدث قال" :من استعمل عاملا من المسلمين وهو يعلم أن منهم من هو أولى بـذلک مـنـه، وأعـلـم بـكـتـاب الـلّـه ولمشة نبيه؟ فقد خان اللّه ورسوله وجميع المسلمين."ورواه البيهـقى فى سننه عن الحاكم به .ولـه شـاهد من حديث أبى بكر الصديق رواه الحاكم من طريق بكر بـن خـنـيـس وصـحـحـه، وأحمد فى مسنده وفى إسناده رجل لم يسم (اتحاف الخيرة المهرة، تحت رقـم الـحديث ۴۸۹۴باب ترهيب من ولى شيئًا من أمور المسلمين أن يولى عليهم رجلا وفى رعيته خير منه)

میں داخل ہے۔ ۱

نا اہل کو حکومت کا عہدہ سپرد کرنا امانت کو ضائع کرنا ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

فَإِذَا ضُيِّعَتِ الْأَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ، قَالَ: كَيْفَ إِضَاعَتُهَا؟ قَالَ: إِذَا وُسِّدَ الْأَمْرُ إِلٰى غَيْرِ أَهْلِهٖ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ (بخاری) ۲

ترجمہ: جب امانت کو ضائع کر دیا جائے، تو آپ قیامت کا انتظار کریں، انہوں نے عرض کیا کہ امانت کو ضائع کرنا کس طرح ہوگا؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب (حکومت ووزارت وغیرہ کا) معاملہ نا اہل کو حوالہ کر دیا جائے، تو آپ قیامت کا انتظار کریں (بخاری)

اس سے معلوم ہوا کہ حکومت یا وزارت کے کسی عہدہ پر نا اہل کو مقرر کرنا، اللہ، اس کے رسول اور مسلمانوں کے ساتھ خیانت کرنے اور اس امانت کو ضائع کرنے میں داخل ہے۔ ۲

---

۱ (من استعمل رجلا من عصابة) أى نصبه عليهم أميرا أو قيما أو عريفا أو اماما للصلاة (وفيهم من هو) أى ذلک المنصوب (أرضى لله منه فقد خان) من نصبه (الله ورسوله والمؤمنين) فيلزم الحاكم رعاية المصلحة وتركها خيانة (ک عن ابن عباس) وقال م صحيح ورده الذهبى والمنذرى (التيسير بشرح الجامع الصغير، ج٢ص ٣٩٦، حرف الميم)

۲ رقم الحديث ٥٩، كتاب العلم،باب من سئل علما وهو مشتغل فى حديثه، فأتم الحديث ثم أجاب السائل.

۳ (وعن أبى هريرة) رضى الله عنه (قال :بينما النبى -صلى الله عليه وسلم -يحدث) أى: يتكلم فى أمر مع أصحابه (إذ جاء أعرابى فقال :متى الساعة؟ قال " :إذا ضيعت ") : بصيغة المفعول من التضييع، وفى نسخة من الإضاعة ("الأمانة ") أى :حين جعلت الأمانة ضائعة بالخيانة، أو وضعت عند غير أرباب الديانة ("فانتظر الساعة ") أى :فإنه من أشراط القيامة .(قال: كيف إضاعتها) ؟ هذا يؤيد النسخة أى : كيف تضييع الأمانة، والأمة قائمون بأمرها، والعامة معتنون بقدرها (قال " :إذا وسد ") : بضم الواو وتشديد السين، وقد تخفف على ما فى المقدمة أى: أسند وفوض ("الأمر ") أى :أمر السلطة أو الإمارة أو القضاء أو الحكومة ("إلى غير أهله ") أى :ممن لم يوجد فيه شرائط الاستحقاق كالنساء والصبيان، والجهلة والفسقة، والبخيل والجبان،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حکمرانوں کے وزیر اور مشیر خطرے کے دروازے پر

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

إِنَّ صَاحِبَ السُّلْطَانِ عَلٰى بَابِ عَنَتٍ إِلَّا مَنْ عَصَمَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ ،

(المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث ۳۶۰۳، ج۴ص۴۷) ۱

ترجمہ: بے شک بادشاہ کا ساتھی (اور وزیر) خطرے والے دروازے پر ہوتا ہے، مگر جس کو اللہ عزوجل محفوظ رکھے (طبرانی)

اس سے معلوم ہوا کہ بادشاہ وحکمران کے وزیر اور مشیر یا معاون پر بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے، وہ اگر حق گوئی اور بہتر و نیک مشورہ اور اچھے تعاون کا کردار ادا کرے، تو محفوظ رہتا ہے، ورنہ خطرہ وہلاکت کے دروازہ پر پہنچ جاتا ہے۔ ۲

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ومن لم يكن قرشيا ولو كان من نسل سلاطين الزمان، هذا في الخليفة، وقس على هذا سائر أولى الأمر والشأن وأرباب المناصب من التدريس والفتوى والإمامة والخطابة، وأمثال ذلك مما يفتخر به الأقران.

قال التوربشتي -رحمه الله :معناه أن يلي الأمر من ليس له بأهل، فيلقى له وسادة الملك وأراد بالأمر الخلافة، وما ينضم إليها من قضاء وإمارة ونحوها، والتوسيد :أخذ من الوساد، يقال :وسدته الشيء بالتخفيف فتوسده، إذا جعله تحت رأسه، ولفظة "إلى "فيها إشكال، إذ كان من حقه أن يقال :وسد الأمر لغير أهله، فلعله أتى بها ليدل على إسناد الأمر إليه اهـ(مرقاة المفاتيح ، ج۸ص ۳۴۲۹، باب اشراط الساعة)

۱ قال الالباني:قلت :وهذا إسناد جيد(سلسلة الاحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ۳۲۳۹)

۲ (إن صاحب السلطان) أى ذا السلطان وهو الوالي والمراد المصاحب له المدخل في الأمور (على باب عنت) أى واقف على باب خط شاق يؤدى إلى الهلاك قال في الصحاح :العنت الوقوع في أمر شاق وذلك لأن صحبته تحوج إلى مراعاته ومراء اته ومداهنته والثناء عليه بما هو مرتكبه (إلا من عصم الله) أى حفظه ووقاه فمن أراد السلامة لدينه فليتجنب الأمراء أو فليتجنب قربهم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

غیر مسلم کو اپنا مقرب، ہمراز، مشیر و وزیر بنانا جائز نہیں

اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِنْ دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ (سورة آل عمران، رقم الآية ۱۱۸)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اپنے (مذہب والوں کے) سوا کسی کو اپنا رازدار نہ بنانا، وہ (غیر مذہب کے) لوگ تمہاری تباہی میں کسی طرح کوتاہی نہیں کریں گے، وہ تمہیں نقصان پہنچانا چاہتے ہیں، ان کی زبانوں سے تو دشمنی ظاہر ہو ہی چکی ہے اور جو کچھ ان کے سینوں میں (بغض وعداوت) مخفی ہے وہ کہیں زیادہ ہے، ہم نے تمہارے لئے آیات کو واضح کر دیا ہے، اگر تم عقل رکھتے ہو (سورہ آل عمران)

اس سے معلوم ہوا کہ کافروں کو اپنا ہمراز یا وزیر بنانا حرام اور سخت گناہ ہے۔ [1]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

ويفر منهم كما يفر من الأسد لكن لا ينبغي احتقار السلطان ولو ظالما فاسقا قال عمرو بن العاص إمام غشوم خير من فتنة تدوم وقال سهل رضى الله عنه من أنكر إمامة السلطان فهو زنديق من دعاه يجبه فهو مبتدع ومن أتاه من غير دعوة فهو جاهل يريد الباطل(البارودى) بفتح الموحدة وسكون الراء وآخره دال مهملة نسبة إلى بلدة بخراسان يقال لها أبيورد كما مر (عن حميد) هو فى الصحابة كثير فكان ينبغى تمييزه(فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ۲۲۸۸)

[1] (يأيها الذين آمنوا لا تتخذوا بطانة) أصفياء تطلعونهم على سركم (من دونكم) أى غيركم من اليهود والنصارى والمنافقين (لا يألونكم خبالا) نصب بنزع الخافض أى لا يقصرون لكم فى الفساد (ودوا) تمنوا (ما عنتم) أى عنتكم وهو شدة الضرر (قد بدت) ظهرت (البغضاء) العداوة لكم (من أفواههم) بالوقيعة فيكم وإطلاع المشركين على سركم (وما تخفى صدورهم) من العداوة (أكبر قد بينا لكم الآيات) على عداوتهم (إن كنتم تعقلون) ذلك فلا توالوهم (تفسير الجلالين، سورة آل عمران، تحت رقم الآية ۱۱۸)

اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غیر مسلم کو اپنا کاتب و منشی بنانے سے اس لئے انکار فرمادیا تھا کہ یہ مؤمنوں کے علاوہ دوسروں کو اپنا ہمراز بنانے میں داخل ہے۔ [1]

خلاصہ یہ کہ غیر مسلم کو اپنا وزیر، مشیر اور ہمراز بنانا جائز نہیں، کیونکہ غیر مسلم کبھی دل سے مسلمانوں کا خیر خواہ نہیں ہوسکتا، اور وہ مسلمانوں کو ہر طرح سے اپنے دل میں چھپی ہوئی بغض وعداوت اور نفرت کو پورا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتا، اس لئے اس کے بجائے نیک صالح مسلمان کو اپنا وزیر، مشیر اور ہمراز بنانا چاہئے۔ [2]

---

[1] عن أبی الدهقانة ، قال :قیل لعمر بن الخطاب :إن هاهنا غلاما من أهل الحيرة ، لم یر قط أحفظ منه ، ولا أكتب منه ، فإن رأیت أن تتخذه كاتبا بین یدیک ، إذا كانت لک الحاجة شهدک ، قال :فقال عمر :قد اتخذت إذا بطانة من دون المؤمنین(مصنف ابن ابی شیبة، رقم الحدیث ۲۶۳۹۲)

[2] أهل الشوری:الشوری :اسم مصدر من التشاور .وأهل الشوری :هم أهل الرأی الذین یقدمون المشورة لمن یستشیرهم، وقد یکونون من بطانة الرجل أو غیرهم من ذوی الرأی .

ما یتعلق بالبطانة من أحكام:أولا :البطانة بمعنی خاصة الرجل.

اتخاذ البطانة الصالحة :لما كانت الشوری من قواعد الشریعة، ومن لوازم الحكم فی الإسلام، وإن العادة جاریة بأن الإنسان یطمئن إلی بطانته، فإنه یجب علی ولاة المسلمین أن یتخذوا بطانة صالحة، من أهل التقوی والأمانة، وممن یخشی الله .قال ابن خویز منداد :واجب علی الولاة مشاورة العلماء فیما لا یعلمون، وما أشكل علیهم من أمور الدین، ومشاورة وجوه الجیش فیما یتعلق بالحرب، ومشاورة وجوه الناس فیما یتعلق بالمصالح، ومشاورة وجوه الكتاب والوزراء والعمال فیما یفعلون بمصالح البلاد وعمارتها .وجاء فی كتاب "الأحكام السلطانیة "للماوردی فی معرض عد واجبات الإمام :استكفاء الأمناء ، وتقلید النصحاء فیما یفوضه إلیهم من الأعمال، ویكله إلیهم من الأموال؛ لتكون الأعمال بالكفاء ة مضبوطة، والأموال بالأمناء محفوظة .وفی الأثر الصحیح :إذا أراد الله بالأمیر خیرا جعل له وزیر صدق، إن نسی ذكره، وإن ذكر أعانه، وإن أراد غیر ذلک جعل له وزیر سوء :إن نسی لم یذكره، وإن ذكر لم یعنه .وعن أبی سعید الخدری عن رسول الله صلی الله علیه وسلم أنه قال :ما بعث الله من نبی ولا استخلف من خلیفة إلا كانت له بطانتان :بطانة تأمره بالخیر وتحضه علیه، وبطانة تأمره بالشر وتحضه علیه، فالمعصوم من عصمه الله تعالی(الموسوعة الفقهیة الكویتیة، ج۸ص ۱۰۲، ۱۰۳، مادة"بطانة"اتخاذ بطانة من دون المؤمنین)

لا خلاف بین علماء الإسلام فی أنه لا یجوز لأولیاء أمور المسلمین أن یتخذوا بطانة من الكفار والمنافقین، یطلعونهم علی سرائرهم، وما یضمرونه لأعدائهم، ویستشیرونهم فی الأمور؛ لأن هذا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ہر حکمران کے دو طرح کے مقرب اور ہمراز وزیر ہوتے ہیں

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا اسْتُخْلِفَ خَلِيفَةٌ إِلَّا لَهُ بِطَانَتَانِ: بِطَانَةٌ تَأْمُرُهُ بِالْخَيْرِ وَتَحُضُّهُ عَلَيْهِ، وَبِطَانَةٌ تَأْمُرُهُ بِالشَّرِّ وَتَحُضُّهُ عَلَيْهِ، وَالْمَعْصُومُ مَنْ عَصَمَ اللّٰهُ (بخاری) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو آدمی بھی حاکم (وحکمران) بنایا جاتا ہے، تو اس کے دو طرح کے مقرب (ہمراز مشیر اور وزیر) ہوتے ہیں، ایک مقرب (ہمراز مشیر اور وزیر) تو اس کو خیر کا حکم دیتا ہے اور اس کو خیر پر اُبھارتا ہے، اور دوسرا مقرب (ہمراز مشیر اور وزیر) اس کو شر کا حکم دیتا ہے اور اس کو شر پر

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

من شأنه أن يضر مصلحة المسلمين، ويعرض أمنهم للخطر، وقد ورد التنزيل بتحذير المؤمنين من موالاة غيرهم ممن يخالفونهم فى العقيدة والدين، وقال عز من قائل :(يا أيها الذين آمنوا لا تتخذوا بطانة من دونكم لا يألونكم خبالا ودوا ما عنتم قد بدت البغضاء من أفواههم وما تخفى صدورهم أكبر قد بينا لكم الآيات إن كنتم تعقلون)وقال :(يا أيها الذين آمنوا لا تتخذوا عدوى وعدوكم أولياء تلقون إليهم بالمودة وقد كفروا بما جاء كم من الحق يخرجون الرسول وإياكم أن تؤمنوا بالله ربكم إن كنتم خرجتم جهادا فى سبيلى وابتغاء مرضاتى تسرون إليهم بالمودة وأنا أعلم بما أخفيتم وما أعلنتم ومن يفعله منكم فقد ضل سواء السبيل)

ونهى الله تبارك وتعالى عباده المؤمنين عن اتخاذ بطانة من دون المؤمنين، يطلعونهم على سرائرهم، ويكشفون لهم عورات المسلمين .بقوله تعالى :(يا أيها الذين آمنوا لا تتخذوا الكافرين أولياء من دون المؤمنين) وفى معنى ذلك آيات كثيرة .وقد تقدم الحديث فى شأن بطانة السوء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۸ص ۱۰۳، ۱۰۴، مادة "بطانة "اتخاذ بطانة من دون المؤمنين)

[1] رقم الحديث ۶۶۱۱،كتاب القدر، باب :المعصوم من عصم الله.

والبطانة :الأولياء والأصفياء ، قال الله سبحانه وتعالى :(لا تتخذوا بطانة من دونكم)أى :أصفياء من غير أهل دينكم، لأنهم يغشونكم، ولا ينصحونكم، وهى مصدر وضع موضع الاسم، يسمى بها الواحد والاثنان والجميع، والمذكر والمؤنث (شرح السنة للبغوى، تحت رقم الحديث ۲۴۸۴، باب الوزير الصالح)

اُبھارتا ہے اور معصوم ومحفوظ تو بس وہ ہے جسے اللہ محفوظ رکھے (ورنہ برے مقرب سے محفوظ رہنا بہت مشکل ہے) (بخاری)

معلوم ہوا کہ ہر حکمران کے ساتھ اچھے اور برے وزیر ومشیر ہوتے ہیں، اس لئے حکمران کو اپنے وزیروں اور مشیروں کے مشوروں پر نیک نیتی سے اللہ کی طرف متوجہ ہو کر غور کرنا چاہئے۔

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ:مَا بُعِثَ مِنْ نَبِيٍّ، وَلَا كَانَ بَعْدَهُ مِنْ خَلِيْفَةٍ إِلَّا وَلَهُ بِطَانَتَانِ: بِطَانَةٌ تَأْمُرُهُ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَاهُ عَنِ الْمُنْكَرِ، وَبِطَانَةٌ لَا تَأْلُوْهُ خَبَالًا، فَمَنْ وُقِيَ بِطَانَةَ السُّوْءِ فَقَدْ وُقِيَ (نسائی،رقم الحديث ۴۲۰۳، کتاب البيعة، باب بطانة الإمام) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ دنیا میں نہ تو کوئی نبی بھیجا گیا اور نہ اس کے بعد کوئی حکمران، مگر اس کے دو طرح کے مقرّب (ہمراز مشیر اور وزیر) ہوتے ہیں، ایک مقرّب (ہمراز مشیر اور وزیر) تو اس کو خیر کا حکم دیتا ہے اور اس کو بُرائی سے روکتا ہے، اور دوسرا مقرّب (ہمراز مشیر اور وزیر) اس کی تباہی وخرابی کی کوئی پرواہ نہیں کرتا، پس جو حکمران بُرے مقرّب (ہمراز مشیر ووزیر) سے بچالیا گیا، تو وہ بس بچ ہی گیا (نسائی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:مَا مِنْ وَالٍ إِلَّا وَلَهُ بِطَانَتَانِ:

---

[1] قال البغوی: هذا حديث صحيح. قوله :لا تألوه خبالا، أی :لا تقصر فی إفساد أمره، ومنه قوله سبحانه وتعالی :(لا يألونكم خبالا) والخبال والخبل :الفساد، وقد يكون ذلک فی الأفعال، والأبدان، والعقول، وبه يسمی الجن :الخبل، يقال :خبله الجن (شرح السنة للبغوی، تحت رقم الحديث ۲۴۸۵، باب الوزير الصالح)

بِطَانَةٌ تَأْمُرُهُ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَاهُ عَنِ الْمُنكَرِ، وَبِطَانَةٌ لَا تَأْلُوهُ خَبَالًا، فَمَنْ وُقِيَ شَرَّهَا فَقَدْ وُقِيَ، وَهُوَ مِنَ الَّتِي تَغْلِبُ عَلَيْهِ مِنْهُمَا (سنن النسائی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بھی والی وحاکم (یعنی حکمران) ہوتا ہے، تو اس کے دو طرح کے مقرب (ہمراز مشیر اور وزیر) ہوتے ہیں، ایک مقرب (ہمراز مشیر اور وزیر) تو اس کو خیر کا حکم دیتا ہے اور اس کو بُرائی سے روکتا ہے، اور دوسرا مقرب (ہمراز مشیر اور وزیر) اس کی تباہی وخرابی کی کوئی پرواہ نہیں کرتا، پس جو حکمران بُرے مقرب (ہمراز مشیر اور وزیر) سے بچالیا گیا، تو وہ بس بچ ہی گیا، اور وہ حکمران اُس مقرب میں شمار ہوگا کہ جوان دونوں (مشیروں) میں سے اس پر غالب آجائے (نسائی)

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اُن کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

اَلْأَمِيْرُ إِذَا أُمِّرَ كَانَتْ لَهُ بِطَانَتَانِ مِنْ أَهْلِهِ: بِطَانَةٌ تَأْمُرُهُ بِطَاعَةِ اللّٰهِ، وَبِطَانَةٌ تَأْمُرُهُ بِمَعْصِيَةٍ، وَهُوَ مَعَ مَنْ أَطَاعَ مِنْهُمَا (المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۸۹۲۸، ج۹ ص ۱۸۹)

ترجمہ: جب کسی حاکم کو حکمران بنایا جاتا ہے، تو اُس کے متعلقین میں دو طرح کے مقرَّب (یعنی وزیر اور مشیر) ہوتے ہیں، ایک طرح کا مقرب تو اس کو اللہ کی اطاعت کا حکم کرتا ہے، اور دوسری طرح کا مقرب اُس کو نافرمانی کا حکم کرتا ہے، پس وہ حکمران اُس (مقرب وزیر و مشیر) کے ساتھ ہوگا، جس کی اُس نے ان

---

[1] رقم الحديث ۴۲۰۱، كتاب البيعة، باب بطانة الإمام، مسنداحمد، رقم الحديث ۷۲۳۹.
فی حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط الشيخين.
وقال الالبانی: وهذا إسناد صحيح على شرط الشيخين (سلسلة الاحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ۲۲۷۰)

www.idaraghufran.org

دونوں میں سے اطاعت کی (طبرانی)

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ ہر حکمران کے دو طرح کے وزیر ومشیر ہوتے ہیں، ایک تو خیر کا مشورہ دینے والے، اور خیر پر ابھارنے والے، اور دوسرے شر کا مشورہ دینے والے اور شر پر ابھارنے والے، اور جو حکمران شر کا مشورہ دینے اور شر پر ابھارنے والوں وزیر ومشیر سے محفوظ رہ گیا، تو یہ اس کے لئے بڑی کامیابی ہے، اور یہ کام اللہ کی توفیقِ خاص سے ہی ہوسکتا ہے۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ شر کا مشورہ دینے اور ابھارنے والے کی رائے پر عمل پیرا ہونا تباہی وبربادی لاتا ہے، اور حکمران جس طرح کے وزیر ومشیر کے مشورہ اور رائے پر عمل کرتا ہے، وہ اسی کے ساتھ محشور ہوگا۔ [1]

---

[1] (وعن أبی سعید قال :قال رسول الله -صلی الله علیه وسلم -ما بعث الله من نبی) ; أی نبیا (ولا استخلف من خلیفة) ; أی إماما بعده، أو ما فی معناه من کل أحد (إلا کانت له) ; أی لکل منهما (بطانتان) بکسر الموحدة ;أی وزیران ومشیران، مشبهان بالبطانة لملازمته بحیث لا ینفکان عن صحبته، (بطانة تأمره بالمعروف) ; أی بالخیر (وتحضه) بتشدید الضاد ;أی تحثه علیه وترغبه إلیه وتحسنه لدیه (وبطانة تأمره بالشر ;أی بالمنکر (وتحضه علیه) ; أی تحرضه علیه، والحاصل أنه لا یخلو نبی، أو من یخلف مکانه من شخصین مختلفین، أو جماعتین متضادتین فی الرأی ;کما هو مشاهد فی جلساء الملوک والأمراء ، (والمعصوم) ; أی من النبی والخلیفة (من عصمه الله) ; أی من صاحب الشر وقبول کلامه، والتوفیق بمتابعة الخیر وقضاء مرامه، والمعصوم من البطانتین من حفظه الله من الشر ووفقه للخیر .هذا وفی النهایة بطانة الرجل صاحب سره وداخلة أمره، الذی یشاوره فی أحواله (مرقاة المفاتیح، ج٦ص٢٤٠٥، کتاب الإمارة والقضاء)

(إن الله تعالی لم یبعث نبیا ولا) استخلف (خلیفة) فضلا عن غیرهما وفی روایة من خلیفة کالأمراء فإنهم خلفاء الله علی عباده (إلا وله بطانتان) تثنیة بطانة بالکسر ولیجة وهو الذی یعرفه الرجل بأسراره ثقة به شبه ببطانة الثوب هنا کما شبه بالشعار فی خبر :الأنصار شعار والناس دثار ذکره القاضی (بطانة تأمره بالمعروف) أی ما عرفه الشرع وحکم بحسنه وفی روایة بدل بالمعروف بالخیر (وتنهاه عن المنکر) ما أنکره الشرع ونهی عن فعله قال ابن حجر :البطانة بکسر الموحدة اسم جنس یشمل الواحد والمتعدد (وبطانة لا تألوه خبالا) أی لا تقصر فی إفساد أمره وهو اقتباس من قوله سبحانه وتعالی (یا أیها الذین آمنوا لا تتخذوا بطانة من دونکم لا یألونکم خبالا) (ومن یکن الشیطان له قرینا فساء قرینا) واتستشکل هذا التقسیم بالنسبة للنبی لأنه وإن جاز عقلا أن یکون فی من یداخله من یکون من أهل الشر لکنه لا یتصور من أن یصغی إلیه ولا یعمل بقوله لعصمته وأجیب بأن فی بقیة الحدیث الإشارة إلی سلامة النبی من ذلک وهو قوله (ومن یوق بطانة السوء) بأن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جھوٹے وظالم حکمرانوں کے وزیروں، مشیروں کے لئے وعید

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: یَکُوْنُ أُمَرَاءُ تَغْشَاھُمْ غَوَاشٍ أَوْ حَوَاشٍ مِّنَ النَّاسِ یَظْلِمُوْنَ وَیَکْذِبُوْنَ، فَمَنْ دَخَلَ عَلَیْھِمْ فَصَدَّقَھُمْ بِکَذِبِھِمْ، وَأَعَانَھُمْ عَلٰی ظُلْمِھِمْ فَلَیْسَ مِنِّیْ وَلَسْتُ مِنْہُ، وَمَنْ لَّمْ یَدْخُلْ عَلَیْھِمْ وَیُصَدِّقْھُمْ بِکَذِبِھِمْ، وَیُعِنْھُمْ عَلٰی ظُلْمِھِمْ فَھُوَ مِنِّیْ وَأَنَا مِنْہُ (مسند احمد، رقم الحدیث ۱۱۱۹۲) ل

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب ایسے حکمران آئیں گے جن پر ایسے حاشیہ بردار لوگ چھا جائیں گے یا جن کے حاشیہ نشین (وزیر، مشیر اور معاونین) ایسے لوگ ہوں گے، جو ظلم وستم کریں گے اور جھوٹ بولیں گے، جو شخص ان کے پاس جائے (یا ان کا وزیر ومشیر بنے) اوران کے جھوٹ کی تصدیق کرے اوران کے ظلم پر تعاون کرے تو اس کا مجھ سے اور میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے،

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

یعصمہ اللہ تعالی منہا (فقد وقی) أی وقی الشر کلہ فھذا ھو منصب النبوة الذی لا یجوز علیھم غیرہ وقد یحصل لغیرھم بتوفیقہ تعالی وھدایتہ وفی الولاة من لا یقبل إلا من بطانة الشر وفیھم من یقبل من ھؤلاء تارة ومن ھؤلاء أخری فإن کان علی حد سواء فلم یتعرض لہ فی الحدیث لظھورہ وإن کان الأغلب علیہ القبول من أحدھما فھو ملحق بہ إن خیرا فخیر وإن شرا فشر قال ابن التین وغیرہ یحتمل أن یرید بالبطانتین الوزیرین ویحتمل الملک والشیطان ویحتمل النفس الأمارة واللوامة إذ لکل منھم قوة ملکیة وقوة حیوانیة والحمل علی الأعم أتم لکن قد لا یکون للبعض إلا البعض وحینئذ فعلی الحاکم أن لا یبادر بما تلقی إلیہ حاشیتہ حتی یبحث عنہ وأن یتخذ لسرہ ثقة مأمونا فطنا عاقلا لأن المصیبة إنما تدخل علی الحاکم المأمون من قبول قول غیر موثوق بہ إذ کان ھو حسن الظن فیلزمہ التثبت والتدبر ویسأل اللہ الھدایة والتبصر (فیض القدیر، تحت رقم الحدیث ۷۷۲۱)

ل فی حاشیة مسند احمد: حدیث صحیح.

اور جو شخص ان کے پاس نہ جائے کہ ان کے جھوٹ کی تصدیق یا ان کے ظلم پر تعاون نہ کرے تو وہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں (مسند احمد)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَنَحْنُ فِي الْمَسْجِدِ بَعْدَ صَلَاةِ الْعِشَاءِ، رَفَعَ بَصَرَهُ إِلَى السَّمَاءِ، ثُمَّ خَفَضَ حَتّٰى ظَنَنَّا أَنَّهُ قَدْ حَدَثَ فِي السَّمَاءِ شَيْءٌ، فَقَالَ: أَلَا إِنَّهُ سَيَكُوْنُ بَعْدِيْ أُمَرَاءُ يَكْذِبُوْنَ وَيَظْلِمُوْنَ، فَمَنْ صَدَّقَهُمْ بِكَذِبِهِمْ، وَمَالَأَهُمْ عَلٰى ظُلْمِهِمْ، فَلَيْسَ مِنِّيْ، وَلَا أَنَا مِنْهُ، وَمَنْ لَمْ يُصَدِّقْهُمْ بِكَذِبِهِمْ، وَلَمْ يُمَالِئْهُمْ عَلٰى ظُلْمِهِمْ، فَهُوَ مِنِّيْ، وَأَنَا مِنْهُ (مسند احمد، رقم الحديث ۱۸۳۵۳) [1]

ترجمہ: ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اور ہم عشاء کی نماز کے بعد مسجد میں تھے، آپ نے اپنی نظر آسمان کی طرف اُٹھائی، پھر نظر کو نیچا کیا، یہاں تک کہ ہمارا گمان ہوا کہ آسمان میں کوئی نئی چیز پیدا ہوئی ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب میرے بعد ایسے حکمران ہوں گے، جو جھوٹ بولیں گے، اور ظلم کریں گے، پس جس نے اُن کے جھوٹ کی تصدیق کی اور اُن کے ظلم پر مدد کی، تو اُس کا مجھ سے تعلق نہیں اور میرا اُس سے تعلق نہیں، اور جس نے اُن کے جُھوٹ کی تصدیق نہیں کی اور نہ ہی اُن کے ظلم پر اُن کی مدد کی، تو وہ میرے سے تعلق رکھتا ہے، اور میں اُس سے تعلق رکھتا ہوں (مسند احمد)

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَوْ دَخَلَ، وَنَحْنُ تِسْعَةٌ وَبَيْنَنَا وِسَادَةٌ مِنْ أَدَمٍ فَقَالَ: إِنَّهَا سَتَكُوْنُ بَعْدِيْ أُمَرَاءُ يَكْذِبُوْنَ

---

[1] فی حاشية مسنداحمد: صحيح لغيره.

Idara Ghufran

وَيَظْلِمُونَ، فَمَنْ دَخَلَ عَلَيْهِمْ، فَصَدَّقَهُمْ بِكِذْبِهِمْ، وَأَعَانَهُمْ عَلٰى ظُلْمِهِمْ، فَلَيْسَ مِنِّىْ، وَلَسْتُ مِنْهُ وَلَيْسَ بِوَارِدٍ عَلَيَّ الْحَوْضَ ، وَمَنْ لَمْ يُصَدِّقْهُمْ بِكَذِبِهِمْ، وَيُعِنْهُمْ عَلٰى ظُلْمِهِمْ، فَهُوَ مِنِّىْ وَأَنَا مِنْهُ، وَهُوَ وَارِدٌ عَلَيَّ الْحَوْضَ (مسند احمد) ۱؎

ترجمہ: ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، یا داخل ہوئے، اور ہم نو افراد تھے، اور ہمارے درمیان چمڑے کا تکیہ تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب میرے بعد ایسے حکمران ہوں گے؛ جو جھوٹ بولیں گے، اور ظلم کریں گے، پس جو شخص اُن کے پاس گیا (یا ان کا وزیر ومشیر بنا) اور اُن کے جُھوٹ پر اُن کی تصدیق کی اور اُن کے ظلم پر اُن کی (وزیر ومشیر بن کر) مدد کی تو اُس کا مجھ سے تعلق نہیں، اور نہ میرا اُس سے تعلق ہے، اور نہ وہ شخص میرے پاس حوضِ کوثر پر آسکے گا، اور جس نے اُن کے جُھوٹ کی تصدیق نہ کی اور نہ اُن کے ظلم کی اُن پر مدد کی، تو اُس کا مجھ سے تعلق ہے، اور میرا اُس سے تعلق ہے، اور وہ میرے پاس حوضِ کوثر پر بھی حاضر ہوگا (مسند احمد)

اس طرح کی حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ ۲؎

۱؎ رقم الحديث ۱۸۱۲۶ ،نسائی، رقم الحديث ۴۲۰۸.
فی حاشية مسند احمد: إسناده صحيح رجاله ثقات.

۲؎ عن ابن عمر قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :سيكون عليكم أمراء يأمرونكم بما لا يفعلون، فمن صدقهم بكذبهم وأعانهم على ظلمهم، فليس منى ولست منه ولن يرد على الحوض "(مسند احمد، رقم الحديث ۵۷۰۲)
فی حاشية مسند احمد:صحيح لغيره.

عن عبد الله بن خباب بن الأرت، حدثنى أبى خباب بن الأرت، قال :إنا لقعود على باب رسول الله صلى الله عليه وسلم ننتظر أن يخرج لصلاة الظهر، إذ خرج علينا، فقال " : اسمعوا "فقلنا :سمعنا .ثم قال " :اسمعوا "فقلنا :سمعنا .فقال " :إنه سيكون عليكم أمراء ، فلا تعينوهم على ظلمهم، فمن صدقهم بكذبهم، فلن يرد على الحوض "(مسند احمد، رقم الحديث ۲۱۰۷۴) ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ احادیث سے اُن لوگوں کے بارے میں سخت وعید معلوم ہوئی جو حکمرانوں کے جھوٹ کی تصدیق کرتے ہیں، اور اُن کی ظلم میں مدد کرتے ہیں اور ساتھ ہی اُن لوگوں کی فضیلت معلوم ہوئی جو حکمرانوں کے جھوٹ کی تصدیق نہیں کرتے، اور اُن کی ظلم میں مدد نہیں کرتے۔

آج کل جو حکمرانوں کے ساتھ اُن کے وزیر اور مشیر اور ان کے مخصوص ترجمان ہوتے ہیں، اُن کے لئے بھی ان احادیث میں سبق اور ہدایت کا سامان موجود ہے۔

نیز ذرائع ابلاغ کے جو لوگ اس حرکت میں مبتلا ہوں، خواہ مال ودولت کی خاطر یا کسی منصب ومراعات کو حاصل کرنے کی خاطر یا اور کسی مقصد سے وہ بھی اس میں داخل ہیں۔ ؎

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

فی حاشية مسند احمد: صحيح لغيره.

عن حذيفة رضى الله عنه قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :إنها ستكون عليكم أمراء يكذبون، فمن صدقهم بكذبهم، وأعانهم على ظلمهم؛ فليس منى ولست منه، ومن لم يصدقهم بكذبهم، ولم يعنهم على ظلمهم؛ فهو منى وأنا منه، وسيرد على الحوض غدا إن شاء الله(المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ٣٠٢٠)

؎ (وعن كعب بن عجرة) بضم فسكون قال المصنف :نزل الكوفة ومات بالمدينة سنة إحدى وخمسين، وهو ابن خمس وسبعين سنة، روى عنه خلق كثير من الصحابة والتابعين، (قال :قال لى) ;أى وحدى، أو مخاطبا لى، (رسول الله -صلى الله عليه وسلم -أعيذك بالله من إمارة السفهاء) ;أى من عملهم، أو من الدخول عليهم، أو اللحوق بهم، والسفهاء الجهال علما وعملا، وقال الطيبى :السفهاء الخفاف الأحلام، وفى النهاية السفه فى الأصل ;الخفة والطيش، وسفه فلان رأيه إذا كان مضطربا لا استقامة له، والسفيه الجاهل، (قال) ; فيه التفات، أو تجريد، إذ حقه أن يقول: قلت (وما ذاك يا رسول الله) ; أى ;أى شىء ما ذكرته من إمارة السفهاء ؟ وقال الطيبى :إشارة إلى معنى إمارة السفهاء ، وهو فعلهم المستفاد منه من الظلم والكذب، وما يؤدى إليه جهلهم وطيشهم (قال أمراء سيكونون من بعدى) ; أى سفهاء ;موصوفون بالكذب والظلم، (من دخل عليهم) ; أى من العلماء وغيرهم، (فصدقهم بكذبهم) بفتح فكسر، ويجوز بكسر فسكون، والأول أصح وأفصح ;لعدم ورود غيره فى القرآن، وقيل الكذب :إذا أخذ فى مقابلة الصدق كان بسكون الذال للازدواج، وإذا أخذ وحده كان بالكسر، (وأعانهم على ظلمهم) ; أى بالإفتاء ونحوه، (فليسوا منى ولست منهم) ; أى بينى وبينهم براء ة ونقض ذمة، (ولن يردوا) وفى نسخة، ولم يردوا من الورود ;أى لم يمروا (على) بتشديد الياء بتضمين معنى العرض ;أى لن يردوا على معروضين، (الحوض) ; أى حوض الكوثر فى القيامة، أو فى الجنة، (ومن لم يدخل عليهم ولم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ظالم وفاسق حکمران اوراُن کے وزراء ومعاونین

حضرت ابوسعیداورحضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَكُوْنُ عَلَيْكُمْ أُمَرَاءُ سُفَهَاءُ يُقَدِّمُوْنَ شِرَارَ النَّاسِ، وَيَظْهَرُوْنَ بِخِيَارِهِمْ، وَيُؤَخِّرُوْنَ الصَّلَاةَ عَنْ مَوَاقِيْتِهَا، فَمَنْ أَدْرَكَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ، فَلَا يَكُوْنَنَّ عَرِيْفًا وَلَا شُرْطِيًّا وَلَا جَابِيًا وَلَا خَازِنًا (مسند ابی يعلىٰ، رقم الحديث ۱۱۱۵، واللفظ لهٗ؛ ابنِ حبان، رقم الحديث ۴۵۸۶) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا، جس میں تمہارے اوپر ایسے سفہاء وبیوقوف حکمران مقرر ہوں گے، جولوگوں میں شریر

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يصدقهم بكذبهم ولم يعنهم على ظلمهم فأولئك منى، وأنا منهم، وأولئك يردون على الحوض) ، قال الطيبى :أدخل الفاء فى خبر (من) لتضمنه معنى الشرط، زاد فيه (أولئك) وكرره لمزيد تقرير العلة ;لأن اسم الإشارة فى مثل هذا المقام، مؤذن بأن ما يرد عقيبه جدير بما قبله ;لاتصافه بالخصال المذكورة كقوله تعالى :(أولئك على هدى من ربهم وأولئك هم المفلحون) (البقرة: 5) بعد قوله :(الذين يؤمنون بالغيب)إلى ما يتصل به، استحمادا على فعلهم من الاجتناب عنهم، وعن تصديقهم ومعاونتهم، قال سفيان الثورى :لا تخالط السلطان ولا من يخالطه، وقال :صاحب القلم، وصاحب الدواة، وصاحب القرطاس، وصاحب الليطة بعضهم شركاء بعض، وروى أن خياطا سأل عبد الله بن المبارك عن خياطته للحكام ;هل أنا داخل فى قوله تعالى :ولا تركنوا إلى الذين ظلموا؟ قال :بل يدخل فيه من يبيعك الإبرة، قال ابن مسعود :من رضى بأمر الظالم وإن غاب عنه ;كان كمن شهده وتلا الآية(مرقاة المفاتيح ج۶ص ۲۴۱۰، كتاب الامارة والقضاء)

[1] قال الهيثمى: رواه أبو يعلى ورجاله رجال الصحيح خلا عبد الرحمن بن مسعود وهو ثقة (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۹۲۲۵، باب فى أئمة الظلم والجور وأئمة الضلالة)

وفى حاشية مسند ابى يعلىٰ:عبد الرحمن بن مسعود وثقه ابن حبان والهيثمى وباقى رجاله ثقات.

وقال الالبانى: قلت :وهذا إسناد صحيح رجاله ثقات رجال الشيخين غير عبد الرحمن بن عبد الله بن مسعود وهو ثقة، وأحمد بن على بن المثنى هو أبو يعلى الموصلى وهو ثقة حافظ (سلسلة الاحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ۳۶۰)

www.idaraghufran.org

ترین لوگوں (یعنی وزیروں اور ترجمانوں) کو آگے کریں گے، اور اُن کو لوگوں کے بہترین آدمی ظاہر کریں گے، اور نماز کو اُن کے اوقات سے مؤخر کریں گے، پس جو شخص تم میں سے ان کو پائے، تو وہ ہرگز نہ تو وزیر بنے، اور نہ پولیس والا بنے، اور نہ لوگوں سے مال (ٹیکس) حاصل کرنے والا بنے، اور نہ خزانچی (وزیرِ خزانہ وغیرہ) بنے (ابویعلیٰ، ابن حبان)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں یہ الفاظ مروی ہیں کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَكُوْنُ فِيْ آخِرِ الزَّمَانِ أُمَرَاءُ ظَلَمَةٌ، وَوُزَرَاءُ فَسَقَةٌ، وَقَضَاةٌ خَوَنَةٌ، وَفُقَهَاءُ كَذَبَةٌ، فَمَنْ أَدْرَكَ مِنْكُمْ ذٰلِكَ الزَّمَانَ فَلَا يَكُوْنَنَّ لَهُمْ جَابِيًا، وَلَا عَرِيْفًا، وَلَا شُرْطِيًّا (المعجم الاوسط للطبرانی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخری زمانہ میں ظالم حکمران اور فاسق وزیر اور خائن قاضی (وجج) اور جھوٹے فقہاء (وعلماء) ہوں گے، جو تم میں سے اس زمانہ کو پائے، تو وہ ان کے لئے نہ تو لوگوں سے مال (ٹیکس) حاصل کرنے والا بنے، اور نہ وزیر بنے، اور نہ پولیس والا بنے (طبرانی)

---

[1] رقم الحديث ۴۱۹۰، المعجم الصغير للطبرانی، رقم الحديث ۵۶۴.
قال الطبرانی فی المعجم الاوسط: لايروى هذا الحديث عن قتادة الا بهذا الاسناد.
وقال الطبرانی فی المعجم الصغير: لم يروه عن قتادة الا ابن ابی عروبة، ولاعنه الا ابن المبارك تفرد به داود بن سليمان، وهو شيخ لا بأس به (حواله بالا)
وقال الهيثمی: رواه الطبرانی فی الصغير والأوسط، وفيه داود بن سليمان الخراسانی قال الطبرانی: لا بأس به، وقال الأزدی: ضعيف جدا. ومعاوية بن الهيثم لم أعرفه، وبقية رجاله ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۹۱۷۷، باب فی عمال السوء وأعوان الظلمة)
وقال الالبانی: فهو شاهد لا بأس به عندی والله أعلم (سلسلة الاحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ۳۶۰)

اس طرح کا مضمون حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفاً بھی مروی ہے۔ ۱؎

معلوم ہوا کہ ظالم وفاسق، خائن اور جھوٹے حکمرانوں کا وزیر، ترجمان اور مشیر بننا، اور ان کی ان گناہوں پر مدد وتعاون کرنا جائز نہیں۔ ۲؎

اچھے حاکم کو سچا اور اچھا وزیر، اور بُرے حاکم کو بُرا وزیر عطا کیا جاتا ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: إِذَا أَرَادَ اللّٰہُ بِالْأَمِیْرِ خَیْرًا جَعَلَ لَہٗ وَزِیْرَ صِدْقٍ، إِنْ نَسِیَ ذَکَّرَہٗ، وَإِنْ ذَکَرَ أَعَانَہٗ، وَإِذَا أَرَادَ اللّٰہُ بِہٖ غَیْرَ ذٰلِکَ جَعَلَ لَہٗ وَزِیْرَ سُوْءٍ، إِنْ نَسِیَ لَمْ یُذَکِّرْہُ، وَإِنْ ذَکَرَ لَمْ یُعِنْہُ(سنن ابی داؤد) ۳؎

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ کسی حاکم (وحکمران) کے

۱؎ عن مهدى، قال :قال ابن مسعود :كيف أنت يا مهدى إذا ظهر لخياركم واستعمل عليكم أحداثكم، أو أشراركم، وصليت الصلاة لغير ميقاتها؟ قلت :لا أدرى، قال :لا تكن جابيا، ولا عريفا، ولا شرطيا، ولا بريدا، وصل الصلاة لميقاتها(المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ۹۴۹۸)

قال الهيثمى: ومهدى لم أعرفه، وبقية رجاله رجال الصحيح (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۹۲۲۳، باب فى عمال السوء وأعوان الظلمة)

۲؎ وأما حديث :(لابد للناس من عريف والعريف فى النار) فإنه لو ثبت محمول على ما يتعلق بالشر، وأما الحديث الذى بين أيدينا فقد ثبت فيه اتخاذ العرفاء من قبل الرسول صلى الله عليه وسلم، وهو فيما يتعلق بالخير، وهو أمر تقتضيه الحاجة، لاسيما مع كثرة الناس .وكذلك يقال فى حديث (لا تكن لهم شرطياً ولا جابياً ولا عريفاً) فهو محمول على كون ذلك فى أمور الشر والظلم التى لا تجوز، وأما فى الخير فقد دل على الجواز الحديث الذى معنا(شرح سنن ابى داؤد للعباد، فداء الاسير بالمال، شرح حديث رد النبى صلى الله عليه وسلم سبى هوازن إلى أهلهم بعد مجيئهم مسلمين)

۳؎ رقم الحديث ۲۹۳۲، كتاب الخراج والامارة والفيئ، باب فى اتخاذ الوزير،صحيح ابن حبان، رقم الحديث ۴۴۹۴.

فى حاشية ابن حبان: حديث صحيح.

ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے، تو اُس کو سچا وزیر عطا فرمادیتا ہے، اگر وہ حاکم (وحکمران کوئی اچھی بات یا اچھا کام) بھول جائے، تو یہ وزیر اس کو (اچھی بات اور اچھا کام) یاد دِلا دیتا ہے، اور اگر وہ (اچھی بات اور اچھے کام کو) یاد رکھے تو یہ وزیر اس کی (اس اچھی بات اور اچھے کام میں) مدد کرتا ہے، اور جب اللہ حاکم کے ساتھ خیر کے علاوہ (شر) کا ارادہ فرماتا ہے، تو اُس حاکم کو بُرا وزیر عطا فرمادیتا ہے، اگر وہ حاکم (اچھی بات اور اچھے کام کو) بھول جائے تو یہ (وزیر اس کو) وہ (اچھی بات اور اچھا کام) یاد نہیں دِلاتا، اور اگر وہ (اچھی بات اور اچھے کام کو) یاد رکھے تو یہ وزیر اُس کی (اس اچھی بات اور اچھے کام میں) مدد نہیں کرتا (ابوداؤد، ابنِ حبان)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ وَلِيَ مِنْكُمْ عَمَلًا فَأَرَادَ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا جَعَلَ لَهٗ وَزِيْرًا صَالِحًا، إِنْ نَسِيَ ذَكَّرَهٗ، وَإِنْ ذَكَرَ أَعَانَهٗ (نسائی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو امیر (وحاکم) بنایا جاتا ہے، اور اللہ اس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے، تو اُس کو اچھا وزیر عطا فرمادیتا ہے، اگر وہ حاکم (اچھی بات اور اچھا کام) بھول جائے، تو یہ وزیر اس کو یاد دِلا دیتا ہے، اور اگر وہ یاد رکھے تو یہ وزیر اس کی مدد کرتا ہے (نسائی)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اچھے حکمران کو اچھا اور برے حکمران کو برا وزیر ومشیر عطا کیا جاتا ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ۴۲۰۴، كتاب البيعة، باب وزير الامام.

[2] (إذا أراد الله بالأمير) على الرعية وهو الإمام ونوابه (خيرا جعل له وزيرا) من الوزر وهو الثقل لتحمله عن الملك أو من الوزير وهو الملجأ لاعتصامه برأيه وإلتجائه إليه أو من المؤازرة وهى المعاونة (صدق) أى صالحا صادقا فى نصحه ونصح رعيته قال الطيبى :أصله وزير صادق ثم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

خلاصہ یہ کہ حکمرانوں کے وزیروں، مشیروں اور ان کے ترجمانوں اور مختلف قسم کے معاوِنوں پر بھی بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے، اس لئے ان کا حکمرانوں کو اچھے اور بہتر فیصلوں کا مشورہ دینا اور ان کی طرف متوجہ کرنا ضروری ہے، اور برے اور بدتر فیصلوں کا مشورہ دینا اور ان کی طرف متوجہ کرنا اور اس سے بڑھ کر ان پر اُبھارنا یا برے فیصلوں پر کسی بھی طرح سے تعاون کرنا سخت گناہ اور وبال کا باعث ہے۔

اگر کوئی حکمرانوں کا باقاعدہ وزیر اور مشیر تو نہ ہو، لیکن اس سے حکمران مشورہ طلب کرے، یا خود سے ہی کسی کو مشورہ دینے کا موقع ملے، تب بھی بہتر مشورہ دینا اور بُرا مشورہ دینے سے بچنا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ حق کی مدد اور باطل سے نجات کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قيل وزير صدق على الوصف به ذهابا إلى أنه نفس الصدق ثم أضيف لمزيد الاختصاص بالقول ولم يرد بالصدق الاختصاص بالقول فقط بل بالأقوال والأفعال (إن نسى) شيئا من أحكام الشرع وآدابه أو نصر المظلوم أو مصلحة الرعية (ذكره) بالتشديد أى ما نسيه ودله على الأصلح والأنفع والأرفق (وإن ذكر) بالتخفيف أى الأمير واحتاج لمساعدة (أعانه) بالرأى أو اللسان أو البدن أو بالكل (وإذا أراد به غير ذلك) أى شرا ولم يعبر به استهجانا للفظه واستقباحا لذكره (جعل له وزير سوء) بالفتح والإضافة (إن نسى لم يذكره وإن ذكر لم يعنه) على ما فيه الرشد والفلاح بل يحاول ضده وذلک علامة سوء الخاتمة كما أن الأول علامة حسنها قال فى الكشاف: والسوء الرداءة والقبح فى كل شىء <تنبيه> قال الأحنف: لا يتم أمر السلطان إلا بالوزراء والأعوان ولا تنفع الوزراء والأعوان إلا بالمودة والنصيحة ولا تنفع المودة والنصيحة إلا بالرأى والعفاف وأعظم الأمور ضررا على الملوک خاصة وعلى الناس عامة أن يحرموا صالح الوزراء والأعوان وأن يكون وزراؤهم وأعوانهم غير ذى مروءة ولا حياء وقال ليس شىء أهلک للوالى من وزير أو صاحب يحسن القول ولا يحسن العمل وقال حلية الولاة وزينتهم وزراؤهم فمن فسدت بطانته كان كمن غص بالماء ولم يصلح شأنه (تتمة) أخرج البيهقى عن على الجراح قال سألت أولاد بنى أمية ما سبب زوال دولتكم قالوا خصال أربع أولها أن وزراء نا كتموا عنا ما يجب إظهاره لنا الثانية أن جباة خراجنا ظلموا الناس فرحلوا عن أوطانهم فخلت بيوت أموالنا الثالثة انقطعت الأرزاق عن الجند فتركوا طاعتنا الرابعة يئسوا من انصافنا فاستراحت نفوسهم لغيرنا (فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ۳۹۶)

(باب نمبر۳)

رشوت وبھتہ اور ظالمانہ ٹیکس خوری

گزشتہ بحثوں سے یہ بات معلوم ہوچکی ہے کہ اسلام میں حکمرانوں اور سرکاری افسروں کو عدل وانصاف کرنے اور ظلم وناانصافی سے بچنے کی بڑی تاکید ہے، اس لئے جو چیزیں ظلم وناانصافی کے زمرے میں داخل ہیں، اُن کی بھی یقیناً ممانعت ہے، اور ظلم وناانصافی کی ایک بدترین صورت حکمرانوں وافسروں کا عوام سے رشوت وبھتہ خوری، اور ظالمانہ ٹیکس خوری ہے، جوآخرت کے علاوہ دنیامیں بھی بدترین فساد کا باعث ہے۔

حکمرانوں اور افسروں یاماتحت ملازموں کی طرف سے رشوت وبھتہ خوری اور ظالمانہ ٹیکس اس معاشرہ پر بدترین ظلم میں داخل اور حکومت وسیاست کے قوانین وآئین کوایک طرح سے ذبح کردینے کے مترادف ہے، یہ بات اہلِ عقل کے درمیان مسلم ہے کہ جس معاشرہ میں رشوت خوری کا سلسلہ جنم لیتاہے، وہاں قانون شکنی بھی عام ہوتی ہے، عوام ورعایاکے دل ودماغ سے حکمرانوں اور حکومتی قوانین کی اہمیت ختم ہوجاتی ہے، اسی طرح ظالمانہ ٹیکس خوری کا بھی معاملہ ہے، اس کی وجہ سے بھی رعایا خوش حال نہیں ہو پاتی، اور حکمرانوں کے خلاف بغاوت تک پر اُتر آتی ہے، اس لئے اسلام میں رشوت اور ظالمانہ ٹیکس خوری کے ناسور کو بھی سخت ناپسند کیا گیاہے، اوراس کونفرت اور بری نظر سے دیکھا گیاہے۔

قرآن مجید میں سحت اور حرام خوری کی بُرائی

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کاارشاد ہے کہ:

وَتَـرٰی کَثِیْـرًا مِّنْھُمْ یُسَارِعُوْنَ فِی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَکْلِھِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ(سورة المائدة، رقم الآية ٦٢)

ترجمہ: تم دیکھتے ہو کہ ان میں سے بکثرت لوگ گناہ اور ظلم وزیادتی کے کاموں اور حرام کھانے میں دَوڑ دھوپ کرتے پھرتے ہیں، بہت بری حرکات ہیں جو یہ کر رہے ہیں (مائدہ)

اس آیت میں حرام کو ''سحت'' کہا گیا ہے، اور ''سحت'' یعنی حرام میں رشوت بھی داخل ہے، بلکہ رشوت لے کر اللہ کے عادلانہ ومنصفانہ قانون کے خلاف فیصلہ کرنے میں کفر کا خدشہ ظاہر کیا گیا ہے۔

رشوت، سُحت اور حرام خوری میں داخل ہے

چنانچہ حضرت مسروق رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

كُنْتُ جَالِسًا عِنْدَ عَبْدِ اللّٰهِ، فَقَالَ لَهٗ رَجُلٌ: مَا السُّحْتُ؟ قَالَ: اَلرِّشَا، فَقَالَ: فِي الْحُكْمِ؟ قَالَ: ذَاكَ الْكُفْرُ، ثُمَّ قَرَأَ: وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ (مسند أبي يعلى، رقم الحديث ۵۲۶۶)

ترجمہ: میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، تو اُن سے ایک آدمی نے عرض کیا کہ سحت کیا ہے؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رشوت ہے، پھر اس آدمی نے کہا کہ فیصلہ کرنے میں رشوت لینا کیسا ہے؟ تو فرمایا کہ یہ تو کفر ہے، پھر آپ نے (سورہ مائدہ کی) یہ آیت پڑھی کہ ''وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ'' (یعنی جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی کافر ہیں) (ابویعلیٰ)

معلوم ہوا کہ رشوت خوری ''سحت'' اور حرام خوری میں داخل ہے، اور رشوت لے کر حق کے خلاف فیصلہ کرنے میں کفر کا اندیشہ ہے، اس میں وہ حکمران اور سرکاری افسران بھی داخل ہیں، جو رشوت لے کر قانون شکنی کے جرم کے مرتکب ہوتے ہیں۔

رشوت سے زمین میں فساد پیدا ہوتا ہے

حضرت سلیمان بن یسار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَبْعَثُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ رَوَاحَةَ إِلٰى خَيْبَرَ ،فَيَخْرُصُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ يَهُوْدِ خَيْبَرَ ،قَالَ، فَجَمَعُوْا لَهُ حُلْياً مِنْ حُلْيِ نِسَائِهِمْ، فَقَالُوْا:هٰذَا لَكَ وَخَفِّفْ عَنَّا ،وَتَجَاوَزْ فِي الْقَسْمِ .فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ رَوَاحَةَ:يَا مَعْشَرَ يَهُوْدَ، وَاللّٰهِ إِنَّكُمْ لَمِنْ أَبْغَضِ خَلْقِ اللّٰهِ إِلَيَّ وَمَا ذَاكَ بِحَامِلِيْ عَلٰى أَنْ أَحِيْفَ عَلَيْكُمْ ،فَأَمَّا مَا عَرَّضْتُمْ مِنَ الرِّشْوَةِ فَإِنَّهَا سُحْتٌ،وَإِنَّا لَا نَأْكُلُهَا ،فَقَالُوْا: بِهٰذَا قَامَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ (موطامالک) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن رواحہ کو خیبر کی طرف بھیجتے تھے، پس وہ اپنے اور خیبر کے یہودیوں کے درمیان (پھلوں کا اورزمینوں کا) اندازہ کرتے تھے (یعنی ان چیزوں کی منصفانہ تقسیم کی ذمہ داری کو انجام دیا کرتے تھے) راوی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ یہودیوں نے اپنی عورتوں کا زیور جمع کیا اور عبداللہ بن رواحہ کو دینے لگے، اور کہنے لگے کہ یہ آپ کے لئے ہے، اور آپ ہمارے محصول میں کمی کر دو، اور تقسیم کے معاملہ میں ہم سے درگزر کرو، عبداللہ بن رواحہ نے فرمایا کہ اے یہودیوں کی جماعت! اللہ کی قسم، اللہ کی ساری مخلوق میں میں تم کو زیادہ مبغوض سمجھتا ہوں، اس پر بھی میں نہیں چاہتا کہ تم پر ظلم کروں اور جو تم مجھے رشوت دیتے ہو وہ ’’سحت‘‘ اور حرام ہے اس کو ہم لوگ نہیں کھاتے، اس وقت یہودی کہنے لگے کہ اس وجہ سے آسمان اور زمین قائم ہیں (موطا)

---

[1] رقم الحدیث ۵۸۴ ”۲۵۹۵“ کتاب المساقات، باب ماجاء فی المساقاة.

Idara Ghufran

اس سے معلوم ہوا کہ رشوت اور حرام خوری سے بچنا آسمان وزمین کے فساد سے حفاظت کا ذریعہ ہے، اوراس کے برعکس رشوت خوری زمین میں فساد کا باعث ہے، جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام نے بچنے کا بہت اہتمام فرمایا ہے۔ ۱؎

صحابۂ کرام کی رشوت وبھتہ خوری سے نفرت

حضرت ابنِ شہاب زہری رحمہ اللہ سے مرسلاً روایت ہے کہ:

فِی فَتْحِ خَیْبَرَ، قَالَ: وَبَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ رَوَاحَۃَ لِیُقَاسِمَ الْیَھُوْدَ ثَمَرَھَا، فَلَمَّا قَدِمَ عَلَیْھِمْ جَعَلُوْا یُھْدُوْنَ لَہٗ مِنَ الطَّعَامِ، وَیُکَلِّمُوْنَہٗ، وَجَمَعُوْا لَہٗ حُلِیًّا مِنْ حُلِیِّ نِسَائِھِمْ، فَقَالُوْا: ھٰذَا لَکَ وَتَخَفَّفْ عَنَّا وَتَجَاوَزْ، فَقَالَ ابْنُ رَوَاحَۃَ: یَا مَعْشَرَ یَھُوْدَ إِنَّکُمْ وَاللّٰہِ لَأَبْغَضُ النَّاسِ إِلَیَّ، إِنَّمَا بَعَثَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَدْلًا بَیْنَکُمْ وَبَیْنَہٗ، فَلَا أَرَبَ لِیْ فِیْ دُنْیَاکُمْ، وَلَنْ أَحِیفَ عَلَیْکُمْ، وَإِنَّمَا عَرَضْتُمْ عَلَیَّ السُّحْتَ، وَإِنَّا لَا نَأْکُلُہٗ

(المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث ۴۲۴، ج۱۳ص۱۷۸) ۲؎

۱؎ قولہ وأما ما عرضتم من الرشوۃ فإنہ سحت یرید حراما، وقد وصف اللہ الیھود بأکلھا فقال (سماعون للکذب أکالون للسحت)وقال تعالی (یا أیھا الذین آمنوا إن کثیرا من الأحبار والرھبان لیأکلون أموال الناس بالباطل ویصدون عن سبیل اللہ)فراموا أن یستنزلوا ابن رواحۃ لما علموا من ورعہ وأمانتہ، وحرصوا أن یدخلوہ فیما یتلبسون بہ من أخذ الرشوۃ وأکل السحت قال اللہ عز وجل (ود کثیر من أھل الکتاب لو یردونکم من بعد إیمانکم کفارا حسدا من عند أنفسھم من بعد ما تبین لھم الحق)وقال (ودوا لو تکفرون کما کفروا فتکونون سواء)فعصمہ اللہ ورد ذلک علیھم، ولم یعاقبھم امتثالا لقول اللہ تعالی (فاعفوا واصفحوا حتی یأتی اللہ بأمرہ)(المنتقیٰ شرح المؤطا، ج۵ص۱۲،باب ماجاء فی المساقاۃ)

۲؎ قال الھیثمی: رواہ الطبرانی فی الکبیر مرسلا، ورجالہ رجال الصحیح(مجمع الزوائد، تحت رقم الحدیث ۶۵۹۹)

وقال الالبانی: وھذا إسنادہ مرسل صحیح وفی روایۃ أتم منہ (غایۃ المرام، تحت رقم الحدیث ۴۵۹)

ترجمہ: خیبر کی فتح کے وقت رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا، تا کہ وہ خیبر کے پھلوں کو (عدل وانصاف کے ساتھ) یہودیوں میں تقسیم کریں، پھر جب حضرت عبداللہ بن رواحہ، یہودیوں کے پاس آئے، تو انہوں نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کو کھانا ہدیہ کرنا شروع کردیا، اور اُن سے بات چیت کرنے لگے، اور حضرت عبداللہ بن رواحہ کے لئے اپنی عورتوں کا زیور جمع کیا، اور کہا کہ یہ آپ کے لئے ہے، آپ ہمارے ساتھ نرمی کیجئے، اور درگزر کیجئے (اور تقسیم میں ہماری طرف داری کیجئے) تو حضرت ابنِ رواحہ نے فرمایا کہ اے یہودیوں کے گروہ! اللہ کی قسم بے شک تم لوگوں میں مجھے سب سے زیادہ مبغوض ہو، مجھے رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے اور اپنے درمیان عدل وانصاف کے لئے بھیجا ہے، مجھے تمہاری دنیا کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اور میں ہرگز تمہارے اوپر زیادتی نہیں کروں گا، اور تم نے میرے اوپر سحت (یعنی رشوت) کو پیش کیا، ہے، اور بے شک ہم اس کو نہیں کھاتے (طبرانی)

معلوم ہوا کہ رشوت کو صحابہٴ کرام سحت اور حرام خوری قرار دیتے تھے، اور اس سے دور رہتے تھے، اور عدل وانصاف کا دامن نہیں چھوڑتے تھے، یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا اثر تھا، ہر مسلمان اور بطور خاص حکمران وافسران کو بھی اسی طریقہ پر کاربند ہونا چاہیے، اسی میں ہر طرح کی خیر وبرکت ہے، اور اس کے برخلاف رشوت خوری میں نحوست اور شر ہے۔

حکمرانوں وافسروں کو ہدایا وتحائف حاصل کرنے پر وعید

حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَعْمَلَ عَامِلًا، فَجَاءَ هُ الْعَامِلُ حِيْنَ فَرَغَ مِنْ عَمَلِهِ، فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، هٰذَا لَكُمْ وَهٰذَا أُهْدِيَ لِيْ:

فَقَالَ لَهُ: أَفَلا قَعَدْتَ فِيْ بَيْتِ أَبِيكَ وَأُمِّكَ، فَنَظَرْتَ أَيُهْدٰى لَكَ أَمْ لا؟ ثُمَّ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشِيَّةً بَعْدَ الصَّلَاةِ، فَتَشَهَّدَ وَأَثْنٰى عَلَى اللّٰهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ، ثُمَّ قَالَ: أَمَّا بَعْدُ، فَمَا بَالُ الْعَامِلِ نَسْتَعْمِلُهُ، فَيَأْتِينَا فَيَقُوْلُ: هٰذَا مِنْ عَمَلِكُمْ، وَهٰذَا أُهْدِيَ لِيْ، أَفَلا قَعَدَ فِيْ بَيْتِ أَبِيهِ وَأُمِّهٖ فَنَظَرَ: هَلْ يُهْدٰى لَهُ أَمْ لا، فَوَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ، لا يَغُلُّ أَحَدُكُمْ مِنْهَا شَيْئًا إِلَّا جَاءَ بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَحْمِلُهُ عَلٰى عُنُقِهٖ، إِنْ كَانَ بَعِيْرًا جَاءَ بِهٖ لَهُ رُغَاءٌ، وَإِنْ كَانَتْ بَقَرَةً جَاءَ بِهَا لَهَا خُوَارٌ، وَإِنْ كَانَتْ شَاةً جَاءَ بِهَا تَيْعَرُ، فَقَدْ بَلَّغْتُ (بخاری) ۱

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو عامل (زکاۃ وغیرہ کو حاصل کرنے کا وزیر) بنا کر بھیجا، وہ جب اپنے کام سے فارغ ہو چکا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ (مال) آپ (یعنی بیت المال) کا ہے اور یہ مجھے ہدیہ دیا گیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ تم اپنے باپ اور اپنی ماں کے گھر میں کیوں نہیں بیٹھے رہے پھر دیکھتے کہ تمہیں ہدیہ دیا جاتا ہے یا نہیں؟ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز کے بعد کھڑے ہوئے، تشہد پڑھا اور اللہ کی تعریف بیان کی جس کا وہ مستحق ہے (یعنی خطبہ پڑھا، جس میں حمد وثنا بیان کی) پھر فرمایا کہ امابعد! عامل (اور وزیر وحکمران) کا کیا حال ہے کہ ہم اسے عامل (اور وزیر) بنا کر بھیجتے ہیں، پھر وہ ہمارے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ آپ کا (اجتماعی وسرکاری) مال ہے اور یہ ہمیں ہدیہ بھیجا گیا ہے، وہ اپنے ماں باپ کے گھر میں کیوں نہیں بیٹھتا پھر دیکھے کہ اسے ہدیہ بھیجا

---

۱ رقم الحدیث ۶۶۳۶، کتاب الأیمان والنذور، باب: کیف کانت یمین النبی صلی اللہ علیہ وسلم.

جاتا ہے یا نہیں؟ قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ تم میں سے جو شخص بھی کوئی چیز اس میں سے رکھ لے گا تو قیامت کے دن وہ اس چیز کو اپنی گردن پر اٹھا کر لائے گا، اگر وہ اونٹ ہے تو یہ شخص اس کو (اس حال میں) لائے گا کہ وہ بلبلاتا ہوگا، اور اگر وہ گائے ہے تو یہ شخص اس کو (اس حال میں) لائے گا کہ وہ بولتی ہوگی، اور بکری ہے تو یہ شخص اس کو (اس حال میں) لائے گا کہ وہ ممیاتی ہوگی، میں نے (تم لوگوں کو حق بات کی) تبلیغ کر دی ہے (بخاری)

مطلب یہ ہے کہ کسی سرکاری عہدہ ومنصب پر فائز ہو کر جو مال حاصل ہوتا ہے، وہ اجتماعی آمدنی ہوتی ہے، اس کو بیت المال میں جمع کرنا ضروری ہے، اس کو اپنی ذات کے لئے رکھنا جائز نہیں ورنہ وہ قیامت کے دن سب کے سامنے اس خیانت شدہ مال کو لے کر حاضر کیا جائے گا، اور یہ حکم اس وقت ہے جب کہ جائز طریقہ پر مال حاصل ہوا ہو، اور اگر قانون شکنی کر کے مال لیا جائے، تو وہ دُہرا جرم ہے، اور رشوت میں داخل ہے، اس میں حکمرانوں کے علاوہ وہ تمام افسران داخل ہیں، جو رشوت وبھتہ خوری کا ارتکاب کرتے ہیں، اور اوپر سے اس کو ہدیہ، گفٹ اور تحفہ یا فیس وغیرہ کا نام دیتے ہیں، یہ حیلے آخرت میں کام نہ آئیں گے۔ [1]

[1] (أما بعد) أى بعد الحمد والثناء (فما بال العامل) أراد به عبد الله بن اللتبية بضم اللام وسكون المثناة وكسر الموحدة وياء النسب استعمله على عمل فجاء حين فرغ فقال: يا رسول الله هذا لكم وهذا أهدى لى فخطب موبخا له على تأويله الفاسد مبينا له بطلان رأيه الكاسد فقال (نستعمله) أى نوليه عاملا (فيأتينا) عند انتهاء عمله (فيقول هذا من عملكم) أهدى إلى لخاصة نفسى (أفلا قعد) فى رواية للبخارى فهلا جلس (فى بيت أبيه وأمه فنظر) بضم النون ولأبى ذر بفتحها (هل يهدى له) بالبناء للمفعول (أم لا فوالذى نفس محمد بيده) أى بقدرته وتدبيره (لا يغل أحدكم) بغين معجمة مضمومة من الغلول وهى الخيانة فى الغنيمة (منها) أى الصدقة (شيئا إلا جاء به يوم القيامة) حال كونه (يحمله على عنقه) (ومن يغلل يأت بما غل يوم القيامة) (إن كان بعيرا جاء به) يومها (له رغاء) بضم الراء والتخفيف ومد له صوت (وإن كانت بقرة جاء بها لها خوار) بضم أوله المعجم صوت (وإن كانت شاة جاء بها تيعر) بمثناة فوقية مفتوحة فتحتية ساكنة فمهملة صوت شديد (فقد بلغت) بشد اللام أى بلغت حكم الله الذى أرسلت به فى هذا إليكم وبقية الحديث ثم رفع يديه حتى رأينا عفرتى إبطيه وفيه أن الإمام يخطب فى الأمر المهم واستعمال أما بعد فى الخطبة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

سُحت اور رشوت سے پلا ہوا گوشت جہنَّم کے لائق ہے

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يَا كَعْبَ بْنَ عُجْرَةَ، إِنَّهُ لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنْ سُحْتٍ (سنن الدارمی) [1]

ترجمہ: رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے کعب بن عجرہ! بے شک جنت میں وہ گوشت ہرگز داخل نہیں ہوگا، جو سُحت (یعنی حرام ورشوت وغیرہ کے مال) سے پلا ہو (دارمی)

اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِكَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ: أَعَاذَكَ اللّٰهُ مِنْ إِمَارَةِ السُّفَهَاءِ، قَالَ: وَمَا إِمَارَةُ السُّفَهَاءِ؟ قَالَ: أُمَرَاءُ يَكُوْنُوْنَ بَعْدِيْ، لَا يَقْتَدُوْنَ بِهَدْيِيْ، وَلَا يَسْتَنُّوْنَ بِسُنَّتِيْ، فَمَنْ صَدَّقَهُمْ بِكَذِبِهِمْ، وَأَعَانَهُمْ عَلٰى ظُلْمِهِمْ، فَأُولٰئِكَ لَيْسُوْا مِنِّيْ، وَلَسْتُ مِنْهُمْ، وَلَا يَرِدُوْا عَلَيَّ حَوْضِيْ، وَمَنْ لَّمْ يُصَدِّقْهُمْ بِكَذِبِهِمْ، وَلَمْ يُعِنْهُمْ عَلٰى ظُلْمِهِمْ، فَأُولٰئِكَ مِنِّيْ وَأَنَا مِنْهُمْ، وَسَيَرِدُوْا عَلَيَّ حَوْضِيْ، يَا كَعْبَ بْنَ عُجْرَةَ، اَلصَّوْمُ جُنَّةٌ، وَالصَّدَقَةُ تُطْفِءُ الْخَطِيْئَةَ، وَالصَّلَاةُ قُرْبَانٌ أَوْ قَالَ: بُرْهَانٌ، يَا كَعْبَ بْنَ عُجْرَةَ، إِنَّهُ لَا

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

ومحاسبة المؤتمن ومنع العامل من قبول الهدية ممن له عليه حكم وإبطال كل طريق يتوصل به من يأخذ المال إلى محاباة المأخوذ منه والانفراد بالمأخوذ مع وجود الفاضل وأن من وجد متأولا خطأ يشهر خطأه ليحذر(فيض القدير للمناوی، تحت رقم الحديث ۱۶۰۷)

[1] رقم الحديث ۲۸۱۸، كتاب الرقاق، باب فی السحت.
فی حاشية سنن الدارمی: إسناده قوی.

يَدْخُلُ الْجَنَّةَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنْ سُحْتٍ النَّارُ أَوْلٰى بِهٖ ، يَا كَعْبَ بْنَ عُجْرَةَ، النَّاسُ غَادِيَانِ ،فَمُبْتَاعٌ نَفْسَهٗ فَمُعْتِقُهَا، وَبَائِعٌ نَفْسَهٗ فَمُوْبِقُهَا

(مسنداحمد) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب بن عجرہ سے فرمایا کہ اللہ تمہیں بیوقوفوں کی حکمرانی سے بچائے، حضرت کعب بن عجرہ نے سوال کیا کہ بیوقوفوں کی حکمرانی سے کیا مراد ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ حکمران ہیں جو میرے بعد آئیں گے، وہ میری سیرت کی پیروی نہیں کریں گے، اور میری سنت کی اتباع نہیں کریں گے، جولوگ ان کے جھوٹ کی تصدیق کریں گے اور ان کے ظلم پر تعاون کریں گے، پس ان لوگوں کا مجھ سے اور میرا ان سے کوئی تعلق نہیں اور یہ لوگ (بروزِ قیامت) حوضِ کوثر پر بھی میرے پاس نہ آسکیں گے لیکن جولوگ ان کی جھوٹی باتوں کی تصدیق نہیں کریں گے اور ان کے ظلم پر تعاون بھی نہیں کریں گے، تو وہ لوگ مجھ سے ہوں گے اور میں ان سے ہوں گا اور عنقریب یہ لوگ میرے پاس حوض کوثر پر بھی آئیں گے۔

اے کعب بن عجرہ! روزہ ڈھال ہے صدقہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے، نماز قربِ الٰہی کا ذریعہ ہے، یا فرمایا کہ دلیل ہے، اے کعب بن عجرہ جنت میں کوئی ایسا گوشت (وبدن) داخل نہیں ہوسکے گا جس کی پرورش سُحت (یعنی حرام ورشوت) سے ہوئی اور جہنم اس کی زیادہ حقدار ہوگی اے کعب بن عجرہ لوگ دوطرح کی حالت میں صبح

---

[1] رقم الحدیث ۱۴۴۴۱، ترمذی، رقم الحدیث ۶۱۴، مستدرک حاکم، رقم الحدیث ۸۳۰۲.

قال الترمذی:هذا حديث حسن غريب من هذا الوجه.

وفی حاشية مسند احمد: إسناده قوی علی شرط مسلم.

قال الحاكم:هذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه.

وقال الذهبی: صحيح .

کرتے ہیں، کچھ تو اپنے نفس کو خرید کر اسے آزاد کر لیتے ہیں، اور کچھ اسے بیچ کر ہلاک کر دیتے ہیں (مسند احمد)

اس سے معلوم ہوا کہ رشوت وحرام خوری سے پلا ہوا گوشت اور جسم جہنم کے لائق ہے، اس لئے وہ جہنم کے عذاب کا مستحق ہے، اس لئے ہر حکمران وافسر کو ہر دن صبح ہوتے ہی دیکھ لینا چاہیے کہ وہ آج رشوت لے کر اپنے آپ کو ہلاک کرتا ہے، یا جہنم سے آزاد کرتا ہے۔ [1]

رشوت خور حکمرانوں وافسروں پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلرَّاشِيَ وَالْمُرْتَشِيَ فِي الْحُكْمِ (سنن الترمذی) [2]

---

[1] (وعن جابر قال :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم " -لا يدخل الجنة) أى دخولا أوليا مع الناجين ;بل بعد عذاب بقدر أكله للحرام ما لم يعف عنه، أو لا يدخل منازله العلية، أو المراد أن لا يدخلها أبدا إن اعتقد حل الحرام، وكان معلوما من الدين بالضرورة، أو المراد به الزجر والتهديد والوعيد الشديد، ولذا لم يقيده بنوع من التقييد (لحم) : أى صاحب لحم (نبت من السحت) : بضم السين والحاء وسكونها الحرام ;لأنه يسحت البركة أى يذهبها، وأسند عدم دخول الجنة إلى اللحم لا إلى صاحبه إشعارا بالعلية، وأنه خبيث لا يصلح أن يدخل الطيب ;لأن الخبيث للخبيث، ولذا أتبعه بقوله :(وكل لحم نبت من سحت كانت النار) وفى نسخة كان النار (أولى به) أى :من الجنة لتطهره النار عن ذلک بإحراقها إياه، وهذا على ظاهر الاستحقاق، أما إذا تاب أو غفر له من غير توبة وأرضى خصومه، أو نالته شفاعة شفيع، فهو خارج من هذا الوعيد(مرقاة المفاتيح، ج۵ص ۱۸۹۹، باب الكسب وطلب الحلال)

(كل جسد) وفى رواية كل لحم (نبت من سحت فالنار أولى به) هذا وعيد شديد يفيد أن أكل أموال الناس بالباطل من الكبائر قال الذهبى :يدخل فيه المكاس وقاطع الطريق والسارق والخائن والزانى ومن استعار شيئا فجحده ومن طفف فى وزن أو كيل ومن التقط مالا فلم يعرفه وأكله ولم يتملكه ومن باع شيئا فيه عيب فغطاه والمقامر ومخبر المشترى بالزائد هكذا عد هذه المذكورات من الكبائر مستدلا عليها بهذا الحديث ونحوه ولا يخلو بعضها من نزاع (فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ۶۲۹۶)

[2] رقم الحديث ۱۳۳۶ ،ابواب الاحكام، باب ما جاء فى الراشى والمرتشى فى الحكم.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کرنے پر رشوت دینے اور لینے والے پر لعنت فرمائی (ترمذی)

فیصلہ کرنے پر رشوت لینے کا مفہوم بہت عام ہے، اور جس طرح سے اس میں عدالتوں کے جج اور وکیل داخل ہیں کہ وہ روپیہ پیسہ لے کر کسی کے حق میں بھی فیصلہ کر دیتے ہیں، اسی طرح تھانہ کچہریوں کے پولیس والے بھی اور ان کے افسران بھی داخل ہیں، جو روپیہ پیسہ کی بنیاد پر کسی بھی ملزم کو غیر ملزم یا غیر ملزم کو ملزم ٹھہرا دیتے ہیں، اسی طرح سرکاری محکموں واداروں کے وزراء اور افسران بھی داخل ہیں، جو مختلف کمپنیوں یا ان کی اشیاء کی خرید وفروخت یا تیاری کی اجازت پر یا کسی کام کے بل کی منظوری پر یا عوام کی خدمات پر مامور کاموں پر رشوت لے کر ان کے لئے اجازت نامے اور منظوری کے لئے دستخط یا کام کرتے ہیں، اور محکمے وادارے بھی عام ہیں، جن میں تجارتی، زراعتی، فون، بجلی، گیس و پٹرول، ریلوے، سڑک، ٹریفک وغیرہ کے تمام محکمے وادارے داخل ہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال الترمذی:وفی الباب عن عبد الله بن عمرو، وعائشة، وابن حديدة، وأم سلمة :حديث أبی هريرة حديث حسن وقد روى هذا الحديث، عن أبی سلمة بن عبد الرحمن، عن عبد الله بن عمرو، عن النبی صلى الله عليه وسلم، وروى عن أبی سلمة، عن أبيه، عن النبی صلى الله عليه وسلم ولا يصح وسمعت عبد الله بن عبد الرحمن يقول :حديث أبی سلمة، عن عبد الله بن عمرو عن النبی صلى الله عليه وسلم أحسن شیء فی هذا الباب وأصح.

[1] (لعن الله الراشی والمرتشی) أی المعطی والآخذ (فی الحكم) سمی منحة الحكام رشوة لكونها وصلة إلى المقصود بنوع من التصنع مأخوذ من الرشاء وهو الحبل الذی يتوصل به إلى البئر والرشوة المحرمة ما توصل به إلى إبطال حق أو تمشية باطل أما ما وقع للتوصل لحق أو دفع ظلم فليس برشوة منهية وقال الزمخشری :الرشوة الوصلة إلى الحاجة بالمصانعة وقد رشاه رشوا فارتشا كـكساه فاكتسى من رشا الفرخ إذا مد عنقه لأمه لتزقه وإنما يدخل الراشی فی اللعن إذا لم يندفع بماله مضرة اهـ .وقال البيضاوی :إنما سمی منحة الحكام رشوة بالكسر والضم لأنها وصلة إلى المقصود بنوع من التصنع مأخوذ من الرشاء وهو الحبل الذی يتوصل به إلى نزح الماء قال الذهبی :فيه أن الرشوة كبيرة قال :والناس فی القضاء على مراتب فی الجودة والرداءة والقاضی مكشوف للناس لا يمكنه التستر والناس شهداء الله فی أرضه فمن ارتشى منهم وجار وتضرر به

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلرَّاشِيَ وَالْمُرْتَشِيَ (ترمذی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت دینے اور لینے والے پر لعنت فرمائی ہے (ترمذی، ابوداؤد)

رشوت لینے والے پر لعنت کا ہونا تو واضح ہے، اور رشوت دینے والا کیونکہ دوسرے کے رشوت لینے اور حرام خوری کرنے میں تعاون کرتا ہے، اس لئے وہ بھی باعثِ لعنت ہے، البتہ اگر کسی کو اس کا جائز اور قانونی حق تمام متعلقہ تقاضوں کو پورا کرنے کے بعد بھی حاصل نہ ہو رہا ہو، مثلاً بجلی کا میٹر لگوانا ہے، اور اس کے لئے مطلوبہ تمام کاغذات اور ضروریات پوری کردی گئیں، یا مکان، دوکان وغیرہ کی خرید وفروخت کرنی ہے، اور تمام متعلقہ مطلوبہ ضروریات پوری کرلی گئیں، پھر بھی کوئی افسر بغیر رشوت لئے ہوئے کام نہیں کر رہا، تو ایسی صورت میں رشوت لینے والا تو بہرحال گناہ گار ہے، لیکن دینے والا مجبور ہونے اور اپنا حق حاصل کرنے کا محتاج ہونے کی وجہ سے گناہ گار نہیں۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الخلق فقد رأيناه جهارا.

(حم ت ك عن أبي هريرة) ورواه الطبراني في الكبير عن أم سلمة قال الهيثمي :ورجاله ثقات وقال المنذري :إسناده جيد قال الترمذي :وفي الباب عن ابن عمر وعائشة .قال ابن حجر :وعبد الرحمن بن عوف وثوبان(فيض القدير للمناوي، تحت رقم الحديث ۷۲۵۴)

[1] رقم الحديث ۱۳۳۷ ،ابواب الاحكام، باب ما جاء في الراشي والمرتشي في الحكم، ابوداؤد، رقم الحديث ۳۵۸۰، باب في كراهية الرشوة.

قال الترمذي:هذا حديث حسن صحيح.

[2] (وعن عبد الله بن عمرو رضي الله عنهما) : بالواو (قال :لعن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -الراشي والمرتشي) : أي :معطي الرشوة وآخذها، وهي الوصلة إلى الحاجة بالمصانعة، وأصله من الرشاء الذي يتوصل به إلى الماء ، قيل :الرشوة ما يعطى لإبطال حق، أو لإحقاق باطل، أما إذا أعطى ليتوصل به إلى حق، أو ليدفع به عن نفسه ظلما فلا بأس به، وكذا الآخذ إذا أخذ ليسعى في إصابة صاحب الحق فلا بأس به، لكن هذا ينبغي أن يكون في غير القضاة والولاة ;لأن السعي

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

Idara Ghufran

ظالمانہ ٹیکس خور جنت سے محروم اور جہنّمی ہے

حضرت ابوالخیر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

عَرَضَ مَسْلَمَةُ بْنُ مُخَلَّدٍ وَكَانَ أَمِيْرًا عَلٰى مِصْرَ،عَلٰى رُوَيْفِعِ بْنِ ثَابِتٍ، أَنْ يُوَلِّيَهُ الْعُشُوْرَ ، فَقَالَ:إِنِّىْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ:إِنَّ صَاحِبَ الْمَكْسِ فِى النَّارِ (مسند احمد، رقم الحديث ۱۷۰۰۱) [1]

ترجمہ: مسلمہ بن مخلد نے جو مصر کے گورنر تھے، نے حضرت رویفع رضی اللہ عنہ کو ٹیکس وعشر وغیرہ وصول کرنے کا عہدہ دینے کی پیش کش کی تو وہ کہنے لگے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ٹیکس وصول کرنے والا آگ (یعنی جہنم) میں ہوگا (مسند احمد)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فى إصابة الحق إلى مستحقه، ودفع الظالم عن المظلوم واجب عليهم، فلا يجوز لهم الأخذ عليه، كذا ذكره ابن الملك، وهو مأخوذ من كلام الخطابى إلا قوله :وكذا الآخذ، وهو بظاهره ينافيه الحديث الأول من الفصل الثالث الآتى .قال التوربشتى :وروى أن ابن مسعود أخذ فى شىء بأرض الحبشة فأعطى دينارين حتى خلى سبيله(مرقاة المفاتيح، ج٦ص٢٤٣٧،باب رزق الولاة وهداياهم)

[1] فى حاشية مسند احمد: حديث حسن لغيره.

قال الالبانى : قلت :وهذا إسناد جيد، رجاله ثقات رجال الشيخين؛ غير ابن لهيعة، وهو صحيح الحديث إذا روى عنه قتيبة بن سعيد المصرى وأمثاله كالعبادلة المصريين كما تقدم تقريره مراراً . ولقد كنت برهة من الدهر أعامل حديث قتيبة غير معاملتى لحديث العبادلة، حتى وقفت على كلام الحافظ الذهبى الذى بين أن حديثه عن ابن لهيعة صحيح كحديث العبادلة -جزاه الله خيراً -، فاقتضى هذا العلم الجديد إعادة النظر فى كل أحاديث قتيبة عنه، وتصحيحها بعد تضعيفها إذا سَلِمَ ممن فوقه كهذا، والحمد لله الذى بنعمته تتم الصالحات، ولذلك قررت نقله من "ضعيف الجامع الصغير "إلى "صحيح الجامع "، وإيداعه فى "صحيح الترغيب "بعد أن كان من المقرر إيداعه فى "ضعيف الترغيب "، والحمد لله الذى هدانا لهذا؛ وما كنا لنهتدى لولا أن هدانا الله(سلسلة الاحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ٣٤٠٥)

Idara Ghufran

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ صَاحِبُ مَكْسٍ ، يَعْنِي اَلْعَشَّارَ (مسند احمد، رقم الحديث ۱۷۲۹۴) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ صاحبِ مکس (یعنی ظالمانہ ٹیکس وصول کرنے والا) جنت میں داخل نہ ہوگا (مسند احمد)

اسلام نے خود ہی لوگوں کے اموال پر زکاۃ وصدقات اور عشر، فطرانہ وغیرہ کی شکل میں مال کی ادائیگی لازم کردی ہے، اس لئے ان چیزوں کے علاوہ عوام سے مزید ٹیکس وصول کرنا عام حالات میں جائز نہیں، اس لئے ظالمانہ ٹیکس وصول کرنے والے اور اس قانون کو بنانے والے کے لئے یہ وعید ہے کہ وہ جہنم میں ہوگا، اور جنت میں بغیر سزا کاٹے داخل نہ ہوسکے گا۔ [2]

ظالمانہ ٹیکس وصول کُنندہ کی دعاء قبول نہیں کی جاتی

حضرت عثمان بن ابی عاص ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: تُفْتَحُ أَبْوَابُ السَّمَاءِ نِصْفَ اللَّيْلِ، فَيُنَادِيْ مُنَادٍ: هَلْ مِنْ دَاعٍ فَيُسْتَجَابَ لَهُ، هَلْ مِنْ سَائِلٍ فَيُعْطٰى، هَلْ مِنْ مَكْرُوْبٍ فَيُفَرَّجَ عَنْهُ، فَلَا يَبْقٰى مُسْلِمٌ يَدْعُوْ بِدَعْوَةٍ إِلَّا اسْتَجَابَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لَهُ، إِلَّا زَانِيَةً تَسْعٰى بِفَرْجِهَا، أَوْ عَشَّارًا

(المعجم الاوسط للطبرانی) [3]

---

[1] فی حاشیة مسند احمد: حسن لغیرہ.

[2] (إن صاحب المكس فی النار) يعنی العاشر الذی يأخذ المكس من قبل السلطان يكون يوم القيامة فی نار جهنم أی مخلدا فيها إن استحله لأنه كافر وإلا فيعذب فيها مع عصاة المؤمنين ما شاء الله ثم يخرج ويدخل الجنة وقد يعفى عنه ابتداء (فيض القدير للمناوی، تحت رقم الحديث ۲۲۹۰)

[3] رقم الحديث ۲۷۶۹، المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۸۳۹۱.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدھی رات کے وقت میں آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں، تو (اللہ کی طرف سے) ایک پکارنے والا (فرشتہ) پکار کر کہتا ہے کہ کوئی دعاء کرنے والا ہے، جس کی دعاء قبول کی جائے، کوئی سوال کرنے والا ہے، جس کو عطاء کیا جائے، کوئی بے چین ہے، جس کی بے چینی کو دُور کیا جائے، تو کوئی مسلمان بھی ایسا باقی نہیں رہتا، جو کوئی (اس وقت میں) دعاء کررہا ہو، مگر اللہ عزوجل اس کی دعاء کو قبول فرماتے ہیں، سوائے زانیہ عورت کے جو اپنی شرم گاہ سے کمائی کرتی ہے، یا ٹیکس وصول کرنے والے کے (طبرانی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ٹیکس خور کی دعا بھی قبول نہیں کی جاتی، کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ رشوت خوری اور بھتہ خوری اور اسی طرح ظالمانہ ٹیکس خوری، اسلام میں سخت گناہ اور حرام ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال الطبرانی:لم یرو هذا الحدیث عن هشام الا داوٗد ، تفرد به عبدالرحمن.

وقال الالبانی:قلت :وهو ثقة من شیوخ مسلم، ومن فوقه ثقات من رجال الشیخین وإبراهیم شیخ الطبرانی هو ابن هاشم أبو إسحاق البیع البغوی وهو ثقة .فالإسناد صحیح (سلسلة الاحادیث الصحیحة، تحت رقم الحدیث ۱۰۷۳)

[1] المكس من أقبح المعاصی والذنوب الموبقات وذلک لکثرة مطالبات الناس له وظلاماتهم عنده وتکرر ذلک منه وانتهاکه للناس وأخذ أموالهم بغیر حقها وصرفها فی غیر وجهها(شرح النووی علی مسلم، ج ۱۱ ص ۲۰۳ ،باب حد الزانی)

مکوس:التعریف:المكوس :جمع مکس.وأصل المكس -فی اللغة :النقص والظلم، ودراهم كانت تؤخذ من بائعی السلع فی الأسواق فی الجاهلیة، أو درهم كان یأخذه المصدق بعد فراغه من الصدقة .ویطلق المكس -كذلک -علی الضریبة یأخذها المكاس ممن یدخل البلد من التجار.

وقال ابن عابدین :المكس ما یأخذه العشار .والماكس :هو الذی یأخذ من أموال الناس شیئا مرتبا فی الغالب، ویقال له العشار لأنه یأخذ العشور فی كثیر من البلاد.ولا یخرج المعنی الاصطلاحی عن المعنی اللغوی.

الألفاظ ذات الصلة:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور ٹیکس کو زکاۃ پر قیاس کرنا یا زکاۃ میں محسُوب کرنا بھی درست نہیں، کیونکہ زکاۃ کے احکام، اس کی مقدار اور اس کے مستحق، ان تمام چیزوں کی شریعت نے خود تعیین کردی ہے، جو ٹیکس سے بالکل الگ چیز اور عبادت ہے، جبکہ ٹیکس عبادت نہیں۔

اس لئے عام حالات میں ٹیکس کا نظام جائز نہیں، البتہ مخصوص صورتوں میں جبکہ ہر قسم کی فضول خرچی اور اسراف سے بچنے اور شاہ خرچیوں سے اجتناب کا اہتمام کرنے کے باوجود بھی دوسرے جائز ذرائع آمدن سے حکومت کے ضروری درجہ کے کام اور مصالحِ عامہ پورے نہ ہو

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

أ -العشور:العشور :جمع عشر، وهو لغة الجزء من عشرة أجزاء . وفی الاصطلاح يطلق على معنيين:الأول :عشر التجارات والبياعات.والآخر :عشر الصدقات أو زكاة الخارج من الأرض.

ب -الجباية:الجباية فی اللغة :الجمع يقال جبا المال والخراج :جمعه.والجباية فی الاصطلاح : جمع الخراج والمال.والصلة بين المكوس والجباية هی أن الجباية أعم لأن الجباية تشمل جمع المال من زكاة أو صدقات أو غير ذلک.

ج -الضرائب:الضرائب جمع ضريبة، وهی التی تؤخذ فی الأرصاد والجزية ونحوها.
وهی أيضا :ما يأخذه الماكس.والصلة بينهما أن الضريبة أعم.

د -الخراج:الخراج هو :ما يحصل من غلة الأرض.أما فی الاصطلاح فهو كما قال الماوردی ما وضع على رقاب الأرضين من حقوق تؤدى عنها.والصلة بين الخراج والمكوس أن كلا منهما يوضع فی بيت المال للإنفاق على مصالح المسلمين، ويفترقان فی أن الخراج يوضع على رقاب الأرض، أما المكس فيوضع على السلع المعدة للتجارة.

الحكم التكليفی:من المكوس ما هو مذموم ومنهی عنه ومنها ما هو غير ذلک.

فالمكوس المذمومة والمنهی عنها هی غير نصف العشر الذی فرضه عمر رضی الله عنه على تجارة أهل الذمة، وكذلک هی غير العشر الذی ضربه على أموال أهل الحرب بمحضر من الصحابة رضوان الله تعالى عليهم ولم ينكره عليه أحد منهم فكان إجماعا سكوتيا.

وقد وردت فی المكوس المذمومة والمنهی عنها -وهی غير ما سبق ذكره -نصوص تحرمها وتغلظ أمرها منها ما روی عن عقبة بن عامر رضی الله عنه أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول :لا يدخل الجنة صاحب مكس .قال البغوی :يريد بصاحب المكس الذی يأخذ من التجار إذا مروا عليه مكسا باسم العشر أی الزكاة، وقال الحافظ المنذری :أما الآن فإنهم يأخذون مكسا باسم العشر، ومكسا آخر ليس له اسم، بل شیء يأخذونه حراما وسحتا، ويأكلونه فی بطونهم نارا، حجتهم فيه داحضة عند ربهم، وعليهم غضب ولهم عذاب شديد (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۸، ص۳۷۷، الیٰ ۳۷۹، مادة "مكوس")

رہے ہوں، تو مناسب مقدار میں منصفانہ تقسیم کار کے تحت خاص شرائط کے ساتھ ٹیکس کی اجازت ہوسکتی ہے، جس کی وجہ سے غریب عوام ظلم وستم کی چکی میں نہ پسیں، اور عوام کے ضروری حقوق متاثر نہ ہوں، اور اس میں امیر وغریب کی درجہ بندی وغیرہ کوملحوظ رکھ کر منصفانہ و عادلانہ قانون سازی کی جائے، نہ یہ کہ امیروں، مالداروں اور وڈیروں کو تو کسی بھی قانون یا عنوان سے مستثنیٰ کردیا جائے، یا وہ اپنے آپ کو مستثنیٰ کرالیں، اور غریب عوام پر سارا بوجھ ڈال دیا جائے، جیسا کہ آج کل عموماً ہو رہا ہے۔ [1]

ملحوظ رہے کہ رشوت کی حقیقت یہ ہے کہ جو کام کسی کے ذمہ لازم ہے، اور اس کام پر اس کو باقاعدہ تنخواہ ملتی ہے، پھر وہ اس کام کے کرنے پر معاوضہ حاصل کرے، اور اگر وہ معاوضہ طلب کرکے قانون شکنی کا بھی مرتکب ہو تو وہ دہرا مجرم ہے، عوام کی طرف سے بھی اور حکومت کی طرف سے بھی۔

اور یہ بات بھی واضح ہے کہ رشوت کا نام بدلنے سے اس کی حقیقت نہیں بدل جاتی، لہٰذا اس کا حرام ہونا پھر بھی باقی رہتا ہے، خواہ اسے ہدیہ، گفٹ، فیس وغیرہ کا نام دیا جاتا رہے، یا کچھ اور۔

---

[1] الأحكام المتعلقة بالمكوس :احتساب المكس من الزكاة.ذهب جمهور الفقهاء إلى عدم جواز احتساب المدفوع مكسا من الزكاة .وذهب آخرون إلى جواز احتسابه من الزكاة .وللتفصيل (ر :زكاة ف ۱۳۲)

توفير الكفاية عن طريق توظيف الضرائب على الأغنياء :

ذهب الفقهاء إلى أن للإمام فرض ضرائب على القادرين لوجوه المصالح العامة ولسد حاجات المسلمين

قال القرطبی :اتفق العلماء على أنه إذا نزلت بالمسلمين حاجة بعد أداء الزكاة فإنه يجب صرف المال إليها(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۵، ص ۱۴، مادة "كفاية")

(باب نمبر۴)

سرکاری اموال واملاک کی اہمیت ونزاکت

اسلام میں اجتماعی مال کی بڑی اہمیت بیان کی گئی ہے، اور اجتماعی مال سے ہماری مراد وہ مال ہے، جو حکومت کی تحویل میں اور سرکاری وقومی خزانہ کا حصہ ہو، خواہ وہ زمین کی شکل میں ہو یا کسی اور شکل میں، جس میں سرکاری جائز ذرائع آمدن بھی داخل ہیں، اور وہ تمام سرکاری ادارے اور ان کی اشیاء جو حکومت کی ملکیت ہوں، جیسا کہ ریلوے کا محکمہ، بجلی، گیس اور پیٹرول کا محکمہ، اور سرکاری خزانہ، اور بیتُ المال، اور سرکاری ہسپتال وغیرہ وغیرہ۔

اسی لئے حکمران اور بطورِ خاص سرکاری املاک کے نگران اور وزراء کے لئے امین ہونے کی صفت بڑی اہمیت رکھتی ہے۔

اس قسم کے مال سے ملک کے لاکھوں کروڑوں لوگوں کا حق وابستہ ہوتا ہے، اور کوئی ایک متعین مالک نہیں ہوتا، اس لئے ایسے مال میں خیانت اور خرد برد کرنا سخت وبال کا باعث ہے، اور اسی وجہ سے اسلام میں ایسے عہدوں پر امانت دار لوگوں کو ہی مقرر کرنے کی تاکید اور ان کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ [1]

---

[1] بیت المال هو الجهة التی یسند إلیها حفظ الأموال العامة للدولة، والمال العام هو کل مال استحقه المسلمون ولم یتعین مالکه منهم، وذلک کالزکاة، والفیء ، وخمس الغنائم المنقولة، وخمس الخارج من الأرض، والمعادن، وخمس الرکاز، والهدایا التی تقدم إلی القضاة أو عمال الدولة مما یحمل شبهة الرشوة أو المحاباة، وکذلک الضرائب الموظفة علی الرعیة لمصلحتهم ومواریث من مات من المسلمین بلا وارث، والغرامات والمصادرات .ویقوم بیت المال بصرف هذه الأموال فی مصارفها کل بحسبه، ولا بد أن یکون له سجل هو دیوان بیت المال لضبط ما یرد إلیه وما یصدر عنه من أموال، ولضبط مصارفها کذلک .وللتفصیل انظر مصطلح " :بیت المال(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج ۲۱ص ۴۰،۴۱، مادة "دولة"،سادسا :بیت المال)

Idara Ghufran

حکمران وافسران کا امین ہونا اور اُس کی فضیلت

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَهْلِ نَجْرَانَ: لَأَبْعَثَنَّ، يَعْنِی عَلَيْكُمْ، يَعْنِی أَمِينًا حَقَّ أَمِينٍ فَأَشْرَفَ أَصْحَابُهُ، فَبَعَثَ أَبَا عُبَيْدَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ (بخاری) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ نجران سے فرمایا تھا کہ میں تمہارے ہاں ایسا حاکم بنا کر بھیجوں گا جو امین ہوگا، امین ہونے کا حق دار ہوگا، یہ سن کر آپ کے صحابہ اس کا انتظار کرنے لگے، پھر رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوعبیدہ کو حاکم بنا کر بھیجا (بخاری)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حاکم کا امین ہونا بہترین خصلت ہے، جس کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہتمام فرمایا ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ۳۷۴۵، كتاب اصحاب النبی صلی الله عليه وسلم ،باب مناقب أبی عبيدة بن الجراح رضی الله عنه.

[2] (وعن حذيفة) ، أی :ابن اليمان صاحب سر رسول الله -صلى الله عليه وسلم -وقد سبق ذكره (قال :جاء أهل نجران) : بفتح نون فسكون جيم موضع باليمن، فتح سنة عشر سمی بنجران بن زيدان بن سبأ، وموضع بحوران قرب دمشق، وموضعه بين الكوفة .وواسطة الكل من القاموس، والمراد به الأول على ما هو الظاهر .(إلى رسول الله -صلى الله عليه وسلم -قالوا :يا رسول الله ابعث) ، أی :أرسل (إلينا رجلا أمينا) ، أی :ليكون أميرا أو قاضيا أو معلما لنا (فقال " :لأبعثن إليكم رجلا أمينا حق أمين ") . بالنصب على أنه مفعول مطلق نحو قولهم :قدمت خير مقدم أی : أمينا صادق الأمن وثابته ومستحقا أن يقال له الأمين .قال الطيبی :فيه توكيد، ولذا أضافه نحو :إن زيدا لعالم حق عالم وجد عالم أی عالم حقا وجدا، يعنی عالم يبالغ فی العلم جدا ولا يترك من الجد المستطاع منه شيئا، ومنه قوله تعالى :(وجاهدوا فی الله حق جهاده)أی جهاد فيه حقا خالصا لوجهه، فعكس وأضيف الحق إلى الجهاد مبالغة .(فاستشرف) ، أی :طمع (لها) ، أی :للإمارة وتوقعها (الناس) أی حرصا بهم على تحصيل صفة الأمانة لا على الولاية من حيث هی (قال) ، أی: حذيفة (فبعث أبا عبيدة بن الجراح .متفق عليه)(مرقاة المفاتيح، ج۹ص ۳۹۶۰،باب مناقب العشرة رضی الله عنهم)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلْخَازِنُ الْمُسْلِمُ الْأَمِيْنُ، الَّذِىْ يُنْفِذُ وَرُبَّمَا قَالَ: يُعْطِىْ ،مَا أُمِرَ بِهٖ كَامِلًا مُوَفَّرًا طَيِّبًا بِهٖ نَفْسُهٗ، فَيَدْفَعُهٗ إِلَى الَّذِىْ أُمِرَ لَهٗ بِهٖ أَحَدُ الْمُتَصَدِّقِيْنِ (بخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان خزانچی جو امانت دار ہو اور جو اسے (امانت کے ساتھ) حکم دیا جائے ،وہ اسے نافذ کرے ،اور بعض دفعہ یہ بھی فرمایا کہ جس قدر اسے حکم دیا جائے پورا کرے ،اور یہ کام (بغیر کسی لالچ اور خیانت کے) خوش دلی کے ساتھ پورا کرے، اور جس کے لئے اسے حکم دیا گیا ہے اس کو (ٹھیک ٹھیک) دے دے ،تو وہ بھی صدقہ کرنے والوں میں سے ایک ہے (بخاری،مسند احمد)

اس حدیث سے سرکاری املاک کے نگران وافسران کے امین یعنی امانت دار ہونے کی فضیلت معلوم ہوئی کہ اگر وہ امانت ودیانت داری کے ساتھ خدمت کرے اور صاحبِ حق کو اس کا حق پہنچائے تو وہ اس خدمت کی وجہ سے صدقہ کرنے والے کا اجر وثواب پاتا ہے۔

اس میں وہ حکمران وافسران بھی داخل ہیں، جو ملکی ضرورت ومصلحت کے لئے رفاہی کاموں (راستوں ،کھیل وتفریح کے میدانوں وغیرہ) کے لئے یا متاثرین کے لئے امداد فراہم کرنے پر مامور ہوتے ہیں، کہ وہ اگر سرکاری خزانہ کا ٹھیک ٹھیک بغیر کسی خرد برد کے استعمال کریں گے ،اور اس میں کسی لالچ اور خیانت کا ارتکاب نہیں کریں گے ،تو وہ بہترین صدقہ بلکہ بہت سی صورتوں میں صدقۂ جاریہ کرنے والوں کے ثواب کے مستحق ہوں گے۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ۱۴۳۸ ،كتاب الزكاة،باب أجر الخادم إذا تصدق بأمر صاحبه غير مفسد، مسنداحمد، رقم الحديث ۱۹۶۶۷ .

فى حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط الشيخين.

[2] (وعن أبى موسى الأشعرى قال :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم :-الخازن المسلم الأمين الذى يعطى ما أمر به) أى من الصدقة ونحوها "كاملا "حال من المفعول أو صفة لمصدر محذوف "موفرا "بفتح الفاء المشددة أى تاما، فهو تأكيد، وبكسرها حال من الفاعل أى مكملا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسلمان حکمران کو مال وغیرہ کی تقسیم میں نبی کی اتباع کا حکم

حضرت سعد بن تمیم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قِيلَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، مَا لِلْخَلِيفَةِ بَعْدَكَ؟ قَالَ: مِثْلُ الَّذِي لِي مَا عَدَلَ فِي الْحُكْمِ، وَأَقْسَطَ فِي الْقَسَمِ، وَرَحِمَ ذَا الرَّحِمِ، فَمَنْ فَعَلَ غَيْرَ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنِّي، وَلَسْتُ مِنْهُ (حلية الاولياء) [1]

ترجمہ: عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ کے بعد خلیفہ (وحکمران) کے لئے کیا ذمہ داری ہوگی؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری طرح کی ذمہ داری ہوگی، وہ فیصلہ کرنے میں عدل وانصاف سے خارج نہ ہو، اور (مال وعہدہ) کی تقسیم میں انصاف سے کام لے، اور قابلِ رحم لوگوں پر رحم کرے، جو اس سے ہٹ کر عمل کرے گا، تو اس کا تعلق مجھ سے نہیں، اور میرا تعلق اس سے نہیں (ابونعیم)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عطاء ه "طيبة "أى راضية غير شحيحة "به "أى بالعطاء "نفسه فيدفعه "عطف على يعطى" إلى الذى أمر له به "فيه شروط أربعة :شرط الإذن لقوله ما أمر به، وعدم نقصان ما أمر به، لقوله كاملا موفرا، وطيب النفس بالتصدق إذ بعض الخزان والخدام لا يرضون بما أمروا به من التصدق، وإعطاء من أمر له به إلى مسكين آخر، فالخازن مبتدأ، وما بعده صفات له، وخبره "أحد المتصدقين "بصيغة التثنية أى المالك والخازن، وفى نسخة صحيحة بصيغة الجمع، وقد صح رواية الجمع أيضا كما فى رياض الصالحين، وقال العسقلانى -رحمه الله :-ضبط فى جميع روايات الصحيحين بفتح القاف على التثنية، قال القرطبى :ويجوز الكسر على الجمع أى هو متصدق من المتصدقين (متفق عليه)(مرقاة المفاتيح، ج۴ص۱۳۵۷، باب صدقة المرأة من مال الزوج)

[1] ج۵، ص۲۳۳، الاموال لابن زنجوية، رقم الحديث ۳۹،شعب الايمان، رقم الحديث ۷۱ ۶۹،المعجم الكبير للطبرانى، رقم الحديث ۵۴۶۱.

قال الهيثمى:رواه الطبرانى ورجاله ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۹۱۷۱، باب فيما للإمام من بيت المال)

اس سے معلوم ہوا کہ سرکاری املاک کے نگران وافسران پر امانت ودیانت اورعدل وانصاف میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع لازم ہے، ورنہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کے مستحق ہیں، اوراس میں وہ حکمران وافسران بھی داخل ہیں، جودوسرں کوکسی حکومتی وسرکاری عہدوں پر مقرر کرنے کے مجاز ہوتے ہیں کہ وہ اس سلسلہ میں کسی اہل کی حق تلفی نہ کریں، اور نااہل کو مقرر نہ کریں، اوراپنی جماعت وپارٹی کی بنیاد پر غیر منصفانہ اور بے جا حق تلفی کا ارتکاب نہ کریں کہ دوسری جماعت کے اہل لوگوں یا غریبوں کومحروم کردیں، اوراپنی جماعت کے افراد یا رشوت فراہم کرنے والوں کومنتخب ومقرر کریں۔

حکمران، عوام کے مقابلہ میں زائد کا استحقاق نہیں رکھتا

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

مَرَّتْ إِبِلُ الصَّدَقَةِ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فَأَهْوٰى بِيَدِهٖ إِلٰى وَبَرَةٍ مِنْ جَنْبِ بَعِيْرٍ فَقَالَ: مَا أَنَا بِأَحَقَّ بِهٰذِهِ الْوَبَرَةِ مِنْ رَجُلٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ (مسند احمد، رقم الحديث ٦٦٧) [1]

ترجمہ: ایک مرتبہ (بیتُ المال کے) صدقہ کے کچھ اونٹ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے گزر رہے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اونٹ کے پہلو سے اپنے ہاتھ سے اس کی اون پکڑی اور فرمایا کہ میں ایک عام مسلمان کی نسبت اس اون کا بھی کوئی زائد استحقاق نہیں رکھتا (مسند احمد)

اس سے معلوم ہوا کہ حکمران اورسرکاری حکمران، سرکاری املاک کے سلسلہ میں ایک ملک کے عام باشندہ کی طرح ہیں، انہیں اس میں ناحق وبے جا تصرف کرنا اوردوسروں کے مقابلہ میں اپنے آپ کوترجیح دینا جائز نہیں، جیسا کہ آج کل حکمران اورسرکاری افسران شاہ خرچیاں

[1] فی حاشیۃ مسند احمد: حسن بشواھدہ.

کرتے اور سرکاری اموال واشیاء (روپیہ پیسہ، بجلی، ٹیلی فون، گیس، اور دیگر چیزوں) میں مالِ مفت، دلِ بے رحم کا کردار ادا کرتے ہیں۔

وزیر اور گورنر کو گھر، سواری اور ملازم کا استحقاق

حضرت مستوردِ بن شداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: مَنْ وَلِيَ لَنَا عَمَلًا وَلَيْسَ لَهُ مَنْزِلٌ، فَلْيَتَّخِذْ مَنْزِلًا، أَوْ لَيْسَتْ لَهُ زَوْجَةٌ فَلْيَتَزَوَّجْ، أَوْ لَيْسَ لَهُ خَادِمٌ فَلْيَتَّخِذْ خَادِمًا، أَوْ لَيْسَتْ لَهُ دَابَّةٌ فَلْيَتَّخِذْ دَابَّةً، وَمَنْ أَصَابَ شَيْئًا سِوٰى ذٰلِكَ فَهُوَ غَالٌّ (مسند احمد، رقم الحديث ۱۸۰۱۵) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص ہماری طرف سے کسی علاقہ کا وزیر (و گورنر) نامزد ہو اور اس کے پاس (متعلقہ شہر میں) کوئی گھر نہ ہو تو وہ (سرکاری خرچ پر) گھر کا انتظام کرسکتا ہے، بیوی نہ ہو تو نکاح کرسکتا ہے، خادم (و ملازم) نہ ہو تو خادم (و ملازم) رکھ سکتا ہے، سواری نہ ہو تو سواری رکھ سکتا ہے، لیکن اس کے علاوہ جو کچھ لے گا، وہ اللہ کے یہاں خائن شمار ہوگا (مسند احمد)

اور ایک روایت میں خائن کے ساتھ چور ہونے کا بھی ذکر ہے۔ [2]

معلوم ہوا کہ حکمران کو ملکی خزانہ اور سرکاری املاک سے بقدرِ ضرورت تو اپنے اخراجات مہیا کرنا

---

[1] فی حاشية مسند احمد: حديث صحيح.

[2] عن عبد الرحمن بن جبير، أنه كان فی مجلس فيه المستورد بن شداد وعمرو بن غيلان بن سلمة فسمع المستورد يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "من ولی عملا فلم يكن له زوجة فليتزوج، أو خادما فليتخذ خادما، أو مسكنا، أو دابة، فليتخذ، دابة، فمن أصاب شيئا سوى ذلک، فهو غال، أو سارق (مسند احمد، رقم الحديث ۱۸۰۱۷)

فی حاشية مسند احمد: حديث صحيح.

جائز ہے، جس میں بقدرِ ضرورت سواری اور ملازم اور رہائش وغیرہ کا انتظام داخل ہے، لیکن اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ بقدرِ ضرورت اور بوقتِ ضرورت کے اصول پر عمل پیرا ہو، اور موجودہ دور کے عام حکمرانوں کی شاہی فضول خرچیوں اور اسراف سے بچے، ورنہ اس کا وبال بڑا سخت ہے۔ [1]

حضرت ابوبکر کی سرکاری امانت کی چیزوں میں وصیت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

لَمَّا احْتُضِرَ أَبُوْ بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: يَا عَائِشَةُ أُنْظُرِيْ اللِّقْحَةَ الَّتِيْ كُنَّا نَشْرَبُ مِنْ لَبَنِهَا، وَالْجِفْنَةَ الَّتِيْ كُنَّا نَصْطَبِحُ فِيْهَا، وَالْقَطِيْفَةَ الَّتِيْ كُنَّا نَلْبَسُهَا، فَإِنَّا كُنَّا نَنْتَفِعُ بِذٰلِكَ حِيْنَ كُنَّا فِيْ أَمْرِ الْمُسْلِمِيْنَ، فَإِذَا مِتُّ فَارْدُدِيْهِ إِلٰى عُمَرَ، فَلَمَّا مَاتَ أَبُوْ بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَرْسَلْتُ بِهٖ إِلٰى عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، فَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: رَضِيَ اللّٰهُ عَنْكَ يَا أَبَا بَكْرٍ لَقَدْ أَتْعَبْتَ مَنْ جَاءَ بَعْدَكَ (المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ۳۸، ج ۱ ص ۶۰) [2]

---

[1] قال الإمام: يجوز للوالى أن يأخذ من بيت المال قدر كفايته من النفقة، والكسوة لنفسه، ولمن يلزمه نفقته، ويتخذ لنفسه منه مسكنا، وخادما، روى عن المستورد بن شداد، عن رسول الله (صلى الله عليه وسلم) قال: (من كان لنا عاملا، فليكتسب زوجة، فإن لم يكن له خادم، فليكتسب خادما، فإن لم يكن له مسكن، فليكتسب مسكنا) وفى بعض الروايات: (من اتخذ غير ذلك، فهو غال أو سارق) قال أبو سليمان الخطابى رحمه الله: هذا يتأول على وجهين: أحدهما: إنما أباح له اكتساب الخادم، والمسكن من عمالته التى هى أجر مثله، وليس له أن يرتفق بشىء سواها، والوجه الآخر: أن للعامل السكنى والخدمة، فإن لم يكن له مسكن، وخادم، استؤجر له من يخدمه، فيكفيه مهنة مثله، ويكترى له مسكن يسكنه مدة مقامة فى عمله. وكان شريح يأخذ على القضاء أجرا. قال الشافعى: وينبغى أن يجعل مع رزق القاضى شيئا لقراطيسه، قال مسروق عن عبد الله بن مسعود: إنه كان يكره لقاضى المسلمين أن يأخذ على ذلك رزقا وعمالة. والله أعلم (شرح السنة للبغوى، ج ۱۰ ص ۸۶، باب رزق الولاة والقضاء)

[2] قال الهيثمى: رواه الطبرانى ورجاله ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۹۱۷۰، باب فيما للإمام من بيت المال)

ترجمہ: جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا، تو انہوں نے فرمایا کہ اے عائشہ! اس اونٹنی کا خیال رکھنا جس کا دودھ ہم پیتے تھے، اور اس برتن کا جس میں ہم کھاتے پیتے تھے، اور اس چادر کا جس کو ہم پہنتے تھے، کیونکہ ہم ان چیزوں سے اس وقت تک نفع اٹھاتے رہے، جب تک مسلمانوں کے (حکومتی) معاملات میں مشغول تھے، پس جب میں فوت ہوجاؤں، تو یہ حضرت عمر کو پہنچا دینا، پھر جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فوت ہوگئے، تو میں نے ان چیزوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے ابوبکر! آپ سے اللہ راضی ہو، آپ نے اپنے بعد آنے والوں (حکمرانوں) کو (اپنا نمونہ پیش کرکے) تعب میں ڈال دیا (طبرانی)

معلوم ہوا کہ سرکاری خزانہ کی ضرورت کی جو چیزیں، مثلاً گاڑی وغیرہ حکمران کے زیرِ استعمال ہوں، انہیں واپس کرنا ضروری ہے، ان میں خرد برد اور خیانت کرنا جائز نہیں، نیز جو سرکاری اشیاء اور سواری وغیرہ ہو، استعمال کے دوران بھی اس کی حفاظت و نگرانی ضروری ہے، بے دریغ استعمال کرنا جائز نہیں، جیسا کہ آج کل سرکاری گاڑیوں اور چیزوں کا بے دردی کے ساتھ استعمال معمول بن چکا ہے۔

سرکاری مال میں خیانت کردہ چیز کے ساتھ قیامت میں حاضری

اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ:

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَّغُلَّ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (سورة آلِ عمران، رقم الآية ۱۶۱)

ترجمہ: اور کسی نبی کو یہ لائق نہیں کہ وہ (قومی مال و دولت وغیرہ میں) خیانت کرے اور جو کوئی خیانت کرے گا، اس چیز کو قیامت کے دن اپنے ساتھ لائے گا

جو خیانت کی تھی پھر ہر جان کو اس کے کئے ہوئے عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، اور لوگوں پر ظلم نہیں کیا جائے گا (سورہ آلِ عمران)

حضرت عدی کندی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: یَا أَیُّہَا النَّاسُ، مَنْ عَمِلَ مِنْکُمْ لَنَا عَمَلًا فَکَتَمَنَا مِنْہُ مِخْیَطًا فَمَا فَوْقَہٗ، فَہُوَ غَالٌّ یَأْتِیْ بِہٖ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ

(صحیح ابن حبان) [۱]

ترجمہ: رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگو! جو تم میں سے ہمارے لئے حکومت کا کام کرے، پھر اُس (حکومتی وسرکاری مال) میں سے سوئی یا اُس سے زائد چیز ہم سے چُھپا لے، تو وہ خیانت کرنے والا ہے، جس کو وہ قیامت کے دن (سب مخلوق کے سامنے) لے کر حاضر ہوگا (ابن حبان)

سوئی کی کیا حقیقت ہے، جب سرکاری واجتماعی مال سے اتنی مقدار کی چیز کی خیانت اور خرد برد کرنے پر یہ وعید ہے کہ وہ اس چیز کو بروزِ قیامت ساری مخلوق کے رُوبرُو لے کر حاضر ہوگا، تو جو اس سے زیادہ مقدار کی چیز کی خیانت کرے، اس کا کیا حال ہوگا، اور قومی وسرکاری املاک و اموال یا خزانہ کی تھوڑی سی چیز میں خیانت کے سخت وبال کی وجہ یہ ہے کہ اس مال کے ساتھ چھوٹے بڑے، عورت مرد، امیر وغریب، شہری ودیہاتی، پڑھے لکھے اور ان پڑھ وغیرہ سب لوگوں کا حق وابستہ ہوتا ہے، جن سے معافی تلافی کی صورت بھی ممکن نہیں، جو لوگ سرکاری محکموں میں ملازم ہوتے ہیں، اور وہاں کی چیزوں مثلاً قلم، کاغذ، بجلی، گیس، فون، دیگر مشینری وغیرہ کا ناجائز استعمال کرتے ہیں، یا ان کی اضاعت کرتے ہیں، وہ بھی اس وعید میں داخل

---

[۱] رقم الحدیث ۵۰۷۸، کتاب القضاء، باب الرشوۃ، ذکر البیان بأن اسم الغلول قد یقع علی الرشوۃ وإن لم تکن من الفیء والغنیمۃ.

فی حاشیۃ ابن حبان: إسنادہ صحیح علی شرط الشیخین غیر صحابیہ عدی الکندی، فہو من رجال مسلم وحدہ.

ہیں، اور جو لوگ سرکاری اشیاء کے استعمال اور ان سے استفادہ کرنے کی اجرت و کرایہ حاصل کرنے پر مقرر و مامور ہوتے ہیں، اور وہ تھوڑے بہت پیسے لے کر اپنی جیب میں ڈال لیتے ہیں، اور ان سے مقررہ اجرت و کرایہ لے کر سرکاری خزانہ میں جمع نہیں کراتے، وہ بھی اس میں داخل ہیں، جیسا کہ ریل کے مسافروں کی نگرانی کرنے والے افسران، وغیرہ، یہ سب اللہ کے نزدیک بڑے مجرم ہیں، جن کا سب راز بروزِ قیامت فاش ہو جائے گا، اور سخت ذلت وعذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔ [1]

حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِسْتَعْمَلَ عَامِلًا، فَجَاءَ ہُ الْعَامِلُ حِیْنَ فَرَغَ مِنْ عَمَلِہٖ، فَقَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ، ہٰذَا لَکُمْ وَہٰذَا أُہْدِیَ لِیْ: فَقَالَ لَہٗ: أَفَلَا قَعَدْتَ فِیْ بَیْتِ أَبِیْکَ وَأُمِّکَ، فَنَظَرْتَ أَیُہْدٰی لَکَ أَمْ لَا؟ ثُمَّ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَشِیَّۃً بَعْدَ الصَّلَاۃِ، فَتَشَہَّدَ وَأَثْنٰی عَلَی اللّٰہِ بِمَا ہُوَ أَہْلُہٗ، ثُمَّ قَالَ: أَمَّا بَعْدُ، فَمَا بَالُ الْعَامِلِ نَسْتَعْمِلُہٗ، فَیَأْتِیْنَا فَیَقُوْلُ: ہٰذَا مِنْ عَمَلِکُمْ، وَہٰذَا أُہْدِیَ لِیْ، أَفَلَا قَعَدَ فِیْ بَیْتِ أَبِیْہِ وَأُمِّہٖ فَنَظَرَ: ہَلْ یُہْدٰی لَہٗ أَمْ لَا، فَوَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ، لَا یَغُلُّ أَحَدُکُمْ مِنْہَا شَیْئًا إِلَّا جَاءَ بِہٖ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ یَحْمِلُہٗ عَلٰی عُنُقِہٖ، إِنْ کَانَ بَعِیْرًا جَاءَ بِہٖ لَہٗ رُغَاءٌ، وَإِنْ کَانَتْ بَقَرَۃً جَاءَ بِہَا لَہَا خُوَارٌ، وَإِنْ کَانَتْ شَاۃً جَاءَ بِہَا تَیْعَرُ، فَقَدْ بَلَّغْتُ (بخاری) [2]

---

[1] (مخيطا) : بكسر فسكون ;أى إبرة (فما فوقه) : أى فى القلة، أو الكثرة إلى الصغر، أو الكبر .قال الطيبى :الفاء للتعقيب الذى يفيد الترقى ;أى فما فوق المخيط فى الحقارة نحو قوله تعالى :(إن الله لا يستحيى أن يضرب مثلا ما بعوضة فما فوقها)(فهو :أى العامل الكاتم (غال) : أى خائن (يأتى به) : أى بالمخيط فما فوقه، أو بما غل به (يوم القيامة) : أى على عنقه تفضيحا وتشهيرا له بين العباد على رء وس الأشهاد (مرقاة المفاتيح، ج٦ ص ٢٤٣٦، باب رزق الولاة وهداياهم)

[2] رقم الحديث ٦٦٣٦، كتاب الأيمان والنذور، باب :كيف كانت يمين النبى صلى الله عليه وسلم.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو عامل (یعنی زکاۃ وغیرہ کو حاصل کرنے کا وزیر) بنا کر بھیجا، وہ جب اپنے کام سے فارغ ہو چکا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ (مال) آپ (یعنی بیت المال) کا ہے اور یہ مجھے ہدیہ دیا گیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ تم اپنے باپ اور اپنی ماں کے گھر میں کیوں نہیں بیٹھے رہے پھر دیکھتے کہ تمہیں ہدیہ دیا جاتا ہے یا نہیں؟ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز کے بعد کھڑے ہوئے، تشہد پڑھا اور اللہ کی تعریف بیان کی جس کا وہ مستحق ہے (یعنی خطبہ پڑھا، جس میں حمد وثنا بیان کی) پھر فرمایا کہ امابعد! عامل (اور وزیر وحکمران) کا کیا حال ہے کہ ہم اسے عامل (اور وزیر) بنا کر بھیجتے ہیں، پھر وہ ہمارے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ آپ کا (اجتماعی یعنی سرکاری) مال ہے اور یہ ہمیں ہدیہ بھیجا گیا ہے، وہ اپنے ماں باپ کے گھر میں کیوں نہیں بیٹھتا پھر دیکھے کہ اسے ہدیہ بھیجا جاتا ہے یا نہیں؟ قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ تم میں سے جو شخص بھی کوئی چیز اس میں سے رکھ لے گا تو قیامت کے دن وہ اس چیز کو اپنی گردن پر اٹھا کر لے کر آئے گا، اگر وہ اونٹ ہے تو یہ شخص اس کو (اس حال میں) لائے گا کہ وہ بلبلاتا ہوگا، اور اگر وہ گائے ہے تو یہ شخص اس کو (اس حال میں) لائے گا کہ وہ بولتی ہوگی، اور بکری ہے تو یہ شخص اس کو (اس حال میں) لائے گا کہ وہ ممیاتی ہوگی، میں نے (تم لوگوں کو حق بات کی) تبلیغ کر دی ہے (بخاری)

اس سے معلوم ہوا کہ حاکم اور وزیر یا سرکاری افسر کو جو ہدیہ ملتا ہے، اگر وہ جائز کام پر، مگر سرکاری عہدہ کی بناء پر حاصل ہو، تو وہ بیت المال کے لئے ہے، اور سرکاری مال ہے، اور اگر کسی ناجائز کام کے کرنے یا قانون شکنی کرنے اور بے جا کسی کی طرفداری کرنے پر ملا تو وہ

رشوت ہے، جس کا لینا ویسے ہی جائز نہیں۔ [1]

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَصَابَ غَنِيْمَةً أَمَرَ بِلَالًا فَنَادٰى فِي النَّاسِ فَيَجِيْئُوْنَ بِغَنَائِمِهِمْ فَيَخْمُسُهُ وَيُقَسِّمُهُ، فَجَاءَ رَجُلٌ بَعْدَ ذٰلِكَ بِزِمَامٍ مِّنْ شَعَرٍ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هٰذَا فِيْمَا كُنَّا أَصَبْنَاهُ مِنَ الْغَنِيْمَةِ، فَقَالَ: أَسَمِعْتَ بِلَالًا يُنَادِيْ ثَلَاثًا؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَمَا مَنَعَكَ أَنْ تَجِيْءَ بِهٖ؟ فَاعْتَذَرَ إِلَيْهِ، فَقَالَ: كُنْ أَنْتَ تَجِيْءُ بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَلَنْ أَقْبَلَهُ عَنْكَ (ابوداؤد) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب مالِ غنیمت پہنچتا تو حضرت بلال کو حکم فرماتے اور وہ لوگوں میں اعلان کرتے تو سب لوگ اپنی اپنی غنیمت (یعنی ہر

---

[1] (أما بعد) أى بعد الحمد و الثناء (فما بال العامل) أراد به عبد الله بن اللتيبة بضم اللام وسكون المثناة وكسر الموحدة وياء النسب استعمله على عمل فجاء حين فرغ فقال :يا رسول الله هذا لكم وهذا أهدى لى فخطب موبخا له على تأويله الفاسد مبينا له بطلان رأيه الكاسد فقال (نستعمله) أى نوليه عاملا (فيأتينا) عند انتهاء عمله (فيقول هذا من عملكم) أهدى إلى لخاصة نفسى (أفلا قعد) فى رواية للبخارى فهلا جلس (فى بيت أبيه وأمه فنظر) بضم النون ولأبى ذر بفتحها (هل يهدى له) بالبناء للمفعول (أم لا فوا الذى نفس محمد بيده) أى بقدرته وتدبيره (لا يغل أحدكم) بغين معجمة مضمومة من الغلول وهى الخيانة فى الغنيمة (منها) أى الصدقة (شيئا إلا جاء به يوم القيامة) حال كونه (يحمله على عنقه) (ومن يغلل يأت بما غل يوم القيامة) (إن كان بعيرا جاء به) يومها (له رغاء) بضم الراء والتخفيف ومد له صوت (وإن كانت بقرة جاء بها لها خوار) بضم أوله المعجم صوت (وإن كانت شاة جاء بها تيعر) بمثناة فوقية مفتوحة فتحتية ساكنة فمهملة صوت شديد (فقد بلغت) بشد اللام أى بلغت حكم الله الذى أرسلت به فى هذا إليكم وبقية الحديث ثم رفع يديه حتى رأينا عفرتى إبطيه وفيه أن الإمام يخطب فى الأمر المهم واستعمال أما بعد فى الخطبة ومحاسبة المؤتمن ومنع العامل من قبول الهدية ممن له عليه حكم وإبطال كل طريق يتوصل به من يأخذ المال إلى محاباة المأخوذ منه والانفراد بالمأخوذ مع وجود الفاضل وأن من وجد متأولا خطأ يشهر خطأه ليحذر(فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ١٦٠٧)

[2] رقم الحديث ٢٧١٢ ،كتاب الجهاد،باب فى الغلول إذا كان يسيرا يتركه الإمام ولا يحرق رحله، مسند احمد، رقم الحديث ٦٩٩٦.

فى حاشية مسند احمد:إسناده صحيح.

ایک اپنا اجتماعی جمع کیا ہوا مال) لے کر آتے (اور آپ کے پاس جمع کرا دیتے) پھر آپ اس میں سے پانچواں حصہ الگ کر کے باقی کو (تمام حضرات میں منصفانہ طریقہ پر) تقسیم فرما دیتے، پس ایک شخص اس تقسیم کے بعد بالوں کی بنی ہوئی لگام لے کر آیا اور بولا کہ اے اللہ کے رسول! یہ مالِ غنیمت کا حصہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معلوم کیا کہ کیا تو نے بلال کو تین مرتبہ اعلان کرتے ہوئے سنا تھا؟ اس نے کہا کہ جی ہاں! آپ نے فرمایا کہ پھر کیا چیز اس کے لانے میں مانع تھی؟ اس نے کوئی عذر پیش کیا (مگر آپ نے اس کا عذر قبول نہیں فرمایا) اور آپ نے فرمایا کہ اسی طرح رہ اب تو اس کو قیامت کے دن لے کر آئے گا، اب تو میں تجھ سے اس کو ہرگز قبول نہ کروں گا (ابوداؤد، مسند احمد)

جو مال شرعی جہاد کے نتیجہ میں فتح یاب ہو کر ملتا ہے وہ مالِ غنیمت کہلاتا ہے، جو کہ سرکاری مال اور بیتُ المال کا حصہ ہوتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتماعی اور سرکاری مال کی اہمیت بتلانے کے لئے بطور تنبیہ کے اس سے وہ لگام لینے سے منع فرما دیا، کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ تاخیر کرنے کے بعد منصفانہ تقسیم مشکل ہے، اور اس دوران بعض مستحقین فوت بھی ہو سکتے ہیں، یا کہیں دور بھی جا سکتے ہیں، جن کو ان کا حق پہنچانا مشکل ہوتا ہے۔ [1]

---

[1] (وعن عبد الله بن عمرو) : بالواو رضى الله عنهما (قال : كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا أصاب غنيمة) أى :وأراد جمعها وتقسيمها (أمر بلالا :) أى :بالنداء (فنادى) أى :بلال (فى الناس) أى :فى محاضرهم (فيجيئون بغنائمهم) : الباء للتعدية أى :يحضرونها (فيخمسه) أى :ما يجيئون به، وهو بتشديد الميم وتخفف (ويقسمه) : بفتح و كسر السين، وفى نسخة بضمها وبتشديد السين .قال الطيبى :حكاية حال ماضية استحضارا لتلك الحالة، وهى امتثالهم لأمر رسول الله صلى الله عليه وسلم، يعنى حين أمرهم بإحضار الغنائم لم يمكثوا ولم يلبثوا ولما مكث الرجل وتخلف عنهم عاد إلى مقتضى الظاهر، وقال :(فجاء رجل يوما بعد ذلك) أى :بعد التخميس (بزمام) : بكسر الزاى أى :بخطام (من شعر) : بفتح العين ويسكن (فقال :يا رسول الله !هذا) أى :الزمام (فيما كنا أصبناه من الغنيمة) أى :فيها ومن جملتها (قال :أسمعت بلالا،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

سرکاری اموال واملاک میں ناحق تصرف پر جہنّم کی وعید

حضرت خولہ انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، یَقُوْلُ: إِنَّ رِجَالًا یَتَخَوَّضُوْنَ فِیْ مَالِ اللّٰهِ بِغَیْرِ حَقٍّ، فَلَهُمُ النَّارُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ (بخاری) [1]

ترجمہ: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو لوگ اللہ کے مال میں ناحق تصرف کرتے ہیں، تو اُن کے لیے قیامت کے دن آگ (یعنی جہنم) ہوگی (بخاری)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: إِنَّ هٰذَا الْمَالَ خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ، مَنْ أَصَابَهُ بِحَقِّهِ بُوْرِکَ لَهُ فِیْهِ، وَرُبَّ مُتَخَوِّضٍ فِیْمَا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

نادی ثلاثا "؟) أی :ثلاث مرات فی یوم، أو أیام (قال :نعم، قال " :فما منعک أن تجیء بها) أی: أولا (فاعتذر) أی :للتأخیر اعتذارا غیر مسموع (قال :کن أنت تجیء به یوم القیامة) : قال الطیبی :فیه أنواع من التأکید، وهی تأکید الضمیر المستتر، وبناء الخبر علیه سبیل التقوی وتخصیص الکینونة، قلت :وکذا تأکیده وتأییده بقوله :("فلن أقبله منک ") : قال :والأنسب أن یکون أنت مبتدأ، وتجیء خبره، والجملة خبر کان، وقدم الفاعل المعنوی للتخصیص أی :أنت تجیء به لا غیرک .قال الراغب رحمه الله :وقد تستعمل کان فی جنس الشیء متعلقا بوصف له هو موجود فیه، فبینه أن ذلک الوصف لازم له قلیل الانفکاک، ومنه قوله تعالی :(وکان الإنسان کفورا)قال المظهر :وإنما لم یقبل ذلک منه ;لأن جمیع الغانمین فیه شرکة، وقد تفرقوا، وتعذر إیصال نصیب کل واحد منهم إلیه فترکه فی یده لیکون إثمه علیه ;لأنه هو الغاصب، وقال الطیبی : هذا وارد علی سبیل التغلیظ لا أن توبته غیر مقبولة، ولا أن رد المظالم علی أصحابها، أو الاستحلال منهم غیر ممکن، وفیه أن رد المظلمة وحصول الاستحلال شرط فی صحة التوبة، وإذا کان کل منهما متعسرا، أو متعذرا، ویتوقف قبولها علی حصولهما، فهو وارد علی سبیل التحقیق والتأکید، لا علی التغلیظ والتهدید، فکلام المظهر أظهر فتدبر(مرقاة المفاتیح، ٦ص ٢٥٩١،باب قسمة الغنائم والغلول فیها)

[1] رقم الحدیث ٣١١٨،کتاب فرض الخمیس، باب قول الله تعالی، فأن لله خمسه وللرسول.

شَاءَتْ بِهٖ نَفْسُهٗ مِنْ مَالِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لَيْسَ لَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا النَّارُ

(سنن الترمذی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ مال سرسبز اور میٹھا ہے جس نے اسے حق اور حلال طریقے سے حاصل کیا اس کے لئے اس میں برکت دی گئی اور بہت سے لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کے مال سے نفسانی خواہشات پوری کرتے ہیں ان کے لئے قیامت کے دن آگ ہے (ترمذی، ابن حبان)

اللہ اور اُس کے رسول کے مال سے مراد قوم کا اجتماعی مال ہے، جس میں سرکاری وحکومتی ذرائع ووسائل سے حاصل شُدہ مال واسباب اور زکاۃ، صدقات، خراج اور مالِ غنیمت وغیرہ کی شکل میں حاصل شُدہ سب مال داخل ہیں۔

اس طرح کے مالوں کی نسبت، اللہ اور اُس کے رسول کی طرف ان مالوں کی اہمیت وعظمت کو بتلانے اور ظاہر کرنے کے لئے کی گئی ہے، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اس طرح کی املاک کے ساتھ ملک کے تمام افراد کا درجہ بدرجہ مشترک حق وابستہ ہوتا ہے، اور یہ حکمران سمیت کسی فردِ واحد کی ذاتی ملکیت نہیں ہوتا، جب تک کہ اس کے کسی حصہ پر جائز طریقہ پر ملکیت یا اُس میں کسی طرح کے تصرف کا جائز طریقہ پر استحقاق حاصل نہ ہو۔

اور اس طرح کے مال میں جس طرح حکمرانوں کو ناحق تصرف کرنا جائز نہیں، اسی طرح عوام کو بھی ناحق تصرف کرنا جائز نہیں، جیسا کہ آج کل سرکاری املاک کا بے دردی کے ساتھ استعمال کرنا وطیرہ بن چکا ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحدیث ۲۳۷۴، ابواب الزهد، باب ما جاء فی أخذ المال، ابنِ حبان، رقم الحديث ۴۵۱۲.
قال الترمذی: هذا حديث حسن صحيح، وابو الوليد اسمه: عبيد سنوطا.
وفی حاشية ابن حبان: إسناده صحيح، رجاله ثقات رجال الصحيح غير عُبيد سنوطا روى له الترمذی، وهو ثقة.

[2] (وعن خولة رضى الله عنها): بفتح فسكون (الأنصارية): قال المؤلف: هى خولة بنت ثامر الأنصارية حديثها عند أهل المدينة، روى عنها النعمان بن أبى عياش الزرقى، وقيل: هى خولة بنت

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

سرکاری املاک میں خیانت سے بری ہو کر مَرنے کی فضیلت

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنْ مَاتَ وَھُوَ بَرِیْءٌ مِنْ ثَلَاثٍ: اَلْکِبْرِ، وَالْغُلُوْلِ، وَالدَّیْنِ دَخَلَ الْجَنَّۃَ (سنن الترمذی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص تکبر، قرض اور غلول (یعنی اجتماعی مال وسرکاری املاک میں خیانت وخرد برد) سے بری ہو کر فوت ہوا وہ جنت

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

القیس من بنی مالک بن النجار، وثامر لقب قیس، والصحیح أنهما اثنتان (قالت :قال رسول الله: إن رجالا) : أی من العمال وغیرهم (یتخوضون) : قال الراغب :الخوض هو الشروع فی الماء، والمرور فیه، ویستعار فی الأمور، وأکثر ما ورد فیما یذم الشروع فیه نحو قوله تعالى :(ذرهم فی خوضهم یلعبون)اهـ .وفی التفعل مبالغة، والمعنى یشرعون ویدخلون ویتصرفون .(فی مال الله) : أی ما فی بیت المال من الزکاة والخراج والجزیة والغنیمة وغیرها، (بغیر حق) : أی بغیر إذن من الإمام، فیأخذون منه أکثر من أجرة عملهم وقدر استحقاقهم (فلهم النار یوم القیامة) : خبر (إن) وأدخل الفاء ;لأن اسمها نکرة موصوفة (مرقاة المفاتیح، ج۶ص ۲۴۳۳، کتاب الامارة والقضاء، باب رزق الولاة وهدایاهم)

(إن رجالا یتخوضون) بمعجمتین من الخوض المشی فی الماء وتحریکه ثم استعمل فی التصرف فی الشیء أی یتصرفون (فی مال الله) الذی جعله لمصالح المسلمین من نحو فیء وغنیمة (بغیر) قسمة بل بالباطل بلا تأویل صحیح واللفظ وإن کان أعم من أن یکون بقسمة أو غیرها لکن تخصیصه بالقسمة هو ما دلت علیه أخبار أخر (فلهم النار) أی نار جهنم (یوم القیامة خبر إن محذوف وأدخل الفاء لأن اسمها نکرة موصوفة بالفعل وفیه ردع للولاة أن یتصرفوا فی بیت المال بغیر حق قال الراغب :الخوض الشروع فی الماء والحدور فیه ویستعار فی الأمور وأکثر ما ورد فیما یذم شرعا بنحو (ذرهم فی خوضهم یلعبون) اهـ وقال الزمخشری :من المجاز خاضوا فی الحدیث وتخاوضوا فیه وهو یخوض مع الخائضین أی یبطل مع المبطلین (فیض القدیر للمناوی، تحت رقم الحدیث ۲۲۷۲، ج۲، ص ۴۵۰)

[1] رقم الحدیث ۱۵۷۲، ابواب السیر، باب ماجاء فی الغلولِ ؛مسند احمد، رقم الحدیث ۲۲۳۶۹.

قال الترمذی: وفی الباب عن ابی هریرة، وزید بن خالد الجهنی.

فی حاشیة مسند احمد: اسناده صحیح علی شرط مسلم.

میں داخل ہوگا (ترمذی، مسند احمد)

کیونکہ قرض ودین تو دوسرے فرد کا عام طور پر انفرادی حق ہوتا ہے، اور سرکاری مال لاکھوں کروڑوں افراد کا مشترک حق ہوتا ہے، کسی کا اس طرح کے حقوق العباد سے بَری ہوکر فوت ہونا باعثِ فضیلت اور جنت کے استحقاق کا باعث ہے۔ ؎۱

ایک عباء یا چادر کی خیانت کی وجہ سے جہنم اور اس کا عذاب

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ عَلٰى ثَقَلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ كِرْكِرَةُ، فَمَاتَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هُوَ فِي النَّارِ، فَذَهَبُوْا يَنْظُرُوْنَ إِلَيْهِ، فَوَجَدُوْا عَبَاءَةً قَدْ غَلَّهَا (بخاری) ؎۲

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے (سرکاری) مال پر کِرکِرہ نامی ایک شخص متعین تھا، جب اس کا انتقال ہوا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ جہنمی ہے پھر لوگ اس کی تفتیش کرنے لگے، تو انہوں نے اس کے سامان میں ایک عباء دیکھی جو اس نے خیانت کرکے مالِ غنیمت (قومی خزانہ) میں سے چھپا کر رکھ لی تھی (بخاری)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ: أُسْتُشْهِدَ مَوْلَاكَ فُلَانٌ، قَالَ: كَلَّا إِنِّيْ رَأَيْتُ

؎۱ (وعن ثوبان) : أى :مولى رسول الله -صلى الله عليه وسلم -(قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :من مات وهو برىء ") على وزن فعيل أى متبرء ومتخلص ("من الكبر ") : قيل: هو إبطال الحق بأن لا يقبله وأن يحقر الناس فلا يراهم شيئا ("والغلول ") بضم أوله فى النهاية: هى الخيانة فى المغنم والسرقة من الغنيمة قبل القسمة وسميت غلولا لأن الأيدى منها مغلولة أى: ممنوعة مجعول فيها غل ("والدين ") ضمه مع أقبح الجنايات وأشنع السيئات دليل على أنه منهما وهو دين لزمه بإختياره ولم ينو أداء ("دخل الجنة ") : أى مع الفائزين (مرقاة المفاتيح، ج۵ص ۱۹۶۲، باب الافلاس والانظار)

؎۲ رقم الحديث ۳۰۷۴، كتاب الجهاد والسير، باب القليل من الغلول.

عَلَيْهِ عَبَاءَ ةً، غَلَّهَا يَوْمَ كَذَا وَكَذَا (مسند احمد، رقم الحديث ١٢٥٢٨) ؎١

ترجمہ: صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ کا فلاں غلام شہید ہوگیا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہرگز نہیں، میں نے تو اس پر ایک عباء (وچادر) دیکھی تھی جو اس نے فلاں دن (مالِ غنیمت میں سے) خیانت کر کے حاصل کی تھی (مسند احمد)

اس طرح کی حدیث ایک اور سند سے بھی مروی ہے۔ ؎٢

عباء ایک مخصوص قمیص نما لباس کو کہا جاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اجتماعی وسرکاری مال میں سے ایک عباء یعنی مختصر سے کپڑے کی خیانت کرنے کی وجہ سے انسان جہنم کا مستحق اور شہادت کے عظیم فضائل سے محروم ہوجاتا ہے۔ ؎٣

؎١ فی حاشية مسند احمد:صحيح لغيره.

؎٢ عن بديل العقيلي، قال :أخبرني عبد الله بن شقيق، أنه أخبره من سمع النبي صلى الله عليه وسلم وهو بوادى القرى، وهو على فرسه، وسأله رجل من بلقين، فقال :يا رسول الله، من هؤلاء؟ قال " :هؤلاء المغضوب عليهم "، وأشار إلى اليهود "قال: فمن هؤلاء؟ قال " :هؤلاء الضالون "يعني النصارى، قال :وجاءه رجل، فقال: استشهد مولاك، أو قال :غلامك فلان، قال " :بل يجر إلى النار في عباءة غلها "(مسند احمد، رقم الحديث ٢٠٣٥١)

فی حاشية مسند احمد:إسناده صحيح.

؎٣ (عن عبد الله بن عمرو) ، بالواو (قال :كان) أي :في بعض المغازي (على ثقل النبي صلى الله عليه وسلم) أي :رحله ومتاعه وهو بفتح المثلثة والقاف المتاع المحمول على الدابة على ما في الفائق .وفي المغرب :يقال لكل خطير نفيس ثقل، وقال عياض :وتبعه النووي :هو المتاع ونحوه، وفي القاموس :الثقل كعنب ضد الخفة، والثقل محركة متاع المسافر والأثقال كنوز الأرض وموتاها، والذنوب والأحمال الثقيلة واحدة الكل ثقل بالكسر (رجل يقال له كركرة) ، بفتح الكافين وكسرهما، كذا في المغني، وجامع الأصول وقال النووي :هو بفتح الكاف الأولى وكسرها والثانية مكسورة فيهما .وقال ابن الملك :بكسرهما اسم ذلك الرجل كان يحمل أمتعة رسول الله صلى الله عليه وسلم وينقلها من منزل إلى منزل اهـ .وأكثر الأصول بفتح الكافين (فمات، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :هو في النار فذهبوا) : قال الطيبي :الفاء عاطفة على محذوف أي :سمعوا ذلك منه صلى الله عليه وسلم وحققوا أن سبب وروده النار هو الغلول

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ خَيْبَرَ، فَلَمْ نَغْنَمْ ذَهَبًا وَلَا فِضَّةً، إِلَّا الْأَمْوَالَ وَالثِّيَابَ وَالْمَتَاعَ، فَأَهْدٰى رَجُلٌ مِنْ بَنِي الضُّبَيْبِ، يُقَالُ لَهُ رِفَاعَةُ بْنُ زَيْدٍ، لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُلَامًا، يُقَالُ لَهُ مِدْعَمٌ، فَوَجَّهَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلٰى وَادِي الْقُرٰى، حَتّٰى إِذَا كَانَ بِوَادِي الْقُرٰى، بَيْنَمَا مِدْعَمٌ يَحُطُّ رَحْلًا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِذَا سَهْمٌ عَائِرٌ فَقَتَلَهُ، فَقَالَ النَّاسُ: هَنِيئًا لَهُ الْجَنَّةُ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَلَّا، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، إِنَّ الشَّمْلَةَ الَّتِي أَخَذَهَا يَوْمَ خَيْبَرَ مِنَ الْمَغَانِمِ، لَمْ تُصِبْهَا الْمَقَاسِمُ، لَتَشْتَعِلُ عَلَيْهِ نَارًا فَلَمَّا سَمِعَ ذٰلِكَ النَّاسُ جَاءَ رَجُلٌ بِشِرَاكٍ، أَوْ شِرَاكَيْنِ، إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: شِرَاكٌ مِّنْ نَّارٍ، أَوْ: شِرَاكَانِ مِنْ نَّارٍ (بخاری) [1]

ترجمہ: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیبر کے دن نکلے، ہمیں مالِ غنیمت میں سونا چاندی نہیں ملا بلکہ مال، کپڑے اور سامان وغیرہ ملے، پس بنی ضبیب قبیلہ کے ایک آدمی نے جسے رفاعہ بن زید کہا جاتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک غلام ہدیہ کیا، جس کو مدعم کہا جاتا تھا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی قریٰ کی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

مع كونه على ثقله فذهبوا (ينظرون) أى :يتأملون، أو يبصرون فى متاعه (فوجدوا عباءة) : بالمد مع فتح أوله كساء واسع مخطط .قال بعض الشراح :هى بفتح العين وبالياء المنقوطة من تحت بنقطتين بعد الألف والعباءة لغة فيها وقال الجوهرى :العباة والعباءة ضرب من الأكسية وفى باب الهمز من القاموس والعباء كساء معروف كالعباءة، وفى باب الياء ضرب من الأكسية كالعباءة (قد غلها) . أى :خانها من الغنيمة(مرقاة المفاتيح، ج٦ ص ٢٥٨٣، باب قسمة الغنائم والغلول فيها)

[1] رقم الحديث ٦٧٠٧، كتاب الأيمان والنذور، باب :هل يدخل فى الأيمان والنذور الأرض، والغنم، والزروع، والأمتعة، مسلم، رقم الحديث ١١٥ "١٨٣".

طرف سفر شروع کیا، یہاں تک کہ جب وہ وادی قریٰ میں تھے، اور مدعم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کجاوہ (یعنی سواری کی سیٹ کو) اُتار رہا تھا کہ اتنے میں ایک ایسا تیر جس کے مارنے والے کا پتہ نہ تھا اس طرف آیا اور اس نے اس غلام کو قتل کر دیا، لوگوں نے کہا کہ اس کو شہادت مبارک ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہرگز نہیں، اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے جو چادر اس نے خیبر کے دن مالِ غنیمت میں سے تقسیم ہونے سے پہلے لے لی تھی، وہ اس پر (قبر وآخرت میں) آگ کا شعلہ بنے گی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سن کر ایک آدمی ایک یا دو تسمہ لے کر آیا اور کہنے لگا کہ یہ چیز مجھے (اجتماعی اور سرکاری مال میں) ملی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (اگر تم نہ دیتے تو) یہ تسمے (بھی) آگ کے ہو جاتے (بخاری، مسلم)

مذکورہ احادیث سے اجتماعی وسرکاری اموال واملاک کی اہمیت معلوم ہوئی کہ ان میں خیانت اور خرد برد کرنے کی وجہ سے عذابِ جہنم کی وعید ہے، اور خیانت کی ہوئی چیز قبر وآخرت میں آگ بن کر عذاب کا باعث ہوگی۔

جو حکم سرکاری املاک کا ہے، وہی حکم اوقاف اور مساجد ودینی مدارس اور لوگوں کے مشترکہ تعاون وچندہ سے چلنے والے اداروں کے فنڈ اور ان کے اموال کا بھی ہے۔ [1]

---

[1] (كلا) : للردع أى :ليس الأمر كما تظنون ("والذى نفسى بيده إن الشملة ") : وهى كساء يشتمل به الرجل ("التى أخذها يوم خيبر من المغانم ") : وفى نسخة من الغنائم ("لم تصبها المقاسم ") : الضمير للشملة، أو للغنائم، والمعنى أخذها قبل قسمتها، أو قبل إدخالها فى القسمة .قال ابن الملك :الجملة حال من منصوب أخذها أى :غير مقسومة أى :أخذها قبل القسمة فكان غلولا ;لأنها كانت مشتركة بين الغانمين ولم يفد الرد شيئا ("لتشتعل عليه نارا ") أى :إن لم يعف الله ففيه رد لكلامهم المفهوم منه الجزم بأنه من أهل الجنة بغير سابقة عقوبة .وقال الطيبى، قوله :إن الشملة إلخ .جواب عن قولهم هنيئا له الجنة مشعر بأنهم قطعوا على أنه الآن فى الجنة يتنعم فيها، وأدخل كلا ليكون ردعا لحكمهم وإثباتا لما بعده، وينصره الرواية الأخرى :إنى رأيته فى النار، وقوله :نارا تمييز، وفيه مبالغة أى :الشملة اشتعلت وصارت بجملتها نارا .كقوله

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

لَمَّا كَانَ يَوْمُ خَيْبَرَ، أَقْبَلَ نَفَرٌ مِنْ صَحَابَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالُوا: فُلَانٌ شَهِيدٌ، فُلَانٌ شَهِيدٌ، حَتّٰى مَرُّوا عَلٰى رَجُلٍ، فَقَالُوا: فُلَانٌ شَهِيدٌ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَلَّا، إِنِّيْ رَأَيْتُهُ فِي النَّارِ فِيْ بُرْدَةٍ غَلَّهَا، أَوْ عَبَاءَةٍ، ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا ابْنَ الْخَطَّابِ، اِذْهَبْ فَنَادِ فِي النَّاسِ، أَنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا الْمُؤْمِنُونَ، قَالَ: فَخَرَجْتُ فَنَادَيْتُ: أَلَا إِنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا الْمُؤْمِنُونَ (مسلم) [1]

ترجمہ: غزوۂ خیبر میں چند صحابہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کرنے لگے کہ فلاں آدمی شہید ہے، فلاں آدمی شہید ہے، یہاں تک کہ ایک آدمی پر گزر ہوا تو اس کے متعلق بھی کہنے لگے کہ فلاں شہید ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہرگز نہیں، میں نے (سرکاری واجتماعی مال میں سے) چادر یا عباء کی چوری کرنے کی وجہ سے اس کو جہنم میں دیکھا ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

تعالى (واشتعل الرأس شيبا)(فلما سمع ذلک) أى :الوعيد الشديد (الناس) أى :الذين تهاونوا فى أمر خيانة المغنم، وظنوا أن محقراتها مما يتسامح فيها (جاء رجل بشراک) : بكسر أوله أحد سيور النعل التى تكون على وجهه، ذكره فى النهاية (أو بشراكين إلى النبى صلى الله عليه وسلم) : بالشک (قال :شراک من النار ") أى :إن لم يرد، أو باعتبار ما كان (" أو شراكان من نار ") أى: يعذب بهما حال كونهما مجعولين من النار، أو بمقدارهما منها، وفيه تهديد عظيم ووعيد جسيم فى حق من يأكل من المال الذى يتعلق به حق جمع من المسلمين كمال الأوقاف وكمال بيت المال، فإن التوبة مع الاستحلال، أو رد حقوق العامة متعذر، أو متعسر .قال النووى :فيه تنبيه على المعاقبة بهما إما بنفسهما أى :يغلى بهما وهما من نار، أو هما سببان لعذاب النار، وفيه غلظ تحريم الغلول، وأنه لا فرق بين قليله وكثيره فى التحريم حتى الشراک، وأن الغلول يمنع من إطلاق اسم الشهادة على من غل (مرقاة المفاتيح، ج٦ص ٢٥٨٢، ٢٥٨٣، باب قسمة الغنائم والغلول فيها)

[1] رقم الحديث ١١٤ "١٨٢" كتاب الايمان،باب غلظ تحريم الغلول، وأنه لا يدخل الجنة إلا المؤمنون.

وسلم نے فرمایا کہ اے ابنِ خطاب! جاؤ اور لوگوں میں اعلان کردو کہ جنت میں صرف مومن ہی داخل ہوں گے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نکل کر لوگوں میں یہ آواز لگادی کہ جنت میں صرف مومن ہی داخل ہوں گے (مسلم)

اس حدیث سے سرکاری واجتماعی مال میں چوری، خیانت، خُرد برد اور بددیانتی، بے جا یا بے دریغ استعمال کی شدید مذمت وبُرائی معلوم ہوئی کہ ایسے لوگوں کے ایمان کا بھی خطرہ ہے۔ [1]

سرکاری املاک کی ادنیٰ خیانت بھی قیامت میں رسوائی کا باعث

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ حُنَيْنٍ، إِلٰى جَنْبِ بَعِيْرٍ مِنَ الْمَقَاسِمِ، ثُمَّ تَنَاوَلَ شَيْئًا مِنَ الْبَعِيْرِ، فَأَخَذَ مِنْهُ قَرَدَةً، يَعْنِيْ وَبَرَةً، فَجَعَلَ بَيْنَ إِصْبَعَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ هٰذَا مِنْ غَنَائِمِكُمْ، أَدُّوْا الْخَيْطَ، وَالْمِخْيَطَ، فَمَا فَوْقَ ذٰلِكَ، وَمَا دُوْنَ

---

[1] (وعن ابن عباس رضی الله عنهما قال :حدثنی عمر) : لیس رضی الله عنه فی الأصول (قال : لما كان يوم خيبر) : بالرفع وفی نسخة بالنصب (أقبل نفر من صحابة النبی صلی الله عليه وسلم) : بالفتح جمع صاحب ولم يجمع فاعل على فعالة إلا هذا ذكره ابن الأثير فی النهاية (فقالوا) أی: بعضهم (فلان) أی :ممن قتل ذلک اليوم (شهيد، وفلان شهيد) أی :وهكذا (حتى مروا على رجل، فقالوا :فلان) أی :الممرور عليه (شهيد .قال رسول الله صلی الله عليه وسلم " :كلا ") : ردع لما فهم من قولهم فلان شهيد أن روحه فی الجنة ("إنی رأيته فی النار فی بردة ") أی :لأجل قطعة ثوب مخطط (غلها ") أی :خانها من الغنيمة ("، أو عباءة ") : بفتح أولها ممدودا ويقصر كساء لبسها الأعراب وهی ذات خطوط أی:، أو فی عباءة غلها والشک لأحد من الرواة (ثم قال رسول الله صلی الله عليه وسلم " :يا ابن الخطاب !اذهب فناد فی الناس :أنه ") : بفتح الهمزة ويكسر والضمير للشأن ("لا يدخل الجنة ") أی :ابتداء ("إلا المؤمنون ") أی :الكاملون (ثلاثا) : متعلق بناد (وقال) أی :عمر (فخرجت فناديت :ألا إنه) : للتنبيه (لا يدخل الجنة إلا المؤمنون، ثلاثا). قال ابن الملک :المؤمن فی العرف من آمن بمحمد صلی الله عليه وسلم، وبما جاء به، ومن غل كأنه لم يصدقه لعدم جريه على موجب تصديقه، ولم يجعله النبی صلی الله عليه وسلم من المؤمنين زجرا لهم عن ذلک، أو يقال المراد بالمؤمنين المتقون من الذنوب، وبالدخول بلا عذاب (مرقاة المفاتيح، ج۶ ص ۲۶۰۳، ۲۶۰۴، باب قسمة الغنائم والغلول فيها)

ذٰلِکَ، فَإِنَّ الْغُلُوْلَ عَارٌ، عَلٰی أَهْلِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَشَنَارٌ وَنَارٌ (سنن ابن ماجه،رقم الحديث ۲۸۵۰،كتاب الجهاد، باب الغلول)

ترجمہ: حنین کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں مالِ غنیمت کے ایک اونٹ کے پاس نماز پڑھائی پھراس اونٹ میں سے کچھ لیا، پھراس میں سے ایک بال کولیا، پھراس کوآپ نے اپنی دوانگلیوں کے درمیان رکھا، پھرفرمایا کہ اے لوگو! یہ تمہارے غنائم (یعنی سرکاری ومشترکہ قومی مال) کا حصہ ہے ایک دھاگہ اورسوئی اوراس سے زیادہ یااس سے کم جوکچھ بھی ہوجمع کرواؤ، اس لئے کہ مالِ غنیمت میں خیانت کرنا خائن کے لئے قیامت کے دن عار، رُسوائی اور عذاب کا باعث ہوگا (ابنِ ماجہ)

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْخُذُ الْوَبَرَةَ مِنْ فَيْءِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ، فَيَقُوْلُ: مَا لِيْ مِنْ هٰذَا إِلَّا مِثْلَ مَا لِأَحَدِكُمْ إِلَّا الْخُمُسَ، وَهُوَ مَرْدُوْدٌ فِيْكُمْ، فَأَدُّوْا الْخَيْطَ وَالْمِخْيَطَ فَمَا فَوْقَهُمَا، وَإِيَّاكُمْ وَالْغُلُوْلَ، فَإِنَّهٗ عَارٌ وَشَنَارٌ عَلٰى صَاحِبِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (مسند احمد، رقم الحديث ۱۷۱۵۴) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مالِ غنیمت (یعنی قوم کے اجتماعی وسرکاری مال) میں سے ایک بال اٹھاتے اور فرماتے کہ اس میں میرا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا تم میں سے کسی کا ہے، سوائے خُمس (یعنی مالِ غنیمت کے پانچویں حصہ) کے (جو نبی کے لئے مختص ہے) اور وہ بھی تم پر (یعنی غریبوں پر) ہی لوٹا دیا جاتا ہے، لہٰذا تمہارے پاس (قوم کے اجتماعی وسرکاری مال میں سے) دھاگہ اور سوئی یا اس

---

[1] فی حاشية مسند احمد: حديث حسن لغيره.

سے بھی کم درجے کی چیز ہوتو وہ واپس کردو، اور تم اپنے آپ کو خیانت کرنے سے بچاؤ، کیونکہ وہ قیامت کے دن خیانت کرنے والے پر ندامت اور رُسوائی کا باعث ہوگی (مسند احمد)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ سرکاری اور اجتماعی اموال واملاک میں ادنیٰ درجہ کی خیانت وخرد برد بھی قیامت کے دن ذلت اور رُسوائی کا باعث ہوگی، یہاں تک کہ ایک سوئی اور دھاگہ کی ہی خیانت کیوں نہ ہو، اور خیانت کرنے والا خواہ حکمران اور وزیر ہو، یا کوئی نگراں اور افسر، یا عامی شخص، سب کے لئے یہ وعید ہے۔

اور سرکاری املاک میں وہ تمام ادارے داخل ہیں، جو حکومتی وسرکاری ملکیت یا اس کے خرچہ پر چلتے ہیں، جس میں بجلی، گیس وغیرہ کی چوری کرنا بھی داخل ہے۔ [1]

سرکاری املاک کے خائن سے قیامت کے دن نبی کی بیزاری

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَامَ فِيْنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَذَكَرَ الْغُلُوْلَ فَعَظَّمَهٗ وَعَظَّمَ أَمْرَهٗ، قَالَ: لَا أُلْفِيَنَّ أَحَدَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى رَقَبَتِهٖ شَاةٌ لَهَا ثُغَاءٌ، عَلٰى رَقَبَتِهٖ فَرَسٌ لَهٗ حَمْحَمَةٌ، يَقُوْلُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَغِثْنِيْ، فَأَقُوْلُ: لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا، قَدْ أَبْلَغْتُكَ، وَعَلٰى رَقَبَتِهٖ بَعِيْرٌ لَهٗ رُغَاءٌ، يَقُوْلُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَغِثْنِيْ، فَأَقُوْلُ: لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ أَبْلَغْتُكَ،

---

[1] (وعن عبادة بن الصامت رضى الله عنه :أن النبى صلى الله عليه وسلم كان يقول " :أدوا الخياط ") بكسر الخاء أى :الخيط، أو جمعه ("والمخيط ") : بكسر الميم وسكون الخاء هو الإبرة ("وإياكم والغلول ") : بالضم أى :اتقوا الخيانة فى المغنم، أو مطلقا ("فإنه ") أى :الغلول (عار على أهله ") أى :عيب فى الدنيا وفضيحة وتشويه على رء وس الأشهاد فى العقبى ("يوم القيامة ") : كما سبق فى حديث أبى هريرة من قوله " :على رقبته بعير له رغاء "الحديث .(رواه الدارمى) أى :عن عبادة(مرقاة المفاتيح، ج٦ ص ۲۵۹۵، باب قسمة الغنائم والغلول فيها)

www.idaraghufran.org

وَعَلٰى رَقَبَتِهٖ صَامِتٌ، فَيَقُوْلُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَغِثْنِيْ، فَأَقُوْلُ لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ أَبْلَغْتُكَ، أَوْ عَلٰى رَقَبَتِهٖ رِقَاعٌ تَخْفِقُ، فَيَقُوْلُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَغِثْنِيْ، فَأَقُوْلُ: لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا، قَدْ أَبْلَغْتُكَ (بخاری) [1]

ترجمہ: ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم میں کھڑے ہو کر مالِ غنیمت میں خیانت کرنے کا تذکرہ کر کے اس کو بڑا بھاری گناہ ظاہر کر کے اور خیانت کا بڑا جرم ہونا بتا کر فرمایا کہ مجھے قیامت کے دن تم میں سے کسی کو اس حالت میں دیکھنا پسند نہیں کہ اس کی گردن پر بولتی ہوئی بکری سوار ہو اور اس کی گردن پر گھوڑا بیٹھا ہوا ہنہنا رہا ہو اور وہ کہے کہ اے اللہ کے رسول! میری مدد فرمایئے، تو میں کہہ دونگا کہ تیرے لیے مجھے کوئی اختیار نہیں ہے، میں نے (اس سلسلہ میں) تجھے حکمِ الٰہی پہنچا دیا تھا اور اس کی گردن پر لدا ہوا اونٹ بلبلا رہا ہو وہ کہے کہ اے اللہ کے رسول! میری مدد فرمایئے، تو میں کہہ دوں گا کہ میرے قبضہ میں تیرے لیے کوئی اختیار نہیں ہے اور میں نے تجھے (اس سلسلہ میں) حکمِ الٰہی پہنچا دیا تھا، اس کی گردن پر خاموش مال (یعنی سونا، چاندی، روپیہ پیسہ وغیرہ) ہو، اور وہ مجھے کہے کہ اے اللہ کے رسول! میری مدد فرمایئے، تو میں کہہ دوں گا کہ میرے اختیار میں تیرے لیے کچھ نہیں ہے، میں نے تجھے (اس سلسلہ میں) حکمِ الٰہی پہنچا دیا تھا، یا اس کی گردن پر کپڑے حرکت کر رہے ہوں اور وہ کہے کہ اے اللہ کے رسول! میری مدد فرمایئے، تو میں کہہ دوں گا کہ میرے اختیار میں تیرے لیے کچھ نہیں ہے، میں نے تو تجھے (اس سلسلہ میں) حکمِ الٰہی پہنچا دیا تھا (بخاری، مسلم)

اس سے معلوم ہوا کہ سرکاری املاک اور اجتماعی مال میں جس قسم کی بھی خیانت کی ہوگی، خواہ نقدی کی شکل میں اور خواہ سامان اور جانور وسواری کی شکل میں، وہ قیامت کے دن اس

[1] رقم الحدیث ۳۰۷۳، کتاب الجهاد والسير، باب الغلول، مسلم، رقم الحدیث ۱۸۳۱ "۲۴"

Idara Ghufran

خیانت شُدہ مال کو گردن پر لاد کر لائے گا، جو آواز اور حرکت کرے گا، اور یہ شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فریاد رسی کرے گا، مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بیزاری ظاہر فرمادیں گے، اور یہ فرمادیں گے کہ میں تو اس سلسلہ میں تجھے حکمِ الٰہی پہنچا چکا تھا۔

لہٰذا آج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ حکمِ الٰہی ہمارے سامنے ہے، اس لئے قیامت کا دن آنے سے پہلے اس پر عمل کر کے اپنی نجات کا سامان کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطاء فرمائے۔[1]

---

[1] (وعن أبى هريرة رضى الله عنه، قال :قام فينا رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات يوم) أى: يوما من الأيام .وذات مقحمة مانعة من كون اليوم بمعنى الوقت المطلق (فذكر الغلول) : بضم المعجمة .قال أبو عبيدة :هو الخيانة فى الغنيمة، وقال غيره :هو أعم ذكره النووى (فعظمه) أى: شأنه عطف على فذكر تفسيرا له (وعظم أمره) : عطف تفسير لما قبله أيضا، وأغرب الطيبى وقال : هو عطف على فعظمه على طريقة :أعجبنى زيد وكرمه أى :كرم زيد، وقوله تعالى :(يخادعون الله والذين آمنوا)وقوله فعظمه عطف على فذكر الغلول على هذا المنوال اهـ .وفيه ما لا يخفى (ثم قال: "لا ألفين ") : بضم الهمزة وكسر الفاء لا أجدن ("أحدكم ") : كقولهم :لا أرينك هاهنا نهى نفسه عن أن يجدهم على هذه الحالة، والمراد نهيهم عن ذلك وهو أبلغ وقوله :("يجىء يوم القيامة ") : حال من أحدكم وقوله :("على رقبته ") : من الضمير فى يجىء وقوله :("بعير ") : فاعل الظرف لاعتماده أى :هذه حالة فظيعة شنيعة لا ينبغى أن أراكم عليها لفضيحتكم على رء وس الأشهاد، ويدل على هذا التأويل حديث عبادة بن الصامت فى الفصل الثانى من قوله :فإنه عار على أهله يوم القيامة ("له ") أى :للبعير (رغاء) بضم الراء صوت الإبل يقال :رغا يرغو رغاء ذكره فى النهاية (يقول) أى :أحدكم ("يا رسول الله !أغثنى ") : أمر من الإغاثة والمراد منه الشفاعة (" فأقول :لا أملك ") أى :من الله ("لك ") أى :لأجلك ("شيئا ") أى :من الدفع والنفع، والمعنى لا أدفع عنك شيئا من عذاب الله ("قد أبلغتك ") أى :وثبتت عليك الحجة فيما بين المؤمنين :(وما على الرسول إلا البلاغ المبين)("لا ألفين أحدكم يجىء يوم القيامة على رقبته فرس له حمحمة ") : بالحاء ين المهملتين صوت الفرس دون الصهيل، ذكره فى النهاية .ويمكن أن يجرد ويراد به مطلق صوته، وسبق عن القاموس أن الفرس يذكر ويؤنث .(فيقول :يا رسول الله !أغثنى فأقول :لا أملك لك شيئا، قد أبلغتك، لا ألفين أحدكم يجىء يوم القيامة على رقبته شاة لها ثغاء ") : بضم المثلثة صوت الشاء ("يقول :يا رسول الله !أغثنى .فأقول :لا أملك لك شيئا قد أبلغتك .لا ألفين أحدكم يجىء يوم القيامة على رقبته نفس لها صياح ") : بكسر أوله .قال التوربشتى :يريد بالنفس المملوك الذى يكون قد غله من السبى وقيل :المقتول بغير حق ("فيقول :يا رسول الله !أغثنى .فأقول :لا أملك شيئا قد أبلغتك .لا ألفين أحدكم يجىء يوم القيامة على رقبته رقاع ") : بكسر الراء جمع رقعة .وهى قطعة من الثوب أى :ثياب يغلها من الغنيمة، أو يأخذها بغير حق، أو يلبسها بغير استحقاق كمرقعات الصوفية الجهلة.("تخفق ") :

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

سرکاری مال کے خائن کی نمازِ جنازہ میں شرکت سے انکار

حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَجُلًا مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ تُوُفِّيَ بِخَيْبَرَ، وَأَنَّهُ ذُكِرَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: صَلُّوْا عَلٰى صَاحِبِكُمْ ،قَالَ: فَتَغَيَّرَتْ وُجُوْهُ الْقَوْمِ لِذٰلِكَ، فَلَمَّا رَأَى الَّذِیْ بِهِمْ، قَالَ: إِنَّ صَاحِبَكُمْ غَلَّ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، فَفَتَّشْنَا مَتَاعَهُ ، فَوَجَدْنَا فِيْهِ خَرَزًا مِنْ خَرَزِ الْيَهُوْدِ مَا يُسَاوِیْ دِرْهَمَيْنِ (مسند احمد) [1]

ترجمہ: خیبر میں ایک مسلمان فوت ہوگیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کا ذکر کیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے ساتھی کی نمازِ جنازہ تم خود ہی پڑھ لو، یہ سُن کر لوگوں کے چہروں کا رنگ اُڑ گیا (کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اس طرح خود جنازہ میں شرکت سے انکار فرمانا اس شخص کے حق میں اچھی علامت نہ تھی) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی کیفیت بھانپ کر فرمایا کہ تمہارے اس ساتھی نے اللہ کی راہ میں نکل کر بھی (مالِ غنیمت اور اجتماعی و سرکاری مال میں) خیانت کی ہے، ہم نے اس کے سامان کی تلاشی لی تو ہمیں اس میں سے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بكسر الفاء أی :تضطرب وتتحرک اضطراب الراية ("فيقول :يا رسول الله !أغثنی .فأقول :لا أملک لک شيئا قد أبلغتک .لا ألفين أحدكم يجیء يوم القيامة على رقبته صامت ") : خلاف ناطق .أی :ذهب وفضة وما فی معناهما ("فيقول :يا رسول الله !أغثنی فأقول :لا أملک لک شيئا قد أبلغتک ."متفق عليه) أی :معنی (وهذا لفظ مسلم، وهو) أی :لفظ مسلم (أتم) أی :أتم تفصيلا من لفظ البخاری، ولذا اختير(مرقاة المفاتيح، ج٦ ص ٢٥٨١، ٢٥٨٢، باب قسمة الغنائم والغلول فيها)

[1] رقم الحديث ١٧٠٣١، المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ٥١٧٩، مسند البزار، رقم الحديث ٣٧٦٤.

فی حاشية مسند احمد: إسناده محتمل للتحسين.

ایک رسی ملی جس کی قیمت صرف دو درہم کے برابر تھی (مسند احمد، طبرانی، بزار)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو درہم کی رسّی کی خیانت کرنے پر نمازِ جنازہ میں شرکت سے انکار فرمادیا، جس سے معلوم ہوا کہ سرکاری املاک اور اجتماعی مال میں خیانت اور خرد برد، اللہ اور اس کے رسول کی سخت ناراضگی کی بات ہے، جس سے ہر مسلمان کو بچنے کی ضرورت ہے۔[1]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خیانت کرنے والے کے لئے دعاء نہ فرمانا

حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَى الْقَبَائِلَ يَدْعُوْ لَهُمْ وَتَرَكَ قَبِيْلَةً لَمْ يَأْتِهِمْ فَأَنْكَرُوْا ذٰلِكَ، فَفَتَّشُوْا مَتَاعَ صَاحِبٍ لَهُمْ فَوَجَدُوْا قِلَادَةً فِيْ بَرْدَعَةِ رَجُلٍ مِّنْهُمْ غَلَّهَا فَرَدُّوْهَا فَأَتَاهُمْ فَصَلّٰى عَلَيْهِمْ (المعجم الكبير للطبراني)[2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کچھ قبیلوں کے پاس ان کے لئے دعا کرنے گئے، لیکن ایک قبیلہ کو چھوڑ دیا، اُس کے پاس نہیں گئے، اس بات کو اُس قبیلہ کے لوگوں نے ناپسند کیا، پھر انہوں نے اپنے ساتھی کے سامان کی تلاشی لی، تو انہوں نے اپنے

---

[1] (وعن يزيد بن خالد رضى الله عنه) . لم يذكره المؤلف فى أسمائه، وهو فى النسخ بإثبات الياء فى الأول، وقد صرح فى المغنى بتحتية وزاى ولد خالد، وقيل :الصواب حذفها إذ ليس فى الصحابة يزيد بن خالد إنما فيها زيد بن خالد، ووقع فى المصابيح عن زيد بن خالد (أن رجلا من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم توفى يوم خيبر، فذكروا) أى :خبر موته لرسول الله صلى الله عليه وسلم فقال " :صلوا على صاحبكم ") : والمعنى أنا لا أصلى عليه (فتغيرت وجوه الناس لذلك) أى :لامتناعه من الصلاة عليه حيث لم يعرفوا سببه، (فقال " :إن صاحبكم غل فى سبيل الله "ففتشنا متاعه فوجدنا خرزا) : بفتحتين ما ينتظم من جوهر ولؤلؤ وغيرهما (من خرز يهود لا يساوى درهمين(مرقاة المفاتيح، ج٦ص ٢٥٩١، باب قسمة الغنائم والغلول فيها)

[2] رقم الحديث ١١٥١،ج٢٢ص١٩٥، الآحاد والمثانى لابنِ ابى عاصم، رقم الحديث ١٩٢٣. قال الهيثمى:رواه الطبرانى، ورجاله رجال الصحيح غير عبد الله بن المغيرة بن أبى بردة وهو ثقة (مجمع الزوائد، رقم الحديث ٩٧٤٧، باب ماجاء فى الغلول)

اُس ساتھی کی گٹھڑی میں ایک ہار پایا، جس کو اُس نے (مالِ غنیمت سے) خیانت کر کے لے لیا تھا، پھر اُن لوگوں نے یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لوٹا دیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے اور اُن کے لئے بھی دعاء فرمائی (طبرانی، ابن ابی عاصم)

اس سے معلوم ہوا کہ جس قبیلہ کے شخص نے مالِ غنیمت اور سرکاری واجتماعی مال سے چوری وخیانت کی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تلافی سے پہلے ان لوگوں کے لئے دعائے خیر کرنے کو بھی پسند نہیں فرمایا، جس سے سرکاری مال واملاک میں خیانت کے گناہ کی شدت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

خیانت کے مال سے صدقہ قبول نہیں کیا جاتا

حضرت مصعب بن سعد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ: دَخَلَ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ عُمَرَ عَلَی ابْنِ عَامِرٍ یَعُوْدُہٗ وَھُوَ مَرِیْضٌ فَقَالَ: أَلَا تَدْعُو اللّٰہَ لِیْ یَا ابْنَ عُمَرَ؟ قَالَ: إِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: لَا تُقْبَلُ صَلَاۃٌ بِغَیْرِ طُھُوْرٍ وَلَا صَدَقَۃٌ مِّنْ غُلُوْلٍ، وَکُنْتَ عَلَی الْبَصْرَۃِ (مسلم) [1]

ترجمہ: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ، ابنِ عامر (جو کہ بیمار تھے) ان کی عیادت کے لئے آئے، ابنِ عامر نے کہا کہ اے ابنِ عمر کیا تم اللہ سے میرے لئے دعا نہیں کرتے، حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ نماز بغیر طہارت کے قبول نہیں کی جاتی اور صدقہ اس مال سے قبول نہیں کیا جاتا، جو خیانت کر کے حاصل کیا جائے، اور تم

---

[1] رقم الحدیث ۲۲۴، کتاب الطھارۃ، باب وجوب الطھارۃ للصلاۃ.

Idara Ghufran

بصرہ کے حاکم ہو چکے ہو (اس لئے مجھے تم سے خیانت کا خوف ہے) (مسلم)

معلوم ہوا کہ سرکاری اموال واملاک سے ناجائز طریقہ پر حاصل کردہ چیز سے صدقہ بھی قبول نہیں کیا جاتا۔

خیانت کرنے والے کو جانتے ہوئے پردہ پوشی کا گناہ

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: مَنْ كَتَمَ غَالًّا فَإِنَّهُ مِثْلُهُ (سنن أبی داود) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جس نے غنیمت کا مال چرانے والے کی پردہ پوشی کی تو وہ بھی اس کے مثل ہے (یعنی وہ بھی اس کے گناہ میں شریک ہوگا) (ابوداؤد)

اس طرح کی حدیث ایک اور سند سے بھی مروی ہے۔ [2]

مطلب یہ ہے کہ جس شخص کو معلوم ہے کہ فلاں شخص نے سرکاری املاک واموال میں خرد برد وخیانت کی ہے، تو اس کو چھپانے والا بھی اس گناہ میں برابر کا شریک ہے، تا آنکہ اس سے ذمہ داروں کو مطلع نہ کر دے، مگر یہ حکم اس وقت ہے جبکہ مطلع کرنے پر قدرت ہو، اور کوئی بڑا فتنہ لازم نہ آتا ہو۔

---

[1] رقم الحدیث ۲۷۱۶، کتاب الجهاد، باب النهی عن الستر علی من غل.

[2] عن ربيعة الجرشی، أن النبی صلى الله عليه وسلم قال :من كتم غلولا، فهو مثله (المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۴۵۹۸، ج۵ص۶۵)

قال الهيثمی: رواه الطبرانی وفيه رجل لم يسم وابن لهيعة، وبقية رجاله ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۹۷۴۸، باب ماجاء فی الغلول)

Idara Ghufran

اجتماعی مال سے خیانت شدہ چیز کی خرید وفروخت کی ممانعت

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْمَغَانِمِ حَتّٰى تُقْسَمَ

(سنن النسائی، رقم الحدیث ۴۶۴۵،کتاب البیوع، باب بیع المغانم قبل أن تقسم)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالِ غنیمت کی تقسیم ہونے سے پہلے فروخت کرنے سے منع فرمایا (نسائی)

اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ شِرَاءِ الْمَغَانِمِ حَتّٰى تُقْسَمَ

(سنن الترمذی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالِ غنیمت کی تقسیم ہونے سے پہلے خریداری کرنے سے منع فرمایا (ترمذی)

اس طرح کی حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحدیث ۱۵۶۳، ابواب السیر،باب فی کراھیة بیع المغانم حتی تقسم.
قال الترمذی :وفی الباب عن أبی ھریرة :وھذا حدیث غریب.

[2] عن أبی أمامة ؛ أن رسول صلی اللہ علیہ وسلم نھی یوم خیبر أن تباع السھام حتی تقسم (مصنف ابن ابی شیبة، رقم الحدیث ۳۴۰۰۱،المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث ۷۵۹۴، سنن الدارمی، رقم الحدیث ۲۵۱۹)
قال الھیثمی: رواہ الطبرانی فی الکبیر، ورجالہ رجال الصحیح (مجمع الزوائد، تحت رقم الحدیث ۶۴۸۲، باب بیع المغانم قبل القسمة)
فی حاشیة سنن الدارمی: اسنادہٗ صحیح.
عن أبی سعید الخدری ، قال :نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن شراء المغانم حتی تقسم(مصنف ابن ابی شیبة، رقم الحدیث ۳۴۰۰۴)
عن أبی قلابة ؛ أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن بیع المغانم حتی تقسم(مصنف ابن ابی شیبة، رقم الحدیث ۳۴۰۰۵)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

Idara Ghufran

جب تک مالِ غنیمت بیتُ المال یا حکمران کی تحویل میں جمع ہوکر انصاف کے ساتھ کسی کو حاصل نہ ہو، اس وقت تک وہ سب کا مشترکہ مال ہے، اس لئے اس کی نہ فروختگی جائز ہے، اور نہ ہی خریداری، کیونکہ ابھی تک اس پر کسی کی جائز ملکیت قائم نہیں ہوئی۔ [1]

سرکاری مال استعمال کے بعد ردّی حالت میں واپس کرنا

حضرت رویفع انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كُنتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ افْتُتِحَ حُنَيْنًا، فَقَامَ فِيْنَا خَطِيْبًا فَقَالَ: لَا يَحِلُّ لِامْرِءٍ، يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يَّسْقِيَ مَاءَهُ زَرْعَ غَيْرِهٖ، وَلَا أَنْ يَّبْتَاعَ مَغْنَمًا حَتّٰى يُقْسَمَ، وَلَا أَنْ يَّلْبَسَ ثَوْبًا مِنْ فَيْءِ الْمُسْلِمِيْنَ حَتّٰى إِذَا أَخْلَقَهُ رَدَّهُ فِيْهِ، وَلَا يَرْكَبَ دَابَّةً مِنْ فَيْءِ الْمُسْلِمِيْنَ حَتّٰى إِذَا أَعْجَفَهَا رَدَّهَا فِيْهِ (مسند احمد، رقم الحديث ١٦٩٩٠) [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أبا هريرة يحدث معاوية ، قال :نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيع المغانم حتى تقسم .قال شعبة مرة أخرى :وتعلم ما هي(مصنف ابن ابى شيبة، رقم الحديث ٣٤٠١٠)

[1] قوله :(وشراء المغانم) مقتضى النهى عدم صحة بيعها قبل القسمة؛ لأنه لا ملك على ما هو الأظهر من قول الشافعي وغيره لأحد من الغانمين قبلها فيكون ذلك من أكل أموال الناس بالباطل(نيل الاوطار للشوكاني، ج٥ص١٧٧،١٧٨، باب النهى عن بيع الغرر)

(وعن أبي سعيد قال :نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن شراء المغانم) أي :عن بيعها (واشترائها حتى تقسم) : قال القاضي :المقتضى للنهي عدم الملك عند من يرى أن الملك يتوقف على القسمة، وعند من يرى القسمة قبل القسمة المقتضى له الجهل بعين المبيع وصفته إذا كان في المغنم أجناس مختلفة اهـ .وتبعه ابن الملك وغيره من علمائنا .قال المظهر :يعني :لو باع أحد من المجاهدين نصيبه من الغنيمة لا يجوز ;لأن نصيبه مجهول، ولأنه ملك ضعيف يسقط بالإعراض، والملك المستقر لا يسقط بالإعراض (مرقاة المفاتيح، ج٦، ص٢٥٩٢، كتاب الجهاد، باب قسمة الغنائم والغلول فيها)

[2] فى حاشية مسند احمد: صحيح بطرقه وشواهده.

ترجمہ: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، جب حنین فتح ہوا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے، اور فرمایا کہ اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھنے والے کسی شخص کے لئے حلال نہیں ہے کہ اپنے پانی (یعنی شرمگاہ کی منی) سے دوسرے کا کھیت (یعنی کسی دوسرے کی بیوی کو) سیراب کرنے لگے، اور نہ (ہی یہ حلال ہے کہ) تقسیم سے پہلے مالِ غنیمت کی خرید و فروخت کرے، اور نہ ہی مسلمانوں کے مالِ غنیمت میں سے کوئی ایسا کپڑا پہنے کہ جب پرانا ہوجائے تو (خراب حالت میں) واپس وہیں پہنچا دے، اور نہ ہی مسلمانوں کے مالِ غنیمت میں سے کسی سواری پر سوار ہو کہ جب وہ لاغر ہوجائے تو (کمزور حالت میں) واپس وہیں پہنچادے (مسند احمد)

اس سے معلوم ہوا کہ اجتماعی مال اور سرکاری املاک سے کوئی چیز استعمال کرکے اور اس کو خراب وردّی کرکے واپس لوٹانا جائز نہیں، پھر اگر ابتداء سے استعمال ہی کی اجازت نہیں تھی، تو بہرحال اس کا استعمال ہی گناہ تھا، خواہ ردی اور خراب نہ بھی ہو، اور خراب ہوجائے تو دہرا گناہ ہے، اور اگر استعمال کی اجازت ہو، جیسا کہ سرکاری سواری وگاڑی استعمال کے لئے دی گئی، تو اس کو خراب کرکے اور بے دریغ یا بے رحمی وبے دردی کے ساتھ ''مالِ مفت دلِ بے رحم'' کا مصداق بن کر، استعمال کرکے واپس کرنا جائز نہیں، سخت گناہ ہے۔ [1]

خلاصہ یہ کہ سرکاری املاک واموال کا معاملہ بڑا نازک ہے، جس میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔

---

[1] (وعن رويفع) : بضم الراء وكسر الفاء تصغير رافع (ابن ثابت) أى :الأنصارى (رضى الله عنه :أن النبى صلى الله عليه وسلم قال " :من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يركب دابة من فىء المسلمين ") أى :غنيمتهم المشتركة من غير ضرورة ("حتى إذا أعجفها ") أى :أضعفها (" ردها فيه ") أى :فى الفىء بمعنى المغنم، ومفهومه أن الركوب إذا لم يؤد إلى العجف، فلا بأس لكنه ليس بمراد بدليل قوله :("ومن كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يلبس ثوبا من فىء المسلمين "(أى :من غير ضرورة ملجئة ("حتى إذا أخلقه ") : بالقاف أى :أبلاه ("رده فيه ") سبق تحقيق المسألتين فى كلام ابن الهمام (مرقاة المفاتيح، تحت رقم الحديث ۴۰۱۹، ج۶، ص ۲۵۹۴، باب قسمة الغنائم والغلول فيها)

(فصل نمبر۱)

حکومت کی طرف سے عطایا وامداد

یہ بات احادیث میں وضاحت کے ساتھ گزر چکی ہے کہ تقسیم سے پہلے مالِ غنیمت میں سے ان مجاہدین اور فوجی حضرات کو بھی لینا جائز نہیں، جو اس کے زیادہ حق دار ہیں، اور تقسیم کرنے کا حق حاکم یا اس کے مجاز کو حاصل ہوتا ہے، اور یہ اسی وقت ہوتا ہے، جب تمام مال حکومت کی تحویل میں جمع کرادیا جائے، جس سے یہ مسئلہ معلوم ہوگیا کہ جو مال حکومت کی تحویل کی وجہ سے بیتُ المال کا حصہ ہو، اس سے عوام ورعایا کا حق وابستہ ہوتا ہے، لیکن جب تک وہ باقاعدہ حکومت کی طرف سے یا بالفاظِ دیگر قانونی طریقہ پر حاصل نہ ہو، اس وقت تک اس مال کو لینا یا اس میں تصرف کرنا جائز نہیں ہوتا، اور حکومت کی طرف سے جائز طریقہ پر یا قانونی طور پر حاصل شدہ مال کا لینا اور اس میں تصرف کرنا جائز ہوتا ہے۔

جہاں ایک طرف احادیث میں تقسیم سے پہلے اجتماعی مال میں خیانت کی وعیدیں ثابت ہیں، اسی کے ساتھ دوسری طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا رعایا کو سرکاری اور بیتُ المال سے عطیہ وصدقہ کرنا بھی ثابت ہے، جس کو حکومت کے عطایا وامداد کہا جاتا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

ثُمَّ قَالَ: مُرْ لِيْ مِنْ مَالِ اللّٰهِ الَّذِيْ عِنْدَكَ، فَالْتَفَتَ إِلَيْهِ فَضَحِكَ، ثُمَّ أَمَرَ لَهُ بِعَطَاءٍ (بخاری) [1]

ترجمہ: پھر اس دیہاتی نے (نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے) کہا کہ آپ مجھے اللہ کے اس مال میں سے جو آپ کے پاس ہے کچھ دلوا دیجئے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس

[1] رقم الحدیث ۳۱۴۹، کتاب فرض الخمس، باب ما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعطی المؤلفة قلوبهم وغیرهم من الخمس ونحوه.

کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور پھر اس کو کچھ دینے کا حکم دیا(بخاری)

سرکاری مال جو کہ حلال وجائز طریقہ سے حاصل شدہ ہو، وہ کسی شخص کی ذاتی ملکیت نہیں ہوتا، اس لئے اس کو اللہ کا مال کہا گیا، بہرحال اس سے معلوم ہوا کہ سرکاری مال وخزانہ میں سے رعایا کو حسبِ مصلحت دینا جائز ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِيْ: لَوْ قَدْ جَاءَ نَا مَالُ الْبَحْرَيْنِ قَدْ أَعْطَيْتُكَ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا، فَلَمَّا قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَاءَ مَالُ الْبَحْرَيْنِ، قَالَ أَبُوْ بَكْرٍ: مَنْ كَانَتْ لَهُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِدَةٌ فَلْيَأْتِنِيْ، فَأَتَيْتُهُ فَقُلْتُ: إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ كَانَ قَالَ لِيْ لَوْ قَدْ جَاءَ نَا مَالُ الْبَحْرَيْنِ لَأَعْطَيْتُكَ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا، فَقَالَ لِيْ: اُحْثُهُ، فَحَثَوْتُ حَثْيَةً فَقَالَ لِيْ: عُدَّهَا، فَعَدَدْتُهَا فَإِذَا هِيَ خَمْسُ مِائَةٍ، فَأَعْطَانِيْ أَلْفًا وَّخَمْسَ مِائَةٍ (بخاری) [۱]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا تھا کہ اگر میرے پاس بحرین کا مال آ گیا تو میں تم کو اتنا اور اتنا اور اتنا دوں گا، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال وانتقال ہوگیا، اور بحرین کا مال آ گیا، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کسی سے کوئی وعدہ کیا ہو تو وہ ہمارے پاس آئے، چنانچہ میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا تھا کہ اگر بحرین کا مال میرے پاس آ گیا تو میں تم کو اتنا اور اتنا اور اتنا دوں گا، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے

---

[۱] رقم الحديث ۳۱۶۴، كتاب الجزية، باب ما أقطع النبى صلى الله عليه وسلم من البحرين، وما وعد من مال البحرين والجزية، ولمن يقسم الفىء والجزية.

مجھے حکم دیا کہ تم لپ بھر کر لے لو، چنانچہ میں نے لپ بھر کر لے لیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا کہ ان کو گنو، تو میں نے انہیں گِنا، تو وہ پانچ سو (دینار) تھے، تو انہوں نے مجھے ڈیڑھ ہزار دینار عنایت فرمائے (بخاری)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حکمران کو نیک نیتی کے ساتھ حسبِ مصلحت ضرورت مند رعایا کو سرکاری مال میں سے دینا جائز ہے۔ [1]

البتہ شریعت نے خود سے کسی کے حکمران سے مانگنے اور سوال کرنے کو پسند نہیں کیا۔

چنانچہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ إِعْطَاءِ السُّلْطَانِ، قَالَ: مَا آتَاكَ اللّٰهُ مِنْهُ مِنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ وَلَا إِشْرَافٍ، فَخُذْهُ وَتَمَوَّلْهُ، قَالَ: وَقَالَ الْحَسَنُ، رَحِمَهُ اللّٰهُ: لَا بَأْسَ بِهَا مَا لَمْ تَرْحَلْ إِلَيْهَا، أَوْ تَشَرَّفْ لَهَا (مسند احمد، رقم الحديث ۲۱۶۹۹) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ بادشاہ (وحکمران) کے عطیہ (وہدیہ) کا کیا حکم ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بغیر مانگے اور بغیر خواہش کے اللہ نے جو تمہیں (اپنی طرف سے) عطاء کیا، اس کو آپ لے لیں، اور محفوظ رکھ لیں (راوی کہتے ہیں کہ) حضرت حسن رحمہ اللہ نے فرمایا کہ

---

[1] (من مال الله الذى عندک) أى من غير صنيع لک فى إعطائک، كما صرح فى رواية حيث قال :لا من مالک ولا من مال أبيک،قيل :المراد به مال الزكاة، فإنه كان يصرف بعضه إلى المؤلفة، (فالتفت إليه رسول الله -صلى الله عليه وسلم)أى فنظر إليه تعجبا (ثم ضحک)أى تلطفا (ثم أمر له بعطاء)وفيه استحباب احتمال الوالى من أذى قومه، وفيه دفع المال حفظا على عرض الرجال(مرقاة المفاتيح، ج۹ص ۳۷۱۱، كتاب الفضائل، باب فى أخلاقه وشمائله صلى الله عليه وسلم)

(ثم أمر له بعطاء) العطاء عبارة عما يجتمع من الأموال من فىء أو غنيمة وخراج وتركة من لا وارث له، والمراد هنا أمر له بشىء من ذلک(دليل الفالحين لطرق رياض الصالحين، ج۵ص۱۰۴، باب العفو)

[2] فى حاشية مسند احمد:صحيح لغيره.

www.idaraghufran.org

بادشاہ (وحکمران) کے عطیہ میں کوئی حرج نہیں، جبکہ وہ اس کو لینے کے لئے خود نہ جائے، اوراس کی خواہش نہ رکھے (مسند احمد)

مطلب یہ ہے کہ حکمران کی طرف سے جو مال بغیر مطالبہ اورسوال اور بغیر خواہش کے ملے، اُسے لینے میں حرج نہیں، لیکن حکمران سے سوال ومطالبہ کرنا یاسرکاری مال پرنظر رکھنا مناسب نہیں،اس کے بجائے بندہ کواللہ پرنظر رکھنی چاہئے۔ [1]

حکومت کی طرف سے کسی کو جوروپیہ، پیسہ ملتا ہے، وہ اگر سرکاری اور بیت المال یا حکومتی خزانہ سے ہو، اور کسی خدمت کے معاوضہ میں ہو تو اس کا لینا تو جائز ہے، اوراگر بطور تعاون اور ہدیہ کے ہو تو بعض حضرات نے اس کے لینے کو پسندیدہ قرار نہیں دیا، البتہ حکومت اگر عام مسلمانوں کی مصلحت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے دے، اور کسی کی بے جا طرفداری، حق تلفی، اور رشوت کے طور پر نہ ہو، تو اس کو ایسا کرنا جائز ہے، جیسا کہ آج کل بعض حادثات کے موقعوں پر بطور تعاون ومدد کے طور پر امداد دی جاتی ہے۔ [2]

---

[1] (ما أتاك الله من أموال السلطان من غير مسألة ولا إشراف) أى تطلع وتطلب يقال أشرفت الشىء علوته وأشرفت عليه اطلعت عليه من فوق (فكله وتموله) (وفى أموالهم حق للسائل والمحروم) قال ابن الأثير :أراد ما جاءك منه وأنت غير مطلع إليه ولا طامع فيه فاقبله قال النووى :اختلف فى عطية السلطان فحرمها قوم وأباحها آخرون والصحيح أنه إن غلب الحرام فيما بيده حرمت وإلا حلت إن لم يكن فى القابض مانع من استحقاق الأخذ(فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ۷۷۶۹)

[2] هدايا الإمام لغيره إن كانت من ماله الخاص فلا يختلف حكمه عن غيره من الأفراد، وينظر فى مصطلح :(هدية)

أما إن كانت من بيت المال، فإذا كان مقابلا لعمل عام فهو رزق، وإن كان عطاء شاملا للناس من بيت المال فهو عطاء ، وإن كانت الهدية بمبادرة من الإمام ميز بها فردا عن غيره فهى التى تسمى (جائزة السلطان) وقد اختلف فيها، فكرهها أحمد تورعا لما فى بعض موارد بيت المال من الشبهة، لكنه نص على أنها ليست بحرام على آخذها، لغلبة الحلال على موارد بيت المال، وكرهها ابن سيرين لعدم شمولها للرعية، وممن تنزه عن الأخذ منها حذيفة وأبو عبيدة ومعاذ وأبو هريرة وابن عمر .هذا من حيث أخذ الجوائز.

أما من حيث تصرف الإمام بالإعطاء فيجب أن يراعى فيه المصلحة العامة للمسلمين دون اتباع الهوى والتشهى، لأن تصرف الإمام فى الأموال العامة وغيرها من أمور المسلمين منوط بالمصلحة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۶ص ۲۳۱ ،مادة "امام"، هدايا الإمام لغيره)

عطائے جاگیر

شریعت میں عطائے جاگیر، یعنی رعایا میں سے کسی ضرورت مند و مستحق کو حسبِ مصلحت وضرورت جاگیر، زمین وجائیداد وغیرہ کے دینے کا بھی ثبوت ملتا ہے۔

حضرت وائل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْطَعَهُ أَرْضًا بِحَضْرَمُوْتَ (ابوداؤد) ؎١

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو حضرموت علاقہ کی زمین کا حصہ عطاء فرمایا (ابوداؤد، ترمذی)

اس طرح کی حدیث تھوڑے بہت الفاظ کے فرق کے ساتھ اور محدثین نے بھی بیان کی ہے۔ ؎٢

اس حدیث سے حکومت کی طرف سے جاگیر وزمین کے عطیہ کا ثبوت ہوا۔

حضرت اسماء بنتِ ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْطَعَ الزُّبَيْرَ أَرْضًا بِخَيْبَرَ فِيْهَا شَجَرٌ وَّنَخْلٌ (الاموال لابن زنجويه) ؎٣

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر کو خیبر میں زمین عطیہ فرمائی، جس میں درخت اور کھجوریں تھیں (ابن زنجویہ، ابوداؤد)

اس حدیث سے حکومت کی طرف سے زمین اور باغ کی جاگیر کے عطیہ کا ثبوت ہوا۔

؎١ رقم الحديث ٣٠٥٨، كتاب الخراج والامارة والفيئ، باب فى إقطاع الأرضين، ترمذى، رقم الحديث ١٣٨١، باب ما جاء فى القطائع.

قال الترمذى: هذا حديث صحيح.

؎٢ عن علقمة بن وائل، عن أبيه، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أقطعه أرضا، فبعث معه معاوية ليقطعها إياه(الاموال لابن زنجويه، رقم الحديث١٠١٨، باب الاقطاع)

؎٣ رقم الحديث ١٠١١، كتاب أحكام الأرضين وإقطاعها وإحيائها وحماها ومياهها، باب الاقطاع، واللفظ لهٗ، سنن أبى داود، رقم الحديث ٣٠٦٩.

Idara Ghufran

حضرت ابنِ سیرین رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

أَقْطَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا مِّنَ الْأَنْصَارِ يُقَالُ لَهُ سَلِيْطٌ ،وَكَانَ يُذْكَرُ مِنْ فَضْلِهٖ ،أَرْضًا،قَالَ:فَكَانَ يَخْرُجُ إِلٰى أَرْضِهٖ تِلْكَ، فَيُقِيْمُ بِهَا الْأَيَّامَ ثُمَّ يَرْجِعُ، فَيُقَالُ لَهُ:قَدْ نَزَلَ بَعْدَكَ مِنَ الْقُرْآنِ كَذَا وَكَذَا ،وَقَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ فِيْ كَذَا وَكَذَا ،قَالَ:فَانْطَلَقَ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ،فَقَالَ:يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، إِنَّ هٰذِهِ الْأَرْضَ الَّتِيْ أَقْطَعْتَنِيْهَا قَدْ شَغَلَتْنِيْ عَنْكَ، فَاقْبَلْهَا مِنِّيْ، فَلَا حَاجَةَ لِيْ فِيْ شَيْءٍ شَغَلَنِيْ عَنْكَ،قَالَ:فَقَبِلَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ الزُّبَيْرُ:يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، أَقْطِعْنِيْهَا ،قَالَ:فَأَقْطَعَهُ إِيَّاهَا (الاموال لابن زنجويه) ؎

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو جن کا نام سلیط تھا، اور ان کی فضیلت کا بڑا چرچا کیا جایا کرتا تھا، ایک زمین عطیہ فرمائی تھی، وہ اُس زمین کی طرف جاتے تھے، جس میں کچھ دن ٹھہرا کرتے تھے، پھر لوٹ کر آ جاتے تھے، پھر ان کو بتایا جاتا تھا کہ آپ کے بعد فلاں فلاں قرآن مجید کی آیات نازل ہوئیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح اور اس طرح فیصلہ کیا، تو وہ صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے، اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! وہ زمین جو آپ نے مجھے عطیہ فرمائی تھی، اُس نے مجھے آپ کی صحبت سے مشغول (ومحروم) کردیا ہے، تو آپ اس زمین کو میری طرف سے (واپس) قبول فرمالیجئے، مجھے ایسی زمین کی کوئی ضرورت نہیں، جو مجھے آپ سے محروم کرے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس زمین کی واپسی کو قبول فرمالیا، حضرت

؎ رقم الحديث ١٠٠٩، كتاب أحكام الأرضين وإقطاعها وإحيائها وحماها ومياهها، باب الاقطاع.

www.idaraghufran.org

زبیر نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ زمین مجھے عطیہ کردیجئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ زمین اُن کو عطیہ کردی (ابن زنجویہ)

اس واقعہ سے بھی عطائے جاگیر کا ثبوت ہوا، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص بیتُ المال یعنی سرکاری خزانہ میں دوبارہ اس زمین کو واپس وداخل کردے، تو اس کو واپس لینا جائز ہے۔

حضرت کثیر بن عبداللہ بن عمرو بن عوف، بواسطہ اپنے والد اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْطَعَ بِلَالَ بْنَ الْحَارِثِ الْمُزَنِيَّ مَعَادِنَ الْقَبَلِيَّةِ جَلْسِيَّهَا وَغَوْرِيَّهَا ،وَقَالَ غَيْرُهُ: جَلْسَهَا وَغَوْرَهَا ، وَحَيْثُ يَصْلُحُ الزَّرْعُ مِنْ قُدْسٍ، وَلَمْ يُعْطِهِ حَقَّ مُسْلِمٍ، وَكَتَبَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ هٰذَا مَا أَعْطَى مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ بِلَالَ بْنَ الْحَارِثِ الْمُزَنِيَّ، أَعْطَاهُ مَعَادِنَ الْقَبَلِيَّةِ جَلْسِيَّهَا وَغَوْرِيَّهَا وَقَالَ غَيْرُهُ: جَلْسَهَا وَغَوْرَهَا، وَحَيْثُ يَصْلُحُ الزَّرْعُ مِنْ قُدْسٍ وَلَمْ يُعْطِهِ حَقَّ مُسْلِمٍ (ابوداؤد) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال بن حارث مزنی کو قبلیہ کی کانیں جو بلندی پر تھیں اور جو پستی میں تھیں، دیدی تھیں اور وہ زمین بھی دیدی تھی، جو قدس میں قابلِ کاشت تھی، اور آپ نے کسی مسلمان کے حق میں سے (مارکر) کچھ نہیں دیا تھا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک تحریر لکھوادی تھی، جس کا مضمون یہ تھا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ وہ کاغذ ہے جس کی رو سے اللہ کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بلال بن حارث مزنی کو جاگیر کے طور پر قبلیہ کی کانوں کو جو بلندی پر

---

[1] رقم الحديث ٣٠٦٢، كتاب الخراج والامارة والفيئ، باب في إقطاع الأرضين، مسند احمد، رقم الحديث ٢٧٨٥.

في حاشية مسند احمد: حسن لغيره.

ہیں اور جو پستی میں ہیں اور قدس کی اس زمین کو جس میں کاشت ہو سکتی ہے، دیدی ہے، اور ان کو کسی مسلمان کا حق (مار کر) نہیں دیا (ابوداؤد)

اس طرح کی حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ ۱

اس سے معلوم ہوا کہ حکومت کی طرف سے قابلِ کاشت سرکاری زمین کا مصلحتاً کسی کو عطیہ کرنا جائز ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی زمین میں کوئی کان ہو، جس پر محنت کر کے اور اس کو کھود کر وہ شخص پتھر وغیرہ نکالے، تو بھی جائز ہے، جبکہ کسی فرد اور عوام کی حق تلفی لازم نہ آئے۔ ۲

حضرت ابیض بن حمال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّهُ وَفَدَ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَقْطَعَهُ الْمِلْحَ، فَقَطَعَ لَهُ، فَلَمَّا أَنْ وَلّٰى قَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْمَجْلِسِ: أَتَدْرِیْ مَا قَطَعْتَ لَهُ؟ إِنَّمَا قَطَعْتَ لَهُ الْمَاءَ الْعِدَّ، قَالَ: فَانْتَزَعَهُ مِنْهُ (سنن الترمذی) ۳

---

۱ عن عكرمة، مولى ابن عباس أنه قال :أعطى النبى صلى الله عليه وسلم بلال بن الحارث المزنى معادن القبلية جلسيها وغوريها، وحيث يصلح الزرع من قدس قال أبو أحمد :الجليس :ما ظهر وارتفع والغور ما انهبط وسفل (الاموال لابن زنجويه، رقم الحديث ۱۰۱۳، باب الاقطاع)

۲ (وعن ربيعة بن أبى عبد الرحمن عن غير واحد) أى عن كثيرين من علمائهم (أن رسول الله - صلى الله عليه وسلم -أقطع) أى خص (لبلال بن الحارث المزنى معادن القبلية) بفتح القاف والباء مجرورة بالإضافة، وهى منسوبة إلى (قبل) اسم موضع، قال النووى :المحفوظ عند أصحاب الحديث بفتح القاف والباء .اهـ، ولعل غير المحفوظ كسر القاف وسكون الموحدة، قال الطيبى : والإقطاع ما يجعله الإمام لبعض الأجناد والمرتزقة من قطعة أرض ليرتزق من ريعها، فى النهاية: الإقطاع يكون تمليكا، وغيره وفى حديث أبيض :أنه استقطعه الملح، أى سأله أن يجعل له إقطاعا يتملكه، ويستبد به، وينفرد .اهـ، قال ابن الملك :يعنى أعطاه ليعمل فيها ويخرج الذهب والفضة لنفسه، وهذا يدل على جواز إقطاع المعادن، ولعلها كانت باطنة، فإن الظاهرة لا يجوز إقطاعها (مرقاة المفاتيح، ج۴ص۱۲۹۵، كتاب الزكاة، باب ما يجب فيه الزكاة)

۳ رقم الحديث ۱۳۸۰، ابواب الاحكام، باب ما جاء فى القطائع.

قال الترمذى: فأقر به قتيبة وقال :نعم حدثنا ابن أبى عمر قال :حدثنا محمد بن يحيى بن قيس المأربى بهذا الإسناد نحوه المأرب ناحية من اليمن وفى الباب عن وائل، وأسماء بنت أبى بكر : حديث أبيض حديث غريب والعمل على هذا عند أهل العلم من أصحاب النبى صلى الله عليه وسلم وغيرهم فى القطائع يرون جائزا أن يقطع الإمام لمن رأى ذلك.

ترجمہ: وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ انہیں نمک کی کان جاگیر کے طور پر دے دی جائے آپ نے انہیں نمک کی کان عطا کردی جب وہ جانے کے لیے مڑے تو مجلس میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے ان صاحب کو کیا دیا ہے؟ آپ نے انہیں جاگیر میں تیار پانی دے دیا ہے جو کبھی موقوف نہیں ہوتا (یعنی اس سے بہت زیادہ نمک نکلتا ہے) راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کان ان سے واپس لے لی (ترمذی)

اس سے معلوم ہوا کہ کان وغیرہ کی جاگیر عطاء کرنا اس وقت جائز نہیں ہے، جبکہ وہ تیار شُدہ ہو، اور اس میں کوئی محنت وعمل کئے بغیر اس سے معادن وذخائر حاصل کئے جائیں، اس کی مزید تفصیل آگے آتی ہے۔ [1]

---

[1] (عن أبيض بن حمال) بفتح الحاء المهملة وتشديد الميم (المأربى) المنسوب إلى مأرب بفتح الميم وسكون الهمزة و كسر الراء وقيل :بفتحها موضع باليمن وإنما نسب إلى مأرب لنزوله فيه وكان اسمه أسود فسماه رسول الله -صلى الله عليه وسلم -أبيض، وقيل :مأرب من بلاد الأزد وقال المؤلف :مدينة باليمن من صنعاء (أنه وفد إلى رسول الله -صلى الله عليه وسلم -) هو قليل الحديث (فأستقطعه) أى :سأله أن يقطعه إياه (الملح) أى :معدن الملح (الذى بمأرب) موضع باليمن غير مصروف فأسعف إلى ملتمسه (فى قطعه) أى :بالملح (إياه) أى :لظنه -صلى الله عليه وسلم -أنه يخرج منه الملح بعمل وكد (فلما ولى) أى :أدبر (قال رجل) وهو الأقرع بن حابس التيميمى على ما ذكره الطيبى وقيل :إنه العباس بن مرداس (يا رسول الله إنما أقطعت له الماء العد) بكسر العين وتشديد الدال المهملتين أى الدائم الذى لا ينقطع والعد المهيأ (قال) أى :الرجل، قال ابن الملك :والظاهر أنه أبيض الراوى (فرجعه) أى :فرد الملح (منه) أى :من أبيض، أقول: الأظهر أن فاعل قال هو الرجل وإلا فكان حقه أن يقوله فرجعه منى والحاصل أنه لما تبين له أنه مثل الماء المهيأ رجع فيه، ومن ذلک علم أن إقطاع المعادن إنما يجوز إذا كانت باطنة لا ينال منها شىء إلا بتعب ومؤنة كالملح والنفط والفيروزج والكبريت ونحوها، وما كانت ظاهرة يحصل المقصود منها من غير كد وصنعة لا يجوز إقطاعها، بل الناس فيها شرع كالكلأ ومياه الأودية، وأن الحاكم إذا حكم ثم ظهر أن الحق فى خلافه ينقض حكمه ويرجع عنه (قال) أى :الراوى (وسأله) أى :الرجل النبى -صلى الله عليه وسلم -(ماذا يحمى) على بناء المفعول وإسناده إلى ما استكن فيه من الضمير العائد إلى (من الآراک) بيان لما هو القطعة من الأرض على ما فى القاموس ولعل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

غیرآبادزمینوں کوآبادکرنے پرعطائے جاگیر

حکومت کی جوزمینیں غیر آباد اور بنجر پڑی ہوں، انہیں آباد کرنا بڑی فضیلت کا باعث ہے، اور انہیں آباد کرنے کی شرط پر حکومت کا دوسروں کو مالکانہ طریقہ پر دینا بھی جائز ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنْ أَحْیَا أَرْضًا مَیْتَۃً لَہُ بِہَا أَجْرٌ، وَمَا أَکَلَتْ مِنْہُ الْعَافِیَۃُ فَلَہُ بِہِ أَجْرٌ (مسند احمد، رقم الحدیث ۱۴۳۶۱) [۲]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی مردہ (یعنی بنجر اور بے آباد) زمین کو زندہ (وآباد) کیا تو اس کو اس عمل سے اجر حاصل ہوتا ہے اور جو کوئی رزق کا طلبگار (انسان یا کسی بھی قسم کا جانور یا چرند پرند) اس (کھیتی باڑی اور اس کی جڑ، تنے، شاخ، پتے، پھل وپھول) سے کھاتا ہے تو اس میں اس (آباد وزندہ کرنے والے) شخص کو اجر (وثواب) حاصل ہوتا ہے (مسند احمد)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

المراد منه الأرض التی فیها الآراک، قال المظهر: المراد من الحمی هنا الإحیاء إذ الحمی المتعارف لا یجوز لأحد أن یخصه (قال) أی: النبی -صلی الله علیه وسلم- (ما لم تنله) بفتح النون أی لم تصله (أخفاف الإبل) ومعناه ما کان بمعزل من المراعی والعمارات وفیه دلیل علی أن لا إحیاء بقرب العمارة لاحتیاج البلد إلیه لمرعی مواشیهم وإلیه أشار بقوله ما لم تنله أخفاف الإبل أی لیکن الإحیاء فی موضع بعید لا تصل إلیه الإبل السارحة، وفی الفائق قیل: الأخفاف مسان الإبل، قال الأصمعی: الخف الجمل المسن والمعنی أن ما قرب من المرعی لا یحمی بل یترک لمسان الإبل وما فی معناها من الضعاف التی لا تقوی علی الإمعان فی طلب المرعی.

وقال الطیبی -رحمه الله- " :-وقیل: یحتمل أن یکون المراد به أنه لا یحمی ما یناله الأخفاف ولا شیء منها إلا ویناله الاخفاف (مرقاة المفاتیح، ج۵ ص ۲۰۰۰، کتاب البیوع، باب إحیاء الموات والشرب)

[۲] فی حاشیة مسند احمد: حدیث صحیح، وهذا إسناد حسن

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ أَحْيَا أَرْضًا مَيْتَةً ، فَلَهُ فِيهَا أَجْرٌ، وَمَا أَكَلَتِ الْعَافِيَةُ مِنْهَا، فَهُوَ لَهُ صَدَقَةٌ (مسند احمد، رقم الحديث ۱۴۵۰۰) ؎۱

ترجمہ: جس نے کسی مردہ (یعنی بنجر اور بے آباد) زمین کو زندہ (وآباد) کیا تو اس کو اس عمل سے اجر حاصل ہوتا ہے اور جو کوئی رزق کا طلبگار (انسان یا کسی بھی قسم کا جانور یا چرند پرند) اس (کھیتی باڑی اور اس کی جڑ، تنے، شاخ، پتے، پھل و پھول) سے کھاتا ہے تو اس میں اس شخص کو صدقہ کا اجر حاصل ہوتا ہے (مسند احمد)

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُوْلُ: مَا مِنِ امْرِءٍ يُحْيِيْ أَرْضًا، فَيَشْرَبُ مِنْهُ كَبِدٌ حَرَّى أَوْ يُصِيْبُ مِنْهُ عَافِيَةٌ، إِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ بِهِ أَجْرًا (المعجم الكبير للطبرانى، رقم الحديث ۹۴۹، ج۲۳ص۳۹۷) ؎۲

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا یہ ارشاد سنا کہ جس آدمی نے کسی (بنجر اور بے آباد) زمین کو زندہ وآباد کیا، پھر اس سے کسی جاندار (آدمی یا جانور) نے پیا، یا رزق کے طلبگار (انسان یا کسی بھی قسم کے جانور یا چرند پرند) نے اس سے کچھ حاصل کیا (خواہ رزق کی شکل میں ہو، یا کسی اور شکل میں) تو اللہ تعالیٰ اُس آباد کرنے والے کے لئے اس کا اجر لکھ دیتے ہیں (طبرانی)

ان احادیث سے بے آباد اور بنجر زمین کو آباد و زندہ کرنے کی فضیلت معلوم ہوئی۔

؎۱ فی حاشية مسند احمد: حديث صحيح، وهذا إسناد حسن.

؎۲ قال الهيثمی: رواه الطبرانی فی الأوسط، وفيه موسى بن يعقوب الزمعی وثقه ابن معين وابن حبان، وضعفه ابن المدينی، وتفرد عن قريبة شيخته (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۶۷۸۲، باب إحياء الموات)

www.idaraghufran.org

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ أَعْمَرَ أَرْضًا لَيْسَتْ لِأَحَدٍ فَهُوَ أَحَقُّ، قَالَ عُرْوَةُ: قَضٰى بِهٖ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِيْ خِلَافَتِهٖ

(بخاری، رقم الحدیث ۲۳۳۵، کتاب المزارعة، باب من أحیا أرضا مواتا)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی زمین کو آباد کیا، جو کسی کی ذاتی ملکیت نہیں تھی، تو وہ اس زمین کا زیادہ حق دار ہے۔

حضرت عروہ (اس روایت کے راوی) کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں اسی کے مطابق فیصلہ فرمایا (بخاری)

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ أَحْيَا أَرْضًا مَيْتَةً فَهِيَ لَهٗ وَلَيْسَ لِعِرْقٍ ظَالِمٍ حَقٌّ (سنن الترمذی) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی مُردہ (بنجر وبے آباد) زمین کو زندہ (وآباد) کیا، تو وہ زمین اسی کی ہو جائے گی، اور کسی کی (مملوکہ) زمین پر ظالمانہ کاشت کرنے والے کو کوئی حق نہیں (ترمذی)

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ کسی کی مملوکہ بنجر زمین کو اگر کوئی آباد و کاشت کرے، تو اس کی وجہ سے وہ اس زمین کا مالک نہیں بنتا۔

اس قسم کی اور بھی احادیث مروی ہیں۔ [2]

---

[1] رقم الحدیث ۱۳۷۸، ابواب الاحکام، باب ما ذکر فی إحیاء أرض الموات.

[2] عن جابر بن عبد الله، عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: من أحیا أرضا میتة فهی له: هذا حدیث حسن صحیح (ترمذی، رقم الحدیث ۱۳۷۹، باب ما ذکر فی إحیاء أرض الموات)

عن سمرة، عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: من أحاط حائطا علی أرض فهی له (ابو داؤد، رقم الحدیث ۳۰۷۷، باب فی إحیاء الموات، واللفظ لهٗ؛ مسند احمد، رقم الحدیث ۲۰۱۳۰)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ملحوظ رہے کہ جب کسی بے آباد و بنجر زمین پر کوئی تعمیر کرلی جائے، یا اس میں کھیتی باڑی شروع کردی جائے، یا اس میں پانی کا انتظام کرلیا جائے، تو ان سب طریقوں سے اس زمین کو آباد کرنا متحقق وثابت ہو جاتا ہے۔ ؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فی حاشیة مسند احمد: حسن لغيره.

عن فضالة بن عبيد قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :الأرض أرض الله، والعباد عباد الله، من أحيا مواتا فهى له(المعجم الكبير للطبرانى، رقم الحديث ٨٢٣)

قال الهيثمى: رواه الطبرانى فى الكبير، ورجاله رجال الصحيح (مجمع الزوائد،ت تحت رقم الحديث ٦٧٨٣، باب إحياء الموات)

؎ يكاد يتفق الحنفية والمالكية فيما يكون به الإحياء ، فقد نص الحنفية على أن الإحياء يكون بالبناء على الأرض الموات، أو الغرس فيها، أو كريها (حرثها) ، أو سقيها.ونص مالک على أن إحياء الأرض أن يحفر فيها بئرا أو يجرى عينا أو يغرس شجرا أو يبنى أو يحرث ما فعل من ذلک فهو إحياء .وقاله ابن القاسم وأشهب .وقال عياض :اتفق على أحد سبعة أمور :تفجير الماء ، وإخراجه عن غامرها به، والبناء والغرس والحرث، ومثله تحريک الأرض بالحفر، وقطع شجرها، وسابعها كسر حجرها وتسوية حفرها وتعديل أرضها.

أما الشافعية فقد نصوا على أن ما يكون به الإحياء يختلف بحسب المقصود منه، فإن أراد مسكنا اشترط لحصوله تحويط البقعة بآجر أو لبن أو محض الطين أو ألواح الخشب والقصب بحسب العادة، وسقف بعضها لتتهيأ للسكنى، ونصب باب لأنه المعتاد فى ذلک .وقيل لا يشترط؛ لأن السكنى تتحقق بدونه .وإن كان المقصود زريبة للدواب فيشترط التحويط، ولا يكفى نصب سعف أو أحجار من غير بناء ، ولا يشترط السقف؛ لأن العادة فى الزريبة عدمه، والخلاف فى الباب كالخلاف فيه بالنسبة للمسكن .والإحياء فى المزرعة يكون بجمع التراب حولها، لينفصل المحيا عن غيره .وفى معنى التراب قصب وحجر وشوک، ولا حاجة إلى تحويط وتسوية الأرض بطم المنخفض وكسح المستعلى .فإن لم يتيسر ذلک إلا بما يساق إليها فلا بد منه لتتهيأ للزراعة .ولا تشترط الزراعة بالفعل على أحد قولين؛ لأنها استيفاء منفعة، وهو خارج عن الإحياء .والقول الثانى :لا بد منها؛ لأن الدار لا تصير محياة إلا إذا حصل فيها عين مال المحيى، فكذا الأرض.

وللحنابلة فيما يكون به الإحياء روايتان، إحداهما، وهى ظاهر كلام الخرقى ورواية عن القاضى : أن تحويط الأرض إحياء لها سواء أرادها للبناء أو الزرع أو حظيرة للغنم أو الخشب أو غير ذلک ونص عليه أحمد فى رواية على بن سعيد، فقال :الإحياء أن يحوط عليها حائطا، أو يحفر فيها بئرا أو نهرا .ولا يعتبر فى ذلک تسقيف، وذلک لما روى الحسن عن سمرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم :قال من أحاط حائطا على أرض فهى له .رواه أبو داود والإمام أحمد فى مسنده، ويروى عن جابر عن النبى صلى الله عليه وسلم مثله؛ ولأن الحائط حاجز منيع، فكان إحياء ، أشبه ما لو جعلها حظيرة للغنم .ويبين من هذا أن القصد لا اعتبار له. ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

عطائے جاگیروامداد سے متعلق اہم احکام

احادیث وروایات کے بعد اب عطائے جاگیراور حکومتی امداد اور سرکاری خزائن واموال سے متعلق چند پہلوؤں کی وضاحت کی جاتی ہے۔

(۱)......حکومت کی طرف سے جب کوئی زمین عوام ورعایا میں سے کسی کو دی جائے، تو اس کو عطائے جاگیر کہا جاتا ہے، اور عطائے جاگیر کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ ولا بد أن يكون الحائط منيعا يمنع ما وراء ه، ويكون مما جرت به العادة بمثله .ويختلف باختلاف البلدان .ورواية القاضى الثانية " :أن الإحياء ما تعارفه الناس إحياء ، لأن الشرع ورد بتعليق الملك على الإحياء ، ولم يبينه ولا ذكر كيفيته، فيجب الرجوع فيه إلى ما كان إحياء فى العرف، ولا يعتبر فى إحياء الأرض حرثها ولا زرعها؛ لأن ذلك مما يتكرر كلما أراد الانتفاع بها فلم يعتبر فى الإحياء كسقيها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص۲۴۸ وص ۲۴۹، مادة " احياء الموات " ما يكون به الإحياء)

۱ اور عطائے جاگیر کو عربی میں "اقطاع" کہا جاتا ہے، جو عموماً اموالِ غیر منقولہ (یعنی اراضی) میں ہوتا ہے، جبکہ "عطایا" یا "عطاء" عموماً اموالِ منقولہ میں ہوتا ہے، اور اگر کسی جگہ کو حکومتی مصارف کے لئے مختص رکھا جائے، تو اسے "ارصاد" کہا جاتا ہے۔

من معانى الإقطاع فى اللغة:التمليك والإرفاق، يقال استقطع الإمام قطيعة فأقطعه إياها :أى سأله أن يجعلها له إقطاعا يتملكه ويستبد به وينفرد، ويقال:أقطع الإمام الجند البلد:إذا جعل لهم غلتها رزقا.وهو كذلك شرعا يطلق على ما يقطعه الإمام، أى يعطيه من الأراضى رقبة أو منفعة لمن ينتفع به.

الألفاظ ذات الصلة :أ -إحياء الموات :هو كما عرفه الشافعية بأنه :عمارة الأرض الخربة التى لا مالك لها ولا ينتفع بها أحد.

ب -أعطيات السلطان :العطاء والعطية :اسم لما يعطى، والجمع عطايا وأعطية، وجمع الجمع أعطيات .وأعطيات السلطان :ما يعطيه لأحد من الرعية من بيت المال مع مراعاة المصلحة العامة.

وعلى هذا قد يكون الإقطاع عطاء ، وقد ينفصل العطاء ، فيكون فى الأموال المنقولة غالبا.

ج -الحمى:المشروع منه :أن يحمى الإمام أرضا من الموات، يمنع الناس رعى ما فيها من الكلأ لتكون خاصة لبعض المصالح العامة كمواشى الصدقة.

د -الإرصاد:الإرصاد لغة :الإعداد، واصطلاحا :تخصيص الإمام غلة بعض أراضى بيت المال لبعض مصارفه .وللتفصيل ينظر مصطلح (إرصاد) . فالفرق بينه وبين الإقطاع أن الإرصاد لا يصير ملكا للمرصد له، بحيث يتوارثه أولاده أو يتصرفون فيه كما شاء وا.

الحكم التكليفى:الإقطاع جائز بشروطه، سواء أكان إقطاع تمليك أم إقطاع إرفاق، ودليل ذلك من السنة أن النبى صلى الله عليه وسلم أقطع الزبير ركض فرسه من موات النقيع، وكذلك فعل الخلفاء من بعده (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۶ ص ۸۱ ،مادة" اقطاع "، التعريف)

www.idaraghufran.org

(۲)...... جو غیر مملوکہ زمین بنجر اور بے آباد ہو، اور کسی کی ذاتی ملکیت نہ ہو، اُس کو آباد کرنے والے فرد یا افراد کو مالکانہ طریقہ پر دینا جائز ہے۔ ل

البتہ غیر مملوکہ کسی بنجر زمین کو آباد کرنے کی وجہ سے آباد کرنے والے کو ملکیت حاصل ہونے کے لئے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ضروری ہے کہ حکومت کی اجازت سے اُس نے اُس بنجر زمین کو آباد کیا ہو، جبکہ کئی دوسرے فقہاء کے نزدیک حکومت کی اجازت ضروری نہیں ہے، بلکہ آباد کرنے والا آباد کرنے کی وجہ سے خود بخود مالک ہوجاتا ہے۔ ۲

ل النوع الثانی :إقطاع التملیک:هو تملیک من الإمام مجرد عن شائبة العوضیة بإحیاء أو غیره.
أقسامه وحکم تلک الأقسام:ینقسم إقطاع التملیک فی الأرض المقطعة إلی ثلاثة أقسام: موات، وعامر، ومعادن.
إقطاع الموات:إقطاع الموات ضربان:الضرب الأول :ما لم یزل مواتا من قدیم الدهر، فلم تجر فیه عمارة ولا یثبت علیه ملک، فهذا یجوز للإمام أن یقطعه من یحییه ومن یعمره، وقد أقطع رسول الله صلی اللہ علیه وسلم الزبیر بن العوام رکض فرسه من موات النقیع، فأجراه، ثم رمی بسوطه رغبة فی الزیادة، فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم :أعطوه منتهی سوطه .
ویمتنع به إقدام غیر المقطع علی إحیائه، لأنه ملک رقبته بالإقطاع نفسه، خلافا للحنابلة، فإنهم ذهبوا إلی أن إقطاع الموات مطلقا لا یفید تملیکا، لکنه یصیر أحق به من غیره، فإن أحیاه ملکه بالإحیاء لا بالإقطاع، أما إذا کان الإقطاع مطلقا، أو مشکوکا فیه، فإنه یحمل علی إقطاع الإرفاق، لأنه المحقق.
الضرب الثانی من الموات :ما کان عامرا فخرب، فصار مواتا عاطلا، وذلک نوعان:(أحدهما) ما کان عادیا (أی قدیما، جاهلیا) فهو کالموات الذی لم یثبت فیه عمارة ویجوز إقطاعه .قال صلی الله علیه وسلم عادی الأرض لله ولرسوله، ثم هی لکم منی. (ثانیهما) ما کان إسلامیا جری علیه ملک المسلمین، ثم خرب حتی صار مواتا عاطلا، ولا یعرف له مالک ولا ورثة مالک .قال الشافعیة : إنه مال ضائع یرجع فیه إلی رأی الإمام مطلقا .وقال المالکیة :یملک بالإحیاء مطلقا، إذا کانت الأرض غیر مقطعة، أما إذا کانت مقطعة فالراجح عندهم أنها لا تملک بالإحیاء .وقال الحنفیة :إن لم یعرف أربابه ملک بالإحیاء ، بشرط إقطاع الإمام له، وهو رأی للحنابلة (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۶، ص ۸۱، الیٰ ص۸۶،مادة" اقطاع")

۲ فقهاء المذاهب مختلفون فی أرض الموات هل هی مباحة فیملک کل من یحق له الإحیاء أن یحییها بلا إذن من الإمام، أم هی ملک للمسلمین فیحتاج إحیاؤها إلی إذن؟ذهب الشافعیة والحنابلة وأبو یوسف ومحمد إلی أن الإحیاء لا یشترط فیه إذن الإمام، فمن أحیا أرضا مواتا بلا إذن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

آج کے دور میں کسی غیر آباد زمین کو آباد کرنے سے ملکیت حاصل ہونے کے لئے حکومت کی اجازت کا ہونا انتظامی طور پر مصلحت کے مطابق ہے۔

(۳)...... جو زمین کسی کی ذاتی ملکیت نہ ہو، اور وہ سرکاری زمین ہو، تو حکومت کے لئے اُس زمین کو رعایا میں سے کسی فرد یا قوم کو مالکانہ طریقہ پر دینا جائز ہے، بشرطیکہ اُس میں مسلمانوں کا نفع اور مصلحت ہو، اور اس کی وجہ سے کسی کی حق تلفی لازم نہ آئے، اور بے جا و ناحق طرفداری یا رشوت کے طور پر نہ ہو۔

البتہ بعض فقہائے کرام اس میں کچھ تفصیل کے قائل ہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

من الإمام ملكها .وذهب الإمام أبو حنيفة إلى أنه يشترط إذن الإمام، سواء أكانت الأرض الموات قريبة من العمران أم بعيدة .واشترط المالكية إذن الإمام فى القريب قولا واحدا .ولهم فى البعيد طريقان :طريق اللخمى وابن رشد أنه لا يفتقر لإذن الإمام، والطريق الآخر أنه يحتاج للإذن. والمفهوم من نصوص المالكية أن العبرة بما يحتاجه الناس وما لا يحتاجونه، فما احتاجوه فلا بد فيه من الإذن، وما لا فلا.احتج الجمهور بعموم قوله صلى الله عليه وسلم :من أحيا أرضا فهى له ؛ ولأن هذه عين مباحة فلا يفتقر ملكها إلى إذن الإمام كأخذ الحشيش، والحطب.

واحتج أبو حنيفة بقوله صلى الله عليه وسلم :ليس للمرء إلا ما طابت به نفس إمامه ، وبأن هذه الأراضى كانت فى أيدى الكفرة ثم صارت فى أيدى المسلمين، فصارت فيئا، ولا يختص بالفىء أحد دون رأى الإمام، كالغنائم؛ ولأن إذن الإمام يقطع المشاحة .والخلاف بين الإمام وصاحبيه فى حكم استئذان الإمام فى تركه من المحيى المسلم جهلا .أما إن تركه متعمدا تهاونا بالإمام، كان له أن يسترد الأرض منه زجرا له .وكل هذا فى المحيى المسلم فى بلاد الإسلام (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص ۲۴۱ وص ۲۴۲، مادة "احياء الموات"، إذن الإمام فى الإحياء)

[1] يرى الحنفية أن للإمام أن يقطع من الأراضى التى لم تكن لأحد ولا فى يد وارث؛ لمن فيه غناء ونفع للمسلمين على سبيل النظر فى المصلحة، لا على سبيل المحاباة والأثرة، كما أن له أن يعطى من أموال بيت المال الأخرى؛ إذ الأرض والمال شىء واحد .كذا قال القاضى أبو يوسف، واحتج بما روى أن عمر بن الخطاب رضى الله عنه أصفى أموال كسرى وأهله لبيت المال، ومال كل رجل قتل فى الحرب أو لحق بأرض الحرب أو مغيض ماء أو أجمة .وكان خراج ذلك سبعة آلاف ألف، فكان يقطع من هذه لمن أقطع .قال أبو يوسف :وذلك بمنزلة المال الذى لم يكن لأحد، ولا فى يد وارث، فللإمام العادل أن يجيز منه ويعطى من كان له غناء فى الإسلام .ونقل هذا ابن عابدين، وقال :هذا صريح فى أن القطائع قد تكون من الموات، وقد تكون من بيت المال لمن هو من

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

(۴)...... اگر کوئی سرکاری آباد زمین کسی فرد یا افراد کو مالکانہ طریقہ پر نہ دی جائے، بلکہ کسی ضرورت ومصلحت سے اس سے مخصوص مدت اور مخصوص طریقہ پر فائدہ اُٹھانے کے لئے دی جائے، مثلاً یہ کہ کچھ لوگ اس میں کاشت کاری کریں، اور کاشت کے وہ خود مالک ہوں، تو یہ صورت بھی جائز ہے۔ ل

(۵)......حکومت کی طرف سے عطائے جاگیر عام طور پر کسی اُجرت ومعاوضہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

مصارفه، كما يعطى المال حيث رأى المصلحة، وأن المقطع يملك رقبة الأرض؛ ولذا يؤخذ منها العشر، لأنها بمنزلة الصدقة.

ويرى الشافعية والحنابلة -على ما فصله الماوردى وأبو يعلى -أن أراضى بيت المال ثلاثة أقسام:

أ -ما اصطفاه الإمام لبيت المال بحق الخمس أو باستطابة نفوس الغانمين، كما اصطفى عمر أراضى كسرى وأهله، ولم يقطع من ذلك شيئا .فلما جاء عثمان أقطع منه وأخذ منه حق الفيء . قال الماوردى :فكان ذلك إقطاع إجارة لا إقطاع تمليك .ولا يجوز إقطاع رقبته؛ لأنه صار باصطفائه لبيت المال ملكا لكافة المسلمين، فجرى على رقبته حكم الوقف المؤبد.

ب -أرض الخراج، فلا يجوز تمليك رقبتها؛ لأن أرض الخراج بعضها موقوف، وخراجها أجرة، وبعضها مملوك لأهلها، وخراجها جزية.

ج -ما مات عنه أربابه ولم يستحقه وارث بفرض أو تعصيب .واختلف أصحاب الشافعي في هذا النوع على وجهين:

أحدهما :أنها تصير وقفا، فعلى هذا لا يجوز بيعها ولا إقطاعها.

وثانيهما :أنها لا تصير وقفا حتى يقفها الإمام .فعلى هذا يجوز له إقطاعها تمليكا، كما يجوز بيعها.

ونقل قولا آخر :أن إقطاعها لا يجوز، وإن جاز بيعها؛ لأن البيع معاوضة، وهذا الإقطاع صلة، والأثمان إذا صارت ناضة لها حكم يخالف في العطايا حكم الأصول الثابتة، فافترقا، وإن كان الفرق بينهما ضعيفا.

والحكم كذلك عند المالكية في أرض العنوة العامرة فإنها لا يجوز للإمام إقطاعها تمليكا، بناء على أنها تكون وقفا بنفس الاستيلاء عليها. ولم نجد لهم تعرضا للأرض التي تئول إلى بيت المال بهلاك أربابها .هل يجوز إقطاع التمليك منها أم لا؟ (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۸، ص۲۵۸، وص ۲۵۹، مادة "بيت المال"، إقطاع التمليك)

ل يجوز للإمام -إذا رأى المصلحة -أن يقطع من أراضى بيت المال أو عقاره -بعض الناس إرفاقا أو ليأخذ الغلة .قال المالكية :ثم ما اقتطعه الإمام من العنوة، إن كان لشخص بعينه انحل بموت المنتفع .وإن كان لشخص وذريته وعقبه استحقته الذرية بعده، للأنثى مثل الذكر.

وانظر (إرفاق .إرصاد .أرض الحوز) وبعضهم جعل مثل هذا وقفا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۸، ص ۲۵۹، مادة "بيت المال"، إقطاع الانتفاع والإرفاق والاستغلال)

www.idaraghufran.org

کے بغیر ہوتی ہے، لیکن اگر اس میں مصلحت سمجھی جائے کہ کوئی سرکاری جگہ کسی فرد یا قوم کو اُجرت ومعاوضہ یعنی پٹہ پر دی جائے، مثلاً اُس کا ماہانہ، سالانہ کوئی معاوضہ مقرر کر دیا جائے، اس طرح سے کہ اس میں کاشت کاری کرنے والے لوگ، کاشت کا مخصوص حصہ (مثلاً آدھا تہائی حصہ یا اس سے کم وبیش حصہ) ادا کریں، جس کو بیتُ المال وسرکاری خزانہ میں جمع کیا جائے، یا قیمتاً فروخت کیا جائے، تو شرعاً اس کی بھی اجازت ہے۔ ۱

(۲)...... جو زمین ایسی ہو کہ اُس سے عام مسلمانوں کی ضرورت ومصلحت وابستہ ہو، مثلاً شارع عام یا عام پانی کے چشمے یا اُس زمین سے وہاں کی آبادی کے لوگوں کی ضرورت ومصلحت وابستہ ہو، جیسے چراگاہ وغیرہ، تو ایسی زمین کا کسی مخصوص فرد کو دینا جائز نہیں۔ ۲

---

۱ الأصل فى إقطاع التمليك :أن يكون مجردا عن العوض، فإن أقطعه الإمام على أن عليه كذا أو كل عام كذا -جاز وعمل به، ومحل العوض المأخوذ بيت مال المسلمين، لا يختص الإمام به، لعدم ملكه لما أقطعه، وهو رأى الحنفية والمالكية والحنابلة ورأى للشافعية، حيث إن للإمام أن يفعل ما يراه مصلحة للمسلمين .وهناك رأى للشافعية بخلافه، وعللوه بأن الإقطاع عطية وهبة وصلة وليس بيعا، والأثمان من صفة البيع (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٦، ص٨٦،مادة" اقطاع " الإقطاع بشرط العوض)

۲ إقطاع المرافق:اتفق الفقهاء على أنه لا يجوز للإمام إقطاع المرافق العامة وما لا غنى عنه للمسلمين، وكذلك أرض الملح والقار ونحوها .وكذلك ما قرب من العامر، وتعلقت به مصالح المسلمين، من طرق وسيل ماء ومطرح قمامة وملقى تراب وآلات، فلا يجوز إقطاعه، بغير خلاف، وكذلك ما تعلقت به مصالح القرية، كفنائها ومرعى ماشيتها ومحتطبها وطرقها ومسيل مائها، لا يجوز إقطاعه.

إجارة الإقطاعات وإعارتها :ما أقطعه الإمام للناس ملكا، أو اشترى من بيت المال شراء مسوغا، فلا خفاء فى جواز إجارته وإعارته، حيث صار ملكا للأشخاص يتصرفون فيه تصرف الملاك، ومن أقطعه الإمام أرضا إقطاع انتفاع فى مقابلة خدمة عامة يؤديها، وبعبارة الفقهاء :فى مقابلة استعداده لما أعد له، فإن للمقطع إجارتها وإعارتها، لأنه ملكها ملك منفعة.

وإذا مات المؤجر، أو أخرج الإمام الأرض المقطعة منه انفسخت الإجارة، لانتقال الملك إلى غير المؤجر.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۷)...... زمین کی کانیں اور معادن یا جواہر و ذخائر دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک تو وہ جو کہ ظاہر ہوں، مثلاً خالص سُرمہ، نمک اور کوئلہ کے پہاڑ۔

اس طرح کے ذخائر کا کسی فرد یا قوم کو بغیر معاوضہ کے مالکانہ طریقہ پر دینا باتفاقِ فقہاء، نیز جو ذخائر زمین کے اندر ایسے موجود ہوں، کہ ان تک بغیر عمل اور محنت وغیرہ کے رسائی ممکن نہ ہو، مثلاً لوہے وغیرہ کی کان، بہت سے فقہاء کے نزدیک جائز نہیں، البتہ بعض حضرات کے نزدیک اگر کسی کو دینے میں مصلحت ہو کہ وہ عمل ومحنت کر کے اُس کو حاصل کرے، تو جائز ہے، فإذا قطع العمل عاد إلى أصله۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ استرجاع الإقطاعات :إذا أقطع الإمام أرضا مواتا، وتم إحياؤها، أو لم تمض المدة المقررة عند الفقهاء للإحياء ، فليس له استرجاع الإقطاع من مقطعه، وكذلك إذا كان الإقطاع من بيت المال بشراء مسوغ أو بمقابل، لأنه فى الأول يكون تمليكا بالإحياء ، وفى الثانى يكون تمليكا بالشراء فلا يجوز إخراجه منه إلا بحقه.

ترك عمارة الأرض المقطعة:لا يعارض المقطع إذا أهمل أرضه بغير عمارة قبل طول اندراسها . وقدر الحنفية ذلك بثلاث سنين، وهو رأى للمالكية .وقال الحنفية :إن أحياها غيره قبل ذلك كانت ملكا للمقطع .وقال المالكية:إن أحياها عالما بالإقطاع كانت ملكا للمقطع، وإن أحياها غير عالم بالإقطاع، خير المقطع بين أخذها وإعطاء المحيى نفقة عمارته، وبين تركها للمحيى والرجوع عليه بقيمة الأرض المحياة .وقال سحنون من المالكية :لا تخرج عن ملك محييها ولو طال اندراسها، وإن أعمرها غيره لم تخرج عن ملك الأول.

ولم يشترط الشافعية والحنابلة مدة معينة، واعتبروا القدرة على الإحياء بدلا منها .فإن مضى زمان يقدر على إحيائها فيه قيل له :إما أن تحييها فتقر فى يدك، وإما أن ترفع يدك عنها لتعود إلى حالها قبل الإقطاع .وقد اعتبر الحنابلة الأعذار المقبولة مسوغا لبقائها على ملكه بدون إحياء ، إلى أن يزول العذر .واستدل الحنفية بأن عمر رضى الله عنه جعل أجل الإقطاع إلى ثلاث سنين.

وقال الشافعية :إن التأجيل لا يلزم، وتأجيل عمر يجوز أن يكون لسبب اقتضاه.

وقف الإقطاعات:إن وقف الإقطاع يدور صحة وعدما على ثبوت الملكية وعدمه للواقف، فمن أثبتها له بوجه من الوجوه حكم بصحة وقف الإقطاع، ومن لم يثبتها لم يحكم بصحته .على أن للإمام أن يقف شيئا من بيت المال على جهة أو شخص معين، مع أنه لا يملك ما يقفه، إذا كان فى ذلك مصلحة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٦، ص٨٦،مادة" اقطاع ")

[1] إقطاع المعادن: المعادن هى البقاع التى أودعها الله جواهر الأرض .وهى ضربان :ظاهرة وباطنة .أما الظاهرة :فما كان جوهرها المستودع فيها بارزا .كمعادن الكحل، والملح، والنفط، فهو كالماء الذى لا يجوز إقطاعه، والناس فيه سواء ، يأخذه من ورد إليه، لما ورد أن أبيض بن حمال

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اگر ان ذخائر کے حصول پر کوئی معاوضہ مقرر کردیا جائے، جو بیتُ المال وسرکاری خزانہ میں داخل ہو، مثلاً یا تو مخصوص رقم معاوضہ میں مقرر کی جائے، یا اس میں سے نکالے جانے والے ذخائر کی مخصوص مقدار معاوضہ میں مقرر کردی جائے، تو بھی جائز ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

استقطع رسول الله صلى الله عليه وسلم ملح مأرب فأقطعه، فقال الأقرع بن حابس التميمى :يا رسول الله إنى وردت هذا الملح فى الجاهلية، وهو بأرض ليس فيها غيره، من ورده أخذه وهو مثل الماء العد بالأرض، فاستقال أبيض قطيعة الملح .فقال :قد أقلتك على أن تجعله منى صدقة .فقال النبى صلى الله عليه وسلم :هو منك صدقة، وهو مثل الماء العد، من ورده أخذه.

وهو رأى الحنفية والشافعية والحنابلة.

أما المالكية فقد أجازوا إقطاع الإمام للمعادن بغير تمييز بين الباطن والظاهر.

وأما المعادن الباطنة :فهى ما كان جوهره مستكنا فيها، لا يوصل إليه إلا بالعمل، كمعادن الذهب والفضة والصفر والحديد .فهذه وما أشبهها معادن باطنة، سواء احتاج المأخوذ منها إلى سبك وتصفية وتخليص أو لم يحتج .وقد أجاز إقطاعها الحنفية، وهو رأى للشافعية، ومنع ذلك المالكية والحنابلة، وهو الرأى الراجح للشافعية.

التصرف فى الأراضى الأميرية :يجوز للإمام أن يدفع الأرض الأميرية للزراعة، إما بإقامتهم مقام الملاك فى الزراعة وإعطاء الخراج، أوإجارتها للزراع بقدر الخراج، وعلى هذا اتفق الأئمة.

وأما إقطاعها أو تمليكها :فمنعه المالكية والشافعية والحنابلة، لأنه صار ملكا عاما للمسلمين، وأجازه الحنفية اعتمادا على أن للإمام أن يجيز من بيت المال من له غناء فى الإسلام، كما أن له أن يعمل ما يراه خيرا للمسلمين وأصلح، والأرض عندهم بمنزلة المال (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٦، ص٨٦،مادة" اقطاع ")

وأما المعادن الباطنة فهى ما كان جوهرها مستكنا فيها لا يوصل إلا بالعمل، كمعادن الذهب والفضة والصفر والحديد، فهذه وما أشبهها معادن باطنة، سواء احتاج المأخوذ منها إلى سبك وتصفية وتخليص أو لم يحتج، فلا يجوز إقطاعها كالمعادن الظاهرة (الأحكام السلطانية للفراء، ج١، ص٢٣٦، فصل فى أحكام القطائع)

وأما المعادن التى لا يتوصل إلى نيلها ونفعها إلا بكدوح واعتمال واستخراج لما فى بطونها، فإن ذلك لا يوجب الملك البات، ومن اقتطع شيئا منها كان له ما دام يعمل فيه، فإذا قطع العمل عاد إلى أصله، فكان للإمام إقطاعه غيره (عمدة القارى، ج١٢، ص٢٢١، باب القطائع)

[1] ذهب الحنفية والشافعية والحنابلة إلى أن معادن النفط والقير والملح والماء وغيرها من المعادن الظاهرة لا تملك بالإحياء، ولا يجوز إقطاعها لأحد من الناس، فقد ورد أن أبيض بن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

مگر ملحوظ رہے کہ سرکاری وقومی املاک اور جاگیر سے عوام کا اجتماعی حق وابستہ ہوتا ہے، اوران میں کوئی تصرف کرنا بڑا نازک کام ہوتا ہے، اس لئے اس طرح کے معاملات انتہائی نزاکت اوراہمیت کے حامل ہیں، جن کے لئے حکومت کواہلِ علم واہلِ دانش حضرات کی رائے سے ہی کوئی قانون سازی اور فیصلہ کرنا چاہئے، تاکہ عوامی وقومی وسیع تر ضروریات ومفادات میں خلل واقع نہ ہو، بلکہ اس سے عوام کواجتماعی مفادات ومصالح حاصل ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۸)......حکومتی خزانہ اور بیتُ المال میں جواموال جمع کئے جاتے ہیں، اُن کو فقہائے حنفیہ نے چار قسموں یا چار حصوں یا چار مدّات میں تقسیم کیا ہے، جن میں سے خرچ کرنے کے مصارف ومقامات ایک دوسرے سے کچھ مختلف ہیں، البتہ بوقتِ ضرورت ان اقسام ومدّات میں سے دوسری اقسام ومدّات کے لئے قرض کالین دین کیا جاسکتا ہے۔ [۱]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

حمال وفد إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فاستقطعه الملح فقطع له، فلما أن ولى قال رجل من المجلس :أتدرى ما قطعت له؟ إنما قطعت له الماء العذب، قال :فانتزعه منه.

ويرى المالكية أن حكم المعدن مطلقا سواء كان معدن عين (الذهب والفضة) أو غيرهما كالقصدير والعقيق والياقوت والزمرد والزرنيخ والمغرة والكبريت للإمام أو نائبه يقطعه لمن شاء من المسلمين، أو يجعله فى بيت المال لمنافعهم لا لنفسه، ولو وجد بأرض شخص معين، ولا يختص به رب الأرض، إلا أرض الصلح إذا وجد بها معدن فلهم ولا يتعرض لهم فيه، فإن أسلموا رجع الأمر للإمام وهو الراجح.

وإذا أقطع الإمام المعدن لشخص فى مقابلة شىء كان ذلك الشىء لبيت المال، فلا يأخذ الإمام عنه إلا بقدر حاجته .قال الباجى :وإذا أقطعه فإنما يقطعه انتفاعا لا تمليكا، ولا يجوز لمن أقطعه له الإمام أن يبيعه، ولا يورث عمن أقطعه له؛ لأن ما لا يملك لا يورث (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۴۱، ص ۳۳، مادة "نفط"، تملك معدن النفط بالإحياء والإقطاع)

[۱] أقسام بيت المال ومصارف كل قسم:

الأموال التى تدخل بيت المال متنوعة المصارف، وكثير من أصنافها لا يجوز صرفه فى الوجوه التى تصرف فيها الأصناف الأخرى.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۹)...... بیتُ المال کی ایک قسم یا ایک حصہ وہ مَد ہے، جس میں عوام سے حاصل شُدہ اموال کی زکاۃ کو رکھا جاتا ہے، خواہ وہ زکاۃ لوگوں کے سونے، چاندی، تجارت کے مال اور کرنسی سے حاصل کی گئی ہو، یا عُشری زمینوں سے عُشر کی شکل میں حاصل کی گئی ہو، یا سائمہ جانوروں کی زکاۃ کی شکل میں حاصل کی گئی ہو، اور اسی طرح مختلف قسم کے کفارات کی رقم کو رکھا جاتا ہے۔

ان اموال کا حکم یہ ہے کہ انہیں اُنہی مصارف میں خرچ کیا جائے گا، جن مصارف میں زکاۃ خرچ کی جاتی ہے، یعنی مخصوص غریبوں کو مالکانہ طور پر دینا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ومن أجل ذلک احتیج إلی فصل أموال بیت المال بحسب مصارفها؛ لأجل سهولة التصرف فیها، وقد نص أبو یوسف علی فصل الزکاة عن الخراج فی بیت المال، فقال :مال الصدقة والعشور لا ینبغی أن یجمع إلی مال الخراج؛ لأن الخراج فیء لجمیع المسلمین، والصدقات لمن سمی الله فی کتابه. وقد نص الحنفیة علی أنه یجب علی الإمام توزیع موجودات بیت المال علی أربعة بیوت، ولا تأبی قواعد المذاهب الأخری التقسیم من حیث الجملة .وقد قال الحنفیة :للإمام أن یستقرض من أحد البیوت الأربعة لیصرفه فی مصارف البیوت الأخری، ویجب رده إلی البیت المستقرض منه، ما لم یکن ما صرفه إلیه یجوز صرفه من هذا البیت الآخر (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۸، ص۲۴۸، مادة "بیت المال")

[1] والبیوت الأربعة هی:

البیت الأول :بیت الزکاة :من حقوقه :زکاة السوائم، وعشور الأراضی الزکویة، والعشور التی تؤخذ من التجار المسلمین إذا مروا علی العاشر، وزکاة الأموال الباطنة إن أخذها الإمام.

ومصرف هذا النوع المصارف الثمانیة التی نص علیها القرآن العظیم .وفی ذلک تفصیل وخلاف یرجع إلیه فی مصطلح (زکاة)

وقد نقل الماوردی الخلاف بین الفقهاء فی صفة الید علی هذه الأموال، فنقل أن قول أبی حنیفة : إنها من حقوق بیت المال، أی أملاکه التی یرجع التصرف فیها إلی رأی الإمام واجتهاده، کمال الفیء .ولذا یجوز صرفه فی المصالح العامة کالفیء ، وإن رأی الشافعی أن بیت المال مجرد حرز للزکاة یحرزها لأصحابها، فإن وجدوا وجب الدفع إلیهم، وإن لم یوجدوا أحرزها لبیت المال، وجوبا علی مذهبه القدیم، وجوازا علی مذهبه الجدید، بناء علی وجوب دفع الزکاة إلی الإمام، أو جواز ذلک.ونقل أبو یعلی الحنبلی أن قول أحمد کقول الشافعی فی ذلک وخرج وجها فی زکاة الأموال الظاهرة کقول أبی حنیفة (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۸، ص۲۴۸، وص ۲۴۹، مادة "بیت المال")

(۱۰)...... بیتُ المال کی دوسری قسم یا دوسرا حصہ وہ مَد ہے، جس میں مختلف مالوں کا پانچواں حصہ رکھا جاتا ہے، مثلاً معادن ودفائن کا پانچواں حصہ اور اسی طرح جہاد سے فتح یابی پر حاصل شُدہ مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ۔ [1]

مالِ غنیمت کے پانچ حصے کیے جاتے ہیں، جن میں سے چار حصے تو فاتحین کو دیے جاتے ہیں، اور حنفیہ کے نزدیک باقی ماندہ پانچویں حصہ میں سے اور اسی طرح معادن ودفائن کے پانچویں حصہ میں سے ایک حصہ یتیموں کے لئے ہوتا ہے، اور ایک حصہ بے سروسامان مسافروں کے لئے ہوتا ہے، اور ایک حصہ غریب مسکینوں کے لئے ہوتا ہے، اور ایک حصہ مسکین بنوہاشم کے لئے ہوتا ہے (اور بنو ہاشم وہ لوگ ہیں جو سید یعنی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد میں سے ہوں، یا حضرت علی، یا حضرت عباس، یا حضرت جعفر، یا حضرت عقیل، یا حضرت حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہم کی اولاد اور ان کے نسب سے تعلق رکھتے ہوں) [2]

---

[1] قال محمد رحمه الله: فی آخر کتاب الزکاة من الأصل فصل فی بیان بیوت الأموال: یجب أن تکون بیت الأموال أربعة:
أحدها: بیت مال الزکاة والعشور والکفارات إذا وصلت إلی ید الإمام.
والثانی: بیت مال الخراج والجزیة التی نقلت، وما یأخذه العاشر من الکفرة.
والثالث: فصل فی بیان بیوت الأموال: بیت مال الخمس یعنی خمس الغنائم والمعادن والرکاز والکنوز.
والرابع: بیت مال اللقطات والترکات (المحیط البرهانی، ج۲، ص۳۶۸، کتاب المعادن والرکاز والکنوز)

[2] البتہ مالِ غنیمت میں جو غیر منقولہ مال (مثلاً زمین) حاصل ہو، اس کے بارے میں حکومت کو اختیار ہے، کہ چاہے تو اس سب کو فاتحین پر تقسیم کردے، اور چاہے تو اسلامی بیت المال کے لئے محفوظ رکھے، تاکہ اس کی آمدنی سے ملکی ضروریات پوری ہوسکیں، اور فوج، تعلیم اور دیگر ضروریات ومصالح اس سے انجام پاسکیں، جن کا ذکر آگے چوتھی مَد میں آتا ہے۔
وقال الحنفية والحنابلة: إن الأصل المقرر أن یکون للإمام الخیار فی الأراضی، فله أن یقسمها، وله أن یترکها وقفا، وعمر رضی الله عنه قد استعمل حقه، فقرر أن تکون وقفا، أی ملکا للجماعة الإسلامیة بأن تکون ملکیة الرقبة للدولة، وملکیة المنفعة فقط لأهلها القائمین علیها (الفقه الاسلامی وادلته للزحیلی، ج۶، ص۴۶۰۰، القسم الرابع: الملکیة وتوابعها، هل القسمة ملزمة للإمام أو له الخیار فی أمور أخری؟)

ان میں سے مذکورہ افراد کو ان کی ضرورت کا لحاظ کرتے ہوئے دیا جائے گا۔ [1]

(۱۱)...... بیتُ المال کی تیسری قسم یا تیسرا حصہ وہ مَد ہے، جس میں ایسے مال محفوظ رکھے جاتے ہیں، جن کے مالک معلوم نہیں ہیں، مثلاً کہیں سے پائی ہوئی چیز۔

[1] لا خلاف بين فقهاء المذاهب الأربعة فى أن الغنيمة تقسم خمسة أخماس :أربعة منها للغانمين،

والخامس لمن ذكروا فى قوله تعالى :(واعلموا أنما غنمتم من شىء فأن لله خمسه) الآية .لكنهم اختلفوا فى مصرف الخمس بعد وفاة الرسول عليه الصلاة والسلام، فقال الشافعية، وهو رواية عن الإمام أحمد :إن خمس الغنيمة الخامس يقسم خمسة أسهم.

الأول :سهم لرسول الله صلى الله عليه وسلم للآية، ولا يسقط بوفاته، بل يصرف بعده لمصالح المسلمين وعمارة الثغور والمساجد.

والثانى :سهم لذوى القربى، وهم بنو هاشم وبنو المطلب، دون بنى عبد شمس وبنى نوفل، لاقتصاره صلى الله عليه وسلم على بنى الأولين مع سؤال بنى الآخرين، ولأنهم لم يفارقوه لا فى جاهلية ولا إسلام.

ويشترك فيه الغنى والفقير، والرجال والنساء .ويفضل الذكر على الأنثى، كالإرث .وحكى الإمام الشافعى فيه إجماع الصحابة.

والأسهم الثلاثة الباقية لليتامى والمساكين وابن السبيل .

والرواية الأخرى عن الإمام أحمد أن سهم رسول الله صلى الله عليه وسلم يختص بأهل الديوان؛ لأن النبى صلى الله عليه وسلم استحقه بحصول النصرة، فيكون لمن يقوم مقامه فى النصرة .وعنه أنه يصرف فى السلاح والكراع.

والفىء عند الشافعية، وفى رواية عن الإمام أحمد، يخمس، ومصرف الخمس منه كمصرف خمس الغنيمة.

والظاهر عند الحنابلة أنه لا يخمس، ويكون لجميع المسلمين، يصرف فى مصالحهم .

وقال الحنفية :إن الخمس الذى لله ولرسوله إلخ، يقسم على ثلاثة أسهم :سهم لليتامى، وسهم للمساكين، وسهم لأبناء السبيل .ويدخل فقراء ذوى القربى فيهم، يعطون كفايتهم، ولا يدفع إلى أغنيائهم شىء .

وذوو القربى الذين يدفع إلى فقرائهم هم بنو هاشم وبنو المطلب والفىء لا يخمس عندهم .

وقال المالكية :إن خمس الغنيمة كلها والركاز والفىء والجزية وخراج الأرض المفتوحة عنوة أو صلحا وعشور أهل الذمة، محله بيت مال المسلمين، يصرفه الإمام فى مصارفه باجتهاده، فيبدأ من ذلك بآل النبى عليه الصلاة والسلام استحبابا، ثم يصرف للمصالح العائد نفعها على المسلمين، كبناء المساجد .والفىء لا يخمس عندهم .والآل الذين يبدأ بهم هم بنو هاشم فقط (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ١، ص ١٠٥، وص ١٠٦، مادة "آل"، حق آل البيت فى الغنيمة والفىء)

جس کو شریعت کی زبان میں لقطہ کہا جاتا ہے، یا چوروں سے بازیاب شُدہ مال، جس کے مالک معلوم نہ ہوں، اور تلاش وتحقیق کے باوجود بھی مالک دستیاب نہ ہوں، اسی طرح وہ مال جو کوئی ایسا شخص چھوڑ کر مَرے، جس کا کوئی والی وارث نہ ہو، یا وارث کو حصہ حاصل ہونے کے بعد باقی ماندہ مال کا کوئی وارث نہ ہو۔

اس مَد کے مالوں سے بے سہارا، لاوارث ضرورت مندوں وغریبوں کی امداد کی جائے گی، مثلاً اُن کا نان نفقہ اور اُن کی دواء دارو اور کفن دفن کے اخراجات کی ضروریات پوری کی جائیں گی، جبکہ بعض حضرات کے نزدیک ضرورت پڑنے پر اس مال کو ضروریات ومصالحِ عامہ پر بھی خرچ کیا جاسکتا ہے، اور ضروریات ومصالحِ عامہ کا ذکر اگلے نمبر میں آتا ہے۔ [1]

(۱۲)...... بیتُ المال کی چوتھی قسم یا چوتھا حصہ وہ ہے، جس میں مالِ فیئ (یعنی غیرمسلموں سے صلح کے نتیجہ میں حاصل شُدہ مال) اور ذمیوں وغیرہ سے حاصل

---

[1] البيت الثالث :بيت الضوائع:
وهى الأموال الضائعة ونحوها من لقطة لا يعرف صاحبها، أو مسروق لا يعلم صاحبه ونحوهما على ما تقدم، فتحفظ فى هذا البيت محرزة لأصحابها، فإن حصل اليأس من معرفتهم صرف فى وجهه.
ومصرف أموال هذا البيت -على ما نقله ابن عابدين عن الزيلعى، وقال :إنه المشهور عند الحنفية - هو اللقيط الفقير، والفقراء الذين لا أولياء لهم، فيعطون منه نفقتهم وأدويتهم وتكاليف أكفانهم ودية جناياتهم .وقال الماوردى :عند أبى حنيفة يصرف لهؤلاء صدقة عمن المال له، أو من خلف المال.
ولم نعثر لغير الحنفية على تخصيص هذا النوع من الأموال بمصرف خاص، فالظاهر أنها عندهم تصرف فى المصالح العامة كالفىء ، وهو ما صرح به أبو يعلى والماوردى فى مال من مات بلا وارث ، وبناء على ذلك تكون البيوت عندهم ثلاثة لا أربعة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۸، ص ۲۵۰، مادة "بيت المال")
وبيت الأموال الضائعة نحو التركات التى لا وارث لها يصرف ذلك إلى عمارة القناطر والطرق والرباطات التى لا وقف لها (فتاویٰ قاضی خان، ج۳، ص ۳۷۰، فصل فى أهل الذمة وما يؤخذ منهم من الجزية فى كل سنة وما يفعل بهم)
(قوله :الضوائع) جمع ضائعة أى اللقطات، وقوله :مثل ما لا إلخ مثل تركة لا وارث لها أصلا أو لها وارث لا يرد عليه كأحد الزوجين (ردالمحتار، ج۲، ص۳۳۸، كتاب الزكاة، باب العشر، فروع فى زكاة العشر)

شُدہ خراج کو جمع کیا جاتا ہے، اور جو مال حکومت کے عہدیداروں کو ہدایا کی شکل میں حاصل ہو، وہ بھی اس مَد میں شامل کیا جاتا ہے، اور ضرورت کے وقت عائد کیے جانے والے جائز ٹیکس اور تعزیرات کی مَد میں حاصل شُدہ مالوں کو بھی اس مَد میں رکھا جاتا ہے، اور اس کے علاوہ حکومت کو دوسرے جائز طریقوں مثلاً بجلی، فون، گیس وغیرہ سے جو آمدنی حاصل ہو، وہ بھی اس مَد میں شامل ہوتی ہے۔ [1]

---

[1] والفيء أنواع:
ما جلا عنه الكفار خوفا من المسلمين من الأراضى والعقارات، وهى توقف كالأراضى المغنومة بالقتال، وتقسم غلاتها كل سنة، نص عليه الشافعية .وفى ذلك خلاف (انظر :فىء).
ما تركوه وجلوا عنه من المنقولات .وهو يقسم فى الحال ولا يوقف.
ما أخذ من الكفار من خراج أو أجرة عن الأراضى التى ملكها المسلمون، ودفعت بالإجارة لمسلم أو ذمى، أو عن الأراضى التى أقرت بأيدى أصحابها من أهل الذمة صلحا أو عنوة على أنها لهم، ولنا عليها الخراج.
الجزية وهى :ما يضرب على رقاب الكفار لإقامتهم فى بلاد المسلمين .فيفرض على كل رأس من الرجال البالغين القادرين مبلغ من المال، أو يضرب على البلد كلها أن تؤدى مبلغا معلوما .ولو أداها من لا تجب عليه كانت هبة لا جزية.
عشور أهل الذمة، وهى :ضريبة تؤخذ منهم عن أموالهم التى يترددون بها متاجرين إلى دار الحرب، أو يدخلون بها من دار الحرب إلى دار الإسلام، أو ينتقلون بها من بلد فى دار الإسلام إلى بلد آخر، تؤخذ منهم فى السنة مرة، ما لم يخرجوا من دار الإسلام، ثم يعودوا إليها.
ومثلها عشور أهل الحرب من التجار كذلک، إذا دخلوا بتجارتهم إلينا مستأمنين.
ما صولح عليه الحربيون من مال يؤدونه إلى المسلمين.
مال المرتد إن قتل أو مات، ومال الزنديق إن قتل أو مات، فلا يورث مالهما بل هو فىء ، وعند الحنفية فى مال المرتد تفصيل.
مال الذمى إن مات ولا وارث له، وما فضل من ماله عن وارثه فهو فىء كذلک.
الأراضى المغنومة بالقتال، وهى الأراضى الزراعية عند من يرى عدم تقسيمها بين الغانمين.
و غلات أراضى بيت المال وأملاكه ونتاج المتاجرة والمعاملة.
ز -الهبات والتبرعات والوصايا التى تقدم لبيت المال للجهاد أو غيره من المصالح العامة.
ح -الهدايا التى تقدم إلى القضاة ممن لم يكن يهدى لهم قبل الولاية، أو كان يهدى لهم لكن له عند القاضى خصومة، فإنها إن لم ترد إلى مهديها ترد إلى بيت المال. لأن النبى صلى الله عليه وسلم أخذ من ابن اللتبية ما أهدى إليه.
وكذلک الهدايا التى تقدم إلى الإمام من أهل الحرب، والهدايا التى تقدم إلى عمال الدولة، وهذا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اس مَد کے مصارف میں عوامی وقومی ضروریات ومصالح کی تمام چیزیں شامل ہیں، مثلاً حکومت کے عمّال اور فوج کے اخراجات، ججوں، قاضیوں، مفتیان اور علماء کے وظائف اور سرحدوں، راستوں اور پلوں کی تعمیر ومرمت اور مساجد اور تعلیم گاہوں، دیگر سرکاری اداروں ودفاتر کی تعمیر ومرمت اور ڈیموں ونہروں کی تعمیر ومرمت اور دوسرے عوامی ورفاہی کام۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

إن لم يعط الآخذ مقابلها من ماله الخاص.

ط -الضرائب الموظفة على الرعية لمصلحتهم، سواء أكان ذلک للجهاد أم لغيره، ولا تضرب عليهم إلا إذا لم يكن فى بيت المال ما يكفى لذلک، وكان لضرورة، وإلا كانت موردا غير شرعی

ی -الأموال الضائعة، وهی مال وجد ولم يمكن معرفة صاحبه، من لقطة أو وديعة أو رهن، ومنه ما يوجد مع اللصوص ونحوهم مما لا طالب له، فيورد إلى بيت المال.

ک -مواريث من مات من المسلمين بلا وارث، أو له وارث لا يرث كل المال -عند من لا يرى الرد -ومن قتل وكان بلا وارث فإن ديته تورد إلى بيت المال، ويصرف هذا فی مصارف الفیء .

وحق بيت المال فی هذا النوع هو على سبيل الميراث عند الشافعية والمالكية أی على سبيل العصوبة .وقال الحنابلة والحنفية :يرد إلى بيت المال فيئا لا إرثا (ر :إرث).

ل -الغرامات والمصادرات :وقد ورد فی السنة تغريم مانع الزكاة بأخذ شطر ماله، وبهذا يقول إسحاق بن راهويه وأبو بكر عبد العزيز، وورد تغريم من أخذ من الثمر المعلق وخرج به ضعف قيمته، وبهذا يقول الحنابلة وإسحاق بن راهويه :والظاهر أن مثل هذه الغرامات إذا أخذت تنفق فی المصالح العامة، فتكون بذلک من حقوق بيت المال.

وورد أن عمر رضی الله عنه صادر شطر أموال بعض الولاة، لما ظهر عليهم الإثراء بسبب أعمالهم، فيرجع مثل ذلک إلى بيت المال أيضا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۸، ص ۲۴۲، الیٰ ص ۲۴۸، مادة ”بيت المال“)

۱ مصارف الخراج: لم يفرق الفقهاء بين الخراج والفیء فی الصرف، كما فرقوا بين الفیء والزكاة من جهة، ومن جهة ثانية بين الفیء والغنيمة.

فالفیء يتوقف صرفه على اجتهاد الإمام فی تقدير المصالح، وتقديم الأهم على المهم، والزكاة تصرف فی المصارف الثمانية التی حددتها آية الصدقات . والغنيمة تخمس، وتقسم الأربعة الأخماس بين الغانمين كما حددت آية الغنائم.

قال ابن رشد: يصرف خراجها -أی خراج الأرض المفتوحة عنوة -فی مصالح المسلمين من أرزاق المقاتلة وبناء القناطر، والمساجد وغير ذلک من سبل الخير.

(وقال البهوتی: ومصرف الخراج كفیء لأنه منه)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اوراس مد میں گنجائش ہوتو ضرورت مند عوام کو بھی اس میں سے حسبِ ضرورت ومصلحت دیا جاسکتا ہے۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وقال الكاسانى : وأما مصرف النوع الثالث من الخراج وأخواته فعمارة الدين، وإصلاح مصالح المسلمين وهو رزق الولاة، والقضاة وأهل الفتوى من العلماء ، والمقاتلة، ورصف الطرق وعمارة المساجد، والرباطات، والقناطر، والجسور، وسد الثغور، وإصلاح الأنهار التى لا ملک لأحد فيها.(وقال النووى فى الروضة :ما يؤخذ من خراج هذه الأرض يصرفه الإمام فى مصالح المسلمين الأهم فالأهم، ويجوز صرفه إلى الفقراء والأغنياء من أهل الفىء وغيرهم)

هذا ما قرره الفقهاء ؛ لأن الخراج من جملة الفىء المصروف فى مصالح المسلمين.

وانظر أيضا مصطلح: بيت المال، وفىء.

حكم تخميس الخراج:

ذهب جمهور الفقهاء من الحنفية والمالكية والحنابلة إلى أن الفىء لا يخمس، بل يصرف فى مصالح المسلمين، وأن الإمام يعطى منه للمقاتلين، والولاة، والقضاة، والعمال، والأئمة والمؤذنين، والفقهاء ، وكل من يحتاج إليه المسلمون، ويصرف على بناء القناطر، والمساجد، وشق الطرق وغير ذلک، ويبدأ الإمام بالأهم فالمهم، فإن بقى بعد ذلک منه شىء قسمه بين المسلمين، ولا فرق بين الأغنياء والفقراء.واستدلوا لذلک بقوله تعالى :(وما أفاء الله على رسوله منهم فما أوجفتم عليه من خيل ولا ركاب ولكن الله يسلط رسله على من يشاء والله على كل شىء قدير)

قال المفسرون :طلب المسلمون من رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يخمس أموال بنى النضير لما أجلوا عنها فنزلت هذه الآية تبين أنها فىء لم تحصل لهم بمحاربتهم، وإنما هو بتسليط رسول الله صلى الله عليه وسلم فهو له خاصة يفعل منه ما يشاء .ويؤيد ذلک ما روى عن عمر رضى الله عنه أنه قال :كانت أموال بنى النضير مما أفاء الله عز وجل على رسوله مما لم يوجف المسلمون عليه بخيل ولا ركاب فكانت لرسول الله صلى الله عليه وسلم خاصة، ينفق على أهله نفقة سنة ثم يجعل ما بقى فى الكراع والسلاح عدة للمسلمين .هذا ما كان يفعل بالفىء فى حياة النبى صلى الله عليه وسلم أما بعد وفاته فقد أصبح لجميع المسلمين، وليس للإمام خاصة، يصرفه فى مصالح المسلمين، ويقدم الأهم على المهم، ويؤيد ذلک ما روى عن الإمامين أبى بكر وعمر رضى الله عنهما أنهما كانا يجعلانه فى مصالح المسلمين عامة.

ولذا لا يجوز للإمام أن يختص بالفىء لنفسه لأن الإمام ينصر بسبب قومه لا بسببه خاصة فكانت أموال الفىء للمسلمين كلهم . وذهب الشافعية إلى أن الفىء يخمس لقوله تعالى :(ما أفاء الله على رسوله من أهل القرى فلله وللرسول ولذى القربى واليتامى والمساكين وابن السبيل)

فذكر الأصناف فى هذه الآية من باب التعديد للأصناف الذين يستحقون هذا المال ومن ثم فلا يتعدى به هؤلاء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۹، ص۸۹، الیٰ ص۹۱، مادة ”خراج“)

www.idaraghufran.org

(باب نمبر۵)

جرائم اور اُن کی حکومتی وقانونی روک تھام

یوں تو دینِ اسلام نے خود اچھے اور بُرے کاموں کی نشاندہی تفصیل کے ساتھ کردی ہے، اور اچھے کاموں پر آخرت میں بے شمار اجر وانعامات اور برے کاموں پر آخرت میں بے شمار سزائیں اور عذاب مقرر کیے ہیں، جن کو ملاحظہ کرنے سے ایک مسلمان خود ہی برے کاموں اور جرائم سے اجتناب اور اچھے کاموں کا انتخاب واہتمام کرتا ہے، لیکن بعض اوقات غفلت یا نفس وشیطان کے بہکاوے سے مسلمان سے برائیوں اور جرائم کا صدور وارتکاب ہوجاتا ہے، جن کی تلافی کے لئے توبہ واستغفار وغیرہ کی شکل میں اعمال تجویز کیے گئے ہیں، لیکن ایک تو خود سے ہر شخص کو اچھائیوں اور برائیوں کا پتہ چلانا مشکل ہوتا ہے، دوسرے جب کسی کی طرف سے باز پرس اور مؤاخذہ کا ڈر نہ ہو، تو غفلت اور نفس وشیطان کے بہکاوے میں اضافہ ہوجاتا ہے، اس کے لئے دینِ اسلام میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے عمل کو تجویز کیا گیا ہے، جس سے مراد اچھائیوں کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا ہے۔

لیکن اچھائیوں کا حکم دینے اور برائیوں سے روکنے کی مختلف صورتیں ہیں، اور ہر آدمی کو ان تمام صورتوں پر عمل کرنے کی استطاعت وقدرت کا حاصل ہونا ممکن نہیں، اس لئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے دینِ اسلام نے ہر ایک کی استطاعت وقدرت کے مطابق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داری کو لازم کیا ہے۔

حکمرانوں اور حکومت کو کیونکہ اعلیٰ درجہ کی استطاعت وقدرت حاصل ہوتی ہے، اس لئے ان پر اس ذمہ داری کو خصوصیت واہمیت کے ساتھ لازم کیا گیا ہے۔

حکمرانوں کے ذمہ بزورِ طاقت وقانون، جرائم کا خاتمہ لازم ہے

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوْا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ (سورة الحج، رقم الآية، ۴۱)

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں حکومت دے دیں تو نماز کی پابندی کریں اور زکاۃ ادا کریں اور اچھائی کا حکم کریں اور برائی سے روکیں (سورہ حج)

نماز اور زکاۃ اچھائی کے کاموں میں داخل ہیں، اس لئے وہ اچھائی کے حکم میں شامل تھیں، لیکن ان کا ذکر خاص اہمیت کی وجہ سے کیا گیا۔

نماز اور زکاۃ کا فریضہ جو مسلمانوں کے ذمہ لازم ہے، ایک مسلمان حکمران کو ایسی قانون سازی کرنی چاہئے، جس کی رُو سے عاقل بالغ مسلمان نماز اور زکاۃ کے فریضہ کو ادا کرنے میں کوتاہی نہ کرے، خاص طور پر زکاۃ کی ادائیگی کا صحیح صحیح اہتمام کرے، جس کے ساتھ غریب عوام ورعایا کا مالی حق وابستہ ہوتا ہے، اس لئے زکاۃ کی ادائیگی کے مسئلہ کو اسلامی سیاست وحکومت میں بڑا اہم مقام حاصل ہے۔

اور اچھائی کا حکم اور برائی سے روکنے میں درجہ بدرجہ تمام اچھائیاں اور برائیاں داخل ہیں، جن میں خصوصیت کے ساتھ یہ بھی داخل ہے کہ ملک میں ہونے والے جرائم کی روک تھام اور ان کا سدِ باب کیا جائے، جس کے لئے دینِ اسلام نے مختلف سزاؤں کا قانون جاری کیا ہے، اور ان میں چند جرائم ایسے ہیں کہ جو دنیا میں فتنہ وفساد برپا کرنے میں بنیادی، اہم اور مؤثر کردار کرتے ہیں، اس لئے ان جرائم کے لئے دینِ اسلام میں حدود وقصاص وغیرہ کی شکل میں سزاؤں کی تعیین بھی کردی گئی ہے، اور ان کے لئے انتہائی معتدل نظم قائم کیا گیا ہے۔[1]

---

[1] والتمكين السلطنة ونفاذ الأمر، والمراد بالأرض جنسها، وقيل مكة، والمراد بالصلاة الصلاة المكتوبة وبالزكاة الزكاة المفروضة ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور یہ دراصل نہی عن المنکر ہی کی مخصوص صورت ہے، فرق اتنا ہے کہ نہی عن المنکر ہر شخص پر حسبِ استطاعت وقدرت واجب ہوا کرتا ہے، اگر ہاتھ سے طاقت ہو، تو ہاتھ سے نہی عن المنکر ضروری ہوتا ہے، اور حکومت کے پاس کیونکہ قانون سازی (Legislation) اور اس کے نفاذ (Enforcement) کی صورت میں ہاتھ سے برائی کو روکنے کی قدرت ہوتی ہے، اس لئے اس پر اس طرح سے بزورِ قانون بُرائیوں اور جرائم کو روکنا ضروری ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

مَنْ رَّأٰى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيْمَانِ (مسلم) [1]

ترجمہ: تم میں سے جو شخص منکَر (گناہ وبُرائی) کو دیکھے، تو اسے چاہیے کہ اپنے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وبالمعروف التوحيد وبالمنكر الشرك على ما روى عن زيد بن أسلم. ولعل الأولى فى الأخيرين التعميم، والوصف(روح المعانى، ج۹ص۱۵۷، تحت رقم الآية ۴۱، سورة الحج)

ويكون "الذين إن مكناهم فى الأرض "أربعة من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يكن فى الأرض غيرهم. وقال ابن عباس :(المراد المهاجرون والأنصار والتابعون بإحسان. وقال قتادة: هم أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم. وقال عكرمة :هم أهل الصلوات الخمس. وقال الحسن وأبو العالية :هم هذه الأمة إذا فتح الله عليهم أقاموا الصلاة. وقال ابن أبى نجيح :يعنى الولاة. وقال الضحاك :هو شرط شرطه الله عز وجل على من آتاه الملك، وهذا حسن. قال سهل بن عبد الله :الأمر بالمعروف والنهى عن المنكر واجب على السلطان وعلى العلماء الذين يأتونه. وليس على الناس أن يأمروا السلطان، لأن ذلك لازم له واجب عليه، ولا يأمروا العلماء فإن الحجة قد وجبت عليهم(تفسير القرطبى، ج۱۲ ص۷۳، تحت رقم الآية ۴۱، سورة الحج)

ثم إن الأمر بالمعروف، والنهى عن المنكر، لا يليق بكل أحد، وإنما يقوم به السلطان؛ إذ كانت إقامة الحدود إليه، والتعزير إلى رأيه، والحبس والإطلاق له، والنفى والتغريب، فينصب فى كل بلدة رجلا قويا، عالما، امينا، ويأمره بذلك، ويمضى الحدود على وجهها من غير زيادة، كما قال تعالى: (الذين إن مكناهم فى الأرض أقاموا الصلاة وآتوا الزكاة وأمروا بالمعروف ونهوا عن المنكر) (اللباب فى علوم الكتاب، ج۵ص۱۱۵، تحت رقم الآية ۱۰۴، سورة آلِ عمران)

[1] ج ۱ ص ۶۹، كتاب الايمان، باب بيان كون النهى عن المنكر من الإيمان الخ، دار إحياء التراث العربى -بيروت.

ہاتھ سے اُسے بدل دے، اور اگر اس کی طاقت وقدرت نہ ہوتو اپنی زبان سے بدل دے، اور اگر اس کی بھی طاقت وقدرت نہ ہو، تو اپنے دل سے بدل دے، اور یہ ایمان کا کمزورترین درجہ ہے (مسلم)

اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ان الفاظ میں مروی ہے کہ:

مَنْ رَّأٰی مُنْکَرًا فَغَیَّرَہٗ بِیَدِہٖ فَقَدْ بَرِءَ، وَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ أَنْ یُّغَیِّرَہٗ بِیَدِہٖ، فَغَیَّرَہٗ بِلِسَانِہٖ فَقَدْ بَرِءَ، وَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ أَنْ یُّغَیِّرَہٗ بِلِسَانِہٖ، فَغَیَّرَہٗ بِقَلْبِہٖ فَقَدْ بَرِءَ، وَذٰلِکَ أَضْعَفُ الْإِیْمَانِ (سنن النسائی) [1]

ترجمہ: جوشخص کسی منکر (وگناہ) کو دیکھے، پھر اسے اپنے ہاتھ سے بدل دے، تو وہ بریٔ الذمہ ہوگیا، اور جوشخص اپنے ہاتھ سے اس کو بدلنے کی طاقت نہ رکھے پھر وہ اپنی زبان سے بدل دے (یعنی زبان سے نہی عن المنکر کردے) تو وہ بھی بریٔ الذمہ ہوگیا، اور جوشخص اپنی زبان سے اس کو بدلنے کی طاقت نہ رکھے پھر وہ اپنے دل سے اس کو بدل دے (یعنی دل سے اس منکر وگناہ کو برا اور غلط سمجھے) تو وہ بھی بریٔ الذمہ ہوگیا اور یہ ایمان کا کمزور تر درجہ ہے (نسائی)

اور جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ حکمران یا حکومت کے پاس کیونکہ طاقت وقوت ہوتی ہے، اس لئے اس کو منکرات اور جرائم کو ہاتھ کے ذریعہ سے یعنی بزورِ طاقت وقانون ختم کرنا ضروری ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحدیث ۵۰۰۹، کتاب الایمان وشرائعه، باب تفاضل اهل الایمان، مکتب المطبوعات الإسلامیة، حلب.

[2] قال العلماء الامر بالمعروف بالید علی الامراء وباللسان علی العلماء وبالقلب علی الضعفاء یعنی عوام الناس (تفسیر القرطبی ج۴، سوره آلِ عمران، تحت آیت نمبر ۲۱، ۲۲)

وقد قال العلماء رحمة الله علیهم ان التغییر بالید متعین علی الامراء وباللسان متعین علی العلماء وبالقلب متعین علی غیرهما وماقالوه هو فی غالب الحال والا فقد نجد کثیرا منه یتعین تغییره بالید

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور یوں تو دنیا میں ہونے والے جرائم اور برائیوں کی فہرست بڑی طویل ہے، جن کے لئے حکومت کو مناسب تعزیرات اور سزائیں مقرر کرنے کی اجازت ہے، بشرطیکہ کسی پر ظلم اور زیادتی نہ ہو، اور شریعت نے عدل وانصاف کے جو اصول اور ضابطے مقرر کردیئے ہیں، ان کی خلاف ورزی لازم نہ آئے۔

البتہ بعض جرائم ایسے ہیں کہ ان کو دنیا میں ہونے والے مختلف قسم کے جرائم کی بنیاد اور امّ الجرائم کہنا چاہیئے، اس لئے ایسے جرائم کے لئے دینِ اسلام نے خود سے سزاؤں کو مقرر اور طے کردیا ہے، جن میں کسی کو ترمیم کرنے کا اختیار نہیں ہے، ایسی سزاؤں کو حدود وقصاص سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

کیونکہ دنیا میں جو فساد پیدا ہوتا ہے، وہ یا تو کسی کی جان پر بے جا تعرض وچھیڑ چھاڑ کرنے سے پیدا ہوتا ہے، یا کسی کے مال پر بے جا تعرض وچھیڑ چھاڑ کرنے سے پیدا ہوتا ہے، یا عقلِ انسانی کے زائل کرنے سے پیدا ہوتا ہے، جس پر انسان کے اشرفُ المخلوقات ہونے کا دار ومدار ہے، یا کسی کی عزت وآبرو پر تعرض وچھیڑ چھاڑ کرنے سے پیدا ہوتا ہے، اور یا نسلِ انسانی میں خلل ڈالنے اور نفس کی ایسی خواہش کی پیروی کرنے سے ہوتا ہے، جس کی خاطر

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

علی غیر الامیر وغیر العالم فضلا منهما واذا کان الامر کذالک فینقسم التغییر بالنسبة الی العالم قسمین قسم یتغیر بالید قسم یتغیر باللسان والشاذ النادر یتعین علیه بالقلب، وقد نقل ابن رشد رحمه اللہ تعالیٰ فی البیان والتحصیل ماهذا لفظه ان الامر بالمعروف والنهی عن المنکر واجب علی کل مسلم بثلاثة شروط، احدها ان یکون عارفا بالمعروف والمنکر لانه ان لم یکن عارفا بهما لم یصح له امر ولانهی اذ لایأمن من ان ینهی عن المعروف ویامر بالمنکر لجهله بحکمهما وتمییز کل منهما عن الآخر، والثانی ان لایؤدی انکاره المنکر الی منکرا کبر منه مثل ان ینهاه عن شرب الخمر فیؤول نهیه عن ذالک الی قتل نفس واما اشبه ذالک لانه اذالم یامن ذالک لم یجز له امرولانهی، والثالث ان یعلم اویغلب علی ظنه ان انکاره المنکر مزیل له وان امره مؤثر ونافع لانه اذالم یعلم ذالک ولاغلب علی ظنه لم یجب علیه امرولا نهی، فالشرطان الاول والثانی مشترطان فی الجواز، والشرط الثالث مشترط فی الوجوب فاذاعدم الشرط الاول والثانی لم یجز ان یامر ولاینهی، واذاعدم الشرط الثالث ووجد الشرط الاول والثانی جاز له ان یامر وینهی ولم یجب ذالک علیه (المدخل لابنِ الحاج، الجزء الاول ص ۷۰، ۷۱)

انسان بڑے بڑے جرائم کا مرتکب ہوجاتا ہے، یا پھر اپنے ایمان کو ضائع کرنے سے پیدا ہوتا ہے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ ایمان ہی پر آخرت کی کامیابی کا دارومدار ہے، اور حدود وقصاص کی سزاؤں کا دائرہ ان ہی چیزوں کے درمیان دائر ہے۔

اور حدود وقصاص کا ایک اہم مقصد لوگوں کو ان جرائم سے روکنا ہے۔ [1]

آگے ان امُّ الجرائم یعنی ''حدود وقصاص'' کی سزاؤں کا فرداً فرداً ذکر کیا جاتا ہے، جس کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ ''تعزیری سزاؤں'' کا ذکر کیا جائے گا۔

حدود وقصاص، حکومت کا حق یا قانونی وحکومتی سزا ہے

جیسا کہ پیچھے ذکر کیا گیا کہ حدود وقصاص کا قانون دراصل بندوں کی جان ومال اور عزت وآبرو وغیرہ کی حفاظت کے لئے مقرر کیا گیا ہے، اور ان چیزوں کی حفاظت کا بزورِ طاقت انتظام کرنے کے لئے طاقت وقوت کی ضرورت ہے، اور طاقت وقوت کے بغیر اولاً تو اس کا انتظام مشکل ہے، اور اگر کوئی خود سے اس انتظام کی پیش قدمی کرے، تو اس میں اصلاح کے بجائے فساد کا اندیشہ ہے، اس لئے دینِ اسلام میں حدود وقصاص کی سزا جاری کرنے کا حق

---

[1] ثم محاسن الحدود أظهر من أن تذكر ببيان وتكتب ببيان؛ لأن الفقيه وغيره يستوى فى معرفة أنها للامتناع عن الأفعال الموجبة للفساد؛ ففى الزنا ضياع الذرية وإماتتها معنى بسبب اشتباه النسب، ولا يلزم بموت الولد مع ما فيه من تهمة الناس البرآء وغيره؛ ولذا ندب عموم الناس إلى حضور حده ورجمه.وفى باقى الحدود زوال العقل وإفساد الأعراض وأخذ أموال الناس وقبح هذه الأمور مركوز فى العقول ولذا لم تبح الأموال والأعراض والزنا والسكر فى ملة من الملل وإن أبيح الشرب، وحين كان فساد هذه الأمور عاما كانت الحدود التى هى مانعة منها حقوق الله على الخلوص، فإنها حقوقه تعالى على الخصوص أبدا تفيد مصالح عامة، ولذا قال المصنف :والمقصود من شرعيته للانزجار عما يتضرر به العباد؛ والعبارة المشهورة فى بيان حكمة شرعيتها الزجر إلا أنه لما كان الزجر يراد للانزجار عدل المصنف إلى قوله الانزجار، إلا أن قوله :والطهارة ليست بأصلية إلى آخره :أى الطهارة من ذنب بسبب الحد يفيد أنه مقصود أيضا من شرعيتها لكنه ليس مقصودا أصليا بل هو تبع لما هو الأصل من الانزجار وهو خلاف المذهب، فإن المذهب أن الحد لا يعمل فى سقوط إثم قبل سببه أصلا، بل لم يشرع إلا لتلك الحكمة، وأما ذلک فقول طائفة كثيرة من أهل العلم(فتح القدير ،ج۵ص ۲۱۱،كتاب الحدود)

www.idaraghufran.org

عوام کے بجائے، حکومت کو حاصل ہے، اور اس طرح سے یہ حکومتی وقانونی سزا ہے۔ [1]

البتہ حدود کے قائم ہونے کے لئے کیا مسلمانوں کا ملک ہونا ضروری ہے، یا نہیں؟ اس میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے، حنفیہ کے نزدیک حدود قائم ہونے کے لئے اسلامی ملک (Islamic country) کا ہونا ضروری ہے، یہاں تک کہ اگر کوئی شخص کافروں کے ملک (Non-Muslims country) میں ایسا جرم کرے، جس پر حد جاری ہوتی ہے، اور پھر وہ مسلمانوں کے ملک میں داخل ہو جائے، تب بھی اس پر حد جاری نہیں کی جاتی۔ [2]

---

[1] اتفق الفقهاء على أنه لا يقيم الحد إلا الإمام أو نائبه، وذلک لمصلحة العباد، وهى صيانة أنفسهم وأموالهم وأعراضهم .والإمام قادر على الإقامة لشوكته، ومنعته، وانقياد الرعية له قهرا وجبرا، كما أن تهمة الميل والمحاباة والتوانى عن الإقامة منتفية فى حقه، فيقيمها على وجهه فيحصل الغرض المشروع بيقين، ولأن النبى صلى الله عليه وسلم كان يقيم الحدود، وكذا خلفاؤه من بعده، وصرح الحنفية باشتراط الإمام أو نائبه لإقامة الحد(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۱۴۵، الإمامة)

عن مسلم بن يسار، عن أبى عبد الله رجل من أصحاب النبى صلى الله عليه وسلم، قال مسلم :كان ابن عمر يأمرنا أن نأخذ عنه، قال :هو عالم فخذوا عنه، فسمعته يقول ": الزكاة والحدود والفىء والجمعة إلى السلطان ثم قال :أرأيتم لو أخذتم لصوصا، أكان لكم أن تقطعوا بعضهم وتدعوا بعضهم؟ قال :قلنا :لا، قال :أفرأيتم لو رفعتموهم إليهم، فقطعوا بعضهم وتركوا بعضهم، أكان عليكم منهم شىء ؟ قال :قلنا :لا، أما نحن فقد قضينا ما علينا، قال :فهكذا تجرى الأمور "(الأموال لابن زنجويه،رقم الحديث ۲۱۴۳)

عن الحسن ، قال :أربعة إلى السلطان ؛ الزكاة ، والصلاة ، والحدود ، والقضاء (مصنف ابنِ ابى شيبة، رقم الحديث ۲۹۰۲۹، باب من قال الحدود الى الامام)

عن ابن محيريز ، قال :الجمعة ، والحدود ، والزكاة ، والفىء إلى السلطان(مصنف ابنِ ابى شيبة، رقم الحديث ۲۹۰۳۰،باب من قال الحدود الى الامام)

عن عطاء الخراسانى ، قال :إلى السلطان الزكاة ، والجمعة ، والحدود(مصنف ابنِ ابى شيبة، رقم الحديث ۲۹۰۳۱، باب من قال الحدود الى الامام)

عن عمر بن عبد العزيز ، قال :السلطان ولى من حارب الدين ، وإن قتل أخا امرء ، أو أباه(مصنف ابنِ ابى شيبة، رقم الحديث ۲۹۰۳۲، باب من قال الحدود الى الامام)

[2] إقامة الحد على المسلم فى دار الحرب:

اختلف الفقهاء فى إقامة الحد على من زنى من المسلمين أو سرق، أو قذف مسلما، أو شرب خمرا فى دار الحرب.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس لئے حدود وقصاص اور تعزیری سزاؤں کا تعلق سیاست وحکومت کے ساتھ وابستہ ہے، اور اس موضوع کے بغیر سیاست وحکومت کا موضوع مکمل نہیں ہو پاتا، لہٰذا سیاست وحکومت سے متعلق اس کتاب میں حدود و قصاص اور دوسری شکلوں میں تعزیری اور قانونی سزاؤں (Legal punishment) کا بھی ذکر کیا جاتا ہے۔ [1]

اس کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ حکمرانوں کے حقوق اور عوام کی ذمہ داریوں کا ذکر کیا جائے گا، اوراس کے بعد اسلام میں غیر مسلموں کے ساتھ معاملات کا تذکرہ کیا جائے گا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فقال المالكية والشافعية :يجب على الإمام إقامة الحد عليه، لأن إقامة الحدود فرض كالصلاة، والصوم، والزكاة، ولا تسقط دار الحرب عنه شيئا من ذلك.

إذا قتل مسلم مسلما فى دار الحرب يستوفى منه القصاص، ويكون الحكم كما لو كانوا فى دار الإسلام .

وذهب الحنفية إلى أنه لا يقام عليه الحد، ولو بعد رجوعه إلى دار الإسلام لقول النبى صلى الله عليه وسلم لا تقام الحدود فى دار الحرب.

وقوله :من زنى أو سرق فى دار الحرب وأصاب بها حدا ثم هرب فخرج إلينا فإنه لا يقام عليه الحد والله أعلم به ولأن الإمام لا يقدر على إقامة الحدود فى دار الحرب لعدم الولاية، ولا يقام عليه بعد الرجوع إلى دار الإسلام، لأن الفعل لم يقع موجبا أصلا، وكذلك إذا قتل مسلما فيها لا يؤخذ بالقصاص وإن كان القتل عمدا لتعذر الاستيفاء ، ولأن كونه فى دار الحرب أورث شبهة فى الوجوب، والقصاص لا يجب مع الشبهة، ويضمن الدية وتكون فى ماله لا على العاقلة، لأن الدية تجب على القاتل ابتداء ، ثم العاقلة تتحمل عنه لما بينهم من التناصر، ولا تناصر عند اختلاف الدار.

وقال الحنابلة أيضا :تجب الحدود والقصاص، ولكنها لا تقام فى دار الحرب، وتقام عليه بعد رجوعه من دار الحرب(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٠ص٢١٠، مادة "دار الحرب")

[1] مگر آج کل حدود وقصاص اور تعزیرات کے مسائل حکمرانوں کے بجائے عوام کو پڑھائے جاتے ہیں، جس سے عوام، ان سزاؤں کو خود اپنے ذمہ لازم وضروری سمجھتے ہیں، اور پھر اس کے نتیجہ میں مختلف قسم کے فتنے رونما ہوتے ہیں، اور اہل سیاست کو ان مسائل کا خاطر خواہ علم نہیں ہوتا، جو افسوسناک صورتِ حال ہے۔ اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔

(فصل نمبر۱)

قتل وزخم کے جرم کی قانونی سزا وقصاص

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ دنیا میں انسان کے پاس اس کا سب سے بڑا سرمایہ اس کی جان ہے، جس کا دنیا میں کوئی بدل نہیں ہے، اور کسی کی جان سے بے جا تعرض وچھیڑ چھاڑ کرنا بہت بڑے فساد کا باعث ہے۔

اس لئے کسی کو جان سے مار دینے یا بالفاظِ دیگر قتل (Murder) کر دینے کے جرم پر دینِ اسلام نے جو سزا مقرر کی ہے، وہ اسی جرم کی شان کے مطابق ہے۔

البتہ اتنا فرق ضرور ہے کہ بعض اوقات ایک انسان، دوسرے انسان کو جان بوجھ کر قتل Deliberately Killing کرتا ہے، اس لئے یہ جرم زیادہ سنگین ہوتا ہے، اور بعض اوقات غلطی سے یہ جرم سرزَد ہو جاتا ہے، مگر چونکہ انسانی جان کا معاملہ بڑا نازک ہے، اس لئے اس میں غلطی وکوتاہی پر بھی مؤاخذہ کیا گیا اور سزا رکھی گئی ہے، مگر اسی کے ساتھ دونوں قسم کے جرائم میں فرق پائے جانے کی وجہ سے ان کی سزاؤں میں بھی انتہائی اعتدال پر مبنی فرق رکھا گیا ہے پھر انسان کا جسم مختلف اعضاء پر مشتمل ہے، اگر کسی کو جان سے مارنے کے بجائے اس کا کوئی عضو تلف یا ضائع کر دیا جائے، یا زخم لگا دیا جائے، تو اس کا بھی قصاص کی شکل میں منصفانہ بدلہ ومعاوضہ (Fair Compensation) مقرر کیا گیا ہے۔

قصاص کے لغت میں معنیٰ مماثلت کے آتے ہیں، اور اس عمل کا قصاص نام رکھے جانے کی وجہ یہی ہے کہ جس نے جتنا ظلم کیا ہے، اس سے اس کے مثل ہی بدلہ لیا جائے۔ [1]

---

[1] اورقصاص کے مقابلہ میں حد ایسی سزا ہے، جس کی مقدار کو شریعت نے خود مقرر کر دیا ہے۔

القصاص لغة المماثلة، واصطلاحا :أن يوقع على الجانى مثل ما جنى كالنفس بالنفس والجرح بالجرح .ومنه قوله تعالى :(ولكم فى القصاص حياة يا أولى الألباب) وقوله تعالى (كتب عليكم القصاص فى القتلى الحر بالحر) . فالقصاص غير الحد لأنه عقوبة مقدرة وجبت حقا للعبادعادة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۱۳۰، ماده حدود، القصاص)

جان کے بدلہ جان اور عضو کے بدلہ عضو کا منصفانہ قصاص

اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ:

وَ كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ

(سورة المائدة، رقم الآية ۴۵)

ترجمہ: اور ہم نے ان (یہودیوں) پر اس کتاب (یعنی تورات) میں لکھا تھا کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخموں کا بدلہ ان کے برابر ہے، پھر جس (مظلوم یا اس کے ولی) نے معاف کر دیا تو وہ اس کے لئے کفارہ (یعنی گناہوں سے معافی کا ذریعہ) ہوگیا، اور جو لوگ اللہ کے نازل کئے ہوئے قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں تو یہی لوگ ظالم ہیں (سورہ مائدہ)

اس سے معلوم ہوا کہ جان کے بدلہ جان اور عضو کے بدلہ عضو اور زخم کے بدلہ زخم کے قصاص کا منصفانہ قانون کوئی دینِ اسلام کا نیا قانون نہیں ہے، بلکہ وہ پہلی آسمانی کتابوں میں بھی نازل کیا جاچکا ہے، اور یہودیوں کو بھی اُس کا پابند بنایا جاچکا ہے۔

اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ قصاص کا قانون انتہائی منصفانہ اور عادلانہ ہے، انسان پر ظلم کرنا تو بعد کی چیز ہے، اگر کوئی جانور بھی دوسرے جانور پر ظلم کرے، تو اس کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی عدالت میں قصاص کا قانون مقرر کر دیا ہے۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قَالَ: لَتُؤَدُّنَّ الْحُقُوْقُ إِلٰى أَهْلِهَا،

حَتّٰی تُقَادَ الشَّاةُ الْجَمَّاءُ مِنَ الشَّاةِ الْقَرْنَاءِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ (مسند احمد، رقم الحدیث ۸۲۸۸) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن حقداروں کو ان کے حقوق دلوائے جائیں گے یہاں تک کہ بے سینگ بکری کو سینگ والی بکری سے (جس نے اسے سینگ مارا ہوگا) بھی قصاص دلوایا جائے گا (مسند احمد)

لہٰذا انسانوں کے درمیان قصاص کا اسلامی قانون نقل اور سابقہ آسمانی مذاہب کے علاوہ عقل کے بھی مطابق ہے۔

قرآن مجید میں قصاص ودیت کا ذکر

اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ:

یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثٰی بِالْأُنْثٰی فَمَنْ عُفِیَ لَهٗ مِنْ أَخِیْهِ شَیْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَأَدَاءٌ إِلَیْهِ بِإِحْسَانٍ ذٰلِكَ تَخْفِیْفٌ مِنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ أَلِیْمٌ .وَلَكُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیَاةٌ یَّا أُولِی الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (سورۃ البقرۃ، رقم الآیات۱۷۸،۱۷۹)

ترجمہ: اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے ہو، تم پر مقتولوں کے بارے میں قصاص فرض کر دیا گیا ہے، آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت، پھر جس (قاتل) کو اس کے بھائی (یعنی مقتول کے ولی) کی طرف سے کچھ معافی مل جائے تو (مدعی کے لئے) معروف طریقے پر (دیت کا) مطالبہ کرنا اور (قاتل کے ذمے) خوش معاملگی کے ساتھ (دیت) ادا کر دینا، یہ

---

[1] فی حاشیۃ مسند احمد: إسنادہ صحیح علی شرط مسلم.

تمہارے رب کی طرف سے رعایت اور رحمت ہے، پھر اس کے بعد جو کوئی زیادتی کرے تو اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔اور اے عقلمندو تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے تاکہ تم (خونریزی سے) بچو (سورہ بقرہ)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جان کے عوض میں جان کے قتل کیے جانے کا حکم بیان فرمایا ہے، جس کو شریعت کی زبان میں قصاص کہا جاتا ہے، اور قصاص میں زندگی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جس قاتل کو قصاص میں قتل کیا جاتا ہے، تو اس کی وجہ سے بہت سے قتل کا ارادہ کرنے والوں کو قتل کرنے کی جرائت نہیں ہوتی، اور اس طرح سے معاشرہ قتل کی وارداتوں سے پاک ہو جاتا ہے، اور قصاص کے بجائے دیت لینا بھی جائز ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

قرآن مجید ہی میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ إِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا (سورة الاسراء، رقم الآية ۳۳)

ترجمہ: تم قتل نہ کرو، اس جان کو جسے اللہ نے حرام کر دیا ہے مگر حق کی وجہ سے، اور جو کوئی ظلماً قتل کر دیا جائے تو ہم نے اس (مقتول) کے ولی کو (قصاص اور بدلہ کا) اختیار دے دیا ہے، لہٰذا قصاص میں زیادتی نہ کرے، بے شک (قصاص کے منصفانہ قانون کی وجہ سے) اس کی مدد کی گئی ہے (سورہ اسراء)

اس سے معلوم ہوا کہ جان بوجھ کر قتل کیئے جانے کی صورت میں قصاص کا حق مقتول کے ولی کو حاصل ہے، لیکن مقتول کے ولی کو یہ جائز نہیں کہ وہ قصاص لینے میں زیادتی و ناانصافی سے کام لے، کیونکہ قصاص کا منصفانہ قانون بنا کر اس کی مدد کر دی گئی ہے، پھر اس مدد کے ہوتے ہوئے اسے مزید کسی مطالبہ کی ضرورت نہیں، لہٰذا نہ تو ایک مقتول کے بدلہ میں دو کا قتل کرنا جائز ہے، جبکہ دوسرا قتل میں شریک نہ ہو، اور نہ ہی قصاص کے ساتھ پیسوں اور دیت وغیرہ کا

مطالبہ کرنا جائز ہے، اور اگر وہ قصاص نہیں لیتا تو دیت لے سکتا ہے۔

جب کوئی شخص دوسرے کو ظلماً جان بوجھ کر قتل کردے تو اس کو شریعت کی زبان میں ''قتلِ عمد'' کہا جاتا ہے۔

اور جمہور فقہائے کرام (مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ اور حنفیہ میں سے امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ) کے نزدیک قتلِ عمد کے لئے اتنا کافی ہے کہ قاتل قصداً ایسی چیز کے ذریعہ سے قتل کرے، جس سے یقینی یا غالب گمان کے درجہ میں عادتاً موت واقع ہو جاتی ہو، خواہ وہ کسی دھار دار چیز سے قتل کرے، جیسا کہ تلوار، چھری، وغیرہ سے، یا غیر دھار دار چیز سے قتل کرے، جیسا کہ بڑے پتھر سے، یا بڑی لکڑی سے، بلکہ اگر کسی کو ایسے پانی میں غرق کر کے اور ڈوبا کر مارا جائے، کہ جس میں ڈوبنے سے عادتاً انسان کا بچنا ممکن نہیں ہوتا، یا دھوکہ سے یا جبراً زہر دے کر مار دیا جائے، تو بھی قتلِ عمد میں داخل ہے۔

اور اگر کسی ایسی چیز سے جان بوجھ کر قتل کیا جائے، جس سے غالب گمان کے درجہ میں عادتاً موت واقع نہیں ہوتی، تو اس کو شبہ عمد کہا جاتا ہے۔

جبکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قتلِ عمد کے لئے جان بوجھ کر ایسے دھار دار آلہ سے قتل کرنا ضروری ہے، جس سے عادتاً قتل کیا جاتا ہو، اور اگر کسی غیر دھار دار آلہ سے جان بوجھ کر قتل کیا جائے، تو اس کو شبہ عمد کہا جاتا ہے۔

اور اگر کسی کو مارنے اور قتل کرنے کا ارادہ نہ ہو، پھر غلطی سے کوئی زد میں آجائے، تو اس کو قتلِ خطا کہا جاتا ہے۔

قتلِ شبہ عمد اور قتلِ خطا میں قصاص نہیں ہے، بلکہ دیت ہے؛ جبکہ قتلِ عمد میں اولیاء کو قصاص کا حق حاصل ہے، اور اس کے بجائے دیت لینے کا بھی اختیار ہے۔ [1]

---

[1] التعریف: القتل العمد مرکب من کلمتین هما " :القتل " "والعمد "، وسبق تعریف کل منهما فی مصطلحه.وقد اختلف الفقهاء فی تعریف القتل العمد.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کسی کوظلماً جان بوجھ کرقتل کرنا باجماعِ امت حرام ہے، اوردنیا میں قصاص یا دیت کے علاوہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فذهب المالكية والشافعية والحنابلة، وأبو يوسف ومحمد من الحنفية إلى أن القتل العمد :هو قصد الفعل والشخص بما يقتل قطعا أو غالبا.

وعند أبي حنيفة القتل العمد :هو أن يتعمد ضرب المقتول فى أى موضع من جسده بآلة تفرق الأجزاء كالسيف، والليطة، والمروة والنار، لأن العمد فعل القلب، لأنه القصد، ولا يوقف عليه إلا بدليله، وهو مباشرة الآلة الموجبة للقتل عادة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۲، ص۳۳۶،ماده قتل، قتل عمد)

اختلف الفقهاء فى تعريف القتل العمد :فذهب المالكية والشافعية والحنابلة، وأبو يوسف ومحمد من الحنفية، إلى أن القتل العمد هو الضرب بمحدد أو غير محدد، والمحدد، هو ما يقطع، ويدخل فى البدن كالسيف والسكين وأمثالهما مما يحدد ويجرح، وغير المحدد هو ما يغلب على الظن حصول الزهوق به عند استعماله كحجر كبير، أو خشبة كبيرة وبه قال النخعى، والزهرى، وابن سيرين وحماد، وعمرو بن دينار، وابن أبى ليلى، وإسحاق.

وذهب أبو حنيفة إلى أن القتل العمد هو أن يتعمد ضرب المقتول فى أى موضع من جسده بآلة تفرق الأجزاء ، كالسيف، والليطة، والمروة والنار؛ لأن العمد فعل القلب؛ لأنه القصد، ولا يوقف عليه إلا بدليله، وهو مباشرة الآلة الموجبة للقتل عادة .وهذا بخلاف المثقل فليس القتل به عمدا عنده.وأما حكمه فلا خلاف بين الفقهاء فى أن موجب القتل العمد بشروطه :القود، والإثم، وحرمان القاتل من أن يرث القتيل .وتفصيل ذلك فى مصطلح :(قتل عمد)(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۶، ص۶۱،ماده جناية، القتل العمد)

يرى جمهور الفقهاء أن من القتل العمد ما إذا ألقى الجانى شخصا فى ماء مغرق لمثله لا يخلص منه عادة كلجة وقت هيجانها، وكان لا يخلص بسباحة لعجزه عنها، أو لا يحسنها، أو كان مكتوفا، أو زمنا فغرق فهو عمد، ويجب فيه القصاص، أما إذا كان يحسن السباحة ومنع منها عارض بعد إلقائه كريح وموج فشبه عمد، بخلاف ما إذا كان إلقاؤه وقت هيجان البحر؛ لأنه مهلك غالبا لا يمكنه الخلاص منه، وأما إذا ألقى مميزا قادرا على الحركة فى ماء جار أو راكد لا يعد مغرقا عرفا بقصد الإغراق، فمكث فيه مضطجعا، فمات غرقا فلا ضمان ولا كفارة؛ لأنه المهلك لنفسه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۱،ص۱۸۲ ،ماده غرق، القتل بالإغراق)

قال جمهور الفقهاء :إذا قدم لصبى غير مميز أو مجنون طعام مسموم فمات منه وجب القصاص على مقدم الطعام، إن كان يعلم أن ذلك السم يقتل غالبا، سواء أخبره أن الطعام مسموم أم لا .

وإن أكره بالغا عاقلا على أكل طعام مسموم ولم يعلم المكره أنه مسموم فعليه القصاص، أما إن كان المكره يعلم أنه مسموم فلا قصاص كما إذا أكرهه على قتل نفسه.

وإن أوجره السم فى حلقه فعليه القصاص وإن كان بالغا؛ لأنه ألجأه إليه ولا اختيار له حتى يقال عنه: إنه تناول السم باختياره، فحد العمد صادق عليه .وإن قدم طعاما مسموما لبالغ عاقل فأكله فمات

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

آخرت میں بھی بڑی سخت سزا ہے۔ [1]

ایسا قتل کہ جس کو قتلِ عمد کہا جاتا ہے، اس میں شریعت نے قصاص کا حکم جاری کیا ہے، جس کے مطالبہ کے حق دار مقتول کے ورثاء ہیں، مگر مقتول کے ورثاء کو شریعت نے یہ حق بھی دیا ہے کہ وہ اگر چاہیں تو قصاص کے بجائے قاتل سے خون بہا حاصل کر لیں، جس کو شریعت کی زبان میں ''دیت'' کہا جاتا ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

منه، فإن كان يعلم الحال فلا قصاص ولا دية باتفاق الفقهاء ؛ لأنه هو الذى قتل نفسه، وإن كان غير عالم بالحال فقد اختلف الفقهاء فى وجوب القصاص فيه .فقال الشافعية :لا يجب القصاص بل تجب دية لشبه العمد لتناوله له باختياره فلم يؤثر تغريره، وفى قول عندهم :يجب القصاص لتغريره كالإكراه. وقال المالكية والحنابلة :يجب القصاص عليه؛ لأنه يقتل غالبا، ويتخذ طريقا إلى القتل كثيرا فأوجب القصاص. والتفصيل فى باب القصاص والدية.

وإن دس فى طعام شخص مميز أو بالغ الغالب أكله منه فأكله جاهلا، فعليه دية شبه العمد، وإن دس السم فى طعام نفسه فأكل منه آخر عادته الدخول عليه، فإنه يكون هدرا؛ لأنه لم يقتله فإنما الداخل هو الذى قتل نفسه، فأشبه ما لو حفر فى داره بئرا فدخل فيه رجل فوقع فيه .

وإن داوى جرحا فى جسمه من جناية مضمونة بسم قاتل، فمات فلا قصاص على الجارح فى النفس ولا دية النفس؛ إذ هو قاتل نفسه وإن لم يعلم أن السم يقتل غالبا أو أنه سم، بل يجب على الجارح ضمان الجرح بالقصاص أو بالأرش، حسب موجب الجناية .والتفصيل فى باب الجنايات والقصاص .وقال الحنفية :لا قصاص فى القتل بالسم مطلقا، فإن قدم إلى إنسان طعاما مسموما فأكل منه -وهو لا يعلم أنه مسموم -فمات منه فلا قصاص ولا دية، فيعزر بحبس ونحوه، وإن أوجره إيجارا أو أكرهه على تناوله وجبت الدية على عاقلة الجانى لأن القتل حصل بما لا يجرح فكان من شبه العمد(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۵،ص۲۵۸، ماده سم، القتل بالسم)

[1] القتل العمد محرم بالإجماع مستوجب للقصاص والنار كما جاء فى قوله تعالى :(ومن يقتل مؤمنا متعمدا فجزاؤه جهنم خالدا فيها. .).

وقد اختلفوا فى قبول توبة قاتل العمد:فذهب جمهور فقهاء المذاهب الأربعة إلى قبول توبته، لقوله تعالى :(والذين لا يدعون مع الله إلها آخر ولا يقتلون النفس التى حرم الله إلا بالحق ولا يزنون ومن يفعل ذلك يلق أثاما يضاعف له العذاب يوم القيامة ويخلد فيه مهانا إلا من تاب وآمن وعمل عملا صالحا فأولئك يبدل الله سيئاتهم حسنات) وقوله تعالى :(ويغفر ما دون ذلك لمن يشاء) ؛ ولأن الكفر أعظم من قتل العمد بإجماع الفقهاء فإذا قبلت التوبة منه فقبول التوبة من القتل أولى.

وذهب جماعة من علماء السلف ومنهم ابن عباس رضى الله عنهما إلى أنه ليس لقاتل العمد توبة، لقوله تعالى :(ومن يقتل مؤمنا متعمدا فجزاؤه جهنم خالدا فيها وغضب الله عليه ولعنه وأعد له عذابا عظيما(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۰،ص۳۰۸،ماده عمد، فى الجنايات)

قرآن مجید میں قتلِ خطاء ودیت کا ذکر

اگر قتل جان بوجھ کر نہ کیا ہو، بلکہ خطاء وغلطی سے صادر ہوا ہو، تو شریعت نے اس پر دیت اور اس کے علاوہ کفارہ کو بھی مقرر کیا گیا ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَأً وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلٰى أَهْلِهٖ إِلَّا أَنْ يَّصَّدَّقُوْا فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلٰى أَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا. وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَأَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا (سورة النسآء، رقم الآية ۹۲،۹۳)

ترجمہ: اور مومن کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ کسی مومن کو قتل کرے مگر غلطی سے ،اور جو مومن کو غلطی سے قتل کرے تو ایک مومن غلام آزاد کرنا ہے، اور دیت ہے، جو مقتول کے گھر والوں (یعنی وارثوں) کو (ان کی میراث کے حصہ کے بقدر) سپرد کی جائے گی، مگر یہ کہ وہ دیت معاف کر دیں، پھر اگر وہ مقتول کسی ایسی قوم میں سے تھا جس سے تمہاری دشمنی ہے، اور وہ (مقتول) مومن تھا، تو ایک مومن غلام آزاد کرنا ہے اور اگر وہ مقتول مومن کسی ایسی قوم میں سے تھا جس سے تمہارا معاہدہ ہے تو اس کے گھر والوں (یعنی وارثوں) کو دیت سپرد کی جائے گی، اور ایک مومن غلام کو آزاد کرنا ہوگا، پھر جو غلام نہ پائے وہ لگاتار دو مہینے کے روزے رکھے، اللہ سے توبہ کرنے کے لیے اور اللہ خوب جاننے والا، حکمت والا ہے۔ اور

جو کوئی کسی مومن کو جان کر قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اور اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے، اور اللہ نے اس کے لیے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے (سورہ نسآء)

مذکورہ آیات سے معلوم ہوا کہ جب کوئی خطاءً قتل ہو جائے، تو اس کی دیت دی جائے گی، جو مقتول کے وارثوں کو حاصل ہوگی، اور اس کے سب وارث اپنے اپنے حصوں کے بقدر اس کے حق دار ہوں گے۔

اور اگر کوئی مسلمان، غیر مسلم کو قتل کرے تو اگر وہ ذمی ومعاہد ہو تو اس کی دیت بھی اس کے وارثوں کے حوالہ کی جائے گی، البتہ اگر کوئی حربی کافر ہو، جس سے قتل وقتال نہ ہونے کا مسلمانوں سے معاہدہ نہ ہو، تو اس کی دیت لازم نہ ہوگی، یہ تو دیت کا معاملہ تھا، اور کفارہ بھی لازم ہوگا، جو کہ ایک مؤمن غلام کو آزاد کرنا ہے، اور اگر وہ نہ ملے تو دو مہینوں کے لگاتار روزے رکھنے ہوں گے۔

احادیث میں قصاص ودیت کا ذکر

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْعَمْدُ قَوَدُ الْيَدِ، وَالْخَطَأُ عَقْلٌ لَا قَوَدَ فِيْهِ، وَمَنْ قُتِلَ فِيْ عِمِّيَّةٍ بِحَجَرٍ أَوْ عَصًا أَوْ سَوْطٍ فَهُوَ دِيَةٌ مُغَلَّظَةٌ فِيْ أَسْنَانِ الْإِبِلِ (سنن الدارقطنی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عمداً قتل کا بدلہ قصاص ہے (یعنی اس کے ہاتھ کے کرتوت کا بدلہ قصاص ہے) اور خطاء کے قتل میں دیت ہے، جس میں قصاص نہیں ہے، اور جوان دیکھی حالت میں پتھر یا لکڑی یا کوڑے سے قتل

[1] رقم الحدیث ۳۱۳۸، کتاب الحدود والدیات وغیرہ.

www.idaraghufran.org

کردیا جائے،تو اس میں دیتِ مغلظہ ہے بڑی عمر والے اونٹوں سے (دارقطنی)

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَإِنَّهُ يُدْفَعُ إِلٰى أَوْلِيَاءِ الْقَتِيْلِ، فَإِنْ شَاءُوْا قَتَلُوْا، وَإِنْ شَاءُوْا أَخَذُوْا الدِّيَةَ، وَهِيَ ثَلَاثُوْنَ حِقَّةً، وَثَلَاثُوْنَ جَذَعَةً، وَأَرْبَعُوْنَ خَلِفَةً، فَذٰلِكَ عَقْلُ الْعَمْدِ، وَمَا صَالَحُوْا عَلَيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ لَهُمْ، وَذٰلِكَ شَدِيْدُ الْعَقْلِ، وَعَقْلُ شِبْهِ الْعَمْدِ مُغَلَّظَةٌ مِثْلُ عَقْلِ الْعَمْدِ، وَلَا يُقْتَلُ صَاحِبُهُ (مسند احمد، رقم الحديث ۷۰۳۳) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کردے تو یہ مقتول کے ورثاء کے حوالے کیا جائے گا وہ چاہیں تو اسے قصاصاً قتل کردیں اور چاہیں تو دیت لے لیں جو کہ (سو اونٹ اس تفصیل کے مطابق ہیں کہ) تیس حقے (یعنی تین سالہ اونٹ) تیس جذعے (یعنی چار سالہ اونٹ) اور چالیس حاملہ اونٹنیاں، یہ قتلِ عمد (یعنی جان بوجھ کر قتل کرنے) کی دیت ہے اور وہ جس چیز پر قاتل سے صلح کرلیں وہ اس کے حقدار ہوں گے اور یہ دیتِ مغلظہ (یعنی سخت دیت کہلاتی) ہے، قتلِ شبہ عمد کی دیت بھی قتلِ عمد (یعنی جان بوجھ کر قتل کرنے) کی دیت کی طرح دیتِ مغلظہ (یعنی سخت دیت) ہی ہے اور اس صورت میں قاتل کو قتل نہیں کیا جائے گا (مسند احمد)

ان احادیث سے قتلِ عمد کی صورت میں قصاص اور قتلِ شبہ عمد اور قتلِ خطا کی صورت میں قصاص کے بجائے دیت کا حکم معلوم ہوا۔

قتلِ عمد کے مقابلہ میں قتلِ خطا وہ ہے کہ جس میں دوسرے کو قتل کرنے کا ارادہ نہ ہو، بلکہ غلطی

---

[1] فی حاشية مسند احمد: حديث حسن، وبعضه صحيح.

سے کوئی زد میں آ جائے۔ [1]

مسلمان آزاد مقتول کی دیت ایک سو اونٹ ہے، اور مقتول عورت کی دیت مرد کے مقابلہ میں آدھی ہے، یعنی پچاس اونٹ۔

اور مسلمان آزاد مقتول مرد کی دیت سونے کی صورت میں ایک ہزار دینار ہے، اور چاندی کی صورت میں دس ہزار درہم، اور بعض فقہاء کے نزدیک بارہ ہزار درہم ہیں۔ [2]

---

[1] لا خلاف بين الفقهاء فى أن القتل الخطأ هو أن لا يقصد الضرب ولا القتل، مثل أن يرمى صيدا أو هدفا فيصيب إنسانا، أو ينقلب النائم على إنسان فيقتله (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٦، ص ٦١، مادة " جنايات " القتل الخطأ)

[2] اور درہم آج کل کے مروّجہ وزن کے اعتبار سے تقریباً ساڑھے تین ماشہ چاندی کا ہے، تو دس ہزار درہم کی دیت دو ہزار نو سو سولہ تولے آٹھ ماشے چاندی ہوگی، یعنی چھتیس سیر چھتیس تولے آٹھ ماشے (معارف القرآن ج۱، ص ۴۳۷)

ذهب الفقهاء إلى أن دية الأنثى الحرة المسلمة هى نصف دية الذكر الحر المسلم، هكذا روى عن النبى صلى الله عليه وسلم وعن عمر وعلى وابن مسعود وزيد بن ثابت رضى الله عنهم. قال ابن المنذر وابن عبد البر: أجمع أهل العلم على أن دية المرأة نصف دية الرجل؛ لما روى معاذ عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: دية المرأة على النصف من دية الرجل. ولأنها فى الشهادة والميراث على النصف من الرجل فكذلك فى الدية (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٢١ ص ٥٩، ٦٠، مادة "الديات" دية الأنثى)

اتفق الفقهاء على أن الإبل أصل فى الدية، فتقبل إذا أديت منها عند جميع الفقهاء. واختلفوا فيما سوى الإبل: فذهب المالكية وأبو حنيفة إلى أن أصول الدية أى ما تقضى منه الدية من الأموال ثلاثة أجناس: الإبل والذهب والفضة؛ لقول النبى صلى الله عليه وسلم: إن فى النفس مائة من الإبل. وقوله عليه الصلاة والسلام: على أهل الذهب ألف دينار وعلى أهل الورق اثنا عشر ألف درهم.

فالدية على أهل الإبل مائة من الإبل، وعلى أهل الذهب ألف دينار من الذهب وعلى أهل الورق (الفضة) اثنا عشر ألف درهم، عند المالكية والشافعية والحنابلة: لقوله صلى الله عليه وسلم: على أهل الذهب ألف دينار وعلى أهل الورق اثنا عشر ألف درهم ولما روى ابن عباس رضى الله عنهما أن رجلا قتل فجعل رسول الله صلى الله عليه وسلم ديته اثنى عشر ألفا.

قال النفراوى المالكى: صرف دينار الدية اثنا عشر درهما، كدينار السرقة والنكاح، بخلاف دينار الجزية والزكاة فصرفه عشرة دراهم، وأما دينار الصرف فلا ينضبط وقال الحنفية: الدية من الورق عشرة آلاف درهم؛ لقول عمر رضى الله عنه: (الدية عشرة آلاف درهم)، وكان ذلك بمحضر من الصحابة رضى الله عنهم ولم ينقل أنه أنكر عليه أحد، فيكون إجماعا مع أن المقادير لا تعرف إلا سماعا فالظاهر أنه سمعه من رسول الله صلى الله عليه وسلم، ولما روى ابن عمر رضى الله عنهما

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

لَمَّا فَتَحَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مَكَّةَ قَامَ فِي النَّاسِ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنٰى عَلَيْهِ،

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

أن النبى صلى الله عليه وسلم قضى بالدية فى قتيل بعشرة آلاف درهم ولأن الدينار مقوم فى الشرع بعشرة دراهم كما فى الزكاة، فإن نصاب الفضة فى الزكاة مقدر بمائتى درهم، ونصاب الذهب فيها بعشرين دينارا. قال الزيلعي :يحمل ما رواه الشافعي ومن معه على وزن خمسة، وما رويناه على وزن ستة، وهكذا كانت دراهمهم فى زمان رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى زمان عمر رضى الله عنه فاستويا. وبهذا ظهر أن الاختلاف فى مقدار الدية يرجع إلى سعر صرف الدينار.

والمذهب عند الحنابلة، وهو قول الصاحبين من الحنفية أن أصول الدية خمسة :الإبل والذهب والورق والبقر والغنم، وهذا قول عمر وعطاء وطاوس وفقهاء المدينة السبعة، وابن أبى ليلى .وزاد عليها أبو يوسف ومحمد من الحنفية -وهو رواية عن أحمد -الحلل، فتكون أصول الدية ستة أجناس.واستدلوا بما روى عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده، أن عمر قام خطيبا فقال :ألا إن الإبل قد غلت . .ففرضها على أهل الذهب ألف دينار وعلى أهل الورق اثنى عشر ألفا وعلى أهل البقر مائتى بقرة، وعلى أهل الشاء ألفى شاة، وعلى أهل الحلل مائتى حلة .

وعلى ذلك فأى شىء أحضره من عليه الدية من الجانى أو العاقلة من هذه الأصول لزم الولى أو المجنى عليه أخذه، ولم يكن له المطالبة بغيره، سواء أكان من أهل ذلك النوع أم لم يكن؛ لأنها أصول فى قضاء الواجب يجزء واحد منها، فكانت الخيرة إلى من وجبت عليه .

وقال الشافعى :وهو رواية عن أحمد وظاهر كلام الخرقى من الحنابلة، وقول طاوس وابن المنذر : إن الأصل فى الدية الإبل لا غير؛ لقوله :ألا إن قتيل الخطأ شبه العمد ما كان بالسوط والعصا مائة من الإبل. ولأن النبى صلى الله عليه وسلم فرق بين دية العمد والخطأ فغلظ بعضها وخفف بعضها، ولا يتحقق هذا فى غير الإبل؛ ولأنه بدل متلف (وجب) حقا لآدمى، فكان متعينا كعوض الأموال .

وعلى ذلك فمن تجب عليه الدية وله إبل تؤخذ الدية منها سليمة من العيوب، وأيهما أراد المعدول عنها إلى غيرها فللآخر منعه، ولا يعدل إلى نوع آخر أو قيمته إلا بتراض من المودى والمستحق؛ لأن الحق متعين فى الإبل فاستحقت كالمثل فى المثليات المتلفة.

ولو عدمت إبل الدية حسا بأن لم توجد فى موضع يجب تحصيلها منه، أو شرعا بأن وجدت فيه بأكثر من ثمن مثلها، فالواجب ألف دينار على أهل الدنانير أو اثنا عشر ألف درهم فضة على أهل الدراهم، وهذا قول الشافعى فى القديم لحديث " :على أهل الذهب ألف دينار وعلى أهل الورق اثنا عشر ألف درهم ،وفى القول الجديد للشافعى تجب قيمتها وقت وجوب تسليمها بنقد بلده الغالب بالغة ما بلغت؛ لأنه بدل متلف، فيرجع إلى قيمتها عند إعواز الأصل . وقال المالكية :أهل البوادى من كل إقليم من أهل الإبل فإن لم يوجد عندهم إلا الخيل والبقر فلا نص، والظاهر تكليفهم بما يجب على حاضرتهم من ذهب أو فضة، وقيل :يكلفون قيمة الإبل (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۱، ص۵۷ الى ۵۹، مادة: ديات، ما تجب منه الدية :أصول الدية)

ثُمَّ قَالَ: وَمَنْ قُتِلَ لَهُ قَتِيلٌ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ، إِمَّا أَنْ يَّعْفُوَ، وَإِمَّا أَنْ يَّقْتُلَ (سنن الترمذی) ؎١

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ کی فتح عطا فرمائی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے درمیان کھڑے ہوئے، پھر آپ نے اللہ کی حمد وثناء بیان کی، پھر فرمایا کہ جس کا کوئی قتل کردیا جائے، تو اس کو دو طرح کا اختیار ہے! یا تو یہ کہ وہ معاف کردے، یا یہ کہ وہ قتل کر کے قصاص لے (ترمذی)

حضرت ابوشریح کعبی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَلَا إِنَّكُمْ يَا مَعْشَرَ خُزَاعَةَ قَتَلْتُمْ هٰذَا الْقَتِيْلَ مِنْ هُذَيْلٍ، وَإِنِّيْ عَاقِلُهُ، فَمَنْ قُتِلَ لَهُ بَعْدَ مَقَالَتِيْ هٰذِهٖ قَتِيْلٌ، فَأَهْلُهُ بَيْنَ خِيَرَتَيْنِ: أَنْ يَّأْخُذُوْا الْعَقْلَ، أَوْ يَقْتُلُوْا (ابو داؤد) ؎٢

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے گروہِ خزاعہ! بے شک تم نے اس مقتول کو جو ہذیل قبیلہ کا تھا قتل کیا ہے؟ اور بے شک میں اس کا عاقل ہوں (یعنی اس کی دیت میں دلواؤں گا) پس آج کے اس مقتول کے بارے میں میری گفتگو کے بعد جس کا بھی کوئی مقتول ہو، تو اس کے ورثاء کو دو اختیار ہیں، یا تو وہ دیت لے لیں یا اسے قصاص میں قتل کردیں (ابوداؤد)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْعَمْدُ قَوَدٌ، إِلَّا أَنْ يَّعْفُوَ وَلِيُّ الْمَقْتُوْلِ (مصنف ابن ابی شیبة) ؎٣

؎١ رقم الحديث ١٤٠٥، ابواب الديات، باب ما جاء فی حكم ولی القتيل فی القصاص والعفو.
قال الترمذی: وفی الباب عن وائل بن حجر، وأنس، وأبی شريح خويلد بن عمرو.

؎٢ رقم الحديث ٤٥٩٤، كتاب الديات، باب فی النار تعدى.

؎٣ رقم الحديث ٢٨٣٤١، كتاب الديات، باب من قال العمد قود.

ترجمہ: رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عمداً قتل کا بدلہ قصاص ہے، مگر یہ کہ مقتول کا ولی معاف کردے (ابنِ ابی شیبہ)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مقتول کے ورثاء واولیاء کو قصاص کے بجائے، دیت لینے اور معاف کردینے کا بھی حق ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ قصاص یا دیت لینے یا بالکلیہ معاف کردینے کا اختیار مقتول کے ورثاء واولیاء کو ہے، ان کی رضامندی کے بغیر کسی دوسرے کو، خواہ وہ حاکم ہو، خود سے معاف کردینے کا حق حاصل نہیں ہے، جیسا کہ آج کل سمجھا جاتا ہے، بلکہ احادیث میں اس پر سخت وعید آئی ہے، البتہ حاکم کو یہ جائز ہے کہ مقتول کے ورثا سے معاف کرنے کی سفارش ودرخواست (یعنی اپیل) کرے، جس کو قبول کرنے نہ کرنے کا ان ورثاء کو اختیار رہے۔

چنانچہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

وَمَنْ قَتَلَ عَمْدًا فَهُوَ قَوَدُ يَدِهِ ،مَنْ حَالَ دُوْنَهُ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ (سنن الدارقطنی) [1]

ترجمہ: اور جس نے کسی کو عمداً قتل کیا، تو وہ اس کے ہاتھ کا قصاص ہے (یعنی اس کے ہاتھ کے کرتوت کا بدلہ ہے) جو شخص اس قصاص کے درمیان حائل ہو، تو اس پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے (دارقطنی)

اور ایک مرسل روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ:

وَمَنْ حَالَ دُوْنَهُ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَغَضَبُهُ، لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ (ابوداؤد) [2]

ترجمہ: اور جو شخص اس کے درمیان حائل ہوجائے (یعنی قصاص میں رکاوٹ بن

---

[1] رقم الحديث ۳۱۳۲، كتاب الحدود والديات وغيره.

[2] رقم الحديث ۴۵۳۹، كتاب الديات، باب من قتل فى عميا بين قوم.

جائے) تو اس پر اللہ کی لعنت اور اس کا غضب ہے اور اس سے نہ کوئی فرض قبول کیا جائے گا نہ ہی نفل (ابوداؤد)

البتہ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا کہ مقتول کے ورثا سے قصاص نہ لینے اور معاف کردینے کی سفارش کی جاسکتی ہے، جس کی مزید تفصیل آگے حدود وقصاص معاف کرنے کے بیان میں آتی ہے۔

قصاص ودیت کی قانونی سزا سے متعلق چند احکام

اب قصاص ودیت کے قانون سے متعلق چند مزید احکام کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱)...... قصاص ودیت کا اسلامی قانون انتہائی حکمت اور عدل وانصاف پر مبنی ہے، ایک حکمت تو قرآن مجید میں بیان کی گئی ہے کہ اس میں انسانوں کی حیات وزندگی ہے، اور وہ اس طرح کہ قصاص ودیت کے قانون کے ڈر کی وجہ سے قاتل کو قتل کرنے کی جرأت نہیں ہوتی، اور ہر ایک کو ڈر رہتا ہے کہ اگر اس نے کسی کو قتل کیا تو جان کے بدلہ جان یا بھاری مال دے کر بدلہ چکانا پڑے گا۔

اور اگر اس طرح کا قانون نہ ہو تو پھر قاتل کو کسی کے قتل کرنے میں کوئی ڈر وخوف نہ ہوگا، اور اس طرح قتل وقتال کے واقعات کثرت سے جنم لیں گے، پھر عدل وانصاف کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اگر ایک شخص نے دوسرے کو جان بوجھ کر قتل کیا ہے، تو اس کے بدلہ میں قاتل کو قتل کیا جائے۔

(۲)...... احادیث سے یہ بات معلوم ہوچکی کہ قاتل سے قصاص لینے کا حق مقتول کے اولیاء اور ورثاء کو ہے، مگر مقتول کے اولیاء اور ورثاء کو باختیارِ خود قاتل کو قصاص میں قتل کرنا جائز نہیں کہ خود ہی قاتل کو قتل کرڈالیں، بلکہ یہ حق حاصل

کرنے کے لیے حاکم (اور عدالت) کا حکم ضروری ہے۔ [۱]

(۳)...... قصاص کے علاوہ دیت بھی مقتول کے ورثاء کا حق ہے، جوان کو اپنی میراث کے حصہ کے بقدر حاصل ہوتا ہے، لیکن اگر مقتول کے تمام ورثاء عاقل بالغ ہوں، اور وہ قاتل کے ساتھ دیت کی مقدار سے کم پر مصالحت کرلیں، یا قصاص اور دیت وغیرہ کو بالکلیہ معاف کردیں، تو ان کو اس کا بھی اختیار ہے، بلکہ معاف کردینا زیادہ فضیلت کا باعث ہے، ان چیزوں کی تفصیل آگے حدود کے بعد مستقل بحث میں آتی ہے۔ [۲]

(۴)...... اگر کئی افراد مل کر عمداً یعنی جان بوجھ کر ایک شخص کو قتل کریں، تو اکثر فقہائے کرام کے نزدیک یہ سب قصاص کی سزا کے مستحق کہلائیں گے۔ [۳]

---

[۱] وذهب جمهور الفقهاء إلى أنه لا يجوز استيفاء القصاص إلا بإذن الإمام فيه لخطره؛ ولأن وجوبه يفتقر إلى اجتهاد لاختلاف الناس في شرائط الوجوب والاستيفاء ، لكن يسن حضوره عند الشافعية.

والمذهب عند الحنابلة أن لا يستوفى القصاص إلا بحضرة السلطان أو نائبه، فإذا استوفاه الولى بنفسه بدون إذن السلطان جاز، ويعزر لافتئاته على الإمام(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۳،ص ۲۷۳،مادة " قصاص")

[۲] أجمع الفقهاء على أن ولى الدم مخير فى الجناية على النفس بين ثلاث خصال :فإما أن يقتص من القاتل، أو يعفو عنه إلى الدية أو بعضها، أو أن يصالحه على مال مقابل العفو، أو يعفو عنه مطلقا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۱، ص ۸۰، مادة: تخيير،التخيير بين القصاص والدية والعفو) واختلف الفقهاء فى توقف تخيير ولى الدم فى أخذ الدية على رضا الجانى.

[۳] الجناية على النفس:إذا تواطأ جمع على قتل واحد معصوم الدم عمدا عدوانا، فقد ذهب جمهور الفقهاء إلى أن الجمع يقتلون بالفرد الذى تم التواطؤ على قتله، واستدلوا بأدلة :منها، ما روى سعيد بن المسيب أن عمر بن الخطاب رضى الله تعالى عنه قتل سبعة من صنعاء قتلوا رجلا وقال :لو تمالأ عليه أهل صنعاء لقتلتهم جميعا .وعن على أنه قتل ثلاثة قتلوا رجلا، وعن ابن عباس أنه قتل جماعة بواحد، ولم ينكر عليهم ذلک مع شهرته فصار إجماعا سكوتيا .قال ابن قدامة : ولأن القصاص عقوبة تجب للواحد على الواحد، فوجبت للواحد على الجماعة كحد القذف، ويفارق الدية فإنها تتبعض والقصاص لا يتبعض؛ ولأن القصاص لو سقط بالاشتراک أدى إلى التسارع بالقتل به، فيؤدى إلى إسقاط حكمة الردع والزجر.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۵)......اگر کوئی مسلمان، غیر مسلم حربی کو قتل کردے (جس کے ساتھ قتل وقتال

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وحکی عن أحمد رواية أخرى :لا يقتلون به وتجب عليهم الدية، وهذا قول ابن الزبير، والزهرى، وابن سيرين، وربيعة، وداود، وابن المنذر، وحكى عن ابن عباس.

وقال :وروى عن معاذ بن جبل "وغيره "أنه يقتل واحد منهم، ويؤخذ من الباقين حصصهم من الدية؛ لأن كل واحد منهم مكافء له فلا تستوفى أبدال بمبدل واحد، كما لا تجب ديات لمقتول واحد؛ ولأن الله تعالى قال :(الحر بالحر)وقال :(وكتبنا عليهم فيها أن النفس بالنفس)فمقتضاه أنه لا يؤخذ بالنفس أكثر من نفس واحدة؛ ولأن التفاوت فى الأوصاف يمنع بدليل أن الحر لا يؤخذ بالعبد، والتفاوت فى العدد أولى.

ولكن جمهور الفقهاء بعد اتفاقهم فى الجملة على (قتل الجماعة بالواحد) اختلفوا فى التفصيل.

فقال الحنفية :يقتل جمع بمفرد إن جرح كل واحد جرحا مهلكا معا؛ لأن زهوق الروح يتحقق بالمشاركة؛ لأنه غير متجزء بخلاف الأطراف، واشتراك الجماعة فيما لا يتجزأ يوجب التكامل فى حق كل واحد منهم، فيضاف إلى كل واحد منهم كملا كأنه ليس معه غيره كولاية الإنكاح، فإن كان جرح البعض مهلكا، وجرح الآخرين غير مهلک، فالقود على ذى الجرح المهلک، وعلى الآخرين التعزير، والدية -فى الظاهر -لتعمدهم، أما إذا باشر القتل بعضهم وكان الآخرون نظارة أو مغرين فلا قود ولا دية.

وقال المالكية :يقتل الجمع المتمالئون على قتل شخص إن تمالئوا بضربه بنحو سيوف، أو بسوط من أحدهم وسوط من آخر، وهكذا حتى مات فيقتلون به؛ لحديث عمر رضى الله عنه، هذا إذا كان جميع المتمالئين مكلفين، فإن اشترک مكلف مع صبى فى قتل معصوم الدم، فعلى المكلف القصاص، وعلى عاقلة الصبى نصف الدية إن تمالآ على قتله.

وعندهم :أنه إن تعدد من باشروا الضرب أو الجرح العمد العدوان الذى نشأ عنه الموت، فإن كانوا تمالئوا على قتله، يقتل الجميع بقتل واحد إن مات مكانه، أو رفع مغمورا حتى مات، لا فرق بين الأقوى ضربا وغيره، وإن لم تكن ممالأة على قتله، بأن قصد كل منهم قتله بانفراده من غير اتفاق مع غيره، أو قصد كل منهم ضربه بلا قصد قتل فمات . . .قدم الأقوى فعلا حيث تميزت أفعالهم فيقتل، ويقتص ممن جرح أو قطع، ويؤدب من لم يجرح، فإن لم تتميز الضربات بأن تساوت أو لم يعلم الأقوى قتل الجميع إن مات مكانه حقيقة أو حكما، وإلا فواحد بقسامة.

وقال الشافعية :يقتل الجمع بواحد وإن تفاضلت الجراحات فى العدد، والفحش، والأرش، حيث كان لها دخل فى الزهوق سواء أقتلوه بمحدد، أم بمثقل، أم ألقوه من شاهق،أو فى بحر؛ لأن القصاص عقوبة للواحد على الواحد فيجب له على الجماعة كحد القذف؛ ولأنه شرع لحقن الدماء، فلو لم يجب عند الاشتراک لاتخذ ذريعة إلى سفكها؛ ولحديث عمر رضى الله عنه.

أما من ليس لجرحه أو ضربه دخل فى الزهوق بقول أهل الخبرة فلا يعتبر .ولو ضربوه بسياط، أو عصا خفيفة فقتلوه وضرب كل منهم لا يقتل، قتلوا إن تواطئوا أى اتفقوا على ضربه .وكانت جملة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

نہ کرنے کا کوئی قولی یا فعلی معاہدہ نہیں ہے) تو اس پر دنیا میں قصاص ودیت لازم نہیں۔ ؎[1]

(۲)...... اگر کوئی غیر مسلم مستقل طور پر مسلمانوں کے ملک میں معاہدہ کے تحت

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

السياط بحيث يقصد بها الهلاک .وإن وقع مصادفة ولم يعلم المتأخر ضرب غيره، فالدية تجب عليهم باعتبار عدد الضربات إن علم يقينا، فإن جهل أو شک فيه فالتوزيع على الرء وس كالتوزيع في الجراح.وإنما لم يعتبر التواطؤ فى الجراحات والضربات المهلک كل منها لو انفرد؛ لأنها قاتلة فى نفسها ويقصد بها الهلاک مطلقا، والضرب الخفيف لا يظهر فيه قصد الإهلاک مطلقا إلا بالموالاة من واحد والمواطء من جمع.

ولو ضرب اثنان شخصا بسياط أو عصا خفيفة فقتلوه، وضرب أحدهما يقتل، وضرب الآخر لا يقتل، فإن سبق الضرب الذى يقتل كخمسين سوطا مثلا، ثم تبعه الضرب الذى لا يقتل كسوطين حالة ألمه من ضرب الأول، وكان الضارب الثانى عالما بضرب الأول اقتص منهما، فإن كان جاهلا به فلا قصاص، وعلى الأول منهما حصة ضربه من دية العمد، وعلى الثانى كذلک من دية شبهه باعتبار الضربات .وإن سبق الضرب الذى لا يقتل، ثم تبعه الذى يقتل حال الألم، ولا تواطؤ، فلا قود على واحد منهما، بل يجب على الضارب الأول حصة ضربه من دية شبه العمد، وعلى الثانى حصة ضربه من دية العمد باعتبار الضربات.

وقال الحنابلة :إن الجماعة إذا قتلوا واحدا فعلى كل واحد منهم القصاص، إذا كان كل واحد منهم لو انفرد بفعله وجب عليه القصاص.قال ابن قدامة - :بعد ذلک -روى ذلک عن عمر، وعلى، والمغيرة بن شعبة، وابن عباس، وبه قال سعيد بن المسيب، والحسن، وأبو سلمة، وعطاء ، وقتادة . وهو مذهب مالک، والثورى، والأوزاعى، والشافعى، وإسحاق، وأبى ثور، وأصحاب الرأى.

ولا يعتبر -عند الحنابلة -فى وجوب القصاص على المشتركين التساوى فى سببه، فلو جرحه رجل جرحا، والآخر مائة فمات، كانا سواء فى القصاص والدية؛ لأن اعتبار التساوى يفضى إلى سقوط القصاص عن المشتركين إذ لا يكاد جرحان يتساويان من كل وجه، ولو احتمل التساوى لم يثبت الحكم؛ لأن الشرط يعتبر العلم بوجوده ولا يكتفى باحتمال الوجود، بل الجهل بوجوده كالعلم بعدمه فى انتفاء الحكم؛ ولأن الجرح الواحد قد يموت منه دون المائة؛ ولأن الجراح إذا أفضت إلى قتل النفس سقط اعتبارها، فكان حكم الجماعة كحكم الواحد، ألا ترى أنه لو قطع أطرافه كلها فمات وجبت دية واحدة، كما لو قطع طرفه فمات(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۴ ص۱۱۳ الیٰ ۱۱۶ ،مادة "تواطؤ")

؎[1] عن عمرو بن شعيب، عن أبيه، عن جده، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يقتل مسلم بكافر (ترمذى، رقم الحديث ۱۴۱۳ ،مسند احمد، رقم الحديث ۶۶۶۲)

فى حاشية مسند احمد:صحيح، وهذا إسناد حسن.

رہتا ہے، جیسا کہ ذمی، اگر اس کو کوئی مسلمان ظلماً قتل کردے، یا اس کا کوئی عضو تلف کردے، تو کیا مسلمان پر اس کا قصاص واجب ہوگا یا نہیں؟ اس میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔

حنفیہ کے نزدیک مسلمان پر اس کا قصاص واجب ہے، البتہ اگر کوئی مستامن ہو یعنی امن طلب کرکے عارضی طور پر مسلمانوں کے ملک میں آیا ہو، تو اس کے قتل کرنے پر قصاص کے بجائے دیت واجب ہوگی۔ [1]

---

[1] عن علی، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال " :المؤمنون تكافأ دماؤهم، وهم يد على من سواهم، يسعى بذمتهم أدناهم، ألا لا يقتل مؤمن بكافر، ولا ذو عهد فى عهده " (مسند احمد، رقم الحديث ۹۹۱)

فى حاشية مسند احمد:صحيح لغيره.

والعبد يقتل بالحر بالإجماع ويجرى القصاص بين الصغير والكبير والذكر والأنثى والمسلم والذمى فى النفس لما تلونا من النص خلافا للشافعى.وأجمعوا أن المسلم لا يقتل بالمستأمن وكذلك الذمى.وأما المستأمن هل يقتل بالمستأمن فيه روايتان(تحفة الفقهاء للسمرقندى، ج۳ص ۱۰۱، كتاب الديات)

(قوله وإذا صار ذميا يجرى القصاص إلخ) أما قبل صيرورته ذميا فلا قصاص بقتله عمدا بل الدية . قال فى شرح السير :الأصل أنه يجب على الإمام نصرة المستأمنين ما داموا فى دارنا، فكان حكمهم كأهل الذمة إلا أنه لا قصاص على مسلم أو ذمى بقتل مستأمن، ويقتص من المستأمن بقتل مثله(ردالمحتار، ج۴ص ۱۶۹، باب المستامن، مطلب فى أحكام المستأمن قبل أن يصير ذميا)

ثانيا -ما يختص بأهل الذمة فى القصاص:

أ -إذا ارتكب الذمى القتل العمد وجب عليه القصاص، إذا كان القتيل مسلما أو من أهل الذمة بلا خلاف، وكذلك إن كان القتيل مستأمنا عند جمهور الفقهاء ، خلافا لأبى حنيفة حيث قال :إن عصمة المستأمن مؤقتة، فكان فى حقن دمه شبهة تسقط القصاص.

أما إذا قتل مسلم ذميا أو ذمية عمدا، فقد قال الشافعية والحنابلة :لا قصاص على المسلم؛ لقوله صلى الله عليه وسلم :لا يقتل مسلم بكافر ، وعند الحنفية يقتص من المسلم للذمى، وهذا قول المالكية أيضا إذا قتله المسلم غيلة (خديعة) أو لأجل المال، وتفصيله فى مصطلح (قصاص)

ب -لا فرق بين المسلم والذمى فى وجوب الدية فى القتل الخطأ وشبه العمد وشبه الخطأ على عاقلة القاتل، سواء أكان القتيل مسلما أم من أهل الذمة.

وفى مقدار دية الذمى المقتول، ومن يشترك فى تحملها من عاقلة الذمى القاتل تفصيل وخلاف ينظر فى مصطلح :(دية) (وعاقلة)ولا تجب الكفارة على الذمى عند الحنفية والمالكية؛ لما فيها من

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

(۷)...... یہ بات یادرکھنی چاہئے کہ قصاص کی سزا اُسی وقت ہے، جبکہ یہ جرم حکومت یا اس کے متعلقہ ادارے وعدالت کے سامنے معتبر ذریعہ سے ثابت ہو۔

(۸)...... جان بوجھ کر قتل کرنے کی صورت میں بعض فقہائے کرام کے نزدیک قصاص کے بجائے دیت قاتل کی رضامندی سے واجب ہوتی ہے، اوراس کی رضامندی کے بغیر مقتول کے اولیاء کو خود سے قصاص کو ترک کر کے دیت لینا جائز نہیں، جبکہ بعض فقہائے کرام کے نزدیک مقتول کے اولیاء کو قاتل کی رضامندی کے بغیر بھی قصاص یا دیت کسی ایک چیز کے حاصل کرنے کا اختیار ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

معنى القربة، والكافر ليس من أهلها، ويجب عند الشافعية والحنابلة لأنها حق مالي يستوى فيه المسلم والذمى، لا إن كانت صياما (ر: كفارة).

ج -لا يقتص من المسلم للذمى فى جرائم الاعتداء فيما دون النفس، من الجرح وقطع الأعضاء، إذا وقعت بين المسلمين وأهل الذمة عند الشافعية والحنابلة، ويقتص من الذمى للمسلم، وقال الحنفية بالقصاص بينهم مطلقا إذا توفرت الشروط، ومنع المالكية القصاص فيما دون النفس بين المسلمين وبين أهل الذمة مطلقا، بحجة عدم المماثلة.

ولا خلاف فى تطبيق القصاص إذا كانت الجروح فيما بين أهل الذمة وتوفرت الشروط .(ر: قصاص)(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٧ص ١٣٦، ١٣٧، مادة "أهل الذمة")

[1] الثالث :القتل العمد:

الأصل أن القتل العمد موجب للقصاص بدليل قوله تعالى :(يا أيها الذين آمنوا كتب عليكم القصاص فى القتلى الحر بالحر والعبد بالعبد والأنثى بالأنثى. . .) الآية .

فمن قتل شخصا عمدا عدوانا يقتل قصاصا باتفاق الفقهاء .

وذهب جمهور الفقهاء إلى أن الدية ليست عقوبة أصلية للقتل العمد، وإنما تجب بالصلح (برضا الجانى) كما هو رأى الحنفية والمالكية أو بدلا عن القصاص، ولو بغير رضا الجانى، كما هو المعتمد عند الشافعية .فإذا سقط القصاص لسبب ما وجبت الدية عندهم.

وذهب الحنابلة وهو قول عند الشافعية :إلى أن الدية عقوبة أصلية بجانب القصاص فى القتل العمد .فالواجب عندهم فى القتل العمد أحد شيئين :القود أو الدية، ويخير الولى بينهما ولو لم يرض الجانى .

تغليظ الدية فى القتل العمد :الدية فى القتل العمد مغلظة، سواء أوجب فيه القصاص وسقط بالعفو، أو لشبهة أو نحوهما، أم لم يجب أصلا، كقتل الوالد ولده.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۹)...... مقتول کے تمام اولیاء اور ورثاء جو کہ عاقل بالغ ہوں، وہ قصاص کو معاف کردیں، تو قصاص معاف ہوجاتا ہے، اور اگر بعض معاف کریں، اور بعض معاف نہ کریں، یا بعض معاف کرنے کے اہل نہ ہوں، مثلاً نابالغ یا مجنون ہوں، تو تب بھی قصاص تو ساقط ہوجاتا ہے، البتہ معاف نہ کرنے والوں کو اپنے حصہ کے بقدر دیت کا استحقاق حاصل ہوتا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

واختلفوا فی كيفية تغليظ الدية فی القتل العمد:
فقال المالكية والحنابلة :تجب أرباعا، خمس وعشرون حقة، وخمس وعشرون جذعة، وخمس وعشرون بنت مخاض، وخمس وعشرون بنت لبون، وتجب فی مال الجانی حالة، وذلك تغليظا على القاتل.
لكن المالكية قالوا :تثلث الدية فی قتل الأب ولده عمدا إذا لم يقتل به.
ففی هذه الحالة يكون التثليث بثلاثين حقة، وثلاثين جذعة، وأربعين خلفة أی حاملا.
وقال الشافعية :دية العمد مثلثة فی مال الجانی حالة فهی مغلظة من ثلاثة أوجه :كونها على الجانی، وحالة، ومن جهة السن.
ولا تؤجل الدية فی القتل العمد عند جمهور الفقهاء ؛ لأن الأصل وجوب الدية حالة بسبب القتل، والتأجيل فی الخطأ ثبت معدولا به عن الأصل لإجماع الصحابة رضی الله عنهم، أو معلولا بالتخفيف على القاتل، حتى تحمل عنه العاقلة، والعامد يستحق التغليظ، ولهذا وجب فی ماله لا على العاقلة.
وقال الحنفية :التغليظ فی القتل العمد كالتغليظ فی شبه العمد من ناحية أسنان الإبل، فتجب أرباعا عند أبی حنيفة وأبی يوسف، وأثلاثا عند محمد، كما تقدم فی شبه العمد .إلا أنها تجب فی مال الجانی وحده ولا تحملها العاقلة؛ لأنها جزاء فعل ارتكبه قصدا وقد قال الله تعالى :(ولا تزر وازرة وزر أخرى . وقال صلى الله عليه وسلم :ولا يجنی جان إلا على نفسه .
وتجب الدية فی القتل العمد مؤجلة أيضا فی ثلاث سنين عند الحنفية (خلافا لجمهور الفقهاء) ؛ لأن الأجل وصف لكل دية وجبت بالنص، فدية القتل العمد مغلظة من وجهين فقط :أحدهما من ناحية الأسنان، والثانی أنها تجب فی مال الجانی (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۱، ص ۵۱ الی ۵۴، مادة: ديات)

[1] حالات وجوب الدية فی القتل العمد:
وتجب الدية فی العفو عن القصاص فی الحالات التالية:
عفو جميع أولياء القتيل:
إذا عفا جميع أولياء القتيل ولم يكن بينهم صغير ولا مجنون يسقط القصاص عند جميع الفقهاء ،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۱۰)...... اگر کوئی دوسرے کو قتل کرنے کے بجائے اس کا کوئی عضو تلف کردے، تو بعض صورتوں میں قصاص اور بعض صورتوں میں کامل دیت اور بعض صورتوں میں ناقص دیت اور بعض صورتوں میں اہلِ تجربہ کی رائے کے مطابق معقول

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وتسقط الدية أيضا عند الحنفية وهو الراجح عند المالكية؛ لأن موجب العمد هو القصاص، وهو الواجب عينا أى متعينا عندهم، فليس للأولياء أن يجبروا الجانى على دفع الدية، وإنما لهم أن يعفوا مجانا أو يقتصوا منه، فإذا سقط القصاص بالعفو فلا بدل له من الدية، إلا عن طريق التراضى والصلح بين الأولياء والجانى، وإذا حصل الصلح بينهم جاز العفو على الدية أو أكثر أو أقل منها برضا الجانى؛ لأن بدل الصلح غير مقدر.

وقال الشافعية والحنابلة :للأولياء أن يعفوا عن القود على الدية بغير رضا الجانى.

والمذهب عند الشافعية أنه لو أطلق العفو ولم يتعرض للدية بنفى أو إثبات فلا تجب الدية بناء على القول الراجح عندهم، وهو أن موجب العمد القود؛ لأن القتل لم يوجب الدية على هذا القول، والعفو إسقاط شىء ثابت، لا إثبات معدوم.

وعلى قول آخر عندهم :تجب الدية؛ لأن الواجب أحدهما، فإذا ترك أحدهما وهو القود وجب الآخر أى الدية.

وقال الحنابلة :يخير الأولياء بين القود وأخذ الدية لقوله صلى الله عليه وسلم :من قتل له قتيل فهو بخير النظرين، إما أن يودى وإما أن يقاد. وحيث إن الدية دون القصاص فللولى أن ينتقل إليها ولو سخط الجانى؛ لأنها أقل من حقه،وإن عفا مطلقا بأن لم يقيده بقود ولا دية، أو قال :عفوت عن القود، فله الدية؛ لانصراف العفو إلى القود فى مقابلة الانتقام، والانتقام إنما يكون بالقتل.

عفو بعض الأولياء :

إذا عفا بعض الأولياء عن القود دون البعض سقط القصاص عن القاتل؛ لأنه سقط نصيب العافى بالعفو، فيسقط نصيب الآخر فى القود ضرورة؛ لأنه لا يتجزأ فلا يتصور استيفاء بعضه دون بعض.

وفى هذه الحالة يبقى للآخرين نصيبهم من الدية، وذلك باتفاق الفقهاء لإجماع الصحابة رضى الله عنهم، فإنه روى عن عمر وعبد الله بن مسعود وابن عباس رضى الله عنهم أنهم أوجبوا فى عفو بعض الأولياء للذين لم يعفوا نصيبهم من الدية، وذلك بمحضر من الصحابة رضى الله عنهم، ولم ينقل أنه أنكر أحد عليهم، فيكون إجماعا.

ويستوى فى هذه الحالة عفو أحد الأولياء مجانا أو إلى الدية.

ولا يصح العفو عن القصاص من قبل الصغير والمجنون، وإن كان الحق ثابتا لهما، وهذا باتفاق الفقهاء ؛ لأنه من التصرفات المضرة المحضة، فلا يملكانه كالطلاق والعتاق ونحوهما(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۱، ص ۵۱ الى ۵۴، مادة: ديات)

www.idaraghufran.org

معاوضہ واجب ہوا کرتا ہے۔ ل

ل الجناية على عضو الآدمی:
اتفق الفقهاء على أن الجناية على عضو من أعضاء الآدمی عمدا فيها القصاص إذا أمكن التماثل، بأن كان القطع من المفصل مثلا.
وللتفصيل ينظر مصطلح :(قصاص).
أما إذا كانت الجناية على عضو من أعضائه خطأ أو شبه عمد أو سقط القصاص بالشبهة أو نحوها ففيها الدية.
وتفصيل ذلک فی مصطلح :(ديات وما بعدها).
أما إذا جرح عضو من أعضاء الإنسان عمدا أو خطأ ولم يمكن القصاص فيجب الأرش.
وتفصيل ذلک فی مصطلح :(حكومة عدل وما بعدها) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۰، ص ۱۴۹، مادة "عضو")
ما يجب فيه حكومة العدل:
الأصل أن ما لا قصاص فيه من الجنايات على ما دون النفس وليس له أرش مقدر بنص أو قياس ففيه الحكومة، لأن الأصل فی الجناية الواردة على محل معصوم اعتبارها بإيجاب الجابر أو الزاجر ما أمكن.
قال الزيلعی عند الاستدلال على وجوب حكومة العدل فی الجنايات التی ليس فيها مقدار معين من المال :لأن هذه (الجنايات) ليس فيها أرش مقدر من جهة الشرع ولا يمكن إهدارها فتجب فيها حكومة العدل وهو مأثور عن إبراهيم النخعی، وعمر بن عبد العزيز.
هذا وقد أخرج الشافعية من الحكومة ما عرفت نسبة أرشه إلى أرش مقدر فی الشرع كأن كان بقربه موضحة، أو جائفة فعندئذ وجب الأكثر من قسطه والحكومة.
ويخرج من الحكومة ما كان فی معنى الجرح الذی فيه أرش مقدر مقيسا عليه كالأليتين والثديين والحاجبين،
وللتفصيل فی الجنايات التی تجب فيها حكومة العدل (ر :جناية على ما دون النفس)(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۸ ص ۶۹، ۷۰،مادة " حكومة عدل ")
ثانيا -الاعتداء على ما دون النفس موجبات الدية فی الاعتداء على ما دون النفس ثلاثة أقسام، وهی إبانة الأطراف، وإتلاف المعانی، والشجاج والجروح.
القسم الأول :إبانة الأطراف :(قطع الأعضاء):
اتفق الفقهاء فی الجملة على أن فی قطع ما لا نظير له فی بدن الإنسان كالأنف واللسان والذكر والحشفة والصلب إذا انقطع المنی، ومسلک البول، ومسلک الغائط دية كاملة.
ومن أتلف ما فی البدن منه شيئان كالعينين والأذنين، واليدين، والرجلين، والشفتين والحاجبين إذا ذهب شعرهما نهائيا ولم ينبت، والثديين، والحلمتين، والأنثيين، والشفرين واللحيين، والأليتين إذا تلفتا معا ففيهما دية كاملة :وفی إحداهما نصف الدية، ومن أتلف ما فی الإنسان منه أربعة أشياء ،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

(۱۱)...... دیت اصل میں تو قاتل کے اوپر واجب ہوتی ہے، لیکن بعض صورتوں میں قاتل کے عاقلہ پر واجب ہوتی ہے، مثلاً جب قتل کا ارتکاب خطاءً صادر ہوا ہو۔ [1]

اور عاقلہ سے مراد قاتل کے رشتہ دار اور اس کے حواری اور مددگار ہوتے ہیں۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

كأشفار العينين والأجفان ففيها الدية، وفى كل واحد منها ربع الدية، وما فيه منه عشرة أشياء، كأصابع اليدين وأصابع الرجلين ففى جميعها الدية الكاملة، وفى كل واحد منها عشر الدية، وما فى الأصابع من المفاصل (السلاميات) ففى أحدها ثلث دية الأصبع، ونصف دية الأصبع فيما فيها مفصلان وهى الإبهام خاصة، وفى جميع الأسنان دية كاملة، وفى كل سن خمس من الإبل .وهذا فى الجملة.

والأصل فيه ما ورد فى الكتاب الذى كتبه صلى الله عليه وسلم إلى أهل اليمن أن فى النفس الدية وفى اللسان الدية وفى الأنف إذا أوعب جدعه الدية .

فالنص الوارد فى البعض يكون واردا فى الباقى دلالة؛ لأنه فى معناه.

والأصل فى الأعضاء أنه إذا فوت جنس منفعة على الكمال أو أزال جمالا مقصودا فى الآدمى على الكمال يجب كل الدية؛ لأن فيه إتلاف النفس من وجه، إذ النفس لا تبقى منتفعا بها من ذلك الوجه، وإتلاف النفس من وجه ملحق بالإتلاف من كل وجه فى الآدمى تعظيما له كما قال الزيلعى.

وفيما يلى تفصيل ذلك عند الفقهاء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۱ ص ۶۴،۶۵، مادة "ديات")

[1] حكمة وجوب دية الخطأ على العاقلة:

الأصل وجوب الدية على الجانى نفسه؛ لأن سبب الوجوب هو القتل، وأنه وجد من القاتل، ولا يؤاخذ أحد بذنب غيره لقوله تعالى :(ولا تزر وازرة وزر أخرى)، ولهذا لم تتحمل العاقلة ضمان الأموال ودية العمد .لكنه ترك هذا الأصل فى دية الخطأ بنص الحديث السابق، وبفعل الصحابة كما تقدم، والحكمة فى ذلك كما قال البهوتى :إن جنايات الخطأ تكثر، ودية الآدمى كثيرة، فإيجابها على الجانى فى ماله يجحف به، فاقتضت الحكمة إيجابها على العاقلة على سبيل المواساة للقاتل والإعانة له تخفيفا.

وقال الكاسانى :فى حكمته :إن حفظ القاتل واجب على عاقلته، فإذا لم يحفظوا فقد فرطوا، والتفريط منهم ذنب.

ويدخل القاتل فى تحمل دية الخطأ مع العاقلة عند الحنفية والمالكية فيكون فيما يؤدى مثل أحدهم خلافا للشافعى والحنابلة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۱ ص ۴۸، مادة "ديات")

[2] الأصل فى العاقلة هم :من ينتصر بهم القاتل من قرابة وعشيرة، وعلى هذا جرى الأمر فى صدر الإسلام.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور جب کسی شخص کے عاقلہ موجود نہ ہوں، تو پھر سرکاری بیت المال وخزانہ سے دیت ادا کی جاتی ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ثم مع كثرة الموالى وضعف الاهتمام بالانتساب للقبائل، اعتبر بعض الفقهاء من العاقلة :(الديوان) وأهل الحرفة، وأهل السوق، وغيرهما مما يتناصر به.

ولا خلاف أن النساء والذرية -ممن له حظ فى الديوان -وكذا المجنون لا شىء عليهم من الدية.

واختلف الفقهاء هل على أهل الديوان دية أم لا؟ .

فذهب الحنفية والمالكية إلى أن الدية على أهل الديوان، وذهب الشافعية والحنابلة إلى أنه لا مدخل لأهل الديوان فى المعاقلة .وينظر التفصيل والخلاف فى مصطلح (عاقلة)(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٧ص ١٢٠، مادة" اهل " علاقة أهل الديوان بالعاقلة)

[1] يتحمل بيت المال الدية فى الحالات التالية:

أ -عدم وجود العاقلة أو عجزها عن أداء الدية:

صرح الفقهاء بأن من لا عاقلة له، أو كان له عاقلة وعجزت عن جميع ما وجب بخطئه أو تتمته تكون ديته فى بيت المال لقوله صلى الله عليه وسلم :أنا وارث من لا وارث له أعقل عنه وأرثه.

وقال المالكية والشافعية والحنابلة :هذا إذا كان الجانى مسلما، فإن كان مستأمنا أو ذميا فديته فى مال الجانى عند الحنابلة فى الراجح، وهو المذهب عند الشافعية، وقيل :عندهم قولان، كمسلم لا عاقلة له ولا بيت مال.

قال ابن قدامة :من لا عاقلة له هل يؤدى عنه من بيت المال أو لا؟ فيه روايتان :إحداهما :يؤدى عنه منه، وهو مذهب الزهرى والشافعى؛ لأن النبى صلى الله عليه وسلم ودى الأنصارى الذى قتل بخيبر من بيت المال؛ ولأن المسلمين يرثون من لا وارث له، فيعقلون عنه عند عدم عاقلته، كعصباته ومواليه.

والثانية :لا يجب ذلك؛ لأن بيت المال فيه حق للنساء والصبيان والمجانين والفقراء ، ولا عمل عليهم، فلا يجوز صرفه فيما لا يجب عليهم.

وقال المالكية :الكافر الذمى يعقل عنه ذوو دينه الذين يؤدون معه الجزية، والصلحى يعقل عنه أهل صلحه.

ب -خطأ الإمام أو الحاكم فى حكمه:

إذا أخطأ ولى الأمر أو القاضى فى حكمه فتلف بذلك نفس أو عضو، فديته على بيت المال عند جمهور الفقهاء وهم الحنفية، وهو الأصح عند الحنابلة وقول عند الشافعية، ومثاله من مات فى التعزير بسبب الزيادة والتجاوز بأمر الإمام، فإن ديته تجب فى بيت المال، لا على العاقلة.

واستدلوا على وجوبها فى بيت المال بأنه خطأ يكثر وجوده، فلو وجب ضمانه على عاقلة الإمام أجحف بهم. وفى الأظهر عند الشافعية وهو الرواية الثانية عند الحنابلة :أنها تجب على عاقلته؛ لأنها وجبت بخطئه، كما لو رمى صيدا فقتل آدميا. ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۱۲)......اگر کوئی شخص کسی علاقہ ومحلّہ سے قتل شدہ حالت میں پایا جائے، اور اس کے قاتل کا علم نہ ہو، تو شریعت کی طرف سے ''قسامت'' کا قانون مقرر ہے۔ ۱؎

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وعند المالكية :إن زاد فى التعزير يظن السلامة فخاب ظنه فهدر، وإن شك فالدية على العاقلة، وهو كواحد منهم .

ج -وجود القتيل فى الأماكن العامة :إذا وجد القتيل فى مكان يكون التصرف فيه لعامة المسلمين، كالشارع الأعظم النافذ، والجامع الكبير، والسجن وكل مكان لا يختص التصرف فيه لواحد منهم، ولا لجماعة يحصون، فالدية فى بيت المال؛ لأن الغرم بالغنم، فلما كان عامة المسلمين هم المنتفعين بهذه الأماكن كان الغرم عليهم، فيدفع من مالهم الموضوع لهم فى بيت المال .وكذلك إذا قتل شخص فى زحام طواف أو مسجد عام أو الطريق الأعظم ولم يعرف قاتله، فديته فى بيت المال، لقول على رضى الله عنه :لا يطل دم امرء مسلم.

تعذر حصول الدية من بيت المال :إذا لم يكن للجانى عاقلة، وتعذر حصول الدية من بيت المال لعدم وجوده أو عدم ضبطه، فهل يسقط الدم أو تجب الدية كاملة على الجانى نفسه؟ اختلف الفقهاء :فقال الحنفية والمالكية وهو الأظهر عند الشافعية واختاره ابن قدامة من الحنابلة :أنها تجب فى مال الجانى .وذهب الحنابلة إلى أنها تسقط بتعذر أخذها من بيت المال حيث وجبت فيه، ولا شىء على القاتل، وهذا هو المذهب عندهم، ولا على العاقلة أيضا لعجزها عن أداء ما وجب عليها من الدية، ولو أيسرت العاقلة بعد ذلك أخذت الدية منها كاملة لئلا يضيع دم المسلم هدرا، قال الرحيبانى :وهذا متجه، ويتجه أنه إذا تعذر أخذ الدية من بيت المال فتجب فى مال القاتل.

وفى وجه عند الشافعية :لا تؤخذ من الجانى بل تجب على جماعة المسلمين كنفقة الفقراء كما ذكره النووى فى الروضة، وقال :لو حدث فى بيت المال مال هل يؤخذ منه الواجب؟ وجهان: أحدهما لا، كما لا يطالب فقير العاقلة لغناه بعد الحول (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۱ ص ۹۱ الىٰ ۹۳، مادة " ديات" وجوب الدية فى بيت المال)

۱؎ ومحل القسامة يكون عند وجود قتيل فى محلة لا يعرف قاتله.

فذهب مالك والشافعي وأحمد فى إحدى الروايتين عنه إلى أنه إذا لم يكن هناك عداوة ولا لوث (أى شبهة قوية توجب غلبة الظن بصحة التهمة) كانت هذه الدعوى كسائر الدعاوى :البينة على المدعى، والقول قول المنكر .وليس فى ذلك يمين؛ لأن النكول عن اليمين بذل، ولا بذل فى الأنفس، فلا يحل للإنسان أن يبيح لغيره قتل نفسه، وعليه القصاص إن فعل.

وأما إذا كان هناك لوث، كالعداوة الظاهرة، وادعى أولياء القتيل على معين أنه قتله، حلف من الأولياء خمسون أن فلانا هو قاتله عمدا، فيستحقون القصاص، أو خطأ، فيستحقون الدية.

وذهب أبو حنيفة إلى أن القسامة لا توجه إلا إلى المدعى عليهم، فيختار أولياء القتيل خمسين من أهل المحلة، فيحلفون أنهم ما قتلوه ولا يعرفون له قاتلا .فيسقط القصاص وتستحق الدية(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱ ص ۲۴۸، مادة " اثبات ")

جس میں بعض شرائط کے ساتھ اہلِ محلّہ واہلِ علاقہ سے بڑی تعداد میں قسم لی جاتی ہے،اوران پر دیت واجب ہوتی ہے۔ [1]

قسامت کے اس قانون میں یہ حکمت ہے کہ ہر علاقہ والے چوکنے ہوجائیں،اوراپنے علاقہ میں اس طرح کی وارداتیں ہونے کا سدِ باب کریں،جس سے ناحق قتل نہ پھیلے۔ [2]

---

[1] باب القسامة بفتح أوله، وهى أيمان تقسم على أهل المحلة التى وجد القتيل فيها، وعند الشافعى تقسم على أولياء المقتول المدعين لدمه عند جهالة القاتل، كذا ذكره بعض الشراح من علمائنا وفى المغرب :القسم اليمين، يقال :أقسم بالله أقساما والقسامة اسم منه وضع موضع الأقسام، ثم قيل للذين يقسمون قسامة وقيل :هى الأيمان تقسم بين أولياء الدم .قال الشمنى: القسامة فى اللغة مصدر لأقسم، أو اسم لمصدره، وقيل :أهل اللغة يذهبون إلى أنها القوم الذين يحلفون سموا باسم المصدر، كما يقال :رجل عدل وسببها وجود القتل فى المحلة، وأما ما يقوم مقامها وركنها .قولهم :بالله ما قتلناه ولا علمنا له قاتلا، وشرطها أن يكون المقسم رجلا حرا عاقلا، وقال مالك :يدخل النساء فى قسامة الخطأ دون العمد، وحكمها القضاء بوجوب الدية بعد الحلف سواء كانت الدعوى فى القتل العمد أو الخطأ فى شرح السنة :صورة قتيل القسامة أن يوجد قتيل وادعى وليه على رجل أو على جماعة قتله، وكان عليهم لوث ظاهر، وهو ما يغلب على الظن صدق المدعى كأن وجد فى محلتهم وكان بين القتيل وبينهم عداوة، وفى شرح مسلم للنووى قال القاضى عياض :حديث القسامة أصل من أصول الشرع، وقاعدة من أحكام الدين، وركن من أركان مصالح العباد وبه أخذ العلماء كافة من الصحابة والتابعين ومن بعدهم، وإن اختلفوا فى كيفية الأخذ به، وروى عن جماعة إبطال القسامة واختلف القائلون بها فيما إذا كان القتل عمدا هل يجب القصاص بها أم لا فقال جماعة من العلماء :يجب وهو قول مالك وأحمد وإسحاق وقول الشافعى فى القديم .وقال الكوفيون، والشافعى فى أصح قوليه :لا يجب بل تجب الدية، واختلفوا فيمن يحلف فى القسامة .فقال مالك والشافعى والجمهور :يحلف الورثة ويجب الحق بحلفهم .وقال أصحاب أبى حنيفة :يستحلف خمسون من أهل المدينة ويتحراهم الولى يحلفون بالله ما قتلناه وما علمنا قاتله، فإذا اختلفوا قضى عليهم وعلى أهل المحلة وعلى عاقلتهم بالدية (مرقاة المفاتيح، ج٦ص ٢٣٠٦، باب القسامة)

[2] شرعت القسامة لصيانة الدماء وعدم إهدارها، حتى لا يهدر دم فى الإسلام أو يطل، وكى لا يفلت مجرم من العقاب، قال على لعمر رضى الله عنهما فيمن مات من زحام يوم الجمعة، أو فى الطواف :يا أمير المؤمنين لا يطل دم امرء مسلم، إن علمت قاتله، وإلا فأعطه ديته من بيت المال. فالشريعة الإسلامية تحرص أشد الحرص على حفظ الدماء وصيانتها وعدم إهدارها، ولما كان القتل يكثر بينما تقل الشهادة عليه؛ لأن القاتل يتحرى بالقتل مواضع الخلوات، جعلت القسامة حفظا للدماء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٣ص ١٦٨، مادة " قسامة "حكمة مشروعية القسامة)

(فصل نمبر۲)

ڈاکہ وفساد برپا کرنے کے جرم کی قانونی سزا

جان کے بعد انسان کے پاس ایک بڑا سرمایہ اس کا مال ہوتا ہے، اور کسی کے مال سے ناحق و بے جا تعرض و چھیڑ چھاڑ کرنا بھی بڑے فساد اور امن وامان کو خراب کرنے کا باعث ہے، پھر بعض اوقات کسی کے مال سے ناحق و بے جا تعرّض کرنے یا بالفاظِ دیگر مال کی صورت میں فساد برپا کرنے اور امن وامان خراب کرنے میں دن دھاڑے یا کھلم کھلا دوسرے کو ڈرا دھمکا کر جرم کرنا پایا جاتا ہے، جس میں بعض اوقات دوسرے کو قتل کرنے کا جرم بھی شامل ہوتا ہے، اور بعض اوقات دوسرے کے مال سے تعرض و چھیڑ چھاڑ کرنے کا جرم چھپ کر کرنا پایا جاتا ہے، پہلی صورت کو ڈاکہ زنی (Robbery) اور دوسری صورت کو چوری (Theft) کہا جاتا ہے، دونوں صورتوں میں سزاؤں کو جرائم کے اعتبار سے تجویز کیا گیا ہے، چنانچہ چور تو ہاتھ سے جرم کرتا ہے، اس کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے، اور ڈاکو راستوں، بازاروں میں دن دھاڑے پہنچ کر لوٹ مار کر کے بھاگ جاتا ہے، اور روپوش ہو جاتا ہے، جو کہ بڑے جرم کا مرتکب ہوتا ہے، اس کی سزا ہاتھ کے ساتھ پاؤں کاٹنا بھی ہے، ڈاکہ زنی اور فساد دنیا اور معاشرہ کے لئے ایسا گھناؤنا عمل اور ناسور ہے کہ جس سے تقریباً دنیا کا ہر ملک دوچار ہے، اور اس کی وجہ سے معاشرہ میں جگہ جگہ فساد برپا اور امن وامان تباہ ہے، جس میں اغواء کاری کے واقعات بھی شامل ہیں، پھر ڈاکہ زنی کی زد میں جس طرح لوگوں کے قیمتی اموال خطرات سے دوچار ہوتے ہیں، اسی طرح جان اور عزت وآبرو کو بھی سنگین خطرات لاحق ہوتے ہیں، چنانچہ ڈاکو اور اغواء کار دن دھاڑے بندوق کے زور پر جوان، بڑی عمر کے لوگوں اور بچوں کو اغواء کر کے بھاری تاوان طلب کرتے ہیں، اور ذہنی کوفت وایذاء کے علاوہ جسمانی ایذاء وتشدد سے بھی

گریز نہیں کرتے، کبھی راستوں میں مسافروں کے اموال پر ڈاکہ ڈالتے ہیں، تو کبھی دوکانوں، گھروں اور دفتروں میں گھس کر ڈرانے دھمکانے، مارنے پیٹنے، باندھ جوڑ کر ڈالنے کے علاوہ جان سے بھی مار کر راہِ فرار اختیار کر لیتے ہیں، اور قیمتی سرمایہ ومال بھی ساتھ لے جاتے ہیں، جس کی وجہ سے عمر بھر کا قیمتی سرمایہ ایک لمحہ میں ختم ہوجاتا ہے، بچے یتیم اور عورتیں بیوہ ہوجاتی ہیں، اور بھی نہ جانے کیا کیا ظلم وستم کی کہانیاں اس کے نتیجہ میں رونما ہوتی ہیں، اس لئے یہ جرم معاشرہ کے لئے بڑا ناسور ہے، جس کا بہترین خاتمہ اسلام کے منصفانہ وعادلانہ قوانین میں کیا گیا ہے، اور مظلوم کی فریاد ودادرسی کا بہترین وعمدہ ترین مداوا کیا گیا ہے۔

قرآن مجید میں ڈاکوؤں اور فسادیوں کی سزا کا ذکر

اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ:

إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُّقَتَّلُوْا أَوْ يُصَلَّبُوْا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيْهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ،إِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ فَاعْلَمُوْا أَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (سورة المائدة، رقم الآيات ۳۳، ۳۴)

ترجمہ: بس ان لوگوں کی سزا جو اللہ اور اس کے رسول سے محاربہ (ومقابلہ) کرتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ ہے کہ یا تو ان کو قتل کیا جائے یا ان کو سولی پر لٹکایا جائے یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کاٹے جائیں یا ان کو جلاوطن کردیا جائے، یہ ان کے لئے دنیا میں ذلت ہے اور ان کے لئے آخرت میں عذابِ عظیم ہے، مگر وہ لوگ کہ انہوں نے اپنے اوپر تمہارے قابو پانے سے پہلے توبہ کرلی، تو جان لو کہ اللہ غفور رحیم ہے (سورہ مائدہ)

مذکورہ آیات میں ڈاکوؤں اور فسادیوں کی سزا کا ذکر کیا گیا ہے، اور ڈاکوؤں کے مفہوم میں وہ لوگ بھی داخل ہیں، جو دوسروں کو ڈرائیں، دھمکائیں، زدوکوب اور تشدد کریں یا اغواء برائے تاوان وغیرہ کا ارتکاب کریں، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

احادیث میں بھی ڈاکوؤں کی سزا کا ذکر آیا ہے۔

احادیث میں ڈاکوؤں اور فسادیوں کی سزا کا ذکر

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَدِمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفَرٌ مِّنْ عُكْلٍ، فَأَسْلَمُوْا، فَاجْتَوَوُا الْمَدِيْنَةَ فَأَمَرَهُمْ أَنْ يَّأْتُوْا إِبِلَ الصَّدَقَةِ، فَيَشْرَبُوْا مِنْ أَبْوَالِهَا وَأَلْبَانِهَا فَفَعَلُوْا فَصَحُّوْا فَارْتَدُّوْا وَقَتَلُوْا رُعَاتَهَا، وَاسْتَاقُوْا الْإِبِلَ، فَبَعَثَ فِيْ آثَارِهِمْ، فَأُتِيَ بِهِمْ فَقَطَعَ أَيْدِيَهُمْ وَأَرْجُلَهُمْ وَسَمَلَ أَعْيُنَهُمْ، ثُمَّ لَمْ يَحْسِمْهُمْ حَتّٰى مَاتُوْا (بخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عکل (قبیلہ) کے لوگ حاضر ہوئے اور اسلام لائے، مدینہ کی آب وہوا ان کو موافق نہ آئی (جس کی وجہ سے وہ بیمار پڑ گئے) تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو حکم دیا کہ صدقہ کے اونٹوں کے پاس جائیں اور ان کا پیشاب اور دودھ پئیں، انہوں نے اسی طرح کیا اور وہ تن درست (وصحت یاب) ہوگئے، پھر وہ لوگ مرتد ہوگئے اور آپ کے چرواہوں (یعنی اونٹ چرانے والوں) کو قتل کر کے اونٹوں کو لے کر بھاگے، آپ نے ان کے پیچھے آدمیوں کو بھیجا وہ (پکڑ کر) لائے گئے تو آپ نے ان کے ہاتھ پاؤں کٹوا دیئے اور ان کی آنکھوں کو پھڑوا دیا اور ان کے (ہاتھ پاؤں کاٹے

---

[1] رقم الحديث ٦٨٠٢، كتاب الحدود، باب المحاربين من أهل الكفر والردة، مسلم، رقم الحديث ١٦٧١ "٩"

www.idaraghufran.org

جانے کی جگہ خون بند ہونے کے لئے) داغ نہیں لگایا، یہاں تک کہ وہ (اسی حال میں) مَر گئے (بخاری)

اور مسند احمد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

أَسْلَمَ نَاسٌ مِّنْ عُرَيْنَةَ فَاجْتَوَوْا الْمَدِيْنَةَ، فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَوْ خَرَجْتُمْ إِلٰى ذَوْدٍ لَنَا فَشَرِبْتُمْ مِنْ أَلْبَانِهَا ،قَالَ حُمَيْدٌ: وَقَالَ قَتَادَةُ: عَنْ أَنَسٍ ،وَأَبْوَالِهَا،فَفَعَلُوْا،فَلَمَّا صَحُّوْا كَفَرُوْا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ، وَقَتَلُوْا رَاعِيَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُؤْمِنًا أَوْ مُسْلِمًا، وَسَاقُوْا ذَوْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهَرَبُوْا مُحَارِبِيْنَ ،فَأَرْسَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ آثَارِهِمْ ، فَأُخِذُوْا فَقَطَّعَ أَيْدِيَهُمْ، وَأَرْجُلَهُمْ، وَسَمَرَ أَعْيُنَهُمْ، وَتَرَكَهُمْ فِي الْحَرَّةِ حَتّٰى مَاتُوْا (مسند احمد، رقم الحديث ۱۲۰۴۲) [1]

ترجمہ: عرینہ کے چند لوگ اسلام لائے، مدینہ کی آب وہوا ان کو موافق نہ آئی (جس کی وجہ سے وہ بیمار پڑ گئے) تو ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم ہمارے اونٹوں کے پاس چلے جاؤ، پھر تم ان کا دودھ پیو، حمید اور قتادہ نے حضرت انس سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ ان کا پیشاب بھی پیو، تو انہوں نے اسی طرح کیا، پھر جب وہ تن درست (وصحت یاب) ہوگئے تو وہ اسلام لانے کے بعد کافر (یعنی مرتد) ہوگئے، اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مومن یا مسلمان چرواہوں کو قتل کردیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں کو لوٹ لیا، اور ڈاکہ ڈال کر بھاگ گئے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پیچھے لوگوں کو بھیجا، پھر ان کو پکڑ لیا گیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہاتھ اور

---

[1] فی حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط الشيخين.

پاؤں کٹوا دیئے اور ان کی آنکھوں کو پھڑوا دیا اور ان کو دھوپ میں چھوڑ دیا، یہاں تک کہ وہ مر گئے (مسند احمد)

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

إِنَّمَا سَمَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْيُنَ أُولٰئِكَ، لِأَنَّهُمْ سَمَلُوا أَعْيُنَ الرِّعَاءِ (مسلم) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان (ڈاکو) لوگوں کی آنکھوں کو اس لئے پھڑوایا کہ انہوں نے چرواہوں کی آنکھوں کو پھوڑا تھا (اس لئے آنکھوں کو پھوڑنا قصاص اور بدلہ کے طور پر تھا) (مسلم)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ سے خاص حکمت کے تحت ان کے علاج کے لئے اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پینا تجویز کیا گیا تھا۔

ان لوگوں کے جرائم چونکہ کئی قسم کے تھے۔

ایک تو وہ مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہو گئے تھے۔

دوسرے انہوں نے چرواہوں اور اونٹوں کے نگہبانوں کو قتل کرنے کا جرم کیا تھا۔

تیسرے بعض روایات کے مطابق انہوں نے چرواہوں کی آنکھوں کو پھوڑا تھا۔

چوتھے وہ دن دہاڑے مویشیوں کو لوٹ کر بھاگے تھے، اور وہ خطرناک ڈاکوؤں کے مفہوم میں داخل تھے، اس لئے ان کے لئے کئی جرائم کی سزا تجویز کی گئی۔

ڈاکوؤں اور فسادیوں کی قانونی سزا سے متعلق چند احکام

اب ڈاکوؤں اور فسادیوں کی قانونی سزا سے چند اہم احکام ذکر کیے جاتے ہیں۔

(۱)...... قرآن مجید کی آیات اور احادیث کی روشنی میں فقہائے کرام نے فرمایا

---

[1] رقم الحدیث ١٦٧١ "١۴" کتاب القسامة والمحاربين والقصاص والديات، باب حکم المحاربين والمرتدين، سنن النسائی، رقم الحديث ۴٠۴٣.

کہ اگر کوئی عاقل بالغ ڈاکو وفسادی کسی کو قتل کرے، اور مال بھی لوٹے، تو اس کی سزا یہ ہے کہ اسے قتل کیا جائے اور بعد میں عبرت کے طور پر سولی پر لٹکا دیا جائے، اور اگر صرف مال لوٹے، تو اس کے دائیں ہاتھ اور بائیں پاؤں کو کاٹا جائے، اور اگر صرف لوگوں کو ڈرائے، دھمکائے اور نہ تو قتل یا زخمی کرے، اور نہ مال لوٹے، تو اس کو جلاوطن کیا جائے۔

البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کی جلاوطنی جیل میں قید کرنے کی شکل میں ہے، تا آنکہ وہ سچی توبہ نہ کرلے یا پھر موت نہ آجائے۔ [1]

---

[1] عقوبة المحاربين :لا خلاف بين الفقهاء فى أن عقوبة المحارب حد من حدود الله لا تقبل الإسقاط ولا العفو ما لم يتوبوا قبل القدرة عليهم .والأصل فى ذلك قوله تعالى :(إنما جزاء الذين يحاربون الله ورسوله ويسعون فى الأرض فسادا أن يقتلوا أو يصلبوا أو تقطع أيديهم وأرجلهم من خلاف أو ينفوا من الأرض ذلك لهم خزى فى الدنيا ولهم فى الآخرة عذاب عظيم إلا الذين تابوا من قبل أن تقدروا عليهم فاعلموا أن الله غفور رحيم.

واختلف الفقهاء فى هذه العقوبات :أهى على التخيير أم على التنويع .فذهب الشافعية والحنابلة والصاحبان من الحنفية إلى أن "أو "فى الآية على ترتيب الأحكام، وتوزيعها على ما يليق بها فى الجنايات:فمن قتل وأخذ المال، قتل وصلب .ومن اقتصر على أخذ المال قطعت يده اليمنى ورجله اليسرى.ومن أخاف الطريق، ولم يقتل، ولم يأخذ مالا نفى من الأرض.

والنفى فى هذه الحالة عند الشافعية تعزير وليس حدا، فيجوز التعزير بغيره ويجوز تركه إن رأى الإمام المصلحة فى ذلك .وقالوا :بهذا فسر ابن عباس الآية فقال :المعنى :أن يقتلوا إن قتلوا .أو يصلبوا مع القتل إن قتلوا وأخذوا المال .أو تقطع أيديهم وأرجلهم من خلاف، إن اقتصروا على أخذ المال، أو ينفوا من الأرض، إن أرعبوا، ولم يأخذوا شيئا ولم يقتلوا، وحملوا كلمة "أو "على التنويع لا التخيير، كما فى قوله تعالى :(وقالوا كونوا هودا أو نصارى) أى قالت اليهود :كونوا هودا وقالت النصارى :كونوا نصارى ولم يقع تخييرهم بين اليهودية، والنصرانية.

وقالوا أيضا :إنه لا يمكن إجراء الآية على ظاهر التخيير فى مطلق المحارب لأمرين:

الأول :أن الجزاء على قدر الجناية، يزداد بزيادة الجناية، وينقص بنقصانها بمقتضى العقل والسمع أيضا قال تعالى :(وجزاء سيئة سيئة مثلها. فالتخيير فى جزاء الجناية القاصرة بما يشمل جزاء الجناية الكاملة، وفى الجناية الكاملة بما يشمل جزاء الجناية القاصرة خلاف المعهود فى الشرع.

يزيد هذا إجماع الأمة على أن قطاع الطرق إذا قتلوا وأخذوا المال، لا يكون جزاؤهم المعقول النفى وحده، وهذا يدل على أنه لا يمكن العمل بظاهر التخيير.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

(۲)......اگر کوئی ڈاکو یا فسادی کسی کو صرف قتل کرے، اور مال وغیرہ نہ لوٹے، تو

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الثانی :أن التخيير الوارد فى الأحكام المختلفة بحرف التخيير إنما يجرى على ظاهره إذا كان سبب الوجوب واحدا كما فى كفارة اليمين وكفارة جزاء الصيد، أما إذا كان السبب مختلفا، فإنه يخرج التخيير عن ظاهره ويكون الغرض بيان الحكم لكل واحد فى نفسه.

وقطع الطريق متنوع، وبين أنواعه تفاوت فى الجريمة، فقد يكون بأخذ المال فقط، وقد يكون بالقتل لا غير، وقد يكون بالجمع بين الأمرين، وقد يكون بالتخويف فحسب، فكان سبب العقاب مختلفا .فتحمل الآية على بيان حكم كل نوع فيقتلون ويصلبون إن قتلوا وأخذوا المال، وتقطع أيديهم وأرجلهم من خلاف إن أخذوا المال لا غير، وينفون من الأرض، إن أخافوا الطريق، ولم يقتلوا نفسا ولم يأخذوا مالا.

ويدل أيضا على ذلك :أن الله سبحانه وتعالى :بدأ بالأغلظ فالأغلظ والمعهود من القرآن فيما أريد به التخيير، البداءة بالأخف ككفارة اليمين، وما أريد به الترتيب يبدأ فيه بالأغلظ فالأغلظ ككفارة الظهار، والقتل.

وقال أبو حنيفة :إن أخذ قبل قتل نفس أو أخذ شيء حبس بعد التعزير حتى يتوب، وهو المراد بالنفى فى الآية، وإن أخذ مالا معصوما بمقدار النصاب قطعت يده ورجله من خلاف، وإن قتل معصوما ولم يأخذ مالا قتل .أما إن قتل النفس وأخذ المال، وهو المحارب الخاص فالإمام مخير فى أمور ثلاثة :إن شاء قطع أيديهم وأرجلهم من خلاف ثم قتلهم، وإن شاء قتلهم فقط، وإن شاء صلبهم، والمراد بالصلب هنا طعنه وتركه حتى يموت ولا يترك أكثر من ثلاثة أيام .ولا يجوز عنده إفراد القطع فى هذه الحالة بل لا بد من انضمام القتل أو الصلب إليه، لأن الجناية قتل وأخذ مال، والقتل وحده فيه القتل، وأخذ المال وحده فيه القطع، ففيهما مع الإخافة لا يعقل القطع وحده .وقال: صاحباه فى هذه الصورة :يصلبون ويقتلون ولا يقطعون.

وقال قوم من السلف :إن الآية تدل على التخيير بين الجزاء ات الأربعة.

فإذا خرجوا لقطع الطريق وقدر عليهم الإمام، خير بين أن يجرى عليهم أى هذه الأحكام إن رأى فيه المصلحة وإن لم يقتلوا ولم يأخذوا مالا .وإلى هذا ذهب الإمام مالك على التفصيل التالى:

وهو إن قتل فلا بد من قتله، إلا إن رأى الإمام أن فى إبقائه مصلحة أعظم من قتله.

وليس له تخيير فى قطعه، ولا نفيه، وإنما التخيير فى قتله أو صلبه .وإن أخذ المال ولم يقتل لا تخيير فى نفيه، وإنما التخيير فى قتله، أو صلبه، أو قطعه من خلاف، وإن أخاف السبيل فقط فالإمام مخير بين قتله، أو صلبه، أو قطعه، باعتبار المصلحة .هذا فى حق الرجال.

أما المرأة فلا تصلب، ولا تنفى، وإنما حدها :القطع من خلاف، أو القتل المجرد واستدلوا بظاهر الآية، فإن الله تعالى ذكر هذه العقوبات بكلمة "أو "وهى موضوعة للتخيير، وهو مذهب سعيد بن المسيب ومجاهد، والحسن وعطاء بن أبى رباح.وقال ابن عباس :ما كان فى القرآن "أو" فصاحبه بالخيار (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷ ص۱۵۸ تا ۱۶۱ ،مادة "حرابة")

اُس کو اِس کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا۔ [1]

(۳)...... ڈاکہ کی مذکورہ سزا جاری ہونے کے لئے بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک مرد ہونا ضروری نہیں، بلکہ عورت بھی اگر ڈاکہ زنی کا ارتکاب کرے، تو

---

[1] كيفية تنفيذ العقوبة:

أ -(النفى): ذهب جمهور الفقهاء إلى أنه إن أخاف الطريق ولم يأخذ مالا ولم يقتل نفسا فعقوبته النفى من الأرض.واختلفوا فى معنى النفى فقال أبو حنيفة :نفيه حبسه حتى تظهر توبته أو يموت.
وذهب مالک :إلى أن المراد بالنفى إبعاده عن بلده إلى مسافة البعد، وحبسه فيه.
وقال الشافعى :المراد بالنفى الحبس أو غيره كالتغريب كما فى الزنى.
وقال الحنابلة :نفيهم :أن يشردوا فلا يتركوا يستقرون فى بلد.
ويروى ذلک عن ابن عباس، وهو قول النخعى وقتادة، وعطاء ، وروى عن ابن عباس :أنه ينفى من بلده إلى بلد غيره كنفى الزانى .وأما المرأة فذهب الشافعية والحنابلة إلى أنها تغرب واستدلوا لذلک بعموم النص (أو ينفوا من الأرض). واشترطوا لتغريب المرأة أن يخرج معها محرمها فإن لم يخرج معها محرمها فعند أحمد رواية أنها تغرب إلى دون مسافة القصر لتقرب من أهلها فيحفظوها.
وعند الشافعية يؤخر التغريب.وذهب المالكية إلى أنه لا تغريب على المرأة ولا صلب.
ب -القتل:اختلف الفقهاء فيما يغلب فى قتل قاطع الطريق، إذا قتل فقط .فذهب الحنفية والمالكية وهو قول عند الشافعية والحنابلة :إلى أنه يغلب الحد، فيقتل وإن قتل بمثقل، ولا يشترط التكافؤ بين القاتل والمقتول، فيقتل الحر بالعبد، والمسلم بالذمى، كما لا عبرة بعفو مستحق القود.
وقال الشافعية فى الراجح عندهم، والحنابلة فى إحدى روايتين لأحمد :يغلب جانب القصاص لأنه حق آدمى، وهو مبنى على المضايقة فيقتل قصاصا أولا، فإذا عفا مستحق القصاص عنه يقتل حدا، ويشترط التكافؤ بين القاتل والمقتول، لخبر :لا يقتل مسلم بكافر،وعلى هذا إذا قتل مسلم ذميا، أو الحر غير حر، ولم يأخذ مالا، لم يقتل قصاصا، ويغرم دية الذمى، وقيمة الرقيق .
ج -القطع من خلاف:يراعى فى كيفية القطع ما يراعى فى قطع السارق .وينظر مصطلح :(سرقة).
د -الصلب:اختلف الفقهاء فى وقت الصلب، ومدته :فقال الحنفية والمالكية :يصلب حيا، ويقتل مصلوبا.وقال الحنفية :يترک مصلوبا ثلاثة أيام بعد موته.وعند المالكية تحدد مدة الصلب باجتهاد الإمام.وفى قول للشافعية :إنه يصلب حيا للتشهير به ثم ينزل فيقتل.وقال الشافعية فى المعتمد والحنابلة :يصلب بعد القتل، لأن الله تعالى قدم القتل على الصلب لفظا .فيجب تقديم ما ذكر أولا فى الفعل كقوله تعالى :(إن الصفا والمروة من شعائر الله)ولأن فى صلبه حيا تعذيبا له.وقال صلى الله عليه وسلم :إن الله كتب الإحسان على كل شىء ، فإذا قتلتم فأحسنوا القتلة.
وعلى هذا الرأى :يقتل، ثم يغسل، ويكفن، ويصلى عليه، ثم يصلب، ويترک مصلوبا ثلاثة أيام بلياليها ولا يجوز الزيادة عليها .وينظر تفصيل ما يتصل بالصلب فى مصطلح :(تصليب) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷،ص ۱۶۱ ،۱۶۲ ،مادة "حرابة")

اس پر بھی ڈاکہ کی حد جاری کی جائے گی، جبکہ بعض فقہائے کرام کے نزدیک عورت پر ڈاکہ زنی کی مذکورہ حد جاری نہیں کی جائے گی، بلکہ اس پر مناسب تعزیر کی جائے گی۔ [1]

(۴)...... ڈاکہ کی مذکورہ سزا جاری ہونے کے لئے بعض فقہائے کرام کے نزدیک یہ ضروری نہیں کہ ڈاکوؤں کے پاس اسلحہ ہو، جس کے زور پر وہ دوسروں پر ڈاکہ زنی کریں، بلکہ ان کی طرف سے دھونس چلا کر کھلم کھلا ڈاکہ زنی کرنا کافی ہے، جبکہ بعض حضرات کے نزدیک ان کے ساتھ اسلحہ یا کوئی چوٹ پہنچانے والی چیز کا ہونا ضروری ہے۔ [2]

---

[1] ج -الذكورة:ذهب المالكية والشافعية والحنابلة إلى أنه لا يشترط فى المحارب الذكورة. فلو اجتمع نسوة لهن قوة ومنعة فهن قاطعات طريق ولا تأثير للأنوثة على الحرابة، فقد يكون للمرأة من القوة والتدبير ما للرجل فيجرى عليها ما يجرى على الرجل من أحكام الحرابة.
وقال الحنفية :يشترط فى المحارب الذكورة :فلا تحد المرأة وإن وليت القتال وأخذ المال، لأن ركن الحرابة هو :الخروج على وجه المحاربة والمغالبة ولا يتحقق ذلک فى النساء عادة لرقة قلوبهن وضعف بنيتهن، فلا يكن من أهل الحرابة.ولهذا لا يقتلن فى دار الحرب، ولا يحد كذلک من يشاركهن فى القطع من الرجال، عند أبى حنيفة ومحمد .سواء باشروا الجريمة أم لم يباشروا.
وقال أبو يوسف :إذا باشرت المرأة القتال وأخذ المال، يحد الرجال الذين يشاركونها، لأن امتناع وجوب الحد على المرأة ليس لعدم الأهلية، لأنها من أهل التكليف، بل لعدم المحاربة عادة، وهذا لم يوجد فى الرجال الذين يشاركونها، فلا يمتنع وجوب الحد عليهم (الموسوعة الفقهية الكويتية ، ج١٧ ص١٥٦، ١٥٧،مادة " حرابة ")

[2] د -السلاح:اختلف الفقهاء فى اشتراط السلاح فى المحارب .فقال الحنفية والحنابلة: يشترط أن يكون مع المحارب سلاح، والحجارة والعصى سلاح "هنا "فإن تعرضوا للناس بالعصى والأحجار فهم محاربون .أما إذا لم يحملوا شيئا مما ذكر فليسوا بمحاربين.ولا يشترط المالكية والشافعية حمل السلاح بل يكفى عندهم القهر والغلبة وأخذ المال ولو باللكز والضرب بجمع الكف(الموسوعة الفقهية الكويتية ، ج١٧ ص١٥٧ ،مادة " حرابة ")
و المجاهرة :المجاهرة أن يأخذ قطاع الطريق المال جهرا فإن أخذوه مختفين فهم سراق، وإن اختطفوا وهربوا فهم منتهبون ولا قطع عليهم.وكذلک إن خرج الواحد، والاثنان على آخر قافلة، فاستلبوا منها شيئا، فليسوا بمحاربين لأنهم لا يعتمدون على قوة ومنعة .وإن تعرضوا لعدد يسير فقهروهم، فهم قطاع طرق(الموسوعة الفقهية الكويتية ، ج١٧ ص١٥٨ ،مادة " حرابة ")

(۵)...... ڈاکہ کی مذکورہ سزا جاری ہونے کے لئے بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک یہ ضروری نہیں کہ وہ ڈاکو آبادی سے باہر یا دور دراز راستہ پر ڈاکہ ڈالیں، بلکہ اگر آبادی اور گھر کے اندر بھی داخل ہوکر اسلحہ وغیرہ کے زور پر ڈاکہ زنی کریں، تو بھی ان پر ڈاکہ زنی کی حد جاری کی جائے گی۔ [1]

(۶)...... اگر ایک سے زیادہ افراد مل کر ڈاکہ زنی کا ارتکاب کریں، اور وہ باہم ایک دوسرے کا ڈاکہ زنی کے فعل میں مختلف طریقوں سے تعاون کریں، تو اکثر فقہائے کرام کے نزدیک وہ سب ڈاکہ زنی کی سزا کے مستحق ہوں گے۔ [2]

(۷)...... اکثر فقہائے کرام کے نزدیک ڈاکو کے ہاتھ کاٹے جانے کی جگہ گٹے کا جوڑ ہے، اور پاؤں کاٹے جانے کی جگہ ٹخنے کا جوڑ ہے، جس کی مزید تفصیل

---

[1] البعد عن العمران :ذهب المالكية والشافعية وهو رأى أبى يوسف من الحنفية وكثير من أصحاب أحمد إلى أنه لا يشترط البعد عن العمران وإنما يشترط فقد الغوث.ولفقد الغوث أسباب كثيرة، ولا ينحصر فى البعد عن العمران.فقد يكون للبعد عن العمران أو السلطان.وقد يكون لضعف أهل العمران، أو لضعف السلطان .فإن دخل قوم بيتا وشهروا السلاح ومنعوا أهل البيت من الاستغاثة فهم قطاع طرق فى حقهم.

واستدل الجمهور بعموم آية المحاربة، ولأن ذلك إذا وجد فى العمران والأمصار والقرى كان أعظم خوفا وأكثر ضررا، فكان أولى بحد الحرابة.وذهب الحنفية وهو المذهب عند الحنابلة إلى اشتراط البعد عن العمران .فإن حصل منهم الإرعاب وأخذ المال فى القرى والأمصار فليسوا بمحاربين، وقالوا :لأن الواجب يسمى حد قطاع الطرق، وقطع الطريق إنما هو فى الصحراء ، ولأن من فى القرى والأمصار يلحقه الغوث غالبا فتذهب شوكة المعتدين، ويكونون مختلسين وهو ليس بقاطع، ولا حد عليه(الموسوعة الفقهية الكويتية ، ج۱۷ ص۱۵۷،۱۵۸ ،مادة " حرابة ")

[2] حكم الربيئة فى قطع الطريق:الربيئة حكمه حكم المباشر فى قطع الطريق (الحرابة) فيقتل مع المحاربين إذا حصل القتل ولو باشره بعضهم، وهذا مذهب المالكية والحنفية والحنابلة؛ لأن المحاربة مبنية على حصول المنعة والمعاضدة، ومن عادة قطاع الطريق المباشرة من البعض والإعانة من البعض الآخر .بخلاف سائر الحدود .وروى عن مالك أن عمر قتل من كان ربيئة للذين قتلوا.وقال الشافعية :لا يجب الحد على من أعان قطاع الطريق أو كثر جمعهم بالحضور أو كان عينا لهم، ولم يباشر بنفسه، بل يعزر.قطاع الطريق أو كثر جمعهم بالحضور أو كان عينا لهم، ولم يباشر بنفسه، بل يعزر(الموسوعة الفقهية الكويتية ، ج۲۲ ص۹۲ ،مادة " ربيئة ")

www.idaraghufran.org

آگے چوری کے بیان میں آتی ہے۔ [۱]

(۸)...... ڈاکہ اور فساد کا ثبوت جس پر حد جاری کی جاتی ہے، وہ یا تو مجاز حاکم کی عدالت میں خود ڈاکو کے اقرار کرنے سے ہوتا ہے، یا دو معتبر گواہوں کی گواہی سے ہوتا ہے۔ [۲]

(۹)...... جب ڈاکو یا فسادی پر حد جاری کردی جائے، تو لوگوں کے جو حقوق ضائع کئے مثلاً مال لوٹا، تو اس کی واپسی یا تاوان بھی لازم ہوتا ہے۔ [۳]

---

[۱] قطع الرجل من الكعب فى السرقة والحرابة: ذهب أكثر الفقهاء إلى أن موضع قطع رجل السارق هو مفصل الكعب، وفعل عمر رضى الله عنه ذلك. وحكى عن قوم من السلف: أنه يقطع من نصف القدم من معقد الشراك، ويترك له العقب؛ لأن عليا رضى الله عنه كان يفعل ذلك ويدع له عقبا يمشى عليها، وحكى هذا عن أبى ثور. ويراعى فى كيفية قطع رجل قاطع الطريق ما يراعى فى قطع السارق(الموسوعة الفقهية الكويتية ، ج۳۴ص ۲۶۰،مادة "كعب")

[۲] ما تثبت به الحرابة: لا خلاف بين الفقهاء فى أن جريمة الحرابة تثبت قضاء بالإقرار، أو بشهادة عدلين .وتقبل شهادة الرفقة فى الحرابة، فإذا شهد على المحارب اثنان من المقطوع عليهم لغيرهما ولم يتعرضا لأنفسهما فى الشهادة قبلت شهادتهما، وليس على القاضى البحث عن كونهما من المقطوع عليهم، وإن بحث لم يلزمهم الإجابة، أما إذا تعرضوا لأنفسهما بأن يقولا : قطعوا علينا الطريق، ونهبوا أموالنا لم يقبلا، لا فى حقهما ولا فى حق غيرهما للعداوة .وقال مالك: تقبل شهادتهم فى هذه الحالة، وتقبل عنده فى الحرابة شهادة السماع .حتى لو شهد اثنان عند الحاكم على رجل اشتهر بالحرابة أنه هو المشتهر بالحرابة تثبت الحرابة بشهادتهما وإن لم يعايناه.

وتفصيل ذلك فى مصطلحى :(شهادة وإقرار)(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۱۶۳، ۱۶۴، مادة "حرابة")

[۳] ضمان المال والجراحات بعد إقامة الحد: إذا أقيم الحد على المحارب، فهل يضمن ما أخذه من المال، ويقتص منه للجراحات؟ اختلف الأئمة فى ذلك: فقال المالكية والشافعية والحنابلة : إذا أخذ المحاربون مالا وأقيم عليهم الحد ضمنوا المال مطلقا. ثم صرح الحنابلة أنه يجب الضمان على الآخذ فقط، لا على من كان معه ولم يباشر الأخذ، وهو مقتضى كلام الشافعية. وقالوا :لأن وجود الضمان ليس بحد فلا يتعلق بغير المباشر له كالغصب والسرقة. وقال المالكية :يعتبر كل واحد منهم ضامنا للمال المأخوذ بفعله أو بفعل صاحبه لأنهم كالحملاء (الكفلاء) فكل من قدر عليه منهم أخذ بجميع ما أخذه هو وأصحابه لتقوى بعضهم ببعض، ومن دفع أكثر مما أخذ يرجع على أصحابه.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

(۱۰)...... اگر کوئی ڈاکو یا فسادی گرفتار یا محاصرہ کئے جانے سے پہلے توبہ کر لے، تو اس سے ڈاکہ کی حد والی قانونی سزا ساقط ہو جاتی ہے، البتہ اگر ڈاکہ کے دوران کوئی اور جرم کیا، تو وہ اور اسی طرح لوگوں کے حقوق توبہ کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتے، لہٰذا اگر کسی کا مال لوٹا تو اس کا تاوان لازم ہوتا ہے، اور زنا کیا تو اس کی سزا بھی، کما سیجیئ۔ [1]

ڈاکہ کی سزا پر ایک شبہ کا جواب

کسی کو ڈاکوؤں کی اسلامی سزا پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ ان کی سزا اسلام میں بڑی سخت رکھی گئی ہے، جبکہ اسلام کے قوانین بڑے عادلانہ ومنصفانہ ہیں؟

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ أمـا الجراحات فقال الشافعية، والحنابلة :إذا جرح جرحا فيه قود فـاندمل لم يتحتم به قصاص فى الأظهر عند الشافعية بل يتخير المجروح بين القود والعفو على مال أو غيره لأن التحتم تغليظ لحق الله، فاختص بالنفس كالكفارة، ولأن الشرع لم يرد بشرع الحد فى حق المحارب بالجراح، فبقى على أصله فى غير الحرابة .وفى قول عند الشافعية وإحدى روايتين لأحمد :يتحتم فيه القصاص كالنفس لأن الجراح تابعة للقتل فيثبت فيها مثل حكمه .والقول الثالث للشافعية :يتحتم فى اليدين والرجلين لأنهما مما يستحقان فى المحاربة دون غيرهما.

أما إذا سرى الجرح إلى النفس فمات المجروح يتحتم القتل.وذهب الحنفية إلى أنه إذا أخذ المحاربون مالا وأقيم عليهم الحد فإن كان المال قائما ردوه، وإن كان تالفا أو مستهلكا لا يضمنونه، لأنه لا يجمع عندهم بين الحد والضمان، وكذلك الجراحات سواء كانت خطأ أم عمدا، لأنه إذا كانت خطأ، فإنها توجب الضمان، وإن كانت عمدا، فإن الجناية فيما دون النفس يسلك بها مسلك الأموال، ولا يجب ضمان المال مع إقامة الحد فكذلك الجراحات (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷،ص ۱۶۲، ۱۶۳،مادة ”حرابة“)

[1] سقوط عقوبة الحرابة :يسقط حد الحرابة عن المحاربين بالتوبة قبل القدرة عليهم، وذلك فى شأن ما وجب عليهم حقا لله، وهو تحتم القتل، والصلب، والقطع من خلاف، والنفى، وهذا محل اتفاق بين أصحاب المذاهب الأربعة.واستدلوا بقوله تعالى :(إلا الذين تابوا من قبل أن تقدروا عليهم)فالله سبحانه وتعالى قد أوجب عليهم الحد، ثم استثنى التائبين قبل القدرة عليهم.

أما حقوق الآدميين فلا تسقط بالتوبة .فيغرمون ما أخذوه من المال عند الجمهور وعند الحنفية إن كان المال قائما، ويقتص منهم إذا قتلوا على التفصيل السابق، ولا يسقط إلا بعفو مستحق الحق فى مال أو قصاص(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷،ص ۱۶۴،مادة ”حرابة“)

اس کے جواب میں عرض ہے کہ یہ بات اہلِ عقل واہلِ دانش سے مخفی نہیں کہ دنیا میں ڈاکہ زنی بدترین بدامنی اور فساد کا باعث ہے، جگہ جگہ اور تقریباً ہر ملک میں اور اس سے بھی بڑھ کر گلی گلی اور بازار در بازار میں یہ جرم پایا جاتا ہے، چند روپیوں کی گولی کو بندوق یا پستول میں لگا کر اور کنپٹی پر رکھ کر ڈاکہ زنی کی وارداتیں کی جاتی ہیں، جس کی وجہ سے نہ کسی کی جان محفوظ ہے، اور نہ مال محفوظ ہے، اور نہ عزت وآبرو محفوظ ہے، اور ہر شخص اپنے آپ کو ہمہ وقت غیر محفوظ سمجھتا ہے، ڈاکوؤں کے مشہور گروہ مختلف ملکوں اور علاقوں میں معروف ومشہور ہیں، جن کا پیشہ ہی یہ کام کرنا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ ڈاکہ زنی بدترین جرم ہے۔

اور دنیا کے بے شمار قوانین اس جرم کو ختم کرنے کے لئے مقرر ہیں، مگر انتھک کوششوں کے باوجود اس جرم کا خاتمہ نہیں ہو رہا، بلکہ روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

اسلام نے جو سزا اس بدترین جرم کے خاتمہ کے لئے تجویز کی ہے، وہ یقیناً ڈاکہ کے جرائم کے اعتبار سے معتدل ہونے کے ساتھ اتنی عبرت آمیز ہے کہ دعوے کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اگر اس کو نیک نیتی، دیانت اور امانت کے ساتھ پوری طرح نافذ کر دیا جائے، تو ڈاکوؤں کا خاتمہ ہو جائے، اور اس بدامنی وبے سکونی اور فساد سے معاشرہ پاک وصاف ہو جائے، جب ایک ڈاکو ایک ہاتھ اور پاؤں کٹے ہوئے ہونے کی حالت میں دنیا میں زندگی گزارے گا تو ایک تو آئندہ اسے یہ حرکت کرنے کی جرأت نہ ہوگی، اور دوسرے لوگوں کے لئے ہمہ وقت چلتی پھرتی عبرت کی مثال بلکہ تبلیغ اور ترھیب کی نشانی بھی ہوگی، اور اگر اس نے قتل کا جرم بھی کیا ہو تو اس کو قتل کر کے عبرت کے طور پر سولی پر لٹکا دیا جائے گا۔

آج کئی مسلمان، غیر مسلموں کی طرف سے اسلامی سزاؤں پر کئے جانے والے شکوک وشبہات سے متأثر ہوتے ہیں، لیکن اگر وہ اسلامی سزاء کا قانون جاری کریں، تو ان شاء اللہ تعالیٰ معاشرہ کا مثالی امن خود ان کے منہ بند کرنے کا باعث ہوگا۔

(فصل نمبر ۳)

چوری کے جرم کی قانونی سزا

جیسا کہ پیچھے ذکر کیا گیا کہ کسی کے مال سے ناحق تعرض وچھیڑ چھاڑ کر کے فساد برپا اور امن وامان خراب کرنے کی ایک صورت چوری کرنا ہے، جس میں چھپ کر دوسرے کے صرف مال پر ناحق اور غاصبانہ قبضہ کرنا پایا جاتا ہے۔

چوری (Theft) کا جرم بھی معاشرہ میں بڑے فساد اور امن وامان کی تباہی کا سبب ہے، اور آج دنیا میں اس جرم کی وجہ سے امن وامان کی صورتِ حال خراب ہے، لوگوں کے قیمتی اموال محفوظ نہیں، خون پسینہ اور انتہائی محنت وجد وجہد سے حاصل کیا ہوا مال، ذرا سی دیر میں چوری کی نذر ہوجاتا ہے، اور انسان نہتا ہوجاتا ہے، اس کے بیوی بچوں بلکہ اپنی جان تک کی ضروریات متأثر ہوجاتی ہیں، ذرا سی دیر میں امیر وغنی اور مالدار شخص فقر وفاقہ میں مبتلا ہوجاتا ہے، اس کے نہ جانے کتنے منصوبے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں، اور چوری کا یہ صدمہ عمر بھر کے لئے دل میں اثر کر کے غم اور صدمہ کا باعث بن جاتا ہے، اسلام کے منصفانہ وعادلانہ قوانین میں اس کا بہترین مداوا اور اس کی عبرتناک سزا تجویز کر کے معاشرہ کو اس سنگین جرم اور فساد سے پاک کرنے کا اقدام کیا گیا ہے۔

چوری کی سزا بھی دینِ اسلام میں انتہائی معتدل اور عبرت آمیز رکھی گئی ہے، جس کو اختیار کرنے کے بعد معاشرہ چوری کی لعنت سے پاک ہوجاتا ہے۔

ذیل میں اس کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

قرآن مجید میں چوری کی سزا کا حکم

اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ .فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهِ وَأَصْلَحَ فَإِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ .أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (سورة المائدة، رقم الآيات ۳۸، ۳۹، و ۴۰)

ترجمہ: جو چوری کرنے والا ہو، یا چوری کرنے والی ہو، ان کے ہاتھ کاٹ دو، اللہ کی طرف سے ان کے کرتوت کی سزا عبرت کے طور پر ہے، اور اللہ زبردست اور حکیم ہے، پھر جو گناہ کے بعد توبہ کرلے اور اصلاح کرلے، تو اللہ اس کو معاف کردے گا، کچھ شک نہیں کہ اللہ غفور رحیم ہے، کیا تم کو معلوم نہیں کہ آسمانوں اور زمین میں اللہ ہی کی حکومت ہے؟ وہ جس کو چاہے عذاب دیتا ہے، اور جس کی چاہے مغفرت کرتا ہے اور اللہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے (سورہ مائدہ)

اس سے معلوم ہوا کہ چور اور چورنی کی اسلام میں قانونی سزا یہ ہے کہ ان کا ہاتھ کاٹا جائے، اور یہ چوری کے کرتوت کی حکیمانہ منصفانہ وعبرتناک سزا ہے، کیونکہ ہاتھ ہی عام طور پر چوری کے فعل میں استعمال ہوتا ہے۔

اس منصفانہ وعادلانہ اور عبرت آمیز قانون پر عمل درآمد سے معاشرہ اس جرم سے پاک ہوجاتا ہے، جس کی مزید تفصیل آگے آتی ہے۔

احادیث میں چوری کی سزا کا ذکر

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

إِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِيْنَ قَبْلَكُمْ، أَنَّهُمْ كَانُوْا إِذَا سَرَقَ فِيْهِمُ الشَّرِيْفُ تَرَكُوْهُ، وَإِذَا سَرَقَ فِيْهِمُ الضَّعِيْفُ أَقَامُوْا عَلَيْهِ الْحَدَّ، وَايْمُ اللّٰهِ لَوْ أَنَّ

فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا (بخاری) ؎۱

ترجمہ: تم سے پہلی امتیں اس لئے ہلاک ہوئیں کہ ان میں جب کوئی شریف (ومعزز) آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور سزا نہ دیتے اور جب کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تو اس کو سزا دیتے، قسم ہے اللہ کی! اگر فاطمہ محمد کی بیٹی بھی چوری کرے تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ ڈالوں (بخاری)

معلوم ہوا کہ چوری کی سزا کا قانون منصفانہ ہے، جو امیر وغریب اور اپنے پرائے معزز ومقتدر اور غیر معزز وغیر مقتدر سب کے لئے برابر ہے۔

حضرت صفوان بن امیّہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّهُ نَامَ فِي الْمَسْجِدِ وَتَوَسَّدَ رِدَاءَهُ، فَأُخِذَ مِنْ تَحْتِ رَأْسِهِ، فَجَاءَ بِسَارِقِهِ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَمَرَ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُقْطَعَ (سنن ابن ماجه) ؎۲

ترجمہ: حضرت صفوان مسجد میں سوگئے اور اپنی چادر سر کے نیچے رکھ لی، کسی نے چادر ان کے سر کے نیچے سے نکال لی، تو وہ اس چور کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے، نبی نے (چوری ثابت ہونے پر) حکم دیا کہ اس (چور) کا ہاتھ کاٹا جائے

(ابن ماجہ، نسائی، مسند احمد)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أُتِيَ بِسَارِقٍ، فَأَمَرَ بِقَطْعِهِ (مسند أحمد، رقم الحديث ۴۱۶۸) ؎۳

ترجمہ: ایک چور کو (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس) لایا گیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم

؎۱ رقم الحديث ۳۴۷۵، كتاب احاديث الانبياء، باب حديث الغار.

؎۲ رقم الحديث ۲۵۹۵، كتاب الحدود، باب من سرق من الحرز، نسائی، رقم الحديث ۴۸۷۹، مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ۱۵۳۰۳.

فی حاشية مسند احمد: حديث صحيح بطرقه وشاهده.

؎۳ فی حاشية مسند احمد: حسن بشواهده.

نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمایا (مسند احمد)

حضرت ابوامیہ مخزومی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ أُتِیَ بِلِصٍّ، فَاعْتَرَفَ اِعْتِرافًا وَلَمْ یُوجَدُ مَعَہُ مَتَاعٌ فَقَالَ لَہُ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَا إِخالُکَ سَرَقْتَ ؟قَالَ: بَلٰی مَرَّتَیْنِ أَوْ ثَلاثًا ،قَالَ: فَقَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اُقْطَعُوْہُ، ثُمَّ جِیئُوا بِہٖ ،قَالَ: فَقَطَعُوْہُ، ثُمَّ جَاءُ وْا بِہٖ فَقَالَ لَہُ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: قُلْ: أَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ وَأَتُوبُ إِلَیْہِ ،قَالَ: أَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ وَأَتُوبُ إِلَیْہِ ،فَقَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اَللّٰھُمَّ تُبْ عَلَیْہِ (مسند احمد، رقم الحدیث ۲۲۵۰۸) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چور کو لایا گیا اس نے چوری کا اعتراف کرلیا، لیکن اس کے پاس سے سامان نہیں مل سکا (اور گواہ بھی نہ تھے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ میرا خیال نہیں ہے کہ تم نے چوری کی ہوگی؟ اس نے کہا کہ بے شک میں نے چوری کی ہے، دو تین مرتبہ یہی (چوری کے اعتراف کے) الفاظ دہرائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کا ہاتھ کاٹ کر اسے میرے پاس واپس لاؤ۔

چنانچہ اس کا ہاتھ کاٹ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ یوں کہو کہ میں اللہ سے استغفار کرتا ہوں، اور اللہ سے توبہ کرتا ہوں، اس نے یہی کہا کہ میں اللہ سے استغفار کرتا ہوں، اور اللہ سے توبہ کرتا ہوں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے اللہ اس کی توبہ کو قبول فرمالیجئے (مسند احمد)

---

[1] فی حاشیۃ مسند احمد: صحیح لغیرہ.

www.idaraghufran.org

اس طرح کی حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ [1]

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اسلام میں چوری کی سزا وحد چور کا ہاتھ کاٹا جانا ہے۔

لیکن چور کا ہاتھ کاٹے جانے سے دوسرے کے حق کی ادائیگی نہیں ہوجاتی، بلکہ چور کے ذمہ دوسرے کا چوری کیا ہوا مال واپس کرنا یا اُس کا تاوان دینا بھی ضروری رہتا ہے۔

چنانچہ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] عن أبی هريرة قال " :أتـی بسارق إلی النبی صلی الله عليه وسلم فقالوا :يا رسول الله ,إن هـذا سرق فقال ما إخاله سرق فقال السارق :بلی يا رسول الله ,قال اذهبوا به فـاقطعوه ثم احسموه ثم ائتونی به قال :فـذهب به فقطع ثم حسم ثم أتی به فقال تب إلی الـله عز وجل فقال :تبـت إلی الله ,فـقال تاب الله عليک "(شـرح معانی الآثار، رقم الـحديث ۴۹۷۴،مستدرک حاکم، رقم الحديث ۸۱۵۰،سنن البيهقی، رقم الحديث ۱۷۲۵۴ ،مـعرفة السـنـن والآثـار لـلبيهـقی، رقم الحديث ۱۷۲۳۱ ،مسند البزار، رقم الحديث ۸۲۵۹)

قال الحاکم:هذا حديث صحيح علی شرط مسلم ولم يخرجاه "

وقـال الهيثـمـی: رواه الـبـزار عـن شـيـخـه أحمد بن أبان القرشی، وثقه ابن حبان، وبقية رجاله رجال الصحيح.(مجمع الزوائد،باب ما جاء فی السرقة وما لا قطع فيه، تحت رقم الحديث ۱۰۶۶۲)

وقـال شـعيـب الارنـؤوط:ولــه شـاهـد مـن حـديـث أبـی هـريرة عند الطحاوی ۱۶۸/۳ ، والبيهقی ۲۷۵/۲-۲۷۶.وإسناده صحيح (حاشيةمسند احمد،تحت رقم الحديث ۲۲۵۰۸)

أخبرنی السائب بن يزيد، قال :أتی برجل إلی رسول الله صلی الله عليه وسلم، قالوا :يا رسول الله، إن هذا سرق جل بعير أو جل دابة ,فـقال رسول الله صلی الله عليه وسلم: مـا إخاله فعل ,ثم قالوا :يـا رسول الله، إن هذا سرق ,قال :مـا إخاله فعل ، حتی شهد علی نفسه شهادات ,فقال :اذهـبـوا بـه، فاقطعوه، ثم ائتونی به فقطعوه، ثم جاء وا به إلی رسـول الله صلی الله عليه وسلم، فقال :ويحک تب إلی الله ، قال :تبت إلی الله قال : اللهم تب عليه(المعجم الكبير للطبرانی،رقم الحديث ۶۶۸۴ ،ج۷ص۱۵۷)

قـال الهيثـمـی: رواه الطبرانی، ورجاله رجال الصحيح(مجمع الزوائد،باب التلقين فی الحد، تحت رقم الحديث ۱۰۴۸۶)

عن محمد بن عبد الرحمن بن ثوبان ,قال :أتی رسول الله صلی الله عليه وسلم بسارق قد سرق شملة ,فقال :أسرقت ما إخاله سرق ,قال :بلی ,فقال رسول الله صلی الله عليه وسلم :اقطعوه ثم احسموه ,فـقطعوه ثم حسموه ,فـقـال له النبی صلی الله عليه وسلم :تب ,فقال :تبت إلی الله ,قال :اللهم تب عليه(سنن الدارقطنی، رقم الحديث ۳۱۶۴)

عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: عَلَی الْیَدِ مَا أَخَذَتْ حَتّٰی تُؤَدِّیَہُ

(مسند احمد، رقم الحدیث ۲۰۰۸۶) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک ہاتھ (دوسرے سے) جو چیز لیتا ہے، وہ اس کے ذمے رہتی ہے یہاں تک کہ وہ (دوسرے کو وہ چیز) واپس ادا کر دے (مسند احمد)

غیر محفوظ مال کی چوری پر حد جاری نہیں کی جائے گی

اسلام میں چوری کرنا تو بہر حال گناہ ہے، خواہ دوسرے کا مال کسی بھی جگہ سے چوری کرے، اور کتنی مقدار میں بھی چوری کرے، اور دوسرے کا چوری کیا ہوا مال واپس کرنا بھی ضروری ہے، لیکن چوری کے جرم پر ہاتھ کاٹے جانے کے لئے کچھ شرائط کا پایا جانا ضروری ہے، جن میں سے ایک شرط یہ ہے کہ جو مال چوری کیا گیا وہ محفوظ مقام پر رکھا گیا ہو، باہر اور گلی میں پڑے اور رکھے ہوئے مال کی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: لَا قَطْعَ فِیْ ثَمَرٍ وَلَا كَثَرٍ (سنن الترمذی) [2]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ (درخت اور کھیت میں موجود) پھلوں اور خوشوں کی چوری کرنے پر ہاتھ نہ کاٹا جائے (ترمذی)

---

[1] فی حاشیة مسند احمد: حسن لغیرہ.

[2] رقم الحدیث ۱۴۴۹، ابواب الحدود، باب ما جاء لا قطع فی ثمر ولا کثر.

قال الترمذی: هكذا روى بعضهم، عن يحيى بن سعيد، عن محمد بن يحيى بن حبان، عن عمه واسع بن حبان، عن رافع بن خديج، عن النبی صلى الله عليه وسلم نحو رواية الليث بن سعد، وروى مالك بن أنس، وغير واحد هذا الحديث، عن يحيى بن سعيد، عن محمد بن يحيى بن حبان، عن رافع بن خديج، عن النبی صلى الله عليه وسلم ولم يذكروا فيه عن واسع بن حبان.

اس طرح کی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی مروی ہے۔ [1]

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ كَمْ تُقْطَعُ الْيَدُ؟ قَالَ: لَا تُقْطَعُ الْيَدُ فِیْ ثَمَرٍ مُعَلَّقٍ، فَإِذَا ضَمَّهُ الْجَرِينُ قُطِعَتْ فِیْ ثَمَنِ الْمِجَنِّ، وَلَا تُقْطَعُ فِیْ حَرِيْسَةِ الْجَبَلِ، فَإِذَا آوَى الْمُرَاحَ قُطِعَتْ فِیْ ثَمَنِ الْمِجَنِّ (سنن النسائی) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کس قدر مالیت (کی چوری) میں ہاتھ کاٹا جائے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاتھ نہ کاٹا جائے اس پھل میں جو کہ لٹکتا ہو، لیکن جس وقت وہ کھلیان (یعنی پھل محفوظ رکھے جانے والی جگہ، یا گھر وغیرہ) میں رکھا جائے اور اس قدر کوئی شخص چوری کرے کہ جس کی مالیت ڈھال کی قیمت کے برابر ہو تو اس میں ہاتھ کاٹا جائے، اسی طریقہ سے جو جانور پہاڑ (یا میدان میں) گھاس کھاتے ہوں، ان (کے چوری کرنے) میں ہاتھ نہ کاٹا جائے، لیکن جس وقت وہ اپنے رہنے کی جگہ میں ہوں اور کوئی شخص ان کی چوری کرے اور ان کی مالیت ڈھال کی مالیت کے برابر ہو تو چوری کرنے والے کا ہاتھ کاٹا جائے (نسائی، مسند احمد)

ڈھال کی مالیت کے بارے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے، جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

اس قسم کی احادیث کے پیشِ نظر اکثر فقہائے کرام نے فرمایا کہ اگر کوئی ایسا مال چوری کرے، جو محفوظ مقام پر رکھا ہوا نہ ہو، تو اس پر ہاتھ کاٹنے کی سزا جاری نہیں کی جائے گی، البتہ ایسے

---

[1] عن أبی هريرة قال :قال رسول الله صلی الله عليه وسلم :لا قطع فی ثمر ولا كثر(سنن ابن ماجه، رقم الحديث ٢٥٩٤)

[2] رقم الحديث ٤٩٥٧، كتاب قطع السارق، باب الثمر المعلق يسرق، واللفظ لهٗ، مسند احمد رقم الحديث ٦٦٨٣.

فی حاشية مسند احمد: حديث حسن، محمد بن إسحاق متابع.

www.idaraghufran.org

مال کی چوری کے ثبوت پر اس کی واپسی یا تاوان لازم ہوگا۔ [1]

کسی مال اور کسی چیز کے محفوظ ہونے کی صورت ہر مال اور چیز کی نوعیت کے اعتبار سے ہوتی ہے، اور اس کا اصل دارومدار عرف ورواج پر ہوتا ہے کہ جس مال اور جس چیز کی جس طریقہ سے عرف ورواج میں حفاظت کی جاتی ہو، وہ مال محفوظ کہلاتا ہے۔ [2]

بعض اوقات کسی مال یا چیز کی حفاظت اس کو محفوظ مقام پر رکھ کر ہوتی ہے، مثلاً مکان یا دوکان

---

[1] الأخذ من الحرز شرط من شروط القطع فی السرقة للمال المملوک عند جمهور الفقهاء ، فلا یجب القطع حتى ینفصل المال عن جمیع الحرز، ولذلک إذا جمع المتاع ولم یخرج به من الحرز لا یجب القطع، وإلیه ذهب عطاء ، والشعبی، وأبو الأسود الدؤلی، وعمر بن عبد العزیز، والزهری، وعمرو بن دینار، والثوری، ومالک والشافعی، وأهل الرأی.قال ابن قدامة :لا نعلم لأحد من أهل العلم خلافا، إلا قولا حکی عن عائشة والحسن والنخعی فیمن جمع المتاع ولم یخرج به من الحرز علیه القطع.

والأصل فی اشتراط الحرز ما روی فی الموطأ عن النبی صلى الله علیه وسلم أنه قال :لا قطع فی ثمر معلق ولا فی حریسة جبل، فإذا آواه المراح أو الجرین ، فالقطع فیما بلغ ثمن المجن.

وروی عنه علیه الصلاة والسلام أنه قال :لیس فی شیء من الثمر المعلق قطع إلا فیما آواه الجرین. فما أخذ من الجرین فبلغ ثمن المجن ففیه القطع، وما لم یبلغ ثمن المجن ففیه غرامة مثلیة وجلدات نکال.واختلف الفقهاء فیما یعتبر به المال محرزا، فقال بعضهم :یعتبر محرزا بالملاحظة أو حصانة الموضع .وفی المسألة تفصیل ینظر فی سرقة وقطع(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۱۷ ص۲۷۳ ، مادة"حرز")

[2] الإحراز لغة :حفظ الشیء وصیانته عن الأخذ .

ولا یخرج استعمال الفقهاء عن المعنى اللغوی المذکور فقد عرفه النسفی بأنه :جعل الشیء فی الحرز، وهو الموضع الحصین.هذا والإحراز إما أن یکون بحصانة موضعه، وهو کل بقعة معدة للإحراز، ممنوع من الدخول فیها إلا بإذن، کالدور والحوانیت والخیم والخزائن والصنادیق، وإما أن یکون بحافظ یحرسه .والمحکم فی الحرز العرف، إذ لم یحد فی الشرع ولا فی اللغة .وهو یختلف باختلاف الأموال والأحوال والأوقات .وضبطه الغزالی بما لا یعد صاحبه مضیعا له.

الألفاظ ذات الصلة:

الحیازة :هی وضع الید على الشیء والاستیلاء علیه .وقد یکون الشیء المحوز فی حرز أو لا یکون، لهذا فالحیازة أعم من الإحراز.

الاستیلاء :هو القهر والغلبة ولو حکما فی أخذ الشیء من حرزه ووضع الید علیه .فهو مختلف أیضا عن مطلق الإحراز، وأخص منه.

الحکم الإجمالی:الإحراز عند جمهور الفقهاء شرط من شروط القطع فی السرقة للمال المملوک (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۲ص۱۱۴ ، مادة " احراز ")

یا صندوق وغیرہ میں۔

اور بعض اوقات محافظ کا بندوبست کرنے سے ہوتی ہے، مثلاً کوئی سامان بند مکان میں تو نہیں رکھا گیا، لیکن اس کے لئے محافظ اور چوکیدار مقرر کردیا گیا۔

اور آج کل گاڑی، موٹر سائیکل وغیرہ میں تالا لگا کر باہر کھڑی کرنا یا پارکنگ میں موجود چوکیدار کی ذمہ داری میں کھڑی کرنا بھی حفاظت یا محافظ کا بندوبست کرنے میں داخل ہے۔ [1]

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جس چوری پر ہاتھ کاٹا جاتا ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ دوسرے کا محفوظ مال خفیہ طریقہ سے لیا جائے۔ [2]

اسی وجہ سے اگر کوئی شخص کسی چیز کو چھپ کر تو چوری نہ کرے، البتہ کسی دوسرے کی چیز میں خیانت کرے، مثلاً امانت رکھی ہوئی چیز کو واپس نہ کرے، یا کسی کے ہاتھ میں سے کوئی چیز اُچک لے، تو اس پر بھی ہاتھ کاٹنے کی سزا جاری نہیں کی جائے گی، البتہ اس میں مناسب تعزیر

---

[1] الحرز نوعان:

الحرز بالمكان:وهو كل بقعة معدة للإحراز ممنوع الدخول فيها أو الأخذ منها إلا بإذن كالدور، والحوانيت، والخيم، والخزائن، والصناديق.

فهذا النوع يكون حرزا بنفسه سواء وجد حافظ أم لا، وسواء كان الباب مغلقا، أو مفتوحا، لأن البناء يقصد به الإحراز وهو المعتبر بنفسه، بدون صاحبه، لأنه عليه الصلاة والسلام علق القطع بإيواء الجرين والمراح من غير شرط وجود الحافظ، لصيرورة كل منهما حرزا.

الحرز بالحافظ :ويكون في كل مكان غير معد للإحراز، يدخل إليه بلا إذن، ولا يمنع منه كالمساجد والطرق، فهذا النوع حكمه حكم المفاوز والصحراء إن لم يكن هناك حافظ قريب من المال يمكنه حفظه، فإن كان فهو محرز به .وفي المسألة تفصيل وخلاف ينظر في (سرقة، وقطع).

والفرق بين النوعين :أن القطع لا يجب بالأخذ من الحرز بالمكان إلا بالإخراج منه عند جمهور الفقهاء ، لأن يد المالك قائمة ما لم يخرجه، فلم تتم السرقة .وأما المحرز بالحافظ فيجب القطع بمجرد أخذه، لأن يد المالك تزال بمجرد الأخذ، فتمت السرقة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷ ص ۱۷۴، مادة " حرز " أنواع الحرز)

[2] سرقة:التعريف:في اللغة :السرقة أخذ الشيء من الغير خفية .يقال :سرق منه مالا، وسرقه مالا يسرقه سرقا وسرقة :أخذ ماله خفية، فهو سارق .ويقال :سرق أو استرق السمع والنظر :سمع أو نظر مستخفيا.وفي الاصطلاح :هي أخذ العاقل البالغ نصابا محرزا، أو ما قيمته نصاب، ملكا للغير، لا شبهة له فيه، على وجه الخفية.وزاد المالكية :أخذ مكلف طفلا حرا لا يعقل لصغره (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴ص ۲۹۲، مادة" سرقة ")

www.idaraghufran.org

کی جائے گی، اور اس چیز کی واپسی یا تاوان بھی ضروری ہوگا۔

اور اگر بندوق وغیرہ سے ڈرا کر کسی دوسرے کا مال لوٹے، تو یہ ڈاکہ زنی میں داخل ہے، جس کی سزا کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ [۱]

چوری کی قانونی سزا سے متعلق چند احکام

اب چوری کی قانونی سزا سے متعلق چند احکام ذکر کئے جاتے ہیں۔

(۱)...... قرآن وسنت کے دلائل کی روشنی میں امت کے فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ چور کی سزا ہاتھ کا ٹا جانا ہے۔

---

[۱] عن جابر، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال :لیس علی خائن، ولا منتهب، ولا مختلس قطع :هذا حديث حسن صحيح، والعمل على هذا عند أهل العلم وقد رواه مغيرة بن مسلم، عن أبي الزبير، عن جابر، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نحو حديث ابن جريج .المغيرة بن مسلم هو بصرى أخو عبد العزيز القسملی كذا قال علی بن المدینی(سنن الترمذی،رقم الحديث ۱۴۴۸)

اتفق الفقهاء على أنه لا قطع على المختطف؛ لأن الاختلاس والاختطاف واحد، ولا قطع على المختلس؛ لقول رسول الله صلى الله عليه وسلم :ليس على خائن ولا منتهب ولا مختلس قطع. وقد فصل الفقهاء أحكام الاختطاف فی كتاب الحدود -باب حد السرقة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲ص ۲۸۶، مادة " اختفاء ")

لا تقطع يد خائن ولا خائنة .فقد روى جابر أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال :ليس على خائن ولا منتهب ولا مختلس قطع.

قال ابن الهمام :وقد حكى الإجماع على هذه الجملة.ولأن الواجب قطع يد السارق، والخائن غير سارق لقصور فی الحرز، لأن المال قد كان فی يد الخائن وحرزه لا حرز المالك على الخلوص، وذلك لأن حرزه وإن كان حرز المالك فإنه أحرزه بإيداعه عنده لكنه حرز مأذون للأخذ فی دخوله (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۰ص ۱۸۸، مادة " خيانة ")

عقوبة النهب :النهب جريمة ومعصية لا حد فيها، قال النبی -صلی اللہ علیہ وسلم :-ليس على خائن ولا منتهب ولا مختلس قطع ولا يصدق عليها أنها سرقة أو حرابة، وإنما يجب فيها التعزير وهو العقوبة التی تجب فی المعاصی التی لا حد فيها ولا كفارة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۱ص ۳۸۱، مادة " نهب ")

اور یہ اسلامی حدود میں داخل ہے، جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کا عمل رہا ہے۔ [1]

(۲) ...... رہا یہ کہ کم از کم کتنی مالیت کی چیز کے چوری کرنے پر ہاتھ کاٹا جائے گا؟

اس سلسلہ میں احادیث وروایات میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے۔

بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم تین درہم کی مالیت کی چیز کے چوری کرنے پر ہاتھ کاٹا جائے گا۔ [2]

اور بعض احادیث وروایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم دس درہم یا ایک دینار کی

---

[1] اتفق الفقهاء على أن عقوبة السارق قطع يده لقوله تعالى :(والسارق والسارقة فاقطعوا أيديهما جزاء بما كسبا نكالا من الله والله عزيز حكيم) . وهو الحد الذى أقامه النبى صلى الله عليه وسلم على من سرق فى عهده، كما تواترت الأخبار بذلك .وجرى عليه عمل الخلفاء الراشدين دون اعتراض عليهم .وأجمعت عليه الأمة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴ص۳۳۵،۳۳۶ مادة "سرقة"، حد السرقة)

[2] عن عبد الله بن عمر رضى الله عنهما، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قطع فى مجن ثمنه ثلاثة دراهم(بخارى ، رقم الحديث ۶۷۹۵)

عن ابن عمر قال :قطع رسول الله صلى الله عليه وسلم فى مجن قيمته ثلاثة دراهم وفى الباب عن سعد، وعبد الله بن عمرو، وابن عباس، وأبى هريرة، وأيمن .حديث ابن عمر حديث حسن صحيح .والعمل على هذا عند بعض أهل العلم من أصحاب النبى صلى الله عليه وسلم منهم :أبو بكر الصديق، قطع فى خمسة دراهم وروى عن عثمان، وعلى :أنهما قطعا فى ربع دينار وروى عن أبى هريرة، وأبى سعيد، أنهما قالا :تقطع اليد فى خمسة دراهم .والعمل على هذا عند بعض فقهاء التابعين، وهو قول مالك بن أنس، والشافعى، وأحمد، وإسحاق :رأوا القطع فى ربع دينار فصاعدا .وقد روى عن ابن مسعود أنه قال :لا قطع إلا فى دينار، أو عشرة دراهم، وهو حديث مرسل، رواه القاسم بن عبد الرحمن، عن ابن مسعود .والقاسم لم يسمع من ابن مسعود .والعمل على هذا عند بعض أهل العلم، وهو قول سفيان الثورى، وأهل الكوفة، قالوا :لا قطع فى أقل من عشرة دراهم .وروى عن على أنه قال :لا قطع فى أقل من عشرة دراهم .وليس إسناده بمتصل(سنن الترمذى، رقم الحديث ۱۴۴۶)

عن قتادة، عن أنس قال :قطع أبو بكر رضى الله عنه فى مجن قيمته خمسة دراهم هذا الصواب "(سنن النسائى، رقم الحديث ۴۹۱۲)

مالیت کی چیز کے چوری کرنے پر ہاتھ کاٹا جائے گا۔ [1]

[1] عن عطاء ، عن ابن عباس، قال :قطع رسول الله صلى الله عليه وسلم يد رجل فى مجن قيمته دينار، أو عشرة دراهم قال أبو داود :رواه محمد بن سلمة، وسعدان بن يحيى، عن ابن إسحاق، بإسناده(سنن ابی داؤد، رقم الحديث ۴۳۸۷)

عن ابن عباس :لا يقطع السارق فى دون ثمن المجن ، وثمن المجن عشرة دراهم(مصنف ابنِ ابی شيبة، رقم الحديث،۲۸۶۸۷،من قال لا يقطع فى أقل من عشرة دراهم)

حدثنا ابن أبى داود ,وعبد الرحمن بن عمرو الدمشقى ,قالا :ثنا أحمد بن خالد الوهبى ,قال :ثنا محمد بن إسحاق ,عن أيوب بن موسى ,عن عطاء ,عن ابن عباس قال : كان قيمة المجن الذى قطع فيه رسول الله صلى الله عليه وسلم عشرة دراهم "

حدثنا ابن أبى داود ,وعبد الرحمن بن عمرو الدمشقى ,قالا :ثنا الوهبى ,قال :ثنا ابن إسحاق ,عن عمرو بن شعيب ,عن أبيه ,عن جده ,مثله(شرح معانى الآثار، رقم الحديث ۴۹۵۱،۴۹۵۲)

عن عمرو بن شعيب، عن أبيه، عن جده، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ": لا قطع فيما دون عشرة دراهم "(مسند أحمد،رقم الحديث ۶۹۰۰)

فى حاشية مسند احمد:إسناده ضعيف، نصر بن باب على ضعفه قد توبع، وتبقى علة الحديث فى الحجاج -وهو ابن أرطاة- فإنه كثير الخطأ والتدليس.

وقال الهيثمى: رواه أحمد، وفيه الحجاج بن أرطاة وهو مدلس، ونصر بن باب ضعفه الجمهور، وقال أحمد :ما كان به بأس(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۱۰۶۴۲،باب ما جاء فى السرقة وما لا قطع فيه)

حدثنا عبد الأعلى ، وعبد الرحيم بن سليمان ، عن محمد بن إسحاق ، عن عمرو بن شعيب ، عن أبيه ، عن جده ، قال :كان يقول :ثمن المجن عشرة دراهم (مصنف ابنِ ابی شيبة، رقم الحديث،۲۸۶۸۸،من قال لا يقطع فى أقل من عشرة دراهم)

عن مجاهد ,وعطاء ,عن أيمن الحبشى ,قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :أدنى ما يقطع فيه السارق ثمن المجن . "قال :وكان يقوم يومئذ دينارا(شرح معانى الآثار، رقم الحديث ۴۹۵۳)

عن أيمن ابن أم أيمن ,عن أم أيمن ,قالت :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :لا يقطع يد السارق إلا فى جحفة . "وقومت يومئذ -على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم -دينارا ,أو عشرة دراهم (شرح معانى الآثار، رقم الحديث ۴۹۵۴، المعجم الكبير للطبرانى، رقم الحديث ۲۲۸)

قال الهيثمى: رواه الطبرانى، وفيه يحيى بن عبد الحميد الحمانى وهو ضعيف(مجمع الزوائد،تحت رقم الحديث ۱۰۶۴۷، باب ما جاء فى السرقة وما لا قطع فيه)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اسی وجہ سے اس بارے میں فقہائے کرام کا بھی اختلاف ہے کہ کم از کم کتنی مقدار کی مالیت کی چیز چوری کرنے پر ہاتھ کاٹنے کی سزا دی جائے گی۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عن عمرو بن شعيب عن بن المسيب قال قال النبى صلى الله عليه و سلم إذا سرق السارق ما يبلغ ثمن المجن قطعت يده و كان ثمن المجن عشرة دراهم (مصنف عبد الرزاق،رقم الحديث ۱۸۹۵۱)

عن عمرو بن شعيب ، قال :دخلت على سعيد بن المسيب ، فقلت له :إن أصحابک ؛ عروة بن الزبير ، ومحمد بن مسلم الزهرى ، وابن يسار يقولون :ثمن المجن خمسة دراهم ، فقال :أما هذا فقد مضت فيه سنة من رسول الله صلى الله عليه وسلم ؛ عشرة دراهم(مصنف ابنِ ابى شيبة، رقم الحديث،۲۸۶۹۶ ،من قال لا يقطع فى أقل من عشرة دراهم)

شريک ، عن عطية بن عبد الرحمن ، عن القاسم ، قال :أتى عمر بسارق فأمر بقطعه ، فقال عثمان :إن سرقته لا تسوى عشرة دراهم ، قال :فأمر بها عمر فقومت ثمانية دراهم ، فلم يقطعه(مصنف ابنِ ابى شيبة، رقم الحديث،۲۸۶۹۵ ،من قال لا يقطع فى أقل من عشرة دراهم)

المختار بن نافع، عن أبى حيان التيمى، عن أبيه، عن على بن أبى طالب، رضى الله عنه، أن النبى صلى الله عليه وسلم، قطع فى بيضة من حديد قيمتها أحد وعشرون درهما " (مسند البزار، رقم الحديث ۸۰۷، سنن الدارقطنى، رقم الحديث ۳۴۳۷)

قال الهيثمى: رواه البزار، وفيه المختار بن نافع وهو ضعيف(مجمع الزوائد،تحت رقم الحديث ۱۰۶۴۹ ، باب ما جاء فى السرقة وما لا قطع فيه)

عن النزال بن سبرة ,عن على ,قال :لا تقطع اليد إلا فى عشرة دراهم ,ولا يكون المهر أقل من عشرة دراهم(سنن الدارقطنى، رقم الحديث ۳۴۵۲، السنن الكبرىٰ للبيهقى، رقم الحديث ۱۷۱۹۴)

وقال البيهقى: هذا إسناد يجمع مجهولين وضعفاء وأما حديث ابن مسعود فهو منقطع، وقد روى عن أبى حنيفة، عن القاسم بن عبد الرحمن، عن أبيه، عن ابن مسعود، وخالفه المسعودى فرواه مرسلا كما مضى، والذى روى فى معارضته ليس بأضعف منه (حواله مذكورة)

حدثنا ابن مبارک ، ووكيع ، عن المسعودى ، عن القاسم ، عن ابن مسعود ، أنه قال :لا يقطع إلا فى دينار ، أو عشرة دراهم(مصنف ابنِ ابى شيبة، رقم الحديث،۲۸۶۸۹ ،من قال لا يقطع فى أقل من عشرة دراهم، المعجم الكبير للطبرانى، رقم الحديث ۹۷۴۳، المعجم الكبير للطبرانى، رقم الحديث ۹۷۴۲، مصنف عبدالرزاق، رقم الحديث ۱۸۹۵۰ ،شرح معانى الآثار، رقم الحديث ۴۹۷۲)

قال الهيثمى:رواه الطبرانى، وهو موقوف، والقاسم أبو عبد الرحمن ضعيف وقد وثق(مجمع الزوائد،تحت رقم الحديث ۱۰۶۴۴ ، باب ما جاء فى السرقة وما لا قطع فيه)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بہت سے فقہائے کرام کم از کم تین درہم یا اس سے زیادہ کی مالیت والی چیز کے چوری کرنے پر ہاتھ کاٹنے کی سزا کے قائل ہیں، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کم از کم دس درہم یا ایک دینار یا اس سے زیادہ کی مالیت والی چیز کے چوری کرنے پر ہاتھ کاٹنے کی سزا کے قائل ہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عن بن أبی نجیح عن عطاء قال تقطع الید فی عشرة دراهم (مصنف عبدالرزاق، رقم الحديث ۱۸۹۴۸)

عن عبد الملک بن أبی سلیمان ، عن عطاء ، قال :أدنى ما يقطع فيه السارق ثمن المجن ، وكان يقوم المجن فی زمانهم دينارا ، أو عشرة دراهم(مصنف ابنِ ابی شیبة، رقم الحديث، ۲۸۶۹۱ ،من قال لا یقطع فی أقل من عشرة دراهم)

عن أيمن الحبشی قال : كان يقال :لا يقطع السارق إلا فی ثمن المجن، أو أكثر قال :وكان ثمن المجن يومئذ دينارا، وأيمن هذا من التابعين، يروی عن عائشة غير هذا الحديث .ويروی عن تبيع ابن امرأة كعب، عن كعب، فحديثه منقطع، ورواه شريک، فخلط فی إسناده، وقال مرة :أيمن بن أم أيمن، ورفعه (السنن الصغير للبيهقی، تحت رقم الحديث ۲۶۱۱)

عن إبراهيم ، قال :قال عبد الله :لا تقطع اليد إلا فی ترس ، أو حجفة ، قال :قلت لإبراهيم :كم قيمته ؟ قال :دينار(مصنف ابنِ ابی شیبة، رقم الحديث، ۲۸۶۹۲ ،من قال لا يقطع فی أقل من عشرة دراهم)

[1] ملحوظ رہے کہ درہم سے مراد چاندی ہے، اور دینار سے مراد سونا ہے۔

اور اہلِ علم حضرات کی تصریح کے مطابق ایک درہم کی مقدار تین ماشہ، ایک رتی، اور پانچواں حصہ رتی چاندی اور دس درہم کی مقدار دو تولہ ساڑھے سات ماشہ چاندی ہوتی ہے (والتفصیل فی جواہر الفقہ)

ذهب جمهور الفقهاء إلى أن النصاب الذی يقطع به السارق بالنسبة للذهب ربع دينار، أو ما قيمته ربع دينار لقول النبی صلى الله عليه وسلم :لا تقطع يد السارق إلا فی ربع دينار فصاعدا وإجماع الصحابة على ذلک.

أما عند الحنفية فنصاب السرقة دينار أو عشرة دراهم لقول النبی صلى الله عليه وسلم :لا تقطع اليد إلا فی دينار أو فی عشرة دراهم .وفی الموضوع تفصيلات كثيرة تنظر فی :(سرقة) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۱، ص ۳۰، مادة "دنانير"، السرقة)

من شرط إقامة حد السرقة أن يبلغ المسروق نصابا .واختلف الفقهاء فی تقويم نصاب السرقة: فذهب الحنفية إلى تقويم نصاب السرقة بالدراهم .بأن تبلغ قيمة المسروق عشرة دراهم، إن كان المسروق من غير الفضة ولو كان ذهبا، وأن يكون عشرة دراهم وزنا وقيمة إذا كان المسروق من الفضة .وهو أحد الروايات الثلاث عند الحنابلة............ وذهب المالكية إلى أن المسروق يقوم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

(۳)...... چوری کا ثبوت، جس پر حد جاری کی جاتی ہے، یا تو چور کے مجاز حاکم کی عدالت میں اپنے اقرار کرنے سے ہوتا ہے، جبکہ وہ عاقل بالغ ہو، یا دو معتبر گواہوں کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ [1]

(۴)...... اگر کوئی شخص خود حاکم کی عدالت میں چوری کا اقرار کرے، یعنی اس کی چوری اس کے اقرار سے ثابت ہو، پھر وہ ہاتھ کاٹے جانے سے پہلے اپنے اقرار سے رجوع کرلے، تو اس کے ہاتھ کاٹے جانے کی حد وسزا اکثر فقہائے کرام کے نزدیک ساقط ہو جاتی ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بالدراهم وبالدنانير. والنصاب ربع دينار شرعي من الذهب، أو ثلاثة دراهم شرعية من الفضة أو ما يساويهما.

وهو رواية عن الحنابلة بمعنى أن كلا من الذهب والفضة أصل بنفسه، وعلى هذه الرواية تقوم غير الأثمان بأدنى الأمرين من ربع دينار أو ثلاثة دراهم.

وذهب الشافعية إلى تقويم نصاب السرقة بالدنانير، بأن يبلغ المسروق قيمة ربع دينار من الذهب والاعتبار بالذهب المضروب (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۳، ص۱۷۶ وص۱۷۷ ملخصاً، مادة "تقويم"، تقويم نصاب السرقة)

[1] جمهور الفقهاء على أن حد السرقة لا يثبت إلا بالإقرار أو البينة .ويرى بعضهم جواز ثبوت السرقة، ومن ثم إقامة الحد وضمان المال، بالقرائن والأمارات إذا كانت ظاهرة الدلالة باعتبارها من السياسة الشرعية، التي تخرج الحق من الظالم الفاجر .قال ابن القيم " : لم يزل الأئمة والخلفاء يحكمون بالقطع إذا وجد المال المسروق مع المتهم، وهذه القرينة أقوى من البينة والإقرار فإنهما خبران يتطرق إليهما الصدق والكذب ووجود المال معه نص صريح لا تتطرق إليه شبهة "(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴ص۳۳۵،مادة "سرقة")

واشترط جمهور الفقهاء أن يصدر الإقرار عند من له ولاية إقامة الحد، فلا يعتد بالإقرار الصادر عند غيره، ولا بالإقرار قبل الدعوى......تثبت السرقة بشهادة رجلين تتوافر فيهما شروط تحمل الشهادة وشروط أدائها(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴ص۳۳۳، ۳۳۴ملخصاً،مادة "سرقة")

[2] اتفق جمهور الفقهاء من الحنفية والمالكية والشافعية والحنابلة على أن السارق إذا رجع عن إقراره، قبل القطع، سقط عنه الحد؛ لأن الرجوع عن الإقرار يورث شبهة.

وذهب بعض الفقهاء إلى أن رجوع السارق في إقراره لا يقبل منه، ولا يسقط عنه الحد؛ لأنه لو أقر لآدمي بقصاص أو بحق لم يقبل رجوعه عنهما، فكذلك الحكم إذا أقر بالسرقة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴ص۳۴۲ الیٰ ۳۴۵، مادة "سرقة"، الرجوع عن الإقرار)

www.idaraghufran.org

(۵)...... چوری کی وجہ سے جو ہاتھ کاٹا جاتا ہے، وہ داہنا ہاتھ ہے، کیونکہ چوری وغیرہ کے کاموں میں زیادہ تر داہنا ہاتھ ہی استعمال ہوتا ہے، اوراس کے کاٹے جانے سے چوری کا شر وفساد بہتر طریقہ سے دور ہوتا ہے۔

(۶)...... اگرایک مرتبہ کسی چور کی سزا میں اُس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا، پھر اُس نے دوبارہ چوری کی، تو دوبارہ چوری کے ثبوت پر اُس کا بایاں پاؤں کاٹا جائے گا۔

لیکن اگر کوئی مذکورہ سزا پانے کے بعد پھر تیسری اور چوتھی مرتبہ بھی چوری کرے تو کیا تیسری مرتبہ اُس کا بایاں ہاتھ اور چوتھی مرتبہ اُس کا داہنا پاؤں کاٹا جائے گا یا نہیں؟ اس بارے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔

بعض حضرات اس ترتیب سے اس کے ہاتھ اور پاؤں کاٹے جانے کے قائل ہیں، اور بعض حضرات تیسری اور چوتھی مرتبہ ہاتھ پاؤں کاٹے جانے کے بجائے اُس کو سچے طریقہ پر تائب ہونے تک بطور سزا وتعزیر کے قید کئے جانے کے قائل ہیں، کیونکہ دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کاٹ دیے جانے کی صورت میں انسان کلی طور پر اپنی ضروریات تک پوری کرنے سے بھی معذور واپاہج ہوجاتا ہے، اور معاشرہ اور دیگر لوگوں پر پوری طرح بوجھ بن جاتا ہے، جبکہ تنبیہ کا مقصد قید کئے جانے سے بھی حاصل ہوجاتا ہے۔ [1]

---

[1] حد السرقة :اتفق الفقهاء على أن حد السارق قطع يده لقوله تعالى :(والسارق والسارقة فاقطعوا أيديهما جزاء بما كسبا نكالا من الله والله عزيز حكيم وأول ما يقطع من السارق يده اليمنى؛ لأن البطش بها أقوى فكانت البداية بها أردع؛ ولأنها آلة السرقة، فكانت العقوبة بقطعها أولى.واتفقوا على أنه إن سرق ثانيا قطعت رجله اليسرى لما روى أبو هريرة رضى الله عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه قال فى السارق :إذا سرق السارق فاقطعوا يده، فإن عاد فاقطعوا رجله ولأنه فى المحاربة الموجبة قطع عضوين إنما تقطع يده ورجله، ولا تقطع يداه، وحكى عن عطاء وربيعة أنه إن سرق ثانيا تقطع يده اليسرى لقوله سبحانه وتعالى :(فاقطعوا أيديهما) ولأن اليد آلة السرقة والبطش فكانت العقوبة بقطعها أولى، قال ابن قدامة -بعد أن ذكر هذا القول -وهذا شذوذ يخالف قول جماعة فقهاء الأمصار من أهل الفقه والأثر من الصحابة والتابعين ومن بعدهم.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۷)...... اگر کسی چور پر ہاتھ کاٹے جانے کی سزا جاری ہونے سے پہلے ایک

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

واختلف الفقهاء فيما إذا سرق ثالثا بعد قطع يده اليمنى ورجله اليسرى.
فذهب الحنفية والحنابلة إلى أنه لا يقطع منه شيء بل يعزر ويحبس، واستدلوا بأن عمر رضى الله عنه أتى بسارق أقطع اليد والرجل قد سرق يقال له :سدوم، وأراد أن يقطعه، فقال له على رضى الله عنه :إنما عليه قطع يد ورجل، فحبسه عمر، ولم يقطعه.
ولما روى أبو سعيد المقبرى عن أبيه أن عليا رضى الله عنه أتى بسارق فقطع يده -اليمنى -ثم أتى به الثانية وقد سرق فقطع رجله -اليسرى -ثم أتى به الثالثة وقد سرق، فقال لأصحابه :ما ترون فى هذا؟ قالوا :اقطعه يا أمير المؤمنين، فقال :قتلته إذن وما عليه القتل، لا أقطعه، إن قطعت يده فبأى شىء يأكل الطعام، وبأى شىء يتوضأ للصلاة، وبأى شىء يغتسل من جنابته، وبأى شىء يتمسح، وإن قطعت رجله بأى شىء يمشى، بأى شىء يقوم على حاجته، إنى لأستحيى من الله أن لا أدع له يدا يبطش بها، ولا رجلا يمشى عليها، ثم ضربه بخشبة وحبسه.
وإلى هذا ذهب الحسن والشعبى والنخعى والزهرى وحماد والثورى.
وذهب المالكية والشافعية وهو رواية عن أحمد إلى أنه إن سرق ثالثا قطعت يده اليسرى .فإن سرق رابعا قطعت رجله اليمنى، لما روى أبو هريرة رضى الله عنه أن النبى صلى الله عليه وسلم قال فى السارق :إن سرق فاقطعوا يده، ثم إن سرق فاقطعوا رجله، ثم إن سرق فاقطعوا يده، ثم إن سرق فاقطعوا رجله . ولأنه فعل أبى بكر وعمر رضى الله عنهما، وإلى هذا ذهب قتادة وأبو ثور، وابن المنذر، وتقطع رجل السارق من المفصل بين الساق والقدم(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۲ص ۱۲۱ الیٰ ۱۲۳ ،مادة "رجل"حد السرقة)
اختلف الفقهاء فى حكم السارق، إذا قطعت يمينه ثم عاد للسرقة، على النحو التالى:
ذهب عطاء بن أبى رباح إلى أن :من قطعت يمينه فى السرقة الأولى، ثم سرق بعد ذلك، فإنه يضرب ويحبس، إذ لا قطع إلا فى السرقة الأولى .لقول الله تبارك وتعالى :(فاقطعوا أيديهما) أى اليد اليمنى، كما جاء فى قراء ة ابن مسعود " :فاقطعوا أيمانهما ولو شاء الله لأمر بقطع الرجل (وما كان ربك نسيا)
وذهب ربيعة وبعض الفقهاء إلى أن :من قطعت يمينه فى السرقة الأولى، ثم سرق مرة ثانية، تقطع يده اليسرى، فإن عاد إلى السرقة بعد ذلك، فليس عليه قطع، بل يعزر، وذلك لأن الله تعالى أمر بقطع الأيدى، وهى تشمل اليمنى واليسرى، وإدخال الأرجل فى القطع زيادة على النص .
وذهب الحنفية، والحنابلة فى إحدى الروايتين وهى المذهب إلى أن من سرق بعد أن قطعت يده اليمنى، تقطع رجله اليسرى .فإن عاد بعد ذلك فليس عليه قطع، بل يحبس ويضرب حتى تظهر توبته أو يموت .ونقل هذا عن عمر وعلى رضى الله عنهما والشعبى والثورى والزهرى والنخعى والأوزاعى وحماد لما روى من قول على كرم الله وجهه :إذا سرق الرجل قطعت يده اليمنى، فإن عاد قطعت رجله اليسرى، فإن عاد ضمنته السجن حتى يحدث خيرا .إنى لأستحيى من الله أن أدعه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

سے زیادہ مرتبہ، یا ایک سے زیادہ لوگوں کا مال مختلف اوقات میں چوری کرنے کے الزامات ثابت ہوں، تو اُن سب کی طرف سے ایک مرتبہ ہاتھ کاٹنا کافی ہوجاتا ہے۔ [1]

(۸)...... اکثر فقہائے کرام کے نزدیک چور کا داہنا ہاتھ اس کے گٹے کے جوڑ سے کاٹا جائے گا۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ليس له يد يأكل بها ويستنجى بها، ورجل يمشى عليها.

وذهب المالكية والشافعية والحنابلة فى الرواية الأخرى :إلى أن من سرق، بعد أن قطعت يده اليمنى فى السرقة الأولى، تقطع رجله اليسرى، فإن عاد للمرة الثالثة قطعت يده اليسرى، فإن سرق مرة رابعة قطعت رجله اليمنى، فإن عاد بعد ذلك حبس حتى تظهر توبته أو يموت، لما رواه أبو هريرة من أن النبى صلى الله عليه وسلم قال :إذا سرق السارق فاقطعوا يده، فإن عاد فاقطعوا رجله،فإن عاد فاقطعوا يده، فإن عاد فاقطعوا رجله.

وقد فعل ذلك أبو بكر وعمر رضى الله عنهما، وقال به إسحاق وقتادة وأبو ثور.

روى عن عثمان وعمرو بن العاص رضى الله عنهما وعمر بن عبد العزيز، وعن بعض أصحاب مالك :أن من سرق -بعد قطع أطرافه الأربعة -يقتل حدا، وهو ما ذهب إليه الشافعى فى القديم. واستدلوا بأن النبى صلى الله عليه وسلم أمر بقتل سارق -فى المرة الخامسة -قال جابر :فانطلقنا به، ثم اجتررناه، فألقيناه فى بئر، ورمينا عليه الحجارة.

قال الخطابى :وفى إسناده مقال وقد عارضه الحديث الصحيح وهو أن النبى صلى الله عليه وسلم قال :لا يحل دم امرء مسلم إلا بإحدى ثلاث :كفر بعد إيمان وزنى بعد إحصان أو قتل نفس بغير نفس .قال :ولا أعلم أحدا من الفقهاء يبيح دم السارق(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴ص ۳۴۰ الیٰ ۳۴۲، مادة "سرقة"، السرقة بعد القطع)

[1] تداخل الحد : من القواعد العامة التى استقرت فى الفقه الإسلامى على اختلاف مذاهبه :أن مبنى الحدود على التداخل، إذا اتحد موجبها ولم يتعلق بالحد حق لآدمى .وبناء على ذلك :إذا تكررت السرقة، قبل إقامة الحد، وكانت فى كل مرة توجب القطع، قطع السارق لجميعها قطعا واحدا؛ لأن الحدود تدرأ بالشبهة فيتداخل بعضها فى بعض؛ ولأن المقصود هو الردع والزجر، وذلك يحصل بإقامة الحد الواحد (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴ص ۳۴۰، مادة "سرقة"، تكرر القطع بتكرر السرقة)

[2] ذهب جمهور الفقهاء من الحنفية والمالكية والشافعية والحنابلة وغيرهم إلى أن قطع اليد يكون من الكوع، وهو مفصل الكف، لأن (النبى صلى الله عليه وسلم قطع يد السارق من الكوع ولقول أبى بكر وعمر رضى الله عنهما :إذا سرق السارق فاقطعوا يمينه من الكوع.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۹)......اگر چور کا داہنا ہاتھ یا داہنے ہاتھ کی اُنگلیاں شَل ہوں تو پھر ہاتھ کاٹے جانے کی کیفیت میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وذهب بعض الفقهاء إلى أن موضع القطع من اليد :المنكب؛ لأن اليد اسم للعضو من أطراف الأصابع إلى المنكب .وذهب بعضهم إلى أن موضع القطع :مفاصل الأصابع التى تلى الكف.

وموضع قطع الرجل هو مفصل الكعب من الساق، فعل ذلك عمر رضى الله عنه، وذهب إليه جمهور الفقهاء من الحنفية والمالكية والشافعية وغيرهم، وهو رواية عن أحمد، والرواية الأخرى عنه أن موضع القطع :أصول أصابع الرجل وبهذا قال بعض الفقهاء ، لما روى من أن عليا رضى الله عنه كان يقطع من شطر القدم، ويترك للسارق عقبه يمشى عليها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴ ص۳۳۸، مادة "سرقة"، موضع القطع ومقداره)

۱؎ من المتفق عليه -عند الفقهاء -وجوب قطع اليد اليمنى، إذا ثبتت السرقة الأولى .لما روى من أن النبى صلى الله عليه وسلم قطع اليد اليمنى، وكذلك فعل الأئمة من بعده، ولقراء ة عبد الله بن مسعود " :فاقطعوا أيمانهما .وهى قراءة مشهورة عنه، ولم يجمع على أنها قرآن لمخالفتها للمصحف الإمام، فكانت خبرا مشهورا، فيقيد إطلاق النص .ولو كان الإطلاق مرادا، والامتثال للأمر فى الآية يحصل بقطع اليمين أو الشمال، لما قطع النبى صلى الله عليه وسلم إلا اليسار على عادته من طلب الأيسر لهم ما أمكن جريا على عادته صلى الله عليه وسلم فى :أنه ما خير بين أمرين إلا أخذ أيسرهما ما لم يكن إثما.

فإذا كانت يد السارق اليمنى غير صحيحة، بأن كانت شلاء أو ذهب أكثر أصابعها، فقد اختلف الفقهاء فى محل القطع.

فالحنفية يرون أن القطع يتعلق أولا باليد اليمنى، لعموم آية السرقة فإنها لم تفرق بين الصحيحة وغيرها .لأنه إذا تعلق الحكم بالسليمة فإنها تقطع، فلأن تقطع المعيبة من باب أولى.

ويرى المالكية أن قطع المعيبة لا يجزء؛ لأن مقصود الحد إزالة المنفعة التى يستعان بها على السرقة، والشلاء وما فى حكمها لا نفع فيها فلا يتحقق مقصود الشرع بقطعها؛ لأن منفعتها التى يراد إبطالها باطلة من غير قطع .ولذلك ينتقل القطع إلى الرجل اليسرى.

أما الشافعية فإنهم يفصلون القول فى قطع اليد اليمنى إذا كانت معيبة على النحو التالى:

يجزء فى حد السرقة قطع اليد اليمنى إذا كانت شلاء إلا إذا خيف من قطعها ألا يكف الدم، فلو قرر أهل الخبرة أن عروقها لن تنسد وأن دمها لن يجف فلا تقطع، وينتقل بالقطع إلى الرجل اليسرى، أما إذا كانت اليد اليمنى قد ذهب بعض أصابعها، فإنهم متفقون على أنه يجزء قطعها، ولو كان بها أصبع واحد .فإذا نقصت الأصابع كلها، فالأصح عندهم :الاكتفاء بقطعها؛ لأن اسم اليد يطلق عليها مع نقصان الأصابع كلها .والقول الثانى فى ناقصة الخمس :أنها لا تجزء فى تمام الحد، فلا تقطع، وينتقل إلى الرجل اليسرى.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۱۰)...... چور کے چوری کی حد میں ہاتھ کاٹے جانے میں احسان اور نیک سلوک کا حکم ہے، اپنی طرف سے ایذاء پہنچانے میں زیادتی کرنا جائز نہیں۔

اسی وجہ سے سخت سردی اور سخت گرمی کے وقت میں ہاتھ کاٹنے سے پرہیز کیا جائے گا، اور اگر وہ کسی بیماری میں مبتلا ہو، تو بیماری کے ختم ہونے کا انتظار کیا جائے گا، اور کوئی عورت حاملہ یا نفاس کی حالت میں ہو، تو بچہ پیدا ہونے اور نفاس ختم ہونے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وعند الحنابلة روايتان :تكتفى أولاهما بقطع اليد اليمنى ولو كانت شلاء ، إذا رأى أهل الخبرة أنها لو قطعت رقأ دمها وانحسمت عروقها .والرواية الأخرى :يمنع قطع اليد الشلاء ؛ لأنها لا نفع فيها ولا جمال لها، وينتقل القطع إلى الرجل اليسرى .وإذا كانت اليد اليمنى مقطوعة الأصابع ففى المذهب رأيان.

أولهما :الاكتفاء بقطع اليد اليمنى ولو ذهبت كل أصابعها.

والثانى :عدم الاكتفاء بقطع اليمنى إذا ذهب معظم نفعها، لأنها تكون فى حكم المعدومة وينتقل القطع إلى الرجل اليسرى.

واختلف الفقهاء فيما لو تعلق القطع باليد اليمنى، وكانت اليد اليسرى قد ذهبت منفعتها، أو كانت مقطوعة فى قصاص أو بآفة سماوية، فعند الحنفية لا تقطع اليد اليمنى؛ لأن قطعها يؤدى إلى تفويت منفعة الجنس كلية، والحد إنما شرع زاجرا لا مهلكا .وبهذا قال أحمد فى إحدى الروايتين عنه . والرواية الأخرى تتفق مع ما قال به المالكية والشافعية من وجوب القطع فى هذه الحالة؛ لأن اليد اليسرى محل للقطع أيضا إذا تكررت السرقة .ولا يختلف الحكم إذا تعلق القطع بالرجل اليسرى، وكانت الرجل اليمنى قد قطعت أو ذهبت منفعتها.

واختلفوا كذلك فيما لو تعلق القطع باليد اليمنى، وكانت مقطوعة :فذهب الحنفية إلى انتقال القطع إلى الرجل اليسرى إذا كان ذهاب اليد اليمنى قد حدث قبل السرقة، أو بعدها وقبل المخاصمة؛ لأن الحد لم يتعلق بالعضو الذاهب، فلا يسقط بذهابه .بخلاف ما لو ذهبت اليد اليمنى بعد المخاصمة وقبل القضاء ، أو بعد المخاصمة والقضاء ، فلا ينتقل الحد إلى الرجل اليسرى، بل يسقط؛ لأن المخاصمة تؤدى إلى تعلق القطع باليد اليمنى، فإذا ذهبت سقط الحد لذهاب محله.

وذهب جمهور الفقهاء من المالكية والشافعية والحنابلة إلى انتقال القطع إلى الرجل اليسرى إذا ذهبت اليد اليمنى قبل السرقة .وإلى سقوط الحد إذا ذهبت بعد السرقة، سواء كان ذهابها قبل الخصومة أو بعدها، وقبل القضاء أو بعده، بآفة أو جناية، أو قصاص لأنه بمجرد السرقة تعلق القطع باليد اليمنى، فإذا ذهبت زال ما تعلق به القطع فسقط(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴ ص ۳۳۶،الیٰ ۳۳۸، مادة "سرقة"، محل القطع)

www.idaraghufran.org

کا انتظار کیا جائے گا۔ [1]

(۱۱)...... چور کا قضیہ حاکم کے پاس پہنچنے سے پہلے، چوری کئے ہوئے مال کے مالک سے اُس کی سزا معاف ہونے کی سفارش کرنا جائز ہے، لیکن حاکم کے پاس چوری کے ثبوت کے بعد سفارش کرنا جائز نہیں، بلکہ حرام ہے، برخلاف قصاص کے کہ اس کی سفارش بعد میں بھی جائز ہے۔ جیسا کہ قصاص کے بیان میں گزرا۔ [2]

---

[1] كيفية القطع:من المتفق عليه بين الفقهاء مراعاة الإحسان فى إقامة الحد، لقوله صلى الله عليه وسلم :لا تكونوا عون الشيطان على أخيكم وعلى ذلك ينبغي أن يتخير الحاكم الوقت الملائم للقطع، بحيث يجتنب الحر والبرد الشديدين، إن كان ذلك يؤدى إلى الإضرار بالسارق، ولا يقيم الحد أثناء مرض يرجى زواله، ولا يقيم الحد على الحامل أو النفساء ، ولا على العائد فى السرقة قبل أن يندمل الجرح السابق .كما ينبغى أن يساق السارق إلى مكان القطع سوقا رفيقا، فلا يعنف به، ولا يعير، ولا يسب .فإذا وصل إلى مكان القطع (يجلس، ويضبط لئلا يتحرك فيجنى على نفسه، وتشد يده بحبل ويجر حتى يبين مفصل الذراع، ثم توضع بينهما سكين حادة، ويدق فوقها بقوة ليقطع فى مرة واحدة، أو توضع على المفصل وتمد مدة واحدة، وإن علم قطع أوحى من ذلك -أى أسرع -قطع به)

ولا خلاف بين الفقهاء على حسم موضع القطع، وذلك باستعمال ما يسد العروق ويوقف نزف الدم، لقوله صلى الله عليه وسلم فيمن ثبتت عليه السرقة :(اذهبوا به فاقطعوه، ثم احسموه)ولكن الخلاف بينهم فى حكم الحسم :فمذهب الحنفية والحنابلة أنه واجب عينى على من قام بالقطع؛ لأن صيغة الأمر فى الحديث تفيد الوجوب.

وذهب المالكية -فى المشهور عنهم -إلى أن الحسم واجب على الكفاية، فلا يلزم واحدا بعينه، فإذا قام به القاطع أو المقطوع أو غيرهما فقد حصل المطلوب .والأصح عند الشافعية :أن الأمر بالحسم يحمل على الندب، لا الوجوب؛ لأنه حق للمقطوع، لا لتمام الحد، فيجوز للإمام أن يتركه .وحينئذ يندب للإمام ولغيره أن يفعله، لما فيه من مصلحة السارق وحفظه من الهلاك .ولا يمنع ذلك من وجوبه على السارق إذا لم يقم به أحد، فإذا تعذر على المقطوع فعل الحسم، لإغماء ونحوه وترتب على تركه تلف محقق، فلا يجوز للإمام إهماله، بل يجب عليه فعله، كما قاله البلقينى وغيره .ومقابل الأصح عندهم :أن الحسم تتمة للحد، فيجب على الإمام فعله، ولا يجوز أن يهمله(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴ ص ۳۳۹،مادة "سرقة")

[2] أجمع الفقهاء على إجازة الشفاعة بعد السرقة وقبل أن يصل الأمر إلى الحاكم، إذا كان السارق لم يعرف بشر، سترا له وإعانة على التوبة .فأما إذا وصل الأمر إلى الحاكم، فالشفاعة فيه حرام، لقوله صلى الله عليه وسلم لأسامة -حينما شفع فى المخزومية التى سرقت :-أتشفع فى حد من حدود الله وقد روى أن الزبير بن العوام رضى الله عنه لقى رجلا قد أخذ سارقا، فشفع فيه.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۱۲)...... اگر کوئی شخص چوری کرنے کے بعد سچی توبہ کرلے، تو توبہ سے آخرت کا گناہ تو معاف ہوجاتا ہے، لیکن اس کی وجہ سے کیا اس کی چوری کی قانونی سزا جو کہ ہاتھ کاٹنا ہے، وہ ساقط وختم ہوتی ہے یا نہیں؟

اس میں فقہائے کرام کی آراء مختلف ہیں۔ [1]

(۱۳)...... اگر ایک سے زیادہ افراد کسی ایک چوری کرنے کے عمل میں شریک ہوں، تو وہ سب سزا کے مستحق کہلائیں گے، البتہ اگر اُن میں کوئی شریک ایسا ہو، جس پر شرعاً حد جاری نہ کی جاسکتی ہو، جیسا کہ نابالغ بچہ یا مجنون، تو اس صورت میں کیا دوسرے افراد سے حد ساقط ہوجائے گی یا نہیں؟

اس بارے میں فقہائے کرام کے درمیان اختلاف ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فقال :لا، حتى أبلغ به الإمام، فقال الزبير :إذا بلغ الإمام فلعن الله الشافع والمشفع .
وينطبق نفس الحكم على العفو عن السارق :فإنه يجوز إذا لم يرفع الأمر إلى الحاكم، فإن رفع إليه، لا يقبل فيه العفو .وذلک لقوله صلى الله عليه وسلم :تعافوا الحدود فيما بينكم، فما بلغنى من حد فقد وجب .وقال صلى الله عليه وسلم لصفوان -لما تصدق بردائه على سارقه :-فهلا قبل أن تأتينى به (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴ص ۳۴۲ الیٰ ۳۴۵، مادة "سرقة"، الشفاعة والعفو)

[1] اتفق الفقهاء على أن التوبة النصوح، أى الندم الذى يورث عزما على إرادة الترک تسقط عذاب الآخرة عن السارق ، ولكنهم اختلفوا فى أثر التوبة على إقامة حد السرقة :فذهب الحنفية والمالكية والشافعية فى أحد القولين والحنابلة فى إحدى الروايتين وعطاء ، وجماعة :إلى أن التوبة لا تسقط حد السرقة، لقوله تعالى :(والسارق والسارقة فاقطعوا أيديهما جزاء بما كسبا نكالا من الله) من غير أن يفرق بين تائب وغيره، ولأن النبى صلى الله عليه وسلم أقام الحد على عمرو بن سمرة، حين أتاه تائبا يطلب التطهير من سرقته جملا .

وذهب الشافعية -فى أصح القولين -والحنابلة -فى الرواية الأخرى -إلى أن التوبة تسقط حد السرقة، لقوله تعالى -بعد أن بين جزاء السارق والسارقة :-(فمن تاب من بعد ظلمه وأصلح فإن الله يتوب عليه إن الله غفور رحيم) وهو يدل على أن التائب لا يقام عليه الحد، إذ لو أقيم عليه الحد بعد التوبة لما كان لذكرها فائدة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴ص ۳۴۲ الیٰ ۳۴۵، مادة "سرقة"، التوبة)

[2] الاشتراک مع من لا يقام عليه الحد :ذهب الحنفية -إلا أبا يوسف -والحنابلة فى أصح الوجهين إلى أنه :إذا اشترک جماعة فى سرقة،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۱۴)...... بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک چوری کا معاملہ پرانا ہوجانے سے چوری کی قانونی حد وسزا ساقط وختم نہیں ہوتی، جبکہ بعض فقہاء کے نزدیک ساقط وختم ہوجاتی ہے۔ ؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وكان بينهم من لا يتعلق القطع بسرقته، كصبى أو مجنون، فإن الحد يسقط عن الشركاء كلهم؛ لأن السرقة واحدة، وقد حصلت ممن يجب عليه القطع وممن لا يجب عليه، فيسقط القطع عن الجميع، قياسا على اشتراك العامد مع المخطء فى القتل، فإن القصاص يسقط عنهما.

وذهب أبو يوسف إلى أن الحد لا يسقط إلا إذا كان الصبى أو المجنون هو الذى ولى الأخذ والإخراج؛ لأن الإخراج أصل والإعانة كالتابع، فإذا سقط القطع عن الأصل وجب سقوطه عن التابع .أما إذا كان الآخذ والمخرج مكلفا فإنه يكون قد قام بالأصل، فلا يسقط القطع عنه، وإن سقط عن الصبى أو المجنون.

وذهب المالكية، والشافعية والحنابلة -فى الوجه الآخر -إلى أن اشتراك من لا يجب قطعه فى السرقة لا يسقط عن سائر الشركاء لأن سبب امتناع قطعه خاص به، فلا يتعداه إلى غيره.

طروء الملك قبل الحكم:إذا تملك السارق المسروق قبل القضاء بأن اشتراه أو وهب له أو نحو ذلك، فإن القطع يسقط عنه -عند الجمهور -لأن المطالبة شرط للحكم بالقطع، فإذا تملكه السارق قبل القضاء امتنعت المطالبة، وخالف المالكية فى هذا الحكم لعدم اشتراطهم المطالبة، فالعبرة بوجوب الحد أو سقوطه بحال السرقة، دون انتقال الملك بعدها.

فأما إذا حدث الملك بعد القضاء ، وقبل القطع، فإن الحد يسقط عند الحنفية -ما عدا أبا يوسف وزفر :-(لأن القضاء فى باب الحدود إمضاؤها فما لم تمض فكأنه لم يقض) ولأن (المعترض بعد القضاء ، قبل الاستيفاء ، كالمقترن بأصل السبب) ولأن (التملك وإن لم يوجد حقا وقت السرقة، إلا أنه أوجد شبهة عند التنفيذ وهذه الشبهة تمنع من إقامة الحد)

وذهب أبو يوسف وزفر، والمالكية والشافعية والحنابلة :إلى أنه لا أثر لتملك المسروق بعد القضاء على وجوب القطع، (لأن وجوب القطع حكم معلق بوجود السرقة، وقد تمت السرقة، ووقعت موجبة للقطع لاستجماع شرائط الوجوب، فطروء الملك بعد ذلك لا يوجب خللا فى السرقة الموجودة، فبقى القطع واجبا) ، ولأن ما حدث -بعد وجوب الحد -لم يوجد شبهة فى الوجوب، (فلم يؤثر فى الحد) ، ولو كان حدوث الملك -بعد القضاء -يسقط الحد، لما قطع النبى صلى الله عليه وسلم سارق رداء صفوان، بعد أن تصدق به عليه، بل قال له :فهلا قبل أن تأتينى به (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴ ص ۳۴۲ الیٰ ۳۴۵، مادة "سرقة")

؎ ذهب جمهور الفقهاء من المالكية والشافعية والحنابلة وزفر إلى أن الحد لا يسقط بالتقادم؛ لأن الحكم لم يصدر إلا بعد أن ثبتت السرقة، فوجب تنفيذه مهما طال الزمن، ولا ينبغى أن يكون هروب الجانى أو تراخى التنفيذ من أسباب سقوط الحد، وإلا كان ذلك ذريعة إلى تعطيل حدود الله.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۱۵)...... اگر چوری پر حد کی قانونی سزا جاری ہونے کی کوئی شرط نہ پائی جائے، مثلاً چوری کیے ہوئے مال کی مقدار مخصوص نصاب سے (جس کا پہلے ذکر گزرا) کم ہو، یا وہ غیر محفوظ مال چوری کرے، مثلاً درخت پر لٹکے ہوئے پھل توڑے، یا باہر پھرتے ہوئے نگرانی نہ کیے جانے والے جانوروں کو چوری کرے، یا راہ گزر اور گلی میں رکھا ہوا سامان چوری کر لے، جس کی حفاظت نہ کی جا رہی ہو، وغیرہ وغیرہ، تو ان صورتوں میں چور کے ہاتھ کاٹنے کے بجائے اُس کو مناسب تعزیر کی جائے گی، اور تعزیر کا بیان آگے آتا ہے۔ [1]

(۱۶)...... چور پر سزا جاری ہونے اور حد قائم ہونے کے بعد بھی اُس پر چوری کیے ہوئے مال کی واپسی یا اُس کا تاوان لازم رہتا ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وذهب الحنفية -ما عدا زفر -إلى أن تقادم التنفيذ بعد القضاء ، يسقط القطع، لأن القضاء في باب الحدود إمضاؤها، فما لم تمض فكأنه لم يقض، ولأن التقادم في التنفيذ كالتقادم في الإثبات بالبينة، فإذا حكم عليه بالقطع بشهود في السرقة، ثم انفلت، فأخذ بعد زمان، لم يقطع؛ لأن حد السرقة لا يقام بحجة البينة بعد تقادم العهد، والعارض في الحدود بعد القضاء قبل الاستيفاء كالعارض قبل القضاء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۴ ص ۳۴۵، مادة "سرقة"، تقادم الحد)

[1] تجوز العقوبة بالتعزير على كل سرقة لم تكتمل أركانها، أو لم تستوف شروطها؛ لعدم وجوب الحد فيها .وعلى كل سرقة درء الحد فيها لوجود شبهة .وكذلك تجوز العقوبة بالتعزير على السرقة التي سقط فيها القطع، على التفصيل الذي سبق بيانه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۴ ص ۳۴۵ ، مادة "سرقة"، التعزير)

[2] البتہ تاوان کی کیفیت میں فقہائے کرام کی آراء مختلف ہیں۔

لا خلاف بين الفقهاء في وجوب رد المسروق إن كان قائما، إلى من سرق منه، سواء كان السارق موسرا أو معسرا، وسواء أقيم عليه الحد أو لم يقم، وسواء وجد المسروق عنده أو عند غيره، وذلك لما روي من أن الرسول صلى الله عليه وسلم رد على صفوان رداءه، وقطع سارقه، وقد قال صلى الله عليه وسلم :على اليد ما أخذت حتى تؤدي ، ولا خلاف بينهم كذلك في وجوب ضمان المسروق إذا تلف، ولم يقم الحد على السارق، لسبب يمنع القطع، كأخذ المال من غير حرز، أو كان دون النصاب، أو قامت شبهة تدرأ الحد، أو نحو ذلك، وحينئذ يجب على السارق أن يرد مثل المسروق -إن كان مثليا -وقيمته إن كان قيميا.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بعض لوگ چور کی سزا وحد میں ہاتھ کاٹے جانے کے شرعی حکم کو شدت وسختی پر مبنی ہونے کا شبہ کیا کرتے ہیں، مگر یہ شبہ درست نہیں، جس کا مال چوری ہوا، اس کے دل سے اس کا فیصلہ لینا چاہئے، کسی دوسرے کے شبہ واعتراض کرنے سے مظلوم کو انصاف نہیں ملا کرتا، اور نہ ہی معاشرہ کے مظلوم لوگوں کے جذبات اور غم وغصہ کی آگ بجھا کرتی، جس کے نتیجہ میں معاشرہ سنگین فتنوں کی لپیٹ میں آجاتا ہے۔

لہٰذا اس طرح کے شبہات واعتراضات بے معنیٰ ہیں۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

ولكنهم اختلفوا فى وجوب الضمان، إذا تلف المسروق وقد قطع فيه سارقه، على ثلاثة أقوال:
الأول :عدم وجوب الضمان مطلقا، سواء تلف المسروق بهلاک أو باستهلاک، وهذا هو المشهور عند الحنفية، وبه قال عطاء ، وابن سيرين، والشعبى، ومكحول، وغيرهم.
لقوله تعالى :(والسارق والسارقة فاقطعوا أيديهما جزاء بما كسبا نكالا من الله) فقد سمى "القطع "جزاء ، والجزاء يبنى على الكفاية، فلو ضم إليه الضمان لم يكن القطع كافيا، فلم يكن جزاء ، وقد جعل القطع كل الجزاء ، لأنه -عز شأنه -ذكره ولم يذكر غيره، فلو أوجبنا الضمان لصار القطع بعض الجزاء .وقوله صلى الله عليه وسلم :لا يغرم صاحب سرقة إذا أقيم عليه الحد ، فالحديث ينص صراحة على نفى الضمان إذا قطع السارق .ومن هنا قالوا :لا يجتمع حد وضمان؛ لأن الحكم بالضمان يجعل المسروق مملوكا للسارق، مستندا إلى وقت الأخذ، فلا يجوز إقامة الحد عليه؛ لأنه لا يقطع أحد فى ملک نفسه.
والثانى :ذهب المالكية إلى ضمان المسروق -إن تلف -بشرط أن يكون السارق موسرا، من وقت السرقة إلى وقت القطع، لأن اليسار المتصل كالمال القائم بعينه، فلا تجتمع على السارق عقوبتان .
فإن كان السارق موسرا وقت السرقة، ثم أعسر بعدها، أو كان معسرا وقت السرقة، ثم أيسر بعدها، فلا ضمان؛ لئلا تجتمع عليه عقوبتان :قطع يده وإتباع ذمته .
والثالث :ذهب الشافعية والحنابلة، والنخعى، وحماد، والبتى والليث، وبه قال الحسن البصرى، والزهرى، والأوزاعى، وابن شبرمة، وإسحاق إلى وجوب الضمان مطلقا، سواء كان السارق موسرا أو معسرا، وسواء تلف المسروق بهلاک أو استهلاک، وسواء أقيم الحد على السارق أو لم يقم، فالقطع والضمان يجتمعان؛ لأن القطع لحق الله تعالى، والضمان لحق العبد، وقد قال صلى الله عليه وسلم :على اليد ما أخذت حتى تؤدى .
أما وقت تقدير القيمة -إذا حكم بضمان المسروق -فيرجع إليه فى مصطلح :(ضمان) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۴ ص ۳۴۵ الیٰ ۳۴۷، مادة "سرقة")

www.idaraghufran.org

(فصل نمبر۴)

شراب نوشی کے جرم کی قانونی سزا

یہ بات ظاہر ہے کہ انسان اپنی عقل کی وجہ سے انسان کہلائے جانے کا مستحق ہے، اور عقل کی بنیاد پر ہی اسے دوسرے حیوانوں سے امتیاز حاصل ہے، اسی عقل کی بنیاد پر انسان کو اچھے برے اور اپنے پرائے کی تمیز اور مختلف قسم کے حادثات اور جرائم سے بچنے کی فکر ہوتی ہے۔

اور عقل میں فتور ونقصان آنے کے بعد انسان بڑے بڑے جرائم کر بیٹھتا ہے، اور حادثات میں مبتلا ہو جاتا ہے، شراب (Wine) سے عقلِ انسانی متاثر ہوتی ہے، جس کا دنیا کی تمام اقوام اعتراف کرتی ہیں، دنیا بھر میں بے شمار حادثات میں شراب کا بڑا نمایاں کردار ہے، اور اسی وجہ سے دینِ اسلام میں شراب نوشی کو فسادات اور شرور وفتنوں کی کنجی قرار دیا گیا ہے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ شراب نوشی بھی دنیا میں فتنہ وفساد کا باعث ہے، اس لئے دینِ اسلام نے اس کے لئے بھی مناسب سزا کو مقرر کیا ہے، جس کی کچھ تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

شراب نوشی، شر وخطاؤں کی کنجی ہے

شریعت نے اس بات پر روشنی ڈالی ہے کہ شراب میں بہت سی شر وفساد کی باتیں جمع ہیں، اس لئے یہ شر کی جڑ اور کنجی ہے۔

چنانچہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَوْصَانِيْ خَلِيْلِيْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَشْرَبِ الْخَمْرَ، فَإِنَّهَا مِفْتَاحُ كُلِّ شَرٍّ (سنن ابن ماجه) [1]

---

[1] رقم الحديث ۳۳۷۱، كتاب الاشربة، باب الخمر، مفتاح كل شر.
قال الكناني: هذا إسناد حسن وله شاهد من حديث ابن عمر رواه الإمام أحمد فى مسنده ورواه الحاكم من حديث ابن عباس وقال هذا حديث صحيح الإسناد، قلت وسيأتى فى كتاب الفتن أتم منه (مصباح الزجاجة فى زوائد ابنِ ماجه، ج۴ص۳۷، باب الخمر مفتاح كل شر)

www.idaraghufran.org

ترجمہ: مجھے میرے خلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وصیت فرمائی کہ آپ شراب نہ پینا، کیونکہ وہ ہر شر کی کنجی ہے (ابنِ ماجہ)

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اِجْتَنِبُوْا الْخَمْرَ فَاِنَّھَا مِفْتَاحُ کُلِّ شَرٍّ (مستدرک حاکم، واللفظ لہٗ) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم شراب سے بچو، کیونکہ وہ ہر شر کی کنجی ہے (حاکم)

اسی قسم کا مضمون حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی مروی ہے۔ [2]

شراب کو ہر شر کی کنجی اس لئے کہا گیا ہے کہ شراب عقل کو متاثر کرتی ہے، اور عقل پر ہی ہر خیر کا دارومدار ہے، اور اسی وجہ سے بعض احادیث میں اس کو ام الخبائث قرار دیا گیا ہے، اس لئے شراب ہر برائی کی جڑ اور اس کا منبع اور کنجی ہے۔

جس طریقہ سے کنجی اور چابی کے ذریعہ سے کسی گھر کا دروازہ کھلتا ہے، اور پھر اندر داخل ہونے کا موقع ملتا ہے، یہی حال شر کے لئے شراب نوشی کا ہے۔ [3]

---

[1] رقم الحديث ٧٢٣١، كتاب الاشربة، شعب الايمان للبيهقى، رقم الحديث ٥١٩٩.
قال الحاكم : صحيح الاسناد ولم يخرجاه. وقال الذهبى فى التلخيص: صحيح.

[2] عن معاذ بن جبل، أن رجلا قال :يا رسول الله، علمنى عملا إذا ما عملته دخلت الجنة؟ قال : لا تشرك بالله شيئا وإن حرقت، وأطع والديك وإن أخرجاك من مالك، ولا تشرب الخمر، فإنها مفتاح كل شر، لا تتركن الصلاة متعمدا، فإنه من ترك الصلاة متعمدا برئت منه ذمة الله، لا تنازع الأمر أهله وإن رأيت أن لك، أنفق على أهلك من طولك، ولا ترفع العصا عنهم، أخفهم فى الله، لا تغلل، لا تفر من الزحف(المعجم الكبير للطبرانى، رقم الحديث ١٥٦، ج ٢٠ ص ٨٢)

[3] (ولا تشرب الخمر) : بكسر الباء لالتقاء الساكنين (فإنها مفتاح كل شر) : ومذهبة للعقل الذى هو مبنى كل خير، ولذا سميت أم الخبائث (مرقاة المفاتيح ،ج٢ص ٥١٦، كتاب الصلاة)
(لا تشربوا الخمر فإنها مفتاح كل شر) أى أصله ومنبعه ومن ثم كان شربها من أفجر الفجور وأكبر الكبائر بل ذهب بعض الصحابة إلى أنها أكبرها بعد الشرك وذهب جمع من المجتهدين وتبعه المؤلف إلى أن شاربها يقتل فى الرابعة وزعموا صحة الحديث بذلك من غير معارض(فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ٩٨٠٣)

www.idaraghufran.org

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

اَلْخَمْرُ أُمُّ الْفَوَاحِشِ وَأَكْبَرُ الْكَبَائِرِ، مَنْ شَرِبَهَا وَقَعَ عَلٰى أُمِّهٖ وَعَمَّتِهٖ وَخَالَتِهٖ (سنن دارقطنی) [1]

ترجمہ: شراب، فواحش (یعنی بے حیائی اور بُرائی کے کاموں) کی ماں ہے، اور اکبرالکبائر (یعنی کبیرہ ترین گناہ) ہے، جو اس کو پیتا ہے، وہ اپنی ماں اور پھوپھی اور خالہ کے ساتھ تک بھی بدکاری میں مبتلا ہو جاتا ہے (دارقطنی؛طبرانی)

بعض دوسری روایات میں بھی شراب کو''اکبرالکبائر''اور''ام الفواحش''قرار دیا گیا ہے۔ [2]

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

وَلَا تَقْرَبُوا الْخَمْرَ فَإِنَّهَا رَأْسُ الْخَطَايَا (تعظيم قدر الصلاة لمحمد بن نصر المروزی، رقم الحديث ۹۲۰، ج۲ص ۸۸۹،باب ذكر إكفار تارک الصلاة) [3]

---

[1] حديث نمبر ۴۶۱۲،كتاب الاشربة وغيرها، واللفظ لهٗ، المعجم الكبير للطبرانی، حديث نمبر ۱۱۳۷۲، وحديث نمبر ۱۱۴۹۸،المعجم الاوسط،حديث نمبر ۳۱۳۴.

قال الالبانی: قلت :فالحديث حسن بمجموع الطريقين .و الله أعلم(السلسلة الصحيحة ،تحت حديث رقم ۱۸۵۳)

[2] عن عتاب بن عامر، قال :كنت عند عبد الله بن عمرو فی الحجر بمكة، فسئل عن الخمر، فقال :سألنی رجل، فقلت :هذا رسول الله صلى الله عليه وسلم فاذهب فاسأله ثم ارجع فأخبرنی، فسأله ثم رجع، فأخبرنی أنه سأله، فقال :هی أكبر الكبائر وأم الفواحش، ومن شرب الخمر ترک الصلاة ووقع على أمه وعمته وخالته(المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۱۵۴،ج۱۳ص ۶۲)

قال الهيثمی: رواه الطبرانی .وعتاب لم أعرفه وابن لهيعة حديثه حسن وفيه ضعف(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۸۱۷۴)

عن ابن عباس قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من شرب شرابا حتى يذهب بعقله الذی أعطاه الله فقد أتى بابا من أبواب الكبائر(مسند ابی يعلىٰ الموصلی، رقم الحديث ۲۳۴۸)

قال حسين سليم أسد:إسناده ضعيف(حاشية ابی يعلىٰ)

[3] واللفظ لهٗ، المسند الشاشی، رقم الحديث ۱۲۴۳.

قال المنذری:ورواه الطبرانی ومحمد بن نصر فی كتاب الصلاة بإسنادين لا بأس بهما(الترغيب والترهيب، تحت رقم الحديث ۸۰۹، كتاب الصلاة)

www.idaraghufran.org

ترجمہ: اور آپ شراب کے قریب مت جاؤ، کیونکہ وہ خطاؤں کی جڑ ہے (تعظیم قدر الصلاۃ)

اس سے معلوم ہوا کہ شراب فواحش ومنکرات اور خطاؤں کی ماں اور جڑ ہے، جس میں ہر طرح کی خباثت جمع ہے، اور اسی وجہ سے اس کو اکبرالکبائر قرار دیا گیا ہے، اور اس کے فواحش کی جڑ ہونے کی چند مثالیں پیش کی گئی ہیں، کہ اس میں مبتلا ہو کر آدمی بے عقل ہونے کی وجہ سے نعوذ باللہ تعالیٰ اپنی ماں، خالہ اور پھوپھی تک کے ساتھ بدکاری اور سیاہ کاری کر بیٹھتا ہے۔

گویا کہ جس طرح اولاد کی اصل اس کی ماں اور درخت کی اصل اس کی جڑ ہوتی ہے، اسی طرح شراب کا حال ہے کہ وہ بھی شر اور برائیوں کی ماں اور جڑ ہے۔ [1]

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی روایت میں ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ مَلِكًا مِنْ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ أَخَذَ رَجُلًا فَخَيَّرَهُ بَيْنَ أَنْ يَّشْرَبَ الْخَمْرَ، أَوْ يَقْتُلَ صَبِيًّا، أَوْ يَزْنِيَ، أَوْ يَأْكُلَ لَحْمَ الْخِنْزِيْرِ، أَوْ يَقْتُلُوْهُ إِنْ أَبٰى. فَاخْتَارَ أَنَّهُ يَشْرَبُ الْخَمْرَ، وَأَنَّهُ لَمَّا شَرِبَ، لَمْ يَمْتَنِعْ مِنْ شَيْءٍ أَرَادُوْهُ مِنْهُ. وَأَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَنَا حِيْنَئِذٍ:

مَا مِنْ أَحَدٍ يَشْرَبُهَا فَتُقْبَلُ لَهُ صَلَاةٌ أَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً، وَلَا يَمُوْتُ وَفِيْ مَثَانَتِهٖ مِنْهَا شَيْءٌ إِلَّا حُرِّمَتْ عَلَيْهِ الْجَنَّةُ، وَإِنْ مَاتَ فِي الْأَرْبَعِيْنَ

---

[1] (الخمر أم الفواحش) أى التى تجمع كل خبيث وإذا قيل أم الخير فهى التى تجمع كل خير وإذا قيل أم الشر فهى التى تجمع كل شر (وأكبر الكبائر) أى من أكبرها كما مر نظيره غير مرة (من شربها) وسكر (وقع على أمه وخالته وعمته) أى جامع الواحدة منهن يظن أنها زوجته وهو لا يشعر ومن ثم جعلها الله مفتاح كل إثم كما جعل الغناء مفتاح الزنا وإطلاق النظر فى الصور مفتاح العشق والكسل والراحة مفتاح الخيبة والحرمان والمعاصى مفتاح الكفر والكذب مفتاح النفاق والحرص مفتاح البخل وهذه أمور لا يصدق بها إلا من له بصيرة صحيحة ولب يعرف به ما فى نفسه وما فى الوجود من خير وشر (فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ۴۱۴۱)

مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً (المعجم الاوسط للطبرانی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کے ایک شخص کو بادشاہ نے پکڑا، اور اسے اختیار دیا کہ یا تو وہ شراب پیئے، یا بچے کو قتل کرے، یا زنا کرے، یا خنزیر کا گوشت کھائے، اور اگر وہ کسی چیز سے انکار کرے گا، تو اس کو وہ قتل کردیں گے، پس اس آدمی نے شراب پینے کو ترجیح دی، اور اس نے جب شراب پی لی تو ان لوگوں نے اس سے جو کام بھی کرانا چاہا (خواہ وہ قتل ہو یا زنا ہو، یا خنزیر کا گوشت کھانا ہو) وہ اس سے بچ نہیں سکا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس وقت یہ بھی فرمایا کہ کوئی شخص بھی ایسا نہیں جو شراب پیئے، اور پھر اللہ تعالیٰ اس کی چالیس دن تک نماز قبول فرمائیں، اور کوئی شخص بھی ایسا نہیں کہ جو مر جائے اور اس کے مثانہ میں شراب کا کوئی حصہ ہو، مگر اس پر جنت کو حرام کردیا جاتا ہے، اور اگر وہ چالیس دن کے اندر اندر مرجائے، تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا (طبرانی؛ حاکم)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

اِجْتَنِبُوْا الْخَمْرَ فَإِنَّهَا أُمُّ الْخَبَائِثِ، إِنَّهُ كَانَ رَجُلٌ مِمَّنْ خَلا قَبْلَكُمْ تَعَبَّدَ، فَعَلِقَتْهُ امْرَأَةٌ غَوِيَّةٌ، فَأَرْسَلَتْ إِلَيْهِ جَارِيَتَهَا، فَقَالَتْ لَهُ: إِنَّا نَدْعُوكَ لِلشَّهَادَةِ، فَانْطَلَقَ مَعَ جَارِيَتِهَا فَطَفِقَتْ كُلَّمَا دَخَلَ بَابًا أَغْلَقَتْهُ دُوْنَهُ، حَتّٰى أَفْضٰى إِلَى امْرَأَةٍ وَضِيْئَةٍ عِنْدَهَا غُلَامٌ وَبَاطِيَةُ

---

[1] حديث نمبر ۳۶۳، باب الالف، واللفظ لهٗ، مستدرک حاكم حديث نمبر ۷۲۳۶، الآحاد والمثانی لابنِ ابی عاصم، حديث نمبر ۸۱۰.

قال المنذری: رواه الطبرانی بإسناد صحيح والحاكم وقال صحيح على شرط مسلم (الترغيب والترهيب ج۳ص ۱۷۹)

وقال الهيثمی: رواه الطبرانی فی الأوسط ورجاله رجال الصحيح خلا داود بن صالح التمار وهو ثقة (مجمع الزوائد ج۵ص۶۸، تحت رقم الحديث ۸۱۷۳)

خَمْرٍ، فَقَالَتْ :إِنِّیْ وَاللّٰہِ مَا دَعَوْتُکَ لِلشَّهَادَةِ، وَلٰكِنْ دَعَوْتُکَ لِتَقَعَ عَلَيَّ، أَوْ تَشْرَبَ مِنْ هٰذِهِ الْخَمْرَةِ كَأْسًا، أَوْ تَقْتُلَ هٰذَا الْغُلَامَ، قَالَ: فَاسْقِيْنِيْ مِنْ هٰذَا الْخَمْرِ كَأْسًا، فَسَقَتْهُ كَأْسًا، قَالَ: زِيْدُوْنِيْ فَلَمْ يَرِمْ حَتّٰى وَقَعَ عَلَيْهَا، وَقَتَلَ النَّفْسَ، فَاجْتَنِبُوْا الْخَمْرَ، فَإِنَّهَا وَاللّٰهِ لَا يَجْتَمِعُ الْإِيْمَانُ، وَإِدْمَانُ الْخَمْرِ إِلَّا لَيُوْشِكُ أَنْ يُّخْرِجَ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ (سنن النسائی) [1]

ترجمہ: تم شراب سے بچو، کیونکہ وہ خبائث کی جڑ ہے، تم سے پہلے لوگوں میں ایک عبادت گزار شخص تھا، اس کو ایک زنا کار عورت نے (اپنے جال میں) پھنسایا، چنانچہ اس عورت نے اس عبادت گزار شخص کے پاس اپنی باندی کو بھیجا، اور اس سے کہلوایا کہ ہم آپ کو گواہی کے لئے بلاتے ہیں، پس وہ شخص اس باندی کے ساتھ چلا گیا، اس باندی نے مکان کے ہر ایک دروازہ کو جس وقت وہ اس کے اندر داخل ہوتا بند کرنا شروع کر دیا یہاں تک کہ وہ (عبادت گزار شخص) اس عورت کے پاس جا پہنچا جو کہ حسین وجمیل عورت تھی اور اس کے پاس ایک لڑکا تھا اور ایک شراب کا برتن تھا، اس عورت نے کہا کہ اللہ کی قسم! میں نے تجھ کو گواہی کے لئے نہیں بلایا بلکہ اس لئے بلایا ہے، کہ یا تو میرے ساتھ بدکاری کرے، یا اس شراب کا ایک پیالہ پی لے،، یا اس لڑکے کو قتل کر دے، تو اس عبادت گزار شخص نے (شراب کو دوسرے گناہوں سے ہلکا سمجھتے ہوئے) کہا کہ تو مجھے اس شراب کا پیالہ پلا دے، اُس عورت نے اس شخص کو ایک شراب کا پیالہ پلا دیا، اس شخص نے کہا کہ مجھ کو اور شراب دو، پھر وہ شخص وہاں سے اس وقت تک نہیں ہٹا، یہاں تک کہ (شراب پینے کے نتیجہ میں) اس نے اس عورت سے بدکاری بھی کر لی اور

---

[1] رقم الحدیث ۵۶۶۶، کتاب الاستعاذة، باب منزلة الخمر.
قال الألبانی: صحیح موقوف (صحیح وضعیف سنن النسائی، تحت رقم الحدیث ۵۶۶۶)

(لڑکے کو) قتل بھی کر دیا۔

لہٰذا تم شراب سے بچو کیونکہ اللہ کی قسم ایمان اور شراب پینے کی عادت دونوں ایک ساتھ جمع نہیں ہوتیں یہاں تک کہ ان میں سے ایک عمل دوسرے عمل کو انسان میں سے نکال دیتا ہے (نسائی)

معلوم ہوا کہ شراب صرف ایک مشروب نہیں بلکہ وہ کئی شرور اور فتنوں کا سرچشمہ ہے، اس لئے شریعت نے شراب پینے پر سزا جاری کی ہے۔

شراب نوشی پر کوڑوں کی سزا

حضرت عمر بن خطّاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَجُلًا عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اسْمُهُ عَبْدَ اللّٰهِ، وَكَانَ يُلَقَّبُ حِمَارًا، وَكَانَ يُضْحِكُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ جَلَدَهُ فِي الشَّرَابِ، فَأُتِيَ بِهٖ يَوْمًا فَأَمَرَ بِهٖ فَجُلِدَ (بخاری، رقم الحديث ٦٧٨٠) [1]

ترجمہ: ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جس کا نام عبداللہ اور لقب حمار تھا اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسایا کرتا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو شراب پینے کی وجہ سے کوڑے لگوائے تھے، ایک دن پھر نشہ کی حالت میں لایا گیا، تو آپ نے اس کو کوڑے مارے جانے کا حکم دیا (بخاری)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

جَلَدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْخَمْرِ بِالْجَرِيْدِ وَالنِّعَالِ، وَجَلَدَ أَبُوْبَكْرٍ أَرْبَعِيْنَ (بخاری) [2]

---

[1] كتاب الحدود، باب ما يكره من لعن شارب الخمر، وإنه ليس بخارج من الملة.

[2] رقم الحديث ٦٧٧٦، كتاب الحدود، باب الضرب بالجريد والنعال.

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب پینے پر لکڑی (یعنی قچی) اور جوتوں سے مار لگوائی، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چالیس کوڑے لگوائے (بخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَاجْلِدُوْهُ، ثُمَّ إِذَا شَرِبَ فَاجْلِدُوْهُ، ثُمَّ إِذَا شَرِبَ فَاجْلِدُوْهُ، ثُمَّ إِذَا شَرِبَ فِي الرَّابِعَةِ فَاقْتُلُوْهُ (مسند احمد، رقم الحديث ۷۷۶۲) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے شراب پی اس کو کوڑے (یعنی مار) لگاؤ، پھر جب وہ (دوبارہ) شراب پیے تو پھر اس کو کوڑے لگاؤ، پھر جب وہ (سہ بارہ) شراب پیے تو پھر اسے کوڑے لگاؤ، پھر جب وہ چوتھی بار شراب پیے تو اسے قتل کر دو (مسند احمد)

اس طرح کی حدیث حضرت عبداللہ بن عمرو اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی سندوں سے بھی مروی ہے۔ [2]

---

[1] فی حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط مسلم.

[2] عن عبد الله بن عمرو، أن النبی صلی الله عليه وسلم قال " :من شرب الخمر فاجلدوه، ومن شرب الثانية فاجلدوه، ثم إن شرب الثالثة فاجلدوه، ثم إن شرب الرابعة فاقتلوه " (مسند احمد، رقم الحديث ۷۰۰۳)

فی حاشية مسند احمد: صحيح بشواهده.

عن شرحبيل بن أوس، -وكان من أصحاب النبی صلی الله عليه وسلم -أنه قال :قال النبی صلی الله عليه وسلم " :من شرب الخمر فاجلدوه، فإن عاد فاجلدوه، فإن عاد فاجلدوه، فإن عاد فاقتلوه "(مسند احمدرقم الحديث ۱۸۰۵۳)

فی حاشية مسند احمد: صحيح لغيره، وهذا إسناد حسن من أجل نمران بن مخمر.

عن أبی بشر قال :سمعت يزيد بن أبی كبشة يخطب بالشام قال :سمعت رجلا من أصحاب النبی صلی الله عليه وسلم يحدث عبد الملک بن مروان أنه قال فی الخمر : إن رسول الله صلی الله عليه وسلم قال فی الخمر " :إن شربها فاجلدوه، ثم إن عاد فاجلدوه، ثم إن عاد فاجلدوه، ثم إن عاد الرابعة فاقتلوه "(مسند احمد،رقم الحديث ۲۳۱۳۰)

فی حاشية مسند احمد: صحيح لغيره، وهذا إسناد حسن من أجل يزيد بن أبی كبشة -السكسكی-

www.idaraghufran.org

اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ چوتھی مرتبہ شراب پینے پر قتل کا حکم ابتدائے اسلام میں آیا تھا، تاکہ شراب کے حرام ہونے کا حکم آنے کے بعد لوگوں کو شراب سے نفرت پیدا ہو، اور اس کا خوف دل میں بیٹھے، بعد میں اس کو ختم کردیا گیا تھا، اور کوڑوں کی سزا کا حکم برقرار رکھا گیا۔

اس لئے اکثر فقہائے کرام اسی چیز کے قائل ہیں کہ جب کوئی شراب پیئے تو جتنی مرتبہ بھی پیئے، ہر مرتبہ اس کو کوڑے ہی لگائے جائیں گے، قتل نہیں کیا جائے گا۔ [1]

---

[1] عن معاوية قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من شرب الخمر فاجلدوه، فإن عاد فى الرابعة فاقتلوه قال :وفى الباب عن أبى هريرة، والشريد، وشرحبيل بن أوس، وجرير، وأبى الرمد البلوى، وعبد الله بن عمرو :حديث معاوية هكذا روى الثورى أيضا، عن عاصم، عن أبى صالح، عن معاوية، عن النبى صلى الله عليه وسلم وروى ابن جريج، ومعمر، عن سهيل بن أبى صالح، عن أبيه، عن أبى هريرة، عن النبى صلى الله عليه وسلم سمعت محمدا يقول :حديث أبى صالح، عن معاوية، عن النبى صلى الله عليه وسلم فى هذا أصح، من حديث أبى صالح، عن أبى هريرة، عن النبى صلى الله عليه وسلم، وإنما كان هذا فى أول الأمر ثم نسخ بعد، هكذا روى محمد بن إسحاق، عن محمد بن المنكدر، عن جابر بن عبد الله، عن النبى صلى الله عليه وسلم قال :إن من شرب الخمر فاجلدوه، فإن عاد فى الرابعة فاقتلوه، قال :ثم أتى النبى صلى الله عليه وسلم بعد ذلك برجل قد شرب الخمر فى الرابعة فضربه ولم يقتله، وكذلك روى الزهرى، عن قبيصة بن ذؤيب، عن النبى صلى الله عليه وسلم نحو هذا قال :فرفع القتل، وكانت رخصة، والعمل على هذا الحديث عند عامة أهل العلم لا نعلم بينهم اختلافا فى ذلك فى القديم والحديث ومما يقوى هذا ما روى عن النبى صلى الله عليه وسلم من أوجه كثيرة أنه قال " :لا يحل دم امرء مسلم يشهد أن لا إله إلا الله، وأنى رسول الله إلا بإحدى ثلاث :النفس بالنفس، والثيب الزانى، والتارك لدينه "(ترمذى،رقم الحديث ۱۴۴۴، باب ما جاء من شرب الخمر فاجلدوه، ومن عاد فى الرابعة فاقتلوه)

عن قبيصة بن ذؤيب، أن النبى صلى الله عليه وسلم قال :من شرب الخمر فاجلدوه، فإن عاد فاجلدوه، فإن عاد فى الثالثة أو الرابعة فاقتلوه، فأتى برجل قد شرب فجلده، ثم أتى به فجلده، ثم أتى به فجلده، ثم أتى به فجلده، ورفع القتل، وكانت رخصة، قال سفيان :حدث الزهرى بهذا الحديث وعنده منصور بن المعتمر ومخول بن راشد، فقال لهما :كونا وافدى أهل العراق بهذا الحديث قال أبو داود :روى هذا الحديث الشريد بن سويد، وشرحبيل بن أوس، وعبد الله بن عمرو، وعبد الله بن عمر، وأبو غطيف الكندى، وأبو سلمة بن عبد الرحمن، عن أبى هريرة(ابوداؤد، رقم الحديث ۴۴۸۵)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُتِيَ بِرَجُلٍ قَدْ شَرِبَ الْخَمْرَ، فَجَلَدَهُ بِجَرِيدَتَيْنِ نَحْوَ أَرْبَعِينَ، قَالَ: وَفَعَلَهُ أَبُوبَكْرٍ، فَلَمَّا كَانَ عُمَرُ اسْتَشَارَ النَّاسَ، فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ : أَخَفَّ الْحُدُودِ ثَمَانِينَ، فَأَمَرَ بِهٖ عُمَرُ (مسلم، رقم الحديث ١٧٠٦ "٣٥" كتاب الحدود، باب حد الخمر)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی لایا گیا جس نے شراب پی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دو ٹہنیوں (یعنی باریک چھڑیوں) سے تقریباً چالیس مرتبہ مارلگوائی، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی (اپنے دورِ خلافت میں) اسی طرح کیا، پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو انہوں نے صحابۂ کرام سے مشورہ طلب کیا تو عبدالرحمٰن رضی

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

(عن جابر عن النبی صلی الله علیه وسلم قال :من) وفی نسخة صحیحة إن من (شرب الخمر فاجلدوه فإن عاد فی الرابعة فاقتلوه) المراد الضرب الشدید أو الأمر للوعید فإنه لم یذهب أحد قدیما وحدیثا أن شارب الخمر یقتل وقیل کان ذلک فی ابتداء الإسلام ثم نسخ (قال) أی جابر (ثم أتی النبی صلی الله علیه وسلم بعد ذلک) أی جیء بعد هذا الحدیث (برجل قد شرب فی الرابعة فضربه ولم یقتله) فثبت بهذا أن القتل بشرب الخمر فی الرابعة منسوخ، وقال الطیبی :هذا قرینة ناهضة علی أن قوله فاقتلوه مجاز عن الضرب المبرح، مبالغة لما عتا وتمرد ولا یبعد أن عمر رضی الله تعالی عنه أخذ جلد ثمانین من هذا المعنی، قال الخطابی :قد یرید الأمر بالوعید ولا یراد به وقوع الفعل، وإنما یقصد به الردع والتحذیر کقوله علیه الصلاة والسلام :من قتل عبده قتلناه . وهو لو قتل عبد نفسه لم یقتل به فی قول عامة الفقهاء ، وقال أبو عیسی :إنما کان هذا أول الأمر ثم نسخ، قال النووی :أجمع المسلمون علی تحریم شرب الخمر وعلی وجوب الحد علی شاربها سواء شرب قلیلا أو شرب کثیرا، وعلی أنه لا یقتل وإن تکرر ذلک منه، وحکی القاضی عیاض عن طائفة شاذة أنهم قالوا :یقتل بعد جلده أربع مرات لهذا الحدیث، وهو باطل مخالف للإجماع والحدیث منسوخ (مرقاة المفاتیح، ج٦ص ٢٣٧٢، کتاب الحدود، باب حد الخمر)

فإن عاد فی الرابعة فاقتلوه أخرجه أصحاب السنن الأربعة إلا النسائی ثم نسخ القتل فی الرابعة بما رواه النسائی أنه -علیه السلام -قد أتی برجل شرب الخمر فی الرابعة فجلده ولم یقتله وزاد فی لفظ فرأی المسلمون أن الحد قد وقع وأن القتل قد ارتفع (البحرالرائق، ج٥، ص٢٧، و٢٨، کتاب الحدود، باب حد الشرب)

www.idaraghufran.org

اللہ عنہ نے کہا کہ سب سے کم حد (جو قرآن مجید میں تہمت لگانے والے کی حدِ قذف والی ہے، وہ) اسی کوڑے ہیں، تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی کا حکم دیا (مسلم)

اکثر فقہائے کرام کے نزدیک شراب پینے کی حد اسّی قمچیاں یا اسّی جوتے یا اسّی کوڑے ہیں، اوران حضرات نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دراصل اسّی قمچیاں ہی لگوائی تھیں، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قمچیوں کو جمع فرما دیا تھا۔

پھر بعد میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اسی کے مطابق عمل فرمایا۔ [1]

حضرت عکرمہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، شَاوَرَ النَّاسَ فِيْ جَلْدِ الْخَمْرِ، وَقَالَ: إِنَّ النَّاسَ قَدْ شَرِبُوْهَا وَاجْتَرَءُوْا عَلَيْهَا . فَقَالَ لَهُ عَلِيٌّ : إِنَّ السَّكْرَانَ إِذَا سَكِرَ هَذٰى، وَإِذَا هَذٰى افْتَرٰى، فَاجْعَلْهُ حَدَّ الْفِرْيَةِ، فَجَعَلَهُ عُمَرُ حَدَّ الْفِرْيَةِ ثَمَانِيْنَ (مصنف عبدالرزاق، رقم الحديث ۱۳۵۴۲، باب حد الخمر)

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے صحابۂ کرام سے شراب پر کوڑوں کے بارے میں مشورہ کیا، اور فرمایا کہ لوگ شراب پی رہے ہیں، اور اس پر جرائت کررہے ہیں، تو آپ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ شراب پینے والے کو

---

[1] وهذا يجمع بين ما اختلف فيه على شعبة وأن جملة الضربات كانت نحو أربعين لا أنه جلده بجريدتين أربعين فتكون الجملة ثمانين كما أجاب به بعض الناس (فتح البارى لابن حجر، ج۱۲، ص۶۴، باب ما جاء فى ضرب شارب الخمر)

واحتج أصحابنا بهذا الحديث :أن حد السكران من شرب الخمر وغيرها من الأنبذة ثمانون جلدة، وقال الشافعى :أربعون جلدة، وبه قال أحمد فى رواية، لأن النبى صلى الله عليه وسلم، ضرب فى الخمر بالجريد والنعال، وضرب أبو بكر أربعين، قلنا :ما رواه كان بجريدتين والنعلين، فكان كل ضربة بضربتين، والذى يدل على هذا قول أبى سعيد :جلد على عهد رسول الله، صلى الله عليه وسلم، فى الخمر بنعلين، فلما كان فى زمن عمر، رضى الله تعالى عنه، جعل بدل كل نعل سوطا، رواه أحمد (عمدة القارى، ج۱۶، ص۲۰۵، باب مناقب عمر بن الخطاب)

www.idaraghufran.org

جب نشہ ہوتا ہے، تو وہ بہکی بہکی باتیں کرنے لگتا ہے، اور جب بہکی بہکی باتیں کرتا ہے تو (کسی پر) تہمت بھی لگاتا ہے، تو آپ اس پر تہمت والی حد جاری کریں، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شراب پینے والے پر تہمت لگانے والی حد (یعنی اسی کوڑے) جاری فرمائے (مصنف عبدالرزاق)

اس طرح کی روایت اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ [1]

---

[1] عن ثور بن زيد الديلي؛ أن عمر بن الخطاب استشار في الخمر يشربها الرجل . فقال له علي بن أبي طالب :نرى أن نجلده ثمانين .فإنه إذا شرب سكر .وإذا سكر هذى .وإذا هذى افترى .أو كما قال فجلد عمر في الحد ثمانين(موطأمالک،رقم الحديث ۳۱۱۷، الحد في الخمر)

عن وبرة الكلبي، قال :أرسلني خالد بن الوليد إلى عمر رضي الله عنهما فأتيته وهو في المسجد معه عثمان بن عفان وعلي وعبد الرحمن بن عوف وطلحة والزبير رضي الله عنهم متكء معه في المسجد فقلت " :إن خالد بن الوليد أرسلني إليک وهو يقرأ عليک السلام ويقول :إن الناس قد انهمكوا في الخمر وتحاقروا العقوبة، فقال عمر : هم هؤلاء عندک فسلهم، فقال علي رضي الله عنه :نراه إذا سكر هذى وإذا هذى افترى وعلى المفترى ثمانون، فقال عمر :أبلغ صاحبک ما قال :فجلد خالد ثمانين وجلد عمر ثمانين، وكان عمر إذا أتي بالرجل القوي المنهمک في الشراب جلده ثمانين وإذا أتي بالرجل الضعيف التي كانت منه الزلة جلد أربعين ثم جلد عثمان ثمانين وأربعين(مستدرک حاکم، رقم الحديث ۸۱۳۱)

قال الحاكم: هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه .

وقال الذهبي: صحيح.

ثور بن زيد الديلي، عن عكرمة، عن ابن عباس رضي الله عنهما، قال :إن الشراب كانوا يضربون على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم بالأيدي والنعال والعصا حتى توفي رسول الله صلى الله عليه وسلم، وكانوا في خلافة أبي بكر رضي الله عنه أكثر منهم في عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال أبو بكر رضي الله عنه :لو فرضنا لهم حدا فتوخى نحوا مما كانوا يضربون في عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، فكان أبو بكر رضي الله عنه يجلدهم أربعين حتى توفي، ثم قام من بعده عمر فجلدهم كذلک أربعين، حتى أتي برجل من المهاجرين الأولين وقد كان شرب فأمر به أن يجلد، فقال : لم تجلدني بيني وبينک كتاب الله عز وجل، فقال عمر رضي الله عنه :في أي كتاب الله تجد أني لا أجلدک؟ فقال :إن الله تعالى يقول في كتابه (ليس على الذين آمنوا وعملوا الصالحات جناح فيما طعموا)الآية فأنا من الذين آمنوا وعملوا الصالحات، ثم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

تہمت لگانے کی سزا اسّی کوڑے ہیں، جس کو شریعت کی زبان میں ’’حدِ قذف‘‘ کہا جاتا ہے، اور اس کا ذکر آگے آتا ہے۔

شراب نوشی کی قانونی سزا سے متعلق چند احکام

اب شراب نوشی کی قانونی سزا سے متعلق چند احکام ذکر کیے جاتے ہیں۔

(۱)...... احادیث کے پیشِ نظر فقہائے کرام کا اس بات پر تو اتفاق ہے کہ اپنے اختیار وقصد سے شراب پینے والے عاقل، بالغ مسلمان کو شراب پینے پر کوڑوں کی سزا دی جائے گی۔

لیکن کوڑوں کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے، حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک آزاد شخص کے حق میں اسی کوڑے ہیں، اور غلام کے حق میں چالیس کوڑے ہیں۔

اور شافعیہ کے نزدیک شراب کی اصل حد آزاد شخص کے حق میں چالیس کوڑے ہیں، اور غلام کے حق میں بیس کوڑے ہیں، البتہ ان کے نزدیک اگر حاکم وجج

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اتقوا وآمنوا، ثم اتقوا وأحسنوا، شهدت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم بدرا والحديبية والخندق والمشاهد، فقال عمر رضى الله عنه :ألا تردون عليه ما يقول؟ فقال ابن عباس :إن هذه الآيات أنزلت عذرا للماضين وحجة على الباقين لأن الله عز وجل، يقول :(يا أيها الذين آمنوا إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطان)ثم قرأ حتى أنفذ الآية الأخرى (ليس على الذين آمنوا وعملوا الصالحات جناح فيما طعموا إذا ما اتقوا وآمنوا وعملوا الصالحات ثم اتقوا وآمنوا ثم اتقوا وأحسنوا)فإن الله عز وجل قد نهى أن يشرب الخمر، فقال عمر رضى الله عنه: صدقت فماذا ترون، فقال على رضى الله عنه :نرى أنه إذا شرب سكر، وإذا سكر هذى، وإذا هذى افترى، وعلى المفترى ثمانون جلدة فأمر عمر رضى الله عنه فجلد ثمانين (مستدرك حاكم، رقم الحديث ٨١٣٢)

قال الحاكم:هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه.

وقال الذهبي: صحيح.

مصلحت سمجھے تو آزاد شخص کو اسی کوڑے لگانا بھی جائز ہے، لیکن چالیس کوڑوں پر مزید چالیس کوڑوں کی زیادتی بطورِ تعزیر کے ہے نہ کہ بطورِ حد کے۔ ؂۱

(۲)...... جب کوئی انگور سے تیار شدہ شراب پیئے تو اس پر بالاتفاق بہرحال حد جاری کی جاتی ہے، چاہے وہ تھوڑی شراب پیئے یا زیادہ، اور خواہ اس سے اس کو نشہ چڑھے یا نہ چڑھے۔

اور انگور کے علاوہ دوسری چیزوں سے تیار شُدہ شراب کے پینے پر اُس وقت بھی بالاتفاق حد جاری کی جاتی ہے، جبکہ شراب پینے والے کو نشہ ہوجائے، اور اگر نشہ نہ ہو تو پھر اس پر حد واجب ہونے نہ ہونے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔ ؂۲

؂۱ حد شارب الخمر الجلد باتفاق الفقهاء .لخبر مسلم عن أنس :أن النبى صلى الله عليه وسلم: جلد فى الخمر بالجريد والنعال .

ثم اختلفوا فى عدد الجلدات :فذهب الحنفية، والمالكية والحنابلة إلى أنها ثمانون جلدة فى الحر، وفى غيره أربعون .قالوا :وأجمع الصحابة على ذلك فإنه روى عن ابن وبرة الكلبى قال :أرسلنى خالد بن الوليد إلى عمر رضى الله عنه فأتيته ومعه عثمان بن عفان وعبد الرحمن بن عوف رضى الله عنهما، وعلى وطلحة، والزبير رضى الله عنهم، وهم معه متكئون فى المسجد، فقلت :إن خالد بن الوليد أرسلنى إليك وهو يقرأ عليك السلام، ويقول :إن الناس قد انهمكوا فى الخمر وتحاقروا العقوبة فيه فقال عمر رضى الله عنه، هم هؤلاء عندک، فسألهم، فقال على رضى الله عنه :نراه إذا سكر هذى، وإذا هذى افترى، وعلى المفترى ثمانون، قال .فقال :عمر رضى الله عنه أبلغ صاحبک ما قال، قال :فجلد خالد رضى الله عنه ثمانين، وجلد عمر رضى الله عنه ثمانين .قال: وكان عمر رضى الله عنه إذا أتى بالرجل الضعيف الذى كانت منه الزلة ضربه أربعين قال :وجلد عثمان رضى الله عنه أيضا ثمانين وأربعين .

وذهب الشافعية إلى أنه أربعون جلدة فى الحر، وعشرون فى غيره .لما جاء فى صحيح مسلم .كان النبى صلى الله عليه وسلم :يضرب فى الخمر بالجريد والنعال أربعين . ولو رأى الإمام بلوغه فى الحر ثمانين جاز فى الأصح، والزيادة تعزيرات، وقيل :حد.

وروى عن على رضى الله عنه أنه قال :جلد النبى صلى الله عليه وسلم أربعين، وجلد أبو بكر أربعين، وعمر ثمانين ، وكل سنة، وهذا أى جلد أربعين أحب إلى .وهذه رواية عن أحمد (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵، ص۲۴۵، مادة " جلد " الجلد فى حد شرب الخمر)

؂۲ وأما حد الشرب فسبب وجوبه الشرب؛ وهو شرب الخمر خاصة، حتى يجب الحد بشرب قليلها وكثيرها، ولا يتوقف الوجوب على حصول السكر منها، وحد السكر سبب وجوبه السكر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

(۳)......امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک شراب پینے پر حد اس وقت واجب

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الحاصل بشرب ما سوى الخمر من الأشربة المعهودة المسكرة كالسكر ونقيع الزبيب، والمطبوخ أدنى طبخة من عصير العنب أو التمر والزبيب والمثلث ونحو ذلك، والله -سبحانه وتعالى- أعلم(بدائع الصنائع، ج۷ص ۳۹، كتاب الحدود،فصل فى حد الشرب)

(وحد الخمر والسكر فى الحر ثمانون سوطا) ش :أى حد الخمر كيف ما شربها قليلا كان أو كثيرا بعد أن كان عن طوع سكر أو لم ينكر بسكر، ولو شرب قطرة وحد السكر بضم السين، وفى غير الخمر ثمانون سوطا، والحد فى الخمر غير موقوف على السكر بالإجماع، وفى غيرها من السكران موقوف على السكر عندنا، خلافا للأئمة الثلاثة على ما يجىء فى الأشربة إن شاء الله تعالى م :(لإجماع الصحابة -رضى الله عنهم) ش :أى على الثمانين(البناية شرح الهداية، ج٦ص ۳۵٦، كتاب الحدود، باب حد الشرب)

ذهب جماهير العلماء إلى أن يكون كل مسكر خمرا هو حقيقة لغوية أو شرعية كما علم مما سبق، وجمهور الشافعية الذين ذهبوا إلى أن الخمر ما كان من عصير العنب لا يخالفون الجمهور فى أن ما أسكر كثيره فقليله حرام، والاختلاف فى الإطلاق بين الجمهور، وأكثر الشافعية لم يغير الأحكام من وجوب الحد عند شرب قليله، والنجاسة، وغير ذلك مما يتعلق بالخمر، ما عدا مسألة تكفير مستحل غير الخمر، فلا يكفر منكر.

حكمه للاختلاف فيه، كما سيأتى كل ذلك مفصلا.

وذهب الحنفية إلى أن الخمر التى يحرم قليلها وكثيرها، ويحد بها، ويكفر مستحلها، إلى غير ذلك هى المتخذة من عصير العنب خاصة، أما الأنبذة عندهم فلا يحد شاربها إلا إذا سكر منها والأشربة المحرمة عند الحنفية على ثلاثة أنواع

النوع الأول :الأشربة المتخذة من العنب وهى:

أ -الخمر وهى المتخذة من عصير العنب النىء إذا غلى واشتد عند أبى يوسف ومحمد، وقذف بالزبد عند أبى حنيفة .وبقول الصاحبين من عدم اشتراط قذف الزبد قال الأئمة الثلاثة (مالك والشافعى وأحمد)

ولعصير العنب أنواع بحسب ذهاب جزء منه بالطبخ، كالباذق، والطلاء ، والمثلث، والمنصف ولا يختلف حكمها كما سيأتى بيانه .وفى حكم هذا النوع ما يتخذ من الزبيب، وهو صنفان :نقيع الزبيب وهو أن يترك الزبيب فى الماء من غير طبخ حتى تخرج حلاوته إلى الماء ، ثم يشتد ويغلى ويقذف بالزبد عند أبى حنيفة، أو لم يقذف بالزبد عند صاحبيه.

نبيذ الزبيب وهو النىء من ماء الزبيب إذا طبخ أدنى طبخ وغلى واشتد .

النوع الثانى :ما يتخذ من التمر أو الرطب (وهو السكر) والبسر (وهو الفضيخ) . وفى حكم هذا النوع الخليطان .وهو شراب من ماء الزبيب وماء التمر أو البسر أو الرطب المختلطين إذا طبخا أدنى طبخ وإن اشتد، ولا عبرة بذهاب الثلثين.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ہوتی ہے جبکہ شراب میں اتنا نشہ ہو کہ پینے والا بہکی بہکی باتیں کرنے لگے، اور اس کی گفتگو بے جوڑ ہو جائے۔

جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حد واجب ہونے کے لئے نشہ سے ایسی کیفیت کا پایا جانا ضروری ہے کہ اُس کی عقل اس طریقے سے زائل ہو جائے، کہ وہ آسمان اور زمین کو اور عورت اور مرد کو بھی نہ پہچان سکے۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

النوع الثالث: نبيذ ما عدا العنب والتمر كالعسل أو التين أو البر ونحوها. هذه هي الأشربة المحرمة عند الحنفية، أما الخمر فبإجماع الأمة، وأما نبيذ العنب والتمر فيحرم عند أبي حنيفة وأبي يوسف القدر المسكر منها خلافا لمحمد، وأما نبيذ العسل والتين والبر والشعير ونحو ذلك فمباح عند أبي حنيفة وأبي يوسف، بشرط ألا يشرب للهو أو طرب، وخالفهما محمد، ورأيه هو المفتى به عند الحنفية، كما سيتضح فيما يأتي (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۵، ص۱۴، مادة "الأشربة")

ذهب الجمهور إلى أن المسلم يحد بشرب ما يسكر جنسه وإن لم يسكر ما شربه لقلته أو اعتياد الشارب له، سواء كان عصير عنب، أو نقيع زبيب، أو تمر، أو رطب، أو بسر، أو عسل، أو حنطة، أو شعير، أو ذرة، أو أرز، أو غير ذلك. أما الخمر التي هي من العنب فلا خلاف بين الفقهاء في أن القليل والكثير منها سواء في الحرمة وفي وجوب الحد (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۶، ص۸۸، مادة "جنس")

[۱] اختلفت عبارات الفقهاء في تعريف السكر:

فعند أبي حنيفة والمزني من الشافعية: السكر نشوة تزيل العقل، فلا يعرف السماء من الأرض، ولا الرجل من المرأة، وصرح ابن الهمام بأن تعريف السكر بما مر إنما هو في السكر الموجب للحد، وأما تعريفه في غير وجوب الحد فهو عند أئمة الحنفية كلهم: اختلاط الكلام والهذيان ويقرب من هذا تعريف الشافعي للسكران: بأنه الذي اختلط كلامه المنظوم، وانكشف سره المكتوم.

وقال ابن سريج: الرجوع فيه إلى العادة، فإذا انتهى تغيره إلى حالة يقع عليه فيها عادة اسم السكران، فهو المراد بالسكران، قال الرافعي وهو الأقرب.

وقيل: السكر حالة تعرض للإنسان من امتلاء دماغه من الأبخرة المتصاعدة من الخمر ونحوه، فيتعطل معه العقل المميز بين الأمور الحسنة والقبيحة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۶، ص۱۰۰، مادة "جنون")

ضابط السكر: ذهب المالكية والشافعية والحنابلة وصاحبا أبي حنيفة وغيرهم إلى أن السكران هو الذي يكون غالب كلامه الهذيان، واختلاط الكلام، لأن هذا هو السكران في عرف الناس وعاداتهم، فإن السكران في متعارف الناس اسم لمن هذى، وإليه أشار الإمام علي رضي الله عنه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۴)...... حد میں جو کوڑے لگائے جاتے ہیں، اُن سے مراد ضرب لگانا ہے، خواہ ہاتھ سے ضرب لگائی جائے، یا جوتوں سے، یا کپڑے کی رسّی سے، یا قمچی سے۔ اور تمام کوڑے جسم کے ایک ہی مقام اور ایک ہی عضو پر نہیں لگائے جائیں گے، بلکہ جسم کے مختلف مقامات اور اعضاء پر لگائے جائیں گے، لیکن نازک اعضاء پر لگانے سے پرہیز کیا جائے گا، مثلاً چہرہ اور سَر اور سینہ اور شرم گاہ۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بقوله :إذا سكر هذى، وإذا هذى افترى، وحد المفترى ثمانون .فحد السكر الذى يمنع صحة العبادات، ويوجب الفسق على شارب النبيذ ونحوه هو الذى يجمع بين اضطراب الكلام فهما وإفهاما، وبين اضطراب الحركة مشيا وقياما، فيتكلم بلسان منكسر، ومعنى غير منتظم، ويتصرف بحركة مختبط، ومشى متمايل، وما زاد على ذلك مما يذكره الإمام أبو حنيفة فهو زيادة فى حد السكر أى مقداره.وذهب أبو حنيفة إلى أن السكر الذى يتعلق به وجوب الحد هو الذى يزيل العقل بحيث لا يفهم السكران شيئا، ولا يعقل منطقا، ولا يفرق بين الرجل والمرأة، والأرض والسماء ، لأن الحدود يؤخذ فى أسبابها بأقصاها، دريء للحد، لقوله عليه الصلاة والسلام :(ادرء وا الحدود عن المسلمين ما استطعتم)وقول الصاحبين أبى يوسف ومحمد مال إليه أكثر المشايخ من الحنفية، وهو المختار للفتوى عندهم .قال فى الدر :يختار للفتوى لضعف دليل الإمام(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۵ص ۲۳، ۲۴،مادة "الاشربة")

۱؎ آلات الجلد فى الحدود والتعازير: الجلد فى الحدود يكون بالسوط .على أنه يجوز فى حد الشرب الضرب بالأيدى أو النعال أو أطراف الثياب.

ويستعمل السوط فى إقامة حد الزنا على البكر .وحد القذف، وحد شرب الخمر .ويجزى منه استعمال عثكال فيه مائة شمراخ فى إقامة حد الزنا على البكر، إن كان لا يحتمل الجلد لمرض لا يرجى برؤه.

ويلاحظ ألا يكون السوط مما يتلف، ولذلك قال بعضهم :لا يكون له ثمرة -يعنى :عقدة فى طرفه -وقال بعضهم :يكون بين الجديد والخلق.

أما الجلد فى التعزير فقد يكون بالسوط، أو بما يقوم مقامه مما يراه ولى الأمر.

وفى كثير مما ذكرناه هنا تفصيل وخلاف يذكره الفقهاء فى مسائل الحدود والتعزير (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱، ص ۱۰۹، مادة "آلة"، آلات الجلد فى الحدود والتعازير)

أداة الضرب:

لا خلاف بين الفقهاء فى أن الضرب فى الحدود يكون بالسوط إلا حد الشرب، فقد اختلفوا فيه، فذهب بعضهم إلى أنه يضرب بالسوط، كما يضرب أيضا بالنعال والأيدى وأطراف الثياب، واستدلوا بما ورد من حديث أبى هريرة قال :أتى النبى صلى الله عليه وسلم بسكران فأمر بضربه،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

(۵)...... حد میں جن کوڑوں سے ضرب لگائی جاتی ہے، وہ کوڑے معتدل اور درمیانے درجے کے ہونے چاہئیں، نہ تو بہت سخت ہوں، جن کی وجہ سے زخم آجائے، اور نہ اتنے ہلکے ہوں کہ لگنے والے کو تکلیف کا احساس ہی نہ ہو، اور ضرب لگانے والا بھی معتدل انداز کو اختیار کرے، تاکہ مذکورہ کیفیت برقرار رہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فمنا من يضربه بيده، ومنا من يضربه بنعله، ومنا من يضربه بثوبه.

وذهب آخرون إلى أنه يتعين السوط، وقالوا :يفهم من إطلاق الجلد الضرب بالسوط، ولأنه صلى الله عليه وسلم جلد فى الخمر. كما أمر الله بجلد الزانى، فكان بالسوط مثله، والخلفاء الراشدون ضربوا بالسوط فكان ذلك إجماعا.

أما الضرب للتعزير، أو التأديب فيكون بالسوط واليد، وأما ضرب الصبى فى التأديب فليس للولى الضرب بسوط ونحوه، وإنما يضرب بيد، ولا يجاوز ثلاثا، وكذا :المعلم والوصى لقوله صلى الله عليه وسلم لمرداس المعلم :إياك أن تضرب فوق الثلاث، فإنك إن ضربت فوق ثلاث اقتص الله منك.والتفصيل فى مصطلح :(شرب، وحدود وتعزير وتأديب)

صفة سوط الضرب :يكون سوط الضرب فى الحدود والتعازير وسطا بين قضيب، وعصا، ورطب، ويابس، لما روى :أن رجلا اعترف على نفسه بالزنا فى عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم فدعا له رسول الله صلى الله عليه وسلم بسوط فأتى بسوط مكسور فقال :فوق هذا، فأتى بسوط جديد لم تقطع ثمرته فقال :دون هذا، فأتى بسوط قد ركب به ولان، فأمر به رسول الله صلى الله عليه وسلم فجلد.

وكذلك الضرب يكون وسطا، لا شديدا فيقتل، ولا ضعيفا فلا يردع، لأن المقصود تأديبه، لا قتله.

كيفية الضرب :يفرق الضرب على الأعضاء ، فلا يجمع على عضو واحد، ويتقى المقاتل، كالوجه، والرأس، والنحر، والفرج.

وأشد الضرب فى الحدود :ضرب الزانى، ثم ضرب حد القذف، ثم ضرب حد الشرب، ثم ضرب التعزير وإلى هذا ذهب الحنابلة .وقال الحنفية :أشد الضرب :ضرب التعزير؛ لأنه خفف عددا فلا يخفف وصفا، ثم ضرب حد الزنا لثبوته بالكتاب، ثم حد الشرب لثبوته بإجماع الصحابة، ثم ضرب حد القذف لضعف سببه لاحتمال صدق القاذف ، وقال مالك :كلها واحد؛ لأن الله تعالى شأنه أمر بجلد الزانى، والقاذف أمرا واحدا، والمقصود منها واحد، وهو الزجر فيجب تساويها فى الصفة.

والتفصيل فى مصطلح :(حدود وتعزير) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٨، ص١٧٦ الىٰ ص١٧٧، مادة "ضرب")

[1] كيفية الجلد : اتفق الفقهاء على أنه يجلد الصحيح القوى فى الحدود، بسوط معتدل، ليس رطبا، ولا شديد اليبوسة، ولا خفيفا لا يؤلم،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

(۲)......شراب نوشی کی حد اور قانونی سزا اُس وقت جاری کی جائے گی، جبکہ کسی عاقل، بالغ مرد یا عورت نے یا تو باختیارِ خود حاکم کے سامنے اس کا اعتراف کیا ہو، یا معتبر گواہوں سے ثبوت ہوا ہو، اور اکثر فقہائے کرام کے نزدیک شراب نوشی کی حد کسی کے منہ سے صرف شراب کی بُو پائی جانے پر قائم نہیں کی جائے گی، کیونکہ اس کا احتمال موجود ہے کہ اس نے دواء کے طور پر کسی نشہ آور مشروب کا استعمال کیا ہو، یا کسی نے زبردستی یا دھوکہ سے اُس کو شراب پلائی ہو، جس پر کہ حد جاری نہیں کی جاتی۔ [1]

خلاصہ یہ کہ باختیارِ خود کسی مسلمان کے شراب پینے کا قانونی طریقہ پر ثبوت ہو جانے پر کوڑوں کی سزا مقرر ہے، جو کہ انتہائی معتدل اور مؤثر ہے۔

اللہ تعالیٰ شراب نوشی سے حفاظت فرمائے۔ آمین۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ولا غليظا يجرح .ولا يرفع الضارب يده فوق رأسه بحيث يبدو بياض إبطه، ويتقى المقاتل، ويفرق الجلدات على بدنه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵، ص۲۴۷، مادة "جلد"، كيفية الجلد)

[1] لا يثبت حد الشرب بوجود رائحة الخمر فى فم الشارب فى قول أكثر أهل العلم، منهم: الثورى، وأبو حنيفة، والشافعى، وأحمد فى إحدى روايتين عنه، وهى المذهب .وقالوا :يحتمل أنه تمضمض بالخمر أو حسبها ماء فلما صارت فى فمه مجها، ويحتمل أن يكون مكرها، أو شرب شراب التفاح فإنه يكون منه كرائحة الخمر، وبوجود الاحتمال لم يجب الحد؛ لأنه يدرأ بالشبهات. وقال المالكية :يثبت حد الشرب بوجود الرائحة، وهى رواية أبى طالب عن أحمد، وقالوا :إن ابن مسعود جلد رجلا وجد منه رائحة الخمر؛ ولأن الرائحة تدل على شربه للخمر، فأجرى مجرى الإقرار. والتفصيل فى :(سكر) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۲، ص۴۲، مادة "رائحة"، ثبوت حد الشرب بوجود الرائحة)

(فصل نمبر ۵)

زنا کے جرم کی قانونی سزا

عزت و آبرو بھی انسان کا بڑا سرمایہ ہے، اور زنا (Adultery) سے انسان کی عزت و آبرو متاثر ہوتی ہے، نیز زنا کے ذریعہ سے نسلِ انسانی بھی متاثر ہوتی ہے، اور وہ اس طرح سے کہ زنا کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی اولاد کے حقوق ضائع ہوتے ہیں، اور انسان کے خاندانی رشتہ کا سلسلہ تباہ ہوتا ہے، نیز زنا حیوانی خصلت ہے کہ حیوانوں میں اپنی شہوت پوری کرنے کے راستے متعین نہیں ہوتے، اور ان میں حلال وحرام کی کوئی تمیز نہیں ہوتی، جبکہ انسان کے لئے شہوت پوری کرنے کے جائز راستے متعین ہیں۔

اس کے علاوہ زنا کی طلب ایک ایسی خواہش ہے کہ جس کی خاطر انسان دنیا میں بڑے بڑے جرائم کا مرتکب ہوتا ہے، اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے اگر اس کو مال کی ضرورت ہو، تو ناجائز طریقہ پر مال حاصل کرتا ہے، اور اگر کسی کی جان سے تعرض کرنا پڑے، تو اس سے بھی نہیں چوکتا، اس حیثیت سے زنا دنیا میں کئی اعتبار سے فساد کا باعث ہے، دینِ اسلام نے اس فساد کے خاتمہ کے لئے زنا کے جرم پر بھی سزا مقرر کی ہے۔

جس کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

قرآن مجید میں زانی اور زانیہ کی سزا

اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ:

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيُ فَاجۡلِدُوۡا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا مِائَةَ جَلۡدَةٍ وَّلَا تَأۡخُذۡكُمۡ بِهِمَا رَأۡفَةٌ فِيۡ دِيۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَلۡيَشۡهَدۡ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ (سورة النور، رقم الآية ۲)

ترجمہ: بدکاری کرنے والی عورت اور بدکاری کرنے والا مرد (جب ان کی بدکاری

ثابت ہو جائے تو) دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو، تمہیں ان دونوں کے بارے میں اللہ کے دین (کا حکم کوڑے لگانے کی صورت میں پورا کرنے) میں ترس نہ آئے، اگر تم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو، اور چاہیے کہ ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت حاضر ہو (سورہ نور)

مطلب یہ ہے کہ زانی اور زانیہ کو سزا دینا، دین اور اللہ کا حکم ہے، اور اس سزا کو جاری کرنے میں ترس نہیں آنا چاہئے، اور ان کی سزا کو لوگوں کے سامنے جاری کرنا چاہئے، تاکہ لوگوں کو اس بُرے فعل سے نفرت پیدا ہو، اور اس کی سزا سے لوگ عبرت حاصل کریں۔

اور قرآن مجید میں ہی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَاللَّاتِيْ يَأْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَائِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِّنْكُمْ فَإِنْ شَهِدُوْا فَأَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفَّاهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا (سورة النسآء، رقم الآية ۱۵)

ترجمہ: تمہاری عورتوں میں جو بدکاری کا ارتکاب کر بیٹھیں ان پر اپنے لوگوں میں سے چار لوگوں کی شہادت (وگواہی) لو، پھر اگر وہ گواہی دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں روک کر رکھو، یہاں تک کہ موت ان کا کام تمام کر دے یا اللہ ان کے لیے کوئی اور راستہ پیدا کر دے (سورہ نسآء)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ زنا کی حد جاری ہونے کے لئے چار گواہوں کی گواہی ضروری ہے، اور گھروں میں روکنے کا حکم یا ان کے لئے اللہ کی طرف سے کوئی سبیل پیدا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یا تو ان کے بارے میں حاکم کے پاس زنا شرعی طریقہ پر ثابت ہونے سے حد لگا دی جائے، یا پھر تعزیر و تنبیہ کی جائے۔ [۱]

---

[۱] اختلفوا فی ان الإمساک فی البیت هل کان حدا فنسخ أم کان حبسا لیظهر الحد والصحیح عندی انه لم ینسخ بل الله سبحانه امر بالحبس الی ان ینزل الحد فیجری علیه وبعد نزول الحد هذا الحکم باق حتی یقام علیه الحدّ قال فی الهدایة قال فی الأصل یحبسه یعنی الحاکم حتی یسئل یعنی عن عدالة الشهود (التفسیر المظهری، ج۲ص۴۵، سورة النسآء)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، لَوْ وَجَدْتُ مَعَ أَهْلِيْ رَجُلًا لَمْ أَمَسَّهُ حَتّٰى آتِيَ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ؟ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: نَعَمْ، قَالَ: كَلَّا وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ، إِنْ كُنْتُ لَأُعَاجِلُهُ بِالسَّيْفِ قَبْلَ ذٰلِكَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِسْمَعُوْا إِلٰى مَا يَقُوْلُ سَيِّدُكُمْ، إِنَّهُ لَغَيُوْرٌ، وَأَنَا أَغْيَرُ مِنْهُ، وَاللّٰهُ أَغْيَرُ مِنِّيْ (مسلم، رقم الحديث ۱۴۹۸ ”۱۶“)[1]

ترجمہ: حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اگر میں اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر آدمی کو پاؤں تو کیا میں اسے اس وقت تک ہاتھ نہ لگاؤں جب تک کہ میں چار گواہ نہ لے آؤں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جی ہاں، انہوں نے عرض کیا کہ ہرگز نہیں قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں جلدی میں اس سے پہلے ہی اس شخص کو قتل کر دوں گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (لوگوں کو مخاطب ہوکر) فرمایا کہ تم اپنے سردار کی بات سنو، وہ کیا فرما رہے ہیں، بے شک وہ غیرت مند ہیں، اور میں ان سے زیادہ غیرت مند ہوں، اور اللہ مجھ سے بھی زیادہ غیرت مند ہے (مسلم)

مطلب یہ ہے کہ گواہوں کے ثبوت کے بغیر شوہر کا بیوی کے متعلق زنا کا دعویٰ معتبر نہیں، اور اگر شوہر کے پاس چار گواہ نہ ہوں تو پھر لعان کا حکم ہے، جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

قرآن وسنت کے مذکورہ دلائل کے پیشِ نظر فقہائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ زنا کی حد جاری ہونے کے لئے چار عینی یعنی چشم دید گواہوں کا عدد پورا ہونا ضروری ہے، الّا یہ کہ زنا کرنا، زانی کے خود اپنے اقرار کرنے سے ثابت ہو، جس کا ذکر آگے آتا ہے۔[2]

---

[1] كتاب الطلاق، باب انقضاء عدة المتوفى عنها زوجها، وغيرها بوضع الحمل.

[2] اتفق الفقهاء على أنه يشترط في حد الزنى أن لا يقل عدد الشهود عن أربعة لقوله تعالى: (واللاتي يأتين الفاحشة من نسائكم فاستشهدوا عليهن أربعة منكم) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷ ص۱۳۷، مادة ”حدود“ عدد الأربعة)

www.idaraghufran.org

تورات میں زانی کی سزا کا ذکر

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ الْيَهُوْدَ جَاءُ وْا إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَذَكَرُوْا لَهٗ أَنَّ رَجُلًا مِنْهُمْ وَامْرَأَةً زَنَيَا، فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا تَجِدُوْنَ فِي التَّوْرَاةِ فِيْ شَأْنِ الرَّجْمِ ،فَقَالُوْا: نَفْضَحُهُمْ وَيُجْلَدُوْنَ، فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ: كَذَبْتُمْ إِنَّ فِيْهَا الرَّجْمَ فَأَتَوْا بِالتَّوْرَاةِ فَنَشَرُوْهَا، فَوَضَعَ أَحَدُهُمْ يَدَهٗ عَلٰى آيَةِ الرَّجْمِ، فَقَرَأَ مَا قَبْلَهَا وَمَا بَعْدَهَا، فَقَالَ لَهٗ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ: اِرْفَعْ يَدَكَ، فَرَفَعَ يَدَهٗ فَإِذَا فِيْهَا آيَةُ الرَّجْمِ، فَقَالُوْا: صَدَقَ يَا مُحَمَّدُ، فِيْهَا آيَةُ الرَّجْمِ، فَأَمَرَ بِهِمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرُجِمَا، قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: فَرَأَيْتُ الرَّجُلَ يَجْنَأُ عَلَى الْمَرْأَةِ يَقِيْهَا الْحِجَارَةَ (بخاری) [1]

ترجمہ: یہود کی ایک جماعت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں (ایک دن) حاضر ہو کر عرض کیا کہ ان کی قوم میں سے ایک مرد اور ایک عورت نے زنا کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تورات میں رجم (یعنی پتھر برسا کر مارنے) کے بارے میں تم کیا (حکم) پاتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم زنا کرنے والے کو ذلیل و رسوا کرتے ہیں اور ان کے درے لگائے جاتے ہیں، حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا کہ تم جھوٹے ہو، تورات میں تو (زانی اور زانیہ کے لئے) رجم (یعنی پتھر برسانے یا سنگسار کرنے) کا حکم ہے، تورات لاؤ، چنانچہ انہوں نے تورات کو کھولا ان میں سے ایک شخص نے تورات کی رجم والی آیت پر

---

[1] رقم الحدیث ۳۶۳۵، کتاب المناقب، باب قول اللہ تعالیٰ: یعرفونه کما یعرفون أبناء هم وإن فریقا منهم لیکتمون الحق وهم یعلمون.

ہاتھ رکھ کر اس کو چھپالیا اور آگے پیچھے کا مضمون پڑھتا رہا، حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا کہ ذرا اپنا ہاتھ ہٹاؤ، چنانچہ اس نے اپنا ہاتھ ہٹایا تو وہاں رجم کی آیت موجود تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں زانیوں کو رجم کا حکم دیا وہ دونوں سنگسار کر دیئے گئے، عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ میں نے (زانی) مرد کو دیکھا کہ وہ (زنا کئے جانے والی) عورت پر جھکا پڑتا تھا اور اس کو پتھروں سے بچانا چاہتا تھا (بخاری)

اس سے معلوم ہوا کہ تورات میں زانی اور زانیہ کے لئے رجم کرنے کا حکم تھا، جس سے مراد پتھروں سے سنگسار کر کے مارنا ہے، شادی شُدہ، مرد اور عورت اگر زنا کریں، تو ان کے لئے رجم یعنی سنگسار کرنے کا حکم اسلام میں بھی ہے۔

احادیث میں شادی شدہ کے زنا کی سزا

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ عُمَرُ: لَقَدْ خَشِيتُ أَنْ يَّطُوْلَ بِالنَّاسِ زَمَانٌ، حَتّٰى يَقُوْلَ قَائِلٌ: لَا نَجِدُ الرَّجْمَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ، فَيَضِلُّوْا بِتَرْكِ فَرِيْضَةٍ أَنْزَلَهَا اللّٰهُ، أَلَا وَإِنَّ الرَّجْمَ حَقٌّ عَلَى مَنْ زَنٰى وَقَدْ أَحْصَنَ، إِذَا قَامَتِ الْبَيِّنَةُ، أَوْ كَانَ الْحَبَلُ أَوِ الْإِعْتِرَافُ، قَالَ سُفْيَانُ: كَذَا حَفِظْتُ، أَلَا وَقَدْ رَجَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَجَمْنَا بَعْدَهٗ (بخاری) [1]

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ جب لوگوں پر زمانہ لمبا ہو جائے (یعنی کچھ زمانہ گزر جائے) تو کوئی کہنے والا یہ کہے کہ ہم اللہ کی کتاب میں رَجم کا ذکر نہیں پاتے، پھر وہ لوگ اس فریضہ کو چھوڑنے کی وجہ سے

[1] رقم الحدیث ۶۸۲۹، کتاب الحدود، باب الاعتراف بالزنا.

IdaraGhufran

گمراہ ہوجائیں، جس کو اللہ نے نازل فرمایا ہے، خبردار بلاشبہ رجم حق ہے، اس پر جس نے شادی شدہ ہونے کے بعد زنا کیا، جبکہ گواہوں سے ثبوت ہوجائے یا (عورت کے) حمل سے ثبوت ہوجائے یا خود اعتراف (واقرار) کرنے سے ثبوت ہوجائے، حضرت سفیان نے فرمایا کہ میں نے اسی طرح محفوظ کیا، یادرکھو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (شادی شدہ زانی کو) رجم کیا، اور آپ کے بعد ہم نے رجم کیا (بخاری)

اور ایک روایت میں ہے کہ:

إِنَّ اللّٰهَ بَعَثَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحَقِّ، وَأَنْزَلَ عَلَيْهِ الْكِتَابَ، فَكَانَ مِمَّا أَنْزَلَ اللّٰهُ آيَةُ الرَّجْمِ، فَقَرَأْنَاهَا وَعَقَلْنَاهَا وَوَعَيْنَاهَا، رَجَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَجَمْنَا بَعْدَهُ، فَأَخْشَى إِنْ طَالَ بِالنَّاسِ زَمَانٌ أَنْ يَّقُوْلَ قَائِلٌ: وَاللّٰهِ مَا نَجِدُ آيَةَ الرَّجْمِ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ، فَيَضِلُّوْا بِتَرْكِ فَرِيْضَةٍ أَنْزَلَهَا اللّٰهُ، وَالرَّجْمُ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ حَقٌّ عَلٰى مَنْ زَنٰى إِذَا أُحْصِنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ، إِذَا قَامَتِ الْبَيِّنَةُ، أَوْ كَانَ الْحَبَلُ أَوِ الْاِعْتِرَافُ (بخاری) [1]

ترجمہ: بے شک اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، اور آپ پر کتاب نازل فرمائی ہے، پس اللہ نے جو کچھ نازل فرمایا، اس میں رجم کی آیت بھی تھی، جس کو ہم نے پڑھا اور سمجھا اور محفوظ کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا، اور ہم نے آپ کے بعد رجم کیا، مجھے خوف ہے کہ جب لوگوں پر زمانہ لمبا ہوجائے گا (یعنی کچھ زمانہ گزر جائے گا) تو کوئی کہنے والا یہ کہے گا کہ اللہ کی قسم ہم اللہ کی کتاب میں رَجم کا ذکر نہیں پاتے، پھر وہ لوگ اس فریضہ کو چھوڑنے کی وجہ

---

[1] رقم الحدیث ۶۸۳۰، کتاب الحدود، باب رجم الحبلی من الزنا إذا أحصنت، مسلم، رقم الحدیث ۱۶۹۱ ''۱۵''

www.idaraghufran.org

سے گمراہ ہوجائیں گے، جس کو اللہ نے نازل فرمایا ہے، اور رجم (کا حکم) اللہ کی کتاب میں حق ہے اس شخص پر جس نے شادی شدہ ہونے کے بعد زنا کیا، خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں، جبکہ گواہوں سے ثبوت ہوجائے یا (عورت کے) حمل سے ثبوت ہوجائے یا خود اعتراف (واقرار) کرنے سے ثبوت ہوجائے (بخاری)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: لَقَدْ خَشِيتُ أَنْ يَّطُوْلَ بِالنَّاسِ زَمَانٌ حَتّٰى يَقُوْلَ قَائِلٌ: مَا أَجِدُ الرَّجْمَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ، فَيَضِلُّوْا بِتَرْكِ فَرِيْضَةٍ مِنْ فَرَائِضِ اللّٰهِ، أَلَا وَإِنَّ الرَّجْمَ حَقٌّ، إِذَا أُحْصِنَ الرَّجُلُ وَقَامَتِ الْبَيِّنَةُ، أَوْ كَانَ حَمْلٌ أَوْ اِعْتِرَافٌ، وَقَدْ قَرَأْتُهَا اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ إِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوْهُمَا اَلْبَتَّةَ رَجَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَجَمْنَا بَعْدَهٗ (سنن ابن ماجه، رقم الحديث ۲۵۵۳، كتاب الحدود، باب الرجم)

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ طویل زمانہ گزرنے کے بعد کوئی یہ کہنے لگے کہ میں نے اللہ کی کتاب میں رجم (یعنی سنگسار) کرنے کی سزا نہیں پائی، پھر لوگ اللہ کے فرائض میں سے ایک اہم فریضہ ترک کر کے گمراہ ہوجائیں، خبردار رجم (یعنی سنگسار) کرنا حق ہے، بشرطیکہ مرد محصن (یعنی شادی شُدہ) ہو، اور گواہ قائم ہوں یا حمل ہو یا زنا کا اعتراف ہو اور میں نے یہ آیت پڑھی ہے کہ بوڑھا اور بوڑھی (یعنی شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت) جب زنا کریں تو ان کو ضرور رجم کرو اور اس کے بعد اللہ کے رسول نے رجم کیا اور ہم نے بھی رجم کیا (ابنِ ماجہ)

معلوم ہوا کہ شادی شُدہ مرد وعورت کے زنا کرنے پر رجم یعنی سنگسار کرنے کا حکم بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے، اور اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام نے عمل کیا ہے۔

ملحوظ رہے کہ غیر شادی شدہ عورت کے صرف حاملہ ہونے کی بنیاد پر اس پر زنا کی حد جاری نہیں کی جائے گی، تا آنکہ گواہوں یا مرد کے اعتراف سے ایسے زنا کا ثبوت نہ ہو جائے، جو حد جاری ہونے کا سبب ہے۔

کیونکہ بعض اوقات کسی عورت سے صحبت شبہ کی بنیاد پر یا جبر و اکراہ کے ساتھ بھی کر لی جاتی ہے، جس پر حد جاری نہیں کی جاتی۔ [1]

حضرت کثیر بن صلت رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ سَعِيْدُ بْنُ الْعَاصِ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ يَكْتُبَانِ الْمَصَاحِفَ، فَمَرُّوْا عَلٰى هٰذِهِ الْآيَةِ، فَقَالَ زَيْدٌ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ إِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوْهُمَا اَلْبَتَّةَ، فَقَالَ عُمَرُ: لَمَّا أُنْزِلَتْ أَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ: أَكْتُبْنِيْهَا، قَالَ شُعْبَةُ: فَكَأَنَّهُ كَرِهَ ذٰلِكَ، فَقَالَ عُمَرُ: أَلَا تَرَى أَنَّ الشَّيْخَ إِذَا لَمْ يُحْصَنْ جُلِدَ، وَأَنَّ الشَّابَّ إِذَا زَنٰى وَقَدْ أُحْصِنَ رُجِمَ (مسند احمد، رقم الحديث ۲۱۵۹۶) [2]

---

[1] ذهب جمهور الفقهاء -الحنفية والشافعية والحنابلة -إلى عدم ثبوت حد الزنى بظهور الحمل فى امرأة لا زوج لها وأنكرت الزنى؛ لجواز أن يكون من وطء شبهة أو إكراه، والحد يدرأ بالشبهة، وقد روى عن سعيد أن امرأة رفعت إلى عمر ليس لها زوج وقد حملت، وسألها عمر، فقالت :إنى امرأة ثقيلة الرأس وقع على رجل وأنا نائمة، فما استيقظت حتى نزع فدرأ عنها الحد، وروى عن على وابن عباس أنهما قالا :إذا كان فى الحد "لعل " "وعسى "فهو معطل، وقد صرح الحنابلة بأنها تسأل، ولا يجب سؤالها .وذهب المالكية إلى ثبوت حد الزنى بظهور حمل امرأة لا زوج لها، فتحد ولا يقبل دعواها الغصب على ذلک بلا قرينة تشهد لها بذلک، أما مع قرينة تصدقها فتقبل دعواها ولا تحد، كأن تأتى مستغيثة منه، أو تأتى البكر تدعى عقب الوطء ، وكذا لا تقبل دعواها أن هذا الحمل من منى شربه فرجها فى الحمام، ولا من وطء جنى إلا لقرينة مثل كونها عذراء وهى من أهل العفة .والمراد بالزوج زوج يلحق به الحمل فيخرج المجبوب والصغير، أو أتت به كاملا لدون ستة أشهر من العقد فتحد .ومثل المرأة التى لا زوج لها الأمة التى أنكر سيدها وطأها فتحد (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴، ص ۴۲،۴۳، مادة "زنى" ظهور الحمل)

[2] فى حاشية مسند احمد: رجاله ثقات رجال الشيخين غير كثير بن الصلت، فقد روى له النسائى، وهو ثقة.

ترجمہ: حضرت سعید بن عاص اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما مصاحفِ قرآنی (یعنی قرآن کی آیات اور نسخے) لکھنے پر مامور تھے (لکھتے لکھتے) جب وہ اس (زنا کی سزا والی) آیت پر پہنچے تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا ہے کہ جب کوئی شادی شدہ مرد وعورت زنا کریں تو بہر حال انہیں رجم کرو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر فرمایا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تھی تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور عرض کیا تھا کہ مجھے یہ آیت لکھوا دیجئے، حضرت شعبہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ناپسند کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بوڑھا جب شادی شدہ نہ ہو، تو اس کو کوڑے لگائیں جائیں گے، اور جوان جب شادی شدہ ہو کر زنا کرے، تو اسے رجم کیا جائے گا (مسند احمد)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

وَإِنْ كُنَّا لَنَقْرَأُ فِيهَا: وَالشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ إِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوْهُمَا أَلْبَتَّةَ نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ، فَرُفِعَ فِيْمَا رُفِعَ (مسند ابی داوٗد الطیالسی، رقم الحدیث ۵۴۲، ج ۱ ص ۴۳۶)

ترجمہ: اور ہم سورہ احزاب میں اس کی قرائت کرتے تھے کہ بوڑھا اور بوڑھی (یعنی شادی شدہ مرد وعورت) جب زنا کریں، تو تم انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے سزا کے طور پر ضرور رجم کرو، پھر اس کی قرائت کو اٹھا لیا (یعنی منسوخ کر دیا) گیا (ابوداؤد طیالسی)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

كُنَّا نَقْرَأُ: اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ إِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوْهُمَا اَلْبَتَّةَ، قَالَ: فَقَالَ مَرْوَانُ: أَفَلَا نَجْعَلُهٗ فِي الْمُصْحَفِ؟ قَالَ: لَا، أَلَا تَرَى الشَّابَّيْنِ

Idara Ghufran

الثَّيِّبَيْنِ يُرْجَمَانِ؟ قَالَ: وَقَالَ: ذَكَرُوْا ذٰلِكَ وَفِيْنَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: أَنَا أَشْفِيْكُمْ مِنْ ذَاكَ، قَالَ: قُلْنَا: كَيْفَ؟ قَالَ: آتِي النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَذْكُرُ كَذَا وَكَذَا، فَإِذَا ذَكَرَ الرَّجْمَ أَقُوْلُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أُكْتُبْنِيْ آيَةَ الرَّجْمِ، قَالَ: فَأَتَيْتُهُ فَذَكَرْتُهُ، قَالَ: فَذَكَرَ آيَةَ الرَّجْمِ، قَالَ: فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أُكْتُبْنِيْ آيَةَ الرَّجْمِ، قَالَ: لَا أَسْتَطِيْعُ ذَاكَ، فِيْ هٰذَا وَمَا قَبْلَهُ دَلَالَةٌ عَلٰى أَنَّ آيَةَ الرَّجْمِ حُكْمُهَا ثَابِتٌ، وَتِلَاوَتُهَا مَنْسُوْخَةٌ وَهٰذَا مِمَّا لَا أَعْلَمُ فِيْهِ خِلَافًا (سنن البیهقی) [1]

ترجمہ: ہم یہ قرائت کیا کرتے تھے کہ بوڑھا اور بوڑھی جب زنا کریں، تو تم انہیں لازماً رجم کرو، تو مروان نے کہا کہ کیا ہم اسے قرآن مجید میں شامل نہ کردیں، حضرت زید بن ثابت نے فرمایا کہ نہیں، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ جوان شادی شدہ مرد اور عورت کو رجم کیا جاتا ہے، حضرت زید بن ثابت نے فرمایا کہ لوگوں نے اس بات کا اس وقت ذکر کیا، جبکہ ہمارے درمیان حضرت عمر رضی اللہ عنہ موجود تھے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تمہیں اس کا شافی جواب دیتا ہوں، ہم نے کہا کہ کیسے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتا تھا، اور ایسا ویسا ذکر کرتا تھا، پس جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کا ذکر کیا، تو میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! آپ مجھے آیتِ رجم لکھ دیجئے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اس کی قدرت نہیں (امام بیہقی رحمہ اللہ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ) اس حدیث میں اور اس سے پہلی حدیث میں اس بات کی دلالت موجود ہے کہ رجم کی آیت کا حکم باقی ہے، اور اس کی تلاوت منسوخ ہوچکی ہے، اور یہ ان مسائل میں سے ہے کہ جس میں ہمارے

---

[1] رقم الحديث ١٦٩١٣، كتاب الحدود، باب ما يستدل به على أن السبيل هو جلد الزانيين ورجم الثيب.

علم کے مطابق کوئی اختلاف نہیں (بیہقی)

اس مضمون کی اور بھی کئی روایتیں ہیں۔ ۱

۱ عن محمد، قال :نبئت عن ابن أخی کثير بن الصلت، قال :کنا عند مروان، وفينا زيد بن ثابت، فقال زيد :کنا نقرأ :الشيخ والشيخة فارجموهما ألبتة فقال مروان :ألا تجعله فی المصحف قال :قال :ألا ترى أن الشابين الثيبين يرجمان؟ ذكرنا ذلک وفينا عمر فقال :أنا أشفيکم قلنا :وكيف ذلک؟ قال :أذهب إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، إن شاء الله فأذكر كذا وكذا فإذا ذكر أية الرجم فأقول :يا رسول الله، أكتبنی آية الرجم قال :فأتاه فذكر ذلک له فذكر آية الرجم فقال :يا رسول الله، أكتبنی آية الرجم قال :لا أستطيع(السنن الكبرىٰ للنسائی، رقم الحديث ۷۱۱۰)

قال الالبانی:قلت :ورجاله ثقات غير شيخ محمد، فإنه لم يسم، وقد أشار إلى صحته البيهقی بقوله عقبه " :فی هذا وما قبله دلالة على أن آية الرجم حكمها ثابت،وتلاوتها منسوخة، وهذا مما لا أعلم فيه خلافا ."وأورده السيوطی فی "الدر المنثور "من رواية النسائی وأبی يعلى نحوه ببعض اختصار بلفظ " :لا أستطيع الآن.

وأما حديث أبی، فيرويه عاصم بن بهدلة عن زر قال :قال لی أبی بن كعب :كائن تقرأ سورة (الأحزاب) ، أو كائن تعدها؟ قال :قلت :ثلاثا وسبعين آية .قال :قط، لقد رأيتها وإنها لتعادل سورة (البقرة) ، ولقد قرأنا فيها " :الشيخ والشيخة" ..، وزاد " :نكالا من الله، والله عليم حكيم ." أخرجه النسائی (۷۱۴۱)وابن حبان(۱۷۵۰/۲/۳۰۱ و ۴۴۱۲)والحاكم(۲/۴۱۵ و۴/۳۵۹) والبيهقی أيضا، وعبد الرزاق فی "المصنف (۳/۳۶۵/۵۹۹۰)"والطيالسی (۵۴۰)وعبد الله بن أحمد (۵/۱۳۲) والضياء فی "المختارة " (۳/۳۷۰-۳۷۱)وقال الحاكم " :صحيح الإسناد ." ووافقه الذهبی،وهو كما قالا، على ما سبق بيانه تحت الحديث الأول رقم(۲۹۰۸) وزاد الطيالسی فی آخر الحديث " :فرفع فيما رفع ."وفی سندها ابن فضالة، واسمه مبارک،وهو مدلس، وقد عنعن .وقد توبع عاصم على أصل الحديث من يزيد بن أبی زياد عن زر بن حبيش به .أخرجه عبد الله بن أحمد أيضا .ويزيد هو الهاشمی مولاهم،ولا بأس به فی المتابعات.

وأما حديث العجماء ، فيرويه الليث بن سعد عن سعيد بن أبی هلال عن مروان بن عثمان عن أبی أمامة بن سهل أن خالته (وقال الطبرانی :العجماء) أخبرته قالت :لقد أقرأنا رسول الله صلى الله عليه وسلم آية الرجم " :الشيخ والشيخة فارجموهما البتة، بما قضيا من اللذة ."أخرجه النسائی (۷۱۴۶)والحاكم(۴/۳۵۹)والطبرانی فی "المعجم الكبير(۲۴/۳۵۰/۸۶۷) "وقال الحاكم ": صحيح الإسناد ."ووافقه الذهبی .وأقول: رجاله ثقات رجال الشيخين غير مروان بن عثمان، وهو ابن أبی سعيد بن المعلى الأنصاری الزرقی، غمزه النسائی، وقال أبو حاتم :ضعيف .وأما ابن حبان فذكره فی "الثقات (۷/۴۸۲)"وقال الذهبی فی "الكاشف " :"مختلف فی توثيقه !"قلت :فلم يصنع شيئا .وقد أورده فی "المغنی "، وذكر تضعيف أبی حاتم إياه، وغمز النسائی له، ولم يتعرض لذكر توثيق ابن حبان، وهو الصواب هنا، ولذلک جزم الحافظ فی "التقريب "بأنه "ضعيف ."

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ: رَجَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَرَجَمَ أَبُوْ بَكْرٍ، وَرَجَمْتُ، وَلَوْلَا أَنِّیْ أَكْرَهُ أَنْ أَزِيْدَ فِیْ كِتَابِ اللّٰهِ لَكَتَبْتُهٗ فِی الْمُصْحَفِ، فَإِنِّیْ قَدْ خَشِيْتُ أَنْ تَجِیْءَ أَقْوَامٌ فَلَا يَجِدُوْنَهٗ فِیْ كِتَابِ اللّٰهِ فَيَكْفُرُوْنَ بِهٖ (سنن الترمذی) [1]

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ (شادی شدہ زانی وزانیہ کو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا، اور حضرت ابوبکر نے رجم کیا، اور میں نے رجم کیا، اور اگر میں کتابُ اللہ میں زیادتی کو ناپسند نہ کرتا تو مصحف (یعنی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال فی "الإصابة " :"متروک ."انظر "الضعیفة(٦٣٧١) "

إذا علـمت ما تقدم، فاتفاق هؤلاء الصحابة رضی الله عنهم علی روایة هذه الأحادیث الصریحة فی رفع تلاوة بعض الآیات القرآنیة، هو من أکبر الأدلة علی عدالتهم وأدائهم للأمانة العلمیة، وتجردهم عن الهوی، خلافا لأهل الأهواء الذین لا یستسلمون للنصوص الشرعیة، ویسلطون علیها تأویلاتهم العقلیة، کما تقدم عن بعض المعلقین !ولا ینافی تلک الأحادیث قول ابن عباس لما سئل :أترک النبی صلی الله علیه وسلم من شیء ؟ فقال " :ما ترک إلا ما بین الدفتین ."رواه البخاری(٥٠١٩) .فإنه إنما أراد من القرآن الذی یتلی، کما فی "الفتح "، ومن الدلیل علی ذلک أن ابن عباس من جملة من روی شیئا من ذلک کما یدل علیه قوله فی الحدیث المتقدم(٢٩٠٩) " صدق الله ورسوله :لو کان ." ..ثم قال الحافظ (٦٥/٩)فی آخر شرحه لحدیث ابن عباس ": ویؤید ذلک ما ثبت عن جماعة من الصحابة من ذکر أشیاء نزلت من القرآن فنسخت تلاوتها، وبقی أمر حکمها أو لم یبق مثل حدیث عمر " :الشیخ والشیخة إذا زنیا فارجموهما البتة ." وحدیث أنس فی قصة القراء الذین قتلوا فی بئر معونة، قال :فأنزل الله فیهم قرآنا " :بلغوا عنا قومنا أنا لقد لقینا ربنا "، وحدیث أبی بن کعب " :کانت الأحزاب قدر البقرة ."وحدیث حذیفة: "ما یقرؤون ربعها .یعنی براءة ."وکلها أحادیث صحیحة .وقد أخرج ابن الضریس من حدیث ابن عمر أنه "کان یکره أن یقول الرجل :قرأت القرآن کله، ویقول :إن منه قرآنا قد رفع، ولیس فی شیء من ذلک ما یعارض حدیث الباب لأن جمیع ذلک مما نسخت تلاوته فی حیاة النبی صلی الله علیه وسلم "(سلسلة الاحادیث الصحیحة، تحت رقم الحدیث ٢٩١٣)

[1] رقم الحدیث ١٤٣١، ابواب الحدود، باب ما جاء فی تحقیق الرجم.

قال الترمذی: وفی الباب عن علی :حدیث عمر حدیث حسن صحیح، وروی من غیر وجه عن عمر.

قرآن مجید) میں (شادی شدہ کے زنا کی سزا کو) لکھوا دیتا، اس لیے کہ مجھے اندیشہ ہے کہ (بعد میں) کچھ ایسے لوگ نہ آ جائیں جو رجم کو کتابُ اللہ میں نہ پا کر اس کا انکار کردیں (ترمذی)

مذکورہ احادیث وروایات سے معلوم ہوا کہ شادی شدہ مرد وعورت کے زنا کی سزا رجم ہے، جس کی پہلے آیت نازل ہوئی تھی، بعد میں اس آیت کی تلاوت بحکمتِ الٰہی منسوخ ہوگئی، لیکن اس کا حکم پھر بھی برقرار رکھا گیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِءٍ مُسْلِمٍ إِلَّا بِإِحْدَى ثَلَاثٍ: رَجُلٌ زَنٰى بَعْدَ إِحْصَانِهِ فَعَلَيْهِ الرَّجْمُ، أَوْ قَتَلَ عَمْدًا فَعَلَيْهِ الْقَوَدُ، أَوِ ارْتَدَّ بَعْدَ إِسْلَامِهِ فَعَلَيْهِ الْقَتْلُ (سنن النسائی) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مسلمان آدمی کا خون تین چیزوں میں سے کسی ایک چیز کی وجہ سے ہی حلال ہوتا ہے؛ ایک تو وہ آدمی جو شادی شدہ ہونے کے بعد زنا کرے، تو اس پر رجم (یعنی سنگسار کرنا) ہے، دوسرے وہ جو کسی کو جان بوجھ کر قتل کرے، تو اس پر قصاص ہے، تیسرے وہ آدمی جو اسلام لانے کے بعد مرتد ہوجائے، تو اس پر قتل ہے (نسائی)

اس طرح کی اور بھی کئی احادیث ہیں، جن سے شادی شدہ زانی، اور زانیہ کے رجم کئے جانے کی سزا کا ثبوت ہوتا ہے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

لَمَّا أَتَى مَاعِزُ بْنُ مَالِكٍ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ: لَعَلَّكَ قَبَّلْتَ، أَوْ غَمَزْتَ، أَوْ نَظَرْتَ قَالَ: لَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، قَالَ: أَنِكْتَهَا، لَا

---

[1] رقم الحديث ۴۰۵۷، كتاب تحريم الدم، باب الحكم فى المرتد.

www.idaraghufran.org

یَکْنِیْ، قَالَ: فَعِنْدَ ذٰلِکَ أَمَرَ بِرَجْمِہٖ (بخاری) ۱؎

ترجمہ: جب ماعز بن مالک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور زنا کا اقرار کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم نے شاید (عورت کو صرف) چھوا ہوگا، شاید تم نے (اس عورت کا) بوسہ لیا ہوگا، یا (اس عورت کو) دیکھا ہوگا، انہوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم نے اس سے صحبت کی ہے؟ یعنی بغیر اشارہ وکنایہ کے دریافت کیا، راوی کا بیان ہے کہ اس (اعتراف) کے بعد آپ نے رجم (یعنی سنگسار) کرنے کا حکم دیا (بخاری)

اس طرح کی روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی مروی ہے۔ ۲؎

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَجُلًا زَنٰی فَأَمَرَ بِہِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَجُلِدَ ثُمَّ أَخْبَرَ أَنَّہٗ قَدْ کَانَ أُحْصِنَ فَأَمَرَ بِہٖ فَرُجِمَ (شرح معانی الآثار للحطاوی) ۳؎

ترجمہ: ایک آدمی نے زنا کیا تو اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوڑے مارے جانے کا حکم دیا، پھر اس نے بتلایا کہ وہ شادی شدہ ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے رجم (یعنی سنگسار) کرنے کا حکم فرمایا (طحاوی)

قرآنی آیات اور مذکورہ احادیث وروایات کے پیشِ نظر فقہائے امت کا اس پر اتفاق ہے کہ

۱؎ رقم الحدیث ۶۸۲۴، کتاب الحدود، باب :ھل یقول الإمام للمقر :لعلک لمست أو غمزت.

۲؎ عن الشعبی :أن شراحة الھمدانیة، أتت علیا، فقالت :إنی زنیت .فقال ": لعلک غیری، لعلک رأیت فی منامک، لعلک استکرھت "، وکل ذلک تقول : لا،فجلدھا یوم الخمیس، ورجمھا یوم الجمعة وقال " :جلدتھا بکتاب اللہ، ورجمتھا بسنة نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم(مسند أحمد،رقم الحدیث ۱۱۸۵)

فی حاشیة مسند احمد: حدیث صحیح، رجالہ ثقات رجال الشیخین.

۳؎ رقم الحدیث ۴۸۴۶، کتاب الحدود، باب حد الزانی المحصن ما ھو ؟

www.idaraghufran.org

غیر شادی شدہ مرد یا عورت کے زنا کی سزا سو کوڑے ہیں، اور شادی شدہ مرد یا عورت کے زنا کی حد رجم ہے۔ [1]

شادی شدہ اور غیر شادی شدہ کی سزا میں جو مذکورہ فرق رکھا گیا ہے، وہ عقلِ سلیم کے عین مطابق ہے، کیونکہ غیر شادی شدہ کے لئے جائز طریقہ پر اپنی شرمگاہ کی شہوت کو پوری کرنے کی صورت مشکل میسر ہوتی ہے، جبکہ شادی شدہ کے لئے اپنے زوج یا زوجہ کے ساتھ آسان ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ شادی شدہ کے زنا کرنے میں زوجیت کی حق تلفی بھی لازم آتی ہے، کہ شادی ونکاح ہونے کے بعد عورت کو شوہر سے اور شوہر کو عورت سے صحبت کرنا ایک دوسرے کے حق میں داخل ہے، نیز شادی شُدہ کا زنا کرنا، غیر شادی شُدہ کے زنا کرنے کے مقابلہ میں سخت فتنہ کا باعث ہے۔

چنانچہ شادی شُدہ مرد کا زنا کرنا اُس کی غیرت مند بیوی کے حق میں ایک طرح سے زندہ درگور کردینے کے مترادف ہے، اور یہی صورتِ حال شادی شُدہ عورت کے زنا کرنے پر اُس کے شوہر کے حق میں بھی ہے، اسی وجہ سے مرد کے کسی اجنبی عورت سے زنا کرنے کی وجہ سے اس کی بیوی کے لئے یہ سخت صدمہ اور غم کی بات ہوتی ہے، اور عورت کے کسی اجنبی مرد سے زنا کرنے کی وجہ سے اس کے شوہر کے لئے یہ سخت صدمہ اور غم کی بات ہوتی ہے، اور اس کے نتیجہ میں میاں بیوی میں نہ ختم ہونے والا تنازعہ شروع ہوجاتا ہے، اور خوشگوار ازدواجی زندگی کا مزہ خراب ہوجاتا ہے۔

اور میاں بیوی کے تعلقات کے خوشگوار ہونے کی بڑی اہمیت ہے، اسی سے گھر کا نظام صحیح

---

[1] ومن ثم اتفق الفقهاء على أن حد الزانى المحصن الرجم حتى الموت رجلا كان أو امرأة وقد حكى غير واحد الإجماع على ذلك.

قال ابن قدامة :وأجمع عليه أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴ص ۲۲، مادة "زنى")

چلتا ہے، اور بچوں کی پرورش ہوتی ہے، اور خاندانی نظام برقرار رہتا ہے۔
مگر یہ تمام گفتگو ایک حیاء دار طبقہ اور معاشرہ کے لئے تو کار آمد ہے، لیکن جو معاشرہ حیاء اور غیرت اور اس سے بڑھ کر خانگی اور خاندانی و عائلی نظام کو تباہ کر کے ایک طرح سے حیوانی زندگی گزار رہا ہو، اُس کے لئے کار آمد نہیں، اس لئے جب تک حیاء اور خانگی و گھریلو خاندانی نظام کی اہمیت کو تسلیم نہ کیا جائے، اُس وقت تک اس طرح کے مختلف واقع ہونے والے شکوک وشبہات کا ازالہ مشکل ہے۔

غلام و باندی کے زنا کی سزا

اسلام میں غلام اور باندیوں کے حقوق بڑے اور خاص رحیمانہ اور کریمانہ رکھے گئے ہیں، اس لئے ان کے بہت سے احکام میں بھی نرمی رکھی گئی ہے، زنا کی حد و سزا کا معاملہ بھی ان کے حق میں نرم ہے۔
قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَإِذَا أُحْصِنَّ فَإِنْ أَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ (سورة النسآء، رقم الآية ۲۵)

ترجمہ: پھر جب وہ (باندیاں) قیدِ نکاح میں آجائیں، تو اگر (اس کے بعد) وہ ارتکاب کریں فاحشہ (یعنی زنا) کا، تو ان پر آزاد عورتوں کے مقابلہ میں آدھی سزا ہوگی (سورہ نسآء)

اس سے معلوم ہوا کہ شرعی باندی اگرچہ شادی شدہ ہو، اس کی حد آزاد کے مقابلہ میں نصف ہے، اور جو حکم باندی کا ہے، وہ شرعی غلام کا بھی ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔
پھر رجم و سنگسار کو آدھا کرنا ممکن نہیں، اس لئے غلام و باندی کی سزا کوڑوں کی شکل میں متعین

www.idaraghufran.org

ہے، اور ان کے لئے رجم وسنگسار کی سزا نہیں ہے۔ [۱]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰـهِ صَلَّى اللّٰـهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا زَنَتْ أَمَةُ أَحَدِكُمْ فَلْيَجْلِدْهَا ثَلَاثًا بِكِتَابِ اللّٰهِ، فَإِنْ عَادَتْ فَلْيَبِعْهَا، وَلَوْ بِحَبْلٍ مِّنْ شَعْرٍ (سنن الترمذی) [۲]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم میں سے کسی کی باندی زنا کرے تو وہ اسے تین مرتبہ (تک زنا سرزد ہونے پر) اللہ کی کتاب کے مطابق (آزاد کے مقابلہ میں آدھے یعنی پچاس) کوڑے مارے اور اگر چوتھی مرتبہ پھر زنا کرے تو اسے فروخت کردے خواہ بالوں کی ایک رسی کے عوض فروخت کرے (ترمذی)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی شرعی غلام یا باندی سے زنا کا فعل صادر ہوجائے، تو وہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ، بہرحال اس کی سزا پچاس کوڑے ہوتی ہے، نہ کہ سو کوڑے اور نہ ہی اس کو رجم کیا جاتا ہے، اور چوتھی مرتبہ زنا سرزد ہونے پر فروخت کرنے کا حکم تنبیہاً دیا گیا ہے، تاکہ غلط مقام کو چھوڑ کر کسی مناسب جگہ چلے جانے سے اس حرکت سے نجات مل جائے۔ [۳]

---

[۱] (فإذا أحصن) زوجن وفى قراء ة بالبناء للفاعل تزوجن (فإن أتين بفاحشة) زنا (فعليهن نصف ما على المحصنات) الحرائر الأبكار إذا زنين (من العذاب) الحد فيجلدن خمسين ويغربن نصف سنة ، ويقاس عليهن العبيد ، ولم يجعل الإحصان شرطاً لوجوب الحدّ بل لإفادة أنه لا رجم عليهنّ أصلاً(تفسير الجلالين، تحت سورة النسآء، رقم الآية ۲۵)

[۲] رقم الحديث ۱۴۴۰ ،ابواب الحدود، باب ما جاء فى إقامة الحد على الإماء .
قال الترمذى: وفى الباب عن على، وأبى هريرة، وزيد بن خالد، وشبل، عن عبد الله بن مالك الأوسى :حديث أبى هريرة حديث حسن صحيح، وقد روى عنه من غير وجه.

[۳] (وعن أبى هريرة، قال :سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول :إذا زنت أمة أحدكم فتبين زناها) : أى :ظهر (فليجلدها) أى أحدكم (الحد) أى الجلد كما أشار إليه بقوله (فليجلدها) .قال الطيبى :الحد مفعول مطلق أى فليجلدها الحد المشروع .وقال بعض علمائنا :وفى ذكر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

عورت کے نفاس کی حالت میں سزا کو مؤخر کرنے کا حکم

اسلام میں جرائم کی سزا کے احکام بڑے رحیمانہ وکریمانہ ہیں، جن میں قدم قدم پر ضرورت وحاجت مندوں اور کمزوروں کی رعایت رکھی گئی ہے۔

حضرت ابوعبدالرحمٰن رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

خَطَبَ عَلِيٌّ، فَقَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ، أَقِيمُوا عَلٰى أَرِقَّائِكُمُ الْحَدَّ، مَنْ أَحْصَنَ مِنْهُمْ، وَمَنْ لَّمْ يُحْصِنْ، فَإِنَّ أَمَةً لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَنَتْ، فَأَمَرَنِيْ أَنْ أَجْلِدَهَا، فَإِذَا هِيَ حَدِيْثُ عَهْدٍ بِنِفَاسٍ، فَخَشِيْتُ إِنْ أَنَا جَلَدْتُهَا أَنْ أَقْتُلَهَا، فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: أَحْسَنْتَ (مسلم) [1]

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا تو فرمایا کہ اے لوگو! اپنے غلاموں پر حد قائم کرو، خواہ وہ ان میں سے شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک باندی نے زنا کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الأمة إشعار بأن حدها منكوحة كانت أو غيرها الجلد إلا أنه نصف جلد الحرائر لقوله تعالى :(فإن أتين بفاحشة فعليهن نصف ما على المحصنات من العذاب) وأريد بالعذاب الجلد لا الرجم، لأنه لا ينصف(مرقاة المفاتيح، ج٦ ص ٢٣٣٨، كتاب الحدود)

حد الزنا : إذا زنى الرقيق يجلد خمسين جلدة ذكرا كان أو أنثى، ولا يرجم، اتفاقا، لقوله تعالى : (فإذا أحصن فإن أتين بفاحشة فعليهن نصف ما على المحصنات من العذاب) فينصرف التنصيف إلى الجلد دون الرجم لوجهين :أن الجلد هو المذكور فى القرآن دون الرجم، وأن الرجم لا يتنصف بل الذى يتنصف هو الجلد، لحديث أبى هريرة وزيد بن خالد الجهنى أن النبى صلى الله عليه وسلم سئل عن الأمة إذا زنت ولم تحصن فقال إذا زنت فاجلدوها، ثم إن زنت فاجلدوها، ثم إن زنت فاجلدوها، ثم بيعوها ولو بضفير والعبد كالأمة لعدم الفرق .قال على رضى الله عنه :يا أيها الناس، أقيموا على أرقائكم الحد، من أحصن منهم ومن لم يحصن (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٣، ص٧٨، وص ٧٩، مادة "رق"، الرقيق والحدود)

[1] رقم الحديث ١٧٠٥ "٣٤" كتاب الحدود، باب تأخير الحد عن النفساء .

کہ میں اسے کوڑے لگاؤں لیکن اس کے نفاس (بچہ کی ولادت کے بعد) کا زمانہ قریب تھا، مجھے ڈر ہوا کہ اگر میں نے اسے کوڑے مارے تو میں اسے ماردوں گا، لہٰذا (اس کی سزاء کو مؤخر کرکے) میں نے یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ نے اچھا کیا (مسلم)

اور بعض روایات میں یہ اضافہ بھی ہے کہ اس کو تندرست وصحت یاب ہونے تک چھوڑے رکھا (کیونکہ نفاس میں عورت بہت کمزور ہوتی ہے) [1]

اس سے معلوم ہوا کہ نفاس کی حالت میں اور اسی پر قیاس کرتے ہوئے بیماری کی حالت میں کوڑے نہیں لگائے جائیں گے، تا آنکہ نفاس اور بیماری سے صحت یاب ہوجائے۔ [2]

دودھ پیتے بچے کی ماں کی سزا کو مؤخر کرنے کا حکم

اسلام کی رحیمانہ وکریمانہ تعلیمات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ دودھ پیتے بچہ کی ماں کے بارے میں زنا کا ثبوت ہوجائے، تو اس کی سزا کو مؤخر کیا جائے۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ مَاعِزَ بْنَ مَالِكٍ الْأَسْلَمِيَّ، أَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، إِنِّيْ قَدْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ، وَزَنَيْتُ، وَإِنِّيْ أُرِيْدُ أَنْ تُطَهِّرَنِيْ، فَرَدَّهُ، فَلَمَّا كَانَ مِنَ الْغَدِ أَتَاهُ، فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، إِنِّيْ قَدْ زَنَيْتُ، فَرَدَّهُ الثَّانِيَةَ، فَأَرْسَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلٰى قَوْمِهِ، فَقَالَ: أَتَعْلَمُوْنَ بِعَقْلِهِ بَأْسًا، تُنْكِرُوْنَ مِنْهُ شَيْئًا؟

---

[1] وحدثناه إسحاق بن إبراهيم، أخبرنا يحيى بن آدم، حدثنا إسرائيل، عن السدي، بهذا الإسناد، ولم يذكر من أحصن منهم، ومن لم يحصن، وزاد في الحديث اتركها حتى تماثل(مسلم، رقم الحديث ۱۷۰۵، كتاب الحدود، باب تأخير الحد عن النفساء)

[2] فقال أحسنت) فيه أن الجلد واجب على الأمة الزانية وأن النفساء والمريضة ونحوهما يؤخر جلدهما إلى البرء والله أعلم(شرح النووي على مسلم، ج ۱۱ ص ۲۱۴، باب حد الزاني)

فَقَالُوْا: مَا نَعْلَمُهُ إِلَّا وَفِيَّ الْعَقْلِ مِنْ صَالِحِيْنَا فِيْمَا نُرٰى، فَأَتَاهُ الثَّالِثَةَ، فَأَرْسَلَ إِلَيْهِمْ أَيْضًا فَسَأَلَ عَنْهُ، فَأَخْبَرُوْهُ أَنَّهُ لَا بَأْسَ بِهٖ، وَلَا بِعَقْلِهٖ، فَلَمَّا كَانَ الرَّابِعَةَ حَفَرَ لَهُ حُفْرَةً، ثُمَّ أَمَرَ بِهٖ فَرُجِمَ، قَالَ، فَجَاءَتِ الْغَامِدِيَّةُ، فَقَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، إِنِّيْ قَدْ زَنَيْتُ فَطَهِّرْنِيْ، وَإِنَّهُ رَدَّهَا، فَلَمَّا كَانَ الْغَدُ، قَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، لِمَ تَرُدُّنِيْ؟ لَعَلَّكَ أَنْ تَرُدَّنِيْ كَمَا رَدَدْتَ مَاعِزًا، فَوَاللّٰهِ إِنِّيْ لَحُبْلٰى، قَالَ: إِمَّا لَا فَاذْهَبِيْ حَتّٰى تَلِدِيْ، فَلَمَّا وَلَدَتْ أَتَتْهُ بِالصَّبِيِّ فِيْ خِرْقَةٍ، قَالَتْ: هٰذَا قَدْ وَلَدْتُهُ، قَالَ: اِذْهَبِيْ فَأَرْضِعِيْهِ حَتّٰى تَفْطِمِيْهِ، فَلَمَّا فَطَمَتْهُ أَتَتْهُ بِالصَّبِيِّ فِيْ يَدِهٖ كِسْرَةُ خُبْزٍ، فَقَالَتْ: هٰذَا يَا نَبِيَّ اللّٰهِ قَدْ فَطَمْتُهُ، وَقَدْ أَكَلَ الطَّعَامَ، فَدَفَعَ الصَّبِيَّ إِلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ، ثُمَّ أَمَرَ بِهَا فَحُفِرَ لَهَا إِلٰى صَدْرِهَا، وَأَمَرَ النَّاسَ فَرَجَمُوْهَا، فَيُقْبِلُ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيْدِ بِحَجَرٍ، فَرَمٰى رَأْسَهَا فَتَنَضَّحَ الدَّمُ عَلٰى وَجْهِ خَالِدٍ فَسَبَّهَا، فَسَمِعَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبَّهُ إِيَّاهَا، فَقَالَ: مَهْلًا يَا خَالِدُ، فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَقَدْ تَابَتْ تَوْبَةً لَوْ تَابَهَا صَاحِبُ مَكْسٍ لَغُفِرَ لَهُ، ثُمَّ أَمَرَ بِهَا فَصَلّٰى عَلَيْهَا، وَدُفِنَتْ (مسلم) [1]

ترجمہ: ماعز بن مالک اسلمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے اور میں نے زنا کیا ہے، اور میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے (سزا دے کر) پاک کر دیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں واپس لوٹا دیا، اگلی صبح وہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! بے شک میں نے زنا

[1] رقم الحديث ١٦٩٥ ''٢٣''كتاب الحدود، باب من اعترف على نفسه بالزنى.

کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری مرتبہ بھی ان کو واپس لوٹا دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی قوم کی طرف پیغام بھیجا اور فرمایا کہ کیا تم اس کی عقل میں کوئی خرابی جانتے ہو اور تم نے اس میں کوئی غیر پسندیدہ بات دیکھی ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہم تو اسے اپنے پسندیدہ لوگوں میں سے کامل العقل جانتے ہیں، ماعز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تیسری مرتبہ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی قوم کے پاس پھر پیغام بھیجا، اور اس کے بارے میں پوچھا تو پھر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ اسے کوئی بیماری نہیں ہے اور نہ ہی عقل میں خرابی ہے، پھر جب چوتھی مرتبہ ہوئی تو اس کے لئے گڑھا کھودا گیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تو انہیں رجم (یعنی سنگسار) کردیا گیا، راوی کہتے ہیں کہ پھر غامدیہ عورت آئی، اور اس نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول بلاشبہ میں نے بھی زنا کیا ہے، پس آپ مجھے بھی پاک کردیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں واپس کردیا جب اگلی صبح ہوئی تو اس عورت نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! آپ مجھے کیوں واپس کرتے ہیں، شاید کہ آپ مجھے اسی طرح واپس کرتے ہیں، جیسا کہ آپ نے ماعز کو واپس کیا تھا، اللہ کی قسم میں تو (اس غلطی کی وجہ سے) حاملہ ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا اگر تم واپس نہیں جانا چاہتیں تو بچہ کی پیدائش ہونے دو، پھر جب اس کا بچہ پیدا ہوگیا، تو وہ بچہ کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر لے آئی اور عرض کیا کہ میرا بچہ ہوگیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جاؤ اور اسے دودھ پلاؤ یہاں تک کہ یہ کھانے کے قابل ہوجائے یعنی دودھ چھڑا دے پس جب اس نے اس کا دودھ چھڑایا تو وہ بچہ لے کر حاضر ہوئی اس حال میں کہ بچے کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا اور عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی میں نے اس کا دودھ چھڑا دیا ہے اور یہ کھانا

کھاتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ بچہ مسلمانوں میں سے ایک انصاری شخص کے سپرد کر دیا پھر حکم دیا تو اس (عورت) کے سینے تک گڑھا کھودا گیا اور لوگوں کو حکم دیا تو انہوں نے اسے رجم (یعنی سنگسار) کر دیا پس خالد بن ولید متوجہ ہوئے اور اس کے سر پر ایک پتھر مارا تو خون کی دھار خالد رضی اللہ عنہ کے چہرے پر آ پڑی اور انہوں نے اسے برا بھلا کہا، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس بری بات کو سنا تو روکتے ہوئے فرمایا کہ اے خالد اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تحقیق اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ناجائز ٹیکس وصول کرنے والا بھی ایسی توبہ کرتا تو اسے معاف کر دیا جاتا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا اور اس کا جنازہ ادا کیا گیا اور دفن کیا گیا (مسلم)

اس حدیث سے چند اور باتوں کے ساتھ ساتھ ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ عورت کو حمل کی حالت میں اور اسی طرح اس کے دودھ پیتے بچہ ہونے کی حالت میں زنا کی سزا جاری نہیں کی جائے گی۔

زنا کا اقرار کرنے کے بعد رجوع سے سزا کا سقوط

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

جَاءَ مَاعِزٌ الْأَسْلَمِيُّ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: إِنَّهُ قَدْ زَنٰى، فَأَعْرَضَ عَنْهُ، ثُمَّ جَاءَ مِنْ شِقِّهِ الْآخَرِ، فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، إِنَّهُ قَدْ زَنٰى، فَأَعْرَضَ عَنْهُ، ثُمَّ جَاءَ مِنْ شِقِّهِ الْآخَرِ، فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، إِنَّهُ قَدْ زَنٰى، فَأَمَرَ بِهِ فِي الرَّابِعَةِ، فَأُخْرِجَ إِلَى الْحَرَّةِ فَرُجِمَ بِالْحِجَارَةِ، فَلَمَّا وَجَدَ مَسَّ الْحِجَارَةِ فَرَّ يَشْتَدُّ، حَتّٰى مَرَّ بِرَجُلٍ مَعَهُ لَحْيُ جَمَلٍ فَضَرَبَهُ بِهٖ، وَضَرَبَهُ النَّاسُ حَتّٰى مَاتَ، فَذَكَرُوْا ذٰلِكَ

لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ فَرَّ حِيْنَ وَجَدَ مَسَّ الْحِجَارَةِ وَمَسَّ الْمَوْتِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هَلَّا تَرَكْتُمُوْهُ (سنن الترمذی) [1]

ترجمہ: ماعز اسلمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ انہوں نے زنا کا ارتکاب کیا ہے، رسول اللہ نے ان سے منہ پھیر لیا وہ دوسری طرف سے حاضر ہوئے اور پھر عرض کیا کہ میں نے زنا کیا ہے آپ نے پھر منہ پھیر لیا اور پھر وہ دوسری طرف سے حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں نے زنا کیا ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چوتھی مرتبہ (اقرار کے بعد) ان کے رجم کرنے کا حکم دیا پس انہیں پتھریلی زمین کی طرف لے جا کر رجم (وسنگسار) کیا گیا جب انہیں پتھروں سے تکلیف پہنچی تو بھاگ کھڑے ہوئے یہاں تک کہ ایک آدمی کے پاس سے گزرے اس کے پاس اونٹ کا جبڑا تھا اس نے اس سے ان کو مارا اور لوگوں نے بھی مارا یہاں تک کہ وہ فوت ہو گئے۔

لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا کہ جب انہوں نے پتھروں اور موت کی تکلیف کو محسوس کیا تو بھاگ گئے آپ نے فرمایا کہ تم نے انہیں چھوڑ کیوں نہ دیا (ترمذی)

اس سے معلوم ہوا کہ ایک تو اللہ کے حکم کے مطابق سزا جاری کرنے اور رجم کرنے میں کوئی ترس نہیں کھانا چاہئے، جبکہ حاکم کے سامنے ثبوت اور اس کا حکم ہو چکا ہو۔

اور دوسرے اگر کوئی زنا کا اقرار کر کے سزا کے وقت راہِ فرار اختیار کرے، تو وہ اپنے اقرار سے رجوع کہلائے گا، اور اس کی سزا کو موقوف کرنے کا حکم ہوگا۔

---

[1] رقم الحديث ۱۴۲۸، ابواب الحدود، باب ما جاء فی درء الحد عن المعترف إذا رجع.
قال الترمذی: هذا حديث حسن، وقد روی من غير وجه عن أبی هريرة وروی هذا الحديث عن الزهری، عن أبی سلمة، عن جابر بن عبد الله، عن النبی صلی الله عليه وسلم نحو هذا.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا اعْتَرَفَ الرَّجُلُ بِالزِّنَا أَرْبَعَ مَرَّاتٍ، فَأُمِرَ بِهِ الرَّجْمُ، فَهَرَبَ، تُرِكَ (المعجم الاوسط للطبرانی) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب (شادی شدہ) آدمی چار مرتبہ زنا کا اعتراف کرلے، پھر اس کو رجم کرنے کا حکم دیا جائے، پھر وہ (رجم کے دوران) بھاگ جائے، تو اسے چھوڑ دیا جائے گا (طبرانی)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر زنا کا ثبوت کسی آدمی کے صرف اعتراف اور اقرار کرنے سے ہو، نہ کہ شریعت کے مقرر کئے ہوئے نصاب کے مطابق چشم دید گواہوں کی حاکم کے سامنے گواہی کے ذریعہ سے، تو اس صورت میں زنا کی سزا جاری ہونے سے پہلے یا سزا جاری ہونے کے درمیان وہ شخص قولاً یا فعلاً اپنے اقرار سے رجوع کرلے، تو اس کی حد ساقط وختم ہوجاتی ہے، اور سزا کے دوران بھاگنا فعلی طور پر اپنے اقرار سے رجوع کرنے میں داخل ہے۔ [2]

زنا کی قانونی سزا سے متعلق چند احکام

قرآن وسنت کے بعد اب زنا کی قانونی سزا کے سلسلہ میں چند احکام ملاحظہ فرمائیں۔

(۱)......قرآن وسنت کے دلائل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ زنا کی حد یا تو کوڑے

---

[1] رقم الحديث ۲۶۸۱، ج۳ص ۱۲۴، باب الالف.

قال الهيثمی: رواه الطبرانی فی الأوسط، ورجاله رجال الصحيح غير حميد الكندی وهو ثقة (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۱۰۶۰۹، باب اعتراف الزانی، ورجم المحصن)

[2] ويستوی أن يكون الرجوع بالقول أو بالفعل بأن يهرب عند إقامة الحد عليه، وإنكار الإقرار رجوع، فلو أقر عند القاضی بالزنا أربع مرات، فأمر القاضی برجمه فقال: ما أقررت بشیء - يدرأ عنه الحد. ولأن من شرط إقامة الحد بالإقرار البقاء عليه إلى تمام الحد، فإن رجع عن إقراره أو هرب كف عنه، وبهذا قال عطاء ويحيى بن يعمر والزهری وحماد ومالك والثوری والشافعی وإسحاق وأبو حنيفة وأبو يوسف (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۶ ص ۷۲، مادة "اقرار" الرجوع عن الاقرار)

www.idaraghufran.org

لگانا ہے، جبکہ زنا کار غیر شادی شدہ ہو، یا رَجم کرنا ہے، جبکہ زنا کار شادی شدہ ہو، اور زنا کا ثبوت یا تو زانی کے حاکم کے سامنے خود اپنے اقرار کرنے سے ہوتا ہے، یا پھر معتبر گواہوں کی حاکم کی عدالت میں گواہی دینے کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ [1]

(۲)......جس زنا کے کرنے پر حد جاری ہوتی ہے، اس کے لئے یہ شرط ہے کہ زنا حقیقت میں واقع ہوا ہو، جس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ مرد کے حشفہ کا مقام عورت کی فرج میں داخل ہوا ہو، اور زنا کا فعل عاقل بالغ مرد وعورت سے صادر ہوا ہو، بچے اور مجنون (یعنی پاگل) کے زنا کرنے پر حد جاری نہیں کی جائے گی۔ [2]

---

[1] أ - كيفية استيفاء حد الزنا:
حد الزنا إما الرجم، وإما الجلد:
وعلى كل فإما أن يكون الزنا قد ثبت بالبينة أو بالإقرار، فإن كان قد ثبت بالبينة، فالحنفية يشترطون أن يحضر الشهود، وأن يبدء وا بالرجم، فإن امتنعوا سقط الحد.
وغير الحنفية لا يشترطون حضور الشهود، إلا أن الشافعية والحنابلة يرون حضورهم مستحبا، أما المالكية فلا يرون حضورهم واجبا ولا مستحبا.
والكل مجمع فى هذه الحالة على أنه إن حاول الهرب لا يمكن من ذلك، بل قال بعضهم بأنه إن خيف هربه يقيد أو يحفر له.
وإن كانت امرأة يحفر لها، أو تربط عليها ثيابها حتى لا تتكشف.
وأما إن كان قد ثبت بالإقرار، فهم مجمعون على أنه إن حاول الهرب لم يتبع، ويوقف التنفيذ، جلدا كان أو رجما، ويعتبر ذلك رجوعا عن إقراره.
وهناك تفصيلات وخلاف فى بعض هذه الأحكام يرجع إليها فى مصطلح (حد الزنا).
وإذا كان الحد جلدا فالكل مجمع على نزع ما يلبسه من حشو أو فرو.
فإن كان رجلا ينزع عنه ثيابه إلا ما يستر عورته، ثم إن كان المحدود بالجلد مريضا مرضا يرجى شفاؤه أرجء التنفيذ إلى أن يبرأ، وإن كان امرأة حاملا أرجء الحد مطلقا -رجما أو جلدا -إلى أن تضع حملها، ويستغنى ولدها عن الرضاع منها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴، ص۱۴۷، مادة "استيفاء")

[2] شروط حد الزنى :أولا :الشروط المتفق عليها:
إدخال الحشفة أو قدرها من مقطوعها:
لا خلاف بين الفقهاء فى أنه يشترط فى حد الزنى إدخال الحشفة أو قدرها من مقطوعها فى الفرج . فلو لم يدخلها أصلا أو أدخل بعضها فليس عليه الحد لأنه ليس وطئا .ولا يشترط الإنزال ولا الانتشار عند الإدخال .فيجب عليه الحد سواء أنزل أم لا .انتشر ذكره أم لا .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

(۳)...... زنا پر حد جاری ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس نے قابلِ شہوت عورت کے ساتھ آگے کی شرمگاہ سے صحبت کی ہو۔

اگر کوئی عورت قابلِ شہوت نہیں، مثلاً چھوٹی بچی ہے یا مردہ لاش سے صحبت کی، تو اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی؛ البتہ اس پر مناسب تعزیر ہوگی، جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اتفق الفقهاء على أنه يشترط في حد الزنى أن يكون من صدر منه الفعل مكلفا أي عاقلا بالغا. فالمجنون والصبي لا حد عليهما إذا زنيا، لقول النبي صلى الله عليه وسلم :رفع القلم عن ثلاثة :عن النائم حتى يستيقظ، وعن الصغير حتى يكبر، وعن المجنون حتى يعقل أو يفيق.

وقد صرح المالكية والحنابلة بأنه لا حد على النائم والنائمة للحديث السابق .كما اتفقوا على حد السكران المتعدي بسكره إذا زنى.

ويتفرع على هذا الشرط مسألة ما لو وطء العاقل البالغ -المكلف -مجنونة أو صغيرة يوطأ مثلها فإنه يجب عليه الحد اتفاقا؛ لأن الواطء من أهل وجوب الحد؛ ولأن وجود العذر من جانبها لا يوجب سقوط الحد من جانبه .وقد صرح الحنفية والمالكية والحنابلة بأن الصغيرة التي لا يوطأ مثلها لا حد على واطئها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴، ص۲۳، وص۲۴، مادة "زنى"، شروط حد الزنى)

[۱] اشتراط كون الفرج المزني به مشتهى لوجوب حد الزنا.

ذكر الفقهاء أن من شروط وجوب حد الزنا أن يكون الفرج المزني به مشتهى طبعا أي يشتهيه ذوو الطبائع السليمة من الناس بأن كان فرج آدمي حي، وذلك احترازا عن وطء الميتة فلا يجب فيه الحد عند جمهور الفقهاء ، لأنه مما ينفر عنه الطبع السليم، وتعافه النفس، فلم يحتج إلى الزجر عنه بحد الزنا .ومقابل الأصح عند الشافعية وأحد الوجهين عند الحنابلة أن الحد يجب على من وطء ميتة، لأنه وطء في فرج آدمية فأشبه وطء الحية، ولأنه أعظم ذنبا وأكثر إثما، لأنه انضم إلى الفاحشة هتك حرمة الميتة، وإلى هذا ذهب الأوزاعي .واحترازا كذلك عن وطء صغيرة غير مشتهاة فلا يجب فيه الحد عند الحنفية والمالكية والقاضي من الحنابلة لا على الرجل الفاعل ولا على الصغيرة غير المشتهاة ولا تحد المرأة إذا كان الواطء غير بالغ، قال القاضي من الحنابلة :لا حد على من وطء صغيرة لم تبلغ تسعا، لأنها لا يشتهى مثلها فأشبه ما لو أدخل أصبعه في فرجها، وكذلك لو استدخلت امرأة ذكر صبي لم يبلغ عشرا لا حد عليها والصحيح أنه متى أمكن وطؤها ومكنت المرأة من أمكنه الوطء فوطئها أن الحد يجب على المكلف منهما فلا يجوز تحديد ذلك بتسع، ولا عشر، لأن التحديد إنما يكون بالتوقيف ولا توقيف في هذا وكون التسع وقتا لإمكان الاستمتاع غالبا لا يمنع وجوده قبل، كما أن البلوغ يوجد في خمسة عشر عاما غالبا ولم يمنع من وجوده قبله(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۷، ص۳۱۵، مادة " مشتهاة ")

(۴)...... اگر کوئی مرد، عورت کے آگے کی شرمگاہ کے بجائے، دُبر یعنی پیچھے کی شرمگاہ سے صحبت کرے، یا کسی مرد سے ایسا فعل کرے، تو اُس پر بھی بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک زنا کی حد جاری کی جاتی ہے؛ لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اُس پر حد جاری نہیں کی جاتی؛ البتہ مناسب تعزیر کی جاتی ہے، جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ [۱]

(۵)...... اگر کسی مرد کو زنا کرنے پر زبردستی کی گئی، اور اُسے جان سے مارنے یا کوئی اور غیر معمولی چوٹ پہنچانے کی دھمکی دی گئی، جس کی وجہ سے اُسے اپنی جان وغیرہ کا خطرہ لاحق ہوگیا، اور اس نے اس طرح جبر واکراہ کی بنا پر زنا کرلیا، تو بعض فقہائے کرام کے نزدیک اس پر حد جاری کی جائے گی، کیونکہ زنا کے لئے عضوِ تناسل کا منتشر ہونا اختیاری چیز ہے؛ جبکہ بعض کے نزدیک اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی، کیونکہ عضوِ تناسل کا منتشر ہونا بعض اوقات غیر اختیاری طور پر بھی

---

[۱] وجوب الحد:

لا خلاف بين الفقهاء فى أن من شروط وجوب الحد فى الزنى تغييب حشفة أصلية أو قدرها من مقطوعها فى فرج أصلى ولو لم ينزل .فإن لم يغيب أو غيب بعضها فلا حد .لأن ذلك لا يسمى زنى، إذ الوطء لا يتم بدون تغييب جميع الحشفة، لأنه القدر الذى تثبت به أحكام الوطء ، ولذا لم يجب الغسل ولم يفسد الحج.

واختلفوا فى إيلاجها فى الدبر من ذكر أو أنثى -مع حرمته :-فذهب الجمهور إلى أنه لا فرق بين القبل والدبر فى وجوب الحد بتغييب الحشفة، ويرى أبو حنيفة أنه لا بد من إيلاج الحشفة فى القبل.

وإن لف عليها خرقة كثيفة فذهب الحنفية فى الأصح والمالكية، والحنابلة إلى عدم وجوب الحد قياسا على مسألة الغسل بل أولى.

وأما بحائل خفيف لا يمنع اللذة فيجب الحد، وفى قول عند المالكية لا يجب، لأن الحدود تدرأ بالشبهات.

ويرى الشافعية وجوب الحد، ولو كان الحائل غليظا.

ويشترط الحنفية والحنابلة الانتشار أثناء تغييب الحشفة فى وجوب الحد، وهو غير شرط عند المالكية والشافعية .

وتفصيل ذلك فى مصطلح:(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۲۹۰، ماده حشفة)

www.idaraghufran.org

ہو جاتا ہے، جس میں انسان کے اختیار کو دخل نہیں ہوتا۔

البتہ اگر عورت کے ساتھ زبردستی زنا کیا جائے، جس کو زنا بالجبر کہا جاتا ہے، تو بہر حال عورت پر زنا کی حد جاری نہیں ہوتی، اس صورت میں اگر زنا کرنے والے مرد نے اپنے اختیار سے یہ فعل کیا ہو، تو صرف اسی پر حد جاری ہوتی ہے۔ ۱؎

۱؎ المرأة إذا أكرهت على الزنا لا حد عليها؛ لأنها بالإكراه صارت محمولة على التمكين خوفا من مضرة السيف، فيمنع وجوب الحد عليها كما فى جانب الرجل بل أولى؛ لأن الموجود منها ليس إلا التمكين ثم الإكراه لما أثر فى جانب الرجل فلأن يؤثر فى جانبها أولى هذا إذا كان إكراه الرجل تاما، فأما إذا كان ناقصا بحبس أو قيد أو ضرب لا يخاف منه التلف يجب عليه الحد لما مر أن الإكراه الناقص لا يجعل المكره مدفوعا إلى فعل ما أكره فبقى مختارا مطلقا فيؤاخذ بحكم فعله.
(وأما) فى حق المرأة فلا فرق بين الإكراه التام والناقص ويدرأ الحد عنها فى نوعى الإكراه؛ لأنه لم يوجد منها فعل الزنا بل الموجود هو التمكين، وقد خرج من أن يكون دليل الرضا بالإكراه فيدرأ عنها الحد هذا الذى ذكرنا إذا كان المكره عليه معينا(بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع، ج۷، ص۱۸۱، كتاب الإكراه، فصل فى بيان حكم ما يقع عليه الإكراه)

ومن ذلك أثر الانتشار فى وجوب الحد على من أكره على الزنا .وفى ذلك خلاف .فعند الحنابلة وبعض المالكية، ومقابل الأظهر عند الشافعية، وعند أبى حنيفة فى إكراه غير السلطان، إذا أكره الرجل فزنى، فعليه الحد؛ لأن الوطء لا يكون إلا بالانتشار، والإكراه ينافيه، فإذا وجد الانتشار انتفى الإكراه، فيلزمه الحد.

وفى الأظهر عند الشافعية، وبعض المالكية، وأبى يوسف ومحمد وعند أبى حنيفة، فى إكراه ذى السلطان، أنه إذا أكره الرجل على الزنا فلا حد عليه، لقول النبى صلى الله عليه وسلم :رفع عن أمتى الخطأ والنسيان وما استكرهوا عليه ولأن الانتشار متردد، لأنه قد يكون من غير قصد، لأن الانتشار قد يكون طبعا لا طوعا كما فى النائم(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۶، ص۲۹۸، مادة "انتشار")

فصل :ولا حد على مكرهة فى قول عامة أهل العلم .روى ذلك عن عمر، والزهرى، وقتادة، والثورى، والشافعى، وأصحاب الرأى .ولا نعلم فيه مخالفا؛

وذلك لقول رسول الله -صلى الله عليه وسلم :-عفى لأمتى عن الخطأ، والنسيان، وما استكرهوا عليه .وعن عبد الجبار بن وائل، عن أبيه، أن امرأة استكرهت على عهد رسول الله -صلى الله عليه وسلم -فدرأ عنها الحد .رواه الأثرم .قال :وأتى عمر بإماء من إماء الإمارة، استكرههن غلمان من غلمان الإمارة، فضرب الغلمان، ولم يضرب الإماء وروى سعيد بإسناده عن طارق بن شهاب :قال :أتى عمر بامرأة قد زنت، فقالت :إنى كنت نائمة، فلم أستيقظ إلا برجل قد جثم على. فخلى سبيلها، ولم يضربها .ولأن هذا شبهة، والحدود تدرأ بالشبهات .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۶)...... زنا کی حد جاری ہونے کے لئے چار عینی یعنی چشم دید گواہوں کی حاکم کے سامنے یا عدالت میں گواہی ضروری ہے۔ ۱؎

(۷)...... زنا کی گواہی دینے والے ان چار عینی وچشم دید گواہوں میں یہ ضروری

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

ولا فرق بين الإكراه بالإلجاء ، وهو أن يغلبها على نفسها ، وبين الإكراه بالتهديد بالقتل ونحوه . نص عليه أحمد، في راع جاء ته امرأة، قد عطشت، فسألته أن يسقيها، فقال لها :أمكنيني من نفسك .قال :هذه مضطرة.

وقد روى عن عمر بن الخطاب -رضى الله عنه -أن امرأة استسقت راعيا، فأبى أن يسقيها إلا أن تمكنه من نفسها، ففعلت، فرفع ذلك إلى عمر، فقال لعلى :ما ترى فيها؟ قال :إنها مضطرة. فأعطاها عمر شيئا، وتركها.

(فصل أكره الرجل فزنى) فصل :وإن أكره الرجل فزنى، فقال أصحابنا :عليه الحد .وبه قال محمد بن الحسن، وأبو ثور؛ لأن الوطء لا يكون إلا بالانتشار، والإكراه ينافيه .فإذا وجد الانتشار انتفى الإكراه، فيلزمه الحد، كما لو أكره على غير الزنى، فزنى .

وقال أبو حنيفة :إن أكرهه السلطان، فلا حد عليه، وإن أكرهه غيره، حد استحسانا .

وقال الشافعي، وابن المنذر :لا حد عليه؛ لعموم الخبر، ولأن الحدود تدرأ بالشبهات، والإكراه شبهة، فيمنع الحد، كما لو كانت امرأة، يحققه أن الإكراه، إذا كان بالتخويف، أو بمنع ما تفوت حياته بمنعه، كان الرجل فيه كالمرأة، فإذا لم يجب عليها الحد، لم يجب عليه .وقولهم :إن التخويف ينافي الانتشار .لا يصح؛ لأن التخويف بترك الفعل، والفعل لا يخاف منه، فلا يمنع ذلك .وهذا أصح الأقوال، إن شاء الله تعالى(المغنى لابن قدامة، ج ۹، ص ۵۹، فصل أكرهت على الزنا)

۱؎ يثبت الزنى بأحد أمور ثلاثة :بالشهادة، والإقرار، والقرائن.

أ -الشهادة:أجمع الفقهاء على ثبوت الزنى بالشهادة، وأنه لا يثبت إلا بشهادة أربعة رجال لقول الله تعالى :(واللاتي يأتين الفاحشة من نسائكم فاستشهدوا عليهن أربعة منكم وقوله تعالى :(والذين يرمون المحصنات ثم لم يأتوا بأربعة شهداء فاجلدوهم ثمانين جلدة وقوله تعالى :(لولا جاء وا عليه بأربعة شهداء فإذ لم يأتوا بالشهداء فأولئك عند الله هم الكاذبون)

ولحديث أبي هريرة أن سعد بن معاذ قال لرسول الله صلى الله عليه وسلم :يا رسول الله، إن وجدت مع امرأتي رجلا أأمهله حتى آتي بأربعة شهداء ؟ فقال النبي صلى الله عليه وسلم :نعم.

ويشترط في الشهود على الزنى بالإضافة إلى الشروط العامة للشهادة (المذكورة في مصطلح شهادة) أن تتوافر فيهم شروط معينة حتى يثبت الزنى(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۴، ص ۳۷، مادة ”زنى“ ثبوت الزنى)

www.idaraghufran.org

ہے کہ چاروں گواہ عاقل بالغ مرد ہوں۔ ۱

(۸)...... اکثر فقہائے کرام کے نزدیک یہ بھی ضروری ہے کہ زنا کی گواہی دینے والے وہ عینی وچشم دید چاروں گواہ ایک ہی مجلس میں بیک وقت زنا کی گواہی دیں، البتہ بعض فقہائے کرام کے نزدیک ایک مجلس میں سب کا اکٹھی گواہی دینا ضروری نہیں۔ ۲

---

۱ الشرط الأول :الذكورة :ذهب جمهور الفقهاء (الحنفية والمالكية والشافعية والحنابلة) إلى اشتراط الذكورة فى شهود الزنى، فلا بد أن يكونوا رجالا كلهم، للنصوص السابقة.
ولا تقبل شهادة النساء فى الزنى بحال؛ لأن لفظ الأربعة اسم لعدد المذكورين، ويقتضى أن يكتفى به بأربعة، ولا خلاف فى أن الأربعة إذا كان بعضهم نساء لا يكتفى بهم، وأن أقل ما يجزء خمسة، وهذا خلاف النص :(أن تضل إحداهما فتذكر إحداهما الأخرى) والحدود تدرأ بالشبهات.
وقال ابن عابدين :لا مدخل لشهادة النساء فى الحدود .
الشرط الثانى :أن يكونوا أربعة :اتفق الفقهاء على أن الزنى لا يثبت إلا بشهادة أربعة رجال، للنصوص السابقة؛ ولأن الزنى من أغلظ الفواحش فغلظت الشهادة فيه ليكون أستر، وقد نقل ابن قدامة الإجماع على ذلك، فإن كملوا أربعة حد المشهود عليه، وإن لم يكملوا فهم قذفة، وعليهم حد القذف، لقوله تعالى :(والذين يرمون المحصنات ثم لم يأتوا بأربعة شهداء فاجلدوهم ثمانين جلدة ولأن عمر رضى الله عنه حد الثلاثة الذين شهدوا على المغيرة بن شعبة بالزنى .ولم يخالفه أحد، ولئلا يتخذ صورة الشهادة ذريعة إلى الوقيعة فى أعراض الناس.
وعند كل من الشافعية والحنابلة قول ضعيف فى المذهب، أنه لا يجلد الشهود إذا نقص عددهم عن أربعة؛ لأنهم جاء وا شاهدين لا هاتكين(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴، ص،۳۷،۳۸، مادة "زنى"شروط الشهادة)

۲ الشرط الثالث :اتحاد المجلس :اشترط جمهور الفقهاء -الحنفية والمالكية والحنابلة -فى الشهادة على الزنى أن تكون فى مجلس واحد، فلو شهد بعض الأربعة فى مجلس، وبعضهم فى مجلس آخر لا تقبل شهادتهم، ويحدون حد القذف .كما اشترط الحنفية والمالكية أن يأتى الشهود مجتمعين إلى مجلس القاضى.
وقد صرح الحنفية أنه لو اجتمعوا خارج مجلس القاضى ودخلوا عليه واحدا بعد واحد فهم متفرقون ويحدون حد القذف، أما لو كانوا قعودا فى موضع الشهود فقام واحد بعد واحد وشهد، فالشهادة جائزة.
وقد صرح المالكية بأنه بعد إتيانهم محل الحاكم جميعا فإنهم يفرقون وجوبا ليسأل كل واحد على حدته، فإن اختلفوا أو بعضهم بطلت شهادتهم، وحدوا.
ولم يشترط الحنابلة إتيانهم مجتمعين، فيجوز أن يأتوا متفرقين لقصة المغيرة، فإنهم جاء وا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۹)...... زنا کی حد جاری ہونے کے لئے گواہی قبول ہونے میں یہ ضروری ہے کہ وہ چاروں گواہ صراحتاً زنا کے مشاہدہ کی کیفیت وتفصیل کو بیان کریں۔ ۱؎

(۱۰)...... اکثر فقہائے کرام کے نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ زنا کے وہ چار عینی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

متفرقين، وسمعت شهادتهم، وإنما حدوا لعدم كمالها .على أن تكون شهادتهم فى مجلس واحد، فإن جاء بعضهم بعد أن قام الحاكم من مجلسه فهم قذفة؛ لأن شهادته غير مقبولة ولا صحيحة، وعليهم الحد.

ولم يشترط الشافعية هذا الشرط فيستوى عندهم أن يأتى الشهود متفرقين أو مجتمعين، وأن تؤدى الشهادة فى مجلس واحد أو أكثر من مجلس، لقوله تعالى :(لولا جاء وا عليه بأربعة شهداء)ولم يذكر المجلس .وقال تعالى :(فاستشهدوا عليهن أربعة منكم فإن شهدوا فأمسكوهن فى البيوت) ولأن كل شهادة مقبولة إن اتفقت، تقبل إذا افترقت فى مجالس، كسائر الشهادات(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴، ص۳۸، ۳۹، مادة "زنى"شروط الشهادة)

۱؎ يشترط فى شهادة الزنى التفصيل، فيصف الشهود كيفية الزنى، فيقولون :رأيناه مغيبا ذكره فى فرجها، أو غيب حشفته أو قدرها -إن كان مقطوعها -فى فرجها كالميل فى المكحلة، أو الرشاء فى البئر، لأنه إذا اعتبر التصريح فى الإقرار كان اعتباره فى الشهادة أولى؛ ولأنه قد يعتقد الشاهد ما ليس بزنى زنى، فاعتبر ذكر صفته .كما يبين الشهود كيفيتهما من اضطجاع أو جلوس أو قيام، أو هو فوقها أو تحتها.

وقد صرح الحنفية بأنه إذا سألهم القاضى فلم يزيدوا على قولهم :إنهما زنيا، فإنه لا يحد المشهود عليه ولا الشهود .وعند جمهور الفقهاء -الحنفية والشافعية والحنابلة -لا بد من تعيين المرأة، فلو شهدوا بأنه زنى بامرأة لا يعرفونها لم يحد؛ لاحتمال أنها امرأته أو أمته، بل هو الظاهر.

كما لا بد من تعيين البلد عند الجميع، وكذا تعيين المكان عند المالكية والشافعية، ككونها فى ركن البيت الشرقى أو الغربى، أو وسطه، ونحو ذلك.

ولا يشترط تعيين المكان فى البيت الواحد عند الحنفية والحنابلة، فإن اختلف الشهود فيه حد الرجل والمرأة استحسانا، والقياس أنه لا يجب الحد لاختلاف المكان حقيقة وهو قول زفر، ووجه الاستحسان أن التوفيق ممكن بأن يكون ابتداء الفعل فى زاوية والانتهاء فى زاوية أخرى بالاضطراب، أو لأن الواقع فى وسط البيت فيحسبه من فى المقدم فى المقدم، ومن فى المؤخر فى المؤخر فيشهد بحسب ما عنده، وهذا فى البيت الصغير، أما فى البيت الكبير فلا بد من التعيين.

ولا بد أيضا من تعيين الزمان عند الجميع، لتكون الشهادة منهم على فعل واحد؛ لجواز أن يكون ما شهد به أحدهم غير ما شهد به الآخر .فلو شهد أربعة على رجل بالزنى فشهد اثنان منهم أنه زنى بها يوم الجمعة، وشهد آخران أنه زنى بها يوم السبت فإنه لا حد على المشهود عليه .وكذا لا تقبل الشهادة فيما لو شهد اثنان أنه زنى بها فى ساعة من النهار، وشهد آخران أنه زنى بها فى ساعة أخرى(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴، ص ۳۹، ۴۰، مادة "زنى" تفصيل الشهادة)

www.idaraghufran.org

وچشم دید گواہ خود سے زنا کا مشاہدہ کرنے والے ہوں، نہ کہ کسی دوسرے کے مشاہدہ کی گواہی پر گواہی دینے والے۔ [1]

(۱۱)...... زنا کی حد جاری ہونے کے لئے زانی کا ہوش وحواس کے ساتھ بغیر جبر واکراہ کے خود سے حاکم کے سامنے زنا کا اقرار کرنا بھی معتبر ہے، جبکہ وہ اقرار واعتراف صراحتاً زنا کے بارے میں بغیر کسی ابہام کے ہو۔

---

[1] اشترط جمهور الفقهاء -الحنفية والشافعية والحنابلة -في شهود الزنى الأصالة، فلا تجوز الشهادة على الشهادة في الزنى؛ لأن الحدود مبنية على الستر والدرء بالشبهات، والشهادة على الشهادة فيها شبهة يتطرق إليها اجتماع الغلط والسهو والكذب في شهود الفرع مع احتمال ذلك في شهود الأصل، وهذا احتمال زائد لا يوجد في شهود الأصل، ولأن الشهادة على الشهادة إنما تقبل للحاجة، ولا حاجة إليها في الحد، لأن ستر صاحبه أولى من الشهادة عليه.

ولم يشترط المالكية هذا الشرط فتجوز عندهم الشهادة على الشهادة في الزنى بشرط أن ينقل عن كل شاهد أصيل شاهدان، ويجوز أن ينقل الشاهدان عن شاهد واحد أو عن شاهدين،ويشترط في الشاهدين الناقلين أن لا يكون أحدهما شاهدا أصيلا، فيجوز في الزنى أن يشهد أربعة على شهادة أربعة، أو يشهد كل اثنين على شهادة واحد، أو شهادة اثنين، أو يشهد ثلاثة على ثلاثة، ويشهد اثنان على شهادة الرابع، وإذا نقل اثنان عن ثلاثة وعن الرابع اثنان لم يصح على المشهور خلافا لابن الماجشون؛ ووجه عدم صحتها أنه لا يصح الفرع إلا حيث تصح شهادة الأصل لو حضر، والرابع الذي نقل عنه الاثنان الآخران لو حضر ما صحت شهادته مع الاثنين الناقلين عن الثلاثة لنقص العدد، قال الدسوقي :ويحتمل أن عدم الصحة؛ لأن عدد الفرع فيها ناقص عن عدد الأصل حيث نقل عن الثلاثة اثنان فقط، والفرع لا ينقص عن الأصل لقيامه مقامه ونيابته منابه .كما يجوز عند المالكية التلفيق بين شهود الأصل والفرع، كأن يشهد اثنان على رؤية الزنى، وينقل اثنان عن كل واحد من الاثنين الآخرين.

شهادة الزوج على الزنى:ذهب جمهور الفقهاء (المالكية والشافعية والحنابلة) إلى عدم قبول شهادة الزوج على زوجته بالزنى للتهمة، إذ أنه بشهادته عليها مقر بعداوته؛ ولأنها دعوى خيانتها فراشه.

وذهب الحنفية إلى قبول شهادة الزوج؛ لأن التهمة ما توجب جر نفع، والزوج مدخل بهذه الشهادة على نفسه لحوق العار وخلو الفراش، خصوصا إذا كان له منها أولاد صغار.

وانظر الشهادة بالزنى القديم، في مصطلح (حدود ف ۲۴) الموسوعة ۱۷/۱۳۷.

وأما بقية مسائل الشهادة كرجوع الشهود، وظهور عدم أهلية الشهود، واختلاف الشهود في الشهادة، وتعارض الشهادات، وأثر تعهد النظر في قبول الشهادة، فتفصيلها في مصطلح :(شهادة) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴، ص ۴۰، ۴۱، مادة "زنى")

(۱۲)...... بعض فقہائے کرام کے نزدیک اقرار واعتراف کے ذریعہ سے زنا کی حد جاری ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ حاکم کی عدالت میں زانی یا زانیہ چار مرتبہ اقرار واعتراف کرے، اور بعض فقہاء کے نزدیک چار مرتبہ اقرار واعتراف شرط نہیں، بلکہ ایک مرتبہ اقرار واعتراف کرنا بھی کافی ہے۔ [1]

(۱۳)...... اقرار کی صورت میں زنا کی حد صرف اقرار کرنے والے کے اپنے حق میں جاری کی جاتی ہے، اور جس کے ساتھ وہ زنا کے صادر ہونے کا اقرار کرے، اس پر حد جاری ہونے کے لئے اس کا اقرار کرنا معتبر وکافی نہیں۔ [2]

---

[1]، [2] تكرار الإقرار:
ذهب الحنفية والحنابلة إلى أنه يشترط أن يقر الزاني أو الزانية أربع مرات، وبهذا قال الحكم وابن أبي ليلى وإسحاق.
ويرى المالكية والشافعية أن تكرار الإقرار ليس بشرط، ويكتفى بإقراره مرة واحدة، وبه قال الحسن وحماد وأبو ثور والطبري وابن المنذر وجماعة .لأن الإقرار إنما صار حجة في الشرع لرجحان جانب الصدق فيه على جانب الكذب، وهذا المعنى عند التكرار والتوحيد سواء ، ولأن الرسول صلى الله عليه وسلم قال :اغد يا أنيس إلى امرأة هذا، فإن اعترفت فارجمها فعلق الرجم على مجرد الاعتراف.
واستدل الحنفية والحنابلة بما روى أن ماعزا جاء إلى النبي صلى الله عليه وسلم فأقر بالزنى، فأعرض عنه النبي صلى الله عليه وسلم بوجهه الكريم إلى الأربع، فلو كان الإقرار مرة موجبا للحد لما أخره إلى الأربع (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷ ص۱۳۸، ۱۳۹، مادة "حدود")
اتفق الفقهاء على ثبوت الزنى بالإقرار، لأن النبي صلى الله عليه وسلم رجم ماعزا والغامدية بإقراريهما .وقد ذهب الحنفية والحنابلة إلى اشتراط كون الإقرار أربع مرات، فلا يكتفى بالإقرار مرة واحدة، وزاد الحنفية اشتراط كونها في أربعة مجالس من مجالس المقر دون مجلس القاضي، وذلك بأن يرده القاضي كلما أقر فيذهب حيث لا يراه ثم يجيء فيقر، ويستوي عند الحنابلة أن تكون الأقارير الأربعة في مجلس واحد، أو مجالس متفرقة.
وذهب المالكية والشافعية إلى الاكتفاء بالإقرار مرة واحدة، لأن النبي صلى الله عليه وسلم اكتفى من الغامدية بإقرارها مرة واحدة.
ويشترط في الإقرار أن يكون مفصلا مبينا لحقيقة الوطء لتزول التهمة والشبهة .ولقول النبي صلى الله عليه وسلم لماعز :لعلك قبلت أو غمزت أو نظرت؟ قال :لا يا رسول الله، قال :أنكتها؟ لا يكني فعند ذلك أمر برجمه .وفي رواية :قال :حتى غاب ذلك منك في ذلك منها؟ قال :نعم، قال :كما يغيب المرود في المكحلة والرشاء في البئر؟ قال :نعم .قال :فهل تدري ما الزنى؟ قال :

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۱۴)...... اکثر فقہائے کرام کے نزدیک صرف قرائن وعلامات اور آثار کی بنیاد پر زنا کی حد جاری نہیں کی جاتی، اسی لئے اگر حاکم وقاضی کو کسی کے زنا کرنے کا علم ہو، یا کوئی غیر شادی شدہ عورت حاملہ ہو، لیکن شریعت کی بیان کردہ تفصیل کے مطابق گواہوں یا زانی وزانیہ کے اپنے اقرار واعتراف سے ثبوت نہ ہو، تو اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

نعم أتيت منها حراما ما يأتي الرجل من امرأته حلالا .
وانظر مصطلح :(حدود ف ٢٦ الموسوعة ١٧/١٣٨)ومصطلح :(إقرار ف١٢ وما بعدها،٦/٤٩، وانظر أيضا الشبهة بتقادم الإقرار) والرجوع فى الإقرار فى مصطلح :(إقرار ف٥٧ وما بعدها الموسوعة ٦/٧١)

البينة على الإقرار:اختلف الفقهاء فى ثبوت حد الزنى بالبينة -الشهادة -على الإقرار.
فذهب جمهور الفقهاء -الحنفية والمالكية والحنابلة -إلى عدم ثبوت حد الزنى بالبينة على الإقرار من حيث الجملة .فذهب الحنفية إلى أنه لا تقبل الشهادة على الإقرار، وعند المالكية أنه إذا قامت بينة على إقراره وهو منكر فلا يحد، مثل الرجوع .وقال الحنابلة :لو شهد أربعة على إقراره بالزنى أربعا، يثبت الزنى لوجود الإقرار به أربعا، ولا يثبت الإقرار بالزنى بدون أربعة يشهدون على الإقرار به من الرجال .فإن أنكر المشهود عليه الإقرار، أو صدقهم دون أربع مرات فلا حد عليه، لأن إنكاره وتصديقه دون أربع رجوع عن إقراره، وهو مقبول منه.
وذهب الشافعية إلى ثبوت حد الزنى بالشهادة على إقراره .قالوا :لو شهدوا على إقراره بالزنى فقال :ما أقررت، أو قال بعد حكم الحاكم بإقراره :ما أقررت، فالصحيح أنه لا يلتفت إلى قوله؛ لأنه تكذيب للشهود والقاضى(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٤، ص ٤١، ٤٢، مادة "زنى" الاقرار والبينة على الاقرار)

[۱] ج -القرائن:ذهب جمهور الفقهاء (الحنفية والمالكية والشافعية فى الأصح والحنابلة) إلى عدم ثبوت حد الزنى بعلم الإمام والقاضى، فلا يقيمانه بعلمهما.
وذهب الشافعية فى قول مرجوح وأبو ثور :إلى ثبوته بعلمه .وقد سبق ذلك فى مصطلح :(حدود ف٢٨ الموسوعة ١٧/١٣٩)
وقد اختلف الفقهاء فى ثبوت حد الزنى بظهور الحمل واللعان وتفصيله فيما يلى:
ظهور الحمل:ذهب جمهور الفقهاء -الحنفية والشافعية والحنابلة -إلى عدم ثبوت حد الزنى بظهور الحمل فى امرأة لا زوج لها وأنكرت الزنى؛ لجواز أن يكون من وطء شبهة أو إكراه، والحد يدرأ بالشبهة، وقد روى عن سعيد أن امرأة رفعت إلى عمر ليس لها زوج وقد حملت، وسألها عمر،فقالت :إنى امرأة ثقيلة الرأس وقع على رجل وأنا نائمة، فما استيقظت حتى نزع فدرأ عنها

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۱۵)...... دوسری حدود کی طرح زنا کی حد جاری کرنے کا اختیار بھی حاکم یا اس کے مجاز نائب یا حکومت کی طرف سے مقرر کردہ عدالت کو حاصل ہے۔ ۱ؐ

(۱۶)...... اگر زنا کے ثبوت میں کوئی شبہ پایا جائے، تو زنا کی حد ساقط ہو جاتی ہے، البتہ بعض صورتوں میں مناسب تعزیر وتنبیہ کی جاتی ہے، اور تعزیر کا بیان آگے آتا ہے۔ ۲ؐ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الحد، وروی عن علي وابن عباس أنهما قالا :إذا كان فی الحد "لعل " "وعسی "فهو معطل، وقد صرح الحنابلة بأنها تسأل، ولا یجب سؤالها .وذهب المالكیة إلی ثبوت حد الزنی بظهور حمل امرأة لا زوج لها، فتحد ولا یقبل دعواها الغصب علی ذلک بلا قرینة تشهد لها بذلک، أما مع قرینة تصدقها فتقبل دعواها ولا تحد، كأن تأتی مستغیثة منه، أو تأتی البكر تدعی عقب الوطء ، وكذا لا تقبل دعواها أن هذا الحمل من منی شربه فرجها فی الحمام، ولا من وطء جنی إلا لقرینة مثل كونها عذراء وهی من أهل العفة .والمراد بالزوج زوج یلحق به الحمل فیخرج المجبوب والصغیر، أو أتت به كاملا لدون ستة أشهر من العقد فتحد .ومثل المرأة التی لا زوج لها الأمة التی أنكر سیدها وطأها فتحد .

اللعان :ذهب المالكیة والشافعیة إلی ثبوت حد الزنی باللعان إذا لاعن الزوج وامتنعت المرأة عنه، فیثبت علیها حد الزنی حینئذ وتحد، أما إذا لاعنت فلا حد علیها .

وذهب الحنفیة والحنابلة إلی أن المرأة إذا امتنعت عن اللعان لا حد علیها؛ لأن زناها لم یثبت؛ ولأن الحد یدرأ بالشبهة، ویحبسها الحاكم حتی تلاعن أو تصدقه.وتفصیل ذلک فی مصطلح :(لعان) (الموسوعة الفقهیة الكویتیة، ج۲۴، ص ۴۲،۴۳، مادة "زنی")

۱ؐ من یقیم حد الزنی :اتفق الفقهاء علی أنه لا یقیم حد الزنی علی الحر إلا الإمام أو نائبه، وقد سبق تفصیل ذلک فی مصطلح :(حدود ف۳۶الموسوعة ۱۴۴/۱۷)(الموسوعة الفقهیة الكویتیة، ج۲۴، ص۴۳، مادة "زنی" إقامة حد الزنی)

۲ؐ لا خلاف بین الفقهاء فی سقوط حد الزنی بالشبهة، إذ الحدود تدرأ بالشبهات لقول النبی صلی الله علیه وسلم :ادرء وا الحدود بالشبهات.وقد سبق الكلام علی الشبهة ف ۱۴ كما أنه لا خلاف بین الفقهاء فی سقوط حد الزنی بالرجوع عن الإقرار إذا كان ثبوته بالإقرار، وقد سبق تفصیل ذلک فی مصطلح :(حدود ف ۱۴ الموسوعة ۱۳۴/۱۷)

كما یسقط حد الزنی برجوع الشهود الأربعة كلهم أو بعضهم، وتفصیل ذلک فی مصطلح : (شهادة).

ویسقط حد الزنی أیضا بتكذیب أحد الزانیین للآخر للمقر بالزنی منهما، فیسقط الحد عن المكذب فقط دون المقر فعلیه الحد مؤاخذة بإقراره.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

آج کل زنا کے ثبوت کے شرعی طریقہ پر یہ شبہ کیا جاتا ہے کہ شریعت نے زنا کی حد وقانونی سزا جاری ہونے کے لئے جو چار عینی یا چشم دید گواہوں کو ضروری قرار دیا ہے، یہ تو ناممکن بات ہے، کیونکہ زنا عموماً چھپ کر کیا جاتا ہے، پھر چار عینی وچشم دید گواہ کہاں سے ملیں گے؟

اس کے جواب میں عرض ہے کہ زنا کا فعل معاشرہ میں سخت بے حیائی کا فعل ہے، شریعت کو اس کی اشاعت وتشہیر منظور نہیں، اور گواہوں میں شرائط کی تخفیف اور ان کو ہلکا قرار دینے سے اس فعل کی اشاعت وتشہیر لازم آتی ہے، اور اس کی اشاعت میں دوسرے لوگوں کو بھی اس گناہ کی طرف رغبت اور توجہ ہوتی ہے، اس لئے اس فعل کی سزا کے لئے گواہوں کے بارے میں سخت شرائط عائد کی گئی ہیں، البتہ جب چار عینی وچشم دید گواہوں سے ثبوت ہو جائے، تو پھر سزا جاری کی جاتی ہے، اور سزا کی وجہ سے لوگوں کو اس فعل سے ڈر پیدا ہوتا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

ولو أقر بالزنى بامرأة معينة فكذبته لم يسقط الحد عن المقر مؤاخذة له بإقراره عند الشافعية والحنابلة.وقد صرح الحنابلة بأنه ليس عليها الحد أيضا لو سكتت، أو لم تسأل عن ذلک.

وذهب الحنفية إلى سقوط الحد عن المقر أيضا، لانتفاء الحد عن المنكر بدليل موجب للنفى عنه، فأورث شبهة فى حق المقر، لأن الزنى فعل واحد يتم بهما .فإذا تمكنت فيه شبهة تعدت إلى طرفيه لأنه ما أطلق، بل أقر بالزنى بمن درأ الشرع الحد عنه، بخلاف ما لو أطلق وقال :زنيت، فإنه لا موجب شرعا يدفعه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴، ص۴۴،۴۵، مادة ”زنى“ مسقطات حد الزنى)

(فصل نمبر ۶)

تہمت وبہتان لگانے کی قانونی سزا

یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ دنیا میں انسان کی عزت و آبرو اس کا عظیم سرمایہ ہے، اور ایک باحیاء، باعزت، پاکدامن، مرد یا عورت پر زنا یا اس جیسی تہمت (Slander) لگانا، اس کی عزت کو سخت مجروح کرنا، اور دوسرے کے جذبات کو بری طرح متاثر کرنا، اور دوسرے کو غم و غصہ میں مبتلا کرنا اور جوش دلانا ہے، جو کہ معاشرہ میں سخت فتنہ وفساد کا باعث ہے۔

اسلام کے پاکیزہ قوانین میں اس کا بھی انتہائی معقول سدِّ باب کیا گیا ہے، اور معاشرہ کو اس گندگی سے پاک وصاف کرنے کا عمدہ نظام ترتیب دیا گیا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمَانِيْنَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ، إِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَأَصْلَحُوْا فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (سورة النور، رقم الآية، ۴،۵)

ترجمہ: جو لوگ پاکدامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں پھر چار گواہ نہ پیش کر سکیں تو انہیں اسّی کوڑے لگاؤ اور کبھی بھی ان کی گواہی قبول نہ کرو، یہ فاسق لوگ ہیں، ہاں جو لوگ اس کے بعد توبہ اور اصلاح کر لیں، تو اللہ غفور الرحیم ہے (سورہ نور)

اور ایک مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد ہے کہ:

إِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ. يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيْهِمْ

وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ. يَوْمَئِذٍ يُوَفِّيهِمُ اللّٰهُ دِينَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُونَ أَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ (سورة النور، رقم الآية، ۲۳تا ۲۵)

ترجمہ: جو لوگ پاکدامن اور برے کاموں سے بے خبر مومن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت (دونوں) میں لعنت ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے جس دن ان کی زبانیں ہاتھ اور پاؤں (سب) ان کے کاموں کی گواہی دیں گے، اس دن اللہ ان کو (ان کے اعمال کا) پورا پورا (اور) ٹھیک بدلہ دے گا اور ان کو معلوم ہو جائے گا کہ اللہ برحق (اور حق کو) ظاہر کرنے والا ہے (سورہ نور)

معلوم ہوا کہ پاکدامن پر تہمت لگانا گناہ ہے، اور اس پر اسّی کوڑوں کی سزا ہے۔

بیوی پر زنا کی تہمت اور لعان

اگر کوئی شخص اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے، تو شوہر کے مقام کا لحاظ رکھتے ہوئے چار عینی وچشم دید گواہ نہ ہونے کی صورت میں شوہر پر حدِ قذف یعنی اسّی کوروں کی سزا جاری نہیں کی جاتی، بلکہ لعان کا حکم ہوتا ہے۔

جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللّٰهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ، وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ، وَيَدْرَأُ عَنْهَا الْعَذَابَ أَنْ تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللّٰهِ إِنَّهُ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ، وَالْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ (سورة النور، رقم الآيات ۶ الی ۹)

ترجمہ: اور جو لوگ اپنی بیویوں پر تہمت لگاتے ہیں اور ان کے لیے سوائے اپنے اور کوئی گواہ نہیں تو ایسے شخص کی گواہی کی یہ صورت ہے کہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر

گواہی دے کہ بیشک وہ سچا ہے، اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹا ہے، اورعورت کی سزا کو یہ بات دور کردے گی کہ اللہ کو گواہ کر کے چار مرتبہ یہ کہے کہ بیشک وہ (مرد) سراسر جھوٹا ہے، اور پانچویں مرتبہ کہے کہ بیشک اس (عورت یعنی خود اس) پر اللہ کا غضب پڑے اگر وہ (شخص) سچا ہے (سورہ نور)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شوہر اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے، اور چار عینی وچشم دید گواہ پیش نہ کر سکے، تو اس صورت میں میاں بیوی کے درمیان لعان کا حکم ہوتا ہے، جس کا طریقہ قرآن مجید میں بیان کر دیا گیا ہے۔

اگر میاں بیوی قرآن مجید میں مذکورہ طریقہ پر لعان کر لیں، تو ان دونوں میاں بیوی میں علیٰحدگی کرادی جاتی ہے، اور نکاح کا تعلق ختم کرادیا جاتا ہے، لیکن اس صورت میں ان میں سے کسی پر زنا یا تہمت کی حد جاری نہیں کی جاتی۔

تہمت کی قانونی سزا سے متعلق چند احکام

اب تہمت کی قانونی سزا کے سلسلہ میں چند احکام ملاحظہ فرمائیں:

(ا)...... اگر کوئی شخص کسی عاقل، بالغ، آزاد پاکدامن مسلمان مرد یا عورت پر صریح زِنا کی تہمت لگائے، اور پھر چار عینی وچشم دید گواہ پیش نہ کر سکے، تو اسلامی قانون میں اس تہمت لگانے والے پر حدِ قذف جاری کی جاتی ہے، جو کہ اسّی کوڑے ہیں۔

اور اگر تہمت لگانے والا غلام یا باندی ہو، تو اُس پر حدِ قذف اس کی نصف یعنی چالیس کوڑے لگائے جاتے ہیں۔ [1]

---

[1] إيقاع الحد على الرقيق إذا قذف محصنا أو محصنة: إذا قذف الرقيق المكلف محصنا أو محصنة بالزنا ولم تتم الشهادة وجب عليه الحد إجماعا إذا تمت شروطه لعموم آية القذف،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۲)...... کسی کو زنا کی تہمت لگانے پر جو حدِ قذف یعنی اسّی کوڑوں کی سزا جاری کی جاتی ہے، وہ اس وقت ہے، جبکہ کسی پر زنا کی تہمت لگائی جائے، اور زنا کے ثبوت کے لئے شریعت نے جو شرائط مقرر کی ہیں، وہ موجود نہ ہوں۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وجمهور العلماء على أن حد الرقيق نصف حد الحر، وذلک أنه لما كان حد القذف الجلد فهو يتنصف، فوجب تنصيفه، كحد الجلد فى الزنا، وقد قال عبد الله بن عامر بن ربيعة :أدركت أبا بكر وعمر وعثمان ومن بعدهم من الخلفاء فلم أرهم يضربون المملوک إذا قذف إلا أربعين (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص ۷۹،مادة"رق" ، حد القذف)

[۱] القذف على ثلاثة أضرب :صريح، وكناية، وتعريض.

فاللفظ الذى يقصد به القذف :إن لم يحتمل غيره فصريح، وإلا فإن فهم منه القذف بوضعه فكناية، وإلا فتعريض .

واتفق الفقهاء على أن القذف بصريح الزنا يوجب الحد بشروطه.

وأما الكناية :فعند الشافعية والمالكية:

إذا أنكر القذف صدق بيمينه، وعليه التعزير عند جمهور فقهاء الشافعية، للإيذاء ، وقيده الماوردى بما إذا خرج اللفظ مخرج السب والذم، فإن أبى أن يحلف حبس عند المالكية، فإن طال حبسه ولم يحلف عزر.

ولكنهم اختلفوا فى بعض الألفاظ:

فعند الشافعية إذا قال لرجل :يا فاجر، يا فاسق، يا خبيث، أو لامرأة :يا فاجرة، يا فاسقة، يا خبيثة، أو أنت تحبين الخلوة، أو لا تردين يد لامس، فإن أنكر إرادة القذف صدق بيمينه؛ لأنه أعرف بمراده، فيحلف أنه ما أراد القذف، ثم عليه التعزير.

وعند المالكية :إذا قال لآخر :يا فاجر، يا فاسق، أو يا ابن الفاجرة، أو يا ابن الفاسقة، يؤدب، فإذا قال :يا خبيث، أو يا ابن الخبيثة، فإنه يحلف أنه ما أراد قذفا، فإن أبى أن يحلف يحبس، فإن طال حبسه ولم يحلف عزر.

وإذا قال :يا فاجر بفلانة، ففيه قولان :الأول :حكمه حكم ما إذا قال :يا خبيث، أو يا ابن الخبيثة.

الثانى :أن يضرب حد القذف، إلا أن تكون له بينة على أمر صنعه من وجوه الفجور، أو من أمر يدعيه، فيكون فيه مخرج لقوله، فإن لم يكن له بينة، فعليه الحد، وإذا قال لآخر :يا مخنث، فعند المالكية عليه الحد، إلا أن يحلف بالله، إنه لم يرد بذلک قذفا، فإن حلف عفى عنه بعد الأدب، ولا يضرب حد الفرية، وإنما تقبل يمينه، إذا كان المقذوف فيه تأنيث ولين واسترخاء ، فحينئذ يصدق، ويحلف إنه لم يرد قذفا، وإنما أراد تأنيثه ذلک، وأما إذا كان المقذوف ليس فيه شىء من ذلک، ضرب الحد، ولم تقبل يمينه، إذا زعم أنه لم يرد بذلک قذفا ، ولو قال لامرأة :يا قحبة، فعليه الحد عند المالكية، وهو الظاهر عند الشافعية. وعند الحنفية والحنابلة :لا حد إلا على من صرح بالقذف، فلو قال رجل لآخر :يا فاسق يا خبيث،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۳)...... اگر کسی پاکدامن مرد یا عورت کو زنا کے بجائے قومِ لوط کے فعل یعنی اغلام بازی کی تہمت لگائی، خواہ فاعل ہونے کے اعتبار سے یا مفعول ہونے کے اعتبار سے، تو اُس پر بھی بہت سے فقہاء کے نزدیک حدِ قذف یعنی اسّی کوڑوں کی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ أو يا فاجر، أو يا فاجر ابن الفاجر، أو يا ابن القحبة، فلا حد عليه؛ لأنه ما نسبه ولا أمه إلى صريح الزنا، فالفجور قد يكون بالزنا وغير الزنا، والقحبة من يكون منها هذا الفعل، فلا يكون هذا قذفا بصريح الزنا، فلو أوجبنا الحد، فقد أوجبناه بالقياس، ولا مدخل للقياس فى الحد، لكنه عليه التعزير؛ لأنه ارتكب حراما، وليس فيه حد مقدر؛ ولأنه ألحق به نوع شين بما نسبه إليه، فيجب التعزير، لدفع ذلك الشين عنه.

ولو قال رجل لآخر :زنأت مهموزا، كان قذفا صريحا عند أبى حنيفة وصاحبيه،والحنابلة فى المذهب، وهو أحد قولين فى مقابل الأصح للشافعية؛ لأن عامة الناس لا يفهمون من ذلك إلا القذف، فكان قذفا، كما لو قال :زنيت.

والقول الثانى فى مقابل الأصح للشافعية : أنه إن كان من أهل اللغة فكناية، وإن كان من العامة فهو قذف؛ لأن العامة لا يفرقون بين زنيت وزنأت.والأصح عند الشافعية :أنه كناية.

وقال ابن حامد من الحنابلة :إن كان عاميا فهو قذف، وإن كان من أهل العربية لم يكن قذفا.

ولو قال لرجل :يا زانية، لا يحد استحسانا عند أبى حنيفة وأبى يوسف، وهو أحد قولين للحنابلة؛ لأنه رماه بما يستحيل منه.

وعند الشافعية ومحمد يحد؛ لأنه قذفه على المبالغة، فإن التاء تزاد له كما فى علامة ونسابة، وهو القول الثانى للحنابلة، ورجحه فى المغنى؛ لأن ما كان قذفا لأحد الجنسين، كان قذفا للآخر، كقوله :زنيت بفتح التاء وكسرها لهما جميعا؛ ولأن هذا خطاب له، وإشارة إليه بلفظ الزنا، وذلك يغنى عن التمييز بتاء التأنيث وحذفها، ولو قال لامرأة " :يا زانى "حد عندهم جميعا؛ لأن الترخيم شائع، كقولهم فى "مالك " :"يا مال "وفى "حارث " :"يا حار.

وإن قال زنى فرجك، أو ذكرك، فهو قذف؛ لأن الزنا يقع بذلك، وإن قال :زنت عينك، أو يدك، أو رجلك، فليس بقذف عند الحنفية.

وللشافعية فيه قولان :المذهب أنه كناية، إن قصد القذف كان قذفا، وإلا فلا؛ لأن الزنا لا يوجد من هذه الأعضاء حقيقة، ولهذا قال النبى صلى الله عليه وسلم :إن الله كتب على ابن آدم حظه من الزنا، أدرك ذلك لا محالة، فزنا العين النظر، وزنا اللسان النطق، والنفس تتمنى وتشتهى، والفرج يصدق ذلك كله ويكذبه ، ومقابل المذهب :أنه قذف، لأنه أضاف الزنا إلى عضو منه، فأشبه ما إذا أضافه إلى الفرج ، فإن قال :زنى بدنك، ففيه وجهان:

أحدهما :أنه ليس بقذف من غير نية؛ لأن الزنا بجميع البدن يكون بالمباشرة، فلم يكن صريحا فى القذف.

والثانى :أنه قذف؛ لأنه أضافه إلى جميع البدن، والفرج داخل فيه.وإن قال لرجل :أنت أزنى من فلان، فلا حد عليه عند الحنفية مطلقا؛ ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

سزا جاری کی جاتی ہے، جبکہ بعض فقہاء کے نزدیک اُس پر حدِ قذف جاری نہیں کی جاتی؛ البتہ مناسب تعزیر کی جاتی ہے، جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ لأن أفعل يذكر بمعنى المبالغة فى العلم، فكان معنى كلامه :أنت أعلم بالزنا من فلان، أو أنت أقدر على الزنا من فلان.

وعند الشافعية :لا يكون قذفا من غير نية.

وعند الحنابلة وأبى يوسف من الحنفية :يكون قذفا فيحد، وهل يكون قاذفا للثانى؟ فيه وجهان:

أحدهما :يكون قاذفا له، لأنه أضاف الزنا إليهما، وجعل أحدهما فيه أبلغ من الآخر، فإن لفظة ": أفعل "للتفضيل، فيقتضى اشتراك المذكورين فى أصل الفعل، وتفضيل أحدهما على الآخر فيه، كقوله " :أجود من حاتم ."

والثانى :يكون قاذفا للمخاطب خاصة؛ لأن لفظة " :أفعل "قد تستعمل للمنفرد بالفعل، كقول الله تعالى :(أفمن يهدى إلى الحق أحق أن يتبع أمن لا يهدى إلا أن يهدى)

وذهب الحنفية إلى أنه إن قال لرجل:يا زانى، فقال آخر :صدقت، لم يحد المصدق؛ لأنه ما صرح بنسبته إلى الزنا، وتصديقه إياه لفظ محتمل، يجوز أن يكون المراد به فى الزنا وفى غيره، وإن كان باعتبار الظاهر إنما يفهم منه التصديق فى الزنا، ولكن هذا الظاهر لا يكفى لإيجاب الحد، إلا أن يكون قال :صدقت هو كما قلت، فحينئذ قد صرح بكلامه أن مراده التصديق فى نسبته إلى الزنا، فيكون قاذفا له.

وقال زفر :فى كلتا المسألتين يحدان جميعا، وإن قال لرجل :أشهد أنك زان، وقال آخر :وأنا أشهد أيضا، لا حد على الآخر؛ لأن قوله أشهد كلام محتمل، فلا يتحقق به القذف إلا أن يقول :أنا أشهد عليه بمثل ما شهدت به، فحينئذ يكون قاذفا له (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۳ص ۶ الیٰ ۹ ،مادة " قذف"، صيغة القذف)

۱ ومن قذف رجلا بعمل قوم لوط إما فاعلا أو مفعولا، فعليه حد القذف؛ لأنه قذفه بوطء يوجب الحد، فأشبه القذف بالزنا، وهذا قول الحسن والنخعى، والزهرى ومالك والشافعى، وأحمد وأبى يوسف، ومحمد بن الحسن وأبى ثور.

وقال عطاء وقتادة وأبو حنيفة :لا حد عليه؛ لأنه قذفه بما لا يوجب الحد عندهم، وكذلك لو قذف امرأة أنها وطئت فى دبرها،أو قذف رجلا بوطء امرأة فى دبرها.

وإن قال لرجل " :يا لوطى "، وقال :أردت أنك على دين قوم لوط، فعليه الحد عند الزهرى ومالك، وما صح عند الحنابلة، ولا يسمع تفسيره بما يحيل القذف، لأن هذه الكلمة لا يفهم منها إلا القذف بعمل قوم لوط، فكانت صريحة فيه، كقوله " :يا زانى "، ولأن قوم لوط لم يبق منهم أحد، فلا يحتمل أن ينسب إليهم.

وقال الحسن والنخعى والشافعى :إذا قال :نويت أن دينه دين قوم لوط، فلا حد عليه، وإن قال: أردت أنك تعمل عمل قوم لوط، فعليه الحد، ووجه ذلك أنه فسر كلامه بما لا يوجب الحد، وهو يحتمل، فلم يجب عليه الحد، كما لو فسره به متصلا بكلامه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۳ص ۶ الیٰ ۱۰ ،مادة " قذف")

(۴)......اگر کوئی اشارہ وکنایہ کے ساتھ کسی پر زنا کی تہمت لگائے، تو اُس پر بھی بعض فقہاء کے نزدیک حدِ قذف یعنی اسّی کوڑوں کی سزا جاری کی جاتی ہے، لیکن بعض فقہاء کا اس میں اختلاف ہے۔ [1]

(۵)...... زنا کی تہمت لگانے والے پر حدِ قذف جاری ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ عاقل، بالغ ہو، اور جبر واِکراہ کے بغیر کسی پاکدامن پر زنا کی تہمت لگائے۔ [2]

---

[1] وأما التعريض بالقذف :فقد اختلف الفقهاء فى وجوب الحد به:
فذهب الحنفية :إلى أن التعريض بالقذف قذف، كقوله :ما أنا بزان، وأمى ليست بزانية، ولكنه لا يحد؛ لأن الحد يسقط للشبهة، ويعاقب بالتعزير؛ لأن المعنى :بل أنت زان.
وذهب مالك :إلى أنه إذا عرض بالقذف غير أب، يجب عليه الحد إن فهم القذف بتعريضه بالقرائن، كخصام بينهم، ولا فرق فى ذلك بين النظم والنثر، أما الأب إذا عرض لولده، فإنه لا يحد، لبعده عن التهمة.
وهو أحد قولين للإمام أحمد؛ لأن عمر رضى الله عنه استشار بعض الصحابة فى رجل قال لآخر :ما أنا بزان ولا أمى بزانية .فقالوا :إنه قد مدح أباه وأمه، فقال عمر :قد عرض لصاحبه، فجلده الحد.
والتعريض بالقذف عند الشافعية، كقوله :يا ابن الحلال، وأما أنا فلست بزان، وأمى ليست بزانية، فهذا كله ليس بقذف وإن نواه؛ لأن النية إنما تؤثر إذا احتمل اللفظ المنوى، ولا دلالة هنا فى اللفظ، ولا احتمال، وما يفهم منه مستنده قرائن الأحوال، هذا هو الأصح .وقيل :هو كناية، أى عن القذف، لحصول الفهم والإيذاء ، فإن أراد النسبة إلى الزنا فقذف، وإلا فلا.
وسواء فى ذلك حالة الغضب وغيرها ،وهو أحد قولى الإمام أحمد (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۳ص ۱۰، ۱۱ ،مادة " قذف"، حكم التعريض)

[2] اتفق الفقهاء على أنه يشترط فى القاذف :البلوغ والعقل والاختيار، وسواء أكان ذكرا أم أنثى، حرا أو عبدا، مسلما أو غير مسلم. واختلف الفقهاء فى شروط، منها:
الإقامة فى دار العدل :وهو شرط عند الحنفية احترازا عن المقيم فى دار الحرب.
النطق :وهو شرط عند الحنفية، فلا حد على الأخرس.
التزام أحكام الإسلام :وهو شرط عند الشافعية، فلا حد على حربى، لعدم التزامه أحكام الإسلام.
العلم بالتحريم :وهو شرط عند الشافعية، وهو احتمال عند الحنفية، فلا حد على جاهل بالتحريم؛ لقرب عهده بالإسلام، أو بعده عن العلماء .
عدم إذن المقذوف :وهو شرط عند الشافعية، فلا حد على من قذف غيره بإذنه، كما نقله الرافعى عن الأكثرين.
أن يكون القاذف غير أصل للمقذوف :وهو شرط عند الحنفية، والمذهب عند المالكية والشافعية والحنابلة، وفى قول عند المالكية يحد الأب بقذف ابنه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۳ص ۱۱ ،مادة " قذف"، شروط حد القذف فى القاذف)

(۲)...... زنا کی تہمت لگانے پر حدِ قذف یعنی اسّی کوڑوں کی سزا اُس وقت جاری کی جائے گی، جبکہ عاقل، بالغ، مسلمان اور آزاد، پاک دامن مرد یا عورت پر زنا کی تہمت لگائے۔ [۱]

اور پاک دامن سے مراد یہ ہے کہ وہ مذکورہ صفات کے ساتھ ساتھ ایسا مرد یا عورت ہو، جس پر اس سے پہلے زنا کا شرعی طریقہ پر ثبوت نہ ہوا ہو۔ [۲]

---

[۱] كون المقذوف محصنا: يشترط فى المقذوف -الذى يجب الحد بقذفه من الرجال والنساء - أن يكون محصنا، وشروط الإحصان فى القذف :البلوغ، والعقل، والإسلام، والحرية، والعفة عن الزنا، فإن قذف صغيرا أو مجنونا لم يجب عليه الحد؛ لأن ما رمى به الصغير والمجنون لو تحقق لم يجب به الحد، فلم يجب الحد على القاذف، كما لو قذف عاقلا بما دون الوطء ، وإن قذف كافرا لم يجب عليه الحد، لما روى ابن عمر رضى الله عنهما " :أن النبى صلى الله عليه وسلم قال :من أشرك بالله فليس بمحصن، وإن قذف مملوكا لم يجب عليه الحد؛ لأن نقص الرق يمنع كمال الحد، فيمنع وجوب الحد على قاذفه، وإن قذف زانيا لم يجب عليه الحد، لقوله عز وجل :(والذين يرمون المحصنات ثم لم يأتوا بأربعة شهداء فاجلدوهم ثمانين جلدة) ، فأسقط الحد عنه إذا ثبت أنه زنى، فدل على أنه إذا قذفه وهو زان لم يجب عليه الحد، وقال مالك فى الصبية التى يجامع مثلها : يحد قاذفها، خصوصا إذا كانت مراهقة، فإن الحد بعلة إلحاق العار، ومثلها يلحقه.
والتفصيل فى مصطلح (إحصان ف۵ ۱ـ ۱۹)(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۳ص ۱۲ ،مادة "قذف"، شروط حد القذف فى المقذوف)

[۲] المحصن الذى يحد قاذفه هو من تتوفر فيه الشروط الآتية باتفاق الفقهاء ، إذا كان القذف بالزنا، أما فى حالة نفى النسب فيشترط أبو حنيفة فضلا عن ذلك أن تكون الأم مسلمة وأن تكون حرة.
أ -الحرية :فلا حد على قاذف العبد والأمة.
ب -الإسلام :فلا حد على قاذف مرتد أو كافر أصلى؛ لأنه غير محصن .وإنما اعتبر الكافر محصنا عند أكثر أهل العلم فى حد الزنا دون حد القذف لأن حده فى الزنا بالرجم إهانة له، وحد قاذف الكافر إكرام له، والكافر ليس من أهل الإكرام.
ج، د -العقل والبلوغ :خرج الصبى والمجنون لأنه لا يتصور منهما الزنا، أو هو فعل محرم، والحرمة بالتكليف، وأبو حنيفة والشافعى يشترطان البلوغ مطلقا، سواء أكان المقذوف ذكرا أم أنثى، ولا يشترط مالك البلوغ فى الأنثى، ولكنه يشترطه فى الغلام، ويعتبر الصبية محصنة إذا كانت تطيق الوطء ، أو كان مثلها يوطأ ولو لم تبلغ ، لأن مثل هذه الصبية يلحقها العار .واختلفت الروايات عن أحمد فى اشتراط البلوغ، ففى رواية أن البلوغ شرط يجب توفره فى المقذوف؛ لأنه أحد شرطى التكليف، فأشبه العقل؛ ولأن زنى الصبى لا يوجب حدا، فلا يجب الحد بالقذف به، كزنى المجنون.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

(۷)...... کسی پر زنا کی تہمت لگانے والے کی مذکورہ سزا کا ثبوت حاکم کی عدالت میں یا تو دو معتبر گواہوں کے ذریعہ سے ہوگا، یا پھر تہمت لگانے والے کے جبر و اکراہ کے بغیر خود اقرار کرنے سے ہوگا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وفی رواية ثانية أن البلوغ ليس شرطا، لأنه حر عاقل عفيف يتعير بهذا القول الممكن صدقه، فأشبه الكبير .وعلى هذه الرواية لا بد أن يكون كبيرا ممن يتأتى منه الجماع .ويرجع فيه إلى اختلاف البلاد.

هـ -العفة عن الزنى :معنى العفة عن الزنى ألا يكون المقذوف وطء فى عمره وطئا حراما فى غير ملك ولا نكاح أصلا، ولا فى نكاح فاسد فسادا مجمعا عليه، فإن كان قد فعل شيئا من ذلك سقطت عفته، سواء كان الوطء زنى موجبا للحد أم لا، فالعفة الفعلية يشترطها الأئمة الثلاثة، وأحمد يكتفى بالعفة الظاهرة عن الزنى، فمن لم يثبت عليه الزنا ببينة أو إقرار، ومن لم يحد للزنا فهو عفيف.

ثم إن كان القذف بنفى النسب حد اتفاقا، وإن كان بالزنى فيمن لا يتأتى منه الوطء فلا يحد قاذفه عند أبى حنيفة والشافعى ومالك .وقالوا :لا حد على قاذف المجبوب.

وقال ابن المنذر :وكذلك الرتقاء ، وقال الحسن :لا حد على قاذف الخصى، لأن العار منتف عن هؤلاء للعلم بكذب القاذف، والحد إنما يجب لنفى العار.

وعند أحمد يجب الحد على قاذف الخصى والمجبوب والمريض والرتقاء والقرناء لعموم قوله تعالى :(والذين يرمون المحصنات ثم لم يأتوا بأربعة شهداء فاجلدوهم ثمانين جلدة)

والرتقاء داخلة فى عموم هذا، ولأنه قاذف لمحصن فيلزمه الحد كقاذف القادر على الوطء ؛ ولأن إمكان الوطء أمر خفى لا يعلمه كثير من الناس فلا ينتفى العار عند من لم يعلمه بدون الحد، فيجب كقذف المريض.

إثبات الإحصان فى القذف:

كل مسلم محمول على العفة ما لم يقر بالزنى، أو يثبت عليه بأربعة عدول، فإذا قذف إنسان بالزنى فالمطالب بإثبات الزنى وعدم العفة هو القاذف، لقوله تعالى :(والذين يرمون المحصنات ثم لم يأتوا بأربعة شهداء فاجلدوهم ثمانين جلدة)

وأما المقذوف فلا يطالب بإثبات العفة؛ لأن الناس محمولون عليها حتى يثبت القاذف خلافه، فإذا أقر القاذف بإحصان المقذوف ثبت الإحصان.

وإن أنكر القاذف الإحصان فعليه أن يقيم البرهان على سقوط عفة المقذوف، فإن عجز عن الإثبات فليس له أن يحلف المقذوف(الموسوعة الفقهية الكويتية،ج۲،ص۲۲۸،مادة "إحصان"، شروط إحصان القذف)

[1] يثبت القذف بشهادة شاهدين عدلين، ولا تقبل فيه شهادة النساء مع الرجال فى قول عامة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

(۸)...... حدِ قذف یعنی زنا کی تہمت لگانے کی حد یا قانونی سزا آزاد مرد وعورت کے لئے اسّی کوڑے، اور غلام و باندی کے لئے اس کے نصف یعنی چالیس کوڑے اسی تفصیل کے مطابق ہیں، جس کا ذکر شراب نوشی کے بیان میں گزرا۔ [1]

(۹)...... جس پر زنا کی تہمت لگائی جائے، اُس کے تہمت لگانے والے کو معاف کرنے سے حدِ قذف یعنی اسّی کوڑوں کی سزا ساقط ہونے نہ ہونے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے، بعض ساقط ہونے کے قائل ہیں۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

الفقهاء ، فعن الزهرى أنه قال :جرت السنة على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم والخليفتين من بعده، أن لا تقبل شهادة النساء فى الحدود، ولا تقبل فيه الشهادة على الشهادة، ولا كتاب القاضى إلى القاضى؛ لأن موجبه حد يندرء بالشبهات، وهو قول النخعى والشعبى، وأبى حنيفة وأحمد.

وقال مالك وأبو ثور، والشافعى فى المذهب :تقبل فيه الشهادة على الشهادة وفى كل حق؛ لأن ذلك يثبت بشهادة الأصل، فيثبت بالشهادة على الشهادة، كما يقبل فيه كتاب القاضى إلى القاضى.

ثبوته بالإقرار:

ويثبت بالإقرار كسائر الحقوق، ويجب الحد بإقراره، ومن أقر بالقذف ثم رجع لم يقبل رجوعه؛ لأن للمقذوف فيه حقا، فيكذبه فى الرجوع، بخلاف ما هو خالص حق الله تعالى؛ لأنه لا مكذب له فيه، فيقبل رجوعه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۳ص ۱۳ ، مادة " قذف"، ثبوت حد القذف: ثبوته بالشهادة)

[1] حد القذف للحر ثمانون جلدة، لقوله تعالى :(والذين يرمون المحصنات ثم لم يأتوا بأربعة شهداء فاجلدوهم ثمانين جلدة) ، وينصف فى حق العبد عند الجمهور.

وأما كيفية الجلد فى الحد، ففيه تفصيل ينظر فى مصطلح (حدود)

ويشترط لإقامة الحد بعد تمام القذف بشروطه شرطان.

الأول :أن لا يأتى القاذف ببينة لقول الله تعالى :(والذين يرمون المحصنات ثم لم يأتوا بأربعة شهداء فاجلدوهم) ، فيشترط فى جلدهم عدم البينة، وكذلك يشترط عدم الإقرار من المقذوف؛ لأنه فى معنى البينة، فإن كان القاذف زوجا اشترط امتناعه من اللعان، ولا نعلم فى ذلك خلافا.

الثانى :مطالبة المقذوف واستدامة مطالبته إلى إقامة الحد؛ لأنه حقه، فلا يستوفى قبل طلبه كسائر حقوقه، ومن قال :إن الحد من حقوق الله لم يشترط المطالبة، بل على الإمام أن يقيمه بمجرد وصوله إليه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۳ص ۱۳، ۱۴، مادة " قذف"، حد القذف)

www.idaraghufran.org

جبکہ بعض ساقط نہ ہونے کے قائل ہیں، خواہ حاکم کے سامنے ثبوت کیوں نہ ہو چکا ہو۔ ل

ل أولا: عفو المقذوف عن القاذف: اختلف الفقهاء فى عفو المقذوف عن القاذف، فذهب الشافعية والحنابلة، وهو رواية عن أبى يوسف إلى أن للمقذوف أن يعفو عن القاذف، سواء قبل الرفع إلى الإمام أو بعد الرفع إليه؛ لأنه حق لا يستوفى إلا بعد مطالبة المقذوف باستيفائه، فيسقط بعفوه كالقصاص، وفارق سائر الحدود، فإنه لا يعتبر فى إقامتها طلب استيفائها.
وذهب الحنفية إلى: أنه لا يجوز العفو عن الحد فى القذف، سواء رفع إلى الإمام أو لم يرفع.
وذهب المالكية إلى: أنه لا يجوز العفو بعد أن يرفع إلى الإمام، إلا الابن فى أبيه، أو الذى يريد سترا، على أنه لا يقبل العفو من أصحاب الفضل المعروفين بالعفاف؛ لأنهم ليسوا ممن يدارون بعفوهم سترا عن أنفسهم.
قال ابن رشد: والسبب فى اختلافهم هل هو حق لله أو حق للآدميين أو حق لكليهما؟ فمن قال حق لله: لم يجز العفو كالزنا، ومن قال حق للآدميين: أجاز العفو، ومن قال حق لكليهما وغلب حق الإمام إذا وصل إليه، قال بالفرق بين أن يصل الإمام أو لا يصل، وقياسا على الأثر الوارد فى السرقة فى حديث صفوان بن أمية فى قصة الذى سرق رداء ہ ثم أراد ألا يقطع، فقال له النبى صلى الله عليه وسلم: فهلا كان هذا قبل أن تأتينى به، وحديث ابن مسعود رضى الله عنه فى قصة الذى سرق: فأمر النبى صلى الله عليه وسلم بقطعه، فرأوا منه أسفا عليه، فقالوا: يا رسول الله، كأنك كرهت قطعه، قال وما يمنعنى؟ لا تكونوا عونا للشيطان على أخيكم، إنه ينبغى للإمام إذا انتهى إليه حد أن يقيمه، إن الله عفو يحب العفو. وعمدة من قال إنه حق للآدميين -وهو الأظهر:- أن المقذوف إذا صدقه فيما قذفه به سقط عنه الحد.
ثانيا: اللعان: وذلك إذا رمى الرجل زوجته بالزنا، أو نفى حملها أو ولدها منه، ولم يقم بينة على ما رماها به، فإن الحد يسقط عنه إذا لاعن زوجته. والتفصيل فى مصطلح: (لعان).
ثالثا: البينة: إذا ثبت زنا المقذوف بشهادة أو إقرار حد المقذوف وسقط الحد عن القاذف، لقوله تعالى: (والذين يرمون المحصنات ثم لم يأتوا بأربعة شهداء فاجلدوهم ثمانين جلدة ولا تقبلوا لهم شهادة أبدا وأولئك هم الفاسقون)، وفى بيان إثبات الزنا بالشهادة أو الإقرار انظر المصطلحات (إقرار وشهادة وزنى)
رابعا: زوال الإحصان: ذهب الحنفية والمالكية إلى أنه: لو قذف محصنا، ثم زال أحد أوصاف الإحصان عنه، كأن زنى المقذوف أو ارتد أو جن، سقط الحد عن القاذف؛ لأن الإحصان يشترط فى ثبوت الحد، وكذلك استمراره.
وذهب الشافعية إلى أن: حد القذف يسقط بزنا المقذوف قبل إقامة الحد؛ لأن الإحصان لا يستيقن بل يظن، ولكن حد القذف لا يسقط بردة المقذوف، والفرق بين الردة والزنا أن الزنا يكتم ما أمكن، فإذا ظهر أشعر بسبق مثله؛ لأن الله تعالى كريم لا يهتك الستر أول مرة كما قاله عمر -رضى الله عنه- والردة عقيدة، والعقائد لا تخفى غالبا، فإظهارها لا يدل على سبق الخفاء، ولا يسقط كذلك بجنون المقذوف. ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۱۰)...... اگر کوئی ایسے مرد یا عورت کو زنا کی تہمت لگائے کہ جس کے اپنے اقرار یا چار معتبر عینی مرد گواہوں کے ذریعہ سے اس سے پہلے کم از کم ایک مرتبہ زنا کا ثبوت ہو چکا ہو، تو اُس پر حدِ قذف جاری نہیں کی جائے گی، کیونکہ وہ شرعی اعتبار سے محصن (یعنی پاکدامن) ہونے کی فہرست میں داخل نہیں۔ [1]

(۱۱)...... اگر کوئی شخص وفات شُدہ پاک دامن میت پر زنا کی تہمت لگائے، اور اُس کے ورثاء حدِ قذف کا مطالبہ کریں، تو اکثر فقہاء کے نزدیک اُس پر حدِ قذف

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وذهب الحنابلة إلى أن القذف إذا ثبت لا يسقط بزوال شرط من شروط الإحصان بعد ذلک، كما لو زنى المقذوف قبل إقامة الحد أو جن فإنه لا يسقط الحد عن القاذف بذلک.

خامسا :رجوع الشهود أو بعضهم عن الشهادة :إذا ثبت الحد بشهادة الشهود، ثم رجعوا عن شهادتهم قبل إقامة الحد، سقط الحد باتفاق الفقهاء ، وكذلک إذا رجع بعضهم ولم يبق منهم ما يثبت الحد بشهادته منهم؛ لأن رجوعهم شبهة، والحدود تدرأ بالشبهات . والتفصيل فى مصطلح (رجوع) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۳ص ۱۴ الیٰ ۱۶ ، مادة " قذف"، ما يسقط به حد القذف)

[1] ومن ثبت زناه ببينة أو إقرار فلا حد على قاذفه؛ لأنه صادق سواء قذفه بذلک الزنا بعينه، أو بزنا آخر أو مبهما؛ لأنه رمى غير محصن؛ لأن المحصن لا يكون زانيا، ومن لا يجب عليه الحد لعدم إحصان المقذوف يعزر؛ لأنه آذى من لا يجوز أذاه.

قال الشافعية :والحكم كذلک ولو تاب بعد زناه وصلح حاله، فلم يعد محصنا أبدا، ولو لازم العدالة وصار من أورع خلق الله وأزهدهم، فلا يحد قاذفه، سواء أقذفه بذلک الزنا أم بزنا بعده أم أطلق؛ لأن العرض إذا انخرم بالزنا لم يزل خلله بما يطرأ من العفة، ولا يرد حديث :التائب من الذنب كمن لا ذنب له لأن هذا بالنسبة إلى الآخرة.

ونص الحنابلة على أن :من شروط المقذوف أن يكون عفيفا عن الزنا فى ظاهر حاله، ولو كان تائبا منه؛ لأن التائب من الذنب كمن لا ذنب له، ثم نصوا على أن المقذوف إذا أقر بالزنا، ولو دون أربع مرات أو حد للزنا، فلا حد على قاذفه ويعزر.

وحكى عن إبراهيم وابن أبى ليلى :أنه إن قذفه بغير ذلک الزنا، أو بالزنا مبهما فعليه الحد؛ لأن الرمى موجب للحد، إلا أن يكون الرامى صادقا، وإنما يكون صادقا إذا نسبه إلى ذلک الزنا بعينه، ففيما سوى ذلک فهو كاذب ملحق للشين به(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۳ص ۱۷۹ ، مادة " قذف"، قذف المحدود فى الزنا)

www.idaraghufran.org

جاری کی جائے گی۔ ؎۱

(۱۲)...... اگر کسی کو شخصِ واحد نے ایک سے زیادہ مرتبہ زنا کی تہمت لگائی، تو سب کی طرف سے ایک ہی حد کافی ہو جاتی ہے۔ ؎۲

(۱۳)...... اگر ایک شخص کئی افراد پر اکٹھے زنا کی تہمت لگائے تو ان سب کی

؎۱ أوجب الجمهور حد القذف على من قذف ميتا محصنا، ذكرا كان أو أنثى إذا طالب بالحد من له الحق من الورثة، وذلك لأن وجوب الحد باعتبار إحصان المقذوف، والموت يقرر الإحصان ولا ينفيه.

وقال الحنابلة :لا حد على من قذف ميتا إلا إذا كان الميت أنثى، وكان لها ابن محصن فإن له الحق في المطالبة بالحد؛ لأن قذف أمه قذف له لنفي نسبه، ولهذا لم يعتبر إحصان المقذوف واعتبر إحصان الولد، ومتى كان المقذوف من غير أمهاته لم يتضمن نفي نسبه فلا يحد(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۳ص ۲۰، مادة " قذف"، قذف الميت)

؎۲ إن قذف رجلا مرات فلم يحد، وجب عليه حد واحد، سواء قذفه بزنا واحد أو بزنيات؛ لأنهما حدان من جنس واحد لمستحق واحد فتداخلا كما لو زنى ثم زنى، وفي قول عند الشافعية: أنه يجب عليه حدان؛ لأنه من حقوق الآدميين، فلم تتداخل، كالديون.

وإن قذفه فحد ثم أعاد قذفه، نظر:

فإن قذفه بذلك الزنا الذي حد من أجله لم يعد عليه الحد وعزر للإيذاء . فإن أبا بكرة لما حد بقذف المغيرة، أعاد قذفه، فلم يروا عليه حدا ثانيا.

فقد ورد عن ظبيان بن عمارة قال :شهد على المغيرة بن شعبة ثلاثة نفر أنه زان فبلغ ذلك عمر فكبر عليه وقال :شاط ثلاثة أرباع المغيرة بن شعبة، وجاء زياد فقال :أما عندك؟ فلم يثبت، فأمر بهم فجلدوا، وقال :شهود زور، فقال أبو بكرة :أليس ترضى إن أتاك رجل عدل يشهد برجمه؟ قال :نعم والذي نفسي بيده، فقال أبو بكرة :وأنا أشهد أنه زان، فأراد أن يعيد عليه الجلد، فقال علي :يا أمير المؤمنين إنك إن أعدت عليه الجلد أوجبت عليه الرجم، وفي حديث آخر :فلا يعاد في فرية جلد مرتين.

فأما إن حد له، ثم قذفه بزنا ثان، نظر :فإن قذفه بعد طول الفصل فحد ثان؛ لأنه لا يسقط حرمة المقذوف بالنسبة للقاذف أبدا، بحيث يمكن من قذفه بكل حال .وإن قذفه عقيب حده ففيه رأيان:

الأول :يحد أيضا؛ لأنه قذف لم يظهر كذبه فيه بحد، فيلزم فيه حد، كما لو طال الفصل؛ ولأن سائر أسباب الحد إذا تكررت بعد أن حد للأول، ثبت للثاني حكمه كالزنا والسرقة وغيرهما من الأسباب.

الثاني :لا يحد؛ لأنه قد حد له مرة، فلم يحد له بالقذف عقبه، كما لو قذفه بالزنا الأول (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۳ص ۱۶، ۱۷، مادة " قذف"، تكرار القذف)

طرف سے ایک ہی حدِ قذف جاری کی جائے گی۔ ۱

(۱۴)...... جو شخص اپنے آپ کو ولدِ زنا ہونے کی تہمت لگائے، تو اُس پر بھی حدِ قذف جاری کی جائے گی، کیونکہ اس نے درحقیقت اپنی ماں پر زنا کی تہمت لگائی ہے۔ ۲

(۱۵)...... اُمُّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر نعوذ باللہ تعالیٰ زنا کی تہمت

---

۱ من قذف جماعة بكلمة واحدة أو بكلمات فعليه حد واحد، سواء طالبوه دفعة واحدة أو طالبوه واحدا بعد واحد .فإن حد للأول لم يحد لمن جاء بعده؛ لأن حضور بعضهم للخصومة كحضور كلهم، فلا يحد ثانيا إلا إذا كان بقذف آخر مستأنف، وهو قول الثورى والشعبى، والنخعى وإبراهيم والزهرى وقتادة، وطاوس وأبى حنيفة ومالك.
وعند عطاء والشعبى، وابن أبى ليلى والشافعي وأحمد :إذا قذف جماعة بكلمات فلكل واحد حد؛ لأنها حقوق لآدميين، فلم تتداخل كالديون.
وأما إذا قذفهم بكلمة واحدة فقال الشافعي فى القديم :عليه حد واحد، وهو رواية عن الإمام أحمد، ورجحها فى المغنى لقوله تعالى :(والذين يرمون المحصنات ثم لم يأتوا بأربعة شهداء فاجلدوهم ثمانين جلدة) ، ولم يفرق بين قذف واحد أو جماعة؛ ولأن الذين شهدوا على المغيرة قذفوا امرأة، فلم يحدهم عمر رضى الله عنه إلا حدا واحدا؛ ولأنه قذف واحد فلم يجب إلا حد واحد كما لو قذف واحدا؛ ولأن الحد إنما وجب بإدخال المعرة على المقذوف بقذفه، وبحد واحد يظهر كذب هذا القاذف وتزول المعرة فوجب أن يكتفى به، بخلاف ما إذا قذف كل واحد قذفا مفردا فإن كذبه فى قذف لا يلزم منه كذبه فى آخر، ولا تزول المعرة عن أحد المقذوفين بحده للآخر.وقال الحسن وأبو ثور والشافعى فى الجديد، وابن المنذر والرواية الثانية عن أحمد :يجب لكل واحد منهم حد، لأنه ألحق العار بقذف كل واحد منهم، فلزمه لكل واحد منهم حد، كما لو انفرد كل واحد منهم بالقذف.
واختلف أبو حنيفة ومالك فيما إذا قذف إنسانا فحد له وفى أثناء إقامة الحد قذف إنسانا آخر، فعند أبى حنيفة لا يقام إلا حد واحد ولو لم يبق من الضرب إلا سوط واحد، فلا يضرب إلا ذلك السوط للتداخل؛ لأنه اجتمع حدان؛ ولأن كمال الحد الأول بالسوط الذى بقى.
وعند مالك :إن كرر أثناء الجلد فإن كان ما مضى من الجلد أقله ألغى ما مضى، وابتدء العدد وبذلك يستوفى الثانى .وإن كان ما بقى قليلا فيكمل الأول، ثم يبتدء للثانى.
وعند الشافعية والحنابلة إذا قذف جماعة لا يجوز أن يكونوا كلهم زناة عادة لم يجب الحد؛ لأن الحد إنما يجب لنفى العار، ولا عار على المقذوف لأنا نقطع بكذبه ويعزر للكذب(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۳ص ۲۰، ۲۱، مادة "قذف"، قذف واحد لجماعة)

۲ من قذف نفسه بأن قال :أنا ولد زنا، حد لأنه قذف لأمه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۳ص ۲۲، مادة "قذف"، قذف الرجل نفسه)

لگانا باعثِ کفر وارتداد ہے، کیونکہ یہ درحقیقت قرآن مجید کی سورہ نور میں نازل شُدہ براءت کی آیت کا انکار ہے۔ [1]

(۱۶)...... اگر کوئی شخص مجہولُ النسب شخص پر زنا کی تہمت لگائے، تو اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی۔ [2]

(۱۷)...... اگر کوئی شخص کسی پاک دامن مسلمان مرد یا عورت پر زِنا کی صریح

---

[1] البتہ براءت نازل ہونے سے پہلے جن حضرات سے اس طرح کی تہمت کا فعل صادر ہوا، اُس وقت تک یہ باعثِ کفر نہیں تھا، اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض حضرات پر حدِ قذف جاری فرمائی تھی۔

اتفق الفقهاء على أن من قذف عائشة رضى الله عنها فقد كذب صريح القرآن الذى نزل بحقها، وهو بذلك كافر بعد أن برأها الله منه فى قوله تعالى :(إن الذين جاء و بالإفك عصبة منكم لا تحسبوه شرا لكم بل هو خير لكم لكل امرء منهم ما اكتسب من الإثم والذى تولى كبره منهم له عذاب عظيم) إلى قوله تعالى :(يعظكم الله أن تعودوا لمثله أبدا إن كنتم مؤمنين).

أما سائر زوجات النبى صلى الله عليه وسلم فقد ذهب الحنفية والحنابلة فى الصحيح، واختاره ابن تيمية أنهن مثل عائشة فى الحكم، واستدلوا بقوله تعالى :(والطيبات للطيبين) وقذفهن طعن بالرسول صلى الله عليه وسلم وعار عليه.

وذهب الشافعية وهو الرواية الأخرى للحنابلة :أن زوجات النبى صلى الله عليه وسلم سوى عائشة كسائر الصحابة، وسابهن يجلد؛ لأنه قاذف (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۳ص ۲۲، مادة " قذف"، قذف زوجة من زوجات النبى صلى الله عليه وسلم)

[2] من قذف مجهولا لا حد عليه لعدم تعيين المعرة، إذ لا يعرف من أراد والحد إنما هو للمعرة، فإن اختلف رجلان فى شىء فقال أحدهما :الكاذب هو ابن زانية، فلا حد عليه لأنه لم يعين أحدا بالقذف، وإذا سمع السلطان رجلا يقول :زنى رجل، لم يقم عليه الحد؛ لأن المستحق مجهول، ولا يطالبه بتعيينه لقول الله عز وجل :(لا تسألوا عن أشياء إن تبد لكم تسؤكم) ولأن الحد يدرأ بالشبهة، ولهذا قال صلى الله عليه وسلم :يا هزال، لو سترته بثوبك كان خيرا لك ، وإن قال سمعت رجلا يقول :إن فلانا زنى، لم يحد لأنه ليس بقاذف وإنما هو حاك، ولا يسأله عن القاذف؛ لأن الحد يدرأ بالشبهة، وإن قال لجماعة :أحدكم زان أو ابن زانية فلا حد عليه، ولو قاموا كلهم لعدم تعيينه المعرة لواحد منهم إذ لا يعرف من أراد، وهذا إذا كثرت الجماعة بأن زادوا على ثلاثة، فإن كانوا ثلاثة أو اثنين حد إن قاموا أو قام بعضهم وعفا البعض الباقى، إلا أن يحلف أنه لم يرد القائم وإن لم يحلف حد، وهذا عند المالكية، وقال الحنفية :لو قام بعضهم فقال :لم أرد القائم لم يحد سواء عفا البعض أو لم يعف، وسواء حلف أنه لم يرد القائم أو لم يحلف؛ لأن القذف وقع غير موجب للحد، حيث لم يعين أحدا بالقذف(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۳ص ۲۴،۲۵، مادة " قذف"، قذف المجهول)

تہمت نہ لگائے، بلکہ اشارۃً وکنایۃً اس کی طرف زنا کے مقدمات مثلاً بوس وکنار وغیرہ کرنے کی کوئی بات منسوب کرے، تو اسلامی قانون میں اس پر حد کے بجائے مناسب تعزیر کی جائے گی، اور تعزیر کا بیان آگے آتا ہے۔ [1]

خلاصہ یہ کہ کسی باحیاء، پاک دامن مرد وعورت پر زنا کی تہمت لگانا، معاشرہ میں فتنہ وفساد کا باعث ہے، جس سے دوسرے کی عزتِ نفس مجروح ہوتی ہے، اور غم وغصہ کی وجہ سے قتل وغارت گری کی بھی نوبت آجاتی ہے، جس کا کوڑوں کی سزا کی صورت میں شریعت نے انتہائی مؤثر سدِ باب کیا ہے۔

اور اگر زنا کی تہمت نہ لگائے، بلکہ کسی اور طرح سے دوسرے کی ہتکِ عزت کرے، مثلاً گالی گلوچ وغیرہ کرکے، تو اس کے لئے مناسب تعزیر کا حکم رکھا ہے، جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

اور اس طرح کی سزائیں اسلامی معاشرہ کو حیاء وغیرت اور سنجیدہ ماحول فراہم کرنے کے لئے ہیں۔

---

[1] لا يقام حد القذف على القاذف إلا بشروطه، فإذا انعدم واحد منها أو اختل، فإن الجانى لا يحد، ويعزر عند طلب المقذوف؛ لأنه ارتكب معصية لا حد فيها .والتفصيل فى مصطلح :(تعزير) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۳ص۱۶، مادة "قذف"، التعزير فى القذف)

(فصل نمبر ۷)

ارتداد کے جرم کی قانونی سزا

ایمان واسلام ایک مومن ومسلم کا سب سے بڑا سرمایہ اور سب سے بڑی دولت ہے، اس کے بغیر آخرت کی نجات وکامیابی ممکن نہیں، اور اس کے بغیر کوئی عمل عبادت بننے اور مقبول ہونے کے قابل نہیں، اس لئے ایمان واسلام کی نعمت ودولت حاصل ہونے کے بعد اس کی حفاظت کرنا فرض اور اس کو ضائع کرنا سب سے بڑے خسارہ اور نقصان کی بات ہے۔

اور اسی لئے اسلام لانے کے بعد اس کو ضائع کرنے یا مرتد (Renegade) ہونے پر بھی اسلام میں سزا تجویز کی گئی ہے، جس کی کچھ تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

کفر وارتداد کے لئے اختیار کا پایا جانا ضروری ہے

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

مَنۡ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنۡ بَعۡدِ اِيۡمَانِهٖۤ اِلَّا مَنۡ اُكۡرِهَ وَقَلۡبُهٗ مُطۡمَئِنٌّ بِالۡاِيۡمَانِ وَلٰـكِنۡ مَّنۡ شَرَحَ بِالۡكُفۡرِ صَدۡرًا فَعَلَيۡهِمۡ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَلَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ (سورة النحل، رقم الآية ۱۰۶)

ترجمہ: جس نے ایمان لانے کے بعد اللہ سے کفر کیا، مگر وہ جو مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو اور لیکن وہ کہ جس نے اپنے دل کے شرح کے ساتھ کفر کیا، تو ان پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے (سورہ نحل)

معلوم ہوا کہ کفر وارتداد اُس وقت لازم آتا ہے، جبکہ کوئی اپنے اختیار اور دل کے ساتھ کفر وارتداد کا ارتکاب کرے، اور اگر کسی کو کفر پر مجبور کیا جائے، اور اسے جان، مال وغیرہ کے شدید خطرات لاحق ہوں، پھر وہ صرف زبان سے کلمۂ کفر کہہ دے، لیکن دل سے اس پر راضی

نہ ہو، تو اس سے ایمان پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

ارتداد کی قانونی سزا کا احادیث میں ذکر

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنْ بَدَّلَ دِیْنَہٗ فَاقْتُلُوْہُ (بخاری) ۱؎

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اپنا دین بدل دے، تو تم اس کو قتل کردو (بخاری)

اس طرح کی حدیث حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ ۲؎

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح کی حدیث مروی ہے۔ ۳؎

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: لَا یَحِلُّ دَمُ امْرِءٍ مُسْلِمٍ، یَشْھَدُ أَنْ لَّا إِلٰـہَ إِلَّا اللّٰہُ وَأَنِّی رَسُوْلُ اللّٰہِ، إِلَّا بِإِحْدٰی ثَلَاثٍ: اَلنَّفْسُ بِالنَّفْسِ، وَالثَّیِّبُ الزَّانِیُ، وَالْمَارِقُ مِنَ الدِّیْنِ اَلتَّارِکُ لِلْجَمَاعَۃِ (بخاری) ۴؎

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی مسلمان جو اس بات کی گواہی

۱؎ رقم الحدیث ۳۰۱۷، کتاب الجهاد والسیر، باب: لا یعذب بعذاب الله.

۲؎ عن قتادة، عن الحسن قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من بدل دينه فاقتلوه (سنن النسائی، رقم الحديث ۴۰۶۳)

۳؎ عن أبی هريرة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من بدل دينه فاقتلوه (المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحديث ۸۶۲۳)

قال الهيثمی: رواه الطبرانی فی الأوسط، وإسناده حسن (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۱۰۵۷۲، باب فی من كفر بعد إسلامه نعوذ بالله من ذلک وهل يستتاب وكم يستتاب)

۴؎ رقم الحديث ۶۸۷۸، كتاب الديات، باب قول الله تعالى: أن النفس بالنفس والعين بالعين والأنف بالأنف الخ، مسلم، رقم الحديث ۱۶۷۶ "۲۵"

دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں، اس کا خون حلال نہیں، مگران تین صورتوں میں سے کسی ایک صورت میں (حلال ہے) ایک تو جان کے بدلے جان (یعنی کسی کو جان بوجھ کر قتل کیا ہو تو اس کے بدلہ میں اسے قتل کیا جائے) اور دوسرے شادی شدہ زانی (کو رجم کیا جائے گا) اور تیسرے دین سے نکلنے والا (مسلمانوں کی) جماعت کو چھوڑنے والا (یعنی مرتد) (بخاری، مسلم)

اس طرح کی حدیث اور بھی کئی سندوں سے مروی ہے۔ ۱؎

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ مرتد یعنی اسلام سے خارج ہونے والے کی سزا قتل ہے۔

۱؎ عن أبی أمامة بن سهل بن حنيف، أن عثمان بن عفان أشرف يوم الدار، فقال: أنشدكم الله، أتعلمون أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال " :لا يحل دم امرء مسلم إلا بإحدى ثلاث :زنا بعد إحصان، أو ارتداد بعد إسلام، أو قتل نفس بغير حق فقتل به "، فوالله ما زنيت فی جاهلية ولا فی إسلام، ولا ارتددت منذ بايعت رسول الله صلى الله عليه وسلم، ولا قتلت النفس التی حرم الله فبم تقتلوننی.

وفی الباب عن ابن مسعود، وعائشة، وابن عباس وهذا حديث حسن ورواه حماد بن سلمة، عن يحيى بن سعيد، فرفعه، وروى يحيى بن سعيد القطان، وغير واحد، عن يحيى بن سعيد هذا الحديث، فأوقفوه ولم يرفعوه، وقد روى هذا الحديث من غير وجه عن عثمان، عن النبی صلى الله عليه وسلم مرفوعا(سنن الترمذی، رقم الحديث۲۱۵۸)

عن ابن عمر، أن عثمان قال :سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول " :لا يحل دم امرء مسلم إلا بإحدى ثلاث :رجل زنى بعد إحصانه فعليه الرجم، أو قتل عمدا فعليه القود، أو ارتد بعد إسلامه فعليه القتل (سنن النسائی،رقم الحديث ۴۰۵۷)

عن عائشة، رضی الله عنها قالت :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :لا يحل دم امرء مسلم، يشهد أن لا إله إلا الله، وأن محمدا رسول الله، إلا بإحدى ثلاث :رجل زنى بعد إحصان، فإنه يرجم، ورجل خرج محاربا لله ورسوله، فإنه يقتل، أو يصلب، أو ينفى من الأرض، أو يقتل نفسا، فيقتل بها "(سنن ابی داوٗد،رقم الحديث ۴۳۵۳)

عن أبی بردة بن أبی موسى الأشعری، عن أبيه، أن النبی صلى الله عليه وسلم بعثه إلى اليمن، ثم أرسل معاذ بن جبل بعد ذلک، فلما قدم قال :أيها الناس، إنی رسول رسول الله إليكم، فألقى له أبو موسى وسادة ليجلس عليها، فأتی برجل كان يهوديا فأسلم، ثم كفر، فقال معاذ :لا أجلس حتى يقتل قضاء الله ورسوله ثلاث مرات، فلما قتل قعد (سنن النسائی،رقم الحديث ۴۰۶۶)

Idara Ghufran

www.idaraghufran.org

مرتد کی توبہ کا حکم

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ رَجُلٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ أَسْلَمَ ثُمَّ ارْتَدَّ وَلَحِقَ بِالشِّرْكِ، ثُمَّ تَنَدَّمَ فَأَرْسَلَ إِلٰى قَوْمِهٖ، سَلُوْا لِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هَلْ لِّيْ مِنْ تَوْبَةٍ؟ فَجَاءَ قَوْمُهٗ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا: إِنَّ فُلَانًا قَدْ نَدِمَ وَإِنَّهٗ أَمَرَنَا أَنْ نَّسْأَلَكَ، هَلْ لَّهٗ مِنْ تَوْبَةٍ؟ فَنَزَلَتْ (كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ إِيْمَانِهِمْ) إِلٰى قَوْلِهٖ (غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ) فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ فَأَسْلَمَ (سنن النسائی) [1]

ترجمہ: انصار میں سے ایک آدمی مسلمان ہوگیا، پھر وہ مرتد ہوگیا، اور کفار کے ساتھ شامل ہوگیا، پھر وہ شرمندہ ہوا تو اس نے اپنی قوم کو کہلا کر بھیجا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم کرلو کہ کیا میری توبہ قبول ہے؟ چنانچہ اس کی قوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ فلاں آدمی اب نادم وشرمندہ ہے اور اس نے ہم سے کہا ہے کہ ہم لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلہ میں معلوم کرلیں کہ کیا اس کی توبہ قبول ہوگی؟ اس پر (سورہ آلِ عمران کی یہ آیات نازل ہوئیں، جن کا ترجمہ یہ ہے کہ) ''اللہ ان لوگوں کو کیسے ہدایت دے گا جو اپنے ایمان لانے اور رسول کی حقانیت کی گواہی دینے اور اپنے پاس روشن دلیلیں آجانے کے بعد کافر ہوجائیں، اور اللہ ایسے بے انصاف لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا، ان کی تو یہی سزا ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو، جس میں یہ ہمیشہ رہیں گے نہ تو ان سے عذاب ہلکا کیا جائے گا، نہ انہیں مہلت دی جائے گی، مگر جو لوگ اس کے بعد توبہ اور اصلاح کرلیں تو بیشک

---

[1] رقم الحدیث ۴۰۶۸، کتاب تحریم الدم، باب توبۃ المرتد.

www.idaraghufran.org

اللہ بخشنے والا مہربان ہے“ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو (توبہ قبول ہونے کا) کہلوادیا اور وہ مسلمان ہوگیا (نسائی)

اس سے معلوم ہوا کہ مرتد کی توبہ کو قبول کیا جائے گا، خواہ حاکم کی عدالت میں مرتد ہونے کے ثبوت کے بعد ہی توبہ کیوں نہ کرلے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ حِيْنَ بَعَثَهُ إِلَى الْيَمَنِ: أَيُّمَا رَجُلٍ اِرْتَدَّ عَنِ الْإِسْلَامِ فَادْعُهُ، فَإِنْ تَابَ فَاقْبَلْ مِنْهُ، وَإِنْ لَمْ يَتُبْ فَاضْرِبْ عُنُقَهُ، وَأَيُّمَا امْرَأَةٍ اِرْتَدَّتْ عَنِ الْإِسْلَامِ فَادْعُهَا، فَإِنْ تَابَتْ فَاقْبَلْ مِنْهَا، وَإِنْ أَبَتْ فَاسْتَتِبْهَا (المعجم الكبير للطبراني) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جب یمن کی طرف بھیجا، تو اُن سے فرمایا کہ جو آدمی اسلام سے پھر جائے، تو آپ اُسے اسلام کی دعوت دیں، پھر وہ اگر توبہ کرلے، تو اُس کی توبہ کو قبول کرلیں، اور اگر وہ توبہ نہ کرے، تو اُس کو قتل کردیں، اور جو عورت اسلام سے پھر جائے، تو آپ اُسے اسلام کی دعوت دیں، پھر اگر وہ توبہ کرلے، تو اُس کی توبہ کو قبول کرلیں، اور اگر وہ توبہ سے انکار کرے، تو پھر اُس سے توبہ کا مطالبہ کریں (طبرانی)

اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مرد کے مرتد ہونے پر اسلام پیش کئے جانے کے بعد منکر ہونے پر مرد کو تو قتل کیا جائے گا، لیکن عورت کو قتل نہیں کیا

---

[1] رقم الحديث ۹۳، ج۲۰ ص۵۳، مسند الشاميين للطبرانى، رقم الحديث ۳۵۸٦.
قال الهيثمى: رواه الطبرانى، وفيه راو لم يسم، قال مكحول :عن ابن لأبى طلحة اليعمرى، وبقية رجاله ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۱۰۵۸۳، باب فى من كفر بعد إسلامه نعوذ بالله من ذلك وهل يستتاب وكم يستتاب)
وقال الحافظ العسقلانى: سندهٔ حسن (فتح البارى لابن حجر، ج۱۲، ص۲۷۲، تحت رقم الحديث ۶۹۲۲، قوله باب حكم المرتد والمرتدة)

جائے گا، بلکہ اسے قید میں رکھ کر توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا، وھو مذھب الحنفیۃ۔
بہرحال قرآن مجید کی مذکورہ آیت اور احادیث سے معلوم ہوا کہ مرتد اگر توبہ کرلے، تو اُس کی توبہ قبول کی جائے گی۔

ارتداد کی قانونی سزا سے متعلق چند احکام

اب ارتداد کی قانونی سزا کے سلسلہ میں چند احکام ملاحظہ فرمائیں:

(۱)...... مسلمان کا مرتد ہونا اُس وقت معتبر ہوتا ہے، جبکہ عاقل، بالغ مسلمان اپنے اختیار سے اسلام سے پھرے۔ [۱]

(۲)...... کوئی شخص اپنے اختیار سے شراب پی کر نشہ کی حالت میں اسلام سے پھرے، یا کوئی کفریہ کلمہ کہے، تو اس حالت میں مرتد ہونے نہ ہونے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔ [۲]

---

[۱] شرائط الردة: لا تقع الردة من المسلم إلا إذا توفرت شرائط البلوغ والعقل والاختيار.
ردة الصبى لا تعتبر عند أبى يوسف والشافعى، وهو رواية عند أبى حنيفة على مقتضى القياس، وقول لأحمد. وقال أبو حنيفة فى الرواية الأخرى ومحمد :يحكم بردة الصبى استحسانا ، وهو مذهب المالكية والمشهور عن أحمد.
المرتد قبل البلوغ لا يقتل: ذهب القائلون بوقوع ردة الصبى إلى أنه لا يقتل قبل بلوغه.
وقال الشافعى :إن الصبى إذا ارتد لا يقتل حتى بعد بلوغه، قال فى الأم :(فمن أقر بالإيمان قبل البلوغ وإن كان عاقلا، ثم ارتد قبل البلوغ أو بعده، ثم لم يتب بعد البلوغ، فلايقتل؛ لأن إيمانه لم يكن وهو بالغ، ويؤمر بالإيمان، ويجهد عليه بلا قتل.
ردة المجنون: اتفق الفقهاء على أنه لا صحة لإسلام مجنون ولا لردته. ويترتب على ذلك :أن أحكام الإسلام تبقى سائرة عليه. لكن إن كان يجن ساعة ويفيق أخرى، فإن كانت ردته فى إفاقته وقعت، وإن كانت فى جنونه لا تقع، كما نقل ذلك الكاسانى(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٢ ص ١٨١ ، مادة "ردة")

[۲] ذهب الحنفية وهو قول للشافعية :إلى أن ردة السكران لا تعتبر، وحجتهم فى ذلك :أن الردة تبنى على الاعتقاد، والسكران غير معتقد لما يقول. وذهب أحمد فى أظهر الروايتين عنه، والشافعية فى المذهب إلى وقوع ردة السكران، وحجتهم :أن الصحابة أقاموا حد القذف على السكران، وأنه يقع طلاقه، فتقع ردته، وأنه مكلف، وأن عقله لا يزول كليا، فهو أشبه بالناعس منه بالنائم أو المجنون(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٢ ص ١٨١ ، ١٨٢ ،مادة "ردة"، ردة السكران)

www.idaraghufran.org

(۳)...... جس شخص کو جبر واِکراہ اور زور زبردستی کر کے مرتد کیا جائے، لیکن وہ دل سے مرتد ہونے اور کفر اختیار کرنے پر راضی نہ ہو، تو اُس کے مرتد ہونے کا اعتبار نہیں۔ [1]

(۴)...... مرتد ہونا یا تو کفریہ اعتقاد اختیار کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے، یا زبان سے کفریہ بات کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے، یا کسی کفریہ فعل کو اختیار کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے؛ جبکہ کفر سے بچنے کی کوئی تاویل نہ ہو۔ [2]

---

[1] الإكراه :اسم لفعل يفعله المرء بغيره، فينتفى به رضاه، أو يفسد به اختياره، من غير أن تنعدم به أهليته، أو يسقط عنه الخطاب.
والإكراه نوعان :نوع يوجب الإلجاء والاضطرار طبعا، كالإكراه بالقتل أو القطع أو الضرب الذى يخاف فيه تلف النفس أو العضو، قل الضرب أو كثر .وهذا النوع يسمى إكراها تاما.
ونوع لا يوجب الإلجاء والاضطرار، وهو الحبس أو القيد أو الضرب الذى لا يخاف منه التلف، وهذا النوع من الإكراه يسمى إكراها ناقصا.
واتفق الفقهاء على أن من أكره على الكفر فأتى بكلمة الكفر، لم يصر كافرا لقوله تعالى :(من كفر بالله من بعد إيمانه إلا من أكره وقلبه مطمئن بالإيمان ولكن من شرح بالكفر صدرا فعليهم غضب من الله.
وما نقل من أن عمار بن ياسر -رضى الله عنهما -حمله المشركون على ما يكره فجاء إلى النبى صلى الله عليه وسلم فقال له :إن عادوا فعد ، وهذا فى الإكراه التام.
ومن أكره على الإسلام فأسلم ثم ارتد قبل أن يوجد منه ما يدل على الإسلام طوعا، مثل أن يثبت على الإسلام بعد زوال الإكراه، فإن كان ممن لا يجوز إكراههم على الإسلام -وهم أهل الذمة والمستأمنون -فلا يعتبر مرتدا، ولا يجوز قتله ولا إجباره على الإسلام؛ لعدم صحة إسلامه ابتداء .
أما إن كان من أكره على الإسلام ممن يجوز إكراهه وهو الحربى والمرتد، فإنه يعتبر مرتدا برجوعه عن الإسلام، ويطبق عليه أحكام المرتدين (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۲ص۱۸۲، مادة "ردة"، المكره على الردة)

[2] تنقسم الأمور التى تحصل بها الردة إلى أربعة أقسام:
أ -ردة فى الاعتقاد.
ب -ردة فى الأقوال.
ج -ردة فى الأفعال.
د -ردة فى الترک.
إلا أن هذه الأقسام تتداخل، فمن اعتقد شيئا عبر عنه بقول، أو فعل، أو ترک(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۲ص۱۸۳، مادة "ردة"، ما تقع به الردة)

(۵)...... جو مسلمان عاقل، بالغ شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے، یا اللہ کی ذات یا صفات کا انکار کرے، یا اللہ کے لئے اولاد وغیرہ کو ثابت کرے، یا کائنات کے ہمیشہ سے ہونے کا قائل ہو، اوراس کی بات میں کوئی تاویل بھی ممکن نہ ہو، تو وہ مرتد اور دائرۂ اسلام سے خارج سمجھا جائے گا۔ ۱؎

(۶)...... جو عاقل بالغ مسلمان اپنے اختیار سے اللہ تعالیٰ کو سبّ وشتم اور بُرا بھلا کہے، وہ بھی دائرۂ اسلام سے خارج اور مرتد ہو جاتا ہے، پھر اگر وہ توبہ کرلے، تو اکثر فقہائے کرام کے نزدیک اس کی توبہ قبول کی جاتی ہے، ورنہ سزا کے طور پر قتل کیا جاتا ہے۔ ۲؎

۱؎ اتفق الفقهاء على أن من أشرك بالله، أو جحده، أو نفى صفة ثابتة من صفاته، أو أثبت لله الولد فهو مرتد كافر.

وكذلك من قال بقدم العالم أو بقائه، أو شك فى ذلك .ودليلهم قوله تعالى :(كل شىء هالك إلا وجهه.

وقال ابن دقيق العيد :(لأن حدوث العالم من قبيل ما اجتمع فيه الإجماع والتواتر، بالنقل عن صاحب الشريعة، فيكفر بسبب مخالفته النقل المتواتر.

ويكفر من جحد القرآن كله أو بعضه ، ولو كلمة .وقال البعض :بل يحصل الكفر بجحد حرف واحد .كما يقع الكفر باعتقاد تناقضه واختلافه، أو الشك بإعجازه، والقدرة على مثله، أو إسقاط حرمته ، أو الزيادة فيه.

أما تفسير القرآن وتأويله، فلا يكفر جاحده، ولا راده؛ لأنه أمر اجتهادى من فعل البشر.

وقد نص ابن قدامة على أن استحلال دماء المعصومين وأموالهم، إن جرى بتأويل القرآن -كما فعل الخوارج -لم يكفر صاحبه .ولعل السبب أن الاستحلال جرى باجتهاد خاطء، فلا يكفر صاحبه.

وكذلك يعتبر مرتدا من اعتقد كذب النبى صلى الله عليه وسلم فى بعض ما جاء به، ومن اعتقد حل شىء مجمع على تحريمه، كالزنا وشرب الخمر، أو أنكر أمرا معلوما من الدين بالضرورة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۲ص۱۸۳، ۱۸۴، مادة "ردة"، ما يوجب الردة من الاعتقاد)

۲؎ اتفق الفقهاء على أن من سب الله تعالى كفر، سواء كان مازحا أو جادا أو مستهزئا.

وقد قال تعالى :(ولئن سألتهم ليقولن إنما كنا نخوض ونلعب قل أبالله وآياته ورسوله كنتم تستهزئون لا تعتذروا قد كفرتم بعد إيمانكم.

واختلفوا فى قبول توبته:فذهب الحنفية والحنابلة إلى قبولها، وهو الراجح عند المالكية.

ولم نجد للشافعية تفرقة بين الردة بذلك وبين الردة بغيره(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۲ص۱۸۴، مادة "ردة"، حكم سب الله تعالى)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۷)...... اگر کوئی عاقل، بالغ مسلمان باختیارِ خود نعوذ باللہ تعالیٰ انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو سب وشتم اور گالی گلوچ کرے، تو اس سے بھی کفر لازم آ جاتا ہے، پھر اگر وہ صدقِ دل سے اس سے تائب ہو تو عنداللہ تو اس کی توبہ قبول ہو جاتی ہے، لیکن کیا اسلامی قانون کی رو سے بھی اس کی توبہ کو قبول کر کے اسے دنیاوی سزا سے معافی دی جاسکتی ہے، یا نہیں؟

اس میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے، بعض فقہائے کرام کے نزدیک تو اس کی توبہ قبول کر لی جاتی ہے، اور بعض حضرات کے نزدیک قبول نہیں کی جاتی، بلکہ اس کو قتل کیا جاتا ہے، لیکن قتل وسزاء کا یہ حق حاکمِ وقت مسلمان کو حاصل ہے، جو عدالت میں باضابطہ ثبوت کے بعد ہی نافذ ہوتا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

تكفير من سب الله عز وجل : اتفق العلماء على تكفير من سب الذات المقدسة العلية أو استخف بها أو استهزأ، لقوله تعالى :(قل أبالله وآياته ورسوله كنتم تستهزئون لا تعتذروا قد كفرتم بعد إيمانكم . واختلفوا فى قبول توبته فذهب جمهور الفقهاء إلى قبولها .وذهب الحنابلة إلى عدم قبولها، ويقتل بكل حال، وذلک لأن ذنبه عظيم جدا يدل على فساد عقيدته .وأما بالنسبة للآخرة، فإن كان صادقا فى توبته قبلت باطنا ونفعه ذلک(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۳،ص ۲۳۰،ماده تكفير)

[1] ذهب الفقهاء إلى تكفير من سب نبيا من الأنبياء ، أو استخف بحقه، أو تنقصه، أو نسب إليه ما لا يجوز عليه، كعدم الصدق والتبليغ، والساب عند الحنفية والشافعية يأخذ حكم المرتد فيستتاب، فإن تاب وإلا قتل، وعند المالكية والحنابلة يقتل حدا .وإن تاب .ولا تقبل توبته.

وسب الملائكة كسب الأنبياء ، وقيده المالكية بالنبى أو الملک المجمع على كونه نبيا أو ملكا، فإن سب من لم يجمع على كونه نبيا أو ملكا كالخضر وهاروت وماروت لم يكفر، وأدبه الحاكم اجتهادا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۳،ص ۲۳۱،مادة "تكفير"تكفير من سب الأنبياء عليهم الصلاة والسلام)

السب هو الكلام الذى يقصد به الانتقاد والاستخفاف، وهو ما يفهم منه السب فى عقول الناس، على اختلاف اعتقاداتهم، كاللعن والتقبيح.

وحكم سابه صلى الله عليه وسلم أنه مرتد بلا خلاف.

ويعتبر سابا له صلى الله عليه وسلم كل من ألحق به صلى الله عليه وسلم عيبا أو نقصا، فى نفسه، أو

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

(۸)...... اگر کوئی کسی مسلمان کے کافر کہنے کو عقیدہ کے اعتبار سے حلال سمجھ کر اختیار کرے، تو وہ کافر ہو جاتا ہے، کیونکہ اس نے گویا کہ اسلام کو کفر قرار دے دیا، اور اگر عقیدہ کے اعتبار سے تو کسی مسلمان کو کافر قرار نہ دے؛ بلکہ ویسے ہی غصہ میں آ کر کسی مسلمان کو کافر کہہ دے، تو پھر بہت سے فقہاء کے نزدیک سخت گناہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

نسبه، أو دينه، أو خصلة من خصاله، أو ازدراه، أو عرض به، أو لعنه ، أو شتمه، أو عابه، أو قذفه، أو استخف به، ونحو ذلك.

هل يقتل الساب ردة أم حدا؟

قال الحنفية والحنابلة وابن تيمية :إن ساب النبى صلى الله عليه وسلم يعتبر مرتدا، كأى مرتد؛ لأنه بدل دينه فيستتاب، وتقبل توبته.

أما الشافعية -فيما ينقله السبكى -فيرون أن سب النبى صلى الله عليه وسلم ردة وزيادة، وحجتهم أن الساب كفر أولا، فهو مرتد، وأنه سب النبى صلى الله عليه وسلم فاجتمعت على قتله علتان كل منهما توجب قتله.

وصرح المالكية بأن ساب النبى صلى الله عليه وسلم لا يستتاب إلا أن يكون كافرا فيسلم.

حكم سب الأنبياء عليهم الصلاة والسلام:

من الأنبياء من هم محل اتفاق على نبوتهم، فمن سبهم فكأنما سب نبينا صلى الله عليه وسلم وسابه كافر، فكذا كل نبى مقطوع بنبوته، وعلى ذلك اتفق الفقهاء.

وإن كان نبيا غير مقطوع بنبوته، فمن سبه زجر، وأدب ونكل به، لكن لا يقتل، صرح بهذا الحنفية (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۲ص۱۸۵، مادة "ردة")

قال الحنفية بقبول توبة ساب الله تعالى .وكذا الحنابلة، مع ضرورة تأديب الساب وعدم تكرر ذلك منه ثلاثا.

وفى المذهب المالكى خلاف، الراجح عندهم قبول توبته، وهو رأى ابن تيمية .

أما ساب رسول الله صلى الله عليه وسلم فقد ذهب الحنفية، والحنابلة إلى قبول توبته.

وقال الشافعية :تقبل توبة قاذفه صلى الله عليه وسلم على الأصح، وقال أبو بكر الفارسى :يقتل حدا ولا يسقط بالتوبة، وقال الصيدلانى :يجلد ثمانين جلدة؛ لأن الردة ارتفعت بإسلامه وبقى جلده.

وفى قول عند الحنابلة :لا تقبل توبته.

وقال المالكية :من شتم نبيا مجمعا على نبوته بقرآن أو نحوه فإنه يقتل ولا تقبل توبته؛ لأن كفره يشبه كفر الزنديق، ويقتل حدا لا كفرا إن قتل بعد توبته لأن قتله حينئذ لأجل ازدرائه لا لأجل كفره (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۲ص۱۹۳، مادة "ردة"، توبة ساب الله تعالى أو رسوله صلى الله عليه وسلم)

www.idaraghufran.org

گار ہوتا ہے، اور ایسا کرنے والا کم از کم فاسق ضرور قرار پاتا ہے، جبکہ بعض اہلِ علم حضرات کے نزدیک اس صورت میں بھی وہ کافر اور مرتد ہوجاتا ہے، اور مرتد ہونے کی قانونی سزا کا مستحق ہوتا ہے۔ [1]

(۹)...... مرتد ہونے کا ثبوت یا تو حاکم کی عدالت میں اپنے اختیار سے کفر وارتداد کا اقرار کرنے سے ہوتا ہے، یا پھر دو معتبر گواہوں کی گواہی سے ہوتا ہے، جبکہ اس کے مرتد وکافر ہونے میں کوئی تاویل ممکن نہ ہو۔ [2]

(۱۰)...... جب حاکم کی عدالت میں کسی مسلمان کا مرتد ہونا اس کے اقرار یا معتبر گواہوں سے ثابت ہوجائے، تو اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا۔

---

[1] عن ابن عمر رضى الله عنهما قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :أيما امرء قال لأخيه: يا كافر، فقد باء بها أحدهما إن كان كما قال، وإلا رجعت عليه.
وقال الحنفية بفسق القائل .قال السمرقندى :وأما التعزير فيجب فى جناية ليست بموجبة للحد، بأن قال :يا كافر، أو يا فاسق، أو يا فاجر.
وقال الحنابلة من أطلق الشارع كفره، مثل قوله صلى الله عليه وسلم :من أتى كاهنا أو عرافا فصدقه بما يقول فقد كفر بما أنزل على محمد صلى الله عليه وسلم.
فهذا كفر لا يخرج عن الإسلام بل هو تشديد.
وقال الشافعية :من كفر مسلما ولو لذنبه كفر؛ لأنه سمى الإسلام كفرا، ولخبر مسلم :من دعا رجلا بالكفر أو قال عدو الله وليس كذلك إلا حار عليه .أى رجع عليه هذا إن كفره بلا تأويل للكفر بكفر النعمة أو نحوه وإلا فلا يكفر، وهذا ما نقله الأصل عن المتولي،وأقره، والأوجه ما قاله النووى فى شرح مسلم أن الخبر محمول على المستحل فلا يكفر غيره، وعليه يحمل قوله فى أذكاره أن ذلك يحرم تحريما مغلظا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۲ص ۱۸۵،۱۸۶، مادة "ردة"، حكم من قال لمسلم يا كافر)

[2] تثبت الردة بالإقرار أو بالشهادة.
وتثبت الردة عن طريق الشهادة، بشرطين:
أ -شرط العدد :اتفق الفقهاء على الاكتفاء بشاهدين فى ثبوت الردة، ولم يخالف فى ذلك إلا الحسن، فإنه اشترط شهادة أربعة.
ب -تفصيل الشهادة :يجب التفصيل فى الشهادة على الردة بأن يبين الشهود وجه كفره، نظرا للخلاف فى موجباتها، وحفاظا على الأرواح.
والتفصيل فى مصطلح :(إثبات، وشهادة)(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۲ص ۱۹۱، مادة "ردة"، ثبوت الردة)

اوراگروہ شخص گواہوں کی طرف سے اپنے اوپر لگائے گئے ارتداد کے الزام کا انکار کرے، تو کیا اس کے انکار کو توبہ ورجوع سمجھا جائے گا، اوراس کے مرتد ہونے کی سزا کو ساقط قرار دیا جائے گا، یا پھراس کے انکار کو رَد کر کے اس پر ارتداد کی سزا جاری کی جائے گی، اس میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے، حنفیہ کے نزدیک اس کا انکار توبہ ورجوع سمجھا جائے گا، اوراس کے ارتداد کی حد ساقط ہوجائے گی، جبکہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک اس کی حد ساقط نہیں ہوگی۔ [1]

(۱۱)...... حاکم کے پاس کسی کے مرتد ہونے کے ثبوت کے بعد اس سے تین دن تک لگاتار توبہ طلب کی جائے گی، اوراس کے اسلام کے متعلق پائے جانے والے شکوک وشبہات کا ازالہ کیا جائے گا، اگر وہ باز آجائے، تو فبہا، ورنہ پھر قتل کی سزا جاری کی جائے گی، اورتوبہ کا طلب کرنا بعض فقہاء کے نزدیک مستحب اور بہت سے فقہاء کے نزدیک واجب ہے۔ [2]

---

[1] وإذا ثبتت الردة بالإقرار وبالشهادة فإنه يستتاب، فإن تاب وإلا قتل.
وإن أنكر المرتد ما شهد به عليه اعتبر إنكاره توبة ورجوعا عند الحنفية فيمتنع القتل فى حقه.
وعند الجمهور :يحكم عليه بالشهادة ولا ينفعه إنكاره، بل يلزمه أن يأتى بما يصير به الكافر مسلما
(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۲ص ۱۹۱، مادة "ردة"، ثبوت الردة)

[2] ذهب أبو حنيفة والشافعي -فى قول -وأحمد فى رواية والحسن البصرى إلى أن استتابة المرتد غير واجبة .بل مستحبة كما يستحب الإمهال، إن طلب المرتد ذلک، فيمهل ثلاثة أيام .
وعند مالک تجب الاستتابة ويمهل ثلاثة أيام.
وهو المذهب عند الحنابلة ، وعند الشافعي فى أظهر الأقوال يجب الاستتابة وتكون فى الحال فلا يمهل.
وثبتت الاستتابة بما ورد أن امرأة يقال لها أم رومان ارتدت فأمر النبى صلى الله عليه وسلم أن يعرض عليها الإسلام فإن تابت وإلا قتلت .ولأثر عن عمر رضى الله عنه أنه استتاب المرتد ثلاثا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۲ص ۱۹۱،۱۹۲، مادة "ردة"، استتابة المرتد)
مذهب الحنفية، وقول للشافعية، ورواية عن الإمام أحمد أن استتابة المرتد مستحبة وليست واجبة، فقد قال الحنفية :من ارتد عرض عليه الإسلام استحبابا على المذهب، وتكشف شبهته ويحبس وجوبا، وقيل :ندبا ثلاثة أيام يعرض عليه الإسلام فى كل يوم منها إن طلب المهلة ليتفكر،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

(۱۲)......اگر کوئی مسلمان شخص نعوذ باللہ تعالیٰ ایک سے زیادہ مرتبہ مرتد ہو، اور ہر مرتبہ ارتداد کے بعد توبہ کرلے، تو ہر مرتبہ اس کی توبہ قبول کرلی جائے گی، جبکہ بعض فقہائے کرام کے نزدیک اس طرح بار بار توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔ [1]

(۱۳)......مرتد کی توبہ کی کیفیت یہ ہوگی کہ وہ اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب سے برائت ظاہر کرے، یا جس مذہب کی طرف منتقل ہوا تھا، اُس کی برائت ظاہر

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فإن لم يطلب مهلة بعد عرض الإسلام عليه وكشف شبهته قتل من ساعته، إلا إذا رجى إسلامه فإنه يمهل، قيل :وجوبا، وقيل :استحبابا، وهو الظاهر.

وإذا ارتد ثانيا ثم تاب ضربه الإمام وخلى سبيله، وإن ارتد ثالثا ضربه الإمام ضربا وجيعا وحبسه حتى تظهر عليه آثار التوبة، ويرى أنه مخلص ثم يخلى سبيله، فإن عاد فعل به هكذا.

لكن نقل ابن عابدين عن آخر حدود الخانية معزيا للبلخى ما يفيد قتله بلا استتابة، لحديث :من بدل دينه فاقتلوه، وكره تنزيها قتله قبل العرض عليه، فإن قتله قبل العرض فلا ضمان، لأن الكفر مبيح للدم.

واستدل القائلون بعدم وجوب الاستتابة بأن النبى صلى الله عليه وسلم قال :من بدل دينه فاقتلوه ولم يذكر استتابته.

ومذهب المالكية، والمعتمد عند الشافعية، والمذهب عند الحنابلة .أن المرتد لا يقتل حتى يستتاب وجوبا، ومدة الاستتابة عند المالكية والحنابلة، وفى قول للشافعية ثلاثة أيام بلياليها، وفى قول ابن القاسم من المالكية، أنه يستتاب ثلاث مرات فى يوم واحد، قال المالكية :والأيام الثلاثة، هى من يوم الثبوت لا من يوم الكفر، ولا يحسب يوم الرفع إلى الحاكم، ولا يوم الثبوت إن كان الثبوت بعد طلوع الفجر، ولا يعاقب بجوع ولا عطش ولا بأى نوع من أنواع العقاب، وإن لم يعد بالتوبة فإن تاب ترك، وإن لم يتب قتل، وفى قول عند الشافعية :أن المرتد يقتل فى الحال بلا استتابة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۵ص ۲۳۵، مادة "اعذار" حكم الإعذار إلى المرتد)

[1] من تكررت ردته وتوبته قال الأحناف والشافعية :تقبل توبته .لقوله تعالى :(قل للذين كفروا إن ينتهوا يغفر لهم ما قد سلف) وقول النبى صلى الله عليه وسلم :أمرت أن أقاتل الناس حتى يشهدوا أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله، ويقيموا الصلاة ويؤتوا الزكاة، فإذا فعلوا ذلك عصموا منى دماء هم وأموالهم إلا بحق الإسلام وحسابهم على الله.

وفى قول عند الحنفية ورواية عند الحنابلة :توبة من تكررت ردته لا تقبل.

وحجتهم قوله تعالى :(إن الذين آمنوا ثم كفروا ثم آمنوا ثم كفروا ثم ازدادوا كفرا لم يكن الله ليغفر لهم ولا ليهديهم سبيلا)ولأن تكرار الردة، دليل على فساد العقيدة، وقلة المبالاة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۲ص۱۹۴، مادة "ردة"، توبة من تكررت ردته)

کرے، اور کلمۂ شہادت پڑھے۔

اور اگر کسی مسلمان کے متعلق مرتد ہونے کی گواہی دی جائے، لیکن وہ مرتد ہونے سے منکِر ہو، تو اس کا انکار کرنا بھی بعض فقہائے کرام کے نزدیک رجوع اور توبہ قرار دیا جائے گا، جیسا کہ پہلے گزرا۔

اور اگر کوئی مرتد کلمۂ شہادت پڑھ لے، تو تب بھی اکثر فقہائے کرام کے نزدیک اس کو توبہ اور ارتداد سے رجوع قرار دیا جائے گا، اور اس کی ارتداد کی سزا کو ساقط وختم کردیا جائے گا۔ [۱]

---

[۱] كيفية توبة المرتد:
قال الحنفية :توبة المرتد أن يتبرأ عن الأديان سوى الإسلام، أو عما انتقل إليه بعد نطقه بالشهادتين، ولو أتى بالشهادتين على وجه العادة أو بدون التبرى لم ينفعه ما لم يرجع عما قال إذ لا يرتفع بهما كفره.
قالوا :إن شهد الشاهدان على مسلم بالردة وهو منكر لا يتعرض له لا لتكذيب الشهود، بل لأن إنكاره توبة ورجوع، فيمتنع القتل فقط وتثبت بقية أحكام الردة.
قال ابن عابدين :ويحتمل أن يكون الإنكار مع الإقرار بالشهادتين.
وإذا نطق المرتد بالشهادتين :صحت توبته عند الحنفية، والشافعية، والحنابلة ، لقوله عليه الصلاة والسلام :أمرت أن أقاتل الناس حتى يقولوا :لا إله إلا الله، فمن قال :لا إله إلا الله عصم منى ماله ونفسه إلا بحقه وحسابه على الله .متفق عليه .وحيث إن الشهادة يثبت بها إسلام الكافر الأصلى فكذا المرتد .فإذا ادعى المرتد الإسلام، ورفض النطق بالشهادتين، لاتصح توبته.
وصرح الحنابلة بأن المرتد إن مات، فأقام وارثه بينة أنه صلى بعد الردة :حكم بإسلامه .ويؤخذ من ذلك أنه تحصل توبة المرتد بصلاته.
وقال الشافعية والحنابلة :لا بد فى إسلام المرتد من الشهادتين فإن كان كفره لإنكار شىء آخر، كمن خصص رسالة محمد بالعرب أو جحد فرضا أو تحريما فيلزمه مع الشهادتين الإقرار بما أنكر.
قال الحنابلة :ولو صلى المرتد حكم بإسلامه إلا أن تكون ردته بجحد فريضة، أو كتاب، أو نبى، أو ملك، أو نحو ذلك من البدع المكفرة التى ينتسب أهلها إلى الإسلام، فإنه لا يحكم بإسلامه بمجرد صلاته؛ لأنه يعتقد وجوب الصلاة ويفعلها مع كفره .وأما لو زكى أو صام فلا يكفى ذلك للحكم بإسلامه، لأن الكفار يتصدقون، والصوم أمر باطن لا يعلم.
واختلف الفقهاء فى قبول توبة الزنديق، وتوبة من تكررت ردته، وتوبة الساحر على أقوال ينظر تفصيلها فى مصطلح :(توبة)(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۲ص ۱۹۲، ۱۹۳، مادة "ردة")

(۱۴)......مرتد کو توبہ کا موقع دیے جانے سے پہلے قتل کرنا بُرا ہے۔ ۱

ارتداد کی سزا پر شبہ اور اس کا جواب

ملحوظ رہے کہ مرتد اگر مرد ہو، اور وہ توبہ نہ کرے، تو اس کے قتل کی سزا حد میں داخل ہے۔ ۲

آج کل بعض لوگوں کی طرف سے مرتد ہونے کی سزا پر یہ شبہ کیا جاتا ہے کہ قرآن مجید سے تو معلوم ہوتا ہے کہ دین میں جبر واکراہ نہیں ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (سورة البقرة، رقم الآية ۲۵۶)

ترجمہ: دین میں اکراہ (وجبر) نہیں ہے (سورہ بقرہ)

جبکہ مرتد کی سزا سے لازم آتا ہے کہ دین میں اکراہ وجبر ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ جب تک کوئی اسلام میں داخل نہ ہو، یعنی وہ شروع سے ہی غیر مسلم ہو، اس کو تو اسلام لانے پر مجبور نہیں

---

۱ إذا ارتد مسلم، وكان مستوفيا لشرائط الردة، أهدر دمه، وقتله للإمام أو نائبه بعد الاستتابة فلو قتل قبل الاستتابة فقاتله مسيء ، ولا يجب بقتله شيء غير التعزير، إلا أن يكون رسولا للكفار فلا يقتل؛ لأن النبى صلى الله عليه وسلم لم يقتل رسل مسيلمة .فإذا قتل المرتد على ردته، فلا يغسل، ولا يصلى عليه، ولا يدفن مع المسلمين.

ودليل قتل المرتد قول النبى صلى الله عليه وسلم :من بدل دينه فاقتلوه. وحديث :لا يحل دم امرء مسلم يشهد أن لا إله إلا الله وأنى رسول الله إلا بإحدى ثلاث :النفس بالنفس، والثيب الزانى، والتارك لدينه المفارق للجماعة.

أما المرتدة فهى عند جمهور الفقهاء كالمرتد ، لعموم قوله صلى الله عليه وسلم :من بدل دينه فاقتلوه، ولما روى جابر أن امرأة يقال لها أم رومان ارتدت فأمر النبى صلى الله عليه وسلم أن يعرض عليها الإسلام فإن تابت وإلا قتلت.

وذهب الحنفية إلى أن المرتدة لا تقتل، بل تحبس حتى تتوب أو تموت، لنهى النبى صلى الله عليه وسلم عن قتل الكافرة التى لا تقاتل أو تحرض على القتال ، فتقاس المرتدة عليها(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۲ص ۱۹۴، ۱۹۵، مادة "ردة"، قتل المرتد)

۲ ويتفق فقهاء المذاهب الأربعة على أنه لا يجوز أخذ الفداء من الأسرى المرتدين، ولا المن عليهم بأمان مؤقت أو أمان مؤبد، ولا يترك على ردته بإعطاء الجزية .كما يتفقون على أن المرتد من الرجال لا يجرى فيه إلا :العودة إلى الإسلام أو القتل، لأن قتل المرتد على ردته حد، ولا يترك إقامة الحد لمنفعة الأفراد(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴ص ۲۱۳، مادة " أسرى")

کیا جائے گا، اور مذکورہ آیت کا یہی مطلب ہے، لیکن جب ایک مرتبہ جبر واکراہ کے بغیر اسلام قبول کرلیا، تو اس نے اسلام کا التزام کرلیا، اب اس کو اُس التزام کے چھوڑنے پر جبرو اکراہ کیا جانا اس آیت کے خلاف نہیں، اور یہ ایسا ہی ہے، جیسا کہ مسلمان کو عاقل، بالغ ہونے پر بزورِ قانون نماز اور صاحبِ نصاب کو زکاۃ ادا کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔

پھر بعض لوگ یہ شبہ کیا کرتے ہیں کہ اگر اسلام کے ترک کرنے اور مرتد ہونے ہونے پر قتل کی سزا کا حکم ہے تو اگر کوئی دوسرا مذہب والا بھی اس طرح کی سزا اپنے مذہب کو چھوڑ کر اسلام قبول کرنے والے کے لئے مقرر کرے، تو اس پر بھی اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔

مگر یہ شبہ بھی درست نہیں، کیونکہ مذہبِ اسلام دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں حق ہے، اور اس کا حق ہونا عقلی ٹھوس دلائل سے ثابت ہے، لہٰذا مذہبِ حق کو غیر مذہبِ حق کے برابر درجہ دینا دراصل حق و ناحق کو برابر اور حق و باطل میں تلبیس کرنا ہے، جو کہ عقلی اعتبار سے درست نہیں، علاوہ ازیں مرتد ہونے والے کو پہلے توبہ کا پورا پورا موقعہ فراہم کیا جاتا ہے، اور اس کے شکوک وشبہات کا دلائل کے ساتھ ازالہ کیا جاتا ہے، اب حجت قائم ہونے کے بعد اس کا انکار کرنا دراصل حق کا انکار کرنا ہے، جس کی سزا عقل کی رُو سے بھی ضرور ملنی چاہئے، جبکہ دیگر مذاہب کا معاملہ اس طرح نہیں ہے، کیونکہ ان کی حقانیت اتنے ٹھوس دلائل سے ثابت نہیں کہ کسی کو اطمینان دلایا جاسکے، اور اس پر حجت قائم کی جاسکے، اور اگر کسی کو اس بات میں شبہ ہو، تو اس کے ساتھ عقلی و نقلی ٹھوس دلائل سے گفتگو کی جاسکتی ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

Idara Ghufran

(فصل نمبر۸)

تعزیری سزائیں

اب تک جرائم کی قانونی روک تھام کے لئے جن سزاؤں کا ذکر کیا گیا، وہ قصاص اور ایسی سزائیں ہیں کہ جن کی شریعت نے خود حد بندی کردی ہے، اوران کے ثبوت کی شرائط بھی مقرر وطے ہیں، جن کو''حدود'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

حدود وقصاص کے علاوہ بعض سزائیں وہ ہیں، جن کو شریعت میں تعزیرات کا نام دیا جاتا ہے۔ اور حدود کے مقابلہ میں تعزیرات ایسی سزاؤں کو کہا جاتا ہے، جن کی شریعت نے خود سے حد بندی نہ کی ہو۔ [1]

---

[1] التعزير لغة :مصدر عزر من العزر، وهو الرد والمنع، ويقال :عزر أخاه بمعنى :نصره، لأنه منع عدوه من أن يؤذيه، ويقال :عزرته بمعنى :وقرته، وأيضا :أدبته، فهو من أسماء الأضداد .وسميت العقوبة تعزيرا، لأن من شأنها أن تدفع الجانى وترده عن ارتكاب الجرائم، أو العودة إليها.

وفى الاصطلاح :هو عقوبة غير مقدرة شرعا، تجب حقا لله، أو لآدمى، فى كل معصية ليس فيها حد ولا كفارة غالبا.

الألفاظ ذات الصلة:

أ -الحد:الحد لغة :المنع واصطلاحا :عقوبة مقدرة شرعا وجبت حقا لله تعالى كحد الزنى، أو للعبد كحد القذف.

ب -القصاص:القصاص لغة :تتبع الأثر .واصطلاحا :هو أن يفعل بالجانى مثل ما فعل.

ج -الكفارة :الكفارة لغة :من التكفير، وهو المحو، والكفارة جزاء مقدر من الشرع، لمحو الذنب.

ويختلف التعزير عن الحد والقصاص والكفارة من وجوه منها:

أ -فى الحدود والقصاص، إذا ثبتت الجريمة الموجبة لهما لدى القاضى شرعا، فإن عليه الحكم بالحد أو القصاص على حسب الأحوال، وليس له اختيار فى العقوبة، بل هو يطبق العقوبة المنصوص عليها شرعا بدون زيادة أو نقص، ولا يحكم بالقصاص إذا عفى عنه، وله هنا التعزير. ومرد ذلك :أن القصاص حق للأفراد، بخلاف الحد.

وفى التعزير يختار القاضى من العقوبات الشرعية ما يناسب الحال، فيجب على الذين لهم سلطة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

تعزیر کی سزا ایسے گناہ اور جرم کے ثبوت پر جاری کی جاتی ہے کہ جس کے ثبوت پر شریعت کی طرف سے قصاص یا حد کی سزا مقرر نہ ہو، یا وہ شبہ یا کسی شرط کے نہ پائے جانے وغیرہ کی وجہ سے ساقط ہوگئی ہو، اور تعزیر کا مقصد جرائم کی روک تھام ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

التعزير الاجتهاد فى اختيار الأصلح،لاختلاف ذلک باختلاف مراتب الناس، وباختلاف المعاصى.
ب -إقامة الحد الواجب لحق الله لا عفو فيه ولا شفاعة ولا إسقاط، إذا وصل الأمر للحاكم، وثبت بالبينة، وكذلک القصاص إذا لم يعف صاحب الحق فيه .والتعزير إذا كان من حق الله تعالى تجب إقامته، ويجوز فيه العفو والشفاعة إن كان فى ذلک مصلحة، أو انزجر الجانى بدونه، وإذا كان من حق الفرد فله تركه العفو وبغيره، وهو يتوقف على الدعوى، وإذا طالب صاحبه لا يكون لولى الأمر عفو ولا شفاعة ولا إسقاط.
ج -إثبات الحدود والقصاص عند الجمهور لا يثبت إلا بالبينة أو الاعتراف، بشروط خاصة .وعلى سبيل المثال :لا يؤخذ فيه بأقوال المجنى عليه كشاهد، ولا بالشهادة السماعية، ولا باليمين، ولا بشهادة النساء .بخلاف التعزير فيثبت بذلک، وبغيره.
د -لا خلاف بين الفقهاء أن من حده الإمام فمات من ذلک فدمه هدر، لأن الإمام مأمور بإقامة الحد، وفعل المأمور لا يتقيد بشرط السلامة .أما التعزير فقد اختلفوا فيه، فعند الحنفية والمالكية والحنابلة :الحكم كذلک فى التعزير .أما عند الشافعية :فالتعزير موجب للضمان، وقد استدلوا على ذلک بفعل عمر رضى الله عنه، إذ أرهب امرأة ففزعت فزعا، فدفعت الفزعة فى رحمها، فتحرک ولدها، فخرجت، فأخذها المخاض، فألقت غلاما جنينا، فأتى عمر رضى الله عنه بذلک، فأرسل إلى المهاجرين فقص عليهم أمرها، فقال :ما ترون؟ فقالوا :ما نرى عليک شيئا يا أمير المؤمنين، إنما أنت معلم ومؤدب، وفى القوم على رضى الله عنه، وعلى ساكت .قال :فما تقول : أنت يا أبا الحسن قال :أقول :إن كانوا قاربوک فى الهوى فقد أثموا، وإن كان هذا جهد رأيهم فقد أخطئوا، وأرى عليک الدية يا أمير المؤمنين، قال :صدقت، اذهب فاقسمها على قومک.
أما من يتحمل الدية فى النهاية، فقيل : إنما تكون على عاقلة ولى الأمر .وقيل: إنها تكون فى بيت المال.
هـ -إن الحدود تدرأ بالشبهات، بخلاف التعزير، فإنه يثبت بالشبهة.
و يجوز الرجوع فى الحدود إن ثبتت بالإقرار، أما التعزير فلا يؤثر فيه الرجوع.
ز -إن الحد لا يجب على الصغير، ويجوز تعزيره.
ح -إن الحد قد يسقط بالتقادم عند بعض الفقهاء، بخلاف التعزير.
(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۲ ،ص ۲۵۴، ۲۵۵ ،مادة "تعزير")

[1] الحكم التكليفى: جمهور الفقهاء :على أن الأصل فى التعزير أنه مشروع فى كل معصية لا حد فيها، ولا كفارة.ويختلف حكمه باختلاف حاله وحال فاعله.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

چنانچہ جو کام شرعاً حرام ہیں، اور ان میں حد مقرر نہیں، ان کا ارتکاب کرنے پر، اور اسی طرح فرائض کے ترک کرنے پر (مثلاً زکاۃ نہ دینے یا رمضان میں علانیہ کھانے پینے پر) تعزیری

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

حكمة التشريع:
التعزير مشروع لردع الجانى وزجره، وإصلاحه وتهذيبه .قال الزيلعى :إن الغرض من التعزير الزجر .وسمى التعزيرات :بالزواجر غير المقدرة.
والزجر معناه :منع الجانى من معاودة الجريمة، ومنع غيره من ارتكابها، ومن ترك الواجبات، كترك الصلاة والمماطلة فى أداء حقوق الناس.
أما الإصلاح والتهذيب فهما من مقاصد التعزير، وقد بين ذلك الزيلعى بقوله :التعزير للتأديب. ومثله تصريح الماوردى وابن فرحون بأن :التعزير تأديب استصلاح وزجر.
وقال الفقهاء :إن الحبس غير المحدد المدة حده التوبة وصلاح حال الجانى.وقالوا :إن التعزير شرع للتطهير؛ لأن ذلك سبيل لإصلاح الجانى.
وقالوا :الزواجر غير المقدرة محتاج إليها، لدفع الفساد كالحدود.
وليس التعزير للتعذيب، أو إهدار الآدمية، أو الإتلاف، حيث لا يكون ذلك واجبا .وفى ذلك يقول الزيلعى :التعزير للتأديب، ولا يجوز الإتلاف، وفعله مقيد بشرط السلامة .ويقول ابن فرحون :التعزير إنما يجوز منه ما أمنت عاقبته غالبا، وإلا لم يجز .ويقول البهوتى :لا يجوز قطع شىء ممن وجب عليه التعزير، ولا جرحه، لأن الشرع لم يرد بشىء من ذلك، عن أحد يقتدى به؛ ولأن الواجب أدب، والأدب لا يكون بالإتلاف وكل ضرب يؤدى إلى الإتلاف ممنوع، سواء أكان هذا الاحتمال ناشئا من آلة الضرب، أم من حالة الجانى نفسه، أم من موضع الضرب، وتفريعا على ذلك :منع الفقهاء الضرب فى المواضع التى قد يؤدى فيها إلى الإتلاف .ولذلك فالراجح :أن الضرب على الوجه والفرج والبطن والصدر ممنوع.
وعلى الأساس المتقدم منع جمهور الفقهاء فى التعزير :الصفع، وحلق اللحية، وتسويد الوجه، وإن كان البعض قال به فى شهادة الزور، قال الأسروشنى :لا يباح التعزير بالصفع؛ لأنه من أعلى ما يكون من الاستخفاف .وقال :تسويد الوجه فى شهادة الزور ممنوع بالإجماع، أى بين الحنفية .
قال البهوتى :(يحرم) التعزير (بحلق لحيته) لما فيه من المثلة (ولا تسويد وجهه) . والتعزير بالقتل عند من يراه يشترط فى آلته :أن تكون حادة من شأنها إحداث القتل بسهولة، بحيث لا يتخلف عنها القتل، وألا تكون كالة، فذلك من المثلة، والرسول صلى الله عليه وسلم يقول :إن الله عز وجل كتب الإحسان على كل شىء ، فإذا قتلتم فأحسنوا القتلة، وإذا ذبحتم فأحسنوا الذبحة، وليحد أحدكم شفرته، وليرح ذبيحته وفى ذلك أمر بالإحسان فى القتل، وإراحة ما أحل الله ذبحه من الأنعام، فالإحسان فى الآدمى أولى(الموسوعة الفقهية الكويتية،ج١٢،ص٢٥٦،٢٥٧،مادة "تعزير")

سزا جاری کی جاتی ہے۔ ۱؎

بعض اوقات حد یا قصاص یا کفارہ کے ساتھ مناسب تعزیر بھی جاری کی جاسکتی ہے۔ ۲؎

۱؎ المعاصی التی شرع فیها التعزیر:

المعصیة :فعل ما حرم، وترک ما فرض، یستوی فی ذلک کون العقاب دنیویا أو أخرویا.

أجمع الفقهاء علی :أن ترک الواجب أو فعل المحرم معصیة فیها التعزیر، إذا لم یکن هناک حد مقدر.

ومثال ترک الواجب عندهم :منع الزکاة،وترک قضاء الدین عند القدرة علی ذلک، وعدم أداء الأمانة، وعدم رد المغصوب، وکتم البائع ما یجب علیه بیانه، کأن یدلس فی المبیع عیبا خفیا ونحوه، والشاهد والمفتی والحاکم یعزرون علی ترک الواجب.

ومثال فعل المحرم :سرقة ما لا قطع فیه، لعدم توافر شروط النصاب أو الحرز مثلا، وتقبیل الأجنبیة، والخلوة بها، والغش فی الأسواق، والعمل بالربا، وشهادة الزور.

وقد یکون الفعل مباحا فی ذاته لکنه یؤدی لمفسدة، وحکمه عند کثیر من الفقهاء -وعلی الخصوص المالکیة -أنه یصیر حراما، بناء علی قاعدة سد الذرائع، وعلی ذلک فارتکاب مثل هذا الفعل فیه التعزیر، ما دام لیست له عقوبة مقدرة.

وما ذکر هو عن الواجب والمحرم، أما عن المندوب والمکروه -فعند بعض الأصولیین :المندوب مأمور به، ومطلوب فعله، والمکروه منهی عنه، ومطلوب ترکه، ویمیز المندوب عن الواجب أن الذم یسقط عن تارک المندوب، لکنه یلحق تارک الواجب .ویمیز المکروه عن المحرم :أن الذم یسقط عن مرتکب المکروه، ولکنه یثبت علی مرتکب المحرم، وبناء علی ذلک لیس تارک المندوب أو فاعل المکروه عاصیا؛ لأن العصیان اسم ذم، والذم أسقط عنهما، ولکنهم یعتبرون من یترک المندوب أو یأتی المکروه مخالفا، وغیر ممتثل.

وعند آخرین :المندوب غیر داخل تحت الأمر، والمکروه غیر داخل تحت النهی، فیکون المندوب مرغبا فی فعله، والمکروه مرغبا عنه .وعندهم لا یعتبر تارک المندوب وفاعل المکروه عاصیا .وقد اختلف فی تعزیر تارک المندوب، وفاعل المکروه، ففریق من الفقهاء علی عدم جوازه؛ لعدم التکلیف، ولا تعزیر بغیر تکلیف .وفریق أجازه، استنادا علی فعل عمر رضی الله عنه، فقد عزر رجلا أضجع شاة لذبحها، وأخذ یحد شفرته وهی علی هذا الوضع، وهذا الفعل لیس إلا مکروها، ویأخذ هذا الحکم من یترک المندوب.

وقال القلیوبی :قد یشرع التعزیر ولا معصیة، کتأدیب طفل، وکافر، وکمن یکتسب بآلة لهو لا معصیة فیها (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۱۲ ،ص۲۵۷، ۲۵۸،مادة ”تعزیر“)

۲؎ اجتماع التعزیر مع الحد أو القصاص أو الکفارة :قد یجتمع التعزیر مع الحد، فالحنفیة لا یرون تغریب الزانی غیر المحصن من حد الزنی .فعندهم أن حده مائة جلدة لا غیر، ولکنهم یجیزون تغریبه بعد الجلد، وذلک علی وجه التعزیر.ویجوز تعزیر شارب الخمر بالقول، بعد إقامة حد الشرب علیه، فعن أبی هریرة رضی الله عنه أن النبی صلی الله علیه وسلم أمر بتبکیت شارب الخمر بعد الضرب.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بعض تعزیری سزائیں اللہ کا حق ہو کر مشروع وثابت ہیں، اور بعض بندوں کا حق ہو کر مشروع وثابت ہیں۔ ل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والتبكيت تعزير بالقول، وممن قال بذلك :الحنفية، والمالكية.

وقال المالكية :إن الجارح عمدا يقتص منه ويؤدب .ومن ثم فالتعزير قد اجتمع مع القصاص فى الاعتداء على ما دون النفس عمدا .والشافعى يجيز اجتماع التعزير مع القصاص فيما دون النفس من الجنايات على البدن، وهو أيضا يقول بجواز اجتماع التعزير مع الحد، مثل تعليق يد السارق فى عنقه بعد قطعها ساعة من نهار، زيادة فى النكال .وقال أحمد بذلك، لما روى فضالة بن عبيد أن الرسول صلى الله عليه وسلم قطع يد سارق، ثم أمر بها فعلقت فى عنقه.وأن عليا فعل ذلك، ومثل: الزيادة عن الأربعين فى حد الشرب؛ لأن حد الشرب عند الشافعى أربعون.

وقد يجتمع التعزير مع الكفارة .فمن المعاصى ما فيه الكفارة مع الأدب، كالجماع فى حرام، وفى نهار رمضان، ووطء المظاهر منها قبل الكفارة إذا كان الفعل متعمدا فى جميعها.

وقيل بالتعزير كذلك فى حلف اليمين الغموس عند الشافعى، خلافا للحنفية، فإنه لا كفارة فى يمين الغموس، وفيها التعزير .وعند مالك فى القتل الذى لا قود فيه، كالقتل الذى عفى عن القصاص فيه، تجب على القاتل الدية، وتستحب له الكفارة، ويضرب مائة، ويحبس سنة، وهذا تعزير قد اجتمع مع الكفارة.

وقال البعض فى القتل شبه العمد :بوجوب التعزير مع الكفارة، لأن هذه حق الله تعالى، بمنزلة الكفارة فى الخطأ، وليست لأجل الفعل،بل هى بدل النفس التى فاتت بالجناية .ونفس الفعل المحرم -وهو جناية القتل شبه العمد -لا كفارة فيه .وقد استدلوا على ذلك :بأنه إذا جنى شخص على آخر دون أن يتلف شيئا فإنه يستحق التعزير، ولا كفارة فى هذه الجناية .بخلاف ما لو أتلف بلا جناية محرمة، فإن الكفارة تجب بلا تعزير .وإن الكفارة فى شبه العمد بمنزلة الكفارة على المجامع فى الصيام والإحرام (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٢، ص٢٥٩، ٢٦٠، مادة "تعزير")

ل التعزير حق لله وحق للعبد:ينقسم التعزير إلى ما هو حق لله، وما هو حق للعبد .والمراد بالأول غالبا :ما تعلق به نفع العامة، وما يندفع به ضرر عام عن الناس، من غير اختصاص بأحد .والتعزير هنا من حق الله؛ لأن إخلاء البلاد من الفساد واجب مشروع، وفيه دفع للضرر عن الأمة، وتحقيق نفع عام .ويراد بالثانى :ما تعلقت به مصلحة خاصة لأحد الأفراد.

وقد يكون التعزير خالص حق الله، كتعزير تارك الصلاة، والمفطر عمدا فى رمضان بغير عذر، ومن يحضر مجلس الشراب.

وقد يكون لحق الله وللفرد، مع غلبة حق الله، كنحو تقبيل زوجة آخر وعناقها.

وقد تكون الغلبة لحق الفرد، كما فى السب والشتم والمواثبة .وقد قيل بحالات يكون فيها التعزير لحق الفرد وحده، كالصبى يشتم رجلا لأنه غير مكلف بحقوق الله تعالى فيبقى تعزيره متمحضا لحق المشتوم.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

تعزیر ایسی سزا ہے، جس کی تعیین کا حق حاکم کو دیا گیا ہے، جس کے لئے حکومت کی طرف سے مناسب قانون سازی کی جاسکتی ہے۔ ل

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وتظهر أهمية التفرقة بين نوعى التعزير فى أمور:
منها :أن التعزير الواجب حقا للفرد أو الغالب فيه حقه -وهو يتوقف على الدعوى -إذا طلبه صاحب الحق فيه لزمت إجابته، ولا يجوز للقاضى فيه الإسقاط، ولا يجوز فيه العفو أو الشفاعة من ولى الأمر .أما التعزير الذى يجب حقا لله فإن العفو فيه من ولى الأمر جائز، وكذلك الشفاعة إن كانت فى ذلك مصلحة، أو حصل انزجار الجانى بدونه .وقد روى عن الرسول صلى الله عليه وسلم قوله :اشفعوا تؤجروا ويقضى الله على لسان نبيه ما يشاء .
وقد حصل الخلاف فى التعزير هل هو واجب على ولى الأمر أم لا فمالك، وأبو حنيفة، وأحمد قالوا بوجوب التعزير فيما شرع فيه.
وقال الشافعى :إنه ليس بواجب، استنادا إلى أن رجلا قال للرسول صلى الله عليه وسلم :إنى لقيت امرأة فأصبت منها دون أن أطأها .فقال صلى الله عليه وسلم أصليت معنا؟ قال نعم :فتلا عليه آية: (وأقم الصلاة طرفى النهار وزلفا من الليل إن الحسنات يذهبن السيئات.وإلى قوله صلى الله عليه وسلم فى الأنصار .اقبلوا من محسنهم، وتجاوزوا عن مسيئهم .وإلى أن رجلا قال للرسول صلى الله عليه وسلم فى حكم حكم به للزبير لم يرقه :أن كان ابن عمتك، فغضب .ولم ينقل أنه عزره.
وقال آخرون، ومنهم بعض الحنابلة :إن ما كان من التعزير منصوصا عليه كوطء جارية مشتركة يجب امتثال الأمر فيه .أما ما لم يرد فيه نص فإنه يجب إذا كانت فيه مصلحة، أو كان لا ينزجر الجانى إلا به، فإنه يجب كالحد، أما إذا علم أن الجانى ينزجر بدون التعزير فإنه لا يجب .ويجوز للإمام فيه العفو إن كانت فيه مصلحة، وكان من حق الله تعالى، خلاف ما هو من حق الأفراد 2)).
(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۲، ص ۲۶۰، ۲۶۱، مادة "تعزير")

ل التعزير عقوبة مفوضة:
المراد بالتفوض وأحكامه :ذهب المالكية والشافعية والحنابلة، وهو الراجح عن الحنفية :أن التعزير عقوبة مفوضة إلى رأى الحاكم، وهذا التفويض فى التعزير من أهم أوجه الخلاف بينه وبين الحد الذى هو عقوبة مقدرة من الشارع .وعلى الحاكم فى تقدير عقوبة التعزير مراعاة حال الجريمة والمجرم .أما مراعاة حال الجريمة فللفقهاء فيه نصوص كثيرة، منه قول الأسروشنى : ينبغى أن ينظر القاضى إلى سببه، فإن كان من جنس ما يجب به الحد ولم يجب لمانع وعارض، يبلغ التعزير أقصى غاياته .وإن كان من جنس ما لا يجب الحد لا يبلغ أقصى غاياته، ولكنه مفوض إلى رأى الإمام". وأما مراعاة حال المجرم فيقول الزيلعى :إنه فى تقدير التعزير ينظر إلى أحوال الجانين، فإن من الناس من ينزجر باليسير .ومنهم من لا ينزجر إلا بالكثير .يقول ابن عابدين :إن التعزير يختلف باختلاف الأشخاص، فلا معنى لتقديره مع حصول المقصود بدونه، فيكون مفوضا إلى رأى القاضى، يقيمه بقدر ما يرى المصلحة فيه.

﴿ بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں ﴾

تعزیر کی صورتیں وقسمیں

اسی وجہ سے تعزیری سزا بعض اوقات بدنی ہوتی ہے، اور بعض اوقات اس کے علاوہ ہوتی ہے، جس کی کچھ تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔ ل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ويقول السندى :إن أدنى التعزير على ما يجتهد الإمام فى الجانى، بقدر ما يعلم أنه ينزجر به؛ لأن المقصود من التعزير الزجر، والناس تختلف أحوالهم فى الانزجار، فمنهم من يحصل له الزجر بأقل الضربات، ويتغير بذلك .ومنهم من لا يحصل له الزجر بالكثير من الضرب.ونقل عن أبى يوسف : إن التعزير يختلف على قدر احتمال المضروب.

وقد منع بعض الحنفية تفويض التعزير، وقالوا بعدم تفويض ذلك للقاضى، لاختلاف حال القضاة، وهذا هو الذى قال به الطرسوسى فى شرح منظومة الكنز .وقد أيدوا هذا الرأى بأن المراد من تفويض التعزير إلى رأى القاضى ليس معناه التفويض لرأيه مطلقا، بل المقصود القاضى المجتهد .

وقد ذكر السندى :أن عدم التفويض هو الرأى الضعيف عند الحنفية.

وقال أبو بكر الطرسوسى فى أخبار الخلفاء المتقدمين :إنهم كانوا يراعون قدر الجانى وقدر الجناية، فمن الجانين من يضرب، ومنهم من يحبس، ومنهم من يقام واقفا على قدميه فى المحافل، ومنهم من ينتزع عمامته، ومنهم من يحل حزامه.

ونص المالكية :على أن التعزير يختلف من حيث المقادير، والأجناس، والصفات، باختلاف الجرائم، من حيث كبرها، وصغرها، وبحسب حال المجرم نفسه، وبحسب حال القائل والمقول فيه والقول، وهو موكول إلى اجتهاد الإمام.

قال القرافى :إن التعزير يختلف باختلاف الأزمنة والأمكنة، وتطبيقا لذلك قال ابن فرحون :رب تعزير فى بلد يكون إكراما فى بلد آخر، كقطع الطيلسان ليس تعزيرا فى الشام بل إكرام، وكشف الرأس عند الأندلسيين ليس هوانا مع أنه فى مصر والعراق هوان .وقال :إنه يلاحظ فى ذلك أيضا نفس الشخص، فإن فى الشام مثلا من كانت عادته الطيلسان وألفه -من المالكية وغيرهم -يعتبر قطعه تعزيرا لهم .فما ذكر ظاهر منه :أن الأمر لم يقتصر على اختلاف التعزير باختلاف الزمان والمكان والأشخاص، مع كون الفعل محلا لذلك، بل إن هذا الاختلاف قد يجعل الفعل نفسه غير معاقب عليه، بل قد يكون مكرمة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٢، ص٢٦١ الی٢٦٣، مادة "تعزير")

ل الأنواع الجائزة فى عقوبة التعزير:

يجوز فى مجال التعزير :إيقاع عقوبات مختلفة، يختار منها الحاكم فى كل حالة ما يراه مناسبا محققا لأغراض التعزير.

وهذه العقوبات قد تنصب على البدن، وقد تكون مقيدة للحرية، وقد تصيب المال، وقد تكون غير ذلك(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٢، ص٢٦٣، مادة "تعزير")

(۱)...... عام حالات میں تعزیر کی سزا مجرم کے قتل کی صورت میں نہیں ہوتی، البتہ بعض حالات میں تعزیری سزا قتل کی صورت میں بھی ہوسکتی ہے، مثلاً کوئی مسلمانوں کی جاسوسی کرتا ہوا پکڑا جائے، تو اس کو تعزیراً قتل کرنا جائز ہے۔
اسی طرح بعض اوقات کسی کی طرف سے بار بار جرائم کے صادِر ہونے پر بھی فساد کے خاتمہ کے لئے قتل کی تعزیری سزا دی جاسکتی ہے۔ [۱]

(۲)...... بعض اوقات تعزیری سزا مجرم کو کوڑے، جوتے، قمچی وغیرہ سے ضَرب لگا کر ہوتی ہے۔ [۲]

---

[۱] العقوبات البدنية:
أ -التعزير بالقتل:
الأصل :أنه لا يبلغ بالتعزير القتل، وذلك لقول الله تعالى :(ولا تقتلوا النفس التى حرم الله إلا بالحق)وقول النبى صلى الله عليه وسلم :لا يحل دم امرء مسلم إلا بإحدى ثلاث :الثيب الزانى، والنفس بالنفس، والتارك لدينه المفارق للجماعة.وقد ذهب بعض الفقهاء إلى جواز القتل تعزيرا فى جرائم معينة بشروط مخصوصة، من ذلك :قتل الجاسوس المسلم إذا تجسس على المسلمين، وذهب إلى جواز تعزيره بالقتل مالك وبعض أصحاب أحمد، ومنعه أبو حنيفة، والشافعى، وأبو يعلى من الحنابلة .وتوقف فيه أحمد .ومن ذلك :قتل الداعية إلى البدع المخالفة للكتاب والسنة كالجهمية .ذهب إلى ذلك كثير من أصحاب مالك، وطائفة من أصحاب أحمد .
وأجاز أبو حنيفة التعزير بالقتل فيما تكرر من الجرائم، إذا كان جنسه يوجب القتل، كما يقتل من تكرر منه اللواط أو القتل بالمثقل.وقال ابن تيمية.وقد يستدل على أن المفسد إذا لم ينقطع شره إلا بقتله فإنه يقتل، لما رواه مسلم فى صحيحه عن عرفجة الأشجعى رضى الله عنه قال :سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول :من أتاكم وأمركم جميع على رجل واحد يريد أن يشق عصاكم، أو يفرق جماعتكم فاقتلوه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۲، ص۲۶۳، ۲۶۴، مادة "تعزير")

[۲] ب -التعزير بالجلد:
الجلد فى التعزير مشروع، ودليله قول الرسول صلى الله عليه وسلم :لا يجلد أحد فوق عشرة أسواط، إلا فى حد من حدود الله تعالى.
وفى الحريسة التى تؤخذ من مراتعها غرم ثمنها مرتين، وضرب نكال .وكذلك الحكم فى سرقة التمر يؤخذ من أكمامه، لحديث عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال سئل رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم عن التمر المعلق، فقال :من أصاب منه بفيه من ذى حاجة غير متخذ خبنة فلا شىء عليه، ومن خرج بشىء منه فعليه غرامة مثليه والعقوبة، ومن سرق منه شيئا بعد أن يؤويه الجرين

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

البتہ اس سلسلہ میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے کہ کوڑوں کی صورت میں تعزیری سزا کوڑوں کی حد کی شکل میں مقررہ مقدار (جو کہ اسّی ہے، اس) سے زیادہ بھی جائز ہے یا نہیں؟

بعض فقہائے کرام عدمِ جواز کے اور بعض جواز کے قائل ہیں۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ فبلغ ثمن المجن فعليه القطع رواه النسائي وأبو داود .وفى رواية قال سمعت رجلا من مزينة يسأل رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم عن الحريسة التى توجد فى مراتعها؟ قال :فيها ثمنها مرتين، وضرب نكال .وما أخذ من عطنه ففيه القطع إذا بلغ ما يؤخذ من ذلك ثمن المجن .قال :يا رسول الله، فالثمار وما أخذ منها فى أكمامها؟ قال :من أخذ بفمه ولم يتخذ خبنة فليس عليه شىء ، ومن احتمل فعليه ثمنه مرتين، وضرب نكال، وما أخذ من أجرانه ففيه القطع، إذا بلغ ما يؤخذ من ذلك ثمن المجن رواه أحمد والنسائى .ولابن ماجه معناه، وزاد النسائى فى آخره :وما لم يبلغ ثمن المجن ففيه غرامة مثليه، وجلدات نكال.

وقد سار على هذه العقوبة فى التعزير الخلفاء الراشدون ومن بعدهم من الحكام، ولم ينكر عليهم أحد(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۲،ص۲۶۴،مادة "تعزير")

[۱] مقدار الجلد فى التعزير:

مما لا خلاف فيه عند الحنفية :أن التعزير لا يبلغ الحد، لحديث :من بلغ حدا فى غير حد فهو من المعتدين واختلف الحنفية فى أقصى الجلد فى التعزير:

فيرى أبو حنيفة :أنه لا يزيد عن تسعة وثلاثين سوطا بالقذف والشرب، أخذا عن الشعبى، إذ صرف كلمة الحد فى الحديث إلى حد الأرقاء وهو أربعون .وأبو يوسف قال بذلك أولا، ثم عدل عنه إلى اعتبار أقل حدود الأحرار وهو ثمانون جلدة.

وجه ما ذهب إليه أبو حنيفة :أن الحديث ذكر حدا منكرا، وأربعون جلدة حد كامل فى الأرقاء عند الحنفية فى القذف والشرب، فينصرف إلى الأقل .وأبو يوسف اعتمد على أن الأصل فى الإنسان الحرية، وحد العبد نصف حد الحر، فليس حدا كاملا، ومطلق الاسم ينصرف إلى الكامل فى كل باب.

وفى عدد الجلدات روايتان عن أبى يوسف:

إحداهما :أن التعزير يصل إلى تسعة وسبعين سوطا، وهى رواية هشام عنه، وقد أخذ بذلك زفر، وهو قول عبد الرحمن بن أبى ليلى، وهو القياس، لأنه ليس حدا فيكون من أفراد المسكوت عن النهى عنه فى حديث :من بلغ حدا فى غير حد.

والثانية :وهى ظاهر الرواية عن أبى يوسف :أن التعزير لا يزيد على خمسة وسبعين سوطا، وروى ذلك أثرا عن عمر رضى الله عنه، كما روى عن على رضى الله عنه أيضا، وأنهما قالا :فى التعزير خمسة وسبعون .وأن أبا يوسف أخذ بقولهما فى نقصان الخمسة، واعتبر عملهما أدنى الحدود.

وعند المالكية قال المازرى :إن تحديد العقوبة لا سبيل إليه عند أحد من أهل المذهب، وقال :إن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۳)......تعزیری سزا مجرم کو قید خانہ (حوالات وجیل) میں قید کرکے بھی دی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

مذهب مالک يجيز في العقوبات فوق الحد .وحكى عن أشهب :أن المشهور أنه قد يزاد على الحد .وعلى ذلك فالراجح لدى المالكية :أن الإمام له أن يزيد التعزير عن الحد، مع مراعاة المصلحة التي لا يشوبها الهوى.

ومما استدل به المالكية :فعل عمر في معن بن زياد لما زور كتابا على عمر وأخذ به من صاحب بيت المال مالا، إذ جلده مائة، ثم مائة أخرى، ثم ثالثة، ولم يخالفه أحد من الصحابة فكان إجماعا، كما أنه ضرب صبيغ بن عسل أكثر من الحد.وروى أحمد بإسناده أن عليا رضى الله عنه أتى بالنجاشي قد شرب خمرا في رمضان فجلده ثمانين (الحد) وعشرين سوطا، لفطره في رمضان.

كما روى :أن أبا الأسود استخلفه ابن عباس رضى الله عنهما على قضاء البصرة فأتى بسارق قد جمع المتاع في البيت ولم يخرجه، فضربه خمسة وعشرين سوطا وخلى سبيله.وقالوا في حديث أبي بردة رضى الله عنه :لا يجلد أحد فوق عشرة أسواط إلا في حد من حدود الله.إنه مقصور على زمن الرسول صلى الله عليه وسلم؛ لأنه كان يكفي الجاني منهم هذا القدر، وتأولوه على أن المراد بقوله :في حد، أي في حق من حقوق الله تعالى، وإن لم يكن من المعاصي المقدر حدودها لأن المعاصي كلها من حدود الله تعالى.

وعند الشافعية :أن التعزير إن كان بالجلد فإنه يجب أن ينقص عن أقل حدود من يقع عليه التعزير، فينقص في العبد عن عشرين، وفي الحر عن أربعين، وهو حد الخمر عندهم، وقيل بوجوب النقص فيهما عن عشرين، لحديث :من بلغ حدا في غير حد فهو من المعتدين ويستوى في النقص عما ذكر جميع الجرائم على الأصح عندهم .وقيل بقياس كل جريمة بما يليق بها مما فيه أو في جنسه حد، فينقص على سبيل المثال تعزير مقدمة الزنى عن حده، وإن زاد على حد القذف، وتعزير السب عن حد القذف، وإن زاد على حد الشرب .وقيل في مذهب الشافعية :لا يزيد في أكثر الجلد في التعزير عن عشر جلدات أخذا بحديث أبي بردة :لا يجلد فوق عشرة أسواط إلا في حد من حدود الله لما اشتهر من قول الشافعي :إذا صح الحديث فهو مذهبي، وقد صح هذا الحديث.

وعند الحنابلة :اختلفت الرواية عن أحمد في قدر جلد التعزير، فروى أنه لا يبلغ الحد .وقد ذكر الخرقي هذه الرواية، والمقصود بمقتضاها :أنه لا يبلغ بالتعزير أدنى حد مشروع، فلا يبلغ بالتعزير أربعين؛ لأن الأربعين حد العبد في الخمر والقذف، ولا يجاوز تسعة وثلاثين سوطا في الحر، ولا تسعة عشر في العبد على القول بأن حد الخمر أربعون سوطا.

ونص مذهب أحمد :أن لا يزاد على عشر جلدات في التعزير، للأثر :لا يجلد أحد فوق عشرة أسواط إلا في حد . . .إلا ما ورد من الآثار مخصصا لهذا الحديث، كوطء جارية امرأته بإذنها، ووطء جارية مشتركة المروى عن عمر.

قال ابن قدامة :ويحتمل كلام أحمد والخرقي :أنه لا يبلغ التعزير في كل جريمة حدا مشروعا في جنسها، ويجوز أن يزيد على حد غير جنسها، وقد روى عن أحمد ما يدل على هذا .واستدل بما

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

جا سکتی ہے، جس کی مدت جرائم اور مجرم کے اعتبار سے کم وبیش ہو سکتی ہے۔ ۱؎

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

روی عن النعمان بن بشير رضى الله عنهما فيمن وطء جارية امرأته بإذنها :أنه يجلد مائة جلدة، وهذا تعزير؛ لأن عقاب هذه الجريمة للمحصن الرجم، وبما روى عن سعيد بن المسيب عن عمر رضى الله عنه فى الرجل الذى وطء أمة مشتركة بينه وآخر :أنه يجلد الحد إلا سوطا واحدا، وقد احتج بهذا الحديث أحمد.

وقد زاد ابن تيمية وابن القيم رأيا رابعا :هو أن التعزير يكون بحسب المصلحة، وعلى قدر الجريمة، فيجتهد فيه ولى الأمر على ألا يبلغ التعزير فيما فيه حد مقدر ذلك المقدر، فالتعزير على سرقة ما دون النصاب مثلا لا يبلغ به القطع، وقالا :إن هذا هو أعدل الأقوال، وإن السنة دلت عليه، كما مر فى ضرب الذى أحلت له امرأته جاريتها مائة لا الحد وهو الرجم، كما أن عليا وعمر رضى الله عنهما ضربا رجلا وامرأة وجدا فى لحاف واحد مائة مائة، وحكم عمر رضى الله عنه فيمن قلد خاتم بيت المال بضربه ثلاثمائة على مرات، وضرب صبيغ بن عسل للبدعة ضربا كثيرا لم يعده.

وخلاصة مذهب الحنابلة :أن فيه من يقول بأن التعزير لا يزيد على عشر جلدات، ومن يقول :بأنه لا يزيد على أقل الحدود، ومن يقول :بأنه لا يبلغ فى جريمة قدر الحد فيها، وهناك من يقول :بأنه لا يتقيد بشىء من ذلك، وأنه يكون بحسب المصلحة، وعلى قدر الجريمة، فيما ليس فيه حد مقدر .

والراجح عندهم التحديد سواء أكان بعشر جلدات أم بأقل من أدنى الحدود أم بأقل من الحد المقرر لجنس الجريمة.

وما ذكر هو عن الحد الأعلى، أما عن الحد الأدنى فقد قال القدورى :إنه ثلاث جلدات؛ لأن هذا العدد أقل ما يقع به الزجر .ولكن غالبية الحنفية على أن الأمر فى أقل جلد التعزير مرجعه الحاكم، بقدر ما يعلم أنه يكفى للزجر.

وقال فى الخلاصة :إن اختيار التعزير إلى القاضى من واحد إلى تسعة وثلاثين، وقريب من ذلك تصريح ابن قدامة، فقد قال :إن أقل التعزير ليس مقدرا فيرجع فيه إلى اجتهاد الإمام أو الحاكم فيما يراه وما تقتضيه حال الشخص (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٢، ص٢٦٥ الیٰ ٢٦٨، مادة "تعزير")

۱؎ ج -التعزير بالحبس:

الحبس مشروع بالكتاب والسنة والإجماع

أما الكتاب فقوله تعالى :(واللاتى يأتين الفاحشة من نسائكم فاستشهدوا عليهن أربعة منكم فإن شهدوا فأمسكوهن فى البيوت حتى يتوفاهن الموت أو يجعل الله لهن سبيلا)وقوله :(إنما جزاء الذين يحاربون الله ورسوله ويسعون فى الأرض فسادا أن يقتلوا أو يصلبوا أو تقطع أيديهم وأرجلهم من خلاف أو ينفوا من الأرض)فقد قال الزيلعى :إن المقصود بالنفى هنا الحبس.

وأما السنة فقد ثبت :أن الرسول صلى الله عليه وسلم حبس بالمدينة أناسا فى تهمة دم، وحكم بالضرب والسجن، وأنه قال فيمن أمسك رجلا لآخر حتى قتله :اقتلوا القاتل، واصبروا الصابر .

﴿ بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں ﴾

(۴)......بعض صورتوں میں تعزیری سزا مجرم کی جلاوطنی اور کسی مخصوص علاقہ میں محدود رکھنے کی صورت میں بھی دی جاسکتی ہے۔ ل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وفسرت عبارة اصبروا الصابر بحبسه حتى الموت؛ لأنه حبس المقتول للموت بإمساكه إياه.
وأما الإجماع فقد أجمع الصحابة رضى الله عنهم، ومن بعدهم، على المعاقبة بالحبس .واتفق الفقهاء على أن الحبس يصلح عقوبة فى التعزير .ومما جاء فى هذا المقام :أن عمر رضى الله عنه سجن الحطيئة على الهجو، وسجن صبيغا على سؤاله عن الذاريات، والمرسلات، و النازعات، وشبهه، وأن عثمان رضى الله عنه سجن ضابىء بن الحارث، وكان من لصوص بنى تميم وفتاكهم، وأن على بن أبى طالب رضى الله عنه سجن بالكوفة .وأن عبد الله بن الزبير رضى الله عنه سجن بمكة، وسجن فى "دارم "محمد ابن الحنفية لما امتنع عن بيعته .
مدة الحبس فى التعزير:
الأصل أن تقدير مدة الحبس يرجع إلى الحاكم، مع مراعاة ظروف الشخص، والجريمة والزمان والمكان.
وقد أشار الزيلعي إلى ذلك بقوله :ليس للحبس مدة مقدرة.
وقال الماوردى :إن الحبس تعزيرا يختلف باختلاف المجرم، وباختلاف الجريمة، فمن الجانين من يحبس يوما، ومنهم من يحبس أكثر، إلى غاية غير مقدرة.
لكن الشربينى من الشافعية، ذكر أن شرط الحبس :النقص عن سنة، كما نص عليه الشافعى فى الأم، وصرح به معظم الأصحاب.وأطلق الحنابلة فى تقدير المدة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۲،ص۲۶۸، ۲۶۹،مادة "تعزير")

ل د -التعزير بالنفى (التغريب):
مشروعية التعزير بالنفى:
التعزير بالنفى مشروع بلا خلاف بين الفقهاء، ودليل مشروعيته :الكتاب والسنة والإجماع.
أما الكتاب فقوله تعالى :(أو ينفوا من الأرض) ومن ثم فهو عقوبة مشروعة فى الحدود.
وأما السنة :فإن النبى صلى الله عليه وسلم قضى بالنفى تعزيرا فى المخنثين، إذ نفاهم من المدينة .
وأما الإجماع :فإن عمر رضى الله عنه نفى نصر بن حجاج لافتتان النساء به، ولم ينكر عليه أحد من الصحابة.
ويجوز كون التغريب لأكثر من مسافة القصر، لأن عمر غرب من المدينة نصر بن حجاج إلى البصرة، ونفى عثمان رضى الله عنه إلى مصر، ونفى على رضى الله عنه إلى البصرة .ويشترط أن يكون التغريب لبلد معين، فلا يرسل المحكوم عليه به إرسالا، وليس له أن يختار غير البلد المعين لإبعاده، ولا يجوز أن يكون تغريب الجانى لبلده.
ويرى الشافعي :أن لا تقل المسافة بين بلد الجانى والبلد المغرب إليه عن مسيرة يوم وليلة.ويرى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۵)...... حکومت کی طرف سے مال کی صورت میں تعزیر یعنی مالی جرمانہ (Financial penalty) کے جائز ہونے نہ ہونے کے متعلق فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔ ل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ابن أبی لیلی :أن ینفی الجانی إلی بلد غیر البلد الذی ارتکبت فیه الجریمة بحیث تکون المسافة بین البلد الذی ینفی إلیه وبلد الجریمة، دون مسیرة سفر.

مدة التغریب:

لا یعتبر أبو حنیفة التغریب فی الزنی حدا، بل یعتبره من التعزیر، ویترتب علی ذلک :أنه یجیز أن یزید من حیث المدة عن سنة.

ویجوز عند مالک أن یزید التغریب فی التعزیر عن سنة، مع أن التغریب عنده فی الزنی حد؛ لأنه یقول بنسخ حدیث :من بلغ حدا فی غیر حد فهو من المعتدین .والراجح عند المالکیة :أن للإمام أن یزید فی التعزیر عن الحد، مع مراعاة المصلحة غیر المشوبة بالهوی.

وعلی ذلک بعض فقهاء الشافعیة، والحنابلة .ویری البعض الآخر منهم :أن مدة التغریب فی التعزیر لا یجوز أن تصل إلی سنة، لأنهم یعتبرون التغریب فی جریمة الزنی حدا، وإذا کانت مدته فیها عاما فلا یجوز عندهم فی التعزیر أن یصل التغریب لعام، لحدیث :من بلغ حدا فی غیر حد فهو من المعتدین .وتفصیله فی (نفی)(الموسوعة الفقهیة الکویتیة،ج۱۲،ص ۲۶۹، ۲۷۰،مادة "تعزیر")

ل هـ -التعزیر بالمال:

مشروعیة التعزیر بالمال:

الأصل فی مذهب أبی حنیفة :أن التعزیر بأخذ المال غیر جائز، فأبو حنیفة ومحمد لا یجیزانه، بل إن محمدا لم یذکره فی کتاب من کتبه أما أبو یوسف فقد روی عنه :أن التعزیر بأخذ المال من الجانی جائز إن رئیت فیه مصلحة .

وقال الشبراملسی :ولا یجوز علی الجدید بأخذ المال .یعنی لا یجوز التعزیر بأخذ المال فی مذهب الشافعی الجدید ، وفی المذهب القدیم :یجوز.

أما فی مذهب مالک فی المشهور عنه، فقد قال ابن فرحون :التعزیر بأخذ المال قال به المالکیة . وقد ذکر مواضع مخصوصة یعزر فیها

بالمال، وذلک فی قوله :سئل مالک عن اللبن المغشوش أیراق؟ قال :لا، ولکن أری أن یتصدق به، إذا کان هو الذی غشه .وقال فی الزعفران والمسک المغشوش مثل ذلک، سواء کان ذلک قلیلا أو کثیرا، وخالفه ابن القاسم فی الکثیر، وقال :یباع المسک والزعفران علی ما یغش به، ویتصدق بالثمن أدبا للغاش.

وأفتی ابن القطان الأندلسی فی الملاحف الردیئة النسج بأن تحرق .وأفتی ابن عتاب :بتقطیعها والصدقة بها خرقا.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اگر مالی تعزیر اس طریقہ سے کی جائے کہ کسی مجرم کو زجر وتنبیہ کرنے کے لئے اس کا مال ایک مدت تک روک لیا جائے، اور پھر جب اس کی طرف سے جرم سے تائب ہونا ظاہر ہو جائے، تو اس کو واپس کر دیا جائے، تو یہ صورت جائز ہے۔ ۱؎

اور اگر مالی تعزیر اس طریقہ سے کی جائے کہ کسی مجرم کو زجر وتنبیہ کرنے کے لئے اس کا مال تلف کر دیا جائے، مثلاً گناہ کے آلات کو توڑ دیا جائے، تو بعض فقہائے کرام اس کے جائز ہونے کے اور بعض ناجائز ہونے کے قائل ہیں۔ ۲؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وعند الحنابلة يحرم التعزير بأخذ المال أو إتلافه؛ لأن الشرع لم يرد بشيء من ذلك عمن يقتدى به.

وخالف ابن تيمية وابن القيم، فقالا :إن التعزير بالمال سائغ إتلافا وأخذا

واستدلا لذلك بأقضية للرسول صلى الله عليه وسلم كإباحته سلب من يصطاد فى حرم المدينة لمن يجده، وأمره بكسر دنان الخمر، وشق ظروفها، وأمره عبد الله بن عمر رضى الله عنهما بحرق الثوبين المعصفرين، وتضعيفه الغرامة على من سرق من غير حرز، وسارق ما لا قطع فيه من الثمر والكثر، وكاتم الضالة.

ومنها أقضية الخلفاء الراشدين، مثل أمر عمر وعلى رضى الله عنهما بتحريق المكان الذى يباع فيه الخمر، وأخذ شطر مال مانع الزكاة، وأمر عمر بتحريق قصر سعد بن أبى وقاص رضى الله عنه الذى بناه حتى يحتجب فيه عن الناس .وقد نفذ هذا الأمر محمد بن مسلمة رضى الله عنه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۲، ص۲۷۰، مادة ”تعزير“)

۱؎ أنواع التعزير بالمال:

التعزير بالمال يكون بحبسه أو بإتلافه، أو بتغيير صورته، أو بتمليكه للغير .

أ -حبس المال عن صاحبه:

وهو أن يمسك القاضى شيئا من مال الجانى مدة زجرا له، ثم يعيده له عندما تظهر توبته، وليس معناه أخذه لبيت المال؛ لأنه لا يجوز أخذ مال إنسان بغير سبب شرعى يقتضى ذلك.وفسره على هذا الوجه أبو يحيى الخوارزمى .ونظيره ما يفعل فى خيول البغاة وسلاحهم، فإنها تحبس عنهم مدة وتعاد إليهم إذا تابوا .وصوب هذا الرأى الإمام ظهير الدين التمرتاشى الخوارزمى.

أما إذا صار ميئوسا من توبته، فإن للحاكم أن يصرف هذا المال فيما يرى فيه المصلحة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۲، ص۲۷۱، ۲۷۲، مادة ”تعزير“)

۲؎ ب -الإتلاف: قال ابن تيمية :إن المنكرات من الأعيان والصفات يجوز إتلاف محلها تبعا لها، فالأصنام صورها منكرة، فيجوز إتلاف مادتها، وآلات اللهو يجوز إتلافها عند أكثر الفقهاء ،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اور اگر مالی تعزیر اس طریقہ سے کی جائے کہ کسی مجرم کو زجر وتنبیہ کرنے کے لئے اس کے مال میں تغییر (یعنی تبدیلی) کردی جائے، مثلاً مجسموں اور تصاویر کا سر کاٹ یا مٹا دیا جائے، تو بعض فقہائے کرام اس کے بھی جائز ہونے کے قائل ہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وبذلک أخذ مالک، وهو أشهر الروايتين عن أحمد .ومن هذا القبيل أيضا أوعية الخمر، يجوز تكسيرها وتحريقها، والمحل الذى يباع فيه الخمر يجوز تحريقه، واستدل لذلک بفعل عمر رضى الله عنه فى تحريق محل يباع فيه الخمر، وقضاء على رضى الله عنه تحريق القرية التى كان يباع فيها الخمر، ولأن مكان البيع كالأوعية .وقال :إن هذا هو المشهور فى مذهب أحمد، ومالک، وغيرهما.ومن هذا القبيل أيضا :إراقة عمر اللبن المخلوط بالماء للبيع .ومنه ما يراه بعض الفقهاء من جواز إتلاف المغشوشات فى الصناعات، كالثياب رديئة النسج، بتمزيقها وإحراقها، وتحريق عبد الله بن عمر رضى الله عنهما لثوبه المعصفر بأمر النبى صلى الله عليه وسلم .

وقال ابن تيمية :إن هذا الإتلاف للمحل الذى قامت به المعصية نظيره إتلاف المحل من الجسم الذى وقعت به المعصية، كقطع يد السارق .وهذا الإتلاف ليس واجبا فى كل حالة، فإذا لم يكن فى المحل مفسد فإن إبقاءه جائز، إما له أو يتصدق به .وبناء على ذلک أفتى فريق من العلماء :بأن يتصدق بالطعام المغشوش .وفى هذا إتلاف له.

وكره فريق الإتلاف، وقالوا بالتصدق به، ومنهم مالک فى رواية ابن القاسم، وهى المشهورة فى المذهب .وقد استحسن مالک التصدق باللبن المغشوش؛ لأن فى ذلک عقابا للجانى بإتلافه عليه، ونفعا للمساكين بالإعطاء لهم .وقال مالک فى الزعفران والمسک بمثل قوله فى اللبن إذا غشهما الجانى .وقال ابن القاسم بذلک فى القليل من تلک الأموال؛ لأن التصدق بالمغشوش فى الكثير من هذه الأموال الثمينة تضيع به أموال عظيمة على أصحابها، فيعزرون فى مثل تلک الأحوال بعقوبات أخرى .وعند البعض :أن مذهب مالک التسوية بين القليل والكثير.

وروى أشهب عن مالک منع العقوبات المالية، وأخذ بهذه الرواية كل من مطرف وابن الماجشون من فقهاء المذهب، وعندهما :أن من غش أو نقص من الوزن يعاقب بالضرب، والحبس، والإخراج من السوق، وأن ما غش من الخبز واللبن، أو غش من المسک والزعفران لا يفرق ولا ينهب(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۲ ،ص۲۷۲ ،مادة "تعزير")

[1] ج -التغيير:من التعزير بالتغيير نهى النبى صلى الله عليه وسلم عن كسر سكة المسلمين الجائزة بين المسلمين، كالدراهم والدنانير، إلا إذا كان بها بأس، فإذا كانت كذلک كسرت، وفعل الرسول صلى الله عليه وسلم فى التمثال الذى كان فى بيته، والستر الذى به تماثيل ، إذ قطع رأس التمثال فصار كالشجرة، وقطع الستر إلى وسادتين منتبذتين يوطآن.

ومن ذلک :تفكيک آلات اللهو، وتغيير الصور المصورة(الموسوعة الفقهية الكويتية،ج۱۲ ،ص۲۷۳ ،مادة "تعزير")

اور اگر مالی تعزیر اس طریقہ سے کی جائے کہ کسی مجرم کو زجر وتنبیہ کرنے کے لئے اس کے مال پر قبضہ کر کے بیتُ المال اور سرکاری تحویل میں لے لیا جائے، اور پھر اسے ضروریاتِ عامہ ومصالحِ عامہ میں خرچ کیا جائے، تو اگر چہ بہت سے فقہائے کرام اس کے ناجائز ہونے کے قائل ہیں، لیکن بعض فقہائے کرام بوقتِ ضرورت ومصلحت اس کی اجازت دیتے ہیں۔ [1]

آج کل تقریباً ہر ملک میں اس آخری صورت کا قانون رائج ہے، چنانچہ ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی، بغیر ٹکٹ ریل وغیرہ میں سفر کرنے، سڑکوں پر ناجائز تجاوزات، مقررہ وقت پر مخصوص بلوں کی ادائیگی میں تاخیر وغیرہ جیسی چیزوں پر مالی جرمانہ وتاوان اور چالان کیا جاتا ہے، اور اس کی وجہ عام طور پر یہ بیان کی جاتی ہے کہ موجودہ دور میں قانون شکنی کے عام اور امانت دیانت کے فقدان کی وجہ سے اس کے بغیر مذکورہ امور کے نظم وضبط کو برقرار رکھنا اور عوام کو تنبیہ کرنا مشکل ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں ان شعبوں کو چلانے کے لئے غیر معمولی اخراجات کی بھی ضرورت ہوتی ہے، اور اکثر وبیشتر اس طرح سے حاصل شدہ اموال سے ان شعبوں کی ضروریات کے اخرجات پورے کئے جاتے ہیں۔

اور اسی وجہ سے موجودہ دور کے کئی حضرات نے اس کی اجازت دی ہے، بشرطیکہ اس میں مصالحِ عامہ کو پیشِ نظر رکھا جائے، اور اس کو عوام کے مال پر ناحق قبضہ کا

---

[1] د -التمليک:

من التعزير بالتمليک :قضاء الرسول صلى الله عليه وسلم فيمن سرق من الثمر المعلق قبل أن يؤخذ إلى الجرين بجلدات نكال، وغرم ما أخذ مرتين، وفيمن سرق من الماشية قبل أن تؤوى إلى المراح بجلدات نكال، وغرم ذلک مرتين، وقضاء عمر رضى الله عنه بتضعيف الغرم على كاتم الضالة، وقد قال بذلک طائفة من العلماء ، منهم :أحمد، وغيره، ومن ذلک إضعاف عمر وغيره الغرم فى ناقة أعرابى أخذها مماليک جياع، إذ أضعف الغرم على سيدهم، ودرأ القطع (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۲،ص ۲۷۳،مادة "تعزير")

ذریعہ نہ بنایا جائے۔ [1]

(۶)...... فقہائے کرام نے تعزیر کی اور بھی صورتیں بیان فرمائی ہیں، جن میں سے ایک صورت یہ ہے کہ مجرم کو اس کے جرم کی اطلاع اور اس کے متعلق تنبیہی نوٹس بھیج دیا جائے۔

(۷)...... اور تعزیر کی ایک صورت یہ ہے کہ مجرم کو اپنے پاس (تھانہ، کچہری، عدالت وغیرہ میں) بلا کر اس کو اس کے جرم سے آگاہ کیا جائے۔

(۸)...... اور تعزیر کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ مجرم کو اس کے جرم پر ڈانٹ ڈپٹ اور سرزنش کی جائے۔

(۹)...... اور تعزیر کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ مجرم کا کسی مناسب طریقہ پر شرعی حدود کا لحاظ کرتے ہوئے مقاطعہ اور بائیکاٹ کیا جائے۔ [2]

---

[1] چنانچہ بعض فقہائے کرام نے مصالحِ عامہ کے تحت حکومت کی طرف سے لئے جانے والے ٹیکس کو بھی حرام نہیں بلکہ مشتبہ قرار دیا ہے، جیسا کہ آگے ظالم وگناہ گار حکمرانوں کے ساتھ طرزِ عمل کے ضمن میں احادیث کے ذیل میں آتا ہے۔
جبکہ مالی تعزیر کا مسئلہ اس سے اہون اور ہلکا ہے کہ وہ کسی جرم اور قانون شکنی پر عائد کیا جاتا ہے، اس لئے جرائم پر تنبیہ وتعزیر کے طور پر مناسب مالی جرمانہ کے جواز کی طرف بندہ کا رجحان ہے۔

[2] أنواع أخرى من التعزير:
هناك أنواع أخرى من التعزير غير ما سبق .منها :الإعلام المجرد، والإحضار لمجلس القضاء ، والتوبيخ والهجر.
أ -الإعلام المجرد:
الإعلام :صورته أن يقول القاضي للجاني :بلغني أنك فعلت كذا وكذا، أو يبعث القاضي أمينه للجاني، ليقول له ذلك .وقد قيد البعض الإعلام، بأن يكون مع النظر بوجه عابس.
ب -الإحضار لمجلس القضاء :
قال الكاساني :إن هذا النوع من التعزير يكون بالإعلام، والذهاب إلى باب القاضي، والخطاب بالمواجهة.
وقال البعض :إنه يكون بالإعلام، والجر لباب القاضي، والخصومة فيما نسب إلى الجاني.
والفرق بين هذه العقوبة والإعلام المجرد :أن في هذه العقوبة يؤخذ الجاني إلى القاضي زيادة عن الإعلام، وذلك ليخاطبه في المواجهة.وبناء على ما ذكره الكمال بن الهمام :تتميز هذه عن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

تعزیر جاری ہونے والے جرائم

جن جرائم میں تعزیر مشروع اور ثابت ہے، ان میں بعض جرائم تو وہ ہیں کہ جن میں اصلاً تو حد مقرر تھی، لیکن حد نافذ ہونے کی شرائط کے پوری طرح نہ پائے جانے کی وجہ سے ان کے بدلہ میں تعزیر رکھ دی گئی ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الإعلام المجرد بالخصومة فيما نسب إلى الجانی.وكثيرا ما يلجأ القاضی لهذين النوعين أو لواحد منهما إذا كان الجانی قد ارتكب الجريمة على سبيل الزلة والندور ابتداء ، إذا كان ذلک زاجرا، على شريطة كون الجريمة غير جسيمة.

ج -التوبيخ: مشروعية التوبيخ:

التعزير بالتوبيخ مشروع باتفاق الفقهاء ، فقد روى أبو ذر رضی الله عنه :أنه ساب رجلا فعيره بأمه، فقال الرسول صلى الله عليه وسلم يا أبا ذر، أعيرته بأمه،، إنک امرؤ فيک جاهلية .

وقال الرسول صلى الله عليه وسلم :لی الواجد يحل عرضه وعقوبته.وقد فسر النيل من العرض بأن يقال له مثلا :يا ظالم، يا معتد .وهذا نوع من التعزير بالقول .وقد جاء فی تبصرة الحكام لابن فرحون :وأما التعزير بالقول فدليله ما ثبت فی سنن أبی داود عن أبی هريرة رضی الله عنه :أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أتی برجل قد شرب فقال :اضربوه فقال أبو هريرة :فمنا الضارب بيده، ومنا الضارب بنعله، والضارب بثوبه .وفی رواية بإسناده :ثم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لأصحابه بكتوه فأقبلوا عليه يقولون :ما اتقيت الله، ما خشيت الله، ما استحييت من رسول الله صلى الله عليه وسلم .وهذا التبكيت من التعزير بالقول.

وقد عزر عمر رضی الله عنه بالتوبيخ .فقد روی عنه أنه أنفذ جيشا فغنموا غنائم، فلما رجعوا لبسوا الحرير والديباج، فلما رآهم تغير وجهه، وأعرض عنهم، فقالوا :أعرضت عنا، فقال :انزعوا ثياب أهل النار، فنزعوا ما كانوا يلبسون من الحرير والديباج .وذلک فيه تعزير لهم بالإعراض عنهم، وفيه توبيخ لهم .

كيفية التوبيخ: التوبيخ قد يكون بإعراض القاضی عن الجانی، أو بالنظر له بوجه عبوس، وقد يكون بإقامة الجانی من مجلس القضاء ، وقد يكون بالكلام العنيف، ويكون بزواجر الكلام وغاية الاستخفاف، على شريطة أن لا يكون فيه قذف، ومنع البعض ما فيه السب أيضا.

د -الهجر: الهجر معناه :مقاطعة الجانی، والامتناع عن الاتصال به، أو معاملته بأی نوع، أو أية طريقة كانت. وهو مشروع بدليل قوله تعالى :(واللاتی تخافون نشوزهن فعظوهن واهجروهن فی المضاجع)وقد هجر النبی صلى الله عليه وسلم أصحابه الثلاثة الذين تخلفوا عنه فی غزوة تبوک.

وعاقب عمر صبيغا بالهجر لما نفاه إلى البصرة، وأمر ألا يجالسه أحد .وهذا منه عقوبة بالهجر.

(الموسوعة الفقهية الكويتية،ج١٢،ص٢٧٤ الیٰ ٢٧٦،مادة "تعزير")

www.idaraghufran.org

اور بعض جرائم وہ ہیں کہ جن میں سرے سے کوئی حد مقرر نہیں، بلکہ ابتداء سے ہی تعزیری سزا جاری کی جاتی ہے۔ [1]

جو جرائم ایسے ہیں کہ اُن میں اصلاً تو حد مقرر تھی، لیکن حد نافذ ہونے کی شرائط کے پوری طرح نہ پائے جانے کی وجہ سے ان کے بدلہ میں تعزیر رکھ دی گئی، ان کی چند مثالیں ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱)...... اگر کسی نے دوسرے کو جان بوجھ کر قتل کیا یا اس کا عضو تلف کیا ہو، لیکن قصاص کی بعض شرائط نہیں پائی گئیں، تو قصاص کے بجائے تعزیر کی جائے گی۔

اسی طرح اگر قتل اس طرح کیا گیا ہو، جس کے عمد ہونے میں شبہ پایا جائے، مثلاً شبہ عمد کے طور پر، تو اس میں بھی تعزیر کی جائے گی۔ [2]

---

[1] الجرائم التی شرع فیها التعزیر:

الجرائم التی شرع فیها التعزیر قد تکون من قبیل ما شرع فی جنسه عقوبة مقدرة من حد أو قصاص، لکن هذه العقوبة لا تطبق؛ لعدم توافر شرائط تطبیقها، ومنها ما فیه عقوبة مقدرة، ولکن هذه العقوبة لا تطبق علیها لمانع، کوجود شبهة تستوجب درء الحد، أو عفو صاحب الحق عن طلبه.

وقد تکون الجرائم التعزیریة غیر ما ذکر فیکون فیها التعزیر أصلا .ویدخل فی هذا القسم ما لا یدخل فی سابقه من جرائم.

وفیما یلی تفصیل ذلک.

الجرائم التی یشرع فیها التعزیر بدیلا عن الحدود:

جرائم الاعتداء علی النفس، وما دونها:

یدخل فی هذا الموضوع :الکلام فی جرائم الاعتداء علی النفس، وهی التی یترتب علیها إزهاق الروح، والکلام فی جرائم الاعتداء علی ما دون النفس وهی التی تقع علی البدن دون أن تؤدی لإزهاق الروح(الموسوعة الفقهیة الکویتیة،ج۱۲،ص۲۷۶،مادة "تعزیر")

[2] جرائم القتل (الجنایة علی النفس):

القتل العمد :القتل العمد العدوان موجبه القصاص، ویجب لذلک توافر شروط، أهمها :کون القاتل قد تعمد تعمدا محضا لیس فیه شبهة، وکونه مختارا، ومباشرا للقتل، وألا یکون المقتول جزء القاتل، وأن یکون معصوم الدم مطلقا .وفضلا عن ذلک یجب للقصاص :أن یطلب من ولی الدم .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۲)...... جب کسی کا زنا کرنا ثابت ہو جائے، لیکن اس پر زنا کی حد جاری ہونے کی تمام شرائط پوری نہ ہوں، مثلاً چار گواہوں کا نصاب مکمل نہ ہو، تو اس صورت میں بھی زنا کی حد کے بجائے مناسب تعزیر کی جائے گی۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فإذا اختل شرط من هذه الشروط امتنع القصاص، وفيه التعزير.
وفى ذلك خلاف وتفصيل ينظر فى (قتل -قصاص).
القتل شبه العمد :قال البهوتى، نقلا عن (المبدع) : قد يقال بوجوب التعزير فى القتل شبه العمد؛ لأن الكفارة حق لله تعالى وليست لأجل الفعل، بل بدل النفس الفائتة، فأما نفس الفعل المحرم - الذى هو الجناية -فلا كفارة فيه.
ومن الأصول الثابتة عند الحنفية :أن ما لا قصاص فيه عندهم كالقتل بالمثقل (وهو القتل بمثل الحجر الكبير أو الخشبة العظيمة) يجوز للإمام أن يعزر فيه بما يصل للقتل، إذا تكرر ارتكابه، ما دامت فيه مصلحة .وبناء على هذا الأصل قالوا بالتعزير بالقتل لمن يتكرر منه الخنق، أو التغريق، أو الإلقاء من مكان مرتفع، إذا لم يندفع فساده إلا بالقتل .
الاعتداء على ما دون النفس:إذا كانت الجناية على ما دون النفس عمدا فيشترط للقصاص فضلا عن شروطه فى النفس :المماثلة، وإمكان استيفاء المثل.
ويرى مالك التعزير أيضا فى الجناية العمد على ما دون النفس، إذا سقط القصاص، أو امتنع لسبب أو لآخر، فيكون فى الجريمة التعزير مع الدية، أو الأرش، أو بدونه، تبعا للأحوال .ومثال ذلك أن تكون الجناية على عظم خطر .إذ العظام الخطرة لا قصاص فيها عنده، مثل عظام الصلب، والفخذ، والعنق، ومثل المنقلة، والمأمومة، ويقال ذلك أيضا فى الجائفة؛لأنه لا يستطاع فيها القصاص، وفى كل ما ذهبت منفعته بالجناية مع بقائه قائما فى الجسم، وبقاء جماله، فإذا ضربه على عينه فذهب بصرها، وبقى جمالها فلا قود فيها .ومثل ذلك اليد إذا شلت ولم تبن عن الجسم، ففى هذه وما يماثلها يعزر الجانى مع أخذ العقل منه (أى الدية)
وإذا لم يترك الاعتداء على الجسم أثرا :فأغلب الفقهاء على أن فى ذلك التعزير، لا القصاص. ولدى بعض المالكية القصاص فى ضربة السوط، ولو لم يحدث جرحا ولا شجة، مع أنه لا قصاص عندهم فى اللطمة، وضربة العصا، إلا إذا خلفت جرحا أو شجة .وروى عن مالك :أن ضربة السوط فى ذلك كاللطمة فيه الأدب، ونقل ذلك ابن عرفة عن أشهب.
ويرى ابن القيم وبعض الحنابلة :القصاص فى اللطمة والضربة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٢، ص٢٧٦، ٢٧٧، مادة "تعزير")

[۱] الزنى الذى لا حد فيه، ومقدماته:
الزنى إذا توافرت الشرائط الشرعية لثبوته فإن فيه حد الزنى، أما إذا لم يطبق الحد المقدر لوجود شبهة، أو لعدم توافر شريطة من الشرائط الشرعية لثبوت الحد، فإن الفعل يكون جريمة شرع

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

(۳)...... اگر کسی نے دوسرے پر زنا کی تہمت لگائی، جس پر حدِ قذف جاری ہونی چاہئے تھی، مگر حدِ قذف جاری ہونے کی تمام شرائط نہ پائی گئیں، یا کسی پر زنا کی تہمت لگانے کے بجائے سب وشتم اور گالی گلوچ کی، تو ان صورتوں میں بھی مناسب تعزیر کی جائے گی۔ [۱]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

الحكم فيها -أو فى جنسها -لكنه لم يطبق .وكل جريمة لا حد فيها ولا قصاص ففيها التعزير .وبناء على ذلك :إذا كانت هناك شبهة تدرأ الحد، سواء كانت شبهة فعل ، أو شبهة ملك، أو شبهة عقد، فإن الحد لا يطبق .لكن الجانى يعزر؛ لأنه ارتكب جريمة ليست فيها عقوبة مقدرة.
وتعرف الشبهة بأنها :ما يشبه الثابت وليس بثابت .أو :هى وجود المبيح صورة، مع عدم حكمه أو حقيقته، وتفصيل ذلك فى (اشتباه).
وإذا كانت المزنى بها ميتة ففى هذا الفعل التعزير؛ لأنه لا يعتبر زنى، إذ حياة المزنى بها شريطة فى الحد.
وإذا لم يكن الفعل من رجل فلا يقام الحد،بل التعزير، ومن ذلك :المساحقة.
وإذا لم يكن الفعل فى قبل امرأة فأبو حنيفة على عدم الحد، لكن فيه التعزير، ومن ذلك أن يكون الفعل فى الدبر .وهو قول للشافعية .والقول بالقتل على كل حال مروى عن ابن عباس رضى الله عنهما وهو قول آخر للشافعية، والمذهب عند الشافعية :أنه زنى، وفيه الحد.
وقال قوم :إن اللواط زنى، وفيه حد الزنى .ومن هؤلاء :مالك، وهو المشهور لدى الشافعى، وهو رأى أبى يوسف صاحب أبى حنيفة .واختلفت الرواية عن أحمد :فقد روى عنه أن فيه حد الزنى :
وإذا كان الفعل فى زوجة الفاعل فلا حد فيه بالإجماع .والجمهور على أنه يستوجب التعزير.
ومما يستوجب التعزير فى هذا المجال كل ما دون الوقاع من أفعال، كالوطء فيما دون الفرج، ويستوى فيه المسلم، والكافر، والمحصن، وغيره .ومنه أيضا :إصابة كل محرم من المرأة غير الجماع .وعناق الأجنبية، أم تقبيلها.
ومما فيه التعزير كذلك :كشف العورة لآخر، وخداع النساء، والقوادة، وهى :الجمع بين الرجال والنساء للزنى، وبين الرجال والرجال للواط(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۲، ص۲۷۷،۲۷۸،مادة "تعزير")

[۱] القذف الذى لا حد فيه والسب:حد القذف لا يقام على القاذف إلا بشرائطه، فإذا انعدم واحد منها أو اختل فإن الجانى لا يحد .ويعزر عند طلب المقذوف؛ لأنه ارتكب معصية لا حد فيها.
ومن شروط القذف الذى فيه الحد :كون المقذوف محصنا.فإذا لم يكن كذلك فلا يحد القاذف، ولكن يعزر .ومن ذلك أن يقذف مجنونا بالزنى .أو صغيرا بالزنى .أو مسلمة قد زنت .أو مسلما قد زنى، أو من معها أولاد لا يعرف لهم أب، وذلك لعدم العفة فى هذه الثلاثة الأخيرة.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۴)...... اگر کسی نے دوسرے کے مال کی چوری کی، لیکن چور کے ہاتھ کاٹے جانے کی حد کے جاری ہونے کی تمام شرائط نہ پائی گئیں، مثلاً جو مال چوری کیا، اس کی مقدار چوری کرنے پر ہاتھ کاٹے جانے کے مالی نصاب سے کم تھی، تو اس صورت میں مناسب تعزیر کی جائے گی۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ ومنها كون المقذوف معلوما، فإن لم يكن كذلك فلا حد، بل التعزير؛ لأن الفعل معصية لا حد فيها .وبناء على ذلك يعزر -ولا يحد -من قذف بالزنى جد آخر دون بيان الجد .أوأخاه كذلك، وكان له أكثر من أخ.

ولا حد فى القذف بغير الصريح، ومن ذلك :القذف بالكناية، أو التعريض، فليس فيه عند الحنفية حد، بل التعزير، وكذلك عند الشافعية .ويرى مالك :الحد فى القذف بالتعريض أو الكناية.

والذين منعوا الحد قالوا بالتعزير؛ لأن الفعل يكون جريمة لا حد فيها.

ولا حد إذا رماه بألفاظ لا تفيد الزنى صراحة .كقوله :يا فاجر، بل يعزر.

وكذلك الشأن إذا رماه بما لا يعتبر زنى، كمن رمى آخر بالتخنث.

ويعزر كذلك عند أبى حنيفة من يرمى آخر بأنه يعمل عمل قوم لوط؛ لأن هذا الفعل لا يوجب حد الزنى عنده .أما مالك والشافعى وأبو يوسف ومحمد فإنهم يقولون بالحد، ومن ثم فلا تعزير فى ذلك، بل فيه حد القذف عند هؤلاء .

ومرد الخلاف :هو فى أن اللواط هل هو زنى أم لا؟ .فمن قالوا :بأنه زنى، جعلوا فى القذف به حد القذف .ومن قالوا :بغير ذلك، جعلوا فى القذف به التعزير .ومن قذف آخر قذفا مقيدا بشرط أو أجل يعزر ولا يحد .وإذا لم يكن القول قذفا، بل مجرد سب أو شتم فإنه يكون معصية لا حد فيها، ففيها التعزير .ومن ذلك قوله :يا نصرانى، أو يا زنديق، أو يا كافر، فى حين أنه مسلم .وكذلك من قال لآخر :يا مخنث، أو يا منافق، ما دام المجنى عليه غير متصف بذلك .ويعزر كذلك فى مثل :يا آكل الربا، أو يا شارب الخمر، أو يا خائن، أو يا سارق، وكله بشرط كون المجنى عليه غير معروف بما نسب إليه .وكذلك من قال لآخر :يا بليد، أو يا قذر، أو يا سفيه، أو يا ظالم، أو يا أعور، وهو صحيح، أو يا مقعد، وهو صحيح كذلك على سبيل الشتم.

وعلى وجه العموم يعزر من شتم آخر، مهما كان الشتم؛ لأنه معصية.

ويرجع فى تحديد الفعل الموجب للتعزير إلى العرف، فإذا لم يكن الفعل المنسوب للمجنى عليه مما يلحق به فى العرف العار والأذى والشين، فلا عقاب على الجانى، إذ لا يكون ثمة جريمة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۲، ص ۲۷۹، ۲۸۰، مادة "تعزير")

[1] السرقة التى لا حد فيها :السرقة من جرائم الحدود ما دامت قد استوفت شروطها الشرعية، وأهمها :الخفية .وكون موضوع السرقة مالا، مملوكا لغير السارق، محرزا، نصابا .فإذا تخلف شرط من شروط الحد فلا يقام، ولكن يعزر الفاعل؛ لأنه ارتكب جريمة ليس فيها حد مقدر . وتفصيل ذلك فى مصطلح :(سرقة)(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۲، ص ۲۸۰، مادة "تعزير")

(۵)...... چوری کی طرح ڈاکہ کا حکم بھی ہے کہ اگر کسی نے ڈاکہ ڈالا، لیکن ڈاکہ کی حد جاری ہونے کی شرائط نہیں پائی گئیں، تو اس پر بھی مناسب تعزیر کی جائے گی۔ [1]

اور جو جرائم ایسے ہیں کہ اُن میں سرے سے کوئی حد مقرر نہیں تھی، بلکہ ابتداء سے ہی تعزیری سزا جاری کی جاتی ہے، ان کی چند مثالیں ذکر کی جاتی ہیں۔

(۶)...... اگر کسی شخص کی طرف سے جھوٹی گواہی دینا ثابت ہو جائے، تو اس پر مناسب تعزیر کی جائے گی۔ [2]

(۷)...... اگر کسی نے دوسرے پر مقدمہ کیا، اور اس کا جھوٹا مقدمہ ہونا ثابت ہو گیا، تو اس کو بھی مناسب تعزیر و تادیب کی جائے گی۔ [3]

(۸)...... اگر کسی نے غیر موذی جانور کو بے مقصد قتل کر دیا، یا اس کو بے جا

---

[1] قطع الطريق الذى لا حد فيه:
قطع الطريق كغيره من جرائم الحدود، يجب لكى يكون فيه الحد أن تتوافر شروط معينة، وإلا فلا يقام الحد، ويعزر الجانى ما دام قد ارتكب معصية لا حد فيها.
ومن الشروط :أن يكون الجانى بالغا، ذكرا، وأن يكون المجنى عليه مسلما، أو ذميا، وأن تكون يده على المال صحيحة، وأن لا يكون فى القطاع ذو رحم محرم لأحد المقطوع عليه، وأن يكون المقطوع فيه مالا متقوما معصوما مملوكا، لا ملك فيه للقاطع، ولا شبهة ملك، محرزا، نصابا، وأن يكون قطع الطريق فى غير المصر.
وتفصيل ذلك فى (حرابة)(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۲، ص ۲۸۰، مادة "تعزير")

[2] الجرائم التى موجبها الأصلى التعزير:
بعض الجرائم التى تقع على آحاد الناس:
شهادة الزور: حرم قول الزور فى القرآن الكريم بقوله تعالى (واجتنبوا قول الزور)
وفى السنة بما ورد :أن الرسول صلى الله عليه وسلم عد قول الزور وشهادة الزور من أكبر الكبائر. وما دام أنه ليس فيها عقوبة مقدرة، ففيها التعزير(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۲، ص ۲۸۰، ۲۸۱، مادة "تعزير")

[3] الشكوى بغير حق:
ذكر صاحب (تبصرة الحكام) أن من قام بشكوى بغير حق يؤدب .وقال البهوتى :إنه إذا ظهر كذب المدعى فى دعواه بما يؤذى به المدعى عليه، فإنه يعزر لكذبه وإيذائه للمدعى عليه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۲، ص ۲۸۱، مادة "تعزير")

تکلیف پہنچائی، مثلاً بے جا زدوکوب کر کے زخمی یا اپاہج کر دیا، تو اس پر بھی مناسب تعزیر کی جائے گی۔ ۱؎

(۹)...... اگر کسی نے دوسرے کی مملوکہ چیز کی بے حرمتی کی۔

مثلاً کسی کے گھر میں بغیر اجازت کے داخل ہو گیا، تو اس پر بھی مناسب تعزیر کی جائے گی۔ ۲؎

(۱۰)...... اگر کسی نے ایسا جرم کیا، جس سے عام لوگوں کی مصلحت متاثر ہوتی ہے، مثلاً راستے میں ناجائز تجاوزات سے کام لیا، یا گزرگاہ کو بند کر دیا (جس کو راستہ اور روڈ کا بلاک کرنا کہا جاتا ہے) جس کی وجہ سے گزرنے والوں کو تکلیف کا سامنا کرنا پڑا، تو اس پر بھی مناسب تعزیر کی جائے گی۔ ۳؎

۱؎ قتل حيوان غير مؤذ أو الإضرار به:
نهى الرسول صلى الله عليه وسلم عن تعذيب الحيوان فى قوله :إن امرأة دخلت النار فى هرة حبستها، فلا هى أطعمتها وسقتها، ولا هى تركتها تأكل من خشاش الأرض فهذا الفعل معصية، فيعزر الفاعل ما دام الفعل ليس فيه حد مقدر.
ومن الأمثلة على الجرائم فى هذا المجال :قطع ذنب حيوان، فقد ذكر فقهاء الحنفية أن :مما يوجب التعزير ما ذكر ابن رستم فيمن قطع ذنب برذون(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۲،ص ۲۸۱،مادة "تعزير")

۲؎ انتهاک حرمة ملک الغير:
دخول بيوت الغير بدون إذن ممنوع شرعا لقوله تعالى :(لا تدخلوا بيوتا غير بيوتكم حتى تستأنسوا وتسلموا على أهلها)
وبناء على هذا الأصل قيل بتعزير من يوجد فى منزل آخر بغير إذنه أو علمه، ودون أن يتضح سبب مشروع لهذا الدخول (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۲،ص ۲۸۱،مادة "تعزير")

۳؎ جرائم مضرة بالمصلحة العامة:
توجد جرائم مضرة بالمصلحة العامة ليست فيها عقوبات مقدرة، وفيها التعزير.
من هذه الجرائم :التجسس للعدو على المسلمين، فهو منهى عنه لقوله تعالى (ولا تجسسوا).وقوله (لا تتخذوا عدوى وعدوكم أولياء تلقون إليهم بالمودة)
ولما كانت هذه الجريمة ليست لها عقوبة مقدرة ففيها التعزير.وتفصيله فى (تجسس)(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۲،ص ۲۸۱، ۲۸۲،مادة "تعزير")

(۱۱)...... اگر کسی نے رشوت لینے یا اس میں تعاون کرنے کے جرم کا ارتکاب کیا، تو اس پر بھی مناسب تعزیر کی جائے گی۔ [1]

(۱۲)...... اگر کسی حاکم وسرکاری افسر نے عوام ورعایا پر ظلم کیا یا اپنی ذمہ داریوں کو صحیح طرح پوری نہ کرنے کے جرم کا ارتکاب کیا، تو اس پر بھی مناسب تعزیر کی جائے گی۔ [2]

(۱۳)...... اگر عوام اور رعایا میں سے کوئی شخص حاکم یا کسی سرکاری افسر یا عدالت کے صحیح فیصلہ، یا جج کے ساتھ زیادتی اور بے حرمتی کرنے کا مرتکب ہو، تو اس پر بھی مناسب تعزیر کی جائے گی۔ [3]

---

[1] الرشوة:
هی جريمة محرمة بالقرآن لقوله تعالى :(سماعون للكذب أكالون للسحت)وهی فی اليهود وكانوا يأكلون السحت من الرشوة .وهی كذلک محرمة بالسنة لحديث :لعن الله الراشی والمرتشی والرائش.ولما كانت هذه الجريمة ليست فيها عقوبة مقدرة ففيها التعزير(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۲، ص۲۸۲، مادة "تعزير")

[2] تجاوز الموظفين حدودهم، وتقصيرهم:هذه معصية ليست فيها عقوبة مقدرة، ولها صور منها:
أ -جور القاضی :إذا جار القاضی فی الحكم عمدا يعزر، ويعزل، ويضمن فی ماله؛ لأنه فيما جار ليس بقاض، ولكنه إتلاف بغير حق، فيكون فيه كغيره فی إيجاب الضمان عليه فی ماله .إذا جار مخطئا لم يكن عليه غرم قضائه؛ لأنه ليس معصوما عن الخطأ لقوله تعالى :(وليس عليكم جناح فيما أخطأتم به)
ب -ترک العمل أو الامتناع عمدا عن تأدية الواجب:
اكل عمل من شأنه تعطيل الوظائف العامة أو عدم انتظامها هو جريمة تستوجب التعزير، والغرض من ذلک ضمان حسن سير العمل، حتى تقوم السلطة بواجباتها على أكمل وجه .وعلى ذلک :فيعزر كل من ترک عمله، أو امتنع عن عمل من أعمال الوظيفة قاصدا عرقلة سير العمل، أو الإخلال بانتظامه، ويعزر عموما كل من يتمرد فی وظيفته، أو يستعمل القوة، أو العنف مع رؤسائه، ويترک عمله .ومن ذلک تعدى أحد الموظفين المدنيين أو العسكريين على غيره استغلالا لوظيفته (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۲، ص۲۸۲، ۲۸۳، مادة "تعزير")

[3] مقاومة رجال السلطة والاعتداء عليهم:
التعدى على الموظفين العموميين والمكلفين بخدمة عامة يستحق التعزير .ومن الأمثلة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۱۴)...... اگر کسی شخص کا قیدیوں کو بھگانا یا مجرموں کو پناہ دینا ثابت ہوجائے، تو اس پر بھی مناسب تعزیر کی جائے گی۔ ۱؎

(۱۵)...... اگر کسی شخص کا جعلی روپیہ پیسہ اور کرنسی کا تیار کرنا، چھاپنا یا اس میں تعاون کرنا ثابت ہوجائے، تو اس پر بھی مناسب تعزیر کی جائے گی۔ ۲؎

(۱۶)...... اگر کسی شخص کا جھوٹے خطوط کا لکھنا اور جعلی کاغذات کا تیار کرنا یا جعلی دستخط کا کرنا ثابت ہوجائے، تو اس پر بھی مناسب تعزیر کی جائے گی۔ ۳؎

(۱۷)...... اگر کوئی لوگوں کی روزمرہ کے کھانے پینے کی چیزوں کی ذخیرہ اندوزی کرے، یا ضرورت کی چیز کو اس کی بازاری قیمت سے غیر معمولی زیادہ قیمت پر

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

التی أوردها الفقهاء فی هذا المجال :إهانة العلماء أو رجال الدولة بما لا یلیق، سواء کان ذلک بالإشارة، أو القول، أو بغیر ذلک .والتعدی علی أحد الجنود بالید، أو تمزیق ثیابه، أو سبه، ففیه التعزیر، والتضمین عن التلف .ومن ذلک :إهانة محکمة قضائیة، وکذلک جرائم الجلسة، فالقاضی له فیها التعزیر، وإن عفا فحسن (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۱۲،ص ۲۸۳،مادة "تعزیر")

۱؎ هرب المحبوسین وإخفاء الجناة:
من ذلک من یؤوی محاربا، أو سارقا، أو نحوهما، ممن علیه حق لله تعالی أو لآدمی، ویمنع من أن یستوفی هذا الحق .فقد قیل :إنه شریک فی جرمه ویعزر، ویطلب إحضاره، أو الإعلام عن مکانه، فإن امتنع یحبس، ویضرب مرة بعد مرة، حتی یستجیب(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۱۲،ص ۲۸۳،مادة "تعزیر")

۲؎ تقلید المسکوکات الزیوف والمزورة: تقلید المسکوکات التی فی التداول والإعانة علی صرف العملة الفاسدة ونشرها جریمة فیها التعزیر .ففی (عدة أرباب الفتوی) فی رجل یعمل السکة المصنوعة ریالا وذهبا وروبیة، وفی رجل ینشر هذه المسکوکات الزائفة ویروجها :أنهما یعزران(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۱۲،ص ۲۸۳،مادة "تعزیر")

۳؎ التزویر: فی هذه الجریمة التعزیر، فقد روی :أن معن بن زیاد عمل خاتما علی نقش خاتم بیت المال فأخذ مالا، فضربه عمر رضی الله عنه مائة جلدة، وحبسه، ثم ضربه مائة أخری، ثم ثالثة، ثم نفاه .ومن موجبات التعزیر :کتابة الخطوط والصکوک بالتزویر(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۱۲،ص ۲۸۳،مادة "تعزیر")

فروخت کرے، جس سے لوگوں کو اور ضرورت مندوں کو ضرر وایذاء پہنچے، تو اس پر بھی مناسب تعزیر کی جائے گی۔ [1]

(۱۸)...... اگر کوئی ناپ تول میں کمی یا ناپنے وتولنے کے آلات میں گڑبڑ کرے، تو اس پر بھی مناسب تعزیر کی جائے گی۔ [2]

قانونی سزاؤں کے نفاذ کی ضرورت واہمیت اور شبہات کا جواب

یہ بات معلوم ہو چکی کہ حدود وقصاص اور تعزیرات کی شکل میں جو سزائیں مقرر کی گئی ہیں، ان کا اہم مقصد حکومت کی طرف سے لوگوں کو عملی طور پر جرائم سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کر کے معاشرہ کو فتنہ وفساد سے پاک کرنا اور انسانیت کی صلاح وفلاح اور امن وامان کا انتظام کرنا ہے، اور یہ حکومت کی اہم ذمہ داریوں میں سے ہے، لہٰذا حکومت اور اس کے تمام متعلقہ اداروں کو نیک نیتی کے ساتھ جرائم کی سزاؤں کی قانون سازی کے ساتھ مؤثر طریقہ پر ان کے نفاذ کی کوشش وجد وجہد کرنی چاہئے۔

نہ یہ کہ اولاً تو قانون سازی نہ کی جائے، دوسرے اگر قانون سازی کر دی جائے، تو اس کو مؤثر طریقہ پر نافذ نہ کیا جائے، جیسا کہ آج کل عام طور پر ہو رہا ہے۔

---

[1] البیع بأكثر من السعر الجبری:
قد تدعو الحال لتسعير الحاجيات، فإن كان ذلک :فالبيع بأكثر من السعر المحدد فيه التعزير . ومن ذلک :الامتناع عن البيع، ففيه الأمر بالواجب والعقاب على ترک الواجب .ومن ذلک: احتكار الحاجات للتحكم فى السعرلحديث :لا يحتكر إلا خاطء(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۲ ،ص ۲۸۳، ۲۸۴ ،مادة "تعزير")

[2] الغش فى المكاييل والموازين:
يقول الله تعالى :(أوفوا الكيل ولا تكونوا من المخسرين وزنوا بالقسطاس المستقيم)وفى الحديث :من غشنا فليس منا.وبناء على ذلک :فالغش فى الكيل والوزن معصية، وليس فيها حد مقدر، ففيها التعزير.
المشتبه فيهم:قد يكون التعزير لا لارتكاب فعل معين، ولكن لحالة الجانى الخطرة، وقد قال بعض الفقهاء بتعزير من يتهم بالسرقة، ولو لم يرتكب سرقة جديدة، ومن يعرف أو يتهم بارتكاب جرائم ضد النفس، كالقتل والضرب والجرح(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۲ ،ص ۲۸۴ ،مادة "تعزير")

اگر دنیا میں کوئی بھی حکومت، جرائم (Crimes) کی مذکورہ سزاؤں کو نیک نیتی کے ساتھ امیر وغریب کی تقسیم وتفریق کئے بغیر مؤثر طریقہ پر نافذ کرے گی، تو اس کی وجہ سے ان شاء اللہ تعالیٰ معاشرہ میں مثالی امن وامان (Safety and security) قائم ہوجائے گا، اور بے شمار فتنوں سے نجات حاصل ہوجائے گی۔

آج کل بعض عالمی کفریہ تنظیمیں مثلاً ہیومن رائٹس (Human Rights) مجرموں کو سزائیں نہ دینے کی بڑی ترغیب دیتی ہیں، اور مجرموں کے لئے سزاؤں کو ختم یا ہلکا کرنے کو انسانی حقوق میں داخل کرتی ہیں، اور جن ممالک میں مجرموں کو کم از کم سزائیں دی جائیں، ان کی حوصلہ افزائی کرتی ہیں، اور ان کی حوصلہ افزائی سے حکومتیں بڑی متأثر اور خوش ہوتی ہیں، لیکن یہ بات بالکل ظاہر اور بدیہی ہے کہ جن ممالک میں مجرموں کی سزاؤں کے قانون پر عمل نہیں ہوتا، یا جرائم کے قانونی وعدالتی ثبوت کے بعد بھی مجرموں کو معاف ودرگزر کر دیا جاتا ہے، وہاں امن وامان کی صورتِ حال بڑی خراب ہوتی ہے، اور جرائم میں اضافہ ہوجاتا ہے، اور مجرم کھلے عام اجتماعی طور پر انسانوں کی بے شمار حق تلفیوں کے مرتکب ہوتے ہیں، جس کا جب اور جو چاہے مشاہدہ کرسکتا ہے، البتہ جرائم کے عدالتی وقانونی طور پر ثبوت سے پہلے معاف ودرگزر کرنے کا شریعت نے بھی ایسا عمدہ نظام ترتیب دیا ہے کہ جس میں صاحبِ حق اور مظلوم کی بھی پوری رعایت رکھی گئی ہے، اور مجرموں کی حوصلہ افزائی سے بھی بچنے کا پورا پورا اہتمام کیا گیا ہے، جیسا کہ اگلی فصل میں آتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں جرائم کی سزاؤں اور جرائم کے خاتمہ کا جو عمدہ نظام ترتیب دیا گیا ہے، وہ ہر طرح کے نقائص سے پاک ہے، اور یہ نظام انسانوں کے حقوق کے خلاف ہونے کے بجائے خود انسانوں کے حقوق اور ان کے مال، جان، عزت وآبرو کی حفاظت کا سامان کرتا ہے، اور اس پر جو مختلف قسم کے شکوک وشبہات کئے جاتے ہیں، وہ عقلِ سلیم کی رُو سے بھی غلط اور بے بنیاد ہیں۔

(فصل نمبر۹)

قانونی سزاؤں کی معافی، سفارش یا ساقط ہونے کا حکم

اسلام میں جو قانونی سزائیں حدود وقصاص اور تعزیرات کی شکل میں مقرر کی گئی ہیں، ان کی اہمیت ونزاکت اور متعلقہ پہلوؤں کا ذکر کیا جاچکا ہے، اور یہ بھی کہ قانونی سزاؤں کا مقصود لوگوں کو جرائم سے باز رکھنا اور قانونی وحکومتی طاقت کے ذریعہ سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کر کے امن وامان کا بحال کرنا ہے، نہ کہ بلاوجہ لوگوں کو تکلیف پہنچانا۔

اسلام کی تعلیمات ہر اعتبار سے انتہائی معتدل ہیں، اور ان میں ہر پہلو کا اس طرح سے احاطہ کیا گیا ہے کہ کسی طرف سے بھی کوئی فتنہ وفساد کا راستہ موجود نہ رہے اور قانونی سزاؤں کی جو روح اور اصل مقصد ہے، وہ برقرار رہے، چنانچہ اسلام میں جہاں ایک طرف مختلف جرائم پر مختلف سزائیں مقرر کی گئی ہیں، وہیں دوسری طرف مجرموں کی رعایت کرتے ہوئے اس کا بھی لحاظ کیا گیا ہے کہ اگر کسی شخص سے کوئی جرم وگناہ سرزَد ہوجائے، یا کوئی انسان دوسرے کو کسی جرم اور گناہ میں مبتلا دیکھے، تو نہ تو اپنے اس جرم وگناہ کی بلاوجہ تشہیر اور کسی کے سامنے اظہار کرے، اور نہ دوسرے انسان کے جرم اور گناہ کی تشہیر واظہار کرے، بلکہ درگزر کرنے سے کام لے، البتہ اگر کسی شخص کی حق تلفی کی ہو، تو اس کو قاعدہ وضابطہ کے مطابق اس کا حق ادا کرے، اور اس کے نقصان کی تلافی کرے۔

اسی طرح اگر کسی نے ایسا جرم کیا ہو، جس سے دوسرے کی حق تلفی لازم آرہی ہو، اور اس کو وہ حق دوسرے کو اطلاع یا گواہی دیئے بغیر حاصل نہ ہوتا ہو، تو پھر اس میں کوتاہی کرنا جائز نہیں۔

قانونی سزاؤں اور حدود وقصاص کو معاف ودرگزر کرنے یا ان کے بارے میں سفارش یا حدود کے ساقط ہونے کا پہلو بھی بڑا نازک اور اہم ہے، جس کی تفصیل اور حقیقت معلوم نہ ہونے کی

وجہ سے کئی شکوک وشبہات بلکہ غلط فہمیاں واقع ہوتی ہیں۔

اس لئے اس کی اہمیت ونزاکت کے پیشِ نظر اس کو الگ عنوان کے تحت ذکر کیا جاتا ہے۔

قصاص کو معاف اور معافی کی سفارش کرنے کا حکم

قصاص کیونکہ مقتول کے وارثوں کا حق ہے، اس لئے انہیں اس کے معاف کرنے کا نہ صرف یہ کہ حق حاصل ہے؛ بلکہ معاف کردینا افضل ہے، اور مقتول کے اولیاء اور ورثاء سے کسی کا (خواہ وہ کوئی عامی شخص ہو، یا حکمران اور صدر یا وزیر اعظم) معافی کی سفارش اور درخواست واپیل کرنا بھی جائز ہے۔

قرآن مجید میں ایک موقع پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَجَزَآءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِيْنَ(سورة الشورىٰ، رقم الآية ۴۰)

ترجمہ: اور برائی کا بدلہ اسی طرح کی برائی ہے، پھر جو کوئی معاف کردے اور اصلاح کرلے تو اس کا اجر اللہ پر ہے، بے شک اللہ ظالموں سے محبت نہیں رکھتا (سورہ شوریٰ)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگرچہ برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی کے ساتھ لینا جائز ہے، مثلاً کسی نے دوسرے کو جان بوجھ کر قتل یا زخمی کیا، تو اس کو قصاص میں قتل یا زخمی کرنا جائز ہے، لیکن معاف کردینا افضل ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُفِعَ إِلَيْهِ شَيْءٌ فِيْهِ قِصَاصٌ، إِلَّا أَمَرَ فِيْهِ بِالْعَفْوِ(ابو داود) [1]

---

[1] رقم الحديث ۴۴۹۷، كتاب الديات، باب الإمام يأمر بالعفو فى الدم.

www.idaraghufran.org

ترجمہ: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب بھی کوئی قصاص کا معاملہ آتا ہوا دیکھا، تو آپ نے اس میں معاف کرنے کا حکم فرمایا (ابوداؤد)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم حاکم تھے، اور آپ قصاص وحدود جاری فرمایا کرتے تھے، مگر آپ نے قصاص کے معاف کرنے کی سفارش کی، جس سے معلوم ہوا کہ مقتول کے ورثاء سے قصاص کی معافی کی حاکم کو سفارش کرنا جائز ہے، مگر خود سے معاف کرنا جائز نہیں۔ [۱]

خلاصہ یہ کہ قصاص لینے کے بجائے معاف کردینا افضل ہے، اور معافی کی سفارش کرنا بھی جائز ہے، خواہ حکمران سفارش کرے یا کوئی عام شخص۔

تاہم حکمران یا کسی اور کو خود سے قصاص کو معاف کرنے کا حق نہیں؛ بلکہ اس کا اصل حق مقتول و مظلوم کے اولیاء اور ورثاء اور مظلوم (مثلاً زخمی) حیات ہو، تو اس کو ہے۔ [۲]

---

[۱] أورد أبو داود رحمه الله حديث أنس بن مالک رضى الله عنه قال:
(مـا رأيت رسـول الـله صلى الله عليه وسلم رفع إليه شىء فيه قصاص إلا أمر فيه بالعفو) يعنى: أمر بالعفو أمر إرشاد وترغيب، وليس أمر إيجاب؛ لأن هذا حق لهم، ولكن يرغبون فى العفو.
فـ أنس رضى الله عما كان عليه رسول الله عليه الصلاة والسلام من أنه كان يأمر ويرغب ولى القتيل بـالـعفو عن القصاص مطلقاً، أو العفو عن القتل مع أخذ الدية(شرح سنن ابى داود للعباد، باب الإمام يأمر بالعفو فى الدم،شرح حديث:ما رأيت رسول الله رفع إليه شىء فيه قصاص إلا أمر فيه بالعفو)
عن أنس قال: ما رأيت رسول الله (صلى الله عليه وسلم)
رفع إليه شىء فيه قصاص إلا أمر فيه بالعفو.
وفيه إباحة الاستيثاق بالشد والرباط ممن يجب عليه القصاص إذا خيف انفلاته. وفيـه دليـل على أن القاتل إذا عفى عنه يخلى سبيله، ولا يعزر(شرح السنة للبغوى، ج ۱۰، ص ۱۶۱، باب العتق على الخدمة)

[۲] رغـب الشارع فى العفو عن القصاص فقال سبحانه وتعالى: (يا أيها الذين آمنوا كتب عليكم الـقصاص فى القتلى) ثم قال: (فـمـن عـفـى له من أخيه شىء فاتباع بالمعروف وأداء إليه بإحسان ذلک تخفيف من ربكم ورحمة) ، وفى الـحديث عن أبى هريرة رضى الله عنه أن النبى صلى الله عليه وسلم قال: ما نقصت صدقة من مال، ولا عفا رجل عن مظلمة إلا زاده الله عزا.
واتـفـق الـفـقهاء على أنه إن عفا عن القصاص مجانا فهو أفضل (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۱، ص ۵۲و۵۳، مادة: ديات، العفو عن القصاص)

www.idaraghufran.org

قانونی ثبوت سے پہلے حدود کو معاف یا سفارش کا حکم

قصاص کو معاف کرنے یا اس میں سفارش کرنے کا حکم تو پہلے گزر چکا ہے، کیونکہ وہ بندوں کا حق ہے، اور حدود کو معاف کرنے یا سفارش کرنے کا حکم قصاص سے کچھ مختلف ہے، کیونکہ حدود عام طور پر اللہ کا حق ہیں، جس کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:تَعَافُوْا الْحُدُوْدَ فِيْمَا بَيْنَكُمْ، فَمَا بَلَغَنِيْ مِنْ حَدٍّ فَقَدْ وَجَبَ(سنن أبی داود) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم آپس میں حدود کو معاف کردیا کرو، پس جو حد مجھ تک پہنچی تو بیشک وہ واجب ہوگئی (ابوداؤد)

حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّهُ نَامَ فِى الْمَسْجِدِ وَتَوَسَّدَ رِدَاءَهُ، فَأُخِذَ مِنْ تَحْتِ رَأْسِهٖ، فَجَاءَ بِسَارِقِهٖ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،فَأَمَرَ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُّقْطَعَ،فَقَالَ صَفْوَانُ:يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَمْ أُرِدْ هٰذَا، رِدَائِيْ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:فَهَلَّا قَبْلَ أَنْ تَأْتِيَنِيْ بِهٖ(سنن ابن ماجه) [2]

ترجمہ: حضرت صفوان مسجد میں سوگئے اور اپنی چادر سر کے نیچے رکھ لی کسی (چور) نے چادر ان کے سر کے نیچے سے نکال لی وہ اس چور کو نبی کے پاس لائے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (چوری ثابت ہونے پر) حکم دیا کہ اس کا ہاتھ کاٹا جائے تو

---

[1] رقم الحديث ۴۳۷۶، كتاب الحدود، باب العفو عن الحدود ما لم تبلغ السلطان.

[2] رقم الحديث ۲۵۹۵، كتاب الحدود، باب من سرق من الحرز، نسائی، رقم الحديث ۴۸۷۹، مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ۱۵۳۰۳.

فی حاشية مسند احمد: حديث صحيح بطرقه وشاهده.

حضرت صفوان نے عرض کیا کہ میرا یہ مقصد نہ تھا میری یہ چادر اس پر صدقہ ہے (یعنی انہوں نے چور کو معاف کرنا چاہا) تو اللہ کے رسول نے فرمایا کہ اگر ایسا (یعنی معاف) کرنا تھا تو میرے پاس لانے سے پہلے کیوں نہ (معاف) کیا (ابن ماجہ، نسائی، مسند احمد)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَفَلَا كَانَ هٰذَا قَبْلَ أَنْ تَجِيْءَ بِهٖ، ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِشْفَعُوْا مَا لَمْ يَتَّصِلْ إِلَى الْوَالِيْ، فَإِذَا أُوْصِلَ إِلَى الْوَالِيْ فَعَفَا فَلَا عَفَا اللّٰهُ عَنْهُ (سنن دارقطنی) [1]

ترجمہ: تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ نے اس کے میرے پاس لانے سے پہلے معاف کیوں نہ کیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم (حدود کے بارے میں) اس وقت تک سفارش کرلیا کرو، جب تک اس کا مقدمہ حاکم کے پاس نہ پہنچے، پس جب حاکم کے پاس پہنچ جائے، پھر وہ (حاکم بھی) معاف کرے، مگر اس (کی قانونی سزا) کو اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرتا (دارقطنی)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ جرم کے قانونی وعدالتی ثبوت سے پہلے حدود کو معاف کیا جاسکتا ہے، لیکن اس کے بعد کسی کا معاف کرنا درست اور معتبر نہیں رہتا، اور اسی لئے احادیث میں حاکم سے معافی کی سفارش وشفاعت کرنے پر وعید آئی ہے۔

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

أَنَّ قُرَيْشًا أَهَمَّهُمْ شَأْنُ الْمَرْأَةِ الْمَخْزُوْمِيَّةِ الَّتِيْ سَرَقَتْ، فَقَالُوْا: وَمَنْ يُكَلِّمُ فِيْهَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَقَالُوْا: وَمَنْ يَجْتَرِئُ عَلَيْهِ إِلَّا أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ، حِبُّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

---

[1] رقم الحديث ٣٤٦٦، كتاب الحدود والديات وغيره

www.idaraghufran.org

فَكَلَّمَهُ أُسَامَةُ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَتَشْفَعُ فِيْ حَدٍّ مِّنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ، ثُمَّ قَامَ فَاخْتَطَبَ، ثُمَّ قَالَ: إِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِيْنَ قَبْلَكُمْ، أَنَّهُمْ كَانُوْا إِذَا سَرَقَ فِيْهِمُ الشَّرِيْفُ تَرَكُوْهُ، وَإِذَا سَرَقَ فِيْهِمُ الضَّعِيْفُ أَقَامُوْا عَلَيْهِ الْحَدَّ، وَايْمُ اللّٰهِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا (بخاری) [1]

ترجمہ: قریش کے لوگ ایک مخزومی عورت کے معاملہ میں بہت ہی فکر مند تھے، جس نے چوری کی تھی (اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثبوت ہونے پر اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا تھا) وہ لوگ کہنے لگے کہ اس چوری کرنے والی عورت کے متعلق کون شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات چیت (وسفارش) کرے گا، بعض لوگوں نے کہا کہ اسامہ بن زید جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہیتے ہیں، چنانچہ اسامہ نے اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کی، جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اللہ کی قائم کردہ سزاؤں میں سے حد کے متعلق سفارشی بنتے ہو، یہ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوگئے پھر خطبہ دیا، اور فرمایا کہ تم سے پہلی امتیں اس لئے ہلاک ہوئیں کہ ان میں جب کوئی شریف ومعزز آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور سزا نہ دیتے اور جب کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تو اس کو سزا دیتے، قسم ہے اللہ کی! اگر فاطمہ محمد کی بیٹی بھی چوری کرے تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ ڈالوں گا (بخاری)

اس سے معلوم ہوا کہ حدود کے جرائم میں حاکم کے سامنے یا عدالت میں ثبوت کے بعد کسی کو معافی کی سفارش کرنا جائز نہیں۔

---

[1] رقم الحدیث ۳۴۷۵، کتاب احادیث الانبیاء، باب حدیث الغار.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: مَنْ حَالَتْ شَفَاعَتُهٗ دُوْنَ حَدٍّ مِّنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ، فَقَدْ ضَادَّ اللّٰهَ(سنن أبي داود) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس کی سفارش اللہ کی حدود میں سے کسی حد کے (ثبوت کے بعد) جاری ہونے سے مانع بن گئی، تو بے شک اس نے اللہ سے ضد کی (ابوداؤد)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

إِنِّيْ لَأَذْكُرُ أَوَّلَ رَجُلٍ قَطَعَهٗ، أُتِيَ بِسَارِقٍ، فَأَمَرَ بِقَطْعِهٖ، وَكَأَنَّمَا أُسِفَّ وَجْهُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، كَأَنَّكَ كَرِهْتَ قَطْعَهٗ؟ قَالَ: وَمَا يَمْنَعُنِيْ، لَا تَكُوْنُوْا عَوْنًا لِلشَّيْطَانِ عَلٰى أَخِيْكُمْ، إِنَّهٗ يَنْبَغِيْ لِلْإِمَامِ إِذَا انْتَهٰى إِلَيْهِ حَدٌّ أَنْ يُّقِيْمَهٗ، إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ عَفُوٌّ يُحِبُّ الْعَفْوَ (وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا أَلَا تُحِبُّوْنَ أَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ)(مسند أحمد، رقم الحديث ۴۱۶۸) [2]

ترجمہ: مجھے یاد ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے ایک آدمی کا ہاتھ کاٹا گیا تھا، جس نے چوری کی تھی، لوگ اسے لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور گواہی دی کہ اے اللہ کے رسول! اس نے چوری کی ہے، جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک کا رنگ اڑ گیا، کسی نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا آپ کو اس کے ہاتھ کا کاٹنا ناگوار گزر رہا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اس (کی سزا) میں کیا مانع ہے؟ تم لوگ (ایسی بات کہہ کر) اپنے ساتھی کے متعلق شیطان کے مددگار نہ بنو، حاکم کے لئے یہ بات ضروری ہے کہ جب اس کے پاس

---

[1] رقم الحديث ۳۵۹۷، كتاب الاقضية، باب فيمن يعين على خصومة من غير أن يعلم أمرها.

[2] في حاشية مسند احمد: حسن بشواهده.

کوئی حد کا واقعہ پہنچے (اور ثابت ہو جائے) تو وہ اسے قائم کرے (البتہ حاکم کے پاس مقدمہ لانے سے پہلے معاف کر دینا افضل ہے، کیونکہ) بے شک اللہ عز و جل معاف کرنے والا اور معافی کو پسند فرماتا ہے، پھر یہ آیت تلاوت فرمائی (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ) لوگوں کو چاہئے کہ معاف کر دیا کریں، اور درگزر کر دیا کریں، کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے (مسند احمد)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ حاکم یا جج کے پاس جرم پہنچنے اور ثابت ہونے سے پہلے تو صاحبِ حق کی طرف سے ان حدود کو معاف کرنا یا اس سے معافی و درگزر کی سفارش کرنا جائز اور معتبر ہے، مگر بعد میں جائز و معتبر نہیں، کیونکہ ایسا ہونے کی صورت میں جرائم پر لوگوں کو جرأت ہوگی، اور مرتد اور ڈاکو کی سزا کا حکم کچھ مختلف ہے، جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ [1]

جرم سرزد ہونے یا دیکھنے کے بعد مخفی رکھنے کی فضیلت

جہاں ایک طرف حدود میں سے کسی جرم سرزد ہونے کے بعد حاکم کے پاس ثبوت سے پہلے صاحبِ حق کا معاف کر دینا یا صاحبِ حق سے معافی کی سفارش کرنا جائز بلکہ افضل ہے، اسی طرح خود کسی سے کوئی جرم سرزد ہونے کے بعد خود سے عدالت میں جا کر جرم کا اعتراف و اقرار کرنے اور اسی طریقہ سے دوسرے سے کوئی جرم سرزد ہونے کو دیکھنے کے بعد اس کے متعلق عدالت میں گواہی دینے کے بجائے عام حالات میں اس کو چھپا لینا افضل ہے۔

مثلاً کسی سے زنا سرزد ہو گیا، تو اس کا عدالت میں جا کر اعتراف و اقرار کرنے کے بجائے اللہ

---

[1] (عن عبد الله بن عمر قال :سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول :من حالت) من الحيلولة أى حجبت (شفاعته دون حد) أى عنده والمعنى من منع بشفاعته حدا (من حدود الله) قال الطيبى :أى قدام حد فيحجز عن الحد بعد وجوبه عليه بأن بلغ الإمام (فقد ضاد الله) أى خالف أمره ;لأن أمره إقامة الحدود قال الطيبى :وإنما قال :فقد ضاد الله ;لأن حدود الله حماه ومن استباح حمى الله تعدى طوره ومن نازع الله تعالى فيما حما فقد ضاد الله(مرقاة المفاتيح، ج٦ص٢٣٦٧، باب الشفاعة فى الحدود)

سے توبہ واستغفار پر اکتفا کرنا افضل ہے، اسی طرح گواہوں کو بھی پردہ پوشی کرنا افضل ہے، اور دوسرے شخص کو بھی جائز ہے کہ گواہوں سے درگزر کرنے کی سفارش کرے، کیونکہ حدود والی سزائیں اللہ کا حق ہیں، جن کے لئے اللہ خود پردہ پوشی کو پسند کرتا ہے، مگر اس کے نتیجہ میں کسی بندہ کی حق تلفی کرنا جائز نہیں، اسی لئے دوسرے کے حق کی ادائیگی کرنا یا ضرورت پڑنے پر دوسرے کے حق کی ادائیگی کے لئے گواہی دینا ضروری ہوجاتا ہے۔

اس سلسلہ میں چند احادیث ملاحظہ فرمائیں، جس کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ متعلقہ پہلوؤں کا ذکر کیا جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ بَعْدَ أَنْ رَجَمَ الْأَسْلَمِيَّ فَقَالَ:

اِجْتَنِبُوْا هٰذِهِ الْقَاذُوْرَةَ الَّتِيْ نَهَى اللّٰهُ عَنْهَا فَمَنْ أَلَمَّ فَلْيَسْتَتِرْ بِسِتْرِ اللّٰهِ وَلْيَتُبْ إِلَى اللّٰهِ (مستدرک حاکم)[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسلمی کو رجم کرنے کے بعد کھڑے ہوئے، پھر فرمایا کہ:

اس برے کام (یعنی زنا) سے بچو، جس سے اللہ نے منع فرمایا ہے، پھر جو شخص مبتلا ہوجائے، تو اسے چاہیے کہ وہ پردے ڈالے (اپنے گناہ پر) اللہ کے پردہ کے ساتھ، اور اللہ سے توبہ کرے (یعنی اگر زنا وغیرہ کا گناہ سرزد ہوجائے، تو لوگوں سے چھپائے، اور اللہ سے توبہ کرے) (حاکم)

اس سے معلوم ہوا کہ اولاً تو گناہ سے بچنا چاہئے، اور اگر کوئی گناہ میں مبتلا ہوجائے، تو اُس کو

---

[1] رقم الحدیث ۷۶۱۵، کتاب التوبۃ والانابۃ.
قال الحاکم: ھذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاہ "
و قال الذھبی فی التلخیص: علی شرط البخاری ومسلم.

دوسروں کے سامنے نشر کرنے سے بچنا چاہئے، اوراس کے بجائے توبہ کرنی چاہئے۔ [1]

جلیل القدر تابعی حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

جَاءَ رَجُلٌ إِلٰى عَبْدِ اللّٰهِ مُتَحَنِّطًا، فَلَمَّا رَآهُ وَوَجَدَ رِيحَ الْحَنُوطِ قَالَ: اَللّٰهُمَّ إِنِّىْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهٖ.

قَالَ: فَجَاءَهُ فَذَكَرَ لَهُ أَنَّهُ وَقَعَ عَلٰى جَارِيَةِ امْرَأَتِهٖ فَأَقِمْ عَلَيَّ الْحَدَّ، قَالَ: اِسْتَغْفِرِ اللّٰهَ وَتُبْ إِلَيْهِ، وَاسْتُرْ عَلٰى نَفْسِكَ، وَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ

---

[1] (اجتنبوا هذه القاذورات) جمع قاذورة وهى كل قول أو فعل يستفحش أو يستقبح لكن المراد هنا الفاحشة يعنى الزنا لأنه لما رجم ماعزا ذكره سميت قاذورة لأن حقها أن تتقذر فوصفت بما يوصف به صاحبها أفاده الزمخشرى (التى نهى الله عنها) أى حرمها (فمن ألم) بالتشديد أى نزل به والإلمام كما فى الصحاح مقاربة المعصية من غير مواقعة وهذا المعنى له لطف هنا يدرك بالذوق (بشىء منها فليستتر بستر الله وليتب إلى الله) بالندم والإقلاع والعزم على عدم العود (فإنه) أى الشأن (من يبد) بضم المثناة تحت وسكون الموحدة (لنا صفحته) أى ظهر لنا فعله الذى حقه الإخفاء والستر وصفحة كل شىء جانبه ووجهه وناحيته كنى به عن ثبوت موجب الحد عند الحاكم (نقم) نحن معشر الحكام (عليه كتاب الله) أى الحد الذى حده الله فى كتابه والسنة من الكتاب فيجب على المكلف إذا ارتكب ما يوجب لله حدا الستر على نفسه والتوبة فإن أقر عند حاكم أقيم عليه الحد أو التعزير وعلم من الحديث أن من واقع شيئا من المعاصى ينبغى أن يستتر وحينئذ فيمتنع التجسس عليه لأدائه إلى هتك الستر.

قال الغزالى :وحد الاستتار أن يغلق باب داره ويستتر بحيطانه قال فلا يجوز استراق السمع على داره ليسمع صوت الأوتار ولا الدخول عليه لرؤية المعصية إلا أن يظهر عليه ظهورا يعرفه من هو خارج الدار كصوت آلة اللهو والسكارى ولا يجوز أن يستنشق ليدرك رائحة الخمر ولا أن يستخبر جيرانه ليخبروه بما جرى فى داره وقد أنشد فى معناه:

لا تلتمس من مساوى الناس مستترا . . .فيكشف الله سترا عن مساويكا

واذكر محاسن ما فيهم إذا ذكروا . . .ولا تعب أحدا منهم بما فيكا

(ك هق عن ابن عمر) بن الخطاب قال :قام المصطفى صلى الله عليه وسلم بعد رجم الأسلمى فذكره قال ك على شرطهما وتعقبه الذهبى فقال غريب جدا لكنه فى المهذب قال إسناده جيد وصححه ابن السكن وذكره الدارقطنى فى العلل وصحح إرساله وقول ابن عبد البر لا نعلمه بوجه قال ابن حجر مراده من حديث مالك ولما ذكر إمام الحرمين فى النهاية هذا الحديث قال صحيح متفق عليه فتعجب منه ابن الصلاح وقال أوقعه فيه عدم إلمامه بصناعة الحديث الذى يفتقر إليها كل عالم(فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ۱۷۵)

تَعْتِقَهَا فَأَعْتِقْهَا (المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ٩١٩١، ج٩ص ٢٤٣) [1]

ترجمہ: ایک آدمی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس مخصوص خوشبو لگے ہوئے ہونے کی حالت میں آیا، جب اُس کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے دیکھا، اور مخصوص خوشبو کو محسوس کیا، تو فرمایا کہ اے اللہ میں آپ کے ذریعہ سے اس کے شَر سے پناہ چاہتا ہوں، پھر اُس شخص نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر عرض کیا کہ اُس نے اپنی بیوی کی باندی سے صحبت کر لی ہے، لہٰذا آپ میرے اوپر حد کو جاری کیجئے، تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ اللہ سے استغفار کیجئے، اور اس سے توبہ کیجئے، اور اپنے اوپر پردہ ڈالیے، اور اگر آپ اس باندی کو آزاد کرنے کی طاقت رکھتے ہیں، تو اس کو آزاد کر دیجئے (تاکہ آئندہ اس حرکت کی نوبت نہ آئے) (طبرانی)

اس طرح کا مضمون اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ [2]

---

[1] قال الهيثمي: رواه الطبراني. وإبراهيم لم يدرك ابن مسعود، ولكن رجاله رجال الصحيح (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ١٠٤٨٢، كتاب الحدود والديات، باب الستر على المسلمين)

[2] شعبة، عن يحيى بن سعيد، عن محمد بن المنكدر، عن ابن الهزال، عن أبيه، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: يا هزال لو سترته بثوبك كان خيرا لك (مستدرك حاكم، رقم الحديث ٨٠٨٠)

قال الحاكم: قال شعبة: قال يحيى: فذكرت هذا الحديث بمجلس فيه يزيد بن نعيم بن هزال، فقال يزيد: هذا الحق حق وهو حديث جدى هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه وقد تفرد بهذه الزيادة أبو داود، عن شعبة. وقال الذهبي التلخيص: صحيح.

عن يزيد بن نعيم، عن أبيه: أن ماعز بن مالك أتى النبي صلى الله عليه وسلم فقال: أقم على كتاب الله. فأعرض عنه أربع مرات، ثم أمر برجمه، فلما مسته الحجارة، قال عبد الرحمن: وقال مرة: فلما عضته جزع، فخرج يشتد، وخرج عبد الله بن أنيس، أو أنس من ناديه، فرماه بوظيف حمار، فصرعه، فأتى النبي صلى الله عليه وسلم، فحدثه بأمره، فقال " ": هلا تركتموه، لعله أن يتوب فيتوب الله عليه " "ثم قال " ": يا هزال، لو سترته بثوبك، كان خيرا لك " (مسند احمد، رقم الحديث ٢١٨٩٢)

في حاشية مسند احمد: صحيح لغيره، وهذا إسناد حسن. ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ، فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيْثِ، لَا تَجَسَّسُوْا، وَلَا تَحَسَّسُوْا (مسنداحمد) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے آپ کو بدگمانی سے بچاؤ، کیونکہ بد گمانی بدترین جھوٹ ہے، اورتم ایک دوسرے (کے عیبوں) کا تجسس نہ کرو، اور ایک دوسرے کی (بغیراجازت) باتیں نہ سنو (مسنداحمد، بخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: كُلُّ أُمَّتِيْ مُعَافًى إِلَّا الْمُجَاهِرِيْنَ، وَإِنَّ مِنَ الْمُجَاهَرَةِ أَنْ يَّعْمَلَ الرَّجُلُ بِاللَّيْلِ عَمَلًا، ثُمَّ يُصْبِحَ وَقَدْ سَتَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ، فَيَقُوْلَ: يَا فُلَانُ، عَمِلْتُ الْبَارِحَةَ كَذَا وَكَذَا، وَقَدْ بَاتَ يَسْتُرُهُ رَبُّهُ، وَيُصْبِحُ يَكْشِفُ سِتْرَ اللّٰهِ عَنْهُ (بخاری) [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عن موسى بن طلحة، عن أبي اليسر، قال: لقيت امرأة فالتزمتها غير أنى لم أنكحها، فأتيت عمر فسألته فقال: اتق الله واستر على نفسك ولا تخبرن أحدا، قال: فلم أصبر حتى أتيت أبا بكر فسألته، فقال: اتق الله واستر على نفسك ولا تخبرن أحدا، فلم أصبر حتى أتيت النبى صلى الله عليه وسلم فأخبرته فقال: هل جهزت غازيا؟ قلت: لا، قال: فخلفت غازيا فى أهله؟ قلت: لا، فقال لى حتى تمنيت أنى كنت دخلت فى الإسلام تلك الساعة، فلما وليت دعانى فقرأ على (أقم الصلاة طرفى النهار وزلفا من الليل)فقال أصحابه: ألهذا خاصة أم للناس عامة، قال: بل للناس عامة.

وهذا الحديث لا نعلم يروى بهذا اللفظ إلا عن أبى اليسر، ولا نعلم رواه عن أبى اليسر إلا موسى بن طلحة، ولا عن موسى إلا عثمان بن عبد الله بن موهب، ورواه عن عثمان شريك وقيس، فذكرنا حديث شريك لأنه كان أجل من قيس، واقتصرنا عليه ولا نعلم هذا الكلام يروى إلا عنه وقد روى عن النبى صلى الله عليه وسلم بنحو منه بخلاف اللفظ، نذكره فى موضعه إن شاء الله (مسند البزار، رقم الحديث ٢٣٠٠)

[1] رقم الحديث ٧٨٥٨، و اللفظ لهٗ، بخارى، رقم الحديث ٦٠٦٦.

فى حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط الشيخين.

[2] رقم الحديث ٦٠٦٩، كتاب الادب، باب ستر المؤمن على نفسه، مسلم، رقم الحديث ٥٢"٢٩٩٠".

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ میری سب امت کی معافی کردی جائے گی، مگر کھلم کھلا گناہ کرنے والوں کی نہیں، اور کھلم کھلا گناہ میں یہ بھی داخل ہے کہ آدمی رات میں کوئی (گناہ کا) عمل کرے، پھر صبح کرے اور اللہ تعالیٰ نے اس کے عیب پر پردہ ڈالا ہوا ہے، پھر وہ یہ کہے کہ اے فلانے! میں نے رات اس طرح اور اس طرح (گناہ کا) عمل کیا ہے، اور کوئی شخص اس حال میں رات گزارے کہ جس (کے عیوب) پر اس کے رب نے پردہ ڈالا ہوا ہے، اور وہ صبح کر کے اللہ کے پردہ کو اپنے اوپر سے اٹھادے (یعنی اپنے عیب کو دوسروں کے سامنے ظاہر کردے) (بخاری، مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: لَا يَسْتُرُ عَبْدٌ عَبْدًا فِي الدُّنْيَا، إِلَّا سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (مسلم، رقم الحديث ۲۵۹۰ "۷۲") [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بندہ بھی دنیا میں کسی بندہ کے عیب کو چھپاتا ہے، تو اللہ قیامت کے دن اس کے عیب کو چھپائے گا (مسلم)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اپنے سے کوئی گناہ سرزد ہونے پر یا دوسرے کو گناہ میں مبتلا دیکھ کر اس کی پردہ پوشی افضل ہے، اس حکم میں حدود بھی داخل ہیں، کیونکہ حدود دراصل اللہ کا حق ہیں، جن کے متعلق پردہ پوشی افضل ہے، لیکن دوسرے انسان کے حق کی ادائیگی کا اہتمام ضروری ہے۔

صحیح ثبوت نہ ہونے یا شک کی صورت میں حدود ساقط ہیں

اسلام میں اس کی بھی ہدایت ہے کہ حدود کو اس وقت تک جاری نہیں کرنا چاہئے، جب تک

---

[1] كتاب البر والصلة والآداب، باب بشارة من ستر الله تعالى عيبه في الدنيا، بأن يستر عليه في الآخرة.

تمام شرائط بالیقین نہ پائی جائیں، شک وشبہ پائے جانے پر حدود کو ساقط کرنا چاہئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰـهِ صَلَّى اللّٰـهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِدْرَءُوْا الْحُدُوْدَ عَنِ الْمُسْلِمِيْنَ مَا اسْتَطَعْتُمْ، فَإِنْ كَانَ لَهُ مَخْرَجٌ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُ، فَإِنَّ الْإِمَامَ أَنْ يُّخْطِءَ فِي الْعَفْوِ خَيْرٌ مِنْ أَنْ يُّخْطِءَ فِي الْعُقُوْبَةِ (سنن الترمذی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہاں تک ہو سکے مسلمانوں سے حدود کو دور کرو، اگر اس کے لیے کوئی راستہ ہو تو اس کا راستہ چھوڑ دو، امام کا غلطی سے معاف کر دینا غلطی سے سزا دینے سے بہتر ہے (ترمذی، حاکم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے موقوفاً بھی اسی طرح کی روایت مروی ہے۔ [2]

اور حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے بھی اسی طرح کی روایت مروی ہے۔ [3]

---

[1] رقم الحديث ۱۴۲۴، ابواب الحدود، باب ما جاء فی درء الحدود، مستدرک حاکم، رقم الحديث ۸۱۶۳، سنن الدارقطنی، رقم الحديث ۳۰۹۷، السنن الكبرىٰ للبيهقی، رقم الحديث ۱۷۰۵۷.

قال الترمذی: حدثنا هناد قال: حدثنا وكيع، عن يزيد بن زياد نحو حديث محمد بن ربيعة ولم يرفعه، وفی الباب عن أبی هريرة، وعبد الله بن عمرو: حديث عائشة لا نعرفه مرفوعا إلا من حديث محمد بن ربيعة، عن يزيد بن زياد الدمشقی، عن الزهری، عن عروة، عن عائشة، عن النبی صلى الله عليه وسلم ورواه وكيع، عن يزيد بن زياد نحوه، ولم يرفعه ورواية وكيع أصح، وقد روی نحو هذا عن غير واحد من أصحاب النبی صلى الله عليه وسلم أنهم قالوا مثل ذلک ويزيد بن زياد الدمشقی ضعيف فی الحديث، ويزيد بن أبی زياد الكوفی أثبت من هذا وأقدم.

و قال الحاكم: هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه.

[2] عن عروة، عن عائشة، قالت: ادرؤوا الحدود عن المسلمين ما استطعتم، فإذا وجدتم للمسلم مخرجا، فخلوا سبيله، فإن الإمام أن يخطیء فی العفو، خير من أن يخطء فی العقوبة (مصنف ابن أبی شيبة، رقم الحديث ۲۹۰۹۴)

[3] عن حماد عن إبراهيم قال كان يقال ادرؤا الحدود عن المسلمين ما استطعتم فإذا وجدتم للمسلم مخرجا فادرؤا عنه فإنه أن يخطأ حاكم من حكام المسلمين فی العفو خير من أن يخطأ فی العقوبة (مصنف عبد الرزاق، رقم الحديث ۱۸۶۹۸)

اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے بھی اسی طرح کا اثر مروی ہے۔ [1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِدْرَءُ وْا الْحُدُوْدَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (مسند ابی یعلیٰ، رقم الحدیث ۶۶۱۸)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم حدود کو جہاں تک ہو، ساقط کرو (ابویعلیٰ)

اس حدیث کی سند پر اگرچہ محدثین نے کلام کیا ہے، لیکن اس کی تائید اوپر والی احادیث اور آثار سے، اور اس کے علاوہ بعض صحابۂ کرام وتابعین کے آثار سے بھی ہوتی ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ان کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

اِدْرَءُ وا الْجَلْدَ وَالْقَتْلَ عَنْ عِبَادِ اللّٰهِ مَا اسْتَطَعْتُمْ (المعجم الکبیر للطبرانی) [2]

ترجمہ: تم اللہ کے بندوں سے کوڑے لگانے اور قتل کرنے کی سزا کو جہاں تک ہو ساقط کرو (طبرانی)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

اِدْرَءُ وْا الْحُدُوْدَ وَالْقَتْلَ عَنْ عِبَادِ اللّٰهِ مَا اسْتَطَعْتُمْ (المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث ۹۶۹۵، ج۹ص ۳۴۱)

ترجمہ: تم اللہ کے بندوں سے حدود اور قتل کرنے کی سزا کو جہاں تک ہو ساقط کرو (طبرانی)

---

[1] حدثنا إبراهيم بن عبد الله، ثنا محمد بن إسحاق قال: ثنا قتيبة بن سعيد، ثنا الليث بن سعد، عن معاوية بن صالح، عن أبى عقبة، أن عمر بن عبد العزيز قال: ادرء وا الحدود ما استطعتم فى كل شبهة، فإن الوالى إن أخطأ فى العفو خير من أن يتعدى فى الظلم والعقوبة(حلية الاولياء، ج۵، ص ۳۱۱، تحت الترجمة: عمر بن عبد العزيز)

[2] رقم الحديث ۸۹۴۷، ج۹ص ۱۹۲.

www.idaraghufran.org

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح کا ارشاد مروی ہے۔ [1]

اور حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے بھی اسی طرح کی روایت مروی ہے۔ [2]

جرائم کو مخفی رکھنے، ساقط، معاف وسفارش سے متعلق چند احکام

اب جرائم کے مخفی رکھنے اور قانونی سزاؤں اور حدود وقصاص یا تعزیرات کے معاف، ساقط یا سفارش کرنے سے متعلق چند احکام ذکر کیے جاتے ہیں۔

(۱)...... جن گناہوں پر حدود مقرر ہیں، اُن میں سے کوئی گناہ سرزد ہو جانے پر خود سے اُن کا حاکم کے سامنے اقرار کرنا یا کسی کو اس طرح کے گناہ میں مبتلا دیکھ کر حاکم کے سامنے اس کے متعلق گواہی دینا ضروری نہیں، بلکہ عام حالات میں اُن کی پردہ پوشی کرنا افضل ہے، اور ایسی صورت میں اللہ کے سامنے توبہ واستغفار پر اکتفاء کرنا، اور اگر کسی کی حق تلفی لازم آ گئی ہو، تو اُس کے حق کی ادائیگی کرنا یا اُس سے معافی طلب کرنا کافی ہے۔

البتہ اگر کوئی شخص ایسا ہو، کہ جو بار بار جرائم کا ارتکاب کرتا ہو، اور گناہوں کے ذکر پر شرمندہ بھی نہ ہوتا ہو، تو ایسے شخص کے جرم پر پردہ ڈالنے کے بجائے اس کی حاکم کے سامنے گواہی دینا افضل ہے۔

اسی طرح اگر کسی کے گواہی نہ دینے سے کسی کی حق تلفی لازم آتی ہو (مثلاً دوسرے کی چوری کی ہوئی چیز مالک کو واپس نہ ملتی ہو)، اور صاحبِ حق گواہی کا مطالبہ

---

[1] عن إبراهيم أن عمر بن الخطاب قال ادرؤا الحدود ما استطعتم (مصنف عبد الرزاق، رقم الحديث ۱۳۶۴۱)

[2] عن حماد عن إبراهيم قال كان يقال ادرؤا الحدود عن المسلمين ما استطعتم فإذا وجدتم للمسلم مخرجا فادرؤا عنه فإنه أن يخطأ حاكم من حكام المسلمين فى العفو خير من أن يخطأ فى العقوبة (مصنف عبد الرزاق، رقم الحديث ۱۸۶۹۸)

www.idaraghufran.org

کرے،تو پھر گواہی دینا ضروری ہوجاتا ہے۔ [1]

(۲)......عدالت میں ثبوت کے بعداوراس سے پہلے مقتول کے ورثاء یا مظلوم کو قصاص اور دیت کو معاف یا حاکم وغیرہ کو معافی کی سفارش کرنے کا اختیار حاصل ہے، کیونکہ قصاص ودیت خالص بندہ کا حق ہے،اور معاف کردینا افضل ہے،مگر معاف کرنے کا یہ اختیار کسی اور کو حاصل نہیں۔ [2]

(۳)...... قصاص کے علاوہ حدود کے جرائم کے عدالت میں پہنچنے سے پہلے مظلوم کو یہ اختیار حاصل ہے کہ ان جرائم کو معاف کردے،اور دوسرے کی طرف سے مظلوم کو معافی ودرگزر کرنے کی سفارش واپیل کرنا بھی جائز ہے،خواہ مظلوم سے کی جائے،جس کی حق تلفی لازم آئی ہے،مثلاً جس کا مال چوری ہوا ہے، یا اگر کوئی مظلوم نہ ہو،تو گواہوں سے کی جائے ،مثلاً شراب نوشی کے معاملہ میں،

---

[1] نص فقهاء المذاهب على أنه يجوز فى الحدود الشهادة والستر، لكن الستر أفضل فيما كان حقا لله عز وجل، واستدلوا بقول النبى صلى الله عليه وسلم :(من ستر مسلما ستره الله يوم القيامة) وبقوله عليه الصلاة والسلام (لو سترته بثوبك كان خيرا لک) . واستثنوا من ذلک المتهتک الذى لا يبالى بإتيان المحظورات ولا يتألم لذكره بالمعاصى .وقال الفقهاء :يقول الشاهد على السرقة :أخذ، لا سرق، إحياء للحق ورعاية للستر .وإذا طعن فى الشهود يجوز أن يسأل عنهم القاضى جهرا أو سرا على المفتى به عند الحنفية .وقال المالكية :إن الشاهد مخير فى الرفع إلى القاضى أو الترک، إلا فى الحدود فالترک فيها أولى، لما فيه من الستر المطلوب فى غير المتجاهر بفسقه، وأما المجاهر فيرفع أمره .وكون الترک مندوبا هو قول لبعض المالكية، وفى المواق :ستر الإنسان على نفسه وعلى غيره واجب، وحينئذ يكون ترک الرفع واجبا .وقال صاحب الطريقة المحمدية من الحنفية :ما وقع فى مجلس مما يكره إفشاؤه إن لم يخالف الشرع يجب كتمانه .وإن خالف الشرع، فإن كان حقا لله تعالى، ولم يتعلق به حكم شرعى، كالحد والتعزير فكذلک، وإن تعلق به حكم شرعى فلک الخيار، والستر أفضل كالزنا وشرب الخمر. وإن كان حق العبد، فإن تعلق به ضرر لأحد مالى لا بدنى، أو حكم شرعى كالقصاص والتضمين، فعليک الإعلام إن جهل، والشهادة إن طلب، وإلا فالكتم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۵، ۲۹۴، و۲۹۵، ما يجوز فيه الستر والإفشاء ، والستر أفضل، مادة "إفشاء السر")

[2] وبخلاف القصاص فإنه وإن كان عقوبة مقدرة لكنه يجب حقا للعبد، حتى يجرى فيه العفو والصلح (بدائع الصنائع، ج۷، ص۳۳، كتاب الحدود)

اور افضل طریقہ کون سا ہے؟ اس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ ۱؎
لیکن حاکم کے پاس جرم پہنچنے اور اعتراف واقرار یا گواہوں سے ثبوت کے بعد معاف وساقط کرنے یا سفارش کرنے کا کسی کو حق نہیں۔ ۲؎

۱؎ اگر مقدمہ عدالت میں پہنچ گیا، لیکن ابھی باضابطہ طریقہ پر جرم ثابت نہیں ہوا، تب بھی ظاہر یہ ہے کہ معاف ودرگزر کرنا یا معافی ودرگزر کی سفارش کرنا جائز ہے۔

وأما قبل الوصول إليه والثبوت عنده فتجوز الشفاعة عند الرافع له إلى الحاكم ليطلقه؛ لأن وجوب الحد قبل ذلک لم يثبت، فالوجوب لا يثبت بمجرد الفعل بل على الإمام عند الثبوت عنده كذا فى الفتح.

وظاهره جواز الشفاعة بعد الوصول للحاكم قبل الثبوت عنده، وبه صرح ط عن الحموى (ردالمحتار، ج۴، ص۴، كتاب الحدود)

(قوله لا الحد) فلا تجوز الشفاعة فيه بعد الوصول للحاكم أما قبل الوصول إليه والثبوت عنده فتجوز الشفاعة عند الرافع له إلى الحاكم ليطلقه؛ لأن الحد لم يثبت كما فى البحر.

وفى البيرى قال الأكمل فى حديث اشفعوا تؤجروا ولا يتناول الحديث الحدود فتبقى الشفاعة لأرباب الحوائج المباحة كدفع الظلم أو تخليص خطأ وأمثالهما (ردالمحتار، ج٦، ص ۵۴۹ كتاب الجنايات، فصل فيما يوجب القود وما لا يوجبه)

لا خلاف بين جمهور الفقهاء فى أنه لا تجوز الشفاعة فى الحدود بعد وصولها للحاكم، والثبوت عنده، لأنه طلب ترک الواجب ....وأما قبل الوصول إليه، فعند جمهور الفقهاء تجوز الشفاعة عند الرافع له إلى الحاكم ليطلقه، لأن وجوب الحد قبل ذلک لم يثبت .فالوجوب لا يثبت بمجرد الفعل.

وقال مالک :إن عرف بشر وفساد فلا أحب أن يشفع له أحد، ولكن يترک ليقام عليه الحد (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۱۳۳، مادة "حدود"، عدم جواز الشفاعة فى الحدود)

۲؎ يختلف الحكم التكليفى للعفو باختلاف ما يتعلق به الحق، فإن كان الحق خالصا للعبد فإنه يستحب العفو عنه، وإن كان حقا لله سبحانه وتعالى كالحدود مثلا، فإنه لا يجوز العفو عنه بعد رفع الأمر إلى الحاكم. وإن كان الحق لله تعالى فى غير الحدود فإنه يقبل العفو فى الجملة للأسباب التى يعتبرها الشارع مؤدية إلى ذلک تفضلا منه ورحمة ورفعا للحرج(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۰ص۱٦۸، مادة "عفو")

العفو فى الحدود:يرى الفقهاء أن الحد الواجب لحق الله تعالى لا عفو فيه ولا شفاعة ولا إسقاط إذا وصل إلى الحاكم وثبت بالبينة.وللتفصيل انظر مصطلحى :(حد وتعزير).

واتفقوا على أن حد الزنا والسرقة من حقوق الله تعالى واختلفوا فى حد القذف . وذكر الحنفية أن حد الزنا والسكر والسرقة لا يحتمل العفو أو الصلح أو الإبراء بعدما ثبت بالحجة؛ لأنه حق الله تعالى خالصا، لا حق للعبد فيه فلا يملک إسقاطه، وأما حد القذف إذا ثبت بالحجة فكذلک لا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۴)......اکثر فقہائے کرام کے نزدیک حدود وقصاص کی سزائیں مجرم کے توبہ کرنے سے ساقط نہیں ہوتیں، البتہ ڈاکہ زنی کی سزا توبہ کرنے سے ساقط ہو جاتی ہے، جبکہ ڈاکو نے توبہ قابو پانے سے پہلے کی ہو، اور مرتد ہونے کی سزا بہرحال قابو پانے اور عدالت میں ثبوت کے بعد بھی توبہ کرنے سے ساقط ہو جاتی ہے۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يجوز العفو عنه أو الإبراء أو الصلح، وكذلك إذا عفا المقذوف قبل المرافعة أو صالح على مال فذلك باطل ويرد بدل الصلح. ومذهب المالكية فى حد القذف كما قال أصبغ: سمعت ابن القاسم يقول: لا يجوز عفو أحد عن أحد بعد أن يبلغ الإمام إلا ابن فى أبيه والذى يريد سترا، وقد قال مالك: إذا زعم المقذوف أنه يريد سترا فعفا

إن بلغ الإمام لم يقبل ذلك حتى يسأل عنه سرا، فإن خشى أن يثبت القاذف ذلك عليه أجاز عفوه، وإن أمن ذلك عليه لم يجز عفوه.

أما قبل بلوغ الإمام فجائز عند مالك العفو فى رواية ابن القاسم عنه وابن وهب وابن عبد الحكم، وروى أشهب أنه ليس بلازم، وقال الشافعية وكذلك الحنابلة فى حد القذف بصحة العفو فيه؛ لأن الغالب فيه حق العبد فيسقط بالعفو عنه، لما روى أن النبى صلى الله عليه وسلم قال: أيعجز أحدكم أن يكون مثل أبى ضمضم كان إذا أصبح قال: تصدقت بعرضى والتصدق بالعرض لا يكون إلا بالعفو عما يجب له؛ ولأنه لا خلاف أنه لا يستوفى إلا بمطالبته فكان له العفو كالقصاص(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۰ ص ۱۸۴، ۱۸۵، مادة "عفو")

[۱] لا خلاف بين الفقهاء فى أن حد قطاع الطريق والردة يسقطان بالتوبة إذا تحققت توبة القاطع قبل القدرة عليه، وكذلك حد ترك الصلاة عند من اعتبره حدا، وذلك لقوله تعالى: إلا الذين تابوا من قبل أن تقدروا عليهم فاعلموا أن الله غفور رحيم.

وذهب جمهور الفقهاء إلى أن بقية الحدود بعد رفعها إلى الحاكم لا تسقط بالتوبة، أما قبل ذلك: فذهب الحنفية والشافعية فى مقابل الأظهر، والحنابلة فى رواية إلى أن الحد يسقط بالتوبة.

وذهب المالكية والشافعية فى الأظهر، والحنابلة فى رواية أخرى إلى أنه لا يسقط بالتوبة ولو كان قبل الرفع إلى الإمام. لئلا يتخذ ذلك ذريعة إلى إسقاط الحدود والزواجر (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۷، ص ۱۳۳، وص ۱۳۴، مادة "حدود"، أثر التوبة على الحدود)

إذا تاب العصاة ما عدا المحاربين من شاربى الخمر والزناة والسراق، فلا يسقط الحد عند الحنفية والمالكية والشافعية فى الأظهر عندهم، وذلك سواء بعد رفع الأمر إلى الحاكم أو قبله؛ لأن الرسول صلّى الله عليه وسلم لم يسقط الحد عن ماعز، حينما جاءه، وأقر بالزنى، ولا شك أنه لم يأت، إلا وهو تائب، ونحوه من الحدود، فإنه لم يرد نص فى إسقاط الحد عن هؤلاء. واستثنى الكاسانى فى البدائع حد السرقة العادية، فإنه يسقط بتوبة السارق قبل أن يظفر الحاكم به، وبشرط رد المال إلى صاحبه. وقال ابن عابدين: الظاهر أن التوبة لا تسقط الحد الثابت عند الحاكم بعد

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مگر یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ اگر ڈاکو نے ڈاکہ کے دوران کوئی اور ایسا فعل کیا ہو، جو مستقل حد واجب ہونے کا سبب ہے، مثلاً زنا کیا ہو، تو بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک اس دوسرے جرم کی سزا توبہ سے ساقط نہیں ہوگی۔ [1]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

الرفع إليه .أما قبله فيسقط الحد بالتوبة حتى فى قطاع الطرق، سواء أكان قبل جناياتهم أم بعدها. وقال أحمد فى أظهر الروايتين عنه :التوبة تسقط الحد عنهم من غير اشتراط مضى الزمان، لقوله صلّى الله عليه وسلم :التائب من الذنب كمن لا ذنب له وقوله عليه الصلاة والسلام :التوبة تجبُّ ما قبلها، ولأن فى إسقاط الحد ترغيباً فى التوبة، وذلک ما عدا حد القذف، فإنه لا يسقط لأنه حق آدمى .وبه يظهر أنه ليس هناک إجماع ـ كما زعم بعضهم ـ على أن التوبة لا تسقط الحد فى الدنيا . أما حد المحاربة :فلا خلاف بين العلماء كما تقدم :أن قطاع الطرق إن تابوا قبل القدرة عليهم، فتسقط عنهم حدود الله تعالى، لقوله سبحانه فى آية المحاربين :(إلا الذين تابوا من قبل أن تقدروا عليهم، فاعلموا أن الله غفور رحيم (المائدة) (الفقه الاسلامى وادلته للزحيلى، ج۷، ص ۵۵۲۳ الیٰ ص ۵۵۲۵، إسقاط الحدود بالتوبة)

[1] ولا يسقط عن المحارب حد الزنى والشرب والسرقة إذا ارتكبها حال الحرابة ثم تاب قبل القدرة عليه عند المالكية والشافعية فى الأظهر، وهو احتمال عند الحنابلة، ومفهوم إطلاق الحنفية فى هذه الحدود .والمذهب عند الحنابلة وهو خلاف الأظهر عند الشافعية أنها تسقط عن المحارب إذا تاب قبل القدرة عليه لعموم الآية .أما حد القذف وما عليه من حقوق الآدميين من الأموال والجراح فلا تسقط عن المحارب كغير المحارب إلا أن يعفى له عنها.

أما فى غير المحاربة فإن الحدود المختصة بالله تعالى كحد الزنى والسرقة وشرب الخمر فلا تسقط بالتوبة عند الحنفية، وهو المشهور عند المالكية، والأظهر عند الشافعية، ورواية عند الحنابلة؛ لقوله تعالى :(الزانية والزانى فاجلدوا كل واحد منهما مائة جلدة) وقوله سبحانه: (والسارق والسارقة فاقطعوا أيديهما) وهذا عام فى التائبين وغيرهم؛ ولأن النبى صلى الله عليه وسلم رجم ماعزا والغامدية، وقطع الذى أقر بالسرقة، وقد جاء وا تائبين يطلبون التطهير بإقامة الحد، وقد سمى رسول الله صلى الله عليه وسلم فعلهم توبة فقال فى حق المرأة :لقد تابت توبة لو قسمت على سبعين من أهل المدينة لوسعتهم.

والرأى الثانى وهو خلاف الأظهر عند الشافعية وهو رواية عند الحنابلة ورأى لبعض المالكية أنه إن تاب من عليه حد من غير المحاربين يسقط عنه الحد لقوله تعالى :(واللذان يأتيانها منكم فآذوهما فإن تابا وأصلحا فأعرضوا عنهما) وذكر حد السارق ثم قال :(فمن تاب من بعد ظلمه وأصلح فإن الله يتوب عليه). على أن بعض الفقهاء فرقوا بين التوبة من هذه الجرائم قبل الرفع للإمام وبعده فيقولون بإسقاط التوبة لها قبل الرفع لا بعده. كما فصل فى مصطلحاتها،وقد تقدم أن عقوبة الردة تسقط بالتوبة قبل الرفع وبعده (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۴، ص ۱۳۰، وص ۱۳۱، مادة ”توبة“، آثار التوبة)

www.idaraghufran.org

(۵)...... حدود کی سزائیں شبہات سے ساقط ہوجاتی ہیں، لہٰذا جب کسی حد کے ثبوت یا جرم کے کامل ہونے میں شبہ ہو، تو حد قائم نہیں کی جائے گی، البتہ تعزیر کی جائے گی، جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ [1]

(۶)...... جب کوئی حد کسی مجرم کے صرف اقرار واعتراف کرنے سے ثابت ہو، اکثر فقہائے کرام کے نزدیک مجرم کے رجوع کرنے سے یہ ساقط ہوجاتی ہے۔

البتہ حدِ قذف مجرم کے رجوع کرنے سے ساقط نہیں ہوتی۔ [2]

(۷)...... اگر کسی پر حد کا ثبوت گواہوں کے ذریعہ سے ہوا ہو، لیکن حد قائم ہونے سے پہلے وہ گواہ فوت ہوجائیں، یا اُن میں سے کوئی گواہ فوت ہوجائے، اور گواہی

---

[1] أجمع الفقهاء على أن الحدود تدرأ بالشبهات .والشبهة ما يشبه الثابت وليس بثابت، سواء كانت فى الفاعل :كمن وطء امرأة ظنها حليلته .أو فى المحل :بأن يكون للواطء فيها ملك أو شبهة ملك كالأمة المشتركة .أو فى الطريق :بأن يكون حراما عند قوم، حلالا عند آخر . وفى الموضوع تفصيل يرجع إلى "شبهة ."والأصل فى ذلك قوله صلى الله عليه وسلم :ادرء وا الحدود بالشبهات وفى حديث عائشة رضى الله تعالى عنها :ادرء وا الحدود عن المسلمين ما استطعتم، فإن كان له مخرج فخلوا سبيله، فإن الإمام أن يخطء فى العفو خير من أن يخطء فى العقوبة. والحديث المروى فى ذلك متفق عليه، وتلقته الأمة بالقبول (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷ ص ۱۳۴، مادة "حدود"، سقوط الحدود بالشبهة)

[2] إذا ثبتت الحدود بالإقرار، فلا خلاف بين جمهور الفقهاء فى أنها تسقط بالرجوع، إذا كان الحد حقا لله تعالى .والحدود تندرء بالشبهات، لما روى أن ماعزا لما أقر بين يدى رسول الله صلى الله عليه وسلم بالزنى، لقنه الرجوع ، فلو لم يكن محتملا للسقوط بالرجوع ما كان للتلقين فائدة. ولأنه يورث الشبهة، والرجوع عن الإقرار قد يكون نصا، وقد يكون دلالة، بأن يأخذ الناس فى رجمه، فيهرب ولا يرجع، أو يأخذ الجلاد فى الجلد فيهرب، ولا يرجع، فلا يتعرض له، لأن الهرب فى هذه الحالة دلالة الرجوع.

واستثنوا حد القذف، فإنه لا يسقط بالرجوع، لأنه حق العبد، وهو لا يحتمل السقوط بالرجوع بعدما ثبت كالقصاص.

وإذا ثبت الحد بالبينة أو الحمل فى الزنى -عند من يقول به -لم يسقط بالرجوع

ويسقط الحد برجوع الشهود كلهم أو بعضهم إذا كان الباقى أقل من النصاب بعد القضاء ، قبل الإمضاء .وتفصيل ذلك فى "كتاب الشهادات "من كتب الفقه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷ ص ۱۳۴، وص ۱۳۵، مادة "حدود"، سقوط الحدود بالرجوع عن الإقرار)

www.idaraghufran.org

کا نصاب پورا نہ رہے، تو حنفیہ سمیت بعض فقہائے کرام کے نزدیک اس صورت میں بھی حد ساقط ہوجاتی ہے۔ [1]

(۸)......حد کے علاوہ جو سزا تعزیر کے طور پر ہو، اُس میں حاکم کو معاف کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے یا نہیں؟ اس میں فقہائے کرام کی آراء مختلف ہیں۔ [2]

---

[1] اور اگر مثلاً زنا کا ثبوت کسی کے اقرار سے ہوا ہو، لیکن مزنی بہا، مُقِر کی تکذیب کرے، تو بھی بعض فقہائے کرام کے نزدیک حد ساقط ہوجاتی ہے۔

سقوط الحدود بموت الشهود: يسقط حد الرجم خاصة بموت الشهود عند من يشترطون لإقامة الحد البداية بالشهود وهم الحنفية -لأن بالموت قد فاتت البداية على وجه لا يتصور عوده، فسقط الحد ضرورة.

سقوط الحدود بالتكذيب وغيره: تكذيب المزنى بها للمقر بالزنى قبل إقامة الحد عليه، وتكذيب المقذوف شهوده على القذف، وهى البينة بأن يقول :شهودى زور، وادعاء النكاح والمهر قبل إقامة حد الزنى تعتبر من مسقطات الحدود عند الحنفية، وقد فصلت فى أبوابها .و (ر :زنى، قذف) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٧، ص١٣٥، مادة"حدود"، سقوط الحدود بموت الشهود)

[2] ثالثا -العفو فى التعزير:اختلف الفقهاء فى العفو فى التعزير، فقال الحنفية :إن للإمام العفو فى التعزير الواجب حقا لله تعالى، بخلاف ما كان لجناية على العبد فإن العفو فيه للمجنى عليه ، وقال المالكية :إن كان الحق لله وجب كالحدود، إلا أن يغلب على ظن الإمام أن غير الضرب من الملامة والكلام مصلحة، وقال القرافى : يجوز العفو عن التعزير والشفاعة فيها إذا كان لحق آدمى، فإن تجرد عن حق الآدمى وانفرد به حق السلطنة كان لولى الأمر مراعاة حكم الأصلح فى العفو والتعزير.وقال الماوردى فى الفرق بين الحد والتعزير :إن الحد لا يجوز فيه العفو والشفاعة، لكن يجوز فى التعزير العفو عنه وتسوغ الشفاعة فيه، فإن تفرد التعزير بحق السلطنة وحكم التقويم ولم يتعلق به حق لآدمى جاز لولى الأمر أن يراعى الأصلح فى العفو أو التعزير، وجاز أن يشفع فيه من سأل العفو عن الذنب، روى عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه قال :اشفعوا تؤجروا، ويقضى الله على لسان نبيه ما شاء ولو تعلق بالتعزير حق لآدمى كالتعزير فى الشتم والمواثبة ففيه حق للمشتوم والمضروب، وحق السلطنة للتقويم والتهذيب فلا يجوز لولى الأمر أن يسقط بعفو حق المشتوم والمضروب، وعليه أن يستوفى له حقه من تعزير الشاتم والضارب، فإن عفا المضروب والمشتوم كان ولى الأمر بعد عفوهما على خياره فى فعل الأصلح من التعزير تقويما والصفح عنه عفوا، فإن تعافوا عن الشتم والضرب قبل الترافع إليه سقط التعزير لآدمى، واختلف فى سقوط حق السلطنة عنه والتقويم على وجهين:أحدهما :أنه يسقط، وليس لولى الأمر أن يعزر فيه قياسا على حد القذف وهو يسقط بالعفو.والثانى، وهو الأظهر أن لولى الأمر أن يعزر فيه قبل الترافع إليه، كما يجوز فيه مع العفو بعد الترافع إليه، ونحوه عن أبى يعلى الفراء.وللتفصيل ينظر مصطلح :(تعزير) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٠ص١٨٥، ١٨٦، مادة "عفو")

(۹)...... اگر جرم ایسا ہو کہ جس میں بندوں کا حق شامل نہ ہو، اور اس کی سزا کو معاف کر دیا جائے، تو تعزیر ساقط ہو جاتی ہے، اور اگر اس میں بندوں کا حق شامل ہو، تو پھر اس میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔ ۱

(۱۰)...... اگر کوئی تعزیر جاری ہونے والے جرم کے گناہ سے توبہ کر لے، تو بعض

---

۱ ب -سقوط التعزير بالعفو:

العفو جائز في التعزير إذا كان لحق الله تعالى، لقول الرسول صلى الله عليه وسلم :تجافوا عن عقوبة ذوى المروء ة إلا في حد من حدود الله.وقوله :أقيلوا ذوى الهيئات عثراتهم.وقوله في الأنصار :اقبلوا من محسنهم، وتجاوزوا عن مسيئهم، وقوله لرجل -قال له :إني لقيت امرأة فأصبت منها دون أن أطأها :-أصليت معنا؟ فرد عليه بنعم، فتلا قوله تعالى (إن الحسنات يذهبن السيئات)فالإمام له العفو.

وقيل :إنه لا يجوز العفو إذا تعلق التعزير بحق الله تعالى كما في تارك الصلاة .وقال الإصطخرى في رسالته :ومن طعن على أحد الصحابة، وجب على السلطان تأديبه، وليس له أن يعفو عنه .وقال البعض :إن ما كان من التعزير منصوصا عليه كوطء جارية امرأته، أو جارية مشتركة، يجب امتثال الأمر فيه، فهنا لا يجوز العفو عندهم، بل يجب التعزير، لامتناع تطبيق الحد.

وقال البعض :إن العفو يكون لمن كانت منه الفلتة والزلة، وفي أهل الشرف والعفاف، وعلى ذلك :فشخص الجاني له اعتبار في العفو.

وإذا كان التعزير لحق آدمي فقد قيل كذلك :إن لولي الأمر تركه، والعفو عنه، حتى ولو طلبه صاحب الحق فيه، شأنه في ذلك شأن التعزير الذى هو حق الله تعالى .وقيل :لا يجوز تركه عند طلبه، مثل القصاص، فليس لولي الأمر هنا تركه بعفو أو نحوه، وعلى ذلك أغلب الفقهاء .

وإذا عفا ولي الأمر عن التعزير فيما يمس المصلحة العامة، وكان قد تعلق بالتعزير حق آدمي كالشتم، فلا يسقط حق الآدمي، فعلى ولي الأمر الاستيفاء ؛ لأن الإمام ليس له -على الراجح -العفو عن حق الفرد.

وإذا عفا الآدمي عن حقه فإن عفوه يجوز، ولكن لا يمس هذا حق السلطة .وقد فرق الماوردى في هذا المجال بين حالتين:

أ -إذا حصل عفو الآدمي قبل الترافع، فلولي الأمر الخيار بين التعزير أو العفو.

ب -وإذا حصل بعد الترافع، فقد اختلف في العقاب عن حق السلطة على وجهين:

الأول :في قول أبي عبد الله الزبيرى يسقط بالعفو، وليس لولي الأمر أن يعزر فيه، لأن حد القذف أغلظ ويسقط حكمه بالعفو، فكان حكم التعزير لحق السلطة أولى بالسقوط.

والثاني -وهو الأظهر -أن لولي الأمر أن يعزر فيه مع العفو قبل الترافع إليه، كما يجوز له ذلك بعد الترافع مخالفة للعفو عن حد القذف في الموضعين؛ لأن التقويم من الحقوق العامة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۲، ص ۲۸۵، ۲۸۶، مادة "تعزير")

حضرات کے نزدیک اس کی تعزیری سزا ساقط نہیں ہوتی، اور بعض حضرات کے نزدیک حاکم کے پاس پہنچنے سے پہلے توبہ کرنے سے ساقط ہوجاتی ہے۔ [1]

(۱۱)...... اگر مجرم تعزیری سزا جاری ہونے سے پہلے فوت ہوجائے، تو اس سے تعزیر ساقط ہوجاتی ہے۔

البتہ اس کے ذمہ جو دوسرے کے مالی حقوق ہیں، وہ ساقط نہیں ہوتے۔ [2]

---

[1] اختلف الفقهاء فی أثر التوبة فی التعزیر : فعند الحنفیة والمالکیة وبعض الشافعیة والحنابلة : أنه لا تسقط العقوبة بالتوبة؛ لأنها کفارة عن المعصیة .وعند هؤلاء فی تعلیل ذلک :عموم أدلة العقوبة بلا تفرقة بین تائب وغیره عدا المحاربة .وفضلا عن ذلک فجعل التوبة ذات أثر فی إسقاط العقوبة یجعل لکل ادعاء ها، للإفلات من العقاب .وعند فریق آخر، منهم الشافعیة والحنابلة :أن التوبة قبل القدرة تسقط العقوبة قیاسا علی حد المحاربة، استنادا إلی ما ورد فی الصحیحین من حدیث أنس رضی الله عنه :کنت مع النبی صلی الله علیه وسلم فجاء رجل فقال :یا رسول الله، إنی أصبت حدا فأقمه علی، ولم یسأله عنه .فحضرت الصلاة فصلی مع النبی صلی الله علیه وسلم . فلما قضی النبی صلی الله علیه وسلم الصلاة قام إلیه الرجل، فأعاد قوله، فقال :ألیس قد صلیت معنا؟ قال نعم .قال :فإن الله عز وجل قد غفر لک ذنبک .وفی هذا دلیل علی أن الجانی غفر له لما تاب .وفضلا عن ذلک فإنه إذا جازت التوبة فی المحاربة مع شدة ضررها وتعدیه، فأولی التوبة فیما دونها .وهؤلاء یقصرون السقوط بالتوبة علی ما فیه اعتداء علی حق الله، بخلاف ما یمس الأفراد .وقال ابن تیمیة وابن القیم :إن التوبة تدفع العقوبة فی التعزیر وغیره، کما تدفعها فی المحاربة، بل إن ذلک أولی من المحاربة، لشدة ضررها، وهذا یعتبر مسلکا وسطا بین من یقول : بعدم جواز إقامة العقوبة بعد التوبة ألبتة .وبین مسلک من یقول :إنه لا أثر للتوبة فی إسقاط العقوبة ألبتة .ویترتب علی هذا الرأی :أن التعزیر الواجب حقا لله تعالی یسقط بالتوبة، إلا إذا اختار الجانی العقوبة لیطهر بها نفسه، فالتوبة تسقط التعزیر، علی شریطة ألا یطلب الجانی إقامته، وذلک بالنسبة لحقوق المصلحة العامة . واحتج القائلون بذلک بأن الله عز وجل جعل توبة الکفار سببا لغفران ما سلف واحتجوا بقوله تعالی :(قل للذین کفروا إن ینتهوا یغفر لهم ما قد سلف)وأن السنة علیه کذلک، ففی الحدیث :التائب من الذنب کمن لا ذنب له (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۱۲، ص۲۸۷،مادة "تعزیر"، سقوط التعزیر بالتوبة)

[2] سقوط التعزیر:تسقط العقوبة التعزیریة بأسباب، منها :موت الجانی، والعفو عنه، وتوبته.
أ -سقوط التعزیر بالموت :إذا کانت العقوبة بدنیة أو مقیدة للحریة فإن موت الجانی مسقط لها بداهة؛ لأن العقوبة متعلقة بشخصه، ومن ذلک :الهجر، والتوبیخ، والحبس، والضرب.أما إذا لم تکن العقوبة متعلقة بشخص الجانی بل کانت منصبة علی ماله، کالغرامة والمصادرة، فموت الجانی بعد الحکم لا یسقطها؛ لأنه یمکن التنفیذ بها علی المال، وهی تصیر بالحکم دینا فی الذمة، وتتعلق تبعا لذلک بترکة الجانی المحکوم علیه(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۱۲، ص۲۸۴،۲۸۵،مادة "تعزیر")

www.idaraghufran.org

اسلامی قانونی سزاؤں کی معافی ونفاذ میں اعتدال

جرائم اوران کی سزاؤں کے معاف اورسفارش کے جائز وناجائز ہونے کے متعلق اسلام کی جامع تعلیمات ذکر کی جاچکی ہیں، جن میں درگزر اور معاف کرنے یا معافی کی سفارش کرنے کے اس پہلو کو تو جائز قرار دیا گیا ہے، بلکہ حوصلہ افزائی کی گئی ہے، جس سے مجرموں کو جرائم پر جرأت نہ ہو، اور مجرموں کو سزاؤں کا ڈر باقی رہے، اور دوسرے کی حق تلفی بھی لازم نہ آئے، مثلاً قانونی وعدالتی طور پر جرم کے ثبوت سے پہلے اور جس پہلو میں مجرموں کو جرائم پر جرأت ہوتی ہو، اور فساد بڑھتا ہو، اس میں کوئی رُو رعایت نہیں رکھی گئی، مثلاً قانونی (Legal) و عدالتی (Court) طور پر جرم ثابت ہونے کے بعد۔

اسلام کی ان سزاؤں کا مقصود چونکہ مجرموں کو تنبیہ کرنا اور لوگوں کو جرائم سے ڈرانا ہے، اور جب ان سزاؤں سے مقصود مجرموں کو تنبیہ کرنا ہوا تو قانونی وعدالتی سزاؤں کا ڈر ہر ایک کو لگا ہوگا، اور کسی کو جرم کا ارتکاب کرنے کی ہمت نہ ہوگی، لیکن اگر عدالت میں ثبوت کے بعد بھی معافی وسفارش کی جازت دی جاتی تو بہت سے مجرم اس سہارے پر جرائم میں جرائت کرتے۔ یہ سب کچھ اسلام کی منصِفانہ وعادلانہ بلکہ معجزانہ تعلیمات کی برکت ہے، جس میں ذراسی افراط وتفریط سے خرابی اورنقصان لازم آجاتا ہے۔

چنانچہ بعض صورتوں میں تو مجرم کی رعایت کا کوئی لحاظ نہیں ہوتا، اور بعض صورتوں میں مجرموں کو پوری طرح ڈھیل مل جاتی ہے، اور دنیا کا امن وسکون خراب ہوجاتا ہے، اور شریعت کی معجزانہ تعلیمات کے بغیر اس باریک فرق کا لحاظ کرنا ناممکن ہے۔

یہی وجہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں اس سلسلہ میں لوگ مختلف قسم کی بے اعتدالیوں میں مبتلا ہیں، ایک طرف تو اسلام کی قانونی سزاؤں کو بڑا سخت سمجھا جاتا ہے، اور مجرموں کے ساتھ شریعت کی طرف سے دی جانے والی رعایتوں کی طرف توجہ نہیں کی جاتی، اور دوسری طرف اس حد

تک نرمی ورعایت برتی جاتی ہے کہ جس کے نتیجہ میں جرائم اور مجرموں کی حوصلہ افزائی میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

موجودہ آئین سے متعلق ملحوظہ

ملحوظ رہے کہ پاکستان کے آئین (Constitution) کے آرٹیکل پینتالیس 45 کے تحت صدرِ مملکت کوکسی عدالت وغیرہ کی طرف سے دی ہوئی سزا کو معاف کرنے یا اس میں تخفیف کرنے یا اسے معطل وتبدیل کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔

البتہ بعد میں صدارتی آرڈیننس کے ذریعے قتلِ عمد کے سلسلہ میں قاتل کو معافی دینے کا اختیار صدر سے واپس لے کر مقتول کے وارثان کو دے دیا گیا ہے، جو کہ مناسب وصحیح اقدام ہے، لیکن دیگر حدود کے بارے میں ابھی تک اس آرٹیکل میں ابہام نظر آتا ہے، کیونکہ قرآن و سنت سے معلوم ہو چکا کہ شرعاً چوری وغیرہ کی سزا کے بارے میں بھی عدالت سے ثبوت کے بعد صدر وغیرہ کو معافی یا تبدیلی کا اختیار نہیں ہونا چاہئے۔[1]

ورنہ مقتدر شخصیات کو اس سے استثناء حاصل ہونے کا موقع ملنے کی وجہ سے فسادات اور جرائم ختم نہیں ہوسکتے، جیسا کہ آج کل حالات ہیں کہ سیاسی ومقتدر شخصیات بڑے بڑے جرائم کے بعد بھی بے خوف وخطر دندناتی پھرتی ہیں، اور اگر عدالت سے ان کے خلاف فیصلہ ہوجائے، تو اپنے اثر ورسوخ کو استعمال کرکے صدر کی معافی پر چھٹکارا حاصل کر لیتی ہیں، اور یہ کوئی صرف کاغذی بات نہیں، بلکہ حقائق پر مبنی ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

---

[1] اور پاکستان کے قانون کے قرآن وسنت کے مطابق ہونے کی ''دستورِ پاکستان'' میں صراحت موجود ہے، جس کی عبارت ہم نے اس کتاب کے مقدمہ کے حاشیہ میں نقل کردی ہے۔

www.idaraghufran.org

(فصل نمبر۱۰)

حکومت کو عوام کی جاسوسی کرنے کی ممانعت

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا کہ اسلام کے قوانین انتہائی حکیمانہ ہیں، جن کا دنیا کا کوئی قانون مقابلہ نہیں کرسکتا، اوراس کی وجہ یہ ہے کہ یہ قوانین اللہ ربُّ العزت کی طرف سے مقرر اور طے کئے ہوئے ہیں، اس لئے وہ معجزانہ ہیں، اسلام کے ان معجزانہ قوانین میں سے ایک پاکیزہ قانون یہ ہے کہ ایک کو دوسرے کا تجسس وجاسوسی کرنے کی ممانعت کی گئی ہے، اور بطورِ خاص حکمرانوں کو رعایا کا تجسس کرنے سے منع کیا گیا ہے، اوراسے فتنہ وفساد کا باعث قرار دیا گیا ہے، اور اگرچہ حکمرانوں کی طرف سے عوام ورعایا کا تجسس کرنے کی برائی اوّل وہلہ میں معلوم نہ ہو، لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی عوام اور رعایا کا تجسس کرنا بڑے بڑے فتنوں اور فسادات کا باعث ہے، چنانچہ دنیا بھر کی ایجنسیوں کے خفیہ تجسس اور ان کی کاروائیوں سے جو تقریباً ہر ملک میں فتنہ وفساد برپا ہے، وہ اہلِ نظر سے مخفی نہیں۔

اس لئے تجسس اور خفیہ ایجنسیوں کا موجودہ ومروّجہ جاسوسی (Intelligence and curiosity) کا نظام عام حالات میں اسلام کے اصولوں سے میل نہیں کھاتا؛ البتہ مخصوص حالات میں بوقتِ ضرورت اور بقدرِ ضرورت اس کی محدود سطح تک اجازت دی جاسکتی ہے، لیکن ظاہر ہے کہ وہ مخصوص استثنائی محدود صورتیں ہیں، جبکہ موجودہ اور مروّجہ خفیہ ایجنسیوں کا دائرہ اوراس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے فتنے وفسادات کی داستان بڑی طویل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَّأْكُلَ لَحْمَ

أَخِيُـهِ مَيْتًـا فَـكَـرِهْـتُـمُـوْهُ وَاتَّـقُـوا اللّٰـهَ إِنَّ اللّٰـهَ تَوَّابٌ رَحِيُمٌ (سورة الحجرات، رقم الآية ١١ و ١٢)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم بہت سے گمان قائم کرنے سے بچو، کیونکہ بعض گمان گناہ ہیں، اور تم تجسس نہ کرو، اور تم میں سے بعض بعض کی غیبت نہ کریں، کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھائے، اس کو تم ناپسند کرتے ہو، اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ بہت معاف کرنے والا رحیم ہے (سورہ حجرات)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيُهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ، فَإِنَّ الظَّنَّ أَكُذَبُ الْحَدِيُثِ، لَا تَجَسَّسُوْا، وَلَا تَحَسَّسُوْا، وَلَا تَنَافَسُوْا، وَلَا تَنَاجَشُوْا، وَلَا تَدَابَرُوْا، وَلَا تَبَاغَضُوْا، وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ إِخْوَانًا (مسند احمد) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے آپ کو بدگمانی سے بچاؤ، کیونکہ بدگمانی بدترین جھوٹ ہے، اور تم ایک دوسرے (کے عیبوں) کا تجسس نہ کرو، اور ایک دوسرے کی باتیں نہ سنو، اور (دنیا کے معاملات میں) ایک دوسرے سے آگے نہ بڑھو، اور ایک دوسرے پر اپنی فوقیت وبرتری ظاہر نہ کرو، اور ایک دوسرے سے پیٹھ نہ پھیرو (یعنی اعراض نہ کرو) اور ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو، اور تم اللہ کے بندے بھائی بھائی ہو جاؤ (مسند احمد، بخاری)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعُتُ رَسُوُلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيُهِ وَسَلَّمَ يَقُوُلُ: إِنَّكَ اِنِ اتَّبَعُتَ

---

[1] رقم الحديث ٧٨٥٨، و اللفظ لهٗ، بخاری، رقم الحديث ٦٠٦٦.
فی حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط الشيخين.

عَوْرَاتِ النَّاسِ، أَفْسَدْتَهُمْ، أَوْ كِدْتَ أَنْ تُفْسِدَهُمْ(ابنِ حبان) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اگر آپ لوگوں کے عیبوں کی ٹوہ (وتجسس) میں پڑیں گے، تو آپ ان میں فساد پیدا کردیں گے، یا قریب ہے کہ آپ ان میں فساد پیدا کردیں (ابن حبان، ابوداؤد)

مطلب یہ ہے کہ لوگوں کا تجسس کرنے اور ان کے خفیہ اور راز والے عیبوں کی ٹوہ میں پڑنے سے انسان دوسروں سے بدگمانی اور بدزبانی میں مبتلا ہوکر فساد پیدا کردیتا ہے، اور اگر دوسرے اس کے ماتحت ہوں تو ان کو دنیا میں اپنے ساتھ لے کر چلنا بھی مشکل ہوجاتا ہے۔

اور اس بات کا تجربہ اور مشاہدہ بھی ہے کہ جب انسان کسی دوسرے کا تجسس کرتا ہے اور اس کے عیبوں کی ٹوہ میں لگتا ہے تو اس سے بدگمانی، واختلاف اور قطع تعلقی پیدا ہوجاتی ہے، اور بعض اوقات یہ بدگمانی انتہائی شدت اختیار کرجاتی ہے، اور قتل وقتال کی نوبت بھی آجاتی ہے۔ [2]

حضرت مقداد بن اسود اور ابواُمامہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ الْأَمِيْرَ إِذَا ابْتَغٰى الرِّيْبَةَ

---

[1] رقم الحديث ۵۷۶۰، كتاب الحظر والاباحة، باب الغيبة، ابو داود، رقم الحديث ۴۸۸۸، باب فى النهى عن التجسس.

فى حاشية ابن حبان : إسناده صحيح رجاله ثقات .

[2] (وعن معاوية قال :سمعت رسول الله -صلى الله عليه وسلم -يقول :إنك إذا اتبعت) من الاتباع ;أى تتبعت (عورات الناس) ; أى عيوبهم الخفية، وفى نسخة ابتغيت ;أى طلبت ظهور معايبهم وخللهم (أفسدتهم) ; أى حكمت عليهم بالفساد، أو أفسدت أمر المعاش والمعاد، والله رء وف بالعباد.

قال الطيبى رحمه الله :وإنما عم فى هذا الحديث بالخطاب بقوله :إنك ;وخص فى الحديث السابق بقوله :إن الأمير ;لئلا يتوهم أن النهى مختص بالأمير، بل لكل من يتأتى من اتباع العورات من الأمير وغيره، لو قلنا إن المخاطب معاوية ;على إرادة أنه سيصير أميرا فيكون معجزة لكان وجها وينصر هذا الوجه الحديث الخامس فى الفصل الثالث، رواه البيهقى، فى شعب الإيمان .

(مرقاة المفاتيح، ج۶ص ۲۴۱۴، كتاب الإمارة والقضاء)

فِی النَّاسِ أَفُسَدَهُمُ (مسند احمد، رقم الحديث ۲۳۸۱۵) [۱]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امیر (یعنی سربراہ وحکمران) جب لوگوں میں شک وشبہ (والی بات) کی ٹوہ (وتجسس) کرتا ہے تو ان میں فساد پیدا کردیتا ہے (مسند احمد)

سربراہ وحکمران کے اپنی رعایا اور ماتحتوں کا تجسس وجاسوسی کرنے، کرانے سے ان کی معاشی زندگی میں خلل واقع ہوتا ہے، اور خود تجسس کرنا اسلام میں پسند نہیں کیا گیا، اس لیے سربراہ و حکمران کو بطورِ خاص تجسس وجاسوسی سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اس حکم میں آج کل کے وہ تمام خفیہ تجسس کرنے والے ادارے بھی داخل ہیں، جو حکومتوں کی طرف سے مقرر ہوتے ہیں کہ اسلام میں اس طرزِ عمل کی حوصلہ افزائی نہیں کی گئی، لہٰذا صرف شدید ضرورت کے وقت ہی بقدرِ ضرورت اس کی اجازت ہوسکتی ہے، وسیع پیمانے پر پیشے اور مشغلے کے طور پر اس کی اجازت نہیں، جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے۔ [۲]

حضرت زید بن وہب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

أُتِـيَ ابُنُ مَسُعُوُدٍ فَقِيُلَ هٰذَا فُلَانٌ تَقُطُرُ لِحُيَتُهُ خَمُرًا، فَقَالَ عَبُدُاللّٰهِ: إِنَّا قَدُ نُهِيُنَا عَنِ التَّجَسُّسِ وَلٰـكِنُ إِنُ يَّظُهَرُ لَنَا شَيُءٌ نَأُخُذُ بِهٖ (ابوداؤد) [۳]

---

[۱] فی حاشیه مسند احمد: حدیث حسن.

[۲] (وعن أبي أمامة عن النبي -صلى الله عليه وسلم- قال: إن الأمير) وفي معناه الوزير (إذا ابتغى الريبة) بكسر أوله ;أي التهمة (في الناس) ، بأن طلب عيوبهم وتجسس ذنوبهم واتهمهم في تفحص أحوالهم، (أفسدهم) ; أي أفسد عليهم أمور معاشهم، ونظام معادهم ;لأن الإنسان قلما يخلو عن ذم، فلو أدبهم لكل قول وفعل بهم لشق الحال عليهم، بل ينبغي له ما أمكنه أن يستر عليهم، ألا ترى ما تقدم في الحدود من تلقين المعترف بالذنب دفعا لدرء الحد عنه، وقد قال -صلى الله عليه وسلم " :-من ستر أخاه المسلم ستره الله يوم القيامة "رواه أحمد عن رجل وفي حديث آخر "من ستر على مؤمن عورة فكأنما أحيا ميتا "رواه الطبراني والضياء عن شهاب (رواه أبو داود) وفي الجامع الصغير رواه أبو داود، والحاكم، عن جبير بن نفير، وكثير بن مرة، والمقدام وأبي أمامة(مرقاة المفاتيح ، ج۶،ص ۲۴۱۳ كتاب الإمارة والقضاء)

[۳] رقم الحديث ۴۸۹۰، كتاب الادب، باب في النهي عن التجسس.

www.idaraghufran.org

ترجمہ: حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص کو لایا گیا، اور کہا گیا کہ یہ فلاں شخص ہے، جس کی ڈاڑھی سے شراب ٹپک رہی ہے؛ تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمیں تجسُّس سے منع کیا گیا ہے، البتہ اگر کوئی چیز ہمارے سامنے (بغیر تجسُّس کے) ظاہر ہوجائے، تو ہم اُس کو اختیار کرتے (اور اس پر شریعت کا مقررہ حکم لگاتے) ہیں (ابوداؤد)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے کہ ''ہمیں تجسس سے منع کیا گیا ہے'' مراد یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔

اور مقصد یہ ہے کہ اسلام میں خود سے تجسُّس کر کے کسی کے عیوب کا پتہ چلانے سے منع کیا گیا ہے، جس میں موجودہ خفیہ تجسُّس کرنے والے ادارے بھی داخل ہیں، لیکن اگر تجسُّس کے بغیر کسی کا کوئی عیب ظاہر اور شرعی اصولوں کے مطابق ثابت ہوجائے، تو ہمیں اُس کے مطابق معاملہ کرنے کا حکم ہے۔ [1]

اور اس کی تائید حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک واقعہ سے بھی ہوتی ہے۔

---

[1] (وعن ابن مسعود رضى الله عنه أنه أتى) بالبناء للمجهول (برجل فقيل له هذا فلان تقطر لحيته خمرا) تمييز محول عن الحال، وكونه خمر لحيته لملابسته لها (قال إنا قد نهينا عن التجسس) يحتمل أن يكون مراده النهى عن ذلك فى القرآن، أو السنة أى :سمعه من النبى -صلى الله عليه وسلم -أيضا (ولكن إن يظهر لنا شىء نأخذ به) ونعامله بمقتضاه من حد أو تعزير (حديث صحيح رواه أبو داود بإسناد على شرط البخارى ومسلم) موقوف لفظا، مرفوع حكما لقوله نهينا .ومن المعلوم أن ذلك، إنما يسند إليه -صلى الله عليه وسلم :-وقول الصحابى أمرنا بكذا أو نهينا عن كذا، من الألفاظ المكنى بها عن الرفع عن المحدثين، كما تقرر فى علم الأثر.

باب النهى عن ظن السوء بالمسلمين من غير ضرورة.

كأن يظن بهم نقصا فى دين، أو مروءة من غير أن يدل لذلك دليل .وقوله من غير ضرورة، مخرج لما إن دعت إليه، كأن وقف مواقف التهم، أو بدا عليه علامة الريب.

قال الله تعالى :(يأيها الذين آمنوا اجتنبوا كثيرا من الظن) هو ظن السوء بأخيك المسلم (إن بعض الظن إثم) فكونوا على حذر، حتى لا توقعوا فيه (دليل الفالحين لطرق رياض الصالحين،تحت رقم الحديث ١٥٧٠، كتاب الأمور المنهى عنها، باب فى النهى عن سوء الظنّ بالمسلمين من غير ضرورة)

چنانچہ حضرت ابوقلابہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ عُمَرَ حُدِّثَ أَنَّ أَبَا مِحْجَنٍ الثَّقَفِيَّ يَشْرَبُ الْخَمْرَ فِيْ بَيْتِهٖ، هُوَ وَأَصْحَابٌ لَهٗ، فَانْطَلَقَ عُمَرُ حَتّٰى دَخَلَ عَلَيْهِ، فَإِذَا لَيْسَ عِنْدَهٗ إِلَّا رَجُلٌ، فَقَالَ أَبُو مِحْجَنٍ: يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ، إِنَّ هٰذَا لَا يَحِلُّ لَكَ، قَدْ نَهَى اللّٰهُ عَنِ التَّجَسُّسِ، فَقَالَ عُمَرُ: مَا يَقُوْلُ هٰذَا؟ فَقَالَ لَهٗ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ، وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْأَرْقَمِ: صَدَقَ يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ، هٰذَا مِنَ التَّجَسُّسِ، قَالَ: فَخَرَجَ عُمَرُ وَتَرَكَهٗ (مصنف عبد الرزاق) [1]

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بات بتلائی گئی کہ ابو محجن ثقفی (نام کا شخص) اپنے گھر میں کچھ لوگوں کے ساتھ شراب پی رہا ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ چل کر اُس کے گھر میں داخل ہوگئے، تو اُس کے پاس صرف ایک ہی آدمی تھا، ابو محجن نے کہا کہ اے امیرُ المومنین! آپ کے لئے ایسا کرنا حلال نہیں ہے (کہ کسی کے گھر میں داخل ہوں، اور تجسس کریں، کیونکہ) اللہ نے تجسُّس سے منع فرمایا ہے؛ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ کیا کہہ رہا ہے؟ تو حضرت عمر سے حضرت زید بن ثابت اور عبدالرحمٰن بن ارقم نے عرض کیا کہ امیرُ المؤمنین! اس نے سچ کہا، یہ تجسُّس میں داخل ہے (جو شرعاً ممنوع ہے)

یہ سُن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں سے نکل گئے، اور اس کو چھوڑ دیا (عبدالرزاق)

اس طرح کا واقعہ اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ١٨٩٤٣، كتاب اللقطة، باب التجسس.

[2] عن ابن طاوس ,عن أبيه ,أن عمر بن الخطاب خرج ليلة يحرس رفقة ,نزلت بناحية المدينة ,حتى إذا كان فى بعض الليل ,مر ببيت فيه ناس -قال :حسبت أنه قال -يشربون ,فنار بهم أفسقا أفسقا؟ فقال بعضهم :بلى، أفسقا أفسقا، قد نهاك الله عن هذا، فرجع عمر وتركهم (مصنف عبد الرزاق، رقم الحديث ١٨٩٤٢، باب التجسس)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اوراس مضمون کی تائید گزشتہ اُن احادیث سے بھی ہوتی ہے، جن میں لوگوں کے عیوب کی ٹوہ وجستجو میں لگنے سے منع کیا گیا ہے، اوراس کوفساد کا سبب قرار دیا گیا ہے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ صَوَّرَ صُوْرَةً فَإِنَّهُ يُعَذَّبُ حَتّٰى يَنْفُخَ فِيْهَا الرُّوْحَ وَلَيْسَ بِنَافِخٍ فِيْهَا الرُّوْحَ، وَمَنْ تَحَلَّمَ حُلُمًا كَاذِبًا كُلِّفَ أَنْ يَّعْقِدَ بَيْنَ شَعِيْرَتَيْنِ وَيُعَذَّبُ عَلٰى ذٰلِكَ، وَمَنِ اسْتَمَعَ إِلٰى قَوْمٍ وَهُمْ لَهُ كَارِهُوْنَ صُبَّ فِيْ أُذُنَيْهِ الْآنُكُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

(صحیح ابن حبان) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کوئی (جاندار چیز انسان، یا جانور کی) تصویر بنائی تو اس کواس وقت تک عذاب دیا جاتا رہے گا، جب تک کہ وہ اس میں روح نہ ڈال دے، اور وہ اس میں روح نہیں ڈال سکتا (اس لئے عذاب سے بھی آسانی سے جان چھوٹنے والی نہیں) اور جس نے کوئی جھوٹا خواب بیان کیا تو اس کواس چیز کا مکلّف کیا جائے گا کہ وہ جَو کے دانوں کے درمیان گرہ لگائے،

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

عن أبي جرير قال :(نهى عمر بن الخطاب -رضى الله عنه -الناس أن يوقدوا النار فى أخصاص القصب، وأن يجلسوا على النبيذ يعاقرونه، فأخبر بفتية من قريش قد جلسوا على النبيذ يعاقرونه وهم يوقدون النار فى أخصاص القصب، فجاء عمر بالدرة حتى قام عليهم فقال :يا أعداء الله نهيتكم عن أمرين فعصيتمونى، نهيتك أن توقدوا النار فى أخصاص القصب ففعلتم، ونهيتكم أن تجلسوا على النبيذ تعاقرونه فجلستم، فقام إليه رجل من قريش فقال :وأنت والله يا أمير المؤمنين قد عصيت الله فى أمرين أعظم مما عصيناه، أمرك أن تسلم وما سلمت، ونهاك عن التجسس فجسستنا، فقال عمر :ثنتين بثنتين اغفر فنغفر، قالوا :قد فعلنا ثم خرج.

قوله :يعاقرونه :أى يديرون الكأس ويداومون على الشرب والأخصاص :أى جمع خص وهو بيت يبنى من القصب (الترغيب والترهيب للاصبهانى، رقم الحديث ٦٨٨)

[1] رقم الحديث ٥٦٨٥، كتاب الحظر والاباحة، باب الاستماع المكروه وسوء الظن والغضب والفحش.

فى حاشية ابن حبان: إسناده صحيح على شرط البخارى.

www.idaraghufran.org

اوراس کواس پر عذاب دیا جائے گا(کیونکہ جَو کے دودانوں کے درمیان گرہ لگانا ممکن نہیں)اور جس نے کسی قوم کی بات کوسنا، جب کہ وہ اس کے سننے کو پسند نہیں کرتے تھے،تو قیامت کے دن اس کے کانوں میں سیسہ ڈالا جائے گا(ابن حبان)

معلوم ہوا کہ دوسرے کی بات کواس کی رضامندی کے بغیر چھپ کر سننا،خواہ براہِ راست ہو، یا کسی کا فون وغیرہ ریکارڈ کرکے ہو، یا کوئی تحریر پڑھ کر، یا موبائل فون وغیرہ میں کوئی پیغام یا مضمون پڑھ کر، یا دیکھ کر،تو یہ سخت عذاب کا باعث ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کاارشاد ہے کہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا .ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ.

فَإِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَا أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ وَإِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ أَزْكٰى لَكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ (سورة النور رقم الآية: ۲۷،۲۸)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اپنے گھر کے علاوہ کسی کے(بھی) گھر میں داخل مت ہو، جب تک کہ (اہلِ خانہ سے)اجازت طلب نہ کرلواور سلام نہ کرلو، یہ تمہارے لیے بہتر ہے تا کہ تم نصیحت پکڑو۔

پھر اگراس گھر میں تم کسی کو نہ پاؤ تو بھی اس میں داخل نہ ہو، یہاں تک کہ تمہیں (داخل ہونے کی) اجازت نہ دے دی جائے،اور اگر تمہیں کہا جائے کہ لوٹ جاؤ،تو تم لوٹ جایا کرو، یہی تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ ہے، اور اللہ تمہارے اعمال کوخوب جانتا ہے(سورۂ نور)

اس میں دوسرے کے گھر میں داخل ہوئے بغیر کسی آلہ ومشین وغیرہ سے گھر والوں کا تجسس کرنے کی ممانعت بھی داخل ہے۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَجُلًا اِطَّلَعَ فِيْ جُحْرٍ فِيْ بَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِدْرًى يَحُكُّ بِهٖ رَأْسَهٗ، فَلَمَّا رَآهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: لَوْ أَعْلَمُ أَنَّكَ تَنْتَظِرُنِيْ، لَطَعَنْتُ بِهٖ فِيْ عَيْنَيْكَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّمَا جُعِلَ الْإِذْنُ مِنْ قِبَلِ الْبَصَرِ (بخاری) [1]

ترجمہ: ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے سے گھر میں جھانکا اور اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اوزار تھا، جس سے اپنا سَر کھجلا رہے تھے، پس جب اُس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تو مجھے جھانک کر دیکھ رہا ہے تو میں اس کو تیری آنکھوں میں چبھو دیتا؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (گھر میں داخل ہونے کی) اجازت لینا دیکھنے ہی کی وجہ سے مقرر کیا گیا ہے (بخاری)

مطلب یہ ہے کہ کسی کے گھر میں داخل ہونے کے لیے اجازت طلب کرنے کا حکم شریعت نے اسی لیے مقرر کیا ہے، تاکہ کسی کی رازداری کی بات اور عیب پر مطلع نہ ہو، اور اس کی خلاف ورزی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا، جس سے کسی کے گھر اور خانگی ونجی معاملات کا تجسس کرنے کی ممانعت بھی معلوم ہوئی (فتح الباری لابن حجر، تحت رقم الحديث ۶۲۴۲، ج ۱۱، ص ۲۵، قوله باب الاستئذان من أجل البصر)

مذکورہ آیات، احادیث وروایات کے پیشِ نظر فقہائے کرام نے فرمایا کہ عام حالات میں حاکم کو بھی اپنی رعایا کا تجسس وجاسوسی کرنا اور کرانا جائز نہیں۔

البتہ اگر کسی معاملہ میں حاکم کے تجسس وجاسوسی نہ کرنے سے کسی بندہ کی کوئی بڑی حق تلفی لازم

---

[1] رقم الحديث ۶۹۰۱، كتاب الديات، باب من اطلع في بيت قوم.

www.idaraghufran.org

آتی ہو، تو پھر تجسس وجاسوسی کرنا یا کرانا گناہ نہیں، مثلاً کسی معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص کسی کو قتل کرنا چاہتا ہے، یا کسی عورت سے زنا یا کوئی اور فتنہ وفساد کرنا چاہتا ہے، تو اس کو باز رکھنے اور روکنے کے لیے تجسس وجاسوسی کرنا جائز ہے۔

لیکن صرف شک اور وہم کی وجہ سے کسی کا تجسس کرنا جائز نہیں۔ [1]

---

[1] تجسس الحاكم على رعيته: سبق أن الأصل تحريم التجسس على المسلمين لقوله تعالى :(يا أيها الذين آمنوا اجتنبوا كثيرا من الظن إن بعض الظن إثم ولا تجسسوا)

ويتأكد ذلك فى حق ولى الأمر لورود نصوص خاصة تنهى أولياء الأمور عن تتبع عورات الناس، منها ما رواه معاوية أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال له :إنك إن اتبعت عورات الناس أفسدتهم أو كدت أن تفسدهم فقال أبو الدرداء :كلمة سمعها معاوية من رسول الله صلى الله عليه وسلم نفعه الله بها .وعن أبى أمامة مرفوعا إلى النبى صلى الله عليه وسلم إن الأمير إذا ابتغى الريبة فى الناس أفسدهم.

ولكن للحاكم أن يتجسس على رعيته إذا كان فى ترك التجسس انتهاك حرمة يفوت استدراكها، مثل أن يخبره من يثق بصدقه أن رجلا خلا برجل ليقتله، أو امرأة ليزنى بها، فيجوز له فى هذه الحال أن يتجسس ويقدم على الكشف والبحث حذرا من فوات ما لا يستدرك من انتهاك المحارم وارتكاب المحظورات، وهكذا لو عرف ذلك قوم من المتطوعة جاز لهم الإقدام على الكشف والإنكار.

أما ما كان دون ذلك فى الريبة فلا يجوز التجسس عليه ولا كشف الأستار عنه .وقد حكى أن عمر دخل على قوم يتعاقرون على شراب ويوقدون فى أخصاص فقال :نهيتكم عن المعاقرة فعاقرتم، ونهيتكم عن الإيقاد فى الأخصاص فأوقدتم .فقالوا :يا أمير المؤمنين قد نهى الله عن التجسس فتجسست، وعن الدخول بغير إذن فدخلت .فقال :هاتان بهاتين وانصرف ولم يعرض لهم.

وقد اختلفت الرواية عن الإمام أحمد فيما ستر من المنكر مع العلم به هل ينكر؟ فروى ابن منصور وعبد الله فى المنكر يكون مغطى، مثل طنبور ومسكر وأمثاله فقال :إذا كان مغطى لا يكسر .ونقل عنه أنه يكسر.

فإن سمع أصوات الملاهى المنكرة من دار تظاهر أهلها بأصواتهم أنكره خارج الدار، ولم يهجم بالدخول عليهم، وليس عليه أن يكشف عما سواه من الباطن، وقد نقل عن مهنا الأنبارى عن أحمد أنه سمع صوت طبل فى جواره، فقام إليهم من مجلسه، فأرسل إليهم ونهاهم.

وقال فى رواية محمد بن أبى حرب فى الرجل يسمع المنكر فى دار بعض جيرانه قال :يأمره، فإن لم يقبل جمع عليه الجيران ويهول عليه .وقال الجصاص عند قوله تعالى :(ولا تجسسوا) نهى الله تعالى عن سوء الظن بالمسلم الذى ظاهره العدالة والستر، ثم قال :نهى الله تعالى عن التجسس، بل أمر بالستر على أهل المعاصى ما لم يظهر منهم إصرار .ثم روى أن ابن مسعود قيل له :هذا فلان تقطر لحيته خمرا، فقال عبد الله :إنا قد نهينا عن التجسس، ولكن إن يظهر لنا شىء نأخذ به (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٠، ص١٦٦، الىٰ ١٦٨، مادة "تجسس"،تجسس الحاكم على رعيته و تجسس المحتسب)

ملحوظ رہے کہ اسلام میں دوسرے کی عیب جوئی اور عیب فاش کرنے اور تجسس کرنے کی جو ممانعت ہے، اس میں موجودہ دور کے ذرائع ابلاغ بھی داخل ہیں، بلکہ ذرائع ابلاغ کی طرف سے اس طرح کی حرکات اسلام میں سنگین جرم کی حیثیت رکھتی ہیں، کیونکہ ان کی طرف سے اس طرح کی حرکات کے نتیجہ میں بیک وقت معاشرہ کا بڑا حصہ متاثر ہوتا ہے، اور موجودہ دور کے ذرائع ابلاغ کا دینِ اسلام کی ان تعلیمات کو نظر انداز کر کے ذرائع ابلاغ اور میڈیا کی آزادی کا نعرہ لگانا اسلام کی ان پاکیزہ تعلیمات کے خلاف ہے، جس کا شرعی اعتبار سے جرم ہونا تو واضح ہے ہی، قانونی طور پر بھی اس کو جرم قرار دینا چاہئے۔

اور اس سلسلہ میں ذرائع ابلاغ ومیڈیا کے لئے ضابطۂ اخلاق طے کرنا چاہئے، جس کی خلاف ورزی پر مناسب تعزیر مقرر کی جانی چاہئے، جس میں ایسی حرکات کے مرتکبین کو اپنے کام کو جاری رکھنے کی بندش بھی شامل ہے۔

ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اگر حکومت کی طرف سے عوام کی جا بجا جاسوسی کرنے اور ذرائع ابلاغ ومیڈیا کے جاسوسی کر کے لوگوں کے حالات نشر کرنے سے بچنے کا اہتمام کیا جائے، تو معاشرہ کے بے شمار فتنوں اور فسادات کا خاتمہ ہو جائے گا، اگرچہ ظاہر بینوں کو اس بات پر یقین نہ آئے، مگر اس کا تعلق تجربہ سے ہے، تجربہ کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ کوئی شبہ باقی نہ رہے گا۔

اللہ تعالیٰ حق کو سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین

(باب نمبر۶)

حکمرانوں کے حقوق اور عوام کی ذمہ داریاں

اسلام کی پاکیزہ تعلیمات میں جہاں ایک طرف حکمرانوں کی ذمہ داریوں اور حکومت کے حقوق وآداب کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، اور کسی پہلو میں ابہام نہیں چھوڑا گیا، اسی کے ساتھ دوسری طرف رعایا وعوام پر عائد ہونے والی ذمہ داریوں اور حکمرانوں کے حقوق وآداب کو بھی تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، اور اس کے کسی پہلو میں بھی ابہام نہیں چھوڑا گیا یہاں تک کہ احادیث میں اب سے ہزاروں سال پہلے اچھے اور بُرے مختلف قسم کے حکمرانوں کی پیشین گوئیاں بھی کردی گئی تھیں، تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آنے والے افراد کو اس سلسلہ میں کوئی ابہام نہ رہے، اور ایک طرف تو حکمرانوں کو اپنے اچھے برے ہونے میں امتیاز کرنا ممکن ہو، اور دوسری طرف عوام ورعایا کو بھی اچھے برے حکمرانوں کے پہچاننے میں مدد ملے۔
پھر عوام اور رعایا کی طرف سے مختلف قسم کے حکمرانوں کے ساتھ کس قسم کا رویہ اختیار کیا جائے؟ اور ان کے طرزِ عمل پر عوامی کیا ردِعمل اختیار کیا جائے؟ اور کس موقع پر کون سا طرزِ عمل اپنایا جائے، اور کون سا نہیں؟ اور اپنے مسائل کے حل کے لئے کون سا راستہ صحیح ہے، اور کون سا غلط ہے؟ ان سب پہلوؤں کی تفصیل کے ساتھ بغیر کسی ابہام اور بغیر کسی پیچیدگی کے وضاحت کردی گئی ہے، جن پر عمل کرنے سے دنیا میں پرسکون زندگی گزاری جاسکتی ہے، اور اپنے آخرت کے مقصود کو بھی کسی رکاوٹ کے بغیر پورا کیا جاسکتا ہے۔
مگر بدقسمتی سے اکثر مسلمان عوام کے علاوہ اہلِ علم کا بڑا طبقہ بھی اسلام کی ان پاکیزہ تعلیمات سے ناواقف ہے، اور ان پاکیزہ تعلیمات کے بجائے خودساختہ یا غیروں کے ایجاد کردہ طریقوں پر عمل پیرا ہے، جس کی وجہ سے روز بروز فتنوں میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔
اس لئے اب حکمرانوں کے اسلامی حقوق وآداب اور عوام کی ذمہ داریوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(فصل نمبر۱)

مختلف حکومتوں وحکمرانوں کی پیشین گوئیاں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ نبوت وحکومت کا زمانہ وعلاقہ انتہائی عدل وانصاف اور خیر کا تھا، جس میں ظلم وستم کا تصور نہ تھا، اور کسی ادنیٰ شخص کی بھی حق تلفی وغیرہ کا شبہ نہ تھا، اس کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کی برکت سے اپنے بعد میں آنے والے مختلف قسم کے حکمرانوں کی پیشین گوئیاں فرمادی ہیں، اور اس چیز کی نشاندہی کردی ہے کہ کیسے کیسے حکمرانوں سے امت کا سابقہ پڑے گا، اور پھر ساتھ ہی ان کے ساتھ مناسب اور صحیح طرزِ عمل اختیار کرنے کی بھی وضاحت فرمادی ہے، جس کی کچھ تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

نبوت کے بعد خلافت، پھر ملک پھر امارت اور پھر اختلاف وانتشار

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : أَوَّلُ هٰذَا الْأَمْرِ نُبُوَّةٌ وَرَحْمَةٌ، ثُمَّ يَكُوْنُ خِلَافَةً وَرَحْمَةً، ثُمَّ يَكُوْنُ مُلْكًا وَرَحْمَةً، ثُمَّ يَكُوْنُ إِمَارَةً وَرَحْمَةً، ثُمَّ يَتَكَادَمُوْنَ عَلَيْهِ تَكَادُمَ الْحُمُرِ فَعَلَيْكُمْ بِالْجِهَادِ، وَإِنَّ أَفْضَلَ جِهَادِكُمُ الرِّبَاطُ، وَإِنَّ أَفْضَلَ رِبَاطِكُمْ عَسْقَلَانُ (المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحدیث ۱۱۱۳۸، ج۱۱ص۸۸) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس امت کی ابتداء نبوت اور رحمت ہے (جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دورِ نبوت وحکومت ہے، جس کے رحمت

---

[1] قال الهيثمي: رواه الطبراني ورجاله ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۸۹۶۴، باب كيف بدأت الإمامة وما تصير إليه والخلافة والملك)

Idara Ghufran

ہونے میں شبہ نہیں) پھر (اس کے بعد) خلافت اور رحمت ہوگی (یعنی خلفائے راشدین کا دورِ حکومت ہوگا، اس کا رحمت ہونا بھی واضح ہے) پھر حکومت اور رحمت ہوگی (یعنی خلافت کے بعد حکومت کا دور ہوگا، لیکن اس میں بھی رحمت کا عنصر شامل ہوگا) پھر (اس کے بعد) امارت اور رحمت ہوگی (یعنی مختلف امیر ہوں گے، مگر کسی درجہ میں رحمت پھر بھی شامل ہوگی) پھر (اس امارت کے دور کے بعد) وہ حکومت پر گدھوں کے کاٹنے کی طرح ٹوٹ پڑیں گے، تو تم پر جہاد لازم ہے، اور تمہارا افضل جہاد سرحدوں کی حفاظت ہے، اور تمہاری افضل سرحد (ملکِ شام کی سرحد) عسقلان ہے (طبرانی)

اس طرح کی روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی مروی ہے۔ [۱]

مطلب یہ ہے کہ اس امت کی ابتداء تو نبوت پر ہے، جس کے رحمت ہونے میں شبہ نہیں ہے، پھر اس کے بعد خلافتِ راشدہ ہوگی، جو نبوت کے طریقہ پر ہوگی، جس کا رحمت ہونا بھی ظاہر ہے، اور پھر اس کے بعد حکومت تو ہوگی، جو کہ نبوت کے طریقہ پر خلافتِ راشدہ کی طرح نہیں ہوگی، لیکن اس میں رحمت کا عنصر شامل ہوگا، اور خلافتِ راشدہ کے کچھ آثار موجود ہوں گے، پھر اس کے بعد امارت کا سلسلہ قائم ہوگا، جس میں مختلف علاقوں کے امیر حکومت کریں گے، جن کی الگ الگ حکومتیں ہوں گی، مگر رحمت اور خدا ترسی کے کچھ آثار اس میں بھی ہوں گے،

---

[۱] أن عمر بن الخطاب رضی الله عنه كان يقول :إن الله بدأ هذا الأمر حين بدأ بنبوة ورحمة، ثم يعود إلى خلافة، ثم يعود إلى سلطان ورحمة، ثم يعود ملكا ورحمة، ثم يعود جبرية تكادمون تكادم الحمير، أيها الناس، عليكم بالغزو والجهاد ما كان حلوا خضرا قبل أن يكون مرا عسرا، ويكون تماما قبل أن يكون رماما -أو يكون حطاما -، فإذا أشاطت المغازى وأكلت الغنائم واستحل الحرام، فعليكم بالرباط فإنه خير جهادكم (مستدرک حاكم، رقم الحديث ۸۴۵۹)

عن عمر بن عبد العزيز ، عن أبى بكر بن عبد الرحمن بن الحارث بن هشام ، عن أبيه ، عن عمر بن الخطاب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم : إن الله بدأ هذا الأمر نبوة ورحمة ، ثم يكون خلافة ، ثم يكون سلطانا ، ويكون ملكا ، ثم يكون جبرية ، ثم يكون جائزة (مسند عمر بن عبدالعزيز للباغندى،رقم الحديث ۳۵)

اور پھر اس کے بعد ایک دوسرے کو قتل کرنے کا سلسلہ شروع ہوگا، اور ایسے وقت آپس کی خونریزی میں شریک ہونے کے بجائے کافروں سے جہاد افضل ہوگا، لیکن باہمی خانہ جنگی کی وجہ سے اسلامی سرحدیں غیر محفوظ ہوں گی، جس کی وجہ سے ایسے حالات میں سرحدوں کی حفاظت افضل ہوگی، اور ملکِ شام کی ''عسقلان'' کی سرحد کا ذکر اس کی خاص اہمیت کی وجہ سے کیا گیا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: تَكُوْنُ النُّبُوَّةُ فِيْكُمْ مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ تَكُوْنَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَّرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُوْنُ خِلَافَةٌ عَلٰى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ، فَتَكُوْنُ مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ تَكُوْنَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَّرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكًا عَاضًّا ، فَيَكُوْنُ مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَّكُوْنَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَّرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكًا جَبْرِيَّةً ، فَتَكُوْنُ مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ تَكُوْنَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَّرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُوْنُ خِلَافَةً عَلٰى مِنْهَاجِ نُبُوَّةٍ ثُمَّ سَكَتَ (مسند احمد) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک اللہ چاہے گا تمہارے درمیان نبوت موجود رہے گی پھر اللہ اسے جب چاہے گا اٹھالے گا، پھر نبوت کے طریقہ پر خلافت ہوگی اور وہ بھی اس وقت تک رہے گی، جب تک اللہ چاہے گا، پھر جب اللہ اسے اٹھانا چاہے گا، تو اٹھالے گا، پھر کاٹ کھانے والی حکومت ہوگی اور وہ بھی اس وقت تک رہے گی جب تک اللہ چاہے گا، پھر جب اللہ اسے اٹھانا چاہے گا تو اٹھالے گا، اس کے بعد جبری (اور عوام کی رضامندی کے بغیر زبردستی

---

[1] رقم الحدیث ۱۸۴۰۶، مسند ابی داوٗد الطیالسی، رقم الحدیث ۴۳۹، مسند البزار، رقم الحدیث ۲۷۹۶.

فی حاشیة مسند احمد: إسناده حسن.

کی) حکومت ہوگی اور وہ بھی اس وقت تک رہے گی، جب تک اللہ چاہے گا، پھر جب اللہ اسے اٹھانا چاہے گا تو اٹھالے گا (بالآخر قیامت کے قریب) پھر نبوت کے طریقہ پر خلافت آجائے گی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہوگئے (مسند احمد)

اس طرح کی حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ [1]

مطلب یہ ہے کہ نبوت کے بعد خلافتِ راشدہ کا دور ہوگا، جو کہ نبوت کے طریقہ پر ہوگا، پھر اس کے بعد ایسی حکومت کا دور ہوگا، جس میں بعض، بعض کو قتل کریں گے، اور پھر اس کے بعد جبری حکومتوں کا دور ہوگا (اور بعض کے بعض کو قتل کرنے اور جبری حکومتوں کا دورانیہ طویل ہوگا) اور پھر قیامت سے پہلے دوبارہ نبوت کے طریقہ پر خلافت قائم ہوگی، اور محدثین حضرات کے بقول یہ حضرت مہدی علیہ الرحمہ اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا دور ہوگا۔ [2]

---

[1] عن أبی ثعلبة، قال :لقیت رسول الله صلی الله علیه وسلم، فقلت :یا رسول الله ادفعنی إلی رجل حسن التعلیم، فدفعنی إلی أبی عبیدة بن الجراح ثم قال " :قد دفعتک إلی رجل یحسن تعلیمک وأدبک، فأتیت أبا عبیدة بن الجراح وهو وبشیر بن سعد أبو النعمان بن بشیر یتحدثان، فلما رأیانی سکتا، فقلت :یا أبا عبیدة، والله ما هکذا حدثنی رسول الله صلی الله علیه وسلم، فقال: إنک جئت ونحن نتحدث حدیثا سمعناه من رسول الله صلی الله علیه وسلم فاجلس حتی نحدثک، فقال :قال رسول الله صلی الله علیه وسلم :إن فیکم النبوة، ثم تکون خلافة علی منهاج النبوة، ثم یکون ملکا وجبریة (المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث ۳۶۸)

[2] (تکون النبوة ") : بالرفع علی أن "تکون "تامة أی توجد وتقع ("فیکم ما شاء الله أن تکون، ثم یرفعها الله تعالی، ثم تکون خلافة ") بالرفع، وفی بعض النسخ المصححة بالنصب علی أن "تکون "ناقصة وهو الملائم لما سیأتی من قوله :ثم تکون ملکا، والمعنی :ثم تنقلب النبوة خلافة، أو تکون الحکومة أو الإمارة خلافة، أی :بنیابة حقیقیة ("علی منهاج النبوة ") أی: طریقتها الصوریة والمعنویة (ما شاء الله أن تکون) أی :الخلافة وهی ثلاثون سنة علی ما ورد .(ثم یرفعها الله، ثم تکون ملکا عاضا) أی :یعض بعض أهله بعضا، کعض الکلاب ("فیکون ") أی: الملک، أی :الأمر علی هذا المنوال (ما شاء الله أن یکون، ثم یرفعها الله تعالی) أی :تلک الحالة (ثم تکون) أی :الحکومة (ملکا جبریة) أی :جبروتیة وسلطة عظموتیة (فیکون) أی :الأمر علی ذلک ("ما شاء الله أن یکون، ثم یرفعها الله تعالی) أی :الجبریة، ("ثم تکون ") أی :تنقلب وتصیر ("خلافة ") وفی نسخة بالرفع، أی :تقع وتحدث خلافة کاملة ("علی منهاج نبوة ") أی: من کمال عدالة، والمراد بها :زمن عیسی -علیه الصلاة والسلام -والمهدی رحمه الله(مرقاة المفاتیح، ج۸ص ۳۳۷۵، ۳۳۷۶،باب التحذیر من الفتن)

جہالت والے اعمال کرنے والے حکمرانوں کی پیشین گوئی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَیَکُوْنُ مِنْ بَعْدِیْ خُلَفَاءُ، یَعْمَلُوْنَ بِمَا یَعْلَمُوْنَ، وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ، وَسَیَکُوْنُ مِنْ بَعْدِھِمْ خُلَفَاءُ، یَعْمَلُوْنَ مَالاَ یَعْلَمُوْنَ، وَیَفْعَلُوْنَ مَالاَ یُؤْمَرُوْنَ، فَمَنْ أَنْکَرَ بَرِیءَ ، وَمَنْ أَمْسَکَ سَلِمَ، وَلٰکِنْ مَنْ رَضِیَ وَتَابَعَ (صحیح ابن حبان) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد خلفاء (وحکمران) ہوں گے، جو اپنے علم کے مطابق عمل کریں گے، اور وہ کام کریں گے جن کا ان کو حکم نہیں دیا گیا ہوگا، لیکن ان کے بعد ایسے خلفاء (وحکمران) ہوں گے، جو اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کریں گے، اور وہ کام کریں گے، جن کا ان کو حکم نہیں دیا گیا ہوگا، تو جس نے (زبان ودل سے حسبِ قدرت ان کے برے اعمال پر) نکیر کی تو وہ بریٔ ہوگیا، اور جو (ان کے برے اعمال کی اتباع اور دل سے اچھا سمجھنے سے) رُکا رہا، وہ سلامت رہا، لیکن جو (ان کے گناہ کے کام پر) راضی ہوگیا، اور اس نے (گناہ کے کام میں ان کی) اتباع کی (وہ نہ بریٔ ہوا اور نہ سلامت رہا) (ابنِ حبان)

اس طرح کا مضمون اور احادیث میں بھی آیا ہے۔ [2]

مطلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایسے خلفاء وحکمران ہوں گے جو کہ علم کے مطابق

---

[1] رقم الحدیث ٦٦٥٨، کتاب التاریخ، باب إخبارہ صلی اللہ علیہ وسلم عما یکون فی أمتہ من الفتن والحوادث، ذکر البیان بأن الملوک یطلق علیہم اسم الخلفاء فی الضرورۃ أیضا علی ما ذکرناہ.

فی حاشیۃ ابنِ حبان: إسنادہ صحیح.

[2] عن ابن عباس ، قال :قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :إنہا ستکون أمراء تعرفون وتنکرون ، فمن بارأہم نجا ، ومن اعتزلہم سلم ، أو کاد ، ومن خالطہم ہلک (مصنف ابن ابی شیبہ، رقم الحدیث ٣٨٨٩٨)

عمل کریں گے، اور اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے دیئے گئے احکام پر عمل پیرا ہوں گے، پھر ان کے بعد ایک وقت ایسا آئے گا کہ علم کے بغیر یعنی جہالت کے مطابق عمل ہوگا، اور اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی خلاف ورزی ہوگی، ان کے ساتھ حسبِ قدرت، نہی عن المنکر کا طرزِ عمل نجات وسلامتی کا باعث ہوگا، اگر زبان سے قدرت نہ ہو، تو زبان کی خاموشی کے ساتھ دل سے برائی کو برا سمجھنا بھی سلامتی کا راستہ ہوگا۔

اچھے اور برے اعمال سے مخلوط حکمرانوں کی پیشین گوئی

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت امِّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: إِنَّهُ يُسْتَعْمَلُ عَلَيْكُمْ أُمَرَاءُ، فَتَعْرِفُوْنَ وَتُنْكِرُوْنَ، فَمَنْ كَرِهَ فَقَدْ بَرِءَ، وَمَنْ أَنْكَرَ فَقَدْ سَلِمَ، وَلٰكِنْ مَنْ رَضِيَ وَتَابَعَ، قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، أَلَا نُقَاتِلُهُمْ؟ قَالَ: لَا، مَا صَلَّوْا، أَيْ مَنْ كَرِهَ بِقَلْبِهِ وَأَنْكَرَ بِقَلْبِهِ (مسلم) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم پر ایسے حکمران مقرر کیے جائیں گے کہ جن کو (ان کے بعض اعمال واقوال کے بہتر ہونے کی وجہ سے) تم اچھا سمجھو گے، اور (ان کے بعض اعمال واقوال کے برا ہونے کی وجہ سے) برا سمجھو گے، پس جس نے (ان کے برے اعمال واقوال کو) اپنے دل سے ناپسند کیا وہ بری ہوگیا اور جس نے اپنے دل سے انکار کیا وہ سلامت رہا لیکن جو (ان کے برے اعمال واقوال سے) راضی ہوا، اور (ان کی اپنے عمل سے) اتباع کی (وہ بری نہیں ہوگا اور نہ محفوظ رہے گا) صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا ہم ان سے جنگ نہ کریں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں، جب تک وہ نماز ادا

---

[1] رقم الحديث ۱۸۵۴ ”٦٣“ كتاب الامارة، باب وجوب الإنكار على الأمراء فيما يخالف الشرع، وترك قتالهم ما صلوا، ونحو ذلك.

کرتے رہیں (مسلم)

معلوم ہوا کہ اچھے اور برے مخلوط اعمال واقوال والے حکمران مقرر ہونے کی پیشین گوئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت پہلے فرمادی ہے، اوران کے برے اعمال واقوال کو برا سمجھنے اوران کے بُرے اعمال واقوال کی اتباع نہ کرنے کا بھی حکم فرمایا ہے۔

اور نماز ادا کرتے رہنے کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ نماز دین کا ستون اور اسلام کا شعار ونشانی ہے، اور اگر کوئی حکمران پابندی سے نماز ادا نہ کرے، لیکن اسے فرض سمجھے اور کبھی کبھی ادا بھی کرے، وہ بھی مسلمان ہے، اگرچہ گناہ گار ہے، لہٰذا اس سے بھی جنگ کرنا مناسب نہیں، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ [1]

خودغرض حکمرانوں کی پیشین گوئی

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ بَعْدِىْ أَثَرَةً

---

[1] (ستكون أمراء) جمع أمير (فتعرفون وتنكرون) صفتان لأمراء والعائد فيهما محذوف أى تعرفون بعض أحوالهم وأقوالهم لموافقتها للشرع وتنكرون بعضها لمخالفتها له فمعنى تعرفون ترضون لمقابلتها تنكرون (فمن كره) ذلک المنكر بلسانه بأن أمكنه تغييره بالقول فقد (برء) من النفاق والمداهنة (ومن أنكر) بقلبه فقط ومنعه الضعف عن إظهار النكير فقد (سلم) من العقوبة على تركه النكير ظاهرا (ولكن من رضى) أى من رضى بالمنكر (وتابع) عليه فى العمل فهو الذى لم يبرأ من المداهنة والنفاق ولم يسلم من العقوبة فهو الذى شاركهم فى العصيان واندرج معهم تحت اسم الطغيان فحذف الخبر لدلالة الحال وسياق الكلام على أن حكم هذا القسم ضد ما اشتبه ذكره ومنه أخذ بعضهم قوله الواو بمعنى أو وحذف جزاء من لدلالة الحال وسياق الكلام وقال النووى :معناه من كره بقلبه ولم يستطع إنكارا بيده ولا لسانه فقد برء من الإثم وأدى وظيفته ومن أنكر بحسب طاقته فقد سلم من هذه المعصية ومن رضى بفعلهم وتبعهم عليه فهو العاصى وفيه حرمة الخروج على الخلفاء بمجرد ظلم أو فسق ما لم يغيروا شيئا من قواعد الدين وتمام الحديث قالوا :أفلا نقاتلهم؟ قال :لا ما صلوا اه .قال القاضى :إنما منع عن مقاتلتهم ما داموا يقيمون الصلاة التى هى عماد الدين وعنوان الإسلام والفارق بين الكفر والإيمان حذرا من تهيج الفتن واختلاف الكلمة وغير ذلک مما هو أشد نكارة من احتمال نكرهم والمصابرة على ما ينكرون منهم(فيض القدير، تحت رقم الحديث ۴۶۷۱، حرف السين)

وَأُمُوْرًا تُنْكِرُوْنَهَا قَالُوْا فَمَا تَأْمُرُنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ أَدُّوا إِلَيْهِمْ حَقَّهُمْ وَسَلُوا اللّٰهَ حَقَّكُمْ (بخاری) [1]

ترجمہ: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم عنقریب میرے بعد (حکمرانوں وغیرہ کی طرف سے) خودغرضی (اور برے لوگوں کو اچھے لوگوں پر معاملات، عہدوں اور حقوق میں ترجیح دینے کا عمل) اور ایسے کام دیکھو گے کہ جن کو تم برا سمجھو گے، تو صحابہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ ہمیں (ایسے موقع پر) کیا حکم دیتے ہیں؟ تو رسول اللہ نے فرمایا کہ تم ان کا حق ادا کرو، اور اللہ سے اپنے حق کی دعا کرو (بخاری)

اس حدیث کو تھوڑے بہت الفاظ کے فرق کے ساتھ اور محدثین نے بھی روایت کیا ہے۔ [2]

اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خودغرض اور برے اعمال کے مرتکب حکمرانوں کی پیشین گوئی بھی فرمائی، اور ان کے ساتھ صحیح طرزِ عمل کی نشاندہی بھی فرمائی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی امت پر گمراہ کن اور ظالم حکمرانوں کا خوف

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّمَا أَخَافُ عَلٰى أُمَّتِي الْأَئِمَّةَ

---

[1] رقم الحديث ۷۰۵۲، كتاب الفتن، باب قول النبى صلى الله عليه وسلم :سترون بعدى أمورا تنكرونها.

[2] عن عبد الله، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :إنها ستكون بعدى أثرة وأمور تنكرونها، قالوا :يا رسول الله، كيف تأمر من أدرك منا ذلك؟ قال :تؤدون الحق الذى عليكم، وتسألون الله الذى لكم(مسلم،رقم الحديث ۱۸۴۳ ”۴۵“)

عن عبد الله، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :إنه سيكون عليكم أمراء ، وترون أثرة "، قال :قالوا :يا رسول الله، فما يصنع من أدرك ذاك منا ؟ قال " :أدوا الحق الذى عليكم، وسلوا الله الذى لكم "(مسند احمد، رقم الحديث ۳۶۴۰)

فى حاشية مسند احمد:إسناده صحيح على شرط الشيخين.

الْمُضِلِّيْنَ (سنن الترمذی) ۱

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اپنی امت پر گمراہ کرنے والے ائمہ (وحکمرانوں) کا خوف ہے (ترمذی)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَهِدَ إِلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ أَخْوَفَ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمُ الْأَئِمَّةُ الْمُضِلُّوْنَ (مسند احمد، رقم الحديث ۲۷۴۸۵) ۲

ترجمہ: ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عہد لیا کہ مجھے تمہارے متعلق سب سے زیادہ خوف گمراہ کرنے والوں ائمہ (وحکمرانوں) کا ہے (مسند احمد)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كُنْتُ أَمْشِيْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَغَيْرُ الدَّجَّالِ أَخْوَفُنِيْ عَلٰى أُمَّتِيْ قَالَهَا ثَلَاثًا . قَالَ: قُلْتُ : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، مَا هٰذَا الَّذِيْ غَيْرُ الدَّجَّالِ أَخْوَفُكَ عَلٰى أُمَّتِكَ؟ قَالَ أَئِمَّةً مُضِلِّيْنَ (مسند احمد، رقم الحديث ۲۱۲۹۶) ۳

ترجمہ: ایک مرتبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل رہا تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دجّال کے علاوہ ایک اور چیز ہے جس سے مجھے اپنی امت پر سب سے زیادہ خوف ہے، آپ نے یہ جملہ تین مرتبہ دہرایا، میں نے

---

۱ رقم الحديث ۲۲۲۹، ابواب الفتن، باب ما جاء في الأئمة المضلين، مسند احمد، رقم الحديث ۲۲۴۵۲، ابنِ حبان، رقم الحديث ۶۷۱۴، ورقم الحديث ۴۲۳۸.

قال الترمذي: وهذا حديث حسن صحيح، سمعت محمد بن إسماعيل يقول : سمعت علي بن المديني يقول _ :وذكر هذا الحديث _عن النبي صلى الله عليه وسلم :لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين على الحق فقال علي :هم أهل الحديث.

وفي حاشية مسند احمد وابنِ حبان: إسناده صحيح على شرط مسلم .

۲ في حاشية مسند احمد:صحيح لغيره.

۳ في حاشية مسند احمد: صحيح لغيره.

عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! دجّال کے علاوہ وہ کون سی چیز ہے، جس سے آپ کو اپنی امت پر سب سے زیادہ خوف ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گمراہ کرنے والے ائمہ (وحکمرانوں) کا (مسند احمد)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: إِنَّ أَخْوَفَ مَا أَخَافُ عَلٰی أُمَّتِیْ فِیْ آخِرِ زَمَانِهَا: اَلنُّجُوْمُ، وَتَكْذِيْبُ الْقَدَرِ، وَحَيْفُ السُّلْطَانِ

(المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث ۸۱۱۳، ج۸ص ۲۸۹) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخری زمانہ میں مجھے اپنی امت کے بارے میں سب سے زیادہ خوف تین چیزوں کا ہے، ایک نجوم (یعنی ستارہ پرستی) کا، دوسرے تقدیر کے انکار کرنے کا، تیسرے ظالم بادشاہ (وحکمرانوں) کا (طبرانی)

یہ حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ [2]

---

[1] قال الهيثمي: رواه الطبراني، وفيه ليث بن أبي سليم وهو لين، وبقية رجاله وثقوا(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۱۱۸۶۲)

[2] عن أبي محجن، قال :أشهد على رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال ": أخاف على أمتي من بعدي ثلاثا :حيف الأئمة، وإيمان بالنجوم، وتكذيب بالقدر "(معرفة الصحابة لابي نعيم، رقم الحديث ۷۰۱۵)

عن ابن محيريز، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :إن أخوف ما أخاف على أمتي ثلاث :حيف الأئمة، وإيمان بالنجوم، والتكذيب بالقدر "(الإبانة الكبرى لابن بطة، رقم الحديث ۱۵۳۳)

عن طلحة بن مصرف، رفعه إلى النبي صلى الله عليه وسلم قال " :إن أخوف ما أتخوفه على أمتي في آخر الزمان ثلاثا :إيمانا بالنجوم ,وتكذيبا بالقدر ,وحيف السلطان "(السنن الواردة في الفتن للداني، رقم الحديث ۲۸۲)

قال الالباني:قلت :وليث ضعيف لاختلاطه، ومن طريقه رواه الطبراني في "المعجم الكبير "من حديث أبي أمامة قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم .قال الهيثمي في "المجمع(۷/۲۰۳) "وفيه ليث بن أبي سليم وهو لين وبقية رجاله وثقوا ."لكن الحديث له شواهد كثيرة يرتقي بها إلى درجة الصحة في نقدي وهي من حديث أبي محجن وأبي الدرداء وأنس بن مالك (سلسلة الاحاديث الصحيحة، ۱۲۷)

اس کے علاوہ تھوڑے بہت الفاظ کے فرق واضافہ کے ساتھ اس طرح کی اور احادیث بھی مروی ہیں۔ [1]

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ سے آپ کی امت پر ظالم اور گمراہ کن حکمرانوں کے مسلط ہونے کی اطلاع دے دی گئی تھی، جس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت خوف تھا۔

اس سے اس طرف بھی اشارہ ہوگیا کہ گمراہ کرنے والے حکمرانوں کی گمراہ کن باتوں سے بہت احتیاط اختیار کرنی چاہئے، ورنہ دوسرا شخص گمراہی میں مبتلا ہوسکتا ہے۔

بے وقوف اور ظالم وجھوٹے حکمرانوں کی پیشین گوئی

حضرت ابوسعید اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : لَیَأْتِیَنَّ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ یَکُوْنُ عَلَیْکُمْ أُمَرَاءُ سُفَھَاءُ یُقَدِّمُوْنَ شِرَارَ النَّاسِ، وَیَظْھَرُوْنَ بِخِیَارِھِمْ، وَیُؤَخِّرُوْنَ الصَّلَاۃَ عَنْ مَوَاقِیْتِھَا، فَمَنْ أَدْرَکَ ذٰلِکَ مِنْکُمْ، فَلَا یَکُوْنَنَّ عَرِیْفًا وَلَا شُرْطِیًّا وَلَا جَابِیًا وَلَا خَازِنًا (مسند ابی

[1] عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ قال :قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم " :لا تقوم الساعۃ حتی یبعث اللہ أمراء کذبۃ، ووزراء فجرۃ، وأمناء خونۃ، وقراء فسقۃ سمتھم سمۃ الرھبان، ولیس لھم رغبۃ، أو قال :لیس لھم رعبۃ أو قال :رعۃ فیلبسھم اللہ فتنۃ غبراء مظلمۃ یتھوکون فیھا تھود الیھود فی الظلم "(مسند البزار ، رقم الحدیث ۲۶۳۰)

قال الھیثمی: رواہ البزار، وفیہ حبیب بن عمران الکلاعی ولم أعرفہ، وبقیۃ رجالہ رجال الصحیح (مجمع الزوائد، تحت رقم الحدیث ۹۱۸۰، باب فی عمال السوء وأعوان الظلمۃ)

عن رواد، عن ابن أبی صدقۃ الیمانی، قال :یبعث بین یدی الساعۃ أمراء کذبۃ ,ووزراء فجرۃ ,وأمناء خونۃ ,وعرفاء ظلمۃ ,وقراء فسقۃ ,أھواؤھم مختلفۃ ,سیماھم سیما الرھبان ,لیس لھم دعۃ ,قلوبھم أنتن من الجیف ,یلبسھم اللہ فتنۃ غبراء مظلمۃ , یتھوکون فیھا تھوک الیھود الظلمۃ "(السنن الواردۃ فی الفتن للدانی، رقم الحدیث ۲۱۸)

www.idaraghufran.org

یعلیٰ، رقم الحدیث ۱۱۱۵، واللفظ لہٗ؛ ابنِ حبان، رقم الحدیث ۴۵۸۶) ۱

ترجمہ: رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا، جس میں تمہارے اوپر ایسے سفہاء و بے وقوف حکمران مقرر رہوں گے، جو لوگوں میں شریر ترین لوگوں (یعنی وزیروں اور ترجمانوں) کو آگے کریں گے، اور اُن کو لوگوں کے بہترین آدمی ظاہر کریں گے، اور نماز کو اُن کے اوقات سے مؤخر کریں گے، پس جو شخص تم میں سے ان کو پائے، تو وہ ہرگز نہ تو وزیر بنے، اور نہ پولیس والا بنے، اور نہ لوگوں سے مال (وٹیکس) حاصل کرنے والا بنے، اور نہ خزانچی (وزیرِ خزانہ وغیرہ) بنے (ابو یعلیٰ، ابن حبان)

مطلب یہ ہے کہ ایک زمانہ میں بے وقوف حکمران ہوں گے، اور شریر ترین لوگوں کو اپنے سامنے اور آگے رکھیں گے، اور عوام کے سامنے ان کی تعریف کر کے اچھے لوگ ظاہر کریں گے، ایسے حکمرانوں کا تعاون کرنے سے منع کیا گیا، البتہ اگر کوئی ان چیزوں پر تعاون نہ کرے، بلکہ اصلاح کا باعث بنے، اس کی ممانعت نہیں، بلکہ فضیلت ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں یہ الفاظ مروی ہیں کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: یَکُوْنُ فِیْ آخِرِ الزَّمَانِ أُمَرَاءُ ظَلَمَۃٌ، وَوُزَرَاءُ فَسَقَۃٌ، وَقَضَاۃٌ خَوَنَۃٌ، وَفُقَھَاءُ کَذَبَۃٌ، فَمَنْ أَدْرَکَ مِنْکُمْ ذٰلِکَ الزَّمَانَ فَلَا یَکُوْنَنَّ لَھُمْ جَابِیًا، وَلَا عَرِیْفًا، وَلَا شُرْطِیًّا (المعجم الاوسط للطبرانی) ۲

---

۱ قال الھیثمی: رواہ أبو یعلی ورجالہ رجال الصحیح خلا عبد الرحمن بن مسعود وھو ثقۃ (مجمع الزوائد، تحت رقم الحدیث ۹۲۲۵، باب فی أئمۃ الظلم والجور وأئمۃ الضلالۃ)

وفی حاشیۃ مسند ابی یعلیٰ: عبد الرحمن بن مسعود وثقہ ابن حبان والھیثمی وباقی رجالہ ثقات.

وقال الالبانی: قلت: وھذا إسناد صحیح رجالہ ثقات رجال الشیخین غیر عبد الرحمن بن عبد اللہ بن مسعود وھو ثقۃ، وأحمد بن علی بن المثنی ھو أبو یعلی الموصلی وھو ثقۃ حافظ (سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ، تحت رقم الحدیث ۳۶۰)

۲ رقم الحدیث ۴۱۹۰، المعجم الصغیر للطبرانی، رقم الحدیث ۵۶۴.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخری زمانہ میں ظالم حکمران اور فاسق وزیر اور خائن قاضی (وجج) اور جھوٹے فقہاء (وعلماء) ہوں گے، جو تم میں سے اس زمانہ کو پائے، تو وہ ان کے لئے نہ تو لوگوں سے مال (ٹیکس) حاصل کرنے والا بنے، اور نہ وزیر بنے، اور نہ پولیس والا بنے (طبرانی)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : يَكُوْنُ أُمَرَاءُ تَغْشَاهُمْ غَوَاشٍ أَوْ حَوَاشٍ مِّنَ النَّاسِ يَظْلِمُوْنَ وَيَكْذِبُوْنَ، فَمَنْ دَخَلَ عَلَيْهِمْ فَصَدَّقَهُمْ بِكَذِبِهِمْ، وَأَعَانَهُمْ عَلٰى ظُلْمِهِمْ فَلَيْسَ مِنِّيْ وَلَسْتُ مِنْهُ، وَمَنْ لَمْ يَدْخُلْ عَلَيْهِمْ وَيُصَدِّقْهُمْ بِكَذِبِهِمْ، وَيُعِنْهُمْ عَلٰى ظُلْمِهِمْ فَهُوَ مِنِّيْ وَأَنَا مِنْهُ (مسند احمد، رقم الحديث ١١١٩٢) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب ایسے حکمران آئیں گے جن پر ایسے حاشیہ بردار لوگ چھا جائیں گے یا جن کے حاشیہ نشین (وزیر، مشیر اور معاونین) ایسے لوگ ہوں گے، جو ظلم وستم کریں گے اور جھوٹ بولیں گے، جو شخص ان کے پاس جائے (یا ان کا وزیر و مشیر بنے) اور ان کے جھوٹ کی تصدیق کرے اور ان کے ظلم پر تعاون کرے تو اس کا مجھ سے اور میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے،

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

قال الطبرانی فی المعجم الاوسط: لايروى هذا الحديث عن قتادة الا بهذا الاسناد.

وقال الطبرانی فی المعجم الصغير: لم يروه عن قتادة الا ابن ابی عروبة ، ولاعنه الا ابن المبارك تفرد به داود بن سليمان ، وهو شيخ لا بأس به.

وقال الهيثمی: رواه الطبرانی فی الصغير والأوسط، وفيه داود بن سليمان الخراسانی قال الطبرانی : لا بأس به، وقال الأزدی :ضعيف جدا .ومعاوية بن الهيثم لم أعرفه، وبقية رجاله ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ٩١٧٧، باب فی عمال السوء وأعوان الظلمة)

وقال الالبانی: فهو شاهد لا بأس به عندی والله أعلم (سلسلة الاحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ٣٦٠)

[1] فی حاشية مسند احمد: حديث صحيح.

www.idaraghufran.org

اور جو شخص ان کے پاس نہ جائے، اور نہ ان کے جھوٹ کی تصدیق یا ان کے ظلم پر تعاون کرے، تو وہ مجھ سے تعلق رکھتا ہے اور میں اس سے تعلق رکھتا ہوں (مسند احمد)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَنَحْنُ فِي الْمَسْجِدِ بَعْدَ صَلَاةِ الْعِشَاءِ، رَفَعَ بَصَرَهٗ إِلَى السَّمَاءِ، ثُمَّ خَفَضَ حَتّٰى ظَنَنَّا أَنَّهٗ قَدْ حَدَثَ فِي السَّمَاءِ شَيْءٌ، فَقَالَ: أَلَا إِنَّهٗ سَيَكُوْنُ بَعْدِيْ أُمَرَاءُ يَكْذِبُوْنَ وَيَظْلِمُوْنَ، فَمَنْ صَدَّقَهُمْ بِكَذِبِهِمْ، وَمَالَأَهُمْ عَلٰى ظُلْمِهِمْ، فَلَيْسَ مِنِّيْ، وَلَا أَنَا مِنْهُ، وَمَنْ لَمْ يُصَدِّقْهُمْ بِكَذِبِهِمْ، وَلَمْ يُمَالِئْهُمْ عَلٰى ظُلْمِهِمْ، فَهُوَ مِنِّيْ، وَأَنَا مِنْهُ (مسند احمد، رقم الحديث ۱۸۳۵۳) [1]

ترجمہ: ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اور ہم عشاء کی نماز کے بعد مسجد میں تھے، آپ نے اپنی نظر آسمان کی طرف اُٹھائی، پھر نظر کو نیچا کیا، یہاں تک کہ ہمارا گمان ہوا کہ آسمان میں کوئی نئی چیز پیدا ہوئی ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب میرے بعد ایسے حکمران ہوں گے، جو جھوٹ بولیں گے، اور ظلم کریں گے، پس جس نے اُن کے جھوٹ کی تصدیق کی اور اُن کے ظلم پر مدد کی، تو اُس کا مجھ سے تعلق نہیں اور میرا اُس سے تعلق نہیں، اور جس نے اُن کے جھوٹ کی تصدیق نہیں کی اور نہ ہی اُن کے ظلم پر اُن کی مدد کی، تو وہ میرے سے تعلق رکھتا ہے، اور میں اُس سے تعلق رکھتا ہوں (مسند احمد)

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَوْ دَخَلَ، وَنَحْنُ تِسْعَةٌ وَبَيْنَنَا وِسَادَةٌ مِنْ أَدَمٍ فَقَالَ: إِنَّهَا سَتَكُوْنُ بَعْدِيْ أُمَرَاءُ يَكْذِبُوْنَ

[1] فى حاشية مسنداحمد: صحيح لغيره.

وَيَظْلِمُوْنَ، فَمَنْ دَخَلَ عَلَيْهِمْ، فَصَدَّقَهُمْ بِكِذْبِهِمْ، وَأَعَانَهُمْ عَلٰى ظُلْمِهِمْ، فَلَيْسَ مِنِّيْ، وَلَسْتُ مِنْهُ وَلَيْسَ بِوَارِدٍ عَلَيَّ الْحَوْضَ، وَمَنْ لَمْ يُصَدِّقْهُمْ بِكَذِبِهِمْ، وَيُعِنْهُمْ عَلٰى ظُلْمِهِمْ، فَهُوَ مِنِّيْ وَأَنَا مِنْهُ، وَهُوَ وَارِدٌ عَلَيَّ الْحَوْضَ (مسند احمد) [1]

ترجمہ: ہمارے پاس رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، یا داخل ہوئے، اور ہم نو افراد تھے، اور ہمارے درمیان چمڑے کا تکیہ تھا، تو رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب میرے بعد ایسے حکمران ہوں گے؛ جو جھوٹ بولیں گے، اور ظلم کریں گے، پس جو شخص اُن کے پاس گیا (یا ان کا وزیر ومشیر بنا) اور اُن کے جُھوٹ پر اُن کی تصدیق کی اور اُن کے ظلم پر اُن کی مدد کی تو اُس کا مجھ سے تعلق نہیں، اور میرا اُس سے تعلق نہیں، اور وہ شخص میرے پاس حوضِ کوثر پر بھی نہیں آسکے گا، اور جس نے اُن کے جُھوٹ کی تصدیق نہ کی اور نہ اُن کے ظلم کی مدد کی، تو اُس کا مجھ سے تعلق ہے، اور میرا اُس سے تعلق ہے، اور وہ میرے پاس حوضِ کوثر پر بھی حاضر ہوگا (مسند احمد)

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد جھوٹے، ظالم، جابر اور گمراہی پھیلانے والے حکمرانوں کی پیشین گوئی فرمادی ہے، اور ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ جو ان کے جھوٹ، ظلم اور گمراہی پھیلانے میں ان کی مدد کرے گا، خواہ وزیر بن کر، یا مشیر بن کر، یا ترجمان بن کر، یا کسی اور طریقہ سے معاون ومددگار بن کر، تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق نہ ہوگا، اور وہ بروزِ قیامت حوضِ کوثر سے بھی محروم رہے گا، اور جو ایسا نہ کرے گا، وہ ان نعمتوں سے محروم نہ ہوگا۔

اور یہ فضیلت ونعمت ایسی حکومت کے عہدہ پر مامور ومقرران حکمرانوں اور افسروں کے لئے

---

[1] رقم الحدیث ۱۸۱۲۶، نسائی، رقم الحدیث ۴۲۰۸.
فی حاشیة مسند احمد: إسناده صحیح رجاله ثقات.

بھی ہے، جو ظلم، جھوٹ اور گمراہی پر مدد نہ کرے، بلکہ اس کے بجائے اس کا (دل وزبان سے حسبِ قدرت) انکار واصلاح کرے۔

انسانوں کے بدن میں شیطانوں کے دل والے حکمران

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

يَكُونُ بَعْدِىْ أَئِمَّةٌ لَا يَهْتَدُونَ بِهُدَاىَ وَلَا يَسْتَنُّونَ بِسُنَّتِىْ وَسَيَقُومُ فِيهِمْ رِجَالٌ قُلُوبُهُمْ قُلُوبُ الشَّيَاطِينِ فِىْ جُثْمَانِ إِنْسٍ . قَالَ قُلْتُ كَيْفَ أَصْنَعُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنْ أَدْرَكْتُ ذٰلِكَ قَالَ تَسْمَعُ وَتُطِيعُ لِلْأَمِيرِ وَإِنْ ضُرِبَ ظَهْرُكَ وَأُخِذَ مَالُكَ فَاسْمَعْ وَأَطِعْ (مسلم) [1]

ترجمہ: میرے بعد ایسے حکمران آئیں گے، جو میری ہدایت پر نہیں چلیں گے، اور میری سنت پر کاربند نہیں ہوں گے، اور ان میں ایسے لوگ ہوں گے، جن کے دل انسانوں کے بدن میں شیطانوں کے دل ہوں گے، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اگر میں ایسا زمانہ پاؤں تو کیا کروں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حکمران کی بات سنتے رہنا، اور مانتے رہنا، چاہے تمہاری کمر توڑ دی جائے (یعنی ظلم کی شدت برداشت کرنی پڑے) اور تمہارے مال پر قبضہ کرلیا جائے، تب بھی سمع وطاعت سے کام لینا (یعنی سُننے اور اطاعت کرنے سے کام لینا، اور مسلح بغاوت نہ کرنا) (مسلم)

معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے حکمرانوں کی بھی پیشین گوئی فرمادی ہے کہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت وسنت اور آپ کے طریقہ پر نہیں ہوں گے، اور ان میں ایسے لوگ

[1] كتاب الامارة، رقم الحديث ۱۸۴۷ "۵۲"، باب الأمر بلزوم الجماعة عند ظهور الفتن.

www.idaraghufran.org

بھی ہوں گے، جن کے بدن تو انسانی ہوں گے، مگر دل شیاطین کے دلوں کی طرح حق وباطل میں تلبیس کرنے اور گمراہ کرنے والے ہوں گے، اور ان کے ساتھ صحیح طرزِ عمل کی بھی نشاندہی فرمادی کہ ان کی حق اور جائز باتوں میں اطاعت کی جائے، اور اپنے اوپر ہونے والے ظلم پر صبر وہمت سے کام لیا جائے۔

چرواہوں اور گرے پڑے لوگوں کا حکمران بننے کی پیشین گوئی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يُّرٰى رُعَاةُ الشَّاءِ رُءُوْسَ النَّاسِ، وَأَنْ يُّرٰى الْحُفَاةُ الْعُرَاةُ الْجُوَّعُ يَتَبَارَوْنَ فِي الْبِنَاءِ، وَأَنْ تَلِدَ الْأَمَةُ رَبَّهَا، وَرَبَّتَهَا (مسند احمد، رقم الحديث ۹۱۲۸) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک قیامت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ چرواہے (جیسے کم ذات اور مفلوک الحال گرے پڑے لوگ) یہ مرتبہ پالیں گے کہ لوگوں کی قیادت اور سرداری (وحکومت) کا منصب حاصل کرلیں گے اور بھوکے ننگے (برہنہ سَر برہنہ پا) لوگ (معاشرے میں) اس شان کا مظاہرہ کریں گے کہ عمارات، تعمیرات (بنانے، پھیلانے اور اونچا کرنے) میں فخر ومباہات کریں گے، اور یہ بھی کہ لونڈی اپنے آقا کو، یا یہ فرمایا کہ مالکن کو جَنم دے گی (مسند احمد)

اس طرح کا مضمون ایک اور حدیث میں بھی آیا ہے۔ [2]

---

[1] فی حاشية مسند احمد: حديث صحيح.

[2] عن أبی هريرة، قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يوما بارزا للناس، فأتاه رجل، فقال: يا رسول الله، ما الإيمان ؟ قال: الإيمان أن تؤمن بالله، وملائكته، وكتابه، ولقائه، ورسله، وتؤمن بالبعث الآخر "، قال: يا رسول الله، ما الإسلام ؟ قال " :الإسلام أن تعبد الله لا تشرك به شيئا، وتقيم الصلاة المكتوبة، وتؤتی الزكاة المفروضة، وتصوم رمضان "، قال: يا رسول الله، ما الإحسان ؟ قال " :أن تعبد الله كأنك تراه، فإنك إن لا تراه فإنه يراك "، فقال: يا رسول الله،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

معلوم ہوا کہ قیامت سے پہلے گرے پڑے اور جاہل اوران پڑھ قسم کے لوگ جوکھیتی باڑی کرنے اور مویشی چرانے والے ہوں گے، وہ حکومت کے منصب پر بیٹھ جائیں گے، آج قربِ قیامت کی یہ نشانی بھی سامنے ہے کہ حکمرانوں میں ایسے لوگوں کی کثرت ہے۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ سے اپنے بعد میں قیامت سے پہلے مختلف قسم کے حکمرانوں کی پیشگی اطلاع دے دی تھی، جس کی خبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو دی، اور ایسے حالات میں رہنما ہدایات بھی بتلائیں، اور وہ ہدایات یقیناً آج کے دور کے حکمرانوں کے لئے بھی ہیں۔

لہٰذا یہ سمجھنا کہ حکمرانوں کے جن حقوق کی نشاندہی واطاعت وغیرہ کا حکم دیا گیا ہے، وہ صرف نیک، صالح حکمرانوں کے بارے میں ہے، یہ درست نہیں، جس کی مزید تفصیل آگے آتی ہے۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ فاسق، گناہ گار اور ظالم حکمرانوں کی حکومت سے متعلق بھی اسلام کے احکام وہدایات موجود ہیں، لہٰذا حکومت کو ظالم وفاسق کہہ کر الگ تھلگ ہوکر بیٹھ جانا اوران کے متعلق شرعی احکام نہ ہونے کا دعویٰ کرنا کم علمی پر مبنی ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

متى الساعة ؟ قال " :ما المسئول عنها بأعلم من السائل، ولكن سأحدثك عن أشراطها، إذا ولدت الأمة ربها، فذاك من أشراطها، وإذا كانت العراة الحفاة رء وس الناس، فذاك من أشراطها، وإذا تطاول رعاء البهم في البنيان، فذاك من أشراطها، في خمس لا يعلمهن إلا الله "، ثم تلا رسول الله صلى الله عليه وسلم هذه الآية :(إن الله عنده علم الساعة وينزل الغيث ويعلم ما في الأرحام وما تدرى نفس ماذا تكسب غدا وما تدرى نفس بأى أرض تموت إن الله عليم خبير)ثم أدبر الرجل، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :ردوا على الرجل "، فأخذوا ليردوه، فلم يروا شيئا، فقال : "هذا جبريل جاء ليعلم الناس دينهم "(مسند احمد،رقم الحديث ٩٥٠١)

في حاشية مسند احمد:إسناده صحيح على شرط الشيخين.

(فصل نمبر۲)

اتحاد واتفاق کی اہمیت اور تفرقہ بازی کی مذمت

مسلمان عوام کوبطورِ خاص، اوران کے ساتھ حکمرانوں کواسلام میں اس چیز کی بڑی تاکید کی گئی ہے کہ وہ آپس میں متحد اور متفق ہوں، اورتفرقہ بازی اورایک دوسرے کی بے جا کاٹ کرنے سے پرہیز کریں، اورفرقہ واریت اورتفرقہ بازی کا خاتمہ کریں، کیونکہ اس کے بغیر کسی بھی معاشرہ میں امن وسکون کا حاصل ہونا اورتعمیر وترقی کے لئے کوئی کردار ادا کرنا مشکل ہے، متحد ومتفق ہونے کی برکت سے بڑے بڑے فتنوں کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے، اوراسی وجہ سے اسلام میں ایسی چیزوں سے بچنے پر بڑا زور دیا گیا ہے، جو آپس میں فرقہ واریت اورتفرقہ بازی کا باعث بنیں، کیونکہ اس کا انجام آپس کی خون ریزی اور دشمنوں کے تسلط وغیرہ جیسی خرابیوں اورفتنوں پر ہوا کرتا ہے۔

نیز جس ملک کے عوام متحد ومتفق نہ ہوں، اورمختلف قسم کی ناحق گروہ، پارٹی وجماعت بندیوں اورلسانی، صوبائی اوردوسرے قسم کے تعصّبات کا شکار ہوں، وہاں مضبوط اور مستحکم حکومت کا انتخاب وقیام بھی مشکل ہوتا ہے، اورانتخاب کے موقع پر اوراس کے بعد اسمبلیوں وغیرہ میں بھی آپس کی رسا کشی اورمچھلی منڈی کا سماں نظر آتا ہے، اوروسیع تر قومی وملکی مفادات کی تعمیر وترقی کے فیصلے بھی نہیں ہو پاتے، اور بار بار حکومت کی اکھاڑ پچھاڑ اورطویل بہتر پالیسیوں کے فقدان کی وجہ سے رفتہ رفتہ ملک تنزلی درتنزلی میں چلا جاتا ہے، اور بالآخر دیوالیہ ہوکر رہ جاتا ہے، اورغربت اورمہنگائی میں اضافہ ہونے سے عوام کی کمر ٹوٹ جاتی ہے۔

ان وجوہات کی بناء پر اسلام میں عوام کواس بات پر بھی توجہ دلائی گئی ہے کہ وہ امانت ودیانت دار حکمران کی بیعت وانتخاب کریں، اور پھراس کی جائز امور میں اطاعت کریں، اور جو شخص

باہمی اتحاد واتفاق کو متاثر کرے، اس کو زیرو مغلوب کریں۔
آگے قرآن وسنت کی روشنی میں اس کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

اتفاق کا حکم اور تفرقہ بازی کی ممانعت

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ آيَاتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (سورہ آل عمران، آیت ۱۰۳)

ترجمہ: اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ بازی نہ کرو، اور یاد کرو اللہ کی نعمت کو جو تم پر ہوئی، جب تم آپس میں دشمن تھے، پھر اللہ نے تمہارے دلوں میں باہم الفت ڈال دی، پھر تم اس کی نعمت کی وجہ سے بھائی بھائی ہو گئے، اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے، پھر اللہ نے تم کو اس سے بچالیا، اس طرح اللہ تم پر اپنی نشانیاں بیان کرتا ہے، تاکہ تم ہدایت پاؤ (سورہ آلِ عمران)

اس آیت سے اتفاق واتحاد کا حکم اور تفرقہ بازی کی ممانعت معلوم ہوئی، اور ساتھ ہی اتحاد واتفاق کا ذریعہ بھی معلوم ہوا، وہ یہ کہ سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو، اور کوئی بھی اس سے الگ نہ ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللّٰهَ يَرْضٰى لَكُمْ ثَلَاثًا، وَيَكْرَهُ لَكُمْ ثَلَاثًا، فَيَرْضٰى لَكُمْ: أَنْ تَعْبُدُوْهُ، وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا، وَأَنْ تَعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا، وَيَكْرَهُ لَكُمْ: قِيْلَ

وَقَالَ، وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ، وَإِضَاعَةَ الْمَالِ (مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے تین چیزوں کو پسند فرماتے ہیں، اور تین چیزوں کو ناپسند فرماتے ہیں، پس تمہارے لئے اس چیز کو پسند فرماتے ہیں کہ تم اس کی عبادت کرو، اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، اور اللہ کی رسی کو مل کر مضبوط پکڑ لو، اور تفرقہ بازی نہ کرو، اور تمہارے لئے قیل وقال (چہ می گوئیوں) کو ناپسند فرماتے ہیں، اور کثرت سے سوال کرنے کو، اور مال ضائع کرنے کو ناپسند فرماتے ہیں (مسلم)

کئی احادیث کی رُو سے اللہ تعالیٰ کی رسی سے مراد قرآن مجید ہے۔ [2]

اور بعض حضرات نے جو اللہ کی رسی سے اللہ ورسول کی اطاعت وغیرہ کا مراد ہونا بیان فرمایا ہے، یہ بھی اس کے مخالف نہیں، کیونکہ قرآن مجید میں اصولی انداز میں اللہ کے رسول کی اطاعت وغیرہ کا حکم بھی موجود ہے، جس سے سنت ہی مراد ہے۔

قرآن مجید میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَ هُمُ الْبَيِّنٰتُ وَأُولٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ (سورة آل عمران، آيت ۱۰۵)

---

[1] رقم الحديث ۱۷۱۵ "۱۰" كتاب الحدود، باب النهى عن كثرة المسائل من غير حاجة، والنهى عن منع وهات، داراحياء التراث العربى، بيروت.

[2] عن زيد بن أرقم قال: دخلنا عليه فقلنا له: لقد رأيت خيرا صحبت رسول الله صلى الله عليه وسلم وصليت خلفه فقال: نعم وإنه صلى الله عليه وسلم خطبنا فقال: "إني تارك فيكم كتاب الله هو حبل الله من اتبعه كان على الهدى ومن تركه كان على الضلالة (صحيح ابن حبان، رقم الحديث ۱۲۳، ذكر إثبات الهدى لمن اتبع القرآن والضلالة لمن تركه)

قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط مسلم (حاشية ابن حبان)

عن أبي وائل، قال: قال عبد الله " : إن هذا الصراط محتضر، تحضره الشياطين ينادون: يا عباد الله، هذا الطريق فاعتصموا بحبل الله، فإن حبل الله القرآن (سنن دارمي، رقم الحديث ۳۳۶۰)

ترجمہ: اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے پاس روشن دلیلیں آ جانے کے بعد بھی تفرقہ ڈالا اور اختلاف کیا، اور انہی لوگوں کے لئے بڑا عذاب ہے (سورہ آلِ عمران)

مذکور آیات اور حدیث سے آپس میں اتحاد و اتفاق کی فضیلت و اہمیت بھی معلوم ہوئی، اور اتحاد و اتفاق کا صحیح طریقہ بھی، وہ یہ کہ اللہ کی رسی یعنی قرآن وسنت پر سب متفق ہوں، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ آپس کا بے جا اختلاف اور تفرقہ بازی سخت گناہ ہے، جس پر عذابِ عظیم کی وعید اور دھمکی ہے۔

دین میں تفرقہ بازی کی ممانعت

قرآن مجید میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ. اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ (سورہ انعام، رقم الآیۃ ۱۵۹)

ترجمہ: بے شک جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ بازی اختیار کی، اور وہ کئی گروہ بن گئے، آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں، بس ان کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے، پھر (قیامت میں اللہ) ان کے کرتوتوں سے ان کو خبر دار کر دے گا (سورہ انعام)

معلوم ہوا کہ دین میں تفرقہ بازی اور گروہ بندی بری چیز ہے، جس کے بارے میں قیامت کے دن اللہ کی طرف سے مؤاخذہ ہوگا، اور تفرقہ بازی سے مراد یہ ہے کہ دین کی اصولی باتوں میں، جو قرآن وسنت میں واضح طور پر مذکور ہیں، ان سے اختلاف کرنا، یا جو دین کے فروعی مسائل ہیں، ان میں تشدد و تعنت اور تعصب اختیار کرنا اور ایک دوسرے کے خلاف صف آراء ہونا، اور بہر صورت اپنے ہی موقف کی تصدیق و توثیق اور دوسرے کے موقف کی تکذیب کرنا خواہ دوسرے کا موقف دلائل کے لحاظ سے راجح و مضبوط ہی کیوں نہ ہو۔

ورنہ اگر فروعی مسائل میں صحابۂ کرام اور فقہائے کرام کے باہمی اختلاف کے دائرہ میں رہ کر کسی موقف کو اختیار کیا جائے، اور اس کو فروعی درجہ کی چیز سمجھا جائے، اور کسی چیز کو اس کے درجہ سے بڑھایا اور گھٹایا نہ جائے، اور ایک دوسرے پر گمراہی کے فتوے اور احکام صادِر نہ کئے جائیں، تو یہ عمل بُری چیز نہیں۔

باہمی تنازعہ کا نقصان

اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ:

وَأَطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِينَ (سورة الانفال، رقم الآية ۴۶)

ترجمہ: اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اور آپس میں تنازعہ نہ کرو، ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، اور صبر کرو بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے (سورہ انفال)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت پر متفق وجمع ہونا چاہیئے، اور اس سے ہٹ کر آپس میں تنازعہ نہیں کرنا چاہیئے، جس کی وجہ سے بزدلی پیدا ہوتی ہے، اور دشمنوں کے مقابلہ میں ہوا اکھڑ جاتی ہے، اور اس کا حل یہ بیان کیا کہ اگر ایک دوسرے کی باتیں ناگوار گزریں، تو ان پر صبر سے کام لو، اور ایک دوسرے پر چڑھائی اور گمراہی کی بیان بازی نہ کرو، کیونکہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے، لہٰذا اللہ کی مدد ونصرت بھی انہیں کے ساتھ ہوگی۔

حکمران پر متحد ہونے کی اہمیت اور تفریق کی مذمت

متحد ومتفق ہونے اور آپس کی خون ریزی اور مختلف فتنے اور فسادات سے بچنے کا ایک طریقہ اسلام میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ سب لوگ کسی حکمران وحکومت پر متحد ومتفق ہوں، اور اس میں

تفریق ودراڑ ڈالنے کو برداشت نہ کریں۔

حضرت عرفجہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُوْلُ : إِنَّهُ سَتَكُوْنُ هَنَاتٌ وَهَنَاتٌ، فَمَنْ أَرَادَ أَنْ يُفَرِّقَ أَمْرَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ وَهِيَ جَمِيْعٌ، فَاضْرِبُوْهُ بِالسَّيْفِ كَائِنًا مَّنْ كَانَ (مسلم) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ عنقریب فتنے اور فساد ظاہر ہوں گے، پس جو اس امت کے معاملہ میں تفریق ڈالنے کا ارادہ کرے، جبکہ امت متحد ہو، تو اسے تلوار کے ساتھ ماردو، خواہ وہ شخص کوئی بھی ہو

(مسلم، حاکم، ابنِ حبان)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُوْلُ: مَنْ أَتَاكُمْ وَأَمْرُكُمْ جَمِيْعٌ عَلٰى رَجُلٍ وَاحِدٍ، يُرِيْدُ أَنْ يَّشُقَّ عَصَاكُمْ، أَوْ يُفَرِّقَ جَمَاعَتَكُمْ، فَاقْتُلُوْهُ (مسلم) [2]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا کہ جو کوئی شخص تمہارے پاس آئے دراں حالیکہ تم کسی ایک آدمی کی حکومت پر جمع ہو، وہ تمہاری مضبوطی کو پھاڑنا (اور ختم کرنا) چاہے، یا وہ تمہارے درمیان تفریق (اور پھوٹ) ڈالنا چاہے تو اس کو قتل کردو (مسلم، طبرانی، ابوعوانہ)

---

[1] رقم الحديث ١٨٥٢ "٥٩"، باب حكم من فرق أمر المسلمين وهو مجتمع، مستدرك حاكم، رقم الحديث ٢٦٦٥، ابنِ حبان، رقم الحديث ٤٤٠٦.

قال الحاكم: هذا حديث صحيح على شرط الشيخين، ولم يخرجاه.

وقال الذهبي: على شرط البخاري ومسلم.

وفي حاشية ابن حبان: إسناده صحيح على شرط الشيخين.

[2] رقم الحديث ١٨٥٢ "٦٠"، المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ٣٦٦، مستخرج ابي عوانة، رقم الحديث ٧١٤٠.

تفریق ڈالنے میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ حکمران کے خلاف خروج کرے۔

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ خَرَجَ عَلٰى أُمَّتِيْ وَهُمْ مُجْتَمِعُوْنَ يُرِيْدُ أَنْ يُفَرِّقَ بَيْنَهُمْ فَاقْتُلُوْهُ كَائِنًا مَّنْ كَانَ (مصنف عبدالرزاق) ؎۱

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو میری امت پر اُن کے درمیان تفریق ڈالنے کے ارادہ سے خروج کرے، جبکہ میری امت اکٹھی ہو، تو تم اُس کو قتل کردو، وہ کوئی بھی شخص ہو (عبدالرزاق، بغوی، طبرانی)

اور حضرت عرفجہ رضی اللہ عنہ کی بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں کہ:

سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: سَيَكُوْنُ بَعْدِيْ هَنَاتٌ وَهَنَاتٌ، فَمَنْ رَأَيْتُمُوْهُ فَارَقَ الْجَمَاعَةِ، أَوْ يُرِيْدُ أَنْ يُفَرِّقَ بَيْنَ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَمْرُهُمْ جَمِيْعٌ، فَاقْتُلُوْهُ كَائِنًا مَّنْ كَانَ، فَإِنَّ يَدَ اللّٰهِ مَعَ الْجَمَاعَةِ، وَإِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ يَرْتَكِضُ (ابنِ حبان) ؎۲

ترجمہ: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میرے بعد عنقریب فتنے اور فساد ظاہر ہوں گے، پس جس کو تم دیکھو کہ وہ جماعت میں تفریق ڈال رہا ہے، یا امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں تفریق ڈالنا چاہتا ہے، دراں حالیکہ وہ مجتمع

؎۱ رقم الحديث ۲۰۷۱۴، شرح السنة للبغوى، رقم الحديث ۲۴۶۳، باب من يخرج على الإمام والوفاء ببيعة الأول، المعجم الكبير للطبرانى، رقم الحديث ۳۵۴.

قال البغوى: هذا حديث صحيح، أخرجه مسلم عن محمد بن بشار، عن غندر، عن شعبة، عن زياد بن علاقة.

؎۲ رقم الحديث ۴۵۷۷، السنن الكبرىٰ للنسائى، رقم الحديث ۳۴۶۹.

فى حاشية ابنِ حبان: إسناده صحيح.

www.idaraghufran.org

ہیں، تو تم اُس کو قتل کردو، وہ شخص کوئی بھی ہو، کیونکہ اللہ کا ہاتھ (یعنی مدد) جماعت کے ساتھ (یعنی متحد ہونے میں) ہوتی ہے، اور شیطان اُس کے ساتھ ہوتا ہے، جو جماعت سے علیٰحدگی اختیار کرے، اُس کو شیطان ایڑھ لگاتا ہے (ابنِ حبان)

نیز ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ : يَكُونُ بَعْدِي هَنَاتٌ، وَهَنَاتٌ -فَطَوَّلَ بِهَا صَوْتَهُ -، فَمَنْ أَرَادَ أَنْ يُفَرِّقَ بَيْنَ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَمْرُهُمْ جَمِيعٌ فَاقْتُلُوهُ كَائِنًا مَنْ كَانَ، حَلَفَ مَا اسْتَثْنٰى أَحَدًا مِنَ النَّاسِ (المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ۳۵۷)

ترجمہ: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ میرے بعد فتنے اور فساد ظاہر ہوں گے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آواز کو بلند کر کے فرمایا کہ جس نے امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں تفریق ڈالنے کا ارادہ کیا، دراں حالیکہ اُن کا معاملہ (کسی حکمران پر) جمع ہے، تو تم اُس کو قتل کردو، وہ شخص کوئی بھی ہو، حلف اُٹھا کر لوگوں میں سے کسی کو بھی مستثنیٰ نہیں فرمایا (طبرانی)

اس طرح کی حدیث حضرت اُسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی مروی ہے۔ [1]

قتل کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس کے تفریق ڈالنے کے فتنے کو ختم کردو اور دبادو، اور اگر کسی طرح اس کا فتنہ ختم نہ ہو، اور دبے نہیں، تو پھر آخری درجہ میں اس کو قتل کرنا بھی جائز ہو جاتا ہے۔ [2]

---

[1] عن أسامة بن شريك، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من فرق بين أمتي وهم جميع فاضربوا رأسه كائنا من كان (المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ۴۸۸)

[2] (عن أسامة بن شريك) أى الذبياني الثعلبي روى عنه زياد بن علاقة وغيره ذكره المصنف في الصحابة (قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم أيما رجل خرج) أى على الإمام (يفرق بين أمتي) حال أو استئناف بيان قال الطيبي :فيه شائبة من أفعال المقاربة أى جعل يفرق أو هو مطاوع

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ احادیث سے کسی حکمران پر متفق ومتحد ہونے کی اہمیت معلوم ہوئی۔

رنگ ونسل اور قبائل کی بنیاد پر تفرقہ بازی اور بغض کی ممانعت

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ (سورة الحجرات، رقم الآية ۱۳)

ترجمہ: اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں مختلف خاندان اور قومیں اس لئے بنایا تاکہ تمہیں آپس میں (ایک دوسرے کی) پہچان ہو، بے شک زیادہ عزت والا تم میں سے اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں زیادہ تقویٰ والا ہو، بے شک اللہ سب کچھ جاننے اور خبر رکھنے والا ہے (سورہ حجرات)

مطلب یہ ہے کہ قبیلوں، خاندانوں اور نسلوں کے مختلف ہونے پر کامیابی کا دارومدار نہیں، بلکہ یہ تو ایک دوسرے کی پہچان کا ذریعہ ہیں، اور اصل کامیابی اور آخرت کی نجات تقویٰ اور نیک عمل پر ہے، جو بھی اس کو اختیار کرے گا، وہ کامیاب ہوگا، خواہ وہ دنیا کے اعتبار سے کسی نچلی سطح کی قوم اور قبیلہ سے تعلق رکھتا ہو، لہٰذا رنگ ونسل اور قبیلہ وخاندان کو اپنے درجہ پر رکھنا چاہیے، اور اسے اپنے درجہ سے نہیں بڑھانا چاہیے، اور اس کی وجہ سے ایک دوسرے پر فخر وتفاخر اور کسی کی تحقیر وتذلیل اور کاٹ اور تفریق اختیار نہیں کرنی چاہیے۔

حضرت ابونضرہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

خرجته فخرج أى مهر فى صيغة التفريق بين المسلمين فعلى هذا يفرق حال (فاضربوا عنقه) أى فاقتلوه .قال النووى :فيه الأمر بقتال من خرج على الإمام إذا أراد تفريق كلمة المسلمين ونحو ذلک فينبغى أن ينهى أولا وإن لم ينته قوتل فإن لم يندفع شره إلا بقتله كان هدرا (مرقاة المفاتيح، ج٦ص ۲۳۲۱، كتاب الديات، باب قتل اهل الردة والسعاية بالفساد)

حَدَّثَنِیُ مَنُ سَمِعَ خُطُبَةَ رَسُوُلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيُهِ وَسَلَّمَ فِیُ وَسَطِ أَيَّامِ التَّشُرِيُقِ فَقَالَ : يَا أَيُّهَا النَّاسُ، أَلاَ إِنَّ رَبَّكُمُ وَاحِدٌ، وَإِنَّ أَبَاكُمُ وَاحِدٌ، أَلاَ لاَ فَضُلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰی عَجَمِيٍّ ، وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلٰی عَرَبِيٍّ، وَلَا أَحُمَرَ عَلٰی أَسُوَدَ، وَلَا أَسُوَدَ عَلٰی أَحُمَرَ، إِلَّا بِالتَّقُوٰی أَبَلَّغُتُ، قَالُوُا : بَلَّغَ رَسُوُلُ اللّٰهِ، ثُمَّ قَالَ: أَیُّ يَوُمٍ هٰذَا ؟ قَالُوُا : يَوُمٌ حَرَامٌ، ثُمَّ قَالَ: أَیُّ شَهُرٍ هٰذَا ؟ قَالُوُا:شَهُرٌ حَرَامٌ، قَالَ :ثُمَّ قَالَ: أَیُّ بَلَدٍ هٰذَا؟ قَالُوُا بَلَدٌ حَرَامٌ، قَالَ فَإِنَّ اللّٰهَ قَدُ حَرَّمَ بَيُنَكُمُ دِمَاءَ كُمُ وَأَمُوَالَكُمُ ـ قَالَ :وَلَا أَدُرِیُ قَالَ : أَوُ أَعُرَاضَكُمُ، أَمُ لَا ـ كَحُرُمَةِ يَوُمِكُمُ هٰذَا، فِیُ شَهُرِكُمُ هٰذَا، فِیُ بَلَدِكُمُ هٰذَا أَبَلَّغُتُ، قَالُوُا: بَلَّغَ رَسُوُلُ اللّٰهِ، قَالَ : لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الُغَائِبَ (مسند أحمد، رقم الحديث ۲۳۴۸۹) [1]

ترجمہ: مجھ سے ایک ایسے صحابی نے حدیث بیان کی، جس نے ایامِ تشریق کے درمیان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ سنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا والد (یعنی حضرت آدم) بھی ایک ہے، یاد رکھو! کہ کسی عربی کو کسی عجمی (یعنی غیر عربی) پر اور کسی عجمی (یعنی غیر عربی) کو کسی عربی پر، کسی سرخ (اور گورے) کو سیاہ (یعنی کالے) پر اور کسی سیاہ کو کسی سرخ پر سوائے تقوٰی کے اور کسی وجہ سے فضیلت حاصل نہیں ہے، کیا میں نے اللہ کے پیغام کو پہنچا دیا؟ لوگوں نے عرض کیا کہ بے شک پہنچا دیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج کون سا دن ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ حرمت وعظمت والا دن ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مہینہ کون سا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ

---

[1] فی حاشیة مسند احمد: إسناده صحيح.

حرمت وعظمت والا مہینہ ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شہر کون سا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ حرمت وعظمت والا شہر ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو اللہ نے تمہارے درمیان تمہارے خون اور مال اور راوی کہتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں ہے کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے) تمہاری عزت کا لفظ فرمایا یا نہیں؟ کو اسی طرح حرمت وعظمت والا بنا دیا ہے جیسے اس مہینے اور اس شہر میں آج کے دن کی حرمت وعظمت ہے، پھر فرمایا کہ کیا میں نے اللہ کے پیغام کو پہنچا دیا؟ لوگوں نے عرض کیا کہ بے شک پہنچا دیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حاضرین کو چاہئے کہ غائبین تک یہ پیغام پہنچا دیں (مسند احمد)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسانوں میں کسی کو دوسرے پر بغیر تقویٰ کے فضیلت وفوقیت حاصل نہیں، اور قبیلہ، رنگ ونسل وغیرہ کی بنیاد پر دوسرے مسلمان کی ہتک، تحقیر وتوہین، حق تلفی یا قتل کرنا بھی جائز نہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: لاَ تَبَاغَضُوْا، وَلاَ تَحَاسَدُوْا، وَلاَ تَدَابَرُوْا، وَکُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰہِ إِخْوَانًا، وَلاَ یَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ یَّھْجُرَ أَخَاہُ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَیَّامٍ (بخاری) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ایک دوسرے سے بغض و عداوت نہ رکھو، اور نہ ایک دوسرے سے حسد کرو، اور نہ ایک دوسرے سے اعراض کرو، اور تم اللہ کے بندو! بھائی بھائی ہوجاؤ، اور مسلمان کے لئے حلال نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلقی رکھے (بخاری)

اس سے معلوم ہوا کہ آپس میں بغض وعداوت رکھنا، حسد کرنا، اور ایک دوسرے سے اعراض

---

[1] رقم الحدیث ۶۰۶۵، کتاب الادب، باب ما ینھی عن التحاسد والتدابر.

www.idaraghufran.org

وکاٹ کرنا جائز نہیں، اس سے سب کو بچنا چاہئے، اور بطورِ خاص سب مسلمانوں کو باہم بھائی بھائی بن کر رہنا چاہئے، اس میں جس طرح سارے عوام داخل ہیں، خواہ ان کے صوبے، زبانیں، رنگ ونسل مختلف ہوں، اسی طرح سیاسی وغیر سیاسی تمام پارٹیاں اور جماعتیں بھی داخل ہیں کہ ان کو بھی ایک دوسرے کی ناحق اور بے جا کاٹ نہیں کرنی چاہئے، اور ایک دوسرے سے ذاتی بغض وعداوت نہیں رکھنی چاہئے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ، لَا يَخُونُهُ وَلَا يَكْذِبُهُ وَلَا يَخْذُلُهُ، كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ، عِرْضُهُ وَمَالُهُ وَدَمُهُ، اَلتَّقْوٰى هَاهُنَا، بِحَسْبِ امْرِءٍ مِّنَ الشَّرِّ أَنْ يَّحْتَقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ (سنن الترمذی، رقم الحديث ۱۹۲۷) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر مسلم دوسرے مسلم کا بھائی ہے، نہ تو وہ اس کے ساتھ خیانت کرے، اور نہ اس کے ساتھ جھوٹ بولے، اور نہ اس کی تحقیر (وتذلیل) کرے، ہر مسلمان کی دوسرے مسلمان پر عزت اور مال اور خون (یعنی قتل) حرام ہے، تقویٰ یہاں (یعنی دل میں) ہوتا ہے، آدمی کے شر کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر (وتذلیل) کرے (ترمذی)

اس حدیث سے بھی دوسرے مسلمان کی تحقیر وتذلیل کرنے کی ممانعت معلوم ہوئی، اور آپس میں خون ریزی کرنے کی بھی قباحت وبرائی معلوم ہوئی۔

اور معلوم ہوا کہ سب مسلمانوں کو بھائی بھائی بن کر رہنا چاہئے، خواہ وہ کسی ملک، کسی صوبے، کسی شہر، کسی زبان، کسی نسل، کسی قبیلہ اور کسی بھی جماعت وپارٹی سے تعلق رکھتے ہوں، جس میں عوام بھی داخل ہیں، اور حکمران بھی، اور سیاسی وغیر سیاسی تمام جماعتیں وپارٹیاں بھی۔

---

[1] قال الترمذی: هذا حديث حسن غريب وفی الباب عن علی، وأبی أيوب.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَنْ خَرَجَ مِنَ الطَّاعَةِ، وَفَارَقَ الْجَمَاعَةَ فَمَاتَ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً، وَمَنْ خَرَجَ عَلٰى أُمَّتِيْ يَضْرِبُ بَرَّهَا، وَفَاجِرَهَا لَا يَتَحَاشٰى مِنْ مُؤْمِنِهَا، وَلَا يَفِيْ لِذِيْ عَهْدِهَا فَلَيْسَ مِنِّيْ، وَمَنْ قَاتَلَ تَحْتَ رَايَةٍ عُمِّيَّةٍ، يَدْعُوْ إِلٰى عَصَبِيَّةٍ، أَوْ يَغْضَبُ لِعَصَبِيَّةٍ فَقُتِلَ فَقِتْلَةٌ جَاهِلِيَّةٌ (سنن النسائی، رقم الحدیث ۴۱۱۴)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص (حکمران کی) اطاعت (یعنی کہنا ماننے اور قانون پر چلنے) سے خارج ہو جائے اور وہ (مسلمانوں کی) جماعت میں تفریق (اور تفرقہ) ڈالے، پھر وہ مر جائے تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا، اور جو کوئی میری امت پر نکلے نیک اور برے ہر ایک کو مارے اور مومن کو بھی نہ چھوڑے، اور جس (غیر مسلم) سے (قتل وقتال نہ کرنے کا) عہد ہو، اس عہد کی بھی پروانہ کرے، تو اس کا مجھ سے تعلق نہیں، اور جو گمراہ جھنڈے کے نیچے لڑائی کرے، تعصب کی دعوت دے یا تعصب کی وجہ سے (دوسروں پر) غصہ کرے، پھر وہ قتل ہو جائے، تو اس کا قتل ہونا جاہلیت کا قتل ہے (نسائی)

حکمرانوں کی جائز کاموں میں اطاعت، اتحاد واتفاق کا ذریعہ ہے، اور حکمرانوں کی اطاعت سے نکلنا یا قانون شکنی کرنا تفریق کا باعث ہے، اور لسانی، صوبائی، قبائلی یا خاندانی و برادری ونسل پرستی کی بنیاد پر تعصب کرنا اور اس کی وجہ سے دوسرے لوگوں پر غصہ کرنا، اور دوسرے قبیلہ وقوم کے اچھے برے سے صرف دوسری قوم وقبیلہ کا ہونے کی وجہ سے لڑائی وقتال کرنا سخت گناہ کی بات ہے۔

آج کل جو صوبوں اور زبانوں اور قوموں کی بنیاد پر ایک دوسرے کی کاٹ کی جاتی ہے، اور نیچا دکھایا جاتا ہے، اور اس سے بڑھ کر قتل وقتال کیا جاتا ہے، اور اسی بنیاد پر پارٹی بازی و جماعت

سازی کی جاتی ہے، اور دوسروں کو بھی جوش وجذبہ دلا کر اپنے علاوہ دوسرے لوگوں پر ابھارا جاتا ہے، وہ سب اس میں داخل اور زمانۂ جاہلیت سے تعلق رکھنے والی چیزیں ہیں۔ [1]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ان کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

قَالَ: مَنْ نَصَرَ قَوْمَهُ عَلٰى غَيْرِ الْحَقِّ، فَهُوَ كَالْبَعِيْرِ الَّذِىْ رُدِّىَ، فَهُوَ يُنْزَعُ بِذَنَبِهٖ (أبوداود، رقم الحديث ۵۱۱۷)

---

[1] (وعن أبى هريرة قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول :من خرج من الطاعة) أى طاعة الإمام (وفارق الجماعة) أى جماعة الإسلام (فمات) أى على ذلك (مات ميتة جاهلية ومن قاتل تحت راية) بالألف أى علم (عمية) بكسر العين ويضم وبتشديد الميم المكسورة بعدها تحتية مشددة، وفى القاموس :العمية كغنية ويضم الغواية واللجاج وبالكسر والضم مشددتى الميم والياء الكبر والضلال، قال النووى :بكسر العين وضمها وتشديدها وتشديد الميم والياء لغتان مشهورتان وهى الأمر الأعمى لا يستبين وجهه، كذا قاله ابن حنبل والجمهور فى الغريبين قال إسحاق :هذا فى تخارج القوم وقتل بعضهم بعضا، وكان أصله من التعمية وهو التلبيس (يغضب) أى حال كونه يغضب (لعصبية) وهى الخصلة المنسوبة إلى العصبية أى لإعلاء الكلمة الطيبة (أو يدعو) أى غيره (لعصبية أو ينصر) أى بالفعل من الضرب والقتل (عصبية) تمييز أو مفعول له وهو الأظهر، قال النووى :معناه يقاتل بغير بصيرة وعلم تعصبا كقتال الجاهلية ولا يعرف المحق من المبطل، وإنما يغضب لعصبية لا لنصرة الدين، والعصبية إعانة قومه على الظلم، قال الطيبى :قوله (تحت راية عمية) كناية عن جماعة مجتمعين على أمر مجهول لا يعرف أنه حق أو باطل فيدعون الناس إليه ويقاتلون له، وقوله (يغضب لعصبية) حال إما مؤكدة إذا ذهب إلى أن هذا الأمر فى نفسه باطل، أو متنقلة إذا فرض أنهم على الحق وأن من قاتل تعصبا لا لإظهار دين ولا لإعلاء كلمة الله وإن كان المغضوب له محقا كان على الباطل (فقتل) أى فى تلك الأحوال (فقتلة) خبر مبتدأ محذوف أى قتله قتلة (جاهلية) والجملة مع الفاء جواب الشرط (ومن خرج على أمتى) أى أمة الإجابة (بسيفه) أى بآلة من آلات القتل، قال الطيبى :يجوز أن يكون حالا أى خرج مشاهرا بسيفه وقوله (يضرب برها) أى صالحها (وفاجرها) أى طالحها حال متداخلة ويجوز أن يكون متعلقا بقوله يضرب، والجملة حال، وتقدم البر للاهتمام وإظهار الحرص والأذى (ولا يتحاشى من مؤمنها) أى لا يكترث ولا يبالى بما يفعله ولا يخاف عقوبته ووباله، قال الطيبى :والمراد بالأمة أمة الدعوة فقوله (برها وفاجرها) يشتمل على المؤمن والمعاهد والذمى، وقوله (لا يتحاشى من مؤمنها، ولا يفى لذى عهد عهده) كالتفصيل له .اهـ ولا يخفى بعد كون المراد أمة الدعوة (فليس منى) أى من أمتى أو على طريقتى (ولست منه) وفيه تهديد وتشديد وهذا السلب كسلب الأهلية عن ابن نوح فى قوله تعالى (إنه ليس من أهلك) لعدم اتباعه لأبيه (مرقاة المفاتيح، ج٦ص ۲۳۹۵، كتاب الامارة والقضاء)

ترجمہ: جس شخص نے اپنی قوم کی ناحق مدد کی تو وہ اس اونٹ کی طرح ہے جو کنویں میں گر پڑا اب وہ اپنی دم سے کھینچ کر نکالا جائے گا (ابوداؤد)

مطلب یہ ہے کہ اپنی قوم کی ناحق مدد کرنے سے انسان ہلاکت میں مبتلا ہوجاتا ہے، جس طرح سے کہ (کنویں میں) گرا ہوا اونٹ جس کو دُم سے کھینچ کر نکالا جائے، وہ بھی ہلاک ہوجاتا ہے، اور اس کا زندہ بچ پانا مشکل ہوتا ہے۔ [1]

اس سے معلوم ہوا کہ اپنی قوم، قبیلہ، جماعت وغیرہ کی بے جا طرفداری اور ناحق ساتھ دینا ہلاکت کا باعث ہے۔

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَمِنَ الْعَصَبِيَّةِ أَنْ يُحِبَّ الرَّجُلُ قَوْمَهُ؟ قَالَ : لَا، وَلٰكِنْ مِنَ الْعَصَبِيَّةِ أَنْ يَّنْصُرَ الرَّجُلُ قَوْمَهُ عَلَى الظُّلْمِ (مسند أحمد، رقم الحديث ١٦٩٨٩) [2]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا آدمی کا اپنی قوم سے محبت رکھنا بھی تعصُّب میں داخل ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں! بلکہ تعصب تو یہ ہے کہ آدمی اپنی قوم کی ظلم (یعنی ناحق چیز) پر مدد کرے (مسند احمد)

اس سے معلوم ہوا کہ اپنی قوم یا قبیلہ سے محبت رکھنا تعصب میں داخل نہیں، اور اس سے اسلام نے منع نہیں کیا، لیکن اپنی قوم کی بے جا حمایت اور اس کے ظلم وزیادتی پر مدد کرنا یہ تعصب میں داخل ہے، جس سے اسلام نے سختی کے ساتھ منع کیا ہے۔

---

[1] (مثل الذى يعين قومه على غير الحق مثل بعير تردى وهو يجر بذنبه) لفظ رواية أبى داود كمثل بعير تردى فى بئر فهو ينزع منها بذنبه اه قال بعضهم :معنى الحديث أنه قد وقع فى الإثم وهلك كالبعير إذا تردى فى بئر فصار ينزع بذنبه ولا يقدر على الخلاص(فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ٨١٤٢)

[2] فى حاشية مسند احمد: حديث حسن.

مثلاً کسی فرد یا جماعت و پارٹی کی غلط وناحق بات کی اس بنیاد پر تائید کرنا اور اسے اس پر ابھارنا کہ اس فرد یا جماعت کا اپنے قبیلہ یا علاقہ سے تعلق ہے، یہ حرام ہے، جیسا کہ آج کل صوبائی اور قومی تعصّبات کی وجہ سے ایسا کیا جاتا ہے، اور اس کے نتیجہ میں بڑے بڑے اجتماعی نقصانات پیش آجاتے ہیں، بلکہ دشمن اسی تعصب کو ہوا دے کر مسلمانوں کو آپس میں لڑاتے بھڑاتے اور اس سے بڑھ کر علاقے تقسیم کراتے ہیں، اور وہ خود بیٹھ کر تماشا دیکھتے ہیں۔ [1]

باہم لڑنے والی جماعتوں میں انصاف سے صلح کرادینے کا حکم

اسلام میں پہلے تو آپس میں متحد ومتفق ہو کر رہنے کا حکم دیا گیا ہے، اور آپس میں لڑائی جھگڑے، تنازعہ اور بغض وعداوت اور تفرقہ بازی اور فرقہ واریت سے منع کیا گیا ہے، خواہ یہ چیزیں صوبائیت کی بنیاد پر ہوں، یا لسانیت وقومیت کی بنیاد پر، اور اس کے بعد پھر اگر کچھ لوگوں یا جماعتوں کا آپس میں تنازعہ وجھگڑا کھڑا ہو جائے، تو ان میں انصاف کے ساتھ مصالحت کرادینے کی تاکید اور اس کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَأَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْءَ إِلٰى أَمْرِ اللّٰهِ فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوْا إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ. إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوْا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (سورة الحجرات، رقم الآيات ۹، ۱۰)

---

[1] پاکستان کے دستور میں بھی علاقائی، نسلی، قبائلی فرقہ وارانہ اور صوبائی تعصبات کی حوصلہ شکنی کی قرارداد درج ہے، جس کا مضمون یہ ہے کہ:

مملکت شہریوں کے درمیان علاقائی، نسلی، قبائلی فرقہ وارانہ اور صوبائی تعصّبات کی حوصلہ شکنی کرے گی
(آرٹیکل ''۳۳'' باب نمبر۲، حکمتِ عملی کے اصول، اسلامی جمہوریہ پاکستان کا دستور)

ترجمہ: اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ (جماعتیں، قبیلے وغیرہ) آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرادو پس اگر ان میں سے ایک (گروہ) دوسرے (گروہ) پر زیادتی کرے تو تم اس (گروہ) سے لڑو، جو زیادتی کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم (یعنی حق اور امن) کی طرف رجوع کرے، پھر اگر وہ (حق اور امن کی طرف) رجوع کرے تو ان دونوں میں عدل و انصاف کے ساتھ صلح کرادو اور تم (صلح کرانے میں) انصاف سے کام لو (اور کسی کی ناحق طرف داری اور بے جا حمایت نہ کرو) بے شک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے، پس تمام مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں، سو اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کرادو اور اللہ سے ڈرو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے (سورہ حجرات)

اور ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ (سورة الانفال، رقم الآية ۱)

ترجمہ: پس تم اللہ سے ڈرو، اور اپنے (یعنی مومن بھائیوں کے) درمیان صلح کراؤ (سورہ انفال)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے درمیان صلح ومصالحت کرانی چاہئے، اور فساد نہیں ڈلوانا چاہئے، بلکہ فساد واختلاف کو ختم کرانا چاہئے، اور جو جماعت یا گروہ وقبیلہ زیادتی وظلم سے کام لے، اسے حق کی طرف دعوت دے کر لڑائی کو بجھانا چاہئے، اور اگر پھر بھی کوئی گروہ ظلم سے باز نہ آئے، تو اس کو حکمت کے ساتھ بزورِ طاقت روکنے کی کوشش کرنی چاہئے، جبکہ اس پر قدرت بھی ہو۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْمُسْلِمُوْنَ كَرَجُلٍ وَّاحِدٍ، إِنِ اشْتَكٰى عَيْنُهٗ، اِشْتَكٰى كُلُّهٗ، وَإِنِ اشْتَكٰى، رَأْسُهٗ اِشْتَكٰى كُلُّهٗ

(مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام مسلمان شخصِ واحد کی طرح ہیں، اگر اُس (جسمِ واحد) کی آنکھ میں تکلیف ہو، تو اس پورے (جسم) کو تکلیف ہوتی ہے، اور اگر اس (جسمِ واحد) کے سر میں تکلیف ہو، تو اس پورے (جسم) کو تکلیف ہوتی ہے (مسلم)

معلوم ہوا کہ تمام مسلمان آپس میں بھائی اور ایک جسم کی طرح ہیں، خواہ وہ کسی رنگ ونسل اور قبیلہ وعلاقہ سے تعلق رکھتے ہوں، اس لئے سب مسلمانوں کو ایک دوسرے کی تکلیف اور دکھ درد کا احساس کرنا چاہئے، اور آپس کی نا اتفاقی سے بچنا چاہئے۔

صلح کرادینا افضل ومحبوب ترین صدقہ ہے

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : أَفْضَلُ الصَّدَقَةِ إِصْلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ (المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ۳۱) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ افضل ترین صدقہ لوگوں کے درمیان صلح کرادینا ہے (طبرانی)

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَلَا أَدُلُّكَ عَلٰى صَدَقَةٍ يُحِبُّ

---

[1] رقم الحديث ۶۷ ''۱۲۵۸۶ ''كتاب البر والصلة والآداب، باب تراحم المؤمنين وتعاطفهم وتعاضدهم، داراحياء التراث العربى، بيروت.

[2] قال المنذرى: رواه الطبرانى والبزار وفى إسناده عبد الرحمن بن زياد بن أنعم وحديثه هذا حسن لحديث أبى الدرداء المتقدم (الترغيب والترهيب، الترغيب فى الإصلاح بين الناس)
وقال البوصيرى: قلت :مدار الإسناد على الأفريقى وهو ضعيف. لكن له شاهد من حديث أبى الدرداء (اتحاف الخيرة المهرة، باب فى الإصلاح بين الناس)

اللّٰہُ مَوْضَعَهَا؟ قَالَ : قُلْتُ : بَلٰی بِأَبِیْ أَنْتَ وَأُمِّیْ . قَالَ : تَصْلِحُ بَیْنَ النَّاسِ، فَإِنَّهَا صَدَقَةٌ یُحِبُّ اللّٰہُ تَعَالٰی مَوْضَعَهَا (الترغیب و الترهیب للاصبهانی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں ایسے صدقہ کے بارے میں نہ بتاؤں کہ اللہ تعالیٰ جس کے مقام کو پسند فرماتے ہیں؟ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ بے شک میرے والدین آپ پر قربان ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں کے درمیان صلح کرادیں تو یہ ایسا صدقہ ہے کہ جس کے مقام کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں (ترغیب و ترہیب)

اس طرح کی حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ [2]

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے درمیان صلح اور مصالحت کرادینا اور منازعت وجھگڑا یا فساد اور کشیدگی کو ختم کرادینا عظیم صدقہ ہے، خواہ وہ جھگڑا مختلف صوبوں کے لوگوں،

---

[1] رقم الحدیث ۱۸۰، باب فی الترغیب فی الإصلاح بین الناس.

قال الالبانی: الحدیث عندی یرتقی إلی مرتبة الحسن علی الأقل، بمجموع هذه الطرق، لاسیما وفیها ذلک المرسل الصحیح . والله أعلم(سلسلة الأحادیث الصحیحة،تحت رقم الحدیث ۲۶۴۴)

[2] عن عبادة بن عمیر بن عبادة بن عوف، قال :قال لی أبو أیوب :قال لی رسول الله صلی الله علیه وسلم :یا أبا أیوب ألا أدلک علی صدقة یحبها الله ورسوله؟ تصلح بین الناس إذا تباغضوا، وتفاسدوا (المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث ۳۹۲۲)

عن عبادة بن عمرو بن عبادة بن عوف ، قال :قال أبو أیوب :قال لی رسول الله صلی الله علیه وسلم : یا أبا أیوب ، ألا أدلک علی صدقة یحبها الله ورسوله ؟ ؛ تصلح بین الناس إذا تباغضوا ، وتفاسدوا (مسند عبد حمید، رقم الحدیث ۲۳۴)

عن أبی أمامة قال :قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لأبی أیوب بن زید :یا أبا أیوب، ألا أدلک علی عمل یرضاه الله ورسوله؟ قال :بلی .قال :تصلح بین الناس إذا تفاسدوا، وتقارب بینهم إذا تباعدوا (المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث ۷۹۹۹)

قال الهیثمی: رواه الطبرانی، وعبد الله بن حفص صاحب أبی أمامة لم أعرفه، وبقیة رجاله ثقات (مجمع الزوائد، ج۸،ص۸۰،باب ما جاء فی الإصلاح بین الناس)

www.idaraghufran.org

قبیلوں وغیرہ کے درمیان ہو، یا دو جماعتوں وپارٹیوں کے درمیان ہو، اور خواہ وہ جماعتیں وپارٹیاں سیاسی ہوں، یا غیر سیاسی۔

صلح کرادینا روزہ، نماز اور صدقہ کی کثرت سے افضل ہے

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَفْضَلَ مِنْ دَرَجَةِ الصَّلَاةِ، وَالصِّيَامِ، وَالصَّدَقَةِ؟ قَالُوْا : بَلٰى قَالَ : إِصْلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ قَالَ وَفَسَادُ ذَاتِ الْبَيْنِ هِيَ الْحَالِقَةُ (مسند احمد، رقم الحديث ٢٧٥٠٨) [۱]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں نماز، اور روزہ اور صدقہ سے افضل درجہ کی چیز کی خبر نہ دیدوں؟ صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ بے شک! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں کے درمیان صلح کرادینا (یہ عمل نماز، روزہ اور صدقہ سے افضل ہے) اور لوگوں کے درمیان فساد (وتنازعہ) پھیلانا (اور اختلاف کو پیدا کرنا) (دین کو) مونڈنے (یعنی دین اور نیکیوں کا صفایا کرنے) والی چیز ہے (مسند احمد)

حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے مرسلاً روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرٍ لَّكُمْ مِنْ كَثِيْرٍ مِّنَ الصَّلَاةِ وَالصَّدَقَةِ؟ قَالُوْا : بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ . قَالَ: إِصْلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ (الترغيب و الترهيب للاصبهاني) [۲]

---

[۱] فى حاشية مسند احمد: إسناده صحيح، رجاله ثقات رجال الشيخين.

[۲] رقم الحديث ١٨٣ ،باب فى الترغيب فى الإصلاح بين الناس.

قال الالباني: رجاله كلهم ثقات رجال مسلم غير إسحاق بن إسماعيل -وهو الطالقاني -وهو ثقة، فهو إسناد صحيح، ولكنه مرسل (سلسلة الأحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ٢٦٣٣)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں ایسی چیز کی خبر نہ دے دوں، جو تمہارے لیے کثرت سے نماز پڑھنے اور صدقہ کرنے سے بہتر ہے، صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ضرور خبر دیجئے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں کے درمیان (بغض وعداوت اور تعصُّب ختم کرا کر) صلح کرا دینا (ترغیب وترہیب)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ : مَا عَمِلَ ابْنُ آدَمَ شَیْئًا أَفْضَلَ مِنَ الصَّلَاۃِ ، وَصَلَاحِ ذَاتِ الْبَیْنِ، وَخُلُقٍ حَسَنٍ وَقَالَ لِیْ صَدَقَۃٌ (الأحادیث المرفوعۃ من التاریخ الکبیر للبخاری) [۱]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابنِ آدم کا کوئی عمل بھی نماز اور لوگوں کے درمیان (بغض وعداوت اور تعصُّب ختم کرا کر) صلح کرانے اور اچھے اخلاق سے افضل نہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ یہ (صلح کرانے کا عمل انسان کی طرف سے) صدقہ (کا درجہ رکھتا) ہے (تاریخ کبیر للبخاری، شعب الایمان)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ لوگوں کے درمیان صلح ومصالحت کرا دینا، نماز روزہ، اور صدقہ یا ان اعمال کی کثرت سے بھی افضل ہے۔

لہٰذا اگر کچھ لوگوں اور جماعتوں و پارٹیوں اور قبیلوں میں اختلاف وکشیدگی اور تعصُّب پیدا ہو جائے، تو حق وانصاف کے ساتھ ان کے درمیان صلح کرا دینا چاہئے۔

---

[۱] رقم الحدیث ۶۲، شعب الایمان، باب فی الإصلاح بین الناس إذا مرجوا وفسدت ذات بینھم. قال الالبانی: فالإسناد حسن إن شاء اللہ تعالی وکأنہ لذلک رمز السیوطی لحسنہ کما فی "الفیض". "وقد أشار البخاری إلی أن لہ شاھدا من حدیث أبی الدرداء عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ساق إسنادہ إلی الأعمش عن عمرو عن سالم عن أم الدرداء عنہ. وھذا إسناد صحیح رجالہ کلھم ثقات، وسالم ھو ابن أبی الجعد، وعمرو ھو ابن دینار (سلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ، تحت رقم الحدیث ۱۴۴۸)

باہمی کشیدگی کو ختم کرادینا عظیم تجارت ہے

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِأَبِيْ أَيُّوْبَ أَلَا أَدُلُّكَ عَلٰى تِجَارَةٍ؟ قَالَ : بَلٰى، قَالَ : صِلْ بَيْنَ النَّاسِ إِذَا تَفَاسَدُوْا، وَقَرِّبْ بَيْنَهُمْ إِذَا تَبَاعَدُوْا (كشف الأستار عن زوائد البزار، رقم الحديث ۲۰۶۰) [۱]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ کیا میں تمہیں عظیم تجارت نہ بتادوں؟ انہوں نے عرض کیا کہ بے شک (ضرور بتلایئے) تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب لوگوں کے درمیان فساد (یعنی اختلاف وانتشار اور کشیدگی) پیدا ہو، تو آپ اُن میں ملاپ کروادیں، اور جب اُن کے درمیان دُوری پیدا ہو، تو آپ اُن میں قُربت (ونزدیکی) پیدا کرادیں (بزار)

معلوم ہوا کہ لوگوں کے درمیان صلح کرادینا اور بغض وعداوت اور کشیدگی ختم کرا کر اتفاق اور باہمی الفت ومحبت اور مودّت قائم کرادینا بہت عظیم تجارت اور آخرت کے منافع وثواب کا باعث ہے۔

خلاصہ یہ کہ آپس کا اتحاد واتفاق بہت اہم عبادت ہے، اور اس کی اسلام میں بہت تاکید ہے، اور متعصّبانہ ومتشددانہ اختلاف وانتشار یا تفرقہ بازی خواہ دین کی بنیاد پر ہو، یا لسانی، صوبائی، اور قبائل وغیرہ کے تعصب کی بنیاد پر، یہ سخت بری چیز اور زمانۂ جاہلیت کی خصلت ہے۔ [۲]

---

[۱] قال الالبانی: حسن لغیرہ (صحيح الترغيب والترهيب، تحت رقم الحديث ۲۸۱۸)

[۲] حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''اگر مسلمان اُصولِ صحیحہ اور احکامِ شرعیہ کا اتباع کریں تو ساری دنیا بھی مل کر ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی، میں ایک مرتبہ ریل میں سفر کررہا تھا اسی ڈبہ میں چند دیہاتی مسلمان بیٹھے ہوئے تحریکاتِ حاضرہ کے متعلق آپس میں گفتگو کررہے تھے اور اپنی اپنی کہہ رہے تھے میں بھی سن رہا تھا، ایک ان میں سے خاموش بیٹھا سن رہا تھا، جب

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اگر کبھی دو جماعتوں، پارٹیوں، قبیلوں وغیرہ میں تنازعہ کھڑا ہوجائے، تو ان کے درمیان حق وانصاف سے صلح کرادینا عظیم فضیلت والا عمل ہے۔

اور اتحاد واتفاق کی ایک صورت یہ ہے کہ سب مل کر بہتر یا دوسروں کے مقابلہ میں غنیمت حکمران کا انتخاب کریں اور پھر اس کی اطاعت کریں، اور حکومتی قوانین کی پابندی وپاسداری کریں، اور حکومت کے خلاف خروج وبغاوت کا ارتکاب نہ کریں، اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

گزشتہ تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حکمرانی اور حکومت کے انتخاب کی جدوجہد کرنا اور اس پر متفق ہونے کا اہتمام کرنا بھی دین اور شریعت کا حصہ ہے، اور یہ کہنا یا سمجھنا کہ اس کا دین سے تعلق نہیں، یہ کم فہمی کی بات ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

سب اپنی اپنی کہہ چکے تو وہ شخص بولا اپنی اپنی تو تم کہہ چکے اب میری بھی سن لو، کیوں اتنے بکھیڑے کئے اگر مسلمان دو باتوں کی پابندی کرلیں ساری دنیا ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی، ایک بولا کہ بتلاوہ کیا بات ہے؟ کہتا ہے کہ ایک رہو اور نیک رہو، دیکھیں پھر کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے، کیسی عجیب بات کہہ گیا، آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے، دو جملوں میں تمام احکامِ شرعیہ کا خلاصہ بیان کرگیا'' (ملفوظات الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ جلد نمبر۵ ص۳۶۲ ملفوظ نمبر ۴۱۵)

''ایک نئی روشنی والے صاحب نے مجھ سے کہا تھا کہ آپ اس تحریک میں کیوں شریک نہیں ہوتے میں نے کہا کہ یہ کام موقوف ہے۔ قوت پر اور قوت موقوف ہے بقاءِ اتفاق (مسلمانوں کے باہمی اتفاق واتحاد کے موجود ہونے) پر، خواہ وحدتِ ارادیہ ہو یا وحدتِ قہریہ ہو (یعنی خواہ اپنے اختیار وارادہ سے سب متحد ومتفق ہوں یا پھر کسی طاقت کے زور پر مثلاً حکمران کے قانون اور امیر کی وجہ سے متحد ومتفق ہوں) اور یہ ہم میں مفقود (غیر موجود ہے) اور جب تک یہ نہ ہو کام نہیں ہوسکتا۔ دوسرے یہ کہ میں ان اصولِ مخترعہ (من گھڑت طریقوں) کا کاربند نہیں ہوسکتا۔ اصولِ شرعیہ کے ماتحت رہ کر کام کرسکتا ہوں اور اسی کو تم لوگ روڑے اٹکانا سمجھتے ہو حتیٰ کہ اس وقت یہ کہا جاتا تھا کہ یہ مسائل کا وقت نہیں۔ کام کا وقت ہے حالانکہ ہر کام کے کچھ شرائط اور اصول ہوتے ہیں۔ دیکھو نماز جیسی بڑی چیز مگر حدود اور قیود (حدبندیوں اور پابندیوں) سے وہ بھی خالی نہیں'' (ملفوظات الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ جلد نمبر۳ ص۲۶۰ ملفوظ نمبر ۴۲۴)

''مسلمان اگر تباہ اور برباد نہ ہوں تو اور کیا ہو اور اس تباہی اور بربادی کی وجہ زیادہ تر بدانتظامی ہے جو دلیل ہے بےفکری کی'' (ملفوظات الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ جلد نمبر۸ ص۱۷، ملفوظ نمبر ۵۷)

(فصل نمبر۳)

حکومت کی اطاعت اور قوانین کی پابندی

حکومت وحکمرانوں کے حقوق سے متعلق اسلام کی پاکیزہ تعلیمات میں ایک اہم بات جس پر اسلام میں بہت زیادہ زور دیا گیا ہے یہ ہے کہ عوام، حکمرانوں کی اطاعت کریں، اور حکمرانوں کی نافرمانی وقانون شکنی سے پرہیز کریں، اور اسلام کی پاکیزہ تعلیمات میں اس پہلو کی بڑی تاکید بیان کی گئی ہے۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جس معاشرہ میں کوئی بڑا سر پر نہ ہو، اور کسی بڑے کی پیروی واتباع نہ ہو، تو وہ معاشرہ سنگین جرائم اور فتنوں اور تفریق کی لپیٹ میں آجاتا ہے، چنانچہ جن ممالک میں عوام کی طرف سے حکمرانوں کی نافرمانی یا بالفاظِ دیگر قانون شکنی کا دور دورہ ہوتا ہے، وہ معاشرہ امن وامان سے محروم اور مختلف قسم کے فتنوں اور فسادات سے دوچار ہوجاتا ہے، اور اس معاشرہ میں دنیا کے اعتبار سے بھی لوگوں کو پرسکون زندگی گزارنا مشکل ہوجاتا ہے، بلکہ دین کے اعتبار سے بھی عبادات اور دینی معمولات کو خشوع وخضوع اور یکسوئی کے ساتھ انجام دینا مشکل ہوجاتا ہے، اور لوگوں کی جان ومال اور عزت وآبرو اور اس سے بڑھ کر ایمان بھی محفوظ نہیں رہ پاتا۔

اور جن علاقوں میں حکومت کا باضابطہ نظام نہیں ہے، جیسا کہ قبائلی علاقے یا علاقۂ غیر، وہاں امن وامان کی صورتِ حال انتہائی خراب ہوتی ہے، اور وہاں مختلف قبیلوں میں نسل در نسل قتل وغارت گری کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

ان فتنوں کا سدِ باب کرنے، تفریق سے بچنے، اور اتحاد واتفاق کو برقرار رکھنے کے لئے اسلام میں جا بجا حکمرانوں کے انتخاب، ان کی اطاعت اور حکومت کے جائز قوانین کی پابندی کا حکم

دیا گیا ہے۔ [1]

آگے اس سلسلہ میں قرآن وسنت کے کچھ دلائل ذکر کیے جاتے ہیں۔

قرآن میں اللہ، رسول اور حکمرانوں کی اطاعت کا حکم

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

إِنَّ اللّٰـهَ يَـأْمُـرُكُـمُ أَنْ تُـؤَدُّوا الْأَمَـانَاتِ إِلٰى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّـاسِ أَنْ تَـحْـكُـمُـوْا بِـالْـعَدْلِ إِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَـمِيْـعًـا بَـصِيْـرًا. يَـا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَطِيْعُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَأُولِـي الْأَمْـرِ مِنْكُمْ. فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ إِنْ كُـنْتُـمْ تُـؤْمِـنُـوْنَ بِـاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّأَحْسَنُ تَأْوِيْلًا

(سورة النساء ،رقم الآية ۵۸، ۵۹)

ترجمہ: بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل لوگوں تک پہنچا دو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو، بے شک اللہ تمہیں

---

[1] (طاعة أولى الأمر) دلت النصوص من القرآن والسنة على وجوب طاعة أولى الأمر، وأن معصيتهم حرام، ولكن الطاعة الواجب على الأمة التقيد بها ليست طاعة مطلقة .وإنما هى طاعة فى حدود الشرع.

وقد أمر الله تعالى بالطاعة لأولى الأمر فى قوله عز وجل :(يا أيها الذين آمنوا أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولى الأمر منكم) وتسمى هذه الآية (آية الأمراء)

والطاعة أمر أساسى لوجود الانضباط فى الدولة.

والطاعة :امتثال الأمر .وهى مأخوذة من أطاع إذا انقاد.

ووجوب طاعة الله وطاعة رسوله مستفاد من قوله تعالى (أطيعوا الله وأطيعوا الرسول) لأن أطيعوا) أمر، والأمر يتعين للوجوب إذا حفت به قرينة تصرف إليه، وقد تضمن النص قرينة جازمة تصرف الأمر إلى الوجوب، وذلك بربط الطاعة بالإيمان بالله واليوم الآخر أى حقيقة.

والله سبحانه أمر بالطاعة طاعة مطلقة غير مقيدة، ثم جاء ت السنة تقيد الطاعة بما لا يكون معصية (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٦، ص ١٩٠، وص ١٩١، مادة "أولو الأمر"، ما يجب لأولى الأمر على الرعية)

نہایت اچھی نصیحت کرتا ہے، بے شک اللہ، خوب سننے والا دیکھنے والا ہے۔ اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے اولی الامر (یعنی حاکم) ہوں۔ پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں تنازعہ ہو جائے تو اسے (تصفیہ وفیصلہ کے لئے) اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو، اگر تم واقعی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو، یہی سب سے زیادہ خیر والا اور تاویل (وانجام) کے اعتبار سے سب سے اچھا طریقہ ہے (سورہ نساء)

مذکورہ آیات میں جو "اولی الامر" کی اطاعت کا ذکر ہے، اس سے حکمران مراد ہیں۔

چنانچہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

(أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُوْلَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ) قَالَ : نَزَلَتْ فِيْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حُذَافَةَ بْنِ قَيْسِ بْنِ عَدِيٍّ إِذْ بَعَثَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَرِيَّةٍ (بخاری، رقم الحدیث ۴۵۸۴)

ترجمہ: سورہ نساء کی آیت "اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ" یہ حضرت عبداللہ بن حذافہ بن قیس بن عدی کے بارے میں نازل ہوئی، جب ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر کا امیر بنا کر بھیجا (بخاری)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

(أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُوْلَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ) قَالَ: اَلْأُمَرَاءُ (مصنف ابن أبی شيبة) [1]

ترجمہ: سورہ نساء کی آیت "اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ" یہ امراء (یعنی حکمرانوں) کے بارے میں نازل ہوئی (ابنِ ابی شیبہ)

اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

[1] رقم الحديث ۳۳۱۹۸، کتاب السير، ما جاء فی طاعة الإمام والخلاف عنه.

(وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ)قَالَ:أُولُو الْفِقْهِ أُولُو الْخَيْرِ (مصنف ابن أبي شيبة) ؎۱
ترجمہ: سورہ نساء کی آیت " وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ " سے فقہ والے اہلِ خیر (یعنی فقہاء وعلماء) مراد ہیں (ابنِ ابی شیبہ)

مذکورہ اور اس جیسی روایات وآثار کے پیشِ نظر سورہ نسآء کی مذکورہ آیات میں اُولِی الْاَمْرِ سے مراد اکثر مفسرین، محدثین واہلِ علم حضرات کے نزدیک حکمران ہیں۔
کیونکہ اولاً تو امر والا امیر وحاکم یا حکمران ہی کو کہتے ہیں، دوسرے اس آیت کے شانِ نزول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ ؎۲
تیسرے اس آیت سے پہلی آیت میں بھی امانت اور حکومت کا بیان ہوا ہے، جو اس بات کا قرینہ اور علامت ہے کہ اُولِی الْاَمْرِ سے مراد حکمران ہیں۔
چوتھے حکمرانوں کی اطاعت کی بہت سی احادیث میں تاکید آئی ہے، اور ان میں بھی حکمرانوں کے لئے "اُولِی الْاَمْرِ" یا اس سے ملتے جلتے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، جیسا کہ آگے آتا ہے۔
وہ الگ بات ہے کہ "اُولِی الْاَمْرِ" کے درجات باہم مختلف ہیں، چنانچہ کسی ادارہ کا ذمہ دار

؎۱ رقم الحديث ٣٣٢٠٠، كِتاب السِّير، ما جاءَ فِي طاعةِ الإمامِ والخِلافِ عنه.
؎۲ قوله (نزل قوله تعالى أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولى الأمر منكم في عبد الله بن حذافة أمير السرية قال العلماء المراد بأولى الأمر من أوجب الله طاعته من الولاة والأمراء هذا قول جماهير السلف والخلف من المفسرين والفقهاء وغيرهم وقيل هم العلماء وقيل الأمراء والعلماء وأما من قال الصحابة خاصة فقط فقد أخطأ(شرح النووى)
قال الله عز وجل : (يا أيها الذين آمنوا أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولى الأمر منكم) واختلف فى أولى الأمر، فقيل :هم أمراء السرايا، وقيل :هم العلماء ، ويحتمل أن يكون عاما لهما، فإن كان خاصا فأمراء السرايا أشبه بأن يكون المراد، لأن ذا الأمر هو الأمير، وبسط الكلام فيه "قال الإمام أحمد " :الحديث الذى ورد فى نزول هذه الآية دليل على أنها فى الأمراء (شعب الإيمان، ج ٩ ص ٤٥٨، التاسع والاربعون من شعب الايمان وهو باب فى طاعة اولى الامر بفصولها)

اس ادارہ کا ''اُولِی الْاَمْرِ'' کہلاتا ہے، اور اسی حیثیت سے احادیث میں ہر ایک کو اپنے معاملہ کا نگران و ذمہ دار قرار دیا گیا ہے۔[1]

جہاں تک دینی علم کے بارے میں محقق علماء وفقہاء کی اطاعت کا حکم ہے، تو وہ کیونکہ امرِ دینی کا زیادہ علم رکھنے والے ہیں، اس لئے وہ ایک حیثیت سے دینی علم کے اُولِی الْاَمْرِ ہیں، اس لئے وہ بھی ضمناً اس میں داخل ہیں۔

اور اگر اُولِی الْاَمْرِ کے مفہوم میں ان کو داخل نہ مانا جائے، تو اس سے پہلے جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا ذکر ہے، تو وہ اس کے مفہوم میں اس حیثیت سے داخل ہو سکتے ہیں کہ یہ حضرات، اللہ اور اس کے رسول کے احکامات ہی کی ترجمانی وتشریح کرنے والے ہیں۔

اور اگر کوئی اس سے بھی اتفاق نہ کرے، تو فقہاء وعلماء کی اطاعت کا حکم دوسرے مستقل دلائل سے ثابت ہے، جو کہ سورہ نساء کی مذکورہ آیت کی تفسیر پر موقوف نہیں۔

بہرحال راجح یہی ہے کہ مذکورہ آیت میں ''اُولِی الْاَمْرِ'' سے مراد حکمران ہیں، لہٰذا حکمرانوں اور حکومت کی اطاعت اور قانون کی پابندی شرعاً ضروری ہے، اور خلاف ورزی کرنا گناہ ہے۔

البتہ اگر ''اُولِی الْاَمْرِ'' شریعت کے خلاف حکم کرے، تو اس میں اس کی اطاعت کا حکم نہیں، جس کی طرف مذکورہ آیات کے آخر میں یہ کہہ کر اشارہ کر دیا گیا کہ اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں تنازعہ ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو، یعنی ایسی حالت میں کسی دوسرے کی بات ماننے کے بجائے اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو، جو قرآن وسنت میں

---

[1] عن عبد الله بن عمر رضى الله عنهما، أنه :سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول :كلكم راع ومسئول عن رعيته، فالإمام راع وهو مسئول عن رعيته، والرجل فى أهله راع وهو مسئول عن رعيته، والمرأة فى بيت زوجها راعية وهى مسئولة عن رعيتها، والخادم فى مال سيده راع وهو مسئول عن رعيته، قال :فسمعت هؤلاء من رسول الله صلى الله عليه وسلم، وأحسب النبى صلى الله عليه وسلم قال :والرجل فى مال أبيه راع وهو مسئول عن رعيته، فكلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته (بخارى، رقم الحديث ۲۴۰۹)

موجود ہو۔ [1]

حاکم کی اطاعت، نبی کی اطاعت میں داخل ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ أَطَاعَنِيْ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ، وَمَنْ يَّعْصِنِيْ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ، وَمَنْ يُّطِعِ الْأَمِيْرَ فَقَدْ أَطَاعَنِيْ، وَمَنْ يَّعْصِ الْأَمِيْرَ فَقَدْ عَصَانِيْ (مسلم) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے میری اطاعت کی، تو اس نے اللہ کی اطاعت کی، اور جس نے میری نافرمانی کی، تو اس نے اللہ کی نافرمانی کی، اور جس نے امیر (وحاکم) کی اطاعت کی، تو اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر (وحاکم) کی نافرمانی کی، تو اس نے میری نافرمانی کی (مسلم)

---

[1] (قوله باب قول الله تعالى أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولى الأمر منكم) فى هذا إشارة من المصنف إلى ترجيح القول الصائر إلى أن الآية نزلت فى طاعة الأمراء خلافا لمن قال نزلت فى العلماء وقد رجح ذلك أيضا الطبرى وتقدم فى تفسيرها فى سورة النساء بسط القول فى ذلك وقال بن عيينة سألت زيد بن أسلم عنها ولم يكن بالمدينة أحد يفسر القرآن بعد محمد بن كعب مثله فقال اقرأ ما قبلها تعرف فقرأت إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمانات إلى أهلها وإذا حكمتم بين الناس أن تحكموا بالعدل الآية فقال هذه فى الولاة والنكتة فى إعادة العامل فى الرسول دون أولى الأمر مع أن المطاع فى الحقيقة هو الله تعالى كون الذى يعرف به ما يقع به التكليف هما القرآن والسنة فكأن التقدير أطيعوا الله فيما نص عليكم فى القرآن وأطيعوا الرسول فيما بين لكم من القرآن وما ينصه عليكم من السنة أو المعنى أطيعوا الله فيما يأمركم به من الوحى المتعبد بتلاوته وأطيعوا الرسول فيما يأمركم به من الوحى الذى ليس بقرآن ومن بديع الجواب قول بعض التابعين لبعض الأمراء من بنى أمية لما قال له أليس الله أمركم أن تطيعونا فى قوله وأولى الأمر منكم فقال له أليس قد نزعت عنكم يعنى الطاعة إذا خالفتم الحق بقوله فإن تنازعتم فى شىء فردوه إلى الله والرسول إن كنتم تؤمنون بالله قال الطيبى (فتح البارى لابن حجر العسقلانى، ج۱۳، ص ۱۱۱، كتاب الاحكام)

[2] رقم الحديث ۱۸۳۵ "۳۲"، باب وجوب طاعة الأمراء فى غير معصية، وتحريمها فى المعصية.

اس سے معلوم ہوا کہ حکمرانوں کی اطاعت، نبی کی اطاعت میں، اور حکمرانوں کی نافرمانی، نبی کی نافرمانی میں داخل ہے، بشرطیکہ حکمران کا کوئی حکم وقانون گناہ والا نہ ہو، لہٰذا حکمرانوں کے جائز قوانین کی اطاعت بھی عبادت اور ایک طرح سے نبی کی اطاعت میں داخل ہے، اور اس کی نافرمانی گناہ اور ایک طرح سے نبی کی نافرمانی میں داخل ہے، کیونکہ اس کا حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے، اور آپ کے حکم کی خلاف ورزی کا گناہ ہونا واضح ہے۔ [1]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حاکم کی اطاعت کا حکم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: آمُرُكُمْ بِثَلَاثٍ، وَأَنْهَاكُمْ عَنْ ثَلَاثٍ: آمُرُكُمْ أَنْ تَعْبُدُوا اللّٰهَ، وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا، وَتَعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا، وَلَا تَتَفَرَّقُوْا، وَتُطِيْعُوْا لِمَنْ وَلَّاهُ اللّٰهُ أَمْرَكُمْ، وَأَنْهَاكُمْ عَنْ قِيْلَ وَقَالَ، وَكَثْرَةِ السُّؤَالِ، وَإِضَاعَةِ الْمَالِ

(صحیح ابن حبان، رقم الحدیث ۴۵۶۰) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم کو تین چیزوں کا حکم دیتا ہوں، اور تین چیزوں سے منع کرتا ہوں، میں تمہیں (ان تین چیزوں کا) حکم کرتا ہوں (ایک تو) تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ

---

[1] وقوله:(من اطاعنی فقد أطاع الله ، ومن يعصنی فقد عصى الله ، ومن يطع الأمير فقد أطاعنی ، ومن يعص الأمير فقد عصانی) : بين ؛ لأن الله -تعالى -قد أمر بطاعة رسوله ، فمن عصاه فقد عصى أمر الله .

وأمر الرسول بطاعة أميره ، فمن عصاه فقد عصى أمر رسوله .

ولا خلاف فی وجوب طاعة الأمراء فيما لا يخالف أمر الله وما لم يأمر بمعصية ، كما جاء فی الحديث الصحيح بعد (اكمال المعلم شرح صحيح مسلم للقاضی عياض، باب وجوب طاعة الأمراء فی غير معصية، وتحريمها فی المعصية)

[2] فی حاشية ابن حبان: إسناده صحيح على شرط مسلم.

www.idaraghufran.org

(دوسرے) اللہ کی رسی (یعنی قرآن مجید) کو سب مل کر مضبوط پکڑو اور تم تفرقہ بازی نہ کرو (تیسرے) ان حضرات کی اطاعت کرو جن کو اللہ نے تمہارے معاملہ کا حکمران بنایا ہے، اور تمہیں (ان تین چیزوں سے) منع کرتا ہوں (ایک تو) قیل وقال (یعنی فضول کی چہ میگوئیوں) سے (دوسرے) کثرتِ سوال سے، اور (تیسرے) اضاعتِ مال سے (ابنِ حبان)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حکمرانوں کی اطاعت کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے، جس میں حکومت کے جائز قوانین کی پابندی کرنا بھی داخل ہے، مگر یہ کہ ان کا کوئی حکم یا قانون گناہ کا ہو، تو اس میں اطاعت نہیں۔ [1]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَأَنَا آمُرُكُمْ بِخَمْسٍ آمُرُكُمْ: بِالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، وَالْجَمَاعَةِ، وَالْهِجْرَةِ، وَالْجِهَادِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ. فَمَنْ خَرَجَ مِنَ الْجَمَاعَةِ قِيْدَ شِبْرٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْإِسْلَامِ مِنْ رَأْسِهٖ. وَمَنْ دَعَا دَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ فَهُوَ جُثَاءُ جَهَنَّمَ. قَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، وَإِنْ صَامَ وَصَلّٰى؟ قَالَ: نَعَمْ. وَإِنْ صَامَ وَصَلّٰى، وَلٰكِنْ تَسَمَّوْا بِاسْمِ اللّٰهِ الَّذِيْ سَمَّاكُمْ عِبَادَ اللّٰهِ الْمُسْلِمِيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (مسند احمد،

---

[1] (أن تعبدوه ولا تشركوا به شيئا) فى عبادته فهذه واحدة خلافا لقول النووى ثنتان (و) الثانية (أن تعتصموا بحبل الله جميعا) أى القرآن يرشدك إلى ذلك خبر القرآن حبل الله المتين والحديث يفسر بعضه بعضا فمن فسره بعهد الله أو اتباع كتابه كأنه غفل عن ذلك ولا عطر بعد عروس والاعتصام به التمسك بآياته والمحافظة على العمل بها (ولا تفرقوا) بحذف إحدى التاءين وهذا نفى عطف على تعتصموا أى لا تختلفوا فى ذلك الاعتصام كما اختلف أهل الكتاب أو هو نهى عن أن يكون ما قبله من الخبر بمعنى الأمر يعنى اعتصموا ولا تفرقوا وكذا اللام فى قوله ولا تشركوا (و) الثالثة (أن تناصحوا من ولاه الله أمركم) أى من جعله والى أمركم وهم الإمام ونوابه والمراد بمناصحتهم ترك مخالفتهم والدعاء عليهم والدعاء لهم ومعاونتهم على الحق والتلطف فى إعلامهم بما غفلوا عنه من الحق والخلق ولم يؤكد هنا بقوله ولا تخالفوا إشعارا بأن مخالفتهم جائزة إذا أمروا بمعصية (فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ۱۹۰۸)

رقم الحدیث ۲۲۹۱۰) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں پانچ چیزوں کا حکم دیتا ہوں (حکمران کی) بات سننے اوراطاعت کرنے کا(جس میں جائز قوانین کی پابندی کرنا بھی داخل ہے) جماعتِ مسلمین (یعنی مسلمانوں کی جماعت) سے وابستہ رہنے کا، ہجرت کا، اور جہاد فی سبیل اللہ کا، پھر جو شخص جماعتِ مسلمین سے ایک بالشت کے برابر بھی نکلتا ہے تو وہ اپنے سر میں سے اسلام کی رسی نکال دیتا ہے اور جو شخص زمانہ جاہلیت کی پکار لگائے وہ جہنم کا گھانس پھونس ہے، ایک آدمی نے پوچھا کہ اے رسول اللہ اگر چہ وہ نماز پڑھتا اور روزہ رکھتا ہو؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں! اگر چہ وہ روزہ رکھتا اور نماز پڑھتا ہو اور اے اللہ کے بندو! تم لوگوں کو (برے ناموں کے بجائے) ان ناموں سے پکارا کرو جو اللہ نے رکھا ہے یعنی مسلمین اور مؤمنین (مسند احمد)

اس سے معلوم ہوا کہ حکمرانوں کی اطاعت کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حکم ہے، جیسا کہ تفصیلاً پہلے گزرا۔

حاکم کی اطاعت، جنت میں داخلہ کے اعمال میں سے ہے

حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ فَقَالَ: اِتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ، وَصَلُّوْا خَمْسَكُمْ، وَصُوْمُوْا شَهْرَكُمْ، وَأَدُّوْا زَكَاةَ أَمْوَالِكُمْ، وَأَطِيْعُوْا ذَا أَمْرِكُمْ تَدْخُلُوْا جَنَّةَ رَبِّكُمْ (سنن الترمذی) [2]

---

[1] فی حاشیة مسند احمد: إسناده صحيح .

[2] رقم الحديث ٦١٦، مسند احمد، رقم الحديث ٢٢١٦١ .

قال الترمذی: هذا حديث حسن صحيح.

وفی حاشیة مسند احمد: إسناده صحيح على شرط مسلم.

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حجۃ الوداع میں خطبہ دیتے ہوئے سنا کہ آپ نے فرمایا کہ تم اپنے رب (اللہ) سے ڈرو، اور پانچ وقت کی نماز پڑھو، اور اپنے (رمضان کے) مہینے کے روزے رکھو، اور اپنے مالوں کی زکاۃ ادا کرو، اور اپنے ذی امر (یعنی امیروں وحکمرانوں) کی اطاعت کرو، تو تم اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے (ترمذی، مسند احمد)

اس روایت میں امیروں وحکمرانوں کے لئے ''ذی امر'' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، جو قرآن مجید کی سورہ نساء میں مذکور ''اولی الامر'' کے مترادف ہیں، اور دوسری روایات میں ''ذی امر'' کے بجائے واضح طور پر ''امراء'' کے الفاظ ہیں، جس سے حکام وحکمران مراد ہیں۔ چنانچہ ابنِ حبان کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

أَطِيعُوا رَبَّكُمْ، وَصَلُّوا خَمْسَكُمْ، وَأَدُّوا زَكَاةَ أَمْوَالِكُمْ، وَأَطِيعُوا أُمَرَاءَكُمْ تَدْخُلُوا جُنَّةَ رَبِّكُمْ (صحيح ابن حبان، رقم الحديث ۴۵۶۳) [1]

ترجمہ: تم اپنے رب، کی اطاعت کرو اور پانچ وقت کی نماز پڑھو، اور اپنے مالوں کی زکاۃ ادا کرو، اور اپنے امیروں (وحکمرانوں) کی اطاعت کرو، تو تم اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے (ابنِ حبان)

اور ابنِ ابی عاصم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: إِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي وَلَا أُمَّةَ بَعْدَكُمْ أَلَا فَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَصَلُّوا خَمْسَكُمْ وَصُومُوا شَهْرَكُمْ وَأَدُّوا زَكَاةَ أَمْوَالِكُمْ طَيِّبَةً بِهَا أَنْفُسُكُمْ وَأَطِيعُوا أُمَرَاءَكُمْ تَدْخُلُوا جَنَّةَ رَبِّكُمْ (السنة لابن ابی عاصم، رقم الحديث ۱۰۶۱) [2]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ میرے بعد کوئی

---

[1] فی حاشية ابنِ حبان: إسناده قوی علی شرط مسلم.

[2] قال الالبانی: إسناده صحيح (ظلال الجنة فی تخريج السنة)

نبی نہیں، اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں، یادرکھو! کہ تم اپنے رب کی عبادت کرو، اور پانچ وقت کی نماز پڑھو، اور اپنے (رمضان کے) مہینے کے روزے رکھو، اور اپنے مالوں کی زکاۃ خوش دلی کے ساتھ ادا کرو، اور اپنے امیروں (وحکمرانوں) کی اطاعت کرو، تو تم اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے (ابن ابی عاصم)

اور بعض روایات میں ''ولاۃ امرکم'' کے الفاظ ہیں، جس سے مراد حکمران ہی ہیں۔ [1]

اور حضرت ابوقتیلہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ فِي النَّاسِ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ، فَقَالَ: لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ وَلَا أُمَّةَ بَعْدَكُمْ فَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَأَقِيْمُوْا خَمْسَكُمْ وَصُوْمُوْا شَهْرَكُمْ وَأَطِيْعُوْا وُلَاةَ أَمْرِكُمْ تَدْخُلُوْا جَنَّةَ رَبِّكُمْ (المعجم الكبير للطبراني) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں کھڑے ہوئے، پھر فرمایا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں، اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں، تو تم اپنے رب کی

---

[1] حدثنی شرحبيل بن مسلم، ومحمد بن زياد، أنهما سمعا أبا أمامة، يقول :سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول :أيها الناس إنه لا نبی بعدی ,ولا أمة بعدكم ,ألا فاعبدوا ربكم ,وصلوا خمسكم ,وصوموا شهركم ,وأدوا زكاة أموالكم طيبة بها أنفسكم ,وأطيعوا ولاة أمركم تدخلوا جنة ربكم (مسند الشاميين للطبرانی، رقم الحديث ۸۳۴، المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۷۵۳۵، اخبار مكة للفاكهی، رقم الحديث ۱۸۹۳)

قال الالبانی: قلت : وهذا إسناد شامی متصل صحيح (سلسلة الاحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ۳۲۳۳)

[2] رقم الحديث ۷۹۷، مسند الشاميين للطبرانی، رقم الحديث ۱۱۷۳، معرفة الصحابة لابی نعيم، رقم الحديث ۲۹۶۲، الآحاد والمثانی لابن ابی عاصم، رقم الحديث ۲۷۷۹.

قال الهيثمی: رواه الطبرانی فی الكبير، وفيه بقية، وهو ثقة، ولكنه مدلس، وبقية رجاله ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۵۶۴۷)

وقال الالبانی: قلت :وهذا إسناد رجاله ثقات، لكن بقية مدلس وقد عنعن. لكن له شاهد قوی من حديث أبی أمامة (سلسلة الاحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ۳۲۳۳)

عبادت کرو، اور پانچ وقت کی نماز پڑھو، اوراپنے (رمضان کے) مہینے کے روزے رکھو، اوراپنے حکمرانوں کی اطاعت کرو، تو تم (ان اعمال کی برکت سے) اپنے رب کی جنت میں داخل ہوجاؤ گے (طبرانی، ابونعیم، ابنِ ابی عاصم)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ نماز، روزہ اورزکاۃ وغیرہ کے ساتھ حکمرانوں کی اطاعت کرنا بھی عبادت میں داخل اور جنت میں داخلہ کا سبب ہے، اگرچہ وہ حکمران نیک صالح نہ ہو، بلکہ گناہ گار ہو، بشرطیکہ وہ اطاعت کسی گناہ کے کام میں نہ ہو۔ [1]

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ عَبَدَ اللّٰهَ لَا يُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا فَأَقَامَ الصَّلَاةَ، وَآتَى الزَّكَاةَ، وَسَمِعَ وَأَطَاعَ، فَإِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُهُ مِنْ أَيِّ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ شَاءَ، وَلَهَا ثَمَانِيَةُ أَبْوَابٍ، وَمَنْ عَبَدَ اللّٰهَ لَا يُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا وَأَقَامَ الصَّلَاةَ، وَآتَى الزَّكَاةَ، وَسَمِعَ وَعَصٰى، فَإِنَّ اللّٰهَ مِنْ أَمْرِهٖ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ رَحِمَهٗ، وَإِنْ شَاءَ عَذَّبَهٗ (مسند احمد، رقم الحديث ۲۲۷٦۸) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اللہ کی عبادت اس طرح کرے کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے، نماز قائم کرے، اور زکاۃ ادا کرے، اور (حکمرانوں کی) بات سنے اور اطاعت کرے (یعنی کہنا مانے) تو اللہ تعالیٰ اسے جس دروازے سے وہ چاہے گا، اس دروازے سے جنت میں داخل فرمائے گا،

---

[1] (وأطيعوا ذا أمركم ") : أى :الخليفة والسلطان وغيرهما من الأمراء ، أو المراد العلماء ، أو أعم أى :كل من تولى أمرا من أموركم، سواء كان السلطان ولو جائرا ومتعليا وغيره من أمرائه أو سائر نوابه، إلا أنه لا طاعة لمخلوق فى معصية الخالق، ولم يقل :أميركم ;إذ هو خاص عرفا ببعض من ذكر؛ ولأنه أوفق بقوله :(أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولى الأمر منكم)(تدخلوا جنة ربكم) : جواب الأوامر السابقة أى :من غير سابقة عذاب ;لأن الغالب من فعل الأشياء المذكورة فهو يكون من الصالحين، والمراد :تنالوا من درجات الجنة ما يليق بأعمالكم ;لأن الحق أن دخول الجنة بفضل الله والدرجات على حسب الطاعات (مرقاة المفاتيح، ج٢ص ٥١٢، كتاب الصلاة)

[2] فى حاشية مسند احمد: إسناده حسن.

اور جنت کے آٹھ دروازے ہیں، اور جو شخص اللہ کی عبادت تو اس طرح کرے کہ کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہرائے، نماز بھی قائم کرے اور زکاۃ بھی ادا کرے اور (حکمرانوں کی) بات بھی سنے، لیکن نافرمانی (اور قانون شکنی) کرے تو اللہ کو اس کے متعلق اختیار ہے کہ اگر چاہے تو اس پر رحم کردے اور چاہے تو اسے سزا دے دے (مسند احمد)

حضرت تمیم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰه صَلیَّ اللّٰه عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: خَمْسٌ مَنْ أَتٰی بِهِنَّ دَخَلَ مِنْ أَیِّ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ شَاءَ، صَلاَةِ خَمْسِکُمْ وَصَوْمِ شَهْرِکُمْ، وَحَجِّ بَیْتِکُمْ، وَأَدَاءِ زَکَاتِکُمْ، وَطَاعَةِ وُلَاةِ أَمْرِکُمْ (الترغيب والترهيب لابن شاهين، رقم الحديث ۱۸۳۷، باب الترغيب فی الصوم)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ جو شخص ان کو اختیار کرلے گا، تو وہ جنت کے جس دروازے سے چاہے گا، داخل ہوجائے گا، تمہاری پانچ نمازیں، اور تمہارے (رمضان کے) مہینے کے روزے، اور تمہارے بیت اللہ کا حج، اور تمہاری زکاۃ کی ادائیگی، اور تمہارے حکمرانوں کی اطاعت (ابن شاہین)

ان احادیث سے حکمرانوں کی اطاعت اور حکومتی قوانین پر عمل کرنے کی فضیلت معلوم ہوئی، جس کا پہلے ذکر گزرا۔

حاکم کی اطاعت کی وصیت

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

جَاءَ رَجُلٌ إِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

أَوْصِنِيْ قَالَ : اُعْبُدِ اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكْ بِهٖ شَيْئًا وَأَقِمِ الصَّلَاةَ وَآتِ الزَّكَاةَ وَصُمْ رَمَضَانَ وَحَجِّ الْبَيْتَ وَاعْتَمِرْ وَاسْمَعْ وَأَطِعْ وَعَلَيْكَ بِالْعَلَانِيَةِ وَإِيَّاكَ وَالسِّرَّ (السنة لابنِ ابی عاصم ،رقم الحديث ۱۰۷۰) ؎

ترجمہ: ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اوراس نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی وصیت فرما دیجئے؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی عبادت کیجئے، اوراس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کیجئے، اور نماز قائم کیجئے، اور زکاۃ ادا کیجئے، اور رمضان کے روزے رکھئے، اور بیتُ اللہ کا حج وعمرہ کیجئے، اور (امیر وحاکم کی) بات سنئے، اور اطاعت کیجئے، علانیہ بھی کیجئے، اور خفیہ بھی کیجئے (ابنِ ابی عاصم)

اس سے نہ صرف یہ معلوم ہوا کہ حکمرانوں کی اطاعت کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی ہے، بلکہ یہ بھی معلوم ہوا کہ حکمرانوں کی بات سننے اور کہنا ماننے یا بالفاظِ دیگر حکومت کے قوانین پر عمل درآمد کرنے کا حکم علانیہ حالت میں بھی دیا ہے، اور خفیہ حالت میں بھی، جب کوئی نہ دیکھ رہا ہو، اور سزا کا ڈر نہ ہو، مثلاً ٹریفک قوانین کی پابندی اس وقت بھی کرنا، جبکہ حکومت کا نگران (پولیس اہل کار) موجود نہ ہو، اور چالان وغیرہ کا ڈر نہ ہو، ان سب جائز قوانین کی پابندی بہرحال ضروری ہے۔

حاکم کی اطاعت کرنے والا بری اور ظالم حاکم کا مؤاخذہ

حضرت مقدام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَطِيْعُوْا أُمَرَاءَ كُمْ مَهْمَا

؎ قال الالبانی:إسناده جيد ورجاله كلهم ثقات رجال مسلم غير الحصين بن البزار فلم أعرفه وهو مقرون فلا تضر جهالته .ولا استبعد أن يكون الحصين محرفا من الحسن وهو ابن الصباح البزار وهو من شيوخ المصنف وقد مضى أكثر من مرة (ظلال الجنة فی تخريج السنة)

كَانَ فَإِنْ أَمَرُوكُمْ بِشَيْءٍ مِمَّا جِئْتُكُمْ بِهِ فَإِنَّهُمْ يُؤْجَرُونَ عَلَيْهِ وَتُؤْجَرُونَ عَلَيْهِ ذٰلِكُمْ بِأَنَّكُمْ إِذَا لَقِيتُمْ رَبَّكُمْ قُلْتُمْ رَبَّنَا لاظُلْمَ فَيَقُولُ: لاَ ظُلْمَ فَيَقُولُونَ : رَبَّنَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رُسُلاً فَأَطَعْنَاهُمْ وَاسْتَخْلَفْتَ عَلَيْنَا خُلَفَاءَ فَأَطَعْنَاهُمْ وَأَمَّرْتَ عَلَيْنَا أُمَرَاءَ فَأَطَعْنَاهُمْ فَيَقُولُ صَدَقْتُمْ هُوَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتُمْ مِنْهُ بَرَاءٌ (السنة لا بنِ أبی عاصم، رقم الحدیث ۱۰۴۸) ؎

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے حکمرانوں کی اطاعت کرو، جہاں بھی ہوں، پس وہ حکمران اگر تمہیں ایسی چیز کا حکم کریں، جو میں بھی تمہارے پاس لایا ہوں (یعنی قرآن وسنت کے مطابق) توان حکمرانوں کواس پر اجر وثواب دیا جائے گا، اور تم کو بھی اس پر (عمل کرنے کے نتیجہ میں) اجر وثواب دیا جائے گا، وہ اس طرح کہ جب تم اپنے رب سے ملاقات کرو گے، تو تم یہ کہو گے کہ اے ہمارے رب !ظلم نہیں ہے، اللہ فرمائے گا کہ ظلم نہیں ہے، لوگ کہیں گے کہ اے ہمارے رب! آپ نے ہماری طرف رسول بھیجے، اور ہم نے ان کی اطاعت کی، اور آپ نے ہمارے اوپر خلیفہ (وحکمران) مقرر کئے، ہم نے ان کی بھی اطاعت کی، اور آپ نے ہمارے اوپر امیر (اور وزیر) مقرر کئے، ہم نے ان کی بھی اطاعت کی، تو اللہ فرمائے گا کہ تم نے سچ کہا، ظلم کرنے کا وبال ان (حکمرانوں) پر ہے، اور تم اس ظلم سے بری ہو (ابنِ ابی عاصم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ تَسُوسُهُمُ الْأَنْبِيَاءُ، كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ، وَإِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي، وَسَيَكُونُ خُلَفَاءُ فَيَكْثُرُونَ قَالُوا: فَمَا تَأْمُرُنَا؟ قَالَ:

؎ قال الالبانی: حدیث صحیح (ظلال الجنة فی تخریج احادیث السنة)

www.idaraghufran.org

فُوْا بِبَيْعَةِ الْأَوَّلِ فَالْأَوَّلِ، أَعْطُوهُمْ حَقَّهُمْ، فَإِنَّ اللّٰهَ سَائِلُهُمْ عَمَّا اسْتَرْعَاهُمْ (بخاری، رقم الحدیث ۳۴۵۵)

ترجمہ: بنی اسرائیل میں انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام (عوام کی) نگرانی وانتظامات کیا کرتے تھے جب ایک نبی کا وصال ہوجاتا تو دوسرا اس کا جانشین ہو جاتا اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا، اور خلفاء (نیک وبد مختلف قسم کے حکمران) ہوں گے، جو کہ کثرت سے ہوں گے، صحابہ نے عرض کیا کہ پھر آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یکے بعد دیگرے ہر ایک (خلیفہ وحکمران) کی بیعت پوری کرنا اور انہیں ان کا (وہ حق جو تم پر ہے) دیتے رہنا (یعنی ان کی جائز معاملات میں اطاعت وپیروی کرنا) اور اللہ تعالیٰ نے انہیں جن (رعایا) پر حکمران بنایا ہے، وہی ان کے (معاملات کے) بارے میں ان سے باز پرس کرے گا (اگر انہوں نے رعایا پر ظلم کیا ہوگا، تو اللہ تعالیٰ ان سے مؤاخذہ فرمائے گا، تم سے مؤاخذہ نہیں فرمائے گا) (بخاری)

مطلب یہ ہے کہ تم حکمرانوں کی اطاعت وفرمانبرداری کرنا، اور ان کی نافرمانی وحکومت کی قانون شکنی مت کرنا، اور اس طرح تم حکمرانوں کے حقوق پورے کرکے قیامت کے دن مؤاخذہ سے بریٔ ہوجاؤ گے، اور حکمران تم پر ظلم وستم کرنے کی وجہ سے مؤاخذہ وپکڑ میں آئیں گے۔

اسلامی تعلیمات کی یہ منصفانہ تقسیم ہے کہ ہر ایک کے ذمہ دوسروں کے حقوق کی ادائیگی کو لازم کیا گیا ہے، مگر آج ہر شخص اپنے حقوق کا تو دوسروں سے مطالبہ کرتا ہے، لیکن دوسروں کے ان حقوق کو ادا نہیں کرتا، جو اس پر لازم ہیں، جیسا کہ عوام کی طرف سے قدم قدم پر حکومت کی قوانین شکنی ہوتی ہے، مگر اپنے حقوق کا ہمہ وقت مطالبہ رہتا ہے، یہ طرزِ عمل اسلام میں ناپسندیدہ ہے۔

مذکورہ احادیث سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ جس حکمران سے پہلے بیعت کر لی جائے، یا اس کا انتخاب کر لیا جائے، اس کا حق مقدم ہے، اس کی حکومت باضابطہ طریقہ پر ختم ہونے سے پہلے دوسرے حکمران کا انتخاب ومداخلت صحیح نہیں۔

البتہ اگر دنیا کے مختلف ممالک میں مختلف حکمران ہوں، جیسا کہ آج کل ہے، تو اس ملک کی حدود میں ہر ملک کا باشندہ یا اس میں قانونی اجازت کے ساتھ داخل ہونے والا اس ملک کے حکمرانوں کی جائز اطاعت اور جائز قوانین کا پابند ہے۔ ل

ل (أعطوهم حقهم) من السمع والطاعة فإن فى ذلک إعلاء كلمة الدين وكف الفتن والشر.
وهمزة "أعطوهم "مفتوحة، قال فى شرح المشكاة :وهو كالبدل من قوله " :فوا ببيعة الأول ."
(فإن الله) أى أعطوهم حقهم وإن لم يعطوكم حقكم فإن الله (سائلهم) يوم القيامة (عما استرعاهم) ويثيبكم بما لكم عليهم من الحقوق(ارشاد السارى لشرح صحيح البخارى، ج۵ص ۴۲۱، كتاب احاديث الانبياء، باب ما ذكر عن بنى إسرائيل)

وقوله :(ستكون خلفاء فتكثر) ، قالوا :فما تأمرنا ؟ قال :(فوا ببيعة الأول فالأول) : كذا ضبطناه بضم الثاء المثلثة من كثرة العدد ، وضبطه :(فتكثر) كأنه من إكثار قبيح أفعالهم وما ينكر منهم ، والأول الصواب ، بدليل ما بعده بقوله :(فوا ببيعة الأول فالا ول) ، وقوله فى الحديث الاخر بعد : (فاضربوا عنق الاخر) ، وفى الآخر بعد هذا :(فاقتلوا الآخر منهما).

هذه الاحاديث يفسر بعضها بعضا ، وأن معنى (قتله) ظاهر من ضرب عنقه ، لا على ما ذهب إليه بعضهم أن المراد بقتله قتلة الحياة ، بإماتة ذكره وخلعه ، لكن هذا إذا نازع ، ولم يجب إلى الخلع وإماتة الذكر بغير حرب ، فإن دعت ضرورة إلى قتله فى محاربته قتل .

قال الإمام :العقد لإمامين فى عقد واحد لا يجوز ، وقد اشار بعض المتأخرين من أهل الاصول :أن ديار المسلمين إذا اتسعت وتباعدت ، وكان بعض الأطراف لا يصل إليه خبر الإمام ولا تدبيره حتى يضطروا إلى إقامة إمام يدبرهم ، فإن ذلک يسوغ لهم .

ويحمل هذا الحديث على أن الثانى امتنع من العزلة ودعا إلى طاعته ، حتى صار ذلک سبباً للفتنة وشق العصا ، فإنه يقاتل لينخلع وإن أدى قتاله إلى قتله ، ولو كان عقد لهما ولم يعلم الأول لم يستحق أحدهما الاستبداد بالإمامة ، لجواز أن يكون الآخر والعقد له باطل ، وتكون كمسألة المرأة يزوجها وليها من رجلين ، ولم يعلم الاول منهما ، فإنه لا يثبت نكاح أحدهما إذا لم يقع دخول .

قال القاضى :اختلف العلماء فيما إذا عقدت البيعة لإمامين فى وقت واحد فى بلدين ، من الإمام منهما ؟ مع أنهم متفقون :لا تنعقد إمامتهما معا مع القرب (اكمال المعلم شرح صحيح مسلم للقاضى عياض، كتاب الإمارة،باب وجوب طاعة الأمراء فى غير معصية)

(وقوله) (فُوا ببيعة الأوّل فالأوّل) ؛ دليل على وجوب الوفاء ببيعة الأول .وسكت فى هذا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

سامع ومُطیع پر کوئی الزام نہیں، اور سامع وعاصی کی حجت نہیں

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ السَّامِعَ الْمُطِيْعَ لاَ حُجَّةَ عَلَيْهِ وَإِنَّ السَّامِعَ الْعَاصِيَ لاَ حُجَّةَ لَهُ (السنة لابن ابی عاصم) [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الحديث عمّا يحكم به على الآخر .وقد نصَّ عليه فى الحديث الآتى حيث قال) :(فإن جاء آخر ينازعه فاضربوا عنق الآخر .(وفى رواية) :(فاضربوه بالسيف كائنًا من كان .(وهذا الحكم مجمعٌ عليه عند تقارب الأقطار ، وإمكان استقلال واحد بأمور المسلمين وضبطها .فأمّا لو تباعدت الأقطار وخيف ضَيْعَةُ البعيد من المسلمين ، ولم يتمكن الواحد من ضبط أمور من بَعُدَ عنه ؛ فقد ذكر بعضُ الأصوليين :أنهم يُقيمون لأنفسهم واليًا يدبرهم ، ويستقلُّ بأمورهم .وقد ذكر :أنَّ ذلك مذهب الشافعى فى "الأم"

قلت :ويمكن أن يقال :إنهم يقيمون من يدبّر أمورهم على جهة النيابة عن الإمام الأعظم ، لا أنّهم يخلعون الإمام المتقدم حكمًا ، ويُوَلُّونَ هذا بنفسه مستقلاً ، هذا ما لا يوجد نصًّا عن أحدٍ ممن يُعتبر قوله .والذى يمكن أن يُفعل فى مثل هذا ؛ إذا تعذر الوصول إلى الإمام الأعظم :أن يُقيموا لأنفسهم من يدبّرهم ممن يعترفُ للإمام بالسَّمع والطّاعة ، فمتى أمكنهم الوصول إلى الإمام فالأمر له فى إبقاء ذلك أو عَزْلِه.

ثم للامام أن يفوض لأهل الأقاليم البعيدة التفويض العام ، ويجعل للوالى عليهم الاستقلال بالأُمور كلّها ؛ لتعذر المراجعة عليهم ، كما قد اتفق لأهل الأندلس وأقصى بلاد العجم .فأمّا لو عُقِدتُ البيعةُ لإمامين معًا فى وقتٍ واحدٍ فى بلدين متقاربتن ، فالإمامة لأرجحهما .وهل قرابة أحدهما من الإمام المتوفى موجبة للرجحان أم لا ؟ اختلفوا فيه ؛ فمنهم من قال :يُقَدّم الأقعد فالأقعد به ؛ كولاية النكاح .ومنهم من لم يعتبر ذلك ، وفرّق بين الولايتين ، والفرق واضحٌ .فأمّا لو تساويا من كل وجه فَيُقْرَعُ بينهما .والفرض فى اثنين كل واحد منهما كامل أهلية الإمامة باجتماع الشروط المعتبرة المنصوص عليها فى كتب أئمتنا المتكلمين .

(وقوله) :(أعطوهم حقهم) ؛ يبين به :السَّمع ، والطاعة ، والذَّبَّ عنهم عِرضًا ونفسًا ، والاحترام ، والنُّصرة له على مَنْ بغى عليه (المفهم لما اشكل فيه كتاب مسلم للقرطبى، باب الوفاء ببيعة الأول وضرب عنق الآخر)

[1] رقم الحديث ١٠٥٦ ، مسند احمد، رقم الحديث ١٦٨٧٥ ، المعجم الكبير للطبرانى، رقم الحديث ٨٦١.

قال الهيثمي: رواه الطبرانى، وأحمد فى حديث طويل وقال عبد الله :خط أبى على هذه الزيادة فلا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (حکمران کی بات) سُننے اوراطاعت کرنے والے کے خلاف کوئی حجت نہیں ہے، اور سُننے اور نافرمانی کرنے والے کے حق میں کوئی حجت نہیں ہے (ابنِ ابی عاصم، مسند احمد)

اس طرح کی حدیث ایک اور سند سے بھی مروی ہے۔ [1]

احادیث میں جابجا پہلے حکمرانوں کی بات سننے اوراس کے بعد ماننے کا حکم دیا گیا ہے، جس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ حکومت کی طرف سے عوام کے لئے بنائے گئے، قوانین کا علم بھی ضروری ہے، اور پھران پرعمل پیرا ہونا بھی، جبکہ وہ گناہ پر مشتمل نہ ہوں۔

اوراس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سننے اوراطاعت کرنے والے عوام کے خلاف قیامت میں کوئی حجت نہ ہوگی، اور نافرمانی کرنے اور قانون شکنی کے مرتکبین کے اعذار کی کوئی شنوائی نہ ہوگی۔

اس لئے حکمرانوں کی جائز باتوں اور جائز قوانین کی اطاعت وپابندی ہی عافیت وسلامتی کا راستہ ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أدری قرأها علی أم لا؟ ورجالهما رجال الصحیح خلا جبلة بن عطیة وهو ثقة (مجمع الزوائد، تحت رقم الحدیث ۹۰۹۳، باب لزوم الجماعة وطاعة الأئمة والنهی عن قتالهم)

وفی حاشیة مسند احمد: إسناده صحیح.

وقال الالبانی: إسناده جید رجاله رجال البخاری غیر حماد بن سلمة فمن رجال مسلم وجبلة بن عطیة وهو ثقة.والحدیث أخرجه أحمد ۴: ۹۶ ثنا روح به .لکنه قال ابنه عبد الله:هذا الحدیث فی کتاب أبی بخط یده وقد خط علیه فلا أدری أقرأه علی أم لا؟ وقال الهیثمی ۵: ۲۱۷ رواه الطبرانی وأحمد فی حدیث طویل ...ورجالهما رجال الصحیح خلا جبلة بن عطیة وهو ثقة (ظلال الجنة فی تخریج السنة)

[1] عن عبد الرحمن بن مسعود الخزاعی، قال :قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : "أیها الناس، علیکم بالسمع والطاعة، فیما أحببتم وکرهتم، ألا إن السامع المطیع لا حجة علیه، وإن السامع العاصی لا حجة له، ألا وعلیکم بحسن الظن بالله، فإن الله معطی کل عبد بحسن ظنه وزائده علیه (معرفة الصحابة لابی نعیم، رقم الحدیث ۴۶۷۷)

سننے اور ماننے کا حکم، اگرچہ حاکم ادنیٰ وناقص غلام کیوں نہ ہو

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : اِسْمَعُوْا وَأَطِیْعُوْا، وَإِنِ اسْتُعْمِلَ عَلَیْکُمْ عَبْدٌ حَبَشِیٌّ، کَأَنَّ رَأْسَہٗ زَبِیْبَۃٌ (بخاری) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (حکمرانوں کی بات) سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تم پر حبشی غلام حاکم ہی کیوں نہ مقرر ہو جس کا سر کشمش کی طرح (یعنی چھوٹا سا) ہو (بخاری)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

إِنَّ خَلِیْلِیْ أَوْصَانِیْ أَنْ أَسْمَعَ وَأُطِیْعَ، وَإِنْ کَانَ عَبْدًا مُجَدَّعَ الْأَطْرَافِ (مسلم) [2]

ترجمہ: میرے محبوب دوست صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ وصیت فرمائی کہ میں (حکمران کی بات) سنوں اور اطاعت کروں، اگرچہ حکمران ہاتھ پاؤں کا کٹا ہوا غلام ہی کیوں نہ ہو (مسلم)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لِیْ : اِسْمَعْ وَأَطِعْ لِمَنْ کَانَ عَلَیْکَ وَلَوْ کَانَ عَبْدًا حَبَشِیًّا مُجَدَّعًا (معجم ابن الاعرابی) [3]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ تم اپنے اوپر مقرر حکمران کی

---

[1] رقم الحدیث ۷۱۴۲، باب السمع والطاعة للإمام ما لم تکن معصیة.

[2] رقم الحدیث ۱۸۳۷ "۳۶"، باب وجوب طاعة الأمراء فی غیر معصیة، وتحریمها فی المعصیة.

[3] رقم الحدیث ۱۰۸، السنة لابن ابی عاصم، رقم الحدیث ۱۰۵۵.
قال الالبانی: حدیث صحیح (ظلال الجنة فی تخریج السنة)

Idara Ghufran

بات سُنو، اوراس کی اطاعت کرو، اگر چہ وہ ہاتھ پاؤں کا کٹا ہوا (یعنی اپاہج) غلام ہی کیوں نہ ہو (ابن اعرابی)

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

صَلّٰی لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْفَجْرَ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا، فَوَعَظَنَا مَوْعِظَةً بَلِيْغَةً، ذَرَفَتْ لَهَا الْأَعْيُنُ، وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ، قُلْنَا أَوْ قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، كَأَنَّ هٰذِهٖ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ، فَأَوْصِنَا. قَالَ: أُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ كَانَ عَبْدًا حَبَشِيًّا، فَإِنَّهُ مَنْ يَّعِشْ مِنْكُمْ يَرٰى بَعْدِىْ اِخْتِلَافًا كَثِيْرًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِىْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ، وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُوْرِ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَإِنَّ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ

(مسند أحمد، رقم الحديث ۱۷۱۴۴) [۱]

ترجمہ: رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی، پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے، اور ہمیں ایک بلیغ وعظ فرمایا، جس سے (لوگوں کی) آنکھیں بہنے لگیں، اور دل لرز گئے، ہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ تو رخصتی جیسا وعظ لگتا ہے، تو آپ ہمیں وصیت فرمادیجئے! رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں اللہ سے تقویٰ کی، اور (حکمران کی بات) سُننے کی، اور اطاعت کرنے کی وصیت کرتا ہوں، چاہے وہ (حاکم) حبشی غلام ہی ہو، اس لئے کہ جو شخص تم میں سے میرے بعد زندہ رہے گا تو وہ بہت اختلافات دیکھے گا، پس تم پر (ایسے وقت) میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت لازم ہے۔ جو ہدایت یافتہ ہیں، اس سنت کو تم مضبوطی سے پکڑے رکھنا اور اس کو اپنی ڈاڑھوں کے نیچے خوب دبالینا، اور تم (دین میں) نئی نئی باتوں کے (پیدا کرنے) سے بچنا کیونکہ

---

[۱] فی حاشية مسند احمد: حديث صحيح.

www.idaraghufran.org

(دین میں) جو بھی نئی چیز نکالی جائے، وہ بدعت ہے۔ اور ہر بدعت گمراہی ہے (مسند احمد)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ حکمرانوں کی بات سننا اور اس کو ماننا واجب اور لازم ہے، اگرچہ وہ حکمران ناقص اعضاء اور کم و نیچی ذات کا مالک اور ظالم و فاسق ہی کیوں نہ ہو، اور سننے کا حکم اطاعت سے پہلے اس لئے دیا گیا ہے کہ جب تک اس کی بات نہ سنی جائے گی، اور حکومت کے قوانین کا علم حاصل نہ ہوگا، اس وقت تک اس کی اطاعت کرنا بھی ممکن نہ ہوگا، مگر یہ ملحوظ رہے کہ اس کی وہ بات اور قانون شریعت کے خلاف اور گناہ پر مشتمل نہ ہو۔ [1]

---

[1] (اسمعوا) أى استمعوا كلام من تجب طاعته من ولاة أموركم وجوبا (وأطيعوا) أمرهم وجوبا فيما لا معصية فيه لأنهم نواب الشرع (فإن قلت) ذكر الأمر بالطاعة كاف فما فائدة الأمر بالسمع معه (قلت) فائدته وجوب استماع كلامه ليتمكن بالإصغاء إليه من طاعة أمره على الوجه الأكمل ولذلك أمر بالإنصات عند تلاوة القرآن وفى خطبة الجمعة ونهى عن رفع الصوت على صوت صاحب الشرع ليفهم كلامه ويتدبر ما فى طيه ويطاع أمره جملة وتفصيلا (وإن استعمل) بالبناء للمجهول (عليكم عبد) أعرب بالرفع نائب الفاعل (حبشى) أى وإن استعمله الإمام الأعظم أميرا إمارة خاصة أو عامة ليس من شرطها الحرية وإرادة العتيق فسماه عبدا باعتبار ما كان والمراد اسمعوا ولو لحبشى سواء كان ذلك الحبشى مفتونا أو مبتدعا كما اقتضاه تبويب البخارى عليه باب إمامة المفتون والمبتدع ثم زاد فى المبالغة بوصف العبد بقوله (كأن رأسه زبيبة) بزاى مفتوحة حبة عنب سوداء :حالا أو صفة لعبد :أى مشبها رأسه بالزبيبة فى السواد والحقارة وقباحة الصورة أو فى الصغر يعنى وإن كان صغير الجثة حتى كأن رأسه زبيبة وقد يضرب المثل بما لا يكاد يوجد تحقيرا لشأن الممثل والمراد وشعر رأسه مقطقط إشارة إلى بشاعة صورته وأجمعوا على عدم صحة تولية العبد الإمامة لكن لو تغلب عبد بالشوكة وجبت طاعته خوف الفتنة .وفى رواية بدل كان إلخ مجدع الأطراف :أى مقطوع الأعضاء والتشديد للتنكير ذكره ابن الأثير .وهذا حث على السمع والطاعة للإمام ولو جائرا .وذلك لما يترتب عليه من اجتماع الكلمة وعز الإسلام وقمع العدو وإقامة الحدود وغير ذلك وفيه التسوية فى وجوب الطاعة بين ما يشق على النفس وغيره وقد بين ذلك فى رواية بقوله فيما أحب وكره ووجوب الاستماع لكل من تجب طاعته كالزوج والسيد والوالد واستدل به على أن الإمام إذا أمر بعض رعيته بالقيام ببعض الحرف والصنائع من زراعة وتجارة وعمل أنه يتعين على من عينه لذلك وينتقل من فرض الكفاية إلى فرض العين عليه بتعيين الإمام .قال جدنا الأعلى من جهة الأم الزين العراقى حتى قاله بعض شيوخنا فى الفلاحين المفردين لزراعة البلدان أنه أمر شرعى بتقرير الإمام ذلك عليم .نعم إن تعدى عليهم وألزموا بما لا يلزمهم من إيجار الأرض بغير رضاهم لم يجر لكن يكونون كالعمال يعملون ويستحقون أجر المثل(حم خ) فى الصلاة وفى الأحكام (هـ عن أنس) بن مالك ورواه عن أنس أيضا البخارى بلفظ :اسمع وأطع ولو لحبشى كأن رأسه زبيبة .وظاهر صنيع المصنف أن هذا مما تفرد به البخارى عن صاحبه والأمر بخلافه فقد رواه مسلم من حديث أم حصين (فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ١٠٣٩)

حکومت اور اس کے قوانین کی نافرمانی، تفریق کا باعث ہے

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهٗ قَالَ: ثَلَاثَةٌ لَا تَسْأَلُ عَنْهُمْ: رَجُلٌ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ، وَعَصٰى إِمَامَهٗ، وَمَاتَ عَاصِيًا، وَأَمَةٌ أَوْ عَبْدٌ أَبَقَ فَمَاتَ، وَامْرَأَةٌ غَابَ عَنْهَا زَوْجُهَا، قَدْ كَفَاهَا مُؤْنَةَ الدُّنْيَا فَتَبَرَّجَتْ بَعْدَهٗ، فَلَا تَسْأَلُ عَنْهُمْ (مسند أحمد، رقم الحديث ۲۳۹۴۳) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین آدمیوں کے متعلق کچھ نہ پوچھو، ایک تو وہ آدمی جو (مسلمانوں کی) جماعت سے تفریق (وعلیحدگی اختیار) کرے، اپنے امام (یعنی حکمران) کی نافرمانی کرے اور اسی حال میں فوت ہو جائے، اور دوسرے وہ باندی یا غلام جو اپنے آقا کے پاس سے بھاگ جائے اور اسی بھگوڑے پن کے زمانے میں مر جائے اور تیسرے وہ عورت جس کا شوہر غائب ہو (یعنی اس کے پاس موجود نہ ہو) مگر وہ اس کی تمام دنیوی ضرورت میں اس کی کفایت (وکفالت) کرتا ہو اور وہ اس کے پیچھے (دورِ جاہلیت کی طرح) اپنی جسمانی نمائش کرنے لگے ان (کی حالتِ بد) کے متعلق کچھ نہ پوچھو (مسند احمد)

اس حدیث سے حکمران کی نافرمانی اور مسلمانوں کی جماعت میں تفریق ڈالنے والے کی مذمت معلوم ہوئی، اور چونکہ حکمران کی نافرمانی عام طور پر تفریق کا باعث بنتی ہے، اس لئے حکمران کی نافرمانی کے ساتھ تفریق کی بُرائی کا ذکر کیا گیا۔

حکمران بنانے کی اہمیت اور حکمران کی بیعت توڑنے پر وعید

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] فی حاشیة مسند احمد: إسناده صحیح.

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : مَنْ مَاتَ وَلَيْسَ عَلَيْهِ إِمَامٌ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً (السنة لابن ابی عاصم، رقم الحديث ۱۰۵۷) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اس حال میں مَرا کہ اُس پر کوئی امام نہ تھا، تو وہ جاہلیت کی موت مَرا (ابن ابی عاصم)

زمانۂ جاہلیت میں کسی حکمران کو بنانے اور تسلیم کرنے کا رواج نہ تھا، مگر اسلام میں زمانۂ جاہلیت کی اس خصلت کو سخت ناپسند کیا گیا ہے، اس لئے حکمران مقرر کئے بغیر فوت ہونے پر زمانۂ جاہلیت کی موت کی وعید سنائی گئی۔ [2]

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ بَايَعَ إِمَامًا، فَأَعْطَاهُ صَفْقَةَ يَدِهِ، وَثَمَرَةَ قَلْبِهِ، فَلْيُطِعْهُ مَا اسْتَطَاعَ، فَإِنْ جَاءَ آخَرُ يُنَازِعُهُ، فَاضْرِبُوْا رَقَبَةَ الْآخَرِ (سنن ابی داؤد، رقم الحديث ۴۲۴۸)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے حکمران کے ہاتھ پر بیعت

---

[1] قال الالبانی: إسناده حسن (ظلال الجنة فی تخريج السنة)

[2] الأمر بالطاعة للأئمة والنهی عن الخروج عليهم: ذكر أبو الطيب القنوجی فی تأليف له سماه العبرة مما جاء فی الغزو والشهادة والهجرة أنها متواترة ونصه وطاعة الأئمة واجبة إلا فی معصية الله باتفاق السلف الصالح لنصوص الكتاب العزيز والأحاديث المتواترة فی وجوب طاعة الأئمة وهی كثيرة جداً ولا يجوز الخروج عن طاعتهم بعد ما حصل الاتفاق عليهم ما أقاموا الصلاة ولم يظهروا كفراً بواحاً اهـ .وقال أيضاً فی موضع آخر ما نصه ولا يجوز لهم يعنی للمسلمين أيضاً الخروج عليه أی على السلطان ومحاكمته إلى السيف فإن الأحاديث المتواترة قد دلت على ذلک دلالة أوضح من شمس النهار ومن له الاطلاع على ما جاء ت به السنة المطهرة انشرح صدره لهذا فإن به يجمع شمل الأحاديث الواردة فی الطاعة مع ما يشهد لها من الآيات القرآنية اهـ.

وقال أيضاً ما نصه وقد تواترت الأحاديث فی النهی عن الخروج على الأئمة ما لم يظهر منهم الكفر البواح أو ترک الصلاة فإذا لم يظهر من الإمام الأول أحد الأمرين لم يجز الخروج عليه وإن بلغ فی الظلم أی مبلغ لكنه يجب أمره بالمعروف ونهيه عن المنكر بحسب الاستطاعة اهـ.

وقال أيضاً ما نصه وقد قدمنا فی أول هذا المختصر فی المقدمة أنه لا يجوز الخروج على الأئمة وإن بلغوا فی الظلم أی مبلغ ما أقاموا الصلاة ولم يظهر منهم الكفر البواح والأحاديث الواردة بهذا المعنى متواترة اهـ (نظم المتناثر من الحديث المتواتر للكتانی، تحت رقم الحديث ۱۷۶، كتاب الإمامة)

کی اوراس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیا اوراس سے قلبی معاہدہ واقرار کرلیا، تو حتی الامکان اس کی اطاعت کرے پس اگر کوئی دوسرا (حکمران) اس سے منازعت کرے، تو اس دوسرے کی گردن مار ڈالو (ابوداؤد)

اس طرح کی اور بھی احادیث وروایات ہیں، جن میں بیعت کو توڑنے پر سخت وعیدیں آئی ہیں، اور بیعت کو توڑنے سے مراد حکمران کی جائز کاموں کی اطاعت سے نکلنا اوراس سے بڑھ کر حکمران پر خروج اوراس سے قتال کرنا ہے۔ [1]

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: إِذَا بُوْیِعَ لِخَلِیْفَتَیْنِ، فَاقْتُلُوْا الْآخَرَ مِنْهُمَا (مسلم، رقم الحدیث ۱۸۵۳ "۶۱")

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب (یکے بعد دیگرے پہلے کی حکومت ختم ہوئے بغیر) دو حکمرانوں کے ہاتھ پر بیعت کی جائے، تو تم اُن میں سے دوسرے کو قتل کردو (مسلم)

اس طرح کی حدیث حضرت ابوہریرہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی سندوں سے بھی مروی

---

[1] عن معاذ بن جبل، أن النبی صلی الله علیه وسلم قال :ألا إن الجنة لا تحل لعاص، ومن لقی الله عز وجل وهو ناكث بیعته لقی الله وهو أجذم، ومن خرج من الجماعة قید شبر متعمدا فقد خلع ربقة الإسلام من عنقه، ومن مات لیس له إمام جماعة علیه طاعة بعثه الله یوم القیامة بعث من مات میتة جاهلیة، ولواء الغدر یوم القیامة عند استه (مسند الشامیین للطبرانی، رقم الحدیث ۲۲۱۱، الكامل فی ضعفاء الرجال لابنِ عدی، ج۶ ص ۲۰۹)

عن نمیر بن أوس الأشعری صاحب أبی الدرداء ، أن أبا الدرداء قال :قام فینا رسول الله صلی الله علیه وسلم بحنین فقال :إن الجنة لا تحل لعاص، وإنه من لقی الله وهو ناكث بیعته لقیه وهو أجذم، ومن خرج من الطاعة شبرا متعمدا فقد خلع ربقة الإسلام من عنقه، ومن أصبح لیس لأمیر جماعة علیه طاعة یبعثه الله یوم القیامة ومیتته جاهلیة، ولواء الغدر عند استه یوم القیامة (مسند الشامیین للطبرانی،رقم الحدیث ۲۵۶۲، السنة لابنِ ابی عاصم، رقم الحدیث ۱۰۵۰)

عن هبیرة بن یریم ، عن علی ، قال : ناكث بیعته یجیء یوم القیامة أجذم (السنة لابی بكر بن الخلال، رقم الحدیث ۶۷)

ہے۔ [1]

اوراس بیعت سے مراد سیاسی وحکومتی بیعت ہے، یعنی کسی کو حکمرانی کے لئے رائے دے کر منتخب کرنا۔

دو حکمرانوں سے بیعت کرنے کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ دونوں کے حکمران ہونے میں تنازع واختلاف ہوگا، اور بے جا خون بہے گا، اور فتنہ وفساد لازم آئے گا، تو دوسرے کو قتل کر دو، اور قتل کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس کو حکومت کے عہدہ سے الگ کردو۔

اور یہ اس وقت ہے کہ ایک ریاست میں ایک حکمران کے موجود ہوتے ہوئے اور اس کی حکومت کے باضابطہ ختم ہونے سے پہلے دوسرے حکمران سے بیعت ہو، اور اس کے نتیجہ میں فتنہ وفساد لازم آئے، ورنہ اگر مختلف ممالک ہوں تو ان میں اپنے اپنے نظم کے مطابق حکمرانوں کا تقرر جائز ہے، یہی راجح ہے۔ [2]

---

[1] عن أبی هريرة قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :إذا بويع لخليفتين فاقتلوا الأحدث منهما (المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحديث ۲۷۴۳، مسند البزار، رقم الحديث ۷۸۱۳)

عن ابن الزبير، عن معاوية، أنه سمع النبی صلى الله عليه وسلم يقول : إذا بويع لرجلين فاقتلوا الآخر منهما (فوائد تمام للبجلی الرازی، رقم الحديث ۲۵۲)

[2] (وعن أبی سعيد قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :إذا بويع لخليفتين) أی واحد بعد واحد (فاقتلوا الآخر) بكسر ما قبل الآخر (منهما) والقتل مجاز عن نقض العهد وفيه إشارة إلى أنه لو لم يدفع إلا بالقتل، فإنه يجوز قتله، قال القاضی :قيل أراد بالقتل المقاتلة ;لأنها تؤدی إليها من حيث إنها غايتها وقيل :أراد إبطال بيعته وتوهين أمره من قولهم قتلت الشراب إذا مزجته وكسرت سورته بالماء ، قال الطيبی :الأول من الوجهتين يستدعی الثانی ;لأن الآخر منهما خارج على الأول باغ عليه فتجب المقاتلة معه حتى يفیء إلى أمر الله وإلا قتل، فهو مجاز باعتبار ما يؤول للحث على دفعه وإبطال بيعته وتوهين أمره، قال النووی :قاتل أهل البغی غير ناقض عهده لهم إن عهد لأنهم حاربوا من يلزم الإمام محاربته، واتفقوا على أنه لا يجوز أن يعقد لشخصين فی عصر واحد اتسعت دار الإسلام أم لا، قال إمام الحرمين فی كتاب الإرشاد قال أصحابنا :لا يجوز عقدها لشخصين، قال :وعندی أنه لا يجوز للاثنين فی صقع واحد وإن بعد ما بينهما وتخللت بينهما شسوع فللاحتمال فيه مجال وهو خارج من القواطع (مرقاة، تحت رقم الحديث ۳۶۷۶، كتاب الإمارة والقضاء)

حکومت کے جائز قوانین کی پابندی بالاجماع شرعاً واجب ہے

مذکورہ کثیر اور صحیح وصریح احادیث سے معلوم ہوا کہ حکمرانوں کی جائز کاموں میں اطاعت واجب وضروری اور گناہ کے کاموں میں ممنوع ہے، بہت سے اہلِ علم حضرات نے اس پر امت کا اجماع نقل کیا ہے۔ [۱]

اوراس کی وجہ یہ ہے کہ اسی میں سلامتی وعافیت اور فتنہ وفساد سے حفاظت ہے۔ [۲]

اوراحادیث کی روشنی میں یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ جو کام فی نفسہٖ عبادت اور واجب نہیں ہیں، بلکہ مباح ہیں، حکومت کی طرف سے ان کی پابندی کے لازم کرنے اور قانون سازی ہونے کے بعد ان پر عمل کرنا واجب اور ضروری ہوجاتا ہے، اوران کی خلاف ورزی گناہ اور اللہ اوراس کے رسول کی نافرمانی ومعصیت میں داخل ہوجاتی ہے۔

ان احکام وقوانین کا تعلق کسی بھی شعبہ سے ہو، خواہ ٹریفک کے شعبہ سے، یا تعمیرات کے شعبہ سے، یا خرید وفروخت کے شعبہ سے، یا رہن سہن اور سفر وغیرہ کے شعبہ سے۔

اوراس ضابطہ میں عام لوگوں کے ساتھ ساتھ حزبِ اختلاف اوراپوزیشن جماعتیں بھی داخل ہیں، اور میڈیا بھی، اور مختلف سرکاری وغیرسرکاری اداروں کے افسران اور ملازمین بھی۔

اور حکومت خواہ منصف وعادل حکمرانوں کی ہو، یا فاسق حکمرانوں کی، اور خواہ وہ حکومت عوام کی منتخب کردہ ہو، جس سے حکومت کے قوانین کا علم حاصل کرنے کی اہمیت بھی معلوم ہوئی، یا خود سے جبراً وقہراً مسلط ہوئی ہو، جس کی مزید تفصیل آگے آتی ہے۔

---

[۱] أجمع العلماء على وجوبها في غير معصية وعلى تحريمها في المعصية نقل الإجماع على هذا القاضي عياض وآخرون(شرح النووي، كتاب الإمارة،باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية وتحريمها في المعصية)

[۲] وفي الحديث وجوب طاعة ولاة الأمور وهي مقيدة بغير الأمر بالمعصية كما تقدم في أوائل الفتن والحكمة في الأمر بطاعتهم المحافظة على اتفاق الكلمة لما في الافتراق من الفساد الحديث الثاني (فتح الباری لابن حجرالعسقلانی، ج۱۳، ص۱۱۲، قوله باب قول الله تعالى أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولي الأمر منكم)

مگر افسوس کہ عوام تو درکنار بہت سے علماء وصلحاء بھی اس شریعت کے اہم حکم پر عمل پیرا نہیں، قدم قدم پر قانون شکنی عام ہے، اور اکثر لوگوں کو تو حکومتی قوانین کا علم ہی نہیں، اور جن کو علم ہے، وہ اس کو اہمیت دینے کے لئے ہی تیار نہیں، بلکہ بہت سے اہلِ علم اور دیندار تو ظالم وگنہگار حکمرانوں کی حکومت کے انعقاد ہی کے منکر ہیں۔ [1]

اللہ تعالیٰ اس قسم کی کم علمی اور غفلت سے حفاظت فرمائے۔

---

[1] فالوجه فيه أنهم صرحوا أن المباح فى نفسه قد يصير حراما من حكم الأمير من جهة أن الله أمر بطاعتهم، فقال :(أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولى الامر منكم) فحينئذ لو رأى الأمير أن يمنع الناس عن أكل شىء لمصلحة بدت له، يجب عليهم أن لا يأكلوه، ويحرم عليهم .إلا أن تلك الحرمة تقتصر على مدة إمارته فقط، ولا يتجاوزها، فهى حرمة مؤقتة .ومن هذا الباب تحريم التمباک، فإنه قد نهى عنه بعض السلاطين، فاحفظه(فيض البارى شرح البخارى، ج۳، ص۱۱۵، باب ما جاء فى الثوم النىء والبصل والكراث)

قوله :(أطيعوا إذا أمركم إلخ (قيل :إن المراد من آية :إلخ (وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُم) العلماء المسلمون، وقال البيضاوى :لا يصح هذا، فإن العلماء ليس لهم حكم مستقل، فإنهم ناقلو أمر الله وأمر الرسول -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -وقال :إن المراد هم حكام المسلمين المسلمون، وفى كتب الشافعية والحنفية :أن الحاكم المسلم إذا أمر بأمر مباح يصير ذلک الأمر واجباً، وقيل :يشترط فى هذا أن يكون فى الأمر مصلحة، وفى حاشية الأشباه للحموى إذا انتشر مرض الهيضة أو الطاعون فأمر الحاكم رعيته بالصوم صار الصوم عليهم واجباً، وفى أثر عن ابن مسعود أخرجه الحافظ فى تلخيص الحبير :أن أولى الأمر فى الآية هم العلماء ، أقول :لعل مراده أنه ينبغى أن يكون الأمراء علماء فلا يخالف هذا ما قال البيضاوى، وأما الرازى فقال فى التفسير الكبير وأطنب كلامه، وحاصله أن آية (أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ) الآية، أن الآية جزيلة وفيها ذكر الأصول الأربعة كتاب الله والسنة والإجماع والقياس، وأما الإجماع ففى أولى الأمر أى أهل الحل والعقد وأما القياس ففى آية إلخ (فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي) فإن هذا قياس، ويجب فى القياس أن يكون العلة من الكتاب أو السنة .والله أعلم (العرف الشذى شرح سنن الترمذى، ج۲، ص۹۴، ابواب السفر)

فإن قيل كيف يؤمر بالسمع والطاعة للعبد مع أن شرط الخليفة كونه قرشيا فالجواب من وجهين أحدهما أن المراد بعض الولاة الذين يوليهم الخليفة ونوابه لا أن الخليفة يكون عبدا والثانى أن المراد لو قهر عبد مسلم واستولى بالقهر نفذت أحكامه ووجبت طاعته ولم يجز شق العصا عليه والله أعلم (شرح النووى، ج۹، ص۴۷، باب استحباب رمى جمرة العقبة يوم النحر راكبا)

وسيأتى قول الشارح :وتجب طاعة الإمام وإن كان جائرا فيما يجوز من أمره ونهيه إلخ (حاشية البجيرمى على الخطيب، ج۴ص۲۲۸، فصل فى قتال البغاة)

www.idaraghufran.org

(فصل نمبر۴)

ظالم وگنہگار حکمرانوں کے حقوق اور ان کے خلاف طرزِ عمل

جاننا چاہئے کہ اسلام کی جامع تعلیمات کا ایک پہلو یہ ہے کہ اگر ظالم اور گناہ گار حکمرانوں سے واسطہ اور سابقہ پڑے، تو عوام کو ان کے ساتھ کون سا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہئے؟

دنیا میں ظالم اور گناہ گار حکمرانوں کے خلاف مختلف قسم کے طرزِ عمل اختیار کئے جاتے ہیں، کبھی مختلف قسم کی ہڑتالیں کی جاتی ہیں، کبھی مارچ کیا جاتا ہے، کبھی ایوانِ حکومت کا گھیراؤ کیا جاتا ہے، کبھی خطرناک ٹکراؤ کی صورت اور خونی انقلاب کا دعویٰ کیا جاتا اور اس کی طرف دعوت دی جاتی ہے، جن کے نتائج عام طور پر بہتر کے بجائے بدتر ثابت ہوتے ہیں، اور ان میں کئی قسم کے مفاسد ومنکرات اور اس سے بڑھ کر گناہ لازم آتے ہیں، مگر اسلام نے ظالم اور گناہ گار حکمرانوں کے خلاف جس طرزِ عمل کی تعلیم دی ہے، وہ انتہائی مبارک، مفید اور معتدل ہے، جس میں فتنہ وانتشار اور خون ریزی سے بچنے کا بھی پورا پورا لحاظ کیا گیا ہے۔

اور اس موقع پر بھی اتحاد واتفاق کو برقرار رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

چنانچہ اسلام میں سب سے پہلے تو یہ حکم دیا گیا کہ ظالم وگنہگار حکمرانوں کی بھی اطاعت کی جائے، جس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ گناہ گار، ظالم وفاسق حکمرانوں کی حکمرانی بھی منعقد ہوجاتی ہے، اور اس کے زیرِ حکومت قوانین کی پابندی ضروری ہوجاتی ہے، بشرطیکہ اس کا کوئی حکم وقانون عوام کو گناہ کا مرتکب نہ کرے، اور اگر وہ کوئی ایسا حکم صادر کرے کہ جو گناہ والا ہو، اور اس کا گناہ ہونا بھی واضح ہو، تو اس میں حکمران کی اطاعت واجب نہیں ہوگی، بلکہ جائز بھی نہیں ہوگی۔

اور دوسرا حکم یہ دیا گیا کہ ظالم وگناہ گار حکمرانوں کے قائم ہونے پر صبر وتحمل سے کام لیا جائے،

اوران کے خلاف خروج اوران کے ساتھ قتال نہ کیا جائے، کیونکہ اس میں بے شمار فتنے لازم آتے ہیں، جو گناہ گار اور ظالم حکمران کو برقرار رکھنے کی خرابی کے مقابلہ میں شدید تر ہیں، البتہ حکمرانوں کے گناہوں کے کاموں اور قوانین پر حسبِ قدرت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اہتمام کیا جائے، جس میں حکمرانوں کے درجہ اور مقام کی بھی رعایت رکھی گئی ہے، اور ساتھ ہی اللہ سے اپنے حقوق حاصل ہونے اور گناہوں سے نجات کی دعاء کی جائے، اور اپنی اصلاح کا بھی اہتمام کیا جائے۔

اور اگر نعوذ باللہ تعالیٰ کوئی مسلمان حکمران صریح کفر کا ارتکاب کرے، جس میں مستند اہلِ علم حضرات کی تحقیق کے مطابق کوئی تاویل بھی ممکن نہ ہو، اور وہ توبہ ورجوع بھی نہ کرے، تو پھر اس کے خلاف خروج اور قتال کی اجازت دی گئی ہے، بشرطیکہ اس کی قدرت ہو، نہ یہ کہ اس کی قوت میں مزید اضافہ ہو جائے۔

آگے احادیث وروایات کی روشنی میں اس کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

حکمران کے اعمالِ بد کے عوام جوابدہ نہیں

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَأَلَ سَلَمَةُ بْنُ يَزِيدَ الْجُعْفِيُّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ، أَرَأَيْتَ إِنْ قَامَتْ عَلَيْنَا أُمَرَاءُ يَسْأَلُونَا حَقَّهُمْ وَيَمْنَعُونَا حَقَّنَا، فَمَا تَأْمُرُنَا؟ فَأَعْرَضَ عَنْهُ، ثُمَّ سَأَلَهُ، فَأَعْرَضَ عَنْهُ، ثُمَّ سَأَلَهُ فِي الثَّانِيَةِ أَوْ فِي الثَّالِثَةِ، فَجَذَبَهُ الْأَشْعَثُ بْنُ قَيْسٍ، وَقَالَ: اِسْمَعُوا وَأَطِيعُوا، فَإِنَّمَا عَلَيْهِمْ مَا حُمِّلُوا، وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ

(مسلم، رقم الحديث ۱۸۴۶ "۴۹")

ترجمہ: حضرت سلمہ بن یزید جعفی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی اگر ہمارے اوپر ایسے امراء (وحکمران) قائم ہوجائیں، جو ہم سے اپنے حق کا تو مطالبہ کریں، اور ہمارا حق ادا نہ کریں (یعنی ہماری حق تلفی اور ہم پر ظلم کریں) تو آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اعراض فرمایا، انہوں نے دوبارہ سوال کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پھر اعراض فرمایا، پھر انہوں نے دوسری یا تیسری مرتبہ سوال کیا، تو ان کو حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف کھینچ لیا، اور ان سے فرمایا کہ ان (حکمرانوں) کی بات سنو، اور ان کی اطاعت کرو، کیونکہ ان (حکمرانوں) پر ان کے اعمال لادے جائیں گے، اور تمہارے اوپر تمہارے اعمال لادے جائیں گے (مسلم)

اس طرح کا مضمون ایک اور سند سے بھی مروی ہے۔ [1]

اور امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ:

أَنَّهُ قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنْ كَانَ عَلَيْنَا أُمَرَاءُ يَعْمَلُوْنَ بِغَيْرِ طَاعَةِ اللّٰهِ؟ فَقَالَ: عَلَيْهِمْ مَا حُمِّلُوْا وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ (التاریخ الکبیر للبخاری، رقم الحدیث ۴۴)

ترجمہ: انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اگر (آپ کے بعد) ہمارے اوپر ایسے اُمراء (وحکمران) آجائیں جو اللہ کے کہنے کے خلاف عمل کریں

---

[1] عن علقمة بن وائل، أن سلمة بن يزيد، قام إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو يخطب بعد العصر، فقال :أرأيت إن كان علينا أمراء بعدك يسألونا الحق ويمنعونا؟ فسكت، ثم أعاد المسألة فكأنه غضب، وسكت فجذبه الأشعث فقال :والله ما أزال أسأله حتى تغرب الشمس أو يجيبني، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: عليهم ما حملوا وعليكم ما حملتم واسمعوا لهم وأطيعوا (مسند ابی داؤد الطیالسی، رقم الحدیث ۱۱۱۲)

(یعنی گناہ گار ہوں) تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان (حکمرانوں) پر ان کے اعمال لادے جائیں گے، اور تمہارے اوپر تمہارے اعمال لادے جائیں گے

(تاریخ کبیر)

اس طرح کی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حکمران اپنے اعمالِ بد وخیر کے جواب دہ ہیں، اور عوام اپنے اعمالِ بد وخیر کے جواب دہ ہیں، کچھ حقوق تو حکمرانوں کے عوام کے ذمہ ہیں، ان کے ادا کرنے کی ذمہ داری عوام کی ہے، جن میں حکمرانوں کی جائز کاموں میں اطاعت اور جائز قوانین کی پابندی کرنا اور ظالم وگناہ گار حکمرانوں کے خلاف خروج وقتال نہ کرنا سب داخل ہے، ان حقوق کے بارے میں عوام سے سوال ہوگا۔

اور کچھ حقوق عوام کے، حکمرانوں کے ذمہ ہیں، ان کے ادا کرنے کی ذمہ داری حکمرانوں کی ہے، اگر وہ اس میں کوتاہی کریں گے، اور ظلم کا ارتکاب کریں گے، تو ان پر اس کا وبال ہوگا۔

مذہب اسلام یا دینِ اسلام کا یہ اصول انتہائی عادلانہ ومنصفانہ ہے، اگر ہر فریق اپنی ذمہ داریوں کو سامنے رکھ کر اور آخرت میں جواب دہی کا استحضار وتصور کر کے عمل کرے، تو دنیا وآخرت دونوں کی کامیابی ہے، ورنہ ناکامی ہے۔

مگر افسوس ہے کہ عوام تو حکمرانوں سے اپنے حقوق کا مطالبہ کرتے ہیں، اور حکمران عوام سے اپنے حقوق کا مطالبہ کرتے ہیں، اور اپنے ذمہ میں حقوق کی ادائیگی کا کوئی بھی اہتمام نہیں کرتا، یہ الٹا راستہ ہے، جس پر دنیا وآخرت کی خیر اور فلاح مرتب نہیں ہوتی۔ [1]

---

[1] (ثم سأله فقال رسول الله :اسمعوا وأطيعوا) أى أعطوهم ما لهم وإن لم يعطوكم ما لكم (فإنما عليهم ما حملوا) من المأثم وإثمهم لا يمنع من أدائهم معهم ما عليهم من الحق (وعليكم ما حملتم) أى فلا يمنعكم من أداء ما عليكم تفريطهم بعدم أداء ما لكم (دليل الفالحين لطرق رياض الصالحين، تحت رقم الحديث ٦٦٩، باب وجوب طاعة ولاة الامر)

(وعن وائل بن حجر) بضم الحاء وسكون الجيم مر ذكره (قال :سأل سلمة بن يزيد الجعفى) بضم الجيم وسكون العين لم يذكره المؤلف فى أسمائه (رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :يا نبى الله أرأيت) أى أخبرنى (إن قامت علينا أمراء يسألونا) بتشديد النون ويخفف صفة أمراء أى يطلبونا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ظالم وگنہگار حکمرانوں کی اطاعت واجب ہے

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

يَكُوْنُ بَعْدِىْ أَئِمَّةٌ لاَ يَهْتَدُوْنَ بِهُدَاىَ وَلاَ يَسْتَنُّوْنَ بِسُنَّتِىْ وَسَيَقُوْمُ فِيْهِمْ رِجَالٌ قُلُوْبُهُمْ قُلُوْبُ الشَّيَاطِيْنِ فِىْ جُثْمَانِ إِنْسٍ . قَالَ قُلْتُ كَيْفَ أَصْنَعُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنْ أَدْرَكْتُ ذٰلِكَ قَالَ تَسْمَعُ وَتُطِيْعُ لِلْأَمِيْرِ وَإِنْ ضُرِبَ ظَهْرُكَ وَأُخِذَ مَالُكَ فَاسْمَعْ وَأَطِعْ (مسلم) [1]

ترجمہ: میرے بعد ایسے حکمران آئیں گے، جو میری ہدایات پر نہیں چلیں گے (یعنی ظلم وفسق کا ارتکاب کریں گے) اور میری سنت پر کاربند نہیں ہوں گے (بلکہ سنتوں کو ترک اور ان کی خلاف ورزی اور بدعات کا ارتکاب کریں گے) اور ان میں ایسے (بدخصلت) لوگ ہوں گے، جن کے دل انسانوں کے بدن میں شیطانوں کے دلوں جیسے ہوں گے، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(حقهم) أى من الطاعة والخدمة (ويمنعونا) بالوجهين (حقنا) أى من العدل وإعطاء الغنيمة، وفى نسخة :لو ضيعونا حقنا (فما تأمرنا) قال الطيبى :هذا جزاء الشرط على تأويل الإعلام (قال: اسمعوا) أى ظاهرا (وأطيعوا) باطنا أو اسمعوا قولا وأطيعوا فعلا (فإنما عليهم ما حملوا) بتشديد الميم أى ما كلفوا من العدل وإعطاء حق الرعية (وعليكم ما حملتم أى من الطاعة والصبر على البلية وكأن الحديث مقتبس من قوله تعالى (قل أطيعوا الله وأطيعوا الرسول فإن تولوا فإنما عليه ما حمل وعليكم ما حملتم وإن تطيعوه تهتدوا وما على الرسول إلا البلاغ المبين) (النور: 54) وحاصله أنه يجب على كل أحد ما كلف به ولم يتعد حده، قال الطيبى :قدم الجار على المجرور على عامله للاختصاص أى ليس على الأمراء إلا ما حمله الله وكلفه عليهم من العدل والتسوية بهذا لم يقيموا بذلك فعليهم الوزر والوبال، وأما أنتم فعليكم ما كلفتم به من السمع والطاعة وأداء الحقوق، فإذا قمتم بما عليكم فالله تعالى يتفضل عليكم ويثيبكم به(مرقاة المفاتيح، ج٦ ص٢٣٩٨، كتاب الامارة والقضاء)

[1] كتاب الامارة،رقم الحديث ١٨٤٧ "٥٢"، باب الامر بلزوم الجماعة عند ظهور الفتن.

نے پوچھا کہ اگر میں ایسا زمانہ پاؤں تو کیا کروں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حکمران کی بات سنتے رہنا، اور مانتے رہنا، چاہے تمہاری (ظلم کی شدت سے) کمر توڑ دی جائے اور تمہارے مال پر قبضہ کرلیا جائے، تب بھی (حکمران وحکومت کی بات) سُننے اور اطاعت کرنے سے کام لینا (اور نافرمانی اور حکمرانوں کے خلاف خروج وبغاوت نہ کرنا) (مسلم)

اس طرح کی حدیث حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، جس کا ذکر آگے ''صریح گناہ میں اطاعت واعانت کے بجائے حسبِ قدرت نکیر'' کے بیان میں آتا ہے۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ ظالم اور گناہ گار حکمرانوں کے خلاف بھی مسلح بغاوت یا خروج جائز نہیں، بلکہ ظالم اور گناہ گار حکمرانوں کی اطاعت بھی واجب ہے، جس سے معلوم ہوا کہ ظالم اور فاسق حکومت کے جائز قوانین کی پابندی بھی واجب اور ضروری ہے۔

اور ظلم میں، وہ ٹیکس اور مالی جرمانے بھی داخل ہیں، جو حکومت کی طرف سے عوام کی ضرورت ومصلحت کے نام پر اور عوام کی جرائم سے تنبیہ کے طور پر وصول کئے جاتے ہیں۔ [1]

---

[1] يكون بعدى أئمة بتحقيق الهمزة الثانية وتسهيلها وإبدالها جمع إمام على أن أصله أئمة على وزن أفعلة أى جماعة يطلق عليهم الأئمة لا يهتدون بهداى أى من حيث العلم ولا يستنون بسنتى أى من حيث العمل والمعنى أنهم لا يأخذون بالكتاب والسنة وسيقوم فيهم رجال قلوبهم قلوب الشياطين أى كقلوبهم فى الظلمة والقساوة والوسوسة والتلبيس والآراء الكاسدة والأهواء الفاسدة فى جثمان أنس بضم الجيم أى فى جسده والمراد به جنس الإنس فيطابق الجمع السابق قال حذيفة قلت كيف أصنع يا رسول الله إن أدركت ذلك أى ذلك الوقت أو ما ذكر من أهل الزمان قال تسمع أى ما يأمرك الأمير خبر بمعنى الأمر وكذا قوله وتطيع فيما لا معصية فيه الأمير مفعول تنازع فيه الفعلان وإن ضرب ظهرك بصيغة المجهول أى ولو ضربت وأخذ مالك وفى نسخة بصيغة المعلوم فيهما ففيهما ضمير للأمير والإسناد حقيقى أو مجازى وتخصيص الظهر لبيان الواقع غالبا وقوله فاسمع وأطع جزاء الشرط أتى لمزيد تقرير واهتمام تحرير بشأنه وإلا فما قبل الشرط أغنى عنه قال ابن الملك إلا إذا أمرك بإثم فلا تطعه لكن لا تقاتل بل فر منه (مرقاة، كتاب الفتن، ج۸، ص ۳۳۸۳)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قُلْنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ: لَا نَسْأَلُكَ عَنْ طَاعَةِ مَنِ اتَّقٰى وَلٰكِنْ مَنْ فَعَلَ وَفَعَلَ فَذَكَرَ الشَّرَّ فَقَالَ: اِتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوا وَأَطِيعُوا (السنة لابنِ ابی عاصم) [1]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

(فإن كان لله في الأرض خليفة ") أي :موجودا فيها، ولو من صفته أنه (جلد ظهرك) أي: ضربك بالباطل (وأخذ مالك)أي :بالغصب، أو ما لك من المنصب، والنصيب بالتعدي (فأطعه) أي :ولا تخالفه ;لئلا تثور فتنة (مرقاة، كتاب الفتن، ج۸، ص ۳۳۹۱)

قوله : (وإن ضرب ظهرك وأخذ مالك فاسمع وأطع) فيه دليل على وجوب طاعة الأمراء وإن بلغوا في العسف والجور إلى ضرب الرعية وأخذ أموالهم فيكون هذا مخصصا لعموم قوله تعالى : (فمن اعتدى عليكم فاعتدوا عليه بمثل ما اعتدى عليكم)وقوله :(وجزاء سيئة سيئة مثلها)(نيل الاوطار للشوكاني، ج۷ص۲۰۷، باب الصبر على جور الأئمة وترك قتالهم والكف عن إقامة السيف)

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

> قسمِ خامس: ایسا فسق اختیار کرے، جس کا اثر دوسروں تک متعدی ہو، جس کو ظلم کہتے ہیں، اور اس ظلم کا محل صرف مال ہو، یعنی لوگوں کے مال ناحق لینے لگے، مگر اس میں اشتباہ جواز کا بھی ہوسکتا ہے، جیسے مصالحِ سلطنت کے نام سے ٹیکس وغیرہ وصول کرنے لگے.......... قسمِ خامس کا حکم: اطاعت کرے، لقولہٖ في العبارة التاسعة: بخلاف ما اذا كان الحال مشتبها (بوادر النوادر، صفحہ۵۴۲، وصفحہ ۵۴۵، رسالہ: جذل الکلام فی عزل الامام)

في الفتح :ويجب على كل من أطاق الدفع أن يقاتل مع الإمام إلا إن أبدوا ما يجوز لهم القتال كأن ظلمهم أو ظلم غيرهم ظلما لا شبهة فيه بل يجب أن يعينوهم حتى ينصفهم ويرجع عن جوره، بخلاف ما إذا كان الحال مشتبها أنه ظلم مثل تحميل بعض الجبايات التي للإمام أخذها وإلحاق الضرر بها لدفع ضرر أعم منه .اهـ(ردالمحتار، ج۴، ص ۲۶۴، ۲۶۵، كتاب الجهاد، باب البغاة)

بخلاف ما إذا كان الحال مشتبها أنه ظلم مثل تحميل بعض الجبايات التي للإمام أخذها وإلحاق الضرر بها لدفع ضرر أعم منه كذا في فتح القدير (البحرالرائق، ج۵، ص ۱۵۱، وص ۱۵۲، باب البغاة)

بخلاف ما إذا كان الحال مشتبها أنه ظلم مثل تحميل بعض الجبايات التي للإمام أخذها وإلحاق الضرر بها لدفع ضرر أعم منه (فتح القدير، باب البغاة)

[1] رقم الحديث ۱۰۶۹، المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ۲۴۰.

قال الالباني:حديث صحيح ورجال إسناده رجال الشيخين غير عثمان بن قيس وهو ابن محمد بن الأشعث الكندي فهو مجهول أورده ابن أبي حاتم ۳/۱/۱۶۵بروابة حفص هذا عنه .ولم يزد.وأبوه قيس بن محمد لم يوثقه غير ابن حبان وأحاديث الباب تشهد له ...(ظلال الجنة في تخريج السنة)

ترجمہ: ہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہم متقی (اور نیک حکمران) کا کہنا ماننے کے بارے میں آپ سے سوال نہیں کرتے، لیکن جو (حکمران) ایسے اور ویسے شر والے کام کرے (یعنی ظالم وگناہ گار ہو، اس کے کہنا ماننے کا آپ سے سوال کرتے ہیں) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اللہ سے ڈرو، اور اس (حکمران) کی بات سنو اور اس کا کہنا مانو (ابنِ ابی عاصم)

اس طرح کی حدیث ایک اور سند سے بھی مروی ہے۔ [1]

مذکورہ احادیث سے واضح طور پر ظالم اور گناہ گار حکمرانوں کی بات سننے اور اطاعت کرنے کا حکم معلوم ہوا۔

اور جب یہ شریعت کا حکم ہے، تو ظاہر ہے کہ حکومت کے جائز قوانین کی پابندی اور ہر شخص کو اپنے متعلقہ شعبہ کے قوانین کا علم حاصل کرنا بھی شرعاً ضروری ہے، کیونکہ اس کے بغیر اطاعت ممکن نہیں، ورنہ انسان عنداللہ گناہ گار ہوتا ہے، اور یہ حکم اس وقت ہے جبکہ اس کی اطاعت گناہ کے کام سے متعلق نہ ہو، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ [2]

حکمرانوں کی ناپسندیدہ چیز پر اطاعت وصبر کا حکم اور تفریق کی ممانعت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عَلَيْکَ السَّمْعَ وَالطَّاعَةَ فِيْ

---

[1] عن أبی ذر، رضی الله عنه، قال :قال لی رسول الله صلى الله عليه وسلم :سيصيبک بعدی بلاء قلت :فی الله؟ قال :فی الله قلت :مرحبا بأمر الله، فقال :يا أبا ذر اسمع وأطع وأحسبه، قال : ولو لعبد أسود "ولا نعلم روى سلمة بن الأكوع، عن أبی ذر إلا هذا الحديث، ولا نعلم له طريقا إلا هذا الطريق (مسند البزار، رقم الحديث ۳۸۹۴)

[2] قوله : على المرء المسلم السَّمع والطاعة ؛ ظاهر فی وجوب السمع والطّاعة للأئمة ، والأمراء ، والقضاة .ولا خلاف فيه إذا لم يأمر بمعصية .فإن أمر بمعصية فلا تجوز طاعته فی تلک المعصية قولاً واحدًا (المفهم لما اشكل فيه من كتاب مسلم للقرطبی، باب إنما تجب طاعة الإمام ما لم يأمر بمعصية)

عُسْـرِکَ وَیُسْـرِکَ، وَمَـنْشَـطِکَ وَمَکْـرَهِکَ، وَأَثَـرَةٍ عَلَیْکَ

(مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تجھ پر تنگی اور فراخی میں، خوشی اور ناخوشی میں اور تجھ پر کسی کو ترجیح دی جائے (اور تیری یا عوامی حق تلفی کی جائے) ہر صورت میں (امیر وحکمران کی) بات کو سننا اور کہنا ماننا لازم ہے (مسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حکمران کی اطاعت اور کہنا ماننا بہر صورت واجب ہے، خواہ اس کی بات پسند آئے یا نہ آئے، اور گوارا ہو یا ناگوار ہو، اور خواہ دوسرے کو کسی کے حقوق پر ناحق ترجیح دی جائے، اور بالفاظِ دیگر حق تلفی کی جائے، جب تک وہ گناہ کی بات نہ ہو۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

قَـالَ الـنَّبِـیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ : مَـنْ رَأٰی مِـنْ أَمِیْرِهٖ شَیْئًا فَکَرِهَهٗ فَلْیَـصْبِـرْ، فَـإِنَّـهٗ لَیْسَ أَحَدٌ یُفَارِقُ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَیَمُوْتُ، إِلَّا مَاتَ مِیْتَةً جَاهِلِیَّةً (بخاری) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو آدمی اپنے امیر (وحاکم اور حکمران) سے کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھے تو اس کو صبر کرنا چاہیے، اس لئے کہ جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھی باہر ہوا، پھر وہ فوت ہوگیا، تو وہ جاہلیت کی موت مرا (بخاری)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: مَنْ کَرِهَ مِنْ أَمِیْرِهٖ شَیْئًا

---

[1] رقم الحدیث ۱۸۳۶ "۳۵"، باب وجوب طاعة الأمراء فی غیر معصیة، وتحریمها فی المعصیة.

[2] رقم الحدیث ۷۱۴۳، باب السمع والطاعة للإمام ما لم تکن معصیة، مسلم، رقم الحدیث ۱۸۴۹ "۵۵"، شرح السنة للبغوی، رقم الحدیث ۲۴۵۸.

قال البغوی: هذا حدیث متفق علی صحته (شرح السنة، رقم الحدیث ۲۴۵۸، باب الصبر علی ما یکره من الأمیر ولزوم الجماعة)

www.idaraghufran.org

فَلْيَصْبِرْ، فَإِنَّهُ مَنْ خَرَجَ مِنَ السُّلْطَانِ شِبْرًا مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً

(بخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے امیر (وحکمران) سے کوئی ناگوار چیز دیکھے تو اس کو صبر کرنا چاہیے، اس لئے کہ جو شخص بادشاہ (وحکمران کی اطاعت وکہنا ماننے) سے ایک بالشت بھی باہر ہوا تو وہ جاہلیت کی (بُری) موت مرا (بخاری، مسلم)

پہلی روایت میں جماعت سے باہر نکلنے اور دوسری روایت میں حکمران سے نکلنے کی بُرائی بیان کی گئی، دونوں میں درحقیقت کوئی ٹکراؤ نہیں، اس لئے کہ حکمران کی وجہ سے مختلف گروہ بندیوں اور بے راہ روی سے حفاظت ہوتی ہے، اس لئے حکمران کی اطاعت کو جماعت کے ساتھ شامل ہونے کا درجہ دیا گیا۔

زمانۂ جاہلیت میں امیر وحاکم اور حکمرانوں کی اطاعت نہیں کی جاتی تھی، اور ذرا ذرا سی خلافِ طبیعت باتوں پر اس کے خلاف بغاوت ہوتی تھی، نیز حکمرانوں کو قبول نہ کرنے کی وجہ سے قتل وغارت گری کا سلسلہ قائم تھا، اور ہر شخص آزادانہ زندگی گزارتا اور من مانی کیا کرتا تھا، جس کی وجہ سے مختلف گروہوں اور قبیلوں کے درمیان تقابل وتصادم اور قتل وقتال کا طویل اور دیرینہ سلسلہ جاری تھا۔

شریعتِ اسلام نے اس سے سختی کے ساتھ منع کیا، اور حکمرانوں کی ناگوار باتوں پر صبر کرنے اور اطاعت کرنے کا حکم دیا، اور اس کی خلاف ورزی کرنے اور اس کے خلاف خروج کرنے پر سخت وعید سنائی، اور اس کی وجہ بھی بیان فرمادی کہ اس سے مسلمانوں میں تفریق پیدا ہوتی ہوتی ہے، اور اتحاد واتفاق متاثر ہوتا اور قتل وغارت گری پھیلتی ہے، جس میں بہت سے فتنے ہیں، اور ان فتنوں کے مقابلہ میں ظالم وگناہ گار حکمران کی حکمرانی کو برداشت کرنا ہلکی چیز اور

---

[1] رقم الحدیث ۷۰۵۳، مسلم، رقم الحدیث ۱۸۴۹ "۵۶".

بہتر ہے۔ ؎

؎ (وعن ابن عباس قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من رأى من أميره شيئا) أى أمرا أو فعلا (يكرهه) أى شرعا أو طبعا (فليصبر) أى ولا يخرج عليه (فإنه) أى الشأن (ليس أحد يفارق الجماعة) أى المنتظمة بنصب الإمامة (شبرا) أى قدرا يسيرا (فيموت) بالنصب على جوانب النفى، وفى نسخة بالرفع عطفا على (يفارق) أى فيموت على ذلك من غير توبة (إلا مات) استثناء مفرغ من أعم الأحوال (ميتة) بكسر الميم للهيئة والحالة وهى منصوبة على المصدرية (جاهلية) أى منسوبة إلى الجاهل فى الدين، قال الطيبى :الميتة والقتلة بالكسر الحالة التى يكون عليها الإنسان من الموت أو القتل، والمعنى أن من خرج عن طاعة الإمام وفارق جماعة الإسلام وشذ عنهم وخالف إجماعهم ومات على ذلك فمات على هيئة كان يموت عليها أهل الجاهلية ;لأنهم ما كانوا يرجعون إلى طاعة أمير فلا يتبعون هدى إمام بل كانوا مستنكفين عنها مستبدين فى الأمور لا يجتمعون فى شىء ولا يتفقون على رأى(مرقاة المفاتيح، ج٦، ص ٢٣٩٤، كتاب الامارة و القضاء)

(وعن ابن عباس رضى الله عنهما أن رسول قال :من كره من أميره شيئا) دنيويا كان كاستئثار عليه وظلم له أو دينيا كأن فسق بعد عدالته فلا ينعزل الإمام الأعظم بفسقه، نعم إن كفر انعزل بكفره كما تقدم من حديث إلا أن تروا كفرا بواحا فمن رأى ما لا ينعزل به الإمام مما يكرهه (فليصبر) أى بعدم الخروج على الأمير، أما الإنكار عليه بمراتبه إذا لم يؤد إلى شق العصا والخروج عليه، فمطلوب الحديث أفضل الشهداء حمزة ورجل قال كلمة حق عند سلطان جائر فقتله (فإنه) الضمير فيه للشأن والجملة بعد تفسير وذلك تعليل للأمر بالصبر على ما يكرهه (من خرج من السلطان) أى من طاعته (شبرا) كناية عن القلة أى وإن كان الخروج يسيرا كأن بعد عنها لو كانت محسوسة قدر شبر (مات ميتة) بكسر الميم (جاهلية) فإنهم كما تقدم شأنهم عدم الائتمار للأمير بل ضعيفهم نهب للكبير (متفق عليه) أخرجه البخارى فى الأحكام ومسلم فى المغازى(دليل الفالحين لطرق رياض الصالحين، ج٥، ص ١٣٦، باب وجوب طاعة ولاة الأمر)

وقال عبدالله بن زيد :قال النبى (صلى الله عليه وسلم) : (اصبروا حتى تلقون على الحوض)فيه: ابن مسعود، قال النبى (صلى الله عليه وسلم) : (إنكم سترون بعدى أثرة، وأمورا تنكرونها) ، قالوا: فما تأمرنا يا رسول الله؟ قال :(أدوا إليهم حقهم، وسلوا الله حقكم)وفيه :ابن عباس، قال النبى (صلى الله عليه وسلم) : (من كره من أميره شيئا، فليصبر، فإنه من خرج من السلطان شبرا مات ميتة جاهلية)وفيه :عبادة، بايعنا النبى (صلى الله عليه وسلم) على السمع والطاعة فى منشطنا ومكرهنا، وعسرنا ويسرنا، وأثرة علينا، وأن لا ننازع الأمر أهله، إلا أن تروا كفرا بواحا عندكم من الله فيه برهان وفيه :أسيد بن حضير، أن رجلا أتى النبى (صلى الله عليه وسلم) فقال :يا رسول الله استعملت فلانا، ولم تستعملنى، قال :(إنكم سترون بعدى أثرة، فاصبروا حتى تلقونى) . قال المؤلف :فى هذه الأحاديث حجة فى ترك الخروج على أئمة الجور، ولزوم السمع والطاعة لهم والفقهاء مجمعون على أن الإمام المتغلب طاعته لازمة، ما أقام الجمعات والجهاد، وأن طاعته خير

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

خودغرض اور غیر منصف حاکموں کے رویہ پر صبر کا حکم

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْأَنْصَارِ إِنَّكُمْ سَتَلْقَوْنَ بَعْدِيْ أَثَرَةً فَاصْبِرُوْا حَتّٰى تَلْقَوْنِيْ وَمَوْعِدُكُمُ الْحَوْضُ (بخاری، رقم الحدیث ۳۷۹۳)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار صحابہ سے فرمایا کہ تم کو میرے بعد خودغرضی (والے حکمرانوں) سے سابقہ پڑے گا، تو تم (ایسے وقت) صبر کرنا، یہاں تک کہ تم میرے ساتھ ملاقات کرلو، جس کا مقام حوضِ کوثر ہے (پھر ہر ایک کو اس کا حق دلوایا جائے گا) (بخاری)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

وَسَتَرَوْنَ بَعْدِيْ أَثَرَةً فِي الْأَمْرِ وَالْقَسْمِ فَاصْبِرُوْا حَتّٰى تَلْقَوْنِيْ عَلَى

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

من الخروج عليه؛ لما فى ذلك من حقن الدماء وتسكين الدهماء ، ألا ترى قوله (صلى الله عليه وسلم) لأصحابه :(سترون بعدى أثرة وأمورا تنكروها) فوصف أنهم سيكون عليهم أمراء يأخذون منهم الحقوق ويستأثرون بها، ويؤثرون بها من لا تجب له الأثرة، ولا يعدلون فيها، وأمرهم بالصبر عليهم والتزام طاعتهم على ما فيهم من الجور، وذكر على بن معبد، عن على بن أبى طالب أنه قال : لابد من إمامة برة أو فاجرة .قيل له :البرة لابد منها،فما بال الفاجرة؟ قال :تقام بها الحدود، وتأمن بها السبل، ويقسم بها الفء، ويجاهد بها العدو .ألا ترى قوله (صلى الله عليه وسلم) فى حديث ابن عباس :(من خرج من السلطان شبرا مات ميتة جاهلية) . وفى حديث عبادة :(بايعنا رسول الله على السمع والطاعة) إلى قوله :(وألا ننازع الأمر أهله، إلا أن تروا كفرا بواحا) فدل هذا كله على ترك الخروج على الأئمة، وألا يشق عصا المسلمين، وألا يتسبب إلى سفك الدماء وهتك الحريم، إلا أن يكفر الإمام ويظهر خلاف دعوة الإسلام، فلا طاعة لمخلوق عليه، وقد تقدم فى كتاب الجهاد، وكتاب الأحكام هذا .قال الخطابى :(بواحا) يريد ظاهرا باديا، ومنه قوله :باح بالشيء يبوح به بوحا وبئوحا، إذا أذاعه وأظهره ومن رواه (براحا) فالبراح بالشيء مثل البواح أو قريب منه، وأصل البراح الأرض القفر التى لا أنيس ولا بناء فيها، وقال غيره :البراح :البيان، يقال: برح الخفاء أى ظهر(شرح صحيح البخارى۔ لابن بطال،ج۱۰ ص۷ الٰى ۹،باب قول النبى صلى الله عليه وسلم سترون بعدى أمورا تنكرونها)

الْحَوْضِ (مستدرک حاکم، رقم الحدیث ۶۹۷۴) ؎۱

ترجمہ: اور تم میرے بعد معاملات اور (مال وعہدوں کی) تقسیم میں خودغرض لوگ دیکھو گے، تو تم صبر کرنا، یہاں تک کہ تم مجھ سے (بروزِ قیامت) حوضِ کوثر پر ملاقات کرلو (جہاں ہر ایک کے ظلم وحق تلفیوں کا فیصلہ ہوجائے گا) (حاکم)

نیز ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

قَالَ : فَإِنَّكُمْ سَتَجِدُوْنَ أَثَرَةً شَدِيْدَةً، فَاصْبِرُوْا حَتّٰى تَلْقَوُا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ عَلَى الْحَوْضِ. قَالُوْا: سَنَصْبِرُ (ابن حبان) ؎۲

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میرے بعد شدید خودغرضی (والے حکمران) دیکھو گے، تو تم صبر کرنا، یہاں تک کہ تم اللہ اور اس کے رسول سے (بروزِ قیامت) حوضِ کوثر پر ملاقات کرلو، صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ ہم صبر کریں گے (ابن حبان، ابویعلیٰ)

اس مضمون کی حدیثیں اور سندوں سے بھی مروی ہیں۔ ؎۳

؎۱ قال الحاکم: هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه.
و قال الذهبی: صحيح.

؎۲ رقم الحديث ۷۲۷۸، مسند ابی يعلیٰ، رقم الحديث ۳۵۹۴.
فی حاشية ابن حبان: إسناده صحيح على شرط مسلم.

؎۳ وسترون بعدی أثرة فی الأمر والعيش فاصبروا حتى تلقونی على الحوض (ابن حبان، رقم الحديث ۷۲۷۷، عن انس)
فی حاشية ابن حبان: إسناده حسن.

عن أسيد بن حضير :أن رجلا أتى النبی صلى الله عليه وسلم، فقال :يا رسول الله، استعملت فلانا ولم تستعملنی؟ قال :إنكم سترون بعدی أثرة، فاصبروا حتى تلقونی (بخاری، رقم الحديث ۷۰۵۷)

عن أبی سعيد الخدری قال :اجتمع أناس من الأنصار فقالوا :آثر علينا غيرنا، فبلغ ذلک النبی صلى الله عليه وسلم فجمعهم، ثم خطبهم، فقال " :يا معشر الأنصار، ألم تكونوا أذلة فأعزكم الله ؟ "قالوا :صدق الله ورسوله، قال " :ألم تكونوا ضلالا، فهداكم الله ؟ "قالوا :صدق الله ورسوله، قال " :ألم تكونوا فقراء ، فأغناكم الله ؟ "

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

ان سب احادیث سے ظالم اورعوام کی حق تلفی کرنے والے حکمرانوں کے سلسلہ میں صبر کرنے کا حکم معلوم ہوا، اورصبر کرنے میں ظالم حکمرانوں کے خلاف خروج نہ کرنا اوران کے خلاف قتل وقتال سے بچنا بھی داخل ہے۔ ل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قالوا :صدق الله ورسوله، ثم قال " :ألا تجيبونني ؟ ألا تقولون :أتيتنا طريدا فآويناک ، وأتيتنا خائفا فآمناک، ألا ترضون أن يذهب الناس بالشاء والبقران، -يعنی البقر - وتذهبون برسول الله، فتدخلونه بيوتكم ، لو أن الناس سلكوا واديا أو شعبة ، وسلكتم واديا أو شعبة لسلكت واديكم أو شعبتكم، لولا الهجرة لكنت امرأ من الأنصار، وإنكم ستلقون بعدی أثرة ، فاصبروا، حتى تلقونی، على الحوض (مسند احمد، رقم الحديث ١١٥٤٧)

فی حاشية مسند احمد: إسناده صحيح.

حدثنا عبد الرزاق، حدثنا معمر، أخبرنی عبد الله بن محمد بن عقيل يعنی ابن أبی طالب قال :قدم معاوية المدينة فتلقاه أبو قتادة فقال :أما إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قد قال " :إنكم ستلقون بعدی أثرة "قال :فبم أمركم ؟ قال :أمرنا أن نصبر .قال: فاصبروا إذا (مسند احمد، رقم الحديث ٢٢٥٩١)

فی حاشية مسند احمد: المرفوع منه صحيح لغيره.

ل (إنكم) أيها الأنصار كما دل عليه خبر عبد الله بن محمد بن عقيل أن معاوية قدم المدينة فتلقاه أبو قتادة فقال إن رسول الله صلى الله عليه وعلى آله وسلم قال إنكم إلخ قال فيم أمركم قال أمرنا بالصبر قال اصبروا إذن (ستلقون) وفی رواية للبخاری سترون (بعدی) أی بعد موتی من الأمراء (أثرة) بضم أو كسر فسكون وبفتحات إيثارا واختصاصا بحظوظ دنيوية يأثرون بها غيركم يفضلون عليكم من ليس له فضل ويؤثرون أهواء هم على الحق ويصرفون الفیء لغير المستحق قال الراغب :والاستئثار التفرد بالشیء من دون غيره وزاد فی رواية البخاری وأمورا تنكرونها قالوا فما تأمرنا يا رسول الله قال (فإذا رأيتم ذلک فاصبروا) أی إذا وقع ذلک فاصبروا كما أمرت بالصبر على ما سامتنی الكفرة فصبرت فاصبروا أنتم على ما يسومكم الأمراء الجورة (حتى تلقونی غدا) أی يوم القيامة (على الحوض) أی عنده فتنصفون ممن ظلمكم وتجازون على صبركم والخطاب وإن كان للأنصار لكن لا يلزم من مخاطبتهم به أن يختص بهم فقد ورد ما يدل على التعميم وهذا لا تعارض بينه وبين الأحاديث الآمرة بالنهی عن المنكر لأن ما هنا فيما إذا لزم منه سفک دم أو إثارة فتنة وفيه الأمر بالصبر على الشدائد وتحمل المكاره قال ابن بزيزة :وخص الحوض لكونه مجمع الأمم بعد الخلاص من أهوال الموقف حيث لا يذكر حبيب حبيبه (فيض القدير للمناوی، تحت رقم الحديث ٢٥٣٦، حرف الهمزة)

اپنے حقوق نہ ملنے پر صبر کرنے سے جنت کا اجر

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَيْفَ بِكُمْ إِذَا سُئِلْتُمُ الْحَقَّ فَأَعْطَيْتُمُوهُ، وَإِذَا سَأَلْتُمْ حَقَّكُمْ فَمُنِعْتُمُوهُ قَالُوا: نَصْبِرُ، قَالَ: دَخَلْتُمُوهَا وَرَبِّ الْكَعْبَةِ (مستدرک حاکم) [1]

ترجمہ: تمہاری اس وقت کیا حالت ہوگی، جب تم سے تو اپنا حق مانگا جائے گا، اور تم اُس حق کو ادا کرو گے، اور جب تم اپنا حق مانگو گے، تو تمہیں اس سے منع کیا جائے گا؟ تو لوگوں نے عرض کیا کہ ہم صبر کریں گے، تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ربِ کعبہ کی قسم تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے (حاکم، ابن ابی شیبہ)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

أَيْ قَوْمِ كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا سُئِلْتُمُ الْحَقَّ فَأَعْطَيْتُمُوهُ ثُمَّ مُنِعْتُمْ حَقَّكُمْ؟ قُلْنَا: مَنْ أَدْرَكَ ذٰلِكَ مِنَّا صَبَرَ، قَالَ حُذَيْفَةُ: دَخَلْتُمُوهَا إِذًا وَرَبِّ الْكَعْبَةِ يَعْنِي الْجَنَّةَ (مصنف عبدالرزاق، رقم الحديث ٢٠٧١٢)

ترجمہ: اے لوگو! تمہاری اس وقت کیا حالت ہوگی، جب تم سے تو حق مانگا جائے گا، اور تم اُس حق کو ادا کرو گے، اور تم کو اپنے حق سے منع کر دیا جائے گا؟ ہم نے عرض کیا کہ جو شخص ہم میں سے اس حالت کو پائے گا، تو وہ صبر کرے گا، تو حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایسی صورت میں (یعنی جب تم دوسروں کے حقوق ادا کرو گے، اور اپنے حقوق نہ ملنے پر صبر کرو گے) ربِ کعبہ کی قسم تم

---

[1] رقم الحديث ٨٤٦٢، مصنف ابن ابی شيبة، رقم الحديث ٣٨٣١٤.
قال الحاكم: هذا حديث صحيح على شرط الشيخين، ولم يخرجاه.
وقال الذهبي: على شرط البخاري ومسلم.

www.idaraghufran.org

جنت میں داخل ہو جاؤ گے (عبدالرزاق)

اس سے حکمرانوں کی طرف سے اپنے حقوق نہ ملنے پر صبر کرنے کی فضیلت معلوم ہوئی، اور صبر کرنے میں ظالم حکمرانوں کی جائز کاموں میں اطاعت کرنا اور ان کے خلاف خروج نہ کرنا اور ان سے قتل وقتال کرنے سے پرہیز کرنا بھی داخل ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔

صبر اور ثواب کی امید، نجات اور فلاح کا باعث ہے

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

نَهَانَا كُبَرَاؤُنَا مِنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : لَا تَسُبُّوْا أُمَرَاءَكُمْ وَلَا تَغِشُّوْهُمْ وَلَا تَبْغَضُوْهُمْ وَاتَّقُوْا اللّٰهَ وَاصْبِرُوْا فَإِنَّ الْأَمْرَ قَرِيْبٌ (السنة لابنِ ابی عاصم، رقم الحدیث ۱۰۱۵) [1]

ترجمہ: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کرام میں سے ہمارے بڑوں نے منع فرمادیا ہے کہ تم اپنے حکمرانوں کو سب وشتم نہ کرو، اور نہ ان کے ساتھ دھوکہ دہی کرو، اور نہ ان کے ساتھ بغض رکھو، اور تم اللہ سے ڈرو، اور (حکمرانوں کی طرف سے پیش آمدہ آزمائشوں پر) صبر کرو، پس (اس طرح کرنے کے نتیجہ میں) معاملہ (یعنی کامیابی اور آزمائش سے نجات) قریب ہے (السنہ)

اس طرح کی اور بھی روایات ہیں، جن کا ذکر آگے مستقل فصل میں آتا ہے، اور ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ظالم حکمرانوں کے خلاف سبّ وشتم اور بغض وعداوت اور دھوکہ دہی کے بجائے تقویٰ اور صبر اختیار کرنا کامیابی اور فلاح کا باعث ہے، اور یہ کامیابی وفلاح دنیا کے اعتبار سے بھی ہے، اور آخرت کے اعتبار سے بھی۔

حضرت مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم رضی اللہ عنہما سے صلح حدیبیہ کے تفصیلی واقعہ میں مروی ہے کہ:

---

[1] قال الالبانی فی تعلیق السنة :إسناده جيد ورجاله ثقات وفی بعضهم كلام لا يضر (ظلال الجنة،تحت رقم الحديث ۱۰۱۵)

فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : يَا أَبَا جَنْدَلٍ اِصْبِرْ وَاحْتَسِبْ ، فَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ جَاعِلٌ لَكَ وَلِمَنْ مَعَكَ مِنَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ فَرَجًا وَمَخْرَجًا، إِنَّا قَدْ عَقَدْنَا بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ صُلْحًا، فَأَعْطَيْنَاهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ، وَأَعْطَوْنَا عَلَيْهِ عَهْدًا، وَإِنَّا لَنْ نَغْدِرَ بِهِمْ

(مسنداحمد، رقم الحديث ۱۸۹۱۰) ۱

ترجمہ: تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابو جندل! (کافروں ومشرکوں کے ظلم پر) صبر کیجئے اور ثواب کی امید کیجئے، بے شک اللہ عز وجل آپ کے لئے اور آپ کے کمزور ساتھیوں کے لئے راستہ اور نجات کا سامان پیدا فرمائیں گے، ہم نے اپنے اور مشرک لوگوں کے درمیان صلح کا معاملہ طے کیا ہے، جس کا ہم ان سے عہد کر چکے ہیں، اور وہ بھی ہم سے عہد کر چکے ہیں، اور ہم ہرگز ان کے ساتھ (عہد شکنی کا ارتکاب کر کے) دھوکہ بازی نہیں کریں گے (مسنداحمد)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص ظالم اور اس سے بڑھ کر کسی کافر حکومت کے زیر اثر وزیرِ عہد ہو، تو اس کو صبر و ہمت اور حوصلہ سے کام لینا چاہئے، اور بے صبری وعہد شکنی اور تفریق سے بچنا چاہئے، جو اس کے لئے نجات وکامیابی کا باعث بنے گا۔ ۲

---

۱ فی حاشية مسند احمد: إسناده حسن.

۲ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

''تحریکاتِ حاضرہ میں بڑا ہی ہڑ بونگ لوگوں نے مچایا، باوجود اس کے کہ بابِ فتن (یعنی فتنوں کے وقت سے متعلق مستقل چیپٹر) حدیث میں موجود ہے اور تمام احکام بالتصریح (واضح طور پر) مذکور ہیں اور دونوں نمونے (یعنی فتنے ومغلوبیت اور امن وغلبہ دونوں قسم کے حالات مکی اور مدنی دور میں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر گزرے ہیں، پھر زیادہ کلام کی گنجائش کہاں ہے بس یہ دیکھنا کافی ہے کہ اگر مظالم سے بچنے پر قادر نہیں ہو اپنے کو مکی سمجھو، اور صبر کرو، اور اگر قادر ہو مدنی سمجھو اور قدرت سے کام لو، مگر اب تو یہ ہو رہا ہے کہ یا تو مکی کی جگہ مکھی اور ذلیل (بزدل) بنیں گے اور یا مدنی کی جگہ بدنی اور پہلوان (جوشیلے) بنیں گے، اور خطرات میں پھنسیں گے، شارع (نبی علیہ السلام) نے ہر چیز کا انتظام کیا ہے'' (ملفوظات الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ جلد نمبر ۲ ص ۲۲۲)

ظالم حاکموں کے حقوق اداء اور اپنے حقوق کی اللہ سے دعاء

ظالم وگناہ گار حکمرانوں کی اطاعت کرنے اور ان کے خلاف خروج نہ کرنے اور صبر کرنے کے ساتھ شریعت کی طرف سے ایک حکم یہ دیا گیا کہ اپنے حقوق حاصل ہونے اور مظالم سے بچنے کی اللہ سے دعاء کی جائے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ بَعْدِیْ أَثَرَةً وَأُمُوْرًا تُنْكِرُوْنَهَا قَالُوْا فَمَا تَأْمُرُنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ أَدُّوْا إِلَيْهِمْ حَقَّهُمْ وَسَلُوْا اللّٰهَ حَقَّكُمْ (بخاری، رقم الحديث ۶۵۲۹)

ترجمہ: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم عنقریب میرے بعد (حکمرانوں وغیرہ کی طرف سے) خودغرضی اور ایسے کام دیکھو گے جن کو تم برا سمجھو گے، تو صحابہ کرام نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ ہمیں (ایسے موقع پر) کیا حکم دیتے ہیں؟ تو رسول اللہ نے فرمایا کہ تم ان (حکمرانوں) کا (اطاعت کرنے کا) حق ادا کرو، اور اللہ سے اپنے حق کی دعاء کرو (بخاری)

اس حدیث کو تھوڑے بہت الفاظ کے فرق کے ساتھ اور محدثین نے بھی روایت کیا ہے۔ [1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] عن عبد الله، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :إنها ستكون بعدى أثرة وأمور تنكرونها، قالوا :يا رسول الله، كيف تأمر من أدرک منا ذلک؟ قال :تؤدون الحق الذى عليكم، وتسألون الله الذى لكم (مسلم،رقم الحديث ۱۸۴۳ "۴۵"، باب الأمر بالوفاء ببيعة الخلفاء ، الأول فالأول)

عن عبد الله، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :إنه سيكون عليكم أمراء ، وترون أثرة "، قال :قالوا :يا رسول الله، فما يصنع من أدرک ذاک منا ؟ قال " :أدوا الحق الذى عليكم، وسلوا الله الذى لكم (مسند احمد، رقم الحديث ۳۶۴۰)

فى حاشية مسند احمد:إسناده صحيح على شرط الشيخين.

www.idaraghufran.org

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَانَتْ تَسُوسُهُمُ الْأَنْبِيَاءُ، فَكُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ، قَامَ نَبِيٌّ، وَإِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي، وَإِنَّهُ سَتَكُونُ بَعْدِي خُلَفَاءُ فَتَكْثُرُ، قَالُوا : فَمَا تَأْمُرُنَا يَا نَبِيَّ اللّٰهِ؟ قَالَ : فُوا بِبَيْعَةِ الْأَوَّلِ فَالْأَوَّلِ، أَعْطُوهُمْ حَقَّهُمْ وَسَلُوا اللّٰهَ حَقَّكُمْ، فَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ سَائِلُهُمْ (مستخرج أبی عوانة، رقم الحدیث ۷۱۲٦)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کے انبیاء آگے پیچھے آتے تھے، پس جب ایک نبی دنیا سے رخصت ہوجاتا تھا، تو دوسرا نبی اس کی جگہ کھڑا ہوجاتا تھا، اور میرے بعد کوئی نبی نہیں، لیکن میرے بعد بہت سے خلفاء وحکمران ہوں گے، صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی! آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلے کی بیعت کو پہلا درجہ دینا (یعنی جس کی حکمرانی کے لئے بیعت وانتخاب کرچکے، اسی کی اطاعت کرنا) اور حکمرانوں کے حق ادا کرتے رہنا، اور اپنے حقوق کا اللہ سے سوال کرنا، بلاشبہ اللہ عزوجل حکمرانوں سے (قیامت کے دن) سوال کرے گا (ابوعوانہ)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ عوام کے ذمہ یکے بعد دیگرے آنے والے حکمرانوں کے حقوق کی ادائیگی یعنی ان کی جائز کاموں میں اطاعت واجب ہے، اور اگر حکمران عوام کے حقوق ادا نہ کریں، تو اپنے حقوق کی اللہ سے دعا کرنی چاہیے۔

اور اپنے حقوق کی اللہ سے دعا کرنے یا اپنے حقوق کا اللہ سے مانگنے یا اپنے حقوق کا اللہ سے سوال کرنے کا واضح مطلب یہ ہے کہ تم اپنے حقوق کی حکمرانوں سے توقع نہ رکھو، اور اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اصل احکمُ الحاکمین، اللہ ہے، اس کو چھوڑ کر اپنے حقوق کا مخلوق سے سوال کرنا، ایک طرح سے خفیہ شرک ہے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ کی مدد ونصرت کے بغیر حکمران کبھی بھی عوام کے حقوق پورے نہیں کرسکتے، اس لئے ان سے حقوق مانگتے رہنے کا

لازمی نتیجہ بے صبری، قانون شکنی اور اس کے بعد پھر خروج اور قتل وقتال وخون ریزی کی شکل میں نکلتا ہے۔ لے

لے (وعن عبد الله بن مسعود قال :قال لنا) أى لأجلنا أو مشافها لنا (رسول الله صلى الله عليه وسلم :إنكم سترون بعدى أثرة) بفتح الهمزة والمثلثة فى جميع النسخ الموجودة وفى القاموس: (أثرة) بضم الهمزة وسكون الثاء وبفتحهما أيضا، وفى شرح مسلم للنووى الأثرة بفتح الهمزة والثاء ويقال :بضم الهمزة وإسكان الثاء وبكسر الهمزة وإسكان الثاء ثلاث لغات ذكرهن فى المشارق وغيره وهى الاستئثار والاختصاص بأمور الدين (وأمورا) أى أشياء أخر (تنكرونها) أى لا تستحسنوها قيل :فى بعض الروايات بدون الواو العاطفة فيكون بيان (أثرة) (قالوا :فما تأمرنا؟) أى حينئذ (يا رسول الله قال :أدوا إليهم حقهم) أى طاعتكم إياهم (وسلوا) بالنقل أو من سأل بالألف (الله حقكم) أى اطلبوا الله أن يوصل إليكم حقكم وهو ما أثروا فيه، قال الطيبى :أى ولا تقاتلوهم باستيفاء حقكم ولا تكافئوا استئثارهم باستئثاركم بل وفروا إليهم حقهم من السمع والطاعة وحقوق الدين وسلوا الله من فضله أن يوصل إليكم حقكم من الغنيمة والفىء ونحوها وكلوا إلى الله تعالى أمركم، والله لا يضيع أجر المحسنين(مرقاة المفاتيح، كتاب الإمارة والقضاء)

(وعن أبى هريرة عن النبى صلى الله عليه وسلم قال :كانت بنو إسرائيل تسوسهم) أى يتولى أمرهم (الأنبياء) كما يفعل الأمراء والولاة بالرعية، والسياسة القيام على الشىء بما يصلحه وهو خبر كان (كلما هلك) أى مات (نبى خلفه) أى جاء خلفه (نبى) قال الطيبى رحمه الله :الجملة حال من الفاعل أى يرأسهم الأنبياء تترى تابعا بعضهم بعضا، وقوله (وإنه) بكسر الهمزة والضمير للشأن (لا نبى بعدى) معطوف على كانت وإنما خولف بين المعطوف والمعطوف عليه لإرادة الثبات والتوكيد فى الثانى، يعنى قصة بنى إسرائيل كيت وكيت وقصتنا كيت وكيت (وسيكون خلفاء) أى أمراء (فيكثرون) بضم المثلثة، وفى مسلم فتكثر فى القاموس :كثر ككرم وكثره تكثيرا وأكثرهم وكاثروهم فكثروهم أى غالبوهم فى الكثرة فغلبوهم، وأما ما فى بعض النسخ من كسر الثاء مع فتح الياء فليس له أصل (قالوا :فما تأمرنا) جواب شرط محذوف أى إذا كثر بعدك الخلفاء فوقع التشاجر والتنازع بينهم فما تأمرنا نفعل (قال :فوا) أمر من وفى يفى أى أوفوا (بيعة الأول) منصوب بنزع الخافض أى ببيعة الأول كما فى نسخة لمسلم وفى بعض نسخ المصابيح: قوا، بالقاف أمر من وقى يقى أى احفظوا وراعوا بيعة الأول (فالأول) قال الطيبى :الفاء للتعقيب، والتكرير للاستمرار ولم يرد به فى زمان واحد بل الحكم هذا عند تجدد كل زمان وتجدد بيعة وقوله (أعطوهم حقهم) كالبدل، من قوله فوا بيعة الأول وقوله (فإن الله سائلهم) تعليل للأمر بإعطاء حقهم وفيها اختصار أى :فأعطوهم حقهم، وإن لم يعطوكم حقكم ;فإن الله سائلهم (عما استرعاهم) ومثيبكم بما لكم عليهم من الحق كقوله فى الحديث السابق :أدوا إليهم حقهم وسلوا الله حقكم .وقوله :استرعاهم أى طلب منهم أن يكون راعيهم وأميرهم، وقال الطيبى رحمه الله : من استرعيته الشىء فرعاه وفى المثل :من استرعى الذئب فقد ظلم، والراعى الوالى، والرعية العامة (متفق عليه)(مرقاة المفاتيح، ج٦ ص ٢٣٩٨، كتاب الإمارة والقضاء)

ظالم حکمرانوں سے حفاظت کی مسنون دعاء

بعض احادیث میں ظالم حکمرانوں سے حفاظت کی دعا کا بھی ذکر آیا ہے۔

چنانچہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَلَّمَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْمُ مِنْ مَجْلِسٍ حَتّٰى يَدْعُوَ بِهٰؤُلَاءِ الدَّعَوَاتِ لِأَصْحَابِهِ: اَللّٰهُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْيَتِكَ مَا يَحُوْلُ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعَاصِيْكَ، وَمِنْ طَاعَتِكَ مَا تُبَلِّغُنَا بِهِ جَنَّتَكَ، وَمِنَ الْيَقِيْنِ مَا تُهَوِّنُ بِهِ عَلَيْنَا مُصِيْبَاتِ الدُّنْيَا، وَمَتِّعْنَا بِأَسْمَاعِنَا وَأَبْصَارِنَا وَقُوَّتِنَا مَا أَحْيَيْتَنَا، وَاجْعَلْهُ الْوَارِثَ مِنَّا، وَاجْعَلْ ثَأْرَنَا عَلٰى مَنْ ظَلَمَنَا، وَانْصُرْنَا عَلٰى مَنْ عَادَانَا، وَلَا تَجْعَلْ مُصِيْبَتَنَا فِيْ دِيْنِنَا، وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا أَكْبَرَ هَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا، وَلَا تُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لَا يَرْحَمُنَا (سنن الترمذی، رقم الحدیث ۳۵۰۲) [1]

ترجمہ: ایسا کم ہی ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مجلس سے یہ دعا کیے بغیر اٹھے ہوں کہ اے اللہ ہم میں اپنے خوف کو اتنا تقسیم کردے کہ ہمارے اور ہمارے گناہوں کے درمیان حائل ہوجائے اور اپنی فرمانبرداری ہم میں اتنی تقسیم کردے کہ وہ ہمیں جنت تک پہنچادے اور اتنا یقین تقسیم کردے کہ ہم پر دنیا کی مصیبتیں آسان ہوجائیں اور جب تک ہم زندہ رہیں ہماری سماعت، بصر اور قوت سے مستفید کرا اور اسے ہمارا وارث کردے۔ اے اللہ ہمارا انتقام اسی تک محدود کردے جو ہم پر ظلم کرے۔ ہمیں دشمنوں پر غلبہ عطاء فرما، ہمارے دین میں مصیبت نازل نہ فرما، دنیا ہی کو ہمارا اصل مقصد نہ بنا اور نہ دنیا کو ہمارے علم کی انتہا بنا اور ہم پر

---

[1] قال الترمذی: هذا حديث حسن غريب . وقد روى بعضهم هذا الحديث عن خالد بن أبى عمران، عن نافعٍ، عن ابن عمر.

ایسے لوگوں (وحکمرانوں) کو مسلط نہ کر جو ہم پر رحم نہ کریں (ترمذی)

اس حدیث شریف سے نہ صرف یہ معلوم ہوا کہ اپنے حقوق، اللہ سے مانگنے چاہئیں، بلکہ ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ ظالم حکمرانوں سے حفاظت کی بھی اللہ سے دعا کرنی چاہئے، کیونکہ کائنات کا اصل حاکم اللہ ہی ہے، جو نہ صرف یہ کہ بندوں کی ضروریات پوری کرنے پر قادر ہے، بلکہ وہ حکمرانوں کو بدلنے اور ان کی اصلاح اور دِلوں کو پھیرنے پر بھی قادر ہے۔ ؎

؎ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''میں اپنے دوستوں کو بھی مشورہ دیتا ہوں اور خود بھی اس پر عامل (کاربند) ہوں کہ حق تعالیٰ سے اپنی بہبود اور فلاح کی دعا کریں اور یہ بڑا عمل ہے اور اس سے بڑا عمل یہ ہے کہ خدا کے راضی کرنے کی فکر میں لگ جائیں اگر مسلمان ایسا کریں تو چندروز میں انشاء اللہ کایا پلٹ ہوجائے، حقیقی مالک، مُلک کے حق تعالیٰ ہی ہیں تو مُلک جن کی مِلک ہے انہیں سے مانگو اور اس کا صحیح طریق یہی ہے کہ ان کو راضی کرو۔ اور راضی کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ گزشتہ نافرمانیوں سے تائب ہو کر آئندہ کے لئے عزم (پختہ ارادہ) اعمالِ صالحہ کا کرو دیکھو پھر کیا ہوتا ہے کیونکہ تدابیر بھی وہی ذہنوں میں پیدا فرماتے ہیں اور پھر ان تدابیر کو مؤثر بھی وہی بناتے ہیں تو ان کو راضی رکھنے سے تدبیریں بھی صحیح اور مؤثر سمجھ میں آتی ہیں اور یہ بات یقین کے درجہ کی ہے کہ اگر مسلمان ایسا کریں تو ان کے تمام مصائب اور آلام ختم ہوجائیں یہ مصائب کا سامنا خدا کو ناراض کرنے ہی کی بدولت ہورہا ہے اور جو تدابیر اس وقت اختیار کر رکھی ہیں چونکہ ان کا اکثر حصہ غیر مشروع (غیر شرعی) ہے اس لئے بجائے کسی کامیابی کے اور اُلٹی ذلت اور ناکامی گلوگیر ہوجاتی ہے، لوگ کہتے ہیں کہ (انگریزوں کی) شروع سلطنت کے زمانہ میں اس کا مشورہ ہوا تھا کہ ہندوستان کو نکما بنانا چاہئے اور اس کی تدبیر یہ نکلی کہ مذہبی حمیت (اپنے مذہب کی غیرت) کو برباد کر دینا چاہئے بس میں اسی حمیت (مذہبی غیرت) کو کہتا ہوں کہ اپنے اندر پیدا کرو۔ لیجئے کیا اثر ہوتا ہے، اس وقت کثرت سے لوگوں کو مذہب سے بے گانہ کر دیا گیا ہے، یہ نہایت باریک حربہ ہے، بس اس کے مقابلہ میں کرنے کا کام یہ ہے کہ مذہب کی اہمیت قلوب (دلوں) میں پیدا کی جائے مگر مشکل یہ ہے کہ جو کام کرنے کے ہیں ان کو تو مسلمان کرتے نہیں دوسرے جھگڑوں اور قصوں میں پڑ کر اپنا مال اور اپنی جان، اپنا وقت برباد کر رہے ہیں، حقیقی تدابیر سے بھاگتے ہیں۔

صاحبو! اگر اعتقاد سے نہیں کرتے تو آزمانے ہی کے طریق پر کر کے دیکھ لو، اسی کو (مولانا روم رحمہ اللہ) فرماتے ہیں۔

سالہا تو سنگ بودی دل خراش آزموں رایک زمانے خاک باش

(برسوں تک تو سخت پتھر بنا رہا آزمائش کے لئے کچھ روز خاک ہو کر بھی دیکھ)

ان رسمی تدابیر کو چھوڑو! برسوں کر کے دیکھ لیں، خاک نہ ہوا۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

حکمرانوں کے ذریعہ سے شکر اور صبر کی شکل میں آزمائش

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے مرسلاً روایت ہے کہ:

قَالَ: رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَسُبُّوا الْوَلَاةَ فَإِنَّهُمْ إِنْ أَحْسَنُوْا كَانَ لَهُمُ الْأَجْرُ وَعَلَيْكُمُ الشُّكْرُ وَإِنْ أَسَاءُوْا فَعَلَيْهِمُ الْوِزْرُ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اب ذرا خاک میں سر رکھ کر بھی دیکھ لو حکمتِ یونانی کا نسخہ تو بہت زمانہ تک استعمال کر لیا اب حکمتِ ایمانی بھی استعمال کر کے دیکھ لو، انشاء اللہ تعالیٰ تمام امراض کافور ہو جائیں گے اور میں تدابیرِ ظاہرہ کا مخالف نہیں ہوں بشرطیکہ غیر مشروع (غیر شرعی) نہ ہوں شکایت تو اس کی ہے کہ تدابیرِ ظاہری کے اس قدر پیچھے کیوں پڑ گئے کہ حقیقت سے بھی دور جا پڑے اس لئے ضرورت ہے کہ اب طبِ ایمانی (ایمانی علاج ومعالجہ کا) نسخہ استعمال کرو (مولانا روم رحمہ اللہ) فرماتے ہیں۔

چند خوانی حکمتِ یونانیاں حکمتِ ایمانیاں راہم بخواں

(یونانیوں کی حکمت کب تک پڑھو گے ایمان والوں کی حکمت بھی پڑھ لو)

خلاصہ یہ ہے کہ طبیبِ جسمانی کی تدابیر پر تو عمل کر چکے اور اس کا نتیجہ بھی دیکھ چکے اب طبیبِ روحانی یعنی جناب رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمائے ہوئے نسخوں پر عمل کر کے دیکھو کیونکہ یہ مرض ان طبیبانِ ظاہری کی سمجھ سے باہر ہے تو ان کی تدبیر کیسے کافی ہوگی اسی کی نظیر میں مولانا (روم رحمہ اللہ) فرماتے ہیں:

گفت ہر دارو کہ ایشاں کردہ اند آں عمارت نیست ویراں کردہ اند

بیخبر بودند از حالِ دروں استعیذاللہ ممایفترون

(مردِ غیبی نے کہا کہ جو دوا ان لوگوں نے کی ہے وہ مرض کو بڑھانے والی تھی۔ تندرست کرنے والی نہ تھی۔ وہ لوگ اندرونی حالت سے بے خبر تھے جو دوائیں وہ گھڑ رہے تھے ان سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں)

دیکھئے صحابہ کرام کی جمعیت (وتعداد) کچھ ایسی زائد نہ تھی مادی اسباب پاس نہ تھے مگر طبیبِ روحانی کے نسخوں پر ان کا عمل تھا دیکھ لو کیا سے کیا کر کے دکھا گئے۔ یرموک (کی جنگ) میں جب اول روز لشکرِ اسلام کے مقابلہ میں جبلہ بن ایہم غسانی ساٹھ ہزار لشکر لے کر آیا ہے تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اس کے مقابلہ میں اول تیس آدمی پھر دوسروں کے کہنے سننے سے ساٹھ آدمی منتخب کر کے میدان میں لے گئے جبلہ یہ سمجھا کہ خالد بن ولید صلح کے لئے آئے ہیں وہ دیکھ کر ہنسا، حضرت خالد بن ولید نے اعلانِ جنگ کر دیا شام تک تلوار چلی، کفار کی ساٹھ ہزار جمعیت کو ہزیمت ہوئی اور میدان چھوڑ کر بھاگے، صحابہ میں سے پانچ یا چھ تو شہید ہوئے اور پانچ گرفتار ہوئے جب لاشیں بھی نہیں ملیں، جب گرفتاری کا گمان ہوا تو چھ لاکھ کے

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

وَعَلَيۡكُمُ الصَّبۡرُ وَإِنَّمَا هُمۡ نَقۡمَةٌ يَنۡتَقِمُ اللّٰهُ بِهِمۡ مِّمَنۡ يَّشَاءُ فَلاَ تَسۡتَقۡبِلُوۡا نَقۡمَةَ اللّٰهِ بِالۡحَمِيَّةِ وَالۡغَضَبِ وَاسۡتَقۡبَلُوۡهَا بِالۡإِسۡتِكَانَةِ وَالتَّضَرُّعِ (الخراج لابی یوسف، رقم الحدیث ۲۵)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم حکمرانوں کو سبّ وشتم مت کرو (اور برا بھلامت کہو) کیونکہ اگر وہ اچھے کام کریں گے، تو ان کو اس کا اجر ملے گا، اور تم پر شکر واجب ہوگا، اور اگر وہ برے کام کریں گے، تو اس کا وبال ان پر ہوگا، اور تم پر صبر لازم ہوگا، اور بس وہ حکمران تو سزا (وآزمائش) ہیں، جن کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ جس سے چاہے انتقام لیتا ہے، تو تم اللہ کے انتقام کا مقابلہ غیظ وغضب سے نہ کرو، بلکہ اس کا مقابلہ دعا اور تضرّع سے کرو (الخراج لابی یوسف)

اس سے معلوم ہوا کہ حکمرانوں کے ظلم پر غیظ وغضب اور سبّ وشتم کے بجائے صبر وتحمل کو اختیار

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

لشکر میں جو باہان ارمنی کے زیرِ کمان تھا ان کے چھوڑانے کے لئے سو سپاہیوں کے ساتھ تشریف لے گئے اور باھان کی اطلاع واجازت کے (بعد) جب آگے بڑھے تو تخت کے قریب دیبا وحریر (ریشم) کا فرش تھا، حضرت خالد بن ولید نے ساتھیوں سے فرمایا کہ اس کو الٹ دو، باہان ارمنی نے کہا کہ میں نے تو آپ کی عزت کی اور حریر کا فرش بچھانے کا حکم دیا آپ نے اس کی کچھ قدر نہ کی آپ نے فرمایا کہ: والارض فرشنٰھافنعم الماھدون.

خدا کا فرش تیرے فرش سے اچھا ہے، باہان ارمنی نے کہا کہ ہم اور تم بھائی بھائی ہوجائیں، حضرت خالد بن ولید نے فرمایا کہ اسلام قبول کرلے ہم اور تو بھائی بھائی ہوجائیں گے اور اگر اسلام قبول نہ کرے گا تو وہ دن مجھ کو قریب نظر آتا ہے تیری گردن میں رسی ہوگی اور لوگ کھینچ کر تجھ کو امیر المؤمنین کے سامنے کھڑا کریں گے یہ سن کر باہان ارمنی آگ ہوگیا اور حکم دیا کہ ان کو پکڑو حضرت خالد بن ولید نے تلوار کھینچ کر ساتھیوں کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ تم بھی تیار ہوجاؤ اور اس کی جرار کرار فوج کی طرف نظر نہ کرو اور اس وقت آپس میں ایک دوسرے کو نہ دیکھو اب انشاء اللہ آبِ کوثر پر ملاقات ہوگی بس باہان ڈھیلا ہوگیا اور کہنے لگا میں تو ہنستا تھا تو یہ کیا چیز تھی وہی حمیتِ مذہبی تھی بس اعداءِ دین (دشمنانِ دین) تدابیر سے اس کو مٹانا چاہتے ہیں اور اس کا یہ اثر ہوا کہ اب خود لوگ اپنا مذہب چھوڑ دینے پر آمادہ ہیں'' (ملفوظات الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ جلد نمبر ۵ ص ۵۰ تا ۵۳ ملفوظ نمبر ۴۵)

کرنا چاہیے، اور اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے، اور صبر وتحمل میں ان کی جائز کاموں میں اطاعت کو اختیار کرنا، اور ان کے خلاف خروج نہ کرنا اور قتال نہ کرنا بھی داخل ہے۔ [1]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ هٰذَا السُّلْطَانَ قَدْ ابْتُلِيتُمْ بِهِ، فَإِنْ عَدَلَ كَانَ لَهُ الْأَجْرُ وَعَلَيْكُمُ الشُّكْرُ، وَإِنْ جَارَ كَانَ عَلَيْهِ الْوِزْرُ وَعَلَيْكُمُ الصَّبْرُ (مصنف ابنِ ابی شيبة) [2]

ترجمہ: بے شک اس حکمران طبقے کے ذریعے سے تمہارا امتحان لیا جاتا ہے، سو اگر وہ (حکمران) انصاف سے کام لے تو اُس کے لیے ثواب ہے اور تمہارے اوپر

---

[1] (فإذا عدل كان له الأجر وعلى الرعية الشكر وإذا جار "وفي رواية، أو حاف، أو ظلم (كان عليه الإصر) بكسر أوله ;أي الوزر كما في رواية (وعلى الرعية الصبر) ; ففيه إشارة إلى أن الإمام العادل نعمة ومنحة، والسلطان الظالم نقمة ومحنه (وفي ذلكم بلاء من ربكم عظيم) (البقرة، ۴۹) و (إن في ذلك لآيات لكل صبار شكور) (لقمان، ۳۱) ; أي لكل مؤمن، إذ ورد في الحديث " الإيمان نصفان :نصف صبر، ونصف شكر "وفقنا الله تعالى لهما، قال الطيبي :فإن قلت دلت الإضافة وقوله :يأوي إليه كل مظلوم ;أن السلطان عادل ;فكيف يستقيم على هذا أن يقول :وإذا جار كان عليه الإصر؟ قلت :قولة :السلطان ظل الله، بيان لشأنه، وأنه مما ينبغي أن يكون كذلك، فإذا جار كأنه خرج عما من شأنه أن يكون ظل الله تعالى وعليه (ياداود إنا جعلناك خليفة في الأرض فاحكم بين الناس بالحق ولا تتبع الهوى) فرتب عليه الحكم بالوصف المناسب، ونهى عما لا يناسب، أقول :الظاهر أن السلطان ظل الله على كل حال فإنه ينتفع به في الجملة، والتقسيم إنما هو باعتبار الوصف الأغلب عليه ;من العدل، أو الجور، أو بخصوص قضية جزئية من الأحكام الكلية ;فيجب الصبر والشكر على الرعية بمقتضى هذه الحكمة العلية، ويؤيده ما سبق من حديث " :سيليكم أمراء يفسدون في الأرض وما يصلح الله بهم أكثر، فمن عمل منهم بطاعة الله فلهم الأجر وعليكم الشكر ومن عمل منهم بمعصية الله فعليهم الوزر وعليكم الصبر "، ثم لا شك أن السلطان حين ظلمه إنما يكون ظل الشيطان ;لكنه بإرادة الرحمن، فالرضا بالقضاء باب الله الأعظم والله سبحانه وتعالى أعلم (مرقاة المفاتيح، ج۶، ص ۲۴۱۹، كتاب الإمارة والقضاء)

[2] رقم الحديث ۳۸۴۴۹، كتاب الفتن، باب من كره الخروج في الفتنة وتعوذ عليها.

قال ابن حجر: صحيح موقوف(المطالب العالية للحافظ ابن حجر العسقلاني، تحت رقم الحديث ۲۱۹۸)

وقال أحمد بن أبي بكر بن إسماعيل البوصيري: موقوف ورواته ثقات(اتحاف الخيرة المهرة،تحت رقم الحديث۴۱۸۸)

www.idaraghufran.org

شکر لازم ہے، اور اگر وہ (حکمران) ظلم کرے تو اُس پر (اُس کے ظلم کا) وبال ہے اور (ایسی صورت میں) تم پر صبر لازم ہے (ابنِ ابی شیبہ)

اس طرح کا مضمون مرفوع حدیث میں بھی مروی ہے، جس کی سند پر محدثین کا کچھ کلام ہے، لیکن مندرجہ بالا موقوف روایت سند کے اعتبار سے درست ہے، اور اس کو مرفوع حدیث کا درجہ حاصل ہے، خاص طور پر جبکہ اس مضمون کی تائید اور احادیث سے بھی ہوتی ہے۔ [1]

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

إِنَّ الْإِمَامَ يُفْسِدُ قَلِيلًا وَيُصْلِحُ اللّٰهُ بِهٖ كَثِيرًا وَمَا يُصْلِحُ بِهٖ أَكْثَرَ مِمَّا يُفْسِدُ فَمَا عَمِلَ فِيكُمْ مِنْ طَاعَةِ اللّٰهِ فَلَهُ الْأَجْرُ وَعَلَيْكُمُ الشُّكْرُ، وَمَا عَمِلَ فِيكُمْ مِنْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ فَعَلَيْهِ الْوِزْرُ وَعَلَيْكُمُ الصَّبْرُ (السنن الواردة في الفتن للداني ، رقم الحديث ١٣٨)

ترجمہ: حکمران کا فساد تھوڑا ہوتا ہے، اور حکمران کے ذریعہ سے اللہ درستگی (مثلاً مختلف فتنوں سے حفاظت) زیادہ کرتا ہے، اور ایسی چیز کہ جس کے ذریعہ سے اللہ درستگی کرتا ہے، وہ فاسد کرنے والی چیز سے زیادہ ہوا کرتی ہے، پس تمہارے درمیان وہ حکمران جو اللہ کے حکم کے مطابق کام کرے، تو اس کو اجر حاصل ہوگا، اور تم پر شکر واجب ہوگا، اور وہ جو تمہارے درمیان اللہ کی نافرمانی کے مطابق کام کرے، تو اس کا وبال اس پر ہوگا، اور تم پر صبر واجب ہوگا (سنن واردہ)

---

[1] عن عبد الله بن مسعود، وقال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :سيليكم أمراء يفسدون، وما يصلح الله بهم أكثر، فمن عمل منهم بطاعة الله فلهم الأجر وعليكم الشكر، ومن عمل منهم بمعصية الله فعليهم الوزر وعليكم الصبر (شعب الإيمان للبيهقي، رقم الحديث ٦٩٨٣)

عن كثير بن مرة ، قال :إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال : إن السلطان ظل الله في الأرض ، يأوي إليه كل مظلوم من عباده ، فإذا عدل كان له الأجر وعلى الرعية الشكر ، وإذا جار كان عليه الإصر وعلى الرعية الصبر (الأموال لابن زنجويه، رقم الحديث ٣٢)

مطلب یہ ہے کہ حکمران اگرچہ ظالم وگناہ گار ہو، لیکن اس کا وجود پھر بھی غنیمت ہوتا ہے کہ بہت سے فتنوں سے حفاظت رہتی ہے۔

لہٰذا درستگی کے غلبہ کو ترجیح حاصل ہونے کی وجہ سے حکمران کے ظلم وگناہ پر صبر کا حکم ہے۔

بہرحال مذکورہ روایات سے معلوم ہوا کہ حکمرانوں کے ذریعہ سے صبر وشکر کی شکل میں بندوں کا امتحان لیا جاتا ہے۔

لہٰذا اچھے حکمران یا حکمران کے اچھے کاموں پر شکر اور بُرے حکمران یا حکمران کے بُرے کاموں پر صبر کا حکم ہے۔ [1]

صریح گناہ میں اطاعت واعانت کے بجائے حسبِ قدرت نکیر

کئی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ظالم وگناہ گار حکمرانوں کی اطاعت کا جو حکم ہے، وہ جائز کاموں میں ہے، اور ناجائز وگناہ کے کاموں میں ان کی اطاعت کا حکم نہیں، جبکہ ان کا گناہ ہونا واضح ہو، اور اس قسم کے گناہوں پر حسبِ قدرت زبان یا دل سے نکیر کا بھی حکم ہے۔

اور اس کے ساتھ ساتھ گناہوں کے کاموں میں ان کا تعاون کرنے سے بچنے کا بھی حکم ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ، مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ، فَإِذَا أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلاَ سَمْعَ وَلاَ طَاعَةَ (بخاری) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان آدمی پر (امیر وحکمران کی بات کو) سُننا اور اطاعت کرنا ان چیزوں میں جو ناپسند ہوں یا پسند ہوں واجب ہے جب

---

[1] اور اسی وجہ سے ایک حدیث جو کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے، میں یہ مضمون آیا ہے کہ فاجر حکومت، ہرج یعنی قتل وقتال سے بہتر ہے، جس کا ذکر اگلی سرخی کے ذیل میں آتا ہے۔

[2] رقم الحديث ٧١٤٤، باب السمع والطاعة للإمام ما لم تكن معصية.

www.idaraghufran.org

تک کہ اُسے گناہ کا حکم نہ دیا جائے، پس جب گناہ کی بات کا حکم دیا جائے تو نہ سننا ہے اور نہ ہی اطاعت کرنا ہے (بخاری)

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ قَالَ: عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ فِيْمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ، إِلَّا أَنْ يُؤْمَرَ بِمَعْصِيَةٍ، فَإِنْ أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ، فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ (مسلم) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان آدمی پر (حکمرانوں کی بات کا) سننا اور کہنا ماننا لازم ہے ہر چیز میں، خواہ اس کو پسند ہو یا ناپسند ہو، مگر یہ کہ اس کو گناہ کا حکم دیا جائے، تو اگر گناہ کا حکم دیا جائے، تو اس میں سننا اور کہنا ماننا لازم نہیں ہے (مسلم)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ حکمرانوں کی ہر بات میں اطاعت لازم ہے، جب تک کہ وہ گناہ کی بات نہ ہو، جس کو ماننے میں انسان گناہ گار ہوتا ہے، لہٰذا گناہ کے کام اور قانون میں اطاعت کا حکم نہیں ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ جَيْشًا، وَأَمَّرَ عَلَيْهِمْ رَجُلًا، فَأَوْقَدَ نَارًا، وَقَالَ: اُدْخُلُوْهَا، فَأَرَادَ نَاسٌ أَنْ يَّدْخُلُوْهَا، وَقَالَ الْآخَرُوْنَ: إِنَّا قَدْ فَرَرْنَا مِنْهَا، فَذُكِرَ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ لِلَّذِيْنَ أَرَادُوْا أَنْ يَّدْخُلُوْهَا: لَوْ دَخَلْتُمُوْهَا لَمْ تَزَالُوْا فِيْهَا إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَقَالَ لِلْآخَرِيْنَ قَوْلًا حَسَنًا، وَقَالَ: لَا طَاعَةَ فِيْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ، إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوْفِ (مسلم) [2]

---

[1] رقم الحديث ١٨٣٩ "٣٨"، باب وجوب طاعة الأمراء فی غير معصية، وتحريمها فی المعصية.

[2] رقم الحديث ١٨٤٠ "٣٩"، باب وجوب طاعة الأمراء فی غير معصية، وتحريمها فی المعصية.

www.idaraghufran.org

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر روانہ فرمایا، اور اُس (لشکر) پر ایک آدمی کو امیر (وحاکم) مقرر فرمایا، اس نے آگ جلائی اور لوگوں سے کہا کہ اس میں داخل ہو جاؤ، تو بعض لوگوں نے اس میں داخل ہونے کا ارادہ کیا، اور دوسروں نے کہا کہ ہم اس سے بھاگتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کا ذکر کیا گیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن لوگوں سے فرمایا جنہوں نے آگ میں داخل ہونے کا ارادہ کیا تھا کہ اگر تم اس میں داخل ہو جاتے تو قیامت تک اسی میں رہتے، اور دوسروں کے لئے (جنہوں نے آگ سے بھاگنے کا ارادہ کیا تھا) اچھی بات فرمائی (یعنی ان کے طرزِ عمل کی تحسین فرمائی) اور فرمایا کہ اللہ کی نافرمانی میں اطاعت نہیں ہے، اطاعت تو نیکی میں ہوتی ہے (مسلم)

اس سے معلوم ہوا کہ حکمران کی گناہ کے کام میں اطاعت نہیں ہے، آگ میں اپنے آپ کو جلانا گناہ کا کام تھا، کیونکہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا جائز نہیں، اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گناہ پر وعید بیان فرمائی۔ [1]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: سَيَلِيُ أُمُوْرَكُمْ بَعْدِيُ، رِجَالٌ يُطْفِئُوْنَ السُّنَّةَ، وَيَعْمَلُوْنَ بِالْبِدْعَةِ، وَيُؤَخِّرُوْنَ الصَّلَاةَ عَنْ مَوَاقِيْتِهَا فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنْ أَدْرَكْتُهُمْ، كَيْفَ أَفْعَلُ؟ قَالَ: تَسْأَلُنِيُ يَا ابْنَ أُمِّ عَبْدٍ كَيْفَ تَفْعَلُ؟ لَا طَاعَةَ، لِمَنْ عَصَى اللّٰهَ (سنن ابنِ ماجه، رقم الحديث ۲۸۶۵)

---

[1] وقوله لو دخلتموها لم تزالوا فيها إلى يوم القيامة ؛ ظاهر فى :أنه تَحْرُمُ الطاعةُ فى المعصية المأمور بها ، وأنَّ المطيع فيها يستحق العقاب .

وقوله للآخرين قولاً حسنًا ؛ يدلّ على مدح المصيب فى المجتهدات .كما أنّ القول الأول يدلّ على ذمِّ المقصر المخطىء وتعصيته ، مع أنه ما كان تقدّم لهم فى مثل تلك النازلة نصٌّ ، لكنهم قصروا حيث لم ينظروا فى قواعد الشريعة الكلية ومقاصدها المعلومة الجليّة(المفهم لما اشكل فيه من كتاب مسلم للقاضى عياض ،باب إنما تجب طاعة الإمام ما لم يأمر بمعصية)

www.idaraghufran.org

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب میرے بعد تمہارے معاملات کے حکمران ایسے لوگ ہوں گے، جو سنت کو بجھائیں گے، اور بدعت پر عمل کریں گے، اور نماز کو اپنے اوقات سے مؤخر کریں گے، تو میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اگر میں ان لوگوں کو پالوں، تو کیا کروں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابنِ ام معبد! آپ مجھ سے یہ سوال کرتے ہیں کہ آپ کیا کریں؟ جو اللہ کی نافرمانی کرے (اس نافرمانی کے کام میں) اس کی اطاعت نہیں ہے (ابنِ ماجہ)

اور بعض روایات میں سنت کو بجھانے اور مٹانے کے ساتھ، بدعات کا اظہار واعلان کرنے کا ذکر ہے۔ [1]

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ قَالَ: سَيَكُوْنُ مِنْ بَعْدِيْ أَئِمَّةٌ يُمِيْتُوْنَ الصَّلَاةَ عَنْ مَوَاقِيْتِهَا، فَصَلُّوا الصَّلَاةَ لِوَقْتِهَا، وَاجْعَلُوْا صَلَاتَكُمْ مَعَهُمْ سُبْحَةً (مسند احمد، رقم الحديث ۱۷۱۲۲) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد عنقریب ایسے حکمران ہوں گے، جو نماز کو اپنے اوقات سے فوت کردیں گے، تو تم اپنے وقت پر نماز پڑھو، اور تم اپنی نماز کو ان کے ساتھ نفل بنالو (یعنی اپنی نماز وقت پر پڑھنے کے بعد اگر بامرِ مجبوری ان کے ساتھ وقت کے بعد نماز پڑھنی پڑے، تو اس میں نفل کی نیت کرلو) (مسند احمد)

---

[1] عن عبد الله بن مسعود أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: يا عبد الله، سيلى أموركم بعدى أمراء يطفئون السنة ويعلنون البدعة ويؤخرون الصلاة عن مواقيتها (دلائل النبوة لابى نعيم الاصبهانى، رقم الحديث ۴۷۹، ج ۱ ص ۵۴۷، الفصل السادس والعشرون)

[2] فى حاشية مسند احمد: صحيح لغيره.

اس طرح کی حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ [1]

اور راجح یہ ہے کہ نماز کو اپنے اوقات سے مؤخر کرنے اور فوت کرنے سے نماز کو قضاء کرنا مراد ہے، نہ کہ مکروہ وقت تک مؤخر کرنا۔ [2]

سنتوں کی خلاف ورزی، بدعات کا ارتکاب بلکہ اظہار اور نماز قضاء کرنے والے حکمرانوں کی ان کاموں میں اطاعت سے تو منع کیا گیا، لیکن ان کے خلاف خروج کی اجازت اور اس کا حکم نہیں دیا گیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت عبدالرحمٰن رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ الْوَلِيْدَ بْنَ عُقْبَةَ أَخَّرَ الصَّلَاةَ مَرَّةً، فَقَامَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ فَثَوَّبَ بِالصَّلَاةِ، فَصَلّٰى بِالنَّاسِ، فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ الْوَلِيْدُ: مَا حَمَلَكَ عَلٰى مَا صَنَعْتَ؟ أَجَاءَكَ مِنْ أَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ أَمْرٌ فِيْمَا فَعَلْتَ، أَمِ ابْتَدَعْتَ؟ قَالَ: لَمْ يَأْتِنِيْ أَمْرٌ مِّنْ أَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ، وَلَمْ أَبْتَدِعْ وَلٰكِنْ أَبَى اللّٰهُ عَزَّ

---

[1] عن أبى ذر، قال :قال لى رسول الله صلى الله عليه وسلم " :يا أبا ذر، إنه سيكون عليكم أمراء يؤخرون الصلاة عن مواقيتها، فإن أنت أدركتهم فصل الصلاة لوقتها، وربما قال :فى رحلك، ثم ائتهم، فإن وجدتهم قد صلوا كنت قد صليت، وإن وجدتهم لم يصلوا، صليت معهم، فتكون لك نافلة (مسند احمد، رقم الحديث ۲۱۴۹۰)

فى حاشية مسند احمد:حديث صحيح، وهذا إسناد حسن.

عن عبد الله بن عمرو؛ أنه كان قاعدا عند رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: سيكون من بعدى أئمة يؤخرون الصلاة عن مواقيتها ، قلت :يا رسول الله، فكيف يصنع من أدركهم؟ قال :صلوها لوقتها، فإذا حضرتم معهم الصلاة فصلوا (المعجم الكبير للطبرانى، رقم الحديث ۱۴۵۳۸)

[2] (سيكون بعدى أئمة) أى فسقة كما فى رواية الديلمى (يؤخرون الصلاة عن مواقيتها) فإذا فعلوا ذلك (صلوها لوقتها فإذا حضرتم معهم الصلاة فصلوا) قال ابن تيمية :هذا كالصريح فى أنهم كانوا يفوتونها وهو الصحيح وفيه كما قبله صحة الصلاة خلف الفاسق لأمره بالصلاة خلف أولئك الأئمة وقال جمع منهم المهلب :أراد تأخيرها عن وقتها المستحب لا إخراجها عن وقتها قال ابن حجر :وهو مخالف للواقع فقد صح أن الحجاج وأميره الوليد كانوا يؤخرونها عن وقتها(فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ۴۶۷۴)

وَجَلَّ عَلَيْنَا، وَرَسُوْلُهُ أَنْ نَنْتَظِرَكَ بِصَلَاتِنَا، وَأَنْتَ فِيْ حَاجَتِكَ

(مسند احمد، رقم الحديث ۴۲۹۸) [1]

ترجمہ: ولید بن عقبہ (حکمران) نے ایک مرتبہ نماز کو مؤخر کیا، تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (ولید بن عقبہ حکمران کی آمد سے پہلے) کھڑے ہوئے، اور آپ نے نماز کی تکبیر واقامت کہلوائی، پھر لوگوں کو نماز پڑھادی، پھر آپ کے پاس ولید (حکمران) نے قاصد بھیجا کہ آپ کو اس حرکت پر کس چیز نے اُبھارا؟ کیا آپ کے پاس امیرالمومنین کی طرف سے اس بارے میں کوئی حکم پہنچا تھا، جو آپ نے کیا؟ یا آپ نے خود سے بدعت کا ارتکاب کیا؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نہ تو میرے پاس امیرالمومنین کی طرف سے کوئی حکم آیا تھا، اور نہ میں نے خود سے کسی بدعت کا ارتکاب کیا، لیکن اللہ عزوجل اور اللہ کے رسول نے ہمیں اس چیز سے منع کیا ہے کہ ہم اپنی نماز پڑھنے کے لئے آپ کا انتظار کریں (اور نماز قضاء کردیں) اور آپ اپنی ضرورت میں مشغول ہوں (مسند احمد)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی نماز قضاء کرنے میں تو حکمران کی اطاعت نہیں کی، اور نہ ہی حکومت وحکمران کے خلاف بدزبانی اور خروج وغیرہ کا ارتکاب کیا، اور اسی کے ساتھ انتہائی عمدہ پیرایہ میں حکمران کو زبان سے اپنے عمل کی توجیہ بھی بیان کردی۔

ولید بن عقبہ کی حکومت کے بارے میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک اور ارشاد اور اس ضمن میں ایک حدیث بھی مروی ہے۔

چنانچہ حضرت زِر بن حبیش رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

لَمَّا أَنْكَرَ النَّاسُ سِيْرَةَ الْوَلِيْدِ بْنِ عُقْبَةَ بْنِ أَبِيْ مُعَيْطٍ، فَزِعَ النَّاسُ إِلٰى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ، فَقَالَ لَهُمْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ: اِصْبِرُوْا، فَإِنَّ

---

[1] فى حاشية مسند احمد: إسناده صحيح.

جَوْرَ إِمَامٍ خَمْسِيْنَ عَامًا خَيْرٌ مِّنْ هَرْجِ شَهْرٍ، وَذٰلِكَ أَنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ : لَا بُدَّ لِلنَّاسِ مِنْ إِمَارَةٍ بَرَّةٍ أَوْ فَاجِرَةٍ، فَأَمَّا الْبَرَّةُ فَتَعْدِلُ فِي الْقَسْمِ، وَيُقْسَمُ بَيْنَكُمْ فَيُؤُكُمْ بِالسَّوِيَّةِ، وَأَمَّا الْفَاجِرَةُ فَيُبْتَلٰى فِيْهَا الْمُؤْمِنُ، وَالْإِمَارَةُ الْفَاجِرَةُ خَيْرٌ مِّنَ الْهَرْجِ، قِيْلَ : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، وَمَا الْهَرْجُ؟ قَالَ: اَلْقَتْلُ وَالْكَذِبُ

(المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ۱۰۲۱۰)

ترجمہ: جب لوگوں نے ولید بن عقبہ بن ابی معیط کے طرزِ عمل کو بُرا سمجھا (یعنی اس حکمران کے غلط کاموں کو برا محسوس کیا) تو لوگ گھبرا کر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، تو ان کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم صبر کرو، پس بے شک حکمران کا پچاس سال ظلم کرنا بہتر ہے، ایک مہینہ کے ''ھرج'' (یعنی بغیر حکومت کے قتل وقتال) سے، اور یہ اس وجہ سے ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا کہ لوگوں کے لئے حکومت ضروری ہے، خواہ نیک ہو، یا فاجر (یعنی فاسق اور گناہ گار) جہاں تک نیک حکومت کا تعلق ہے، تو وہ تقسیم میں عدل وانصاف سے کام لیتی ہے، اور تمہارے درمیان تمہارا مال انصاف کے ساتھ برابر تقسیم کیا جاتا ہے، اور جہاں تک فاجر (یعنی فاسق اور گناہ گار وظالم) حکومت کا تعلق ہے، تو اس میں مومن کی آزمائش کی جاتی ہے، اور فاجر (فاسق اور گناہ گار وظالم) حکومت بہتر ہے ھرج سے، عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول! ھرج کیا ہے، تو آپ نے فرمایا کہ (بغیر حکومت کے) قتل وقتال اور جھوٹ (طبرانی)

یہ حدیث سند کے اعتبار سے صحیح ہے۔ [1]

---

[1] علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے اس حدیث کے رِجال کو ثقہ قرار دیا ہے، سوائے وہب اللہ بن رزق کے، اُن کے بارے میں انہوں نے عدمِ معرفت کا اظہار کیا ہے۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

ابنِ بطال نے بخاری کی شرح میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد بھی اسی طرح کا نقل کیا ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ حکومت کا وجود ضروری ہے، خواہ نیک ہو یا بد، اچھی حکومت کے ذریعہ سے مجرموں کو سزا ملتی ہے، اور راستوں میں امن ہوتا ہے، اور ضرورت مندوں کا تعاون ہوتا ہے، اور دشمنوں سے مقابلہ ہوتا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ چنانچہ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد علامہ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

رواه الطبرانی، وفيه وهب الله بن رزق ولم أعرفه، وبقية رجاله ثقات(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۹۱۲۴، كتاب الخلافة، باب لزوم الجماعة وطاعة الأئمة والنهى عن قتالهم)

اورعلامہ ذہبی رحمہ اللہ کے مطابق وھب بن رزق کی کنیت ابو ہریرہ مصری ہے، جنہوں نے بشر بن بکر اور یحییٰ بن بکیر اور عبداللہ بن یحییٰ معافری وغیرہ سے سماعت کی ہے، اور ان سے ابوبکر بن ابی داؤد اور محمد بن عبداللہ بن عرس شیخ طبرانی نے سماعت کی ہے۔ چنانچہ علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وهب الله بن رزق، أبو هريرة المصرى. لم يذكره ابن يونس فی تاريخه. سمع :بشر بن بكر التنيسی، ويحيى بن بكير، وعبد الله بن يحيى المعافری، وغيرهم. وعنه :أبو بكر بن أبی داود، ومحمد بن عبد الله بن عرس شيخ الطبرانی(تاريخ الاسلام للامام الذهبی، ج۵ص ۱۲۸۰)

نیز امام بیہقی رحمہ اللہ نے امام شافعی رحمہ اللہ کی ان سے سماعت کی بھی روایت کی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وھب اللہ امام شافعی رحمہ اللہ کے تلامذہ میں شامل ہیں، اس لئے ان کو مجہول سمجھنا درست نہیں، اور رجحان یہی ہے کہ یہ بھی ثقہ ہیں۔

حدثنا أبو هريرة وهب الله بن رزق المصری، حدثنا محمد بن إدريس الشافعی، وخالد بن نزار قالا :حدثنا سفيان بن عيينة، عن إسماعيل بن أبی خالد، عن قيس بن أبی حازم، عن أبی بكر الصديق، رضی الله عنه قال " :إنما مثلنا ومثل الأنصار ما قاله الغنوی لبنی جعفر:(البحر الطويل)

جزى الله عنا جعفرا حين أزلفت ...بنا نعلنا فی الواطئين فزلت
أبوا أن يملونا، ولو أن أمنا ...تلاقی الذی يلقون منا لملت"

زاد محمد بن إدريس، رحمه الله:
هم خلطونا بالنفوس وألجئوا ...إلى حجرات أدفأت، وأظلت (معرفة السنن والآثار، للبيهقی، رقم الحديث ۲۰۸۷۳)

[1] وذكر علی بن معبد، عن علی بن أبی طالب أنه قال :لابد من إمامة برة أو فاجرة .قيل له :البرة لابد منها،فما بال الفاجرة؟ قال :تقام بها الحدود، وتأمن بها السبل، ويقسم بها الفء، ويجاهد بها العدو .ألا ترى قوله (صلى الله عليه وسلم) فی حديث ابن عباس :(من خرج من السلطان شبرا مات ميتة جاهلية) (شرح صحيح البخاری۔ لابن بطال،ج۱۰ ص۷ الٰی ۹،باب قول النبی صلى الله عليه وسلم سترون بعدی أمورا تنكرونها)

اس طرح کی احادیث وروایات سے معلوم ہوتا ہے کہ فاسق حکومت کا قیام اوراس کے جائز کاموں میں اطاعت کی بڑی تاکید ہے، اوراس کے برخلاف خروج وخون ریزی اور حکومت کے قیام کے بغیر زندگی گزارنا شریعت کی نظر میں برا ہے، خواہ وہ حکومت ظالم وفاجر ہی کیوں نہ ہو، جس سے حکومت کے قیام کی اہمیت بھی ظاہر ہوئی۔

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَوْ دَخَلَ، وَنَحْنُ تِسْعَةٌ وَبَيْنَنَا وِسَادَةٌ مِنْ أَدَمٍ فَقَالَ: إِنَّهَا سَتَكُوْنُ بَعْدِيْ أُمَرَاءُ يَكْذِبُوْنَ وَيَظْلِمُوْنَ، فَمَنْ دَخَلَ عَلَيْهِمْ، فَصَدَّقَهُمْ بِكِذْبِهِمْ، وَأَعَانَهُمْ عَلٰى ظُلْمِهِمْ، فَلَيْسَ مِنِّيْ، وَلَسْتُ مِنْهُ وَلَيْسَ بِوَارِدٍ عَلَيَّ الْحَوْضَ ، وَمَنْ لَمْ يُصَدِّقْهُمْ بِكَذِبِهِمْ، وَيُعِنْهُمْ عَلٰى ظُلْمِهِمْ، فَهُوَ مِنِّيْ وَأَنَا مِنْهُ، وَهُوَ وَارِدٌ عَلَيَّ الْحَوْضَ (مسند احمد) [1]

ترجمہ: ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، یا داخل ہوئے، اور ہم نو افراد تھے، اور ہمارے درمیان چمڑے کا تکیہ تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب میرے بعد ایسے حکمران ہوں گے؛ جو جھوٹ بولیں گے، اور ظلم کریں گے، پس جو شخص اُن کے پاس گیا (یا ان کا وزیر ومشیر بنا) اوراُن کے جُھوٹ پراُن کی تصدیق کی اوراُن کے ظلم پراُن کی مدد کی تو اُس کا مجھ سے تعلق نہیں، اور نہ میرا اُس سے تعلق ہے، اور نہ وہ شخص میرے پاس حوضِ کوثر پر آسکے گا، اور جس نے اُن کے جُھوٹ کی تصدیق نہ کی اور نہ اُن کے ظلم پراُن کی مدد کی، تو اُس کا مجھ سے تعلق ہے، اور میرا اُس سے تعلق ہے، اور وہ میرے پاس حوضِ کوثر پر بھی حاضر ہوگا (مسند احمد)

---

[1] رقم الحديث ۱۸۱۲۶ ،نسائی، رقم الحديث ۴۲۰۸.
فی حاشية مسند احمد: إسناده صحيح رجاله ثقات.

اس طرح کی حدیثیں اور بھی کئی سندوں سے مروی ہیں، جو پیچھے مختلف قسم کے حکمرانوں سے متعلق پیشین گوئیوں کے ضمن میں گزر چکی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ظالم اور جھوٹے وگناہ گار حکمرانوں کے جھوٹ، ظلم اور گناہ میں تعاون کرنا گناہ ہے، اور تعاون نہ کرنے والا نہ صرف یہ کہ گناہ سے بری ہے، بلکہ وہ عظیم فضائل کا بھی مستحق ہے، اور یہ فضائل صرف تعاون نہ کرنے پر مرتب کئے گئے ہیں، ان فضائل کے ساتھ جھوٹے اور ظالم حکمرانوں کے خلاف خروج کی قید نہیں لگائی گئی، اور یہ مضمون ان احادیث کے بھی مطابق ہے، جن میں ظالم اور گناہ گار حکمرانوں کے خلاف صبر کے فضائل بیان کئے گئے ہیں۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: یا عُبَادَۃُ" قُلْتُ: لَبَّیْکَ قَالَ اِسْمَعْ وَأَطِعْ فِیْ عُسْرِکَ وَیُسْرِکَ وَمَکْرَھِکَ، وَأَثَرَۃٍ عَلَیْکَ، وَإِنْ أَکَلُوْا مَالَکَ، وَضَرَبُوْا ظَھْرَکَ إِلَّا أَنْ تَکُوْنَ مَعْصِیَۃً لِلّٰہِ بَوَّاحًا (صحیح ابن حبان، رقم الحدیث ۴۵۶۶) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عبادہ! میں نے عرض کیا کہ لبیک، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (حکمران کی بات) سنو اور اطاعت کرو (یعنی کہنا مانو) مشکل میں اور آسانی میں اور ناپسندیدہ حالت میں، اور آپ پر (حکمرانی اور متعلقہ حقوق کے معاملہ میں) کسی کو ترجیح دیئے جانے میں، اگرچہ وہ (حکمران) تمہارا مال کھائیں، اور تمہاری پیٹھ پر ماریں، مگر یہ کہ وہ اللہ کی کھلی معصیت (ونافرمانی اور گناہ) ہو (اس میں ان کی اطاعت نہ کرنا) (ابنِ حبان)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حکمرانوں کی اطاعت ضروری ہے، اور اگر ان کی طرف سے اللہ کی ایسی نافرمانی وگناہ کا کام سامنے آئے، جس کے گناہ ہونے میں کوئی تاویل وشک نہ ہو،

---

[1] فی حاشیۃ ابنِ حبان: إسنادہ حسن.

جس کی علامت یہ ہے کہ اس کے گناہ ہونے پر فقہائے کرام متفق ہوں، تو پھر اس طرح کے گناہ کے کام میں حکمران کی اطاعت نہیں ہوگی، بلکہ اس گناہ پر نکیر کی جائے گی، اگر زبان سے قدرت ہو، تو زبان سے نکیر کی جائے گی، ورنہ دل سے اس کو گناہ سمجھا جائے گا، لیکن ان کے خلاف خروج پھر بھی درست نہ ہوگا۔ [1]

---

[1] قوله :وأثرة علينا أى :يستأثر علينا، فيفضل غيركم نفسه عليكم، وقوله :بواحا أى :جهارا، يقال :باح بالسر، وأباحه :إذا جهر به، وقوله :عندكم من الله فيه برهان أى :آية أو سنة لا تحتمل التأويل (شرح السنة للبغوى،باب الصبر على ما يكره من الأمير ولزوم الجماعة)

قال ابن الملك :إلا إذا أمرك بإثم فلا تطعه، لكن لا تقاتل، بل فر منه (مرقاة، ج۸، ص۳۳۸۳، كتاب الفتن)

ومعنى الحديث لا تنازعوا ولاة الأمور فى ولايتهم ولا تعترضوا عليهم إلا أن تروا منهم منكرا محققا تعلمونه من قواعد الإسلام فإذا رأيتم ذلك فأنكروه عليهم وقولوا بالحق حيث ما كنتم وأما الخروج عليهم وقتالهم فحرام بإجماع المسلمين وإن كانوا فسقة ظالمين وقد تظاهرت الأحاديث بمعنى ما ذكرته وأجمع أهل السنة أنه لا ينعزل السلطان بالفسق وأما الوجه المذكور فى كتب الفقه لبعض أصحابنا أنه ينعزل وحكى عن المعتزلة أيضا فغلط من قائله مخالف للإجماع قال العلماء وسبب عدم انعزاله وتحريم الخروج عليه ما يترتب على ذلك من الفتن وإراقة الدماء وفساد ذات البين فتكون المفسدة فى عزله أكثر منها فى بقائه قال القاضى عياض أجمع العلماء على أن الإمامة لا تنعقد لكافر وعلى أنه لو طرأ عليه الكفر انعزل قال وكذا لو ترك إقامة الصلوات والدعاء إليها قال وكذلك عند جمهورهم البدعة قال وقال بعض البصريين تنعقد له وتستدام له لأنه متأول قال القاضى فلو طرأ عليه كفر وتغيير للشرع أو بدعة خرج عن حكم الولاية وسقطت طاعته ووجب على المسلمين القيام عليه وخلعه ونصب إمام عادل إن أمكنهم ذلك فإن لم يقع ذلك إلا لطائفة وجب عليهم القيام بخلع الكافر ولا يجب فى المبتدع إلا إذا ظنوا القدرة عليه فإن تحققوا العجز لم يجب القيام وليهاجر المسلم عن أرضه إلى غيرها ويفر بدينه قال ولا تنعقد لفاسق ابتداء فلو طرأ على الخليفة فسق قال بعضهم يجب خلعه إلا أن تترتب عليه فتنة وحرب وقال جماهير أهل السنة من الفقهاء والمحدثين والمتكلمين لا ينعزل بالفسق والظلم وتعطيل الحقوق ولا يخلع ولا يجوز الخروج عليه بذلك بل يجب وعظه وتخويفه للأحاديث الواردة فى ذلك قال القاضى وقد ادعى أبو بكر بن مجاهد فى هذا الإجماع وقد رد عليه بعضهم هذا بقيام الحسن وبن الزبير وأهل المدينة على بنى أمية وبقيام جماعة عظيمة من التابعين والصدر الأول على الحجاج مع بن الأشعث وتأول هذا القائل قوله أن لا ننازع الأمر أهله فى أئمة العدل وحجة الجمهور أن قيامهم على الحجاج ليس بمجرد الفسق بل لما غير من الشرع وظاهر من الكفر قال القاضى وقيل إن هذا الخلاف كان أولا ثم حصل الإجماع على منع الخروج عليهم والله أعلم(شرح النووى، كتاب الإمارة،باب وجوب طاعة الأمراء فى غير معصية وتحريمها فى المعصية)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

بَايَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِى الْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ، وَأَنْ لَا نُنَازِعَ الْأَمْرَ أَهْلَهُ، وَأَنْ نَقُوْمَ أَوْ نَقُوْلَ بِالْحَقِّ حَيْثُمَا كُنَّا، لَا نَخَافُ فِى اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ (بخاری) [1]

ترجمہ: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (امیر وحاکم کی بات) سُننے اور اطاعت کرنے (یعنی کہنا ماننے) کی بیعت کی، تنگی میں اور آسانی میں، اور خوشی و ناخوشی میں اور ہم پر کسی (نااہل حکمران اور ہمارے حقوق پر دوسرے) کو ترجیح دیئے جانے (کے وقت) میں، اور اس بات پر کہ ہم امیروں (وحکام) سے حکومت کے معاملات میں جھگڑا نہ کریں گے (یعنی حکومت کے عہدہ کا خود اس سے اپنے لئے مطالبہ نہ کریں گے) اور اس بات پر کہ ہم جہاں بھی ہوں گے حق بات کہیں گے، اللہ کے معاملہ میں ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہ رکھیں گے (بخاری، مسلم)

اس سے معلوم ہوا کہ حکمرانوں کی اطاعت واجب ہے، خواہ کوئی مالدار ہو یا غریب ہو، اور حکومت کی ناگوار باتوں پر صبر سے کام لینا چاہئے، اور حکمرانوں سے حکومت چھیننے یا ان کے خلاف خروج سے بچنا چاہئے۔

البتہ اگر حکمران کوئی گناہ کی بات کہے، تو اس کی اطاعت نہیں کی جائے گی، اور ضرورت پڑنے پر اس گناہ پر نکیر بھی کی جائے، بشرطیکہ قدرت ہو، اور اسی کے ساتھ حکمرانوں کی تذلیل وتحقیر بھی نہ کی جائے، جس کا طریقہ یہ ہے کہ علیٰحدگی میں اور خاموشی سے ان تک حق بات پہنچائی جائے، جس کی تفصیل اگلی فصل میں آتی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] رقم الحديث ۷۱۹۹، باب، كيف يبايع الإمام الناس، مسلم، رقم الحديث ۱۷۰۹ "۴۱"، باب وجوب طاعة الأمراء فى غير معصية، وتحريمها فى المعصية.

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : سَيَكُوْنُ مِنْ بَعْدِىْ خُلَفَاءُ، يَعْمَلُوْنَ بِمَا يَعْلَمُوْنَ، وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ، وَسَيَكُوْنُ مِنْ بَعْدِهِمْ خُلَفَاءُ، يَعْمَلُوْنَ مَالَا يَعْلَمُوْنَ، وَيَفْعَلُوْنَ مَالَا يُؤْمَرُوْنَ، فَمَنْ أَنْكَرَ بَرِىءَ ، وَمَنْ أَمْسَكَ سَلِمَ، وَلٰكِنْ مَنْ رَضِىَ وَتَابَعَ (ابن حبان) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد خلفاء (وحکمران) ہوں گے، جو اپنے علم کے مطابق عمل کریں گے، اور وہ کام کریں گے جس کا ان کو حکم دیا جائے گا، لیکن ان کے بعد ایسے خلفاء (وحکمران برآمد) ہوں گے، جو اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کریں گے، اور وہ کام کریں گے، جن کا ان کو حکم نہیں دیا جائے گا، تو جس نے (زبان ودل سے حسبِ قدرت ان کے برے کاموں پر) نکیر کی تو وہ بریٔ ہوگیا، اور جو (ان کے برے اعمال کی اتباع اور دل سے اچھا سمجھنے سے) رُکا رہا، وہ سلامت رہا، لیکن جو (گناہ کے کام پر) راضی ہوگیا، اور اس نے (گناہ کے کام میں) اتباع کی (وہ نہ بریٔ ہوا اور نہ سلامت رہا) (ابنِ حبان)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ، حضرت امِ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: إِنَّهُ يُسْتَعْمَلُ عَلَيْكُمْ أُمَرَاءُ، فَتَعْرِفُوْنَ وَتُنْكِرُوْنَ، فَمَنْ كَرِهَ فَقَدْ بَرِءَ، وَمَنْ أَنْكَرَ فَقَدْ سَلِمَ، وَلٰكِنْ مَنْ رَضِىَ وَتَابَعَ، قَالُوْا : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، أَلَا نُقَاتِلُهُمْ؟ قَالَ : لَا، مَا صَلَّوْا، أَىْ مَنْ كَرِهَ بِقَلْبِهٖ وَأَنْكَرَ بِقَلْبِهٖ (مسلم، رقم الحديث ۱۸۵۴ ”۶۳“)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم پر ایسے حکمران مقرر کیے جائیں گے کہ جن کو (ان کے بعض اعمال واقوال کے بہتر ہونے کی وجہ سے) تم اچھا سمجھو گے،

---

[1] رقم الحديث ۶۶۵۸، ذكر البيان بأن الملوك يطلق عليهم اسم الخلفاء فى الضرورة أيضا على ما ذكرناه.

فى حاشية ابنِ حبان: إسناده صحيح.

Idara Ghufran

اور (ان کے بعض اعمال واقوال کے برا ہونے کی وجہ سے) برا سمجھو گے، پس جس نے (ان کے برے اعمال واقوال کو) اپنے دل سے ناپسند کیا وہ بری ہوگیا اور جس نے اپنے دل سے (ان کے برے اعمال واقوال کا) انکار کیا وہ سلامت رہا لیکن جو (ان کے برے اعمال واقوال سے) راضی ہوا، اور (ان کے بُرے اعمال واقوال کی) اتباع کی (وہ بری نہیں ہوگا اور نہ محفوظ رہے گا) صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا ہم ان سے جنگ نہ کریں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں، جب تک وہ نماز ادا کرتے رہیں (مسلم)

اس سے معلوم ہوا کہ حکمرانوں کی بُری باتوں پر حسبِ قدرت (زبان یا دل سے) نکیر کرنے والا اپنی ذمہ داری سے بری ہوجاتا ہے، اور نماز ادا کرتے رہنے کی تفصیل اگلی سرخی کے ذیل میں آتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ ظالم وگناہ گار حکمران کے جائز قوانین کی اطاعت واجب ہے، اور اس کے خلاف خروج جائز نہیں، البتہ اگر قدرت ہو تو زبان سے گناہ پر نکیر کرنی چاہئے، ورنہ کم از کم دل سے گناہ کے کام کو گناہ سمجھنا چاہئے، اور گناہ پر تعاون سے رُکے رہنا چاہئے۔

مسلمان حکمران کے صریح کفر میں مبتلا ہونے پر حکم

حضرت جنادہ بن امیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

دَخَلْنَا عَلٰى عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ، وَهُوَ مَرِيضٌ، قُلْنَا : أَصْلَحَكَ اللّٰهُ، حَدِّثْ بِحَدِيْثٍ يَنْفَعُكَ اللّٰهُ بِهٖ، سَمِعْتَهٗ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ : دَعَانَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَايَعْنَاهُ، فَقَالَ فِيمَا أَخَذَ عَلَيْنَا : أَنْ بَايَعَنَا عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، فِيْ مَنْشَطِنَا وَمَكْرَهِنَا، وَعُسْرِنَا وَيُسْرِنَا وَأَثَرَةً عَلَيْنَا، وَأَنْ لاَ نُنَازِعَ الْأَمْرَ أَهْلَهٗ، إِلَّا أَنْ تَرَوْا

كُفْرًا بَوَاحًا، عِنْدَكُمْ مِنَ اللّٰهِ فِيْهِ بُرْهَانٌ (بخاری)[1]

ترجمہ: ہم حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے اور وہ بیمار تھے، ہم نے عرض کیا کہ اللہ آپ کو تن درست کرے ہم سے کوئی ایسی حدیث بیان کیجئے جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو، جس سے اللہ نے آپ کو خاص نفع عطا فرمایا ہو، تو انہوں نے فرمایا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی اور جن چیزوں کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم نے بیعت کی وہ یہ تھے کہ ہم (حاکم وحکمران کی) بات سننے اور اطاعت کرنے (اور کہنا ماننے) کی پابندی کریں گے اپنی خوشی اور ناخوشی میں، تنگی اور آسانی میں اور ہم پر (دوسرے حکمرانوں یا لوگوں کو) ترجیح دیئے جانے میں، اور اس بات پر کہ ہم حکام سے جھگڑا نہ کریں گے، سوائے اس کے کہ ہم واضح طور پر کفر دیکھیں، جس کی تمہارے پاس اس کے کفر ہونے پر اللہ کی طرف سے کوئی برھان (یعنی مضبوط دلیل) موجود ہو (بخاری، مسلم)

اس سے معلوم ہوا کہ حکمران کی اطاعت بہرحال واجب ہے، جب تک گناہ کا کام نہ ہو، اور گناہ کے کام میں اطاعت نہیں، اور اگر مسلمان حکمران میں واضح کفر نظر آئے، جس میں کوئی تاویل ممکن نہ ہو، تو پھر اس کو حکومت سے ہٹانے پر اقدام کیا جاسکتا ہے، مگر اس کے لئے بھی ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہئے، جس سے مقصود حاصل ہوجائے، اور قتل وغارت گری نہ پھیلے، جس کی مزید تفصیل آگے آتی ہے۔

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: خِيَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِيْنَ

---

[1] رقم الحديث ۷۰۵۵، ۷۰۵۶، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم :سترون بعدی أمورا تنكرونها، مسلم، رقم الحديث ۱۷۰۹ "۴۲"، باب وجوب طاعة الأمراء فی غير معصية، وتحريمها فی المعصية.

تُحِبُّوْنَهُمْ وَيُحِبُّوْنَكُمْ، وَتُصَلُّوْنَ عَلَيْهِمْ وَيُصَلُّوْنَ عَلَيْكُمْ، وَشِرَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِيْنَ تُبْغِضُوْنَهُمْ وَيُبْغِضُوْنَكُمْ، وَتَلْعَنُوْنَهُمْ وَيَلْعَنُوْنَكُمْ، قَالُوْا : قُلْنَا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، أَفَلَا نُنَابِذُهُمْ عِنْدَ ذٰلِكَ؟ قَالَ : لَا، مَا أَقَامُوْا فِيْكُمُ الصَّلَاةَ، لَا، مَا أَقَامُوْا فِيْكُمُ الصَّلَاةَ، أَلَا مَنْ وَلِيَ عَلَيْهِ وَالٍ، فَرَآهُ يَأْتِي شَيْئًا مِّنْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ، فَلْيَكْرَهْ مَا يَأْتِي مِنْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ، وَلَا يَنْزِعَنَّ يَدًا مِّنْ طَاعَةٍ (مسلم) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ تمہارے بہترین حکمران وہ ہیں جنہیں تم پسند کرتے ہو اور وہ تمہیں پسند کرتے ہوں اور تم ان کے لئے دعاء کرو، اور وہ تمہارے لئے دعاء کریں، اور تمہارے بدترین حکمران وہ ہیں جن سے تم بغض رکھتے ہو اور وہ تم سے بغض رکھتے ہوں، تم ان پر لعنت (وبد دُعاء) کرتے ہو اور وہ تم پر لعنت (وبد دُعاء) کرتے ہوں، ہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا ہم اس وقت انہیں (حکومت کے عہدہ سے) معزول نہ کردیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں جب تک وہ تمہارے درمیان نماز قائم کرتے رہیں، یاد رکھو کہ جس شخص کو کسی پر حاکم بنایا گیا، پھر اس میں کوئی شخص گناہ والی چیز دیکھے، تو وہ اس گناہ والی چیز کو ناپسند کرے، لیکن حاکم کی اطاعت (و کہنا ماننے) سے اپنا ہاتھ نہ کھینچے (مسلم)

یہ حدیث بھی گزشتہ حدیث کی ایک طرح سے تشریح ہے، گزشتہ حدیث میں واضح کفر کی صورت میں ہی حکمران کے خلاف خروج اور اس کو حکومت سے معزول کرنے کی اجازت دی گئی ہے، اور اس حدیث میں نماز قائم کرنے کی صورت میں اس کے خلاف خروج نہ کرنے اور اس کو معزول نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ نماز کا قیام ایمان کی علامت

---

[1] رقم الحديث ١٨٥٥ "٦٦"، باب خيار الأئمة وشرارهم.

ہے، اگرچہ پابندی کے ساتھ نہ ہو۔

اسی وجہ سے احادیث میں نماز کو ایمان اور کفر کے درمیان فرق کی چیز بتایا گیا ہے، اور اس کے ترک کو کفر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ [1]

اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ بعض احادیث میں لوگوں (یعنی کافروں) سے اُس وقت تک قتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے، جب تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ نماز کو قائم اور زکاۃ کو ادا کرنے والے نہ بن جائیں۔ [2]

اور یہ بات ظاہر ہے کہ حقیقی کفر اسی وقت لازم آتا ہے، جبکہ عقیدہ کے ساتھ نماز کی فرضیت کا انکار کیا جائے، اور اگر کوئی سستی کی وجہ سے ترک کرے، تو یہ حقیقی کفر نہیں ہے، ورنہ تو نماز کو فرض سمجھتے ہوئے عملاً ترک کرنے والے لوگوں سے بھی قتال کرنے کا حکم ہوتا، جن کی معاشرہ میں کثرت ہے۔

اور اگر یہ بات تسلیم نہ کی جائے، بلکہ یہ کہا جائے کہ اگر حکمران باوجود نماز کو فرض سمجھنے کے پابندی کے ساتھ نماز ادا نہ کرے، تب بھی اُس کے خلاف خروج اور اُس سے قتال اور اس کو معزول کرنا جائز ہے، تو پھر یہ مسئلہ صرف حکمران تک محدود نہیں رہنا چاہئے، بلکہ عوام میں سے بھی جو عاقل، بالغ شخص نماز کو عملاً ترک کردے، اُس کے ساتھ بھی قتال کا حکم ہونا چاہئے۔

---

[1] عبد الله بن بريدة، عن أبيه قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :بيننا وبينهم ترک الصلاة، فمن تركها فقد كفر (مسند احمد، رقم الحديث ٢٣٠٠٧)

فی حاشية مسند احمد:إسناده قوی کسابقه.

[2] أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :أمرت أن أقاتل الناس حتى يشهدوا أن لا إله إلا الله، وأن محمدا رسول الله، ويقيموا الصلاة، ويؤتوا الزكاة، فإذا فعلوا ذلک عصموا منى دماء هم وأموالهم إلا بحق الإسلام، وحسابهم على الله (بخارى، رقم الحديث ٢٥، كتاب الايمان، باب فإن تابوا وأقاموا الصلاة وآتوا الزكاة فخلوا سبيلهم)

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :أمرت أن أقاتل الناس حتى يقولوا لا إله إلا الله، فإذا قالوها، وصلوا صلاتنا، واستقبلوا قبلتنا، وذبحوا ذبيحتنا، فقد حرمت علينا دماؤهم وأموالهم، إلا بحقها وحسابهم على الله (بخارى، رقم الحديث ٣٩٢، كتاب الصلاة، باب فضل استقبال القبلة)

نیز اس صورت میں مذکورہ حدیث کی یہ تشریح اُن کثیر اور متواتر احادیث کے خلاف ہوگی، جن میں گناہ گار اور عاصی حکمران اور واضح گناہ میں مبتلا اور ظلم وحق تلفی کے مرتکب اور سنت کی مخالفت، بدعات کا ارتکاب بلکہ بدعات کا اظہار واعلان اور نماز کو فوت کرنے والے حکمرانوں کی بھی اطاعت اور صبر کا حکم دیا گیا ہے، اور گناہ کے کام میں اطاعت نہ کرنے اور اس کے بجائے اس گناہ پر حسبِ قدرت نکیر کا حکم دیا گیا ہے، اور اطاعت وصبر کے مفہوم میں اس سے قتال نہ کرنا اور اس کے خلاف خروج نہ کرنا بھی داخل ہے۔

خلاصہ یہ کہ احادیث کی رو سے راجح یہی ہے کہ مسلمان حکمران کی طرف سے جب تک صریح اور ایسا کفر ظاہر نہ ہو کہ جس میں کوئی تاویل بھی نہ ہوسکتی ہو، تب ہی اُس کے خلاف خروج اُسی وقت جائز ہوسکتا ہے، جبکہ اس کی قدرت ہو، نیز حکمران کا یہ کفر، ایمان کے بعد ظاہر ہوا ہو، نہ یہ کہ وہ اصلی کافر ہو۔

اور حکمران کے صرف گناہ گار، ظالم وبدعتی اور عملاً نماز کے تارک ہونے کی صورت میں اُس کے خلاف خروج وقتال کے بجائے صبر اور اللہ سے دعاء کرنی چاہئے، اور خود گناہ کا ارتکاب کرنے سے بچتے ہوئے حسبِ قدرت زبان یا دل سے حکمران کے گناہ پر نکیر کرنی چاہئے۔ [1]

---

[1] وحاصل الكلام :أن طواعيتهم لمن يتولى عليهم لا يتوقف على إيصالهم حقوقهم، بل عليهم الطاعة ولو منعهم حقهم .قوله :وأن لا ننازع الأمر أهله عطف على قوله :أن بايعنا والمراد بالأمر الملك والإمارة، وزاد أحمد من طريق عمير بن هانىء عن جنادة :وإن رأيت أن لك فى الأمر حقا فلا تعمل بذلك الرأى، بل اسمع وأطع إلى أن يصل إليك بغير خروج عن الطاعة .قوله :إلا أن تروا كفرا أى :بايعنا قائلا :إلا أن تروا منهم منكرا محققا تعلمونه من قواعد الإسلام، إذ عند ذلك تجوز المنازعة بالإنكار عليهم .وقال النووى :المراد بالكفر هنا المعاصى، وقال الكرمانى :الظاهر أن الكفر على ظاهره، والمراد من النزاع القتال .قوله :بواحا بفتح الباء الموحدة وتخفيف الواو وبالحاء المهملة أى :ظاهرا باديا من قولهم :باح بالشىء يبوح به بوحا وبواحا إذا أذاعه وأظهره، وأنكر ثابت فى الدلائل بواحا وقال :إنما يجوز بوحا، بسكون الواو، وبؤاحا، بضم الباء والهمزة الممدودة، وقال النووى :هو فى معظم النسخ من مسلم بالواو وفى بعضها بالراء ، وقال الخطابى : من رواه بالراء فهو قريب من هذا المعنى، وأصل البراح الأرض القفراء التى لا أنيس فيها ولا بناء . وقيل :البراح البيان، يقال :برح الخفاء إذا ظهر، ووقع فى رواية حبان أبى النضر :إلا أن يكون

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر حکمران ایسے افعال کا ارتکاب کرے کہ جو گناہ اور فسق کا باعث ہوں، تو وہ اس کی وجہ سے معزول نہیں ہوتا، اور اس کا معزول کرنا بھی ضروری نہیں

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ معصية لله بوحا، ووقع عند الطبراني من رواية أحمد بن صالح عن ابن وهب في هذا الحديث :كفرا صراحا، بضم الصاد المهملة ثم بالراء .قوله :برهان أي :نص آية أو خبر صحيح لا يحتمل التأويل، وقال الداودي :الذي عليه العلماء في أمراء الجور أنه إن قدر على خلعه بغير فتنة ولا ظلم وجب، وإلا فالواجب الصبر، وعن بعضهم :لا يجوز عقد الولاية لفاسق ابتداء ، فإن أحدث جورا بعد أن كان عدلا اختلفوا في جواز الخروج عليه، والصحيح المنع إلا أن يكفر فيجب الخروج عليه (عمدة القاري للعيني، ج۲۴ص ۱۷۹، كتاب الفتن، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم سترون بعدي أمورا تنكرونها)

وعن ابن عباس رضي الله عنهما أن رسول قال :من كره من أميره شيئا) دنيويا كان كاستئثار عليه وظلم له أو دينيا كأن فسق بعد عدالته فلا ينعزل الإمام الأعظم بفسقه، نعم إن كفر انعزل بكفره كما تقدم من حديث إلا أن تروا كفرا بواحا فمن رأى ما لا ينعزل به الإمام مما يكرهه (فليصبر) أي بعدم الخروج على الأمير، أما الإنكار عليه بمراتبه إذا لم يؤد إلى شق العصا والخروج عليه، فمطلوب الحديث أفضل الشهداء حمزة ورجل قال كلمة حق عند سلطان جائر فقتله (فإنه) الضمير فيه للشأن والجملة بعد تفسير وذلك تعليل للأمر بالصبر على ما يكرهه(دليل الفالحين لطرق رياض الصالحين، ج۵ص ۱۳۶، باب وجوب طاعة ولاة الامر)

والوجه فيه قد ذكرناه بأنه قد سلك فيه مسلكا يقوم به النظام، فأقام لكل بابا، فجعل من وظيفة الرعية الصبر، وجعل من وظيفة الإمام العدل مهما أمكن، ثم وعد كل بترك وظيفته، ولو ترك الأمر إلى العوام لفسدت الأرض .نعم إذا رأوا منه كفرا بواحا لا يبقى فيه تأويل، فحينئذ يجب عليهم أن يخلعوا ربقته عن أعناقهم، فإن حق الله أوكد(فيض الباري شرح البخاري، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم لا ترجعوا بعدي كفارا يضرب بعضكم رقاب بعض)

قال الإمام :لا يجوز الخروج على الإمام العدل باتفاق ، فإذا فسق وجار ؛ فإن كان فسقه كفرا وجب خلعه ، وإن كان ما سواه من المعاصي فمذهب أهل السنة أنه لا يخلع ، واحتجوا بظاهر الأحاديث وهي كثيرة ؛ ولانه قد يؤدي خلعه إلى إراقة الدماء وكشف الحريم ، فيكون الضرر بذلك أشد من الضرر به .وعند المعتزلة أنه يخلع ، وهذا في إمام عقد له على وجه يصح ثم فسق وجار ، وأما المتغلبون على البلاد فالكلام فيهم يتسع ، وليس هذا موضعه .والاستثناء بقوله " :إلا ان تروا كفرأ بواحا) يؤكد ما قلناه من التفرقة بين الكفر وغيره .قال القاضي :لا خلاف بين المسلمين أنه لا تنعقد الإمامة للكافر ، ولا تستديم له إذا طرأ عليه ، وكذلك إذا ترك إقامة الصلوات والدعاء إليها ، وكذلك عقد جمهورهم البدعة .وذهب بعض البصريين إلى أنها تنعقد لها وتستديم على التأويل ، فإذا طرأ مثل هذا على وال من كفر او تغير شرع أو تأويل بدعة ، خرج عن حكم الولاية وسقطت طاعته ، ووجب على الناس القيام عليه وخلعه ، ونصب إمام عدل أو والي مكانه إن امكنهم ذلك (اكمال المعلم شرح صحيح مسلم للقاضي عياض، كتاب الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية) ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

ہوتا، کیونکہ اس کا معزول کرنا فتنہ اور خون بہنے اور تفریق کا سبب ہوتا ہے، جو کہ اس کے باقی رہنے سے زیادہ بڑا فتنہ ہے۔ لے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ ثم إن إستوى من لم يجمع الشروط لا ينبغى أن يبادر إلى المخالفة .لأن خلعه لا يتصور غالبا إلا بحروب ومضايقات، وفيها من المفسدة اشد مما يرجى من المصلحة، وسئل رسول صلى الله عليه وسلم عنهم فقيل :أفلا ننابذهم؟ قال " :لا ما أقاموا فيكم الصلاة " وقال " :إلا أن تروا كفرا بواحا عندكم من الله فيه برهان "

وبالجملة فإذا كفر الخليفة بانكار ضرورى من ضروريات الدين حل قتاله بل وجب وإلا لا، وذلک لأنه حينئذ فاتت مصلحة نصبه، يل يخاف مفسدته على القوم، فصار قتاله من الجهاد فى سبيل الله (حجة الله البالغة للدهلوى، ج۲ص ۲۳۲، باب الخلافة)

قال ابن بطال فى الحديث حجة فى ترک الخروج على السلطان ولو جار وقد أجمع الفقهاء على وجوب طاعة السلطان المتغلب والجهاد معه وأن طاعته خير من الخروج عليه لما فى ذلک من حقن الدماء وتسكين الدهماء وحجتهم هذا الخبر وغيره مما يساعده ولم يستثنوا من ذلک إلا إذا وقع من السلطان الكفر الصريح فلا تجوز طاعته فى ذلک بل تجب مجاهدته لمن قدر عليها(فتح البارى شرح صحيح البخارى، كتاب الفتن،قوله باب قول النبى صلى الله عليه وسلم سترون بعدى أمورا تنكرونها)

والبواح بالموحدة والمهملة قال :الخطابى معنى قوله :بواحا ظاهرا وأخرج مسلم رحمه الله من حديث أبى هريرة عنه صلى الله عليه وسلم " :من خرج عن الطاعة وفارق الجماعة فميتتة جاهلية " وأخرج رحمه الله نحوه أيضا عن ابن عمر وفى الصحيحين من حديث ابن عمر "من حمل علينا السلاح فليس منا "وأخرجناه أيضا من حديث أبى موسى رضى الله عنه وأخرج مسلم من حديث أبى هريرة وسلمه ابن الأكوع رضى الله عنهما والأحاديث فى هذا الباب لا يتسع المقام لبسطها وقد ذهب إلى ماذكرنا جمهور أهل العلم وذهب بعض أهل العلم إلى جواز الخروج على الظلمة أو وجوبه تمسكا بأحاديث الأمر بالمعروف والنهى عن المنكر وهى أعم مطلقا من أحاديث الباب ولا تعارض بين عام وخاص ويحمل ما وقع من جماعة من أفاضل السلف على اجتهاد منهم وهم أتقى لله وأطوع لسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم ممن جاء بعدهم من أهل العلم.

وأما كونه يجب الصبر على جورهم فلما تقدم من الأحاديث(الدرارى المضية شرح الدرر البهية للشوكانى، ج۲ص ۴۶۵، كتاب الجهاد والسير، فصل فى وجوب طاعة الإمام)

وختاماً أقول :نحن لا ننكر أن يكون هناک بعض الحكام يجب الخروج عليهم؛ كذاک الذى كان أنكر شرعية صيام رمضان، والأضاحى فى عيد الأضحى، وغير ذلک مما هو معلوم من الدين بالضرورة، فهؤلاء يجب قتالهم بنص الحديث، ولكن بشرط الاستطاعة كما تقدم (سلسلة الاحاديث الصحيحة للالبانى، تحت رقم الحديث ۳۴۱۸)

لے وفى الحديث أن السلطان لا ينعزل بالفسق إذ فى عزله سبب للفتنة وإراقة الدماء وتفريق ذات اليمين فالمفسدة فى عزله أكثر منها فى بقائه (ارشاد السارى، تحت رقم الحديث ۷۰۵۳، باب قول النبى -صلى الله عليه وسلم- سترون بعدى أمورا تنكرونها) ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اسی وجہ سے شریعت نے فتنہ کو قتل سے بھی زیادہ شدید بتلایا ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ (سورة البقرة، رقم الآية ۱۹۱)

ترجمہ: اور فتنہ قتل سے زیادہ شدید ہے (سورہ بقرہ)

اور اسی وجہ سے جو شخص عوام کے کسی حکمران پر مجتمع ومتفق ہونے کی صورت میں فتنہ وتفریق ڈالے، اس کو قتل کرنے کا کئی احادیث میں حکم دیا گیا ہے۔

البتہ بعض فقہائے کرام نے فرمایا کہ اگر فتنہ لازم آئے بغیر گنہگار حکمران کو معزول کیا جاسکتا ہو تو اس کو معزول کرنا جائز ہے۔

اور جن ممالک میں مخصوص مدت کے بعد نئے انتخابات ہوتے ہیں، وہاں انتخاب کے ذریعہ سے ایسے حکمران کو معزول کرکے بہتر حکمران کا انتخاب بغیر فتنہ کے عمل میں لایا جاسکتا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قوله :من خرج من السلطان أى :من طاعته .قوله :فليصبر يعنى فليصبر على ذلك المكروه، ولا يخرج عن طاعته لأن فى ذلك حقن الدماء وتسكين الفتنة إلا أن يكفر الإمام ويظهر خلاف دعوة الإسلام فلا طاعة لمخلوق عليه .وفيه :دليل على أن السلطان لا ينعزل بالفسق والظلم ولا تجوز منازعته فى السلطنة بذلك .قوله :شبرا أى :قدر شبر وهو كناية عن خروجه، ولو كان بأدنى شىء .قال بعضهم :شبرا كناية عن معصية السلطان ومحاربته، وقال صاحب التوضيح شبرا يعنى فى الفتنة التى يكون فيها بعض المكروه .قلت :فى كل من التفسيرين بعد والأوجه ما ذكرناه .قوله: مات ميتة بكسر الميم كالجلسة لأن باب فعلة بالكسر للحالة وبالفتح للمرة .قوله :جاهلية أى: كموت أهل الجاهلية حيث لم يعرفوا إماما مطاعا، وليس المراد أنه يموت كافرا بل أنه يموت عاصيا (عمدة القارى، تحت رقم الحديث ۷۰۵۳، ج۲۴، ص۱۷۸، باب قول النبى صلى الله عليه وسلم: سترون بعدى أمورا تنكرونها)

[1] ومعنى الحديث لا تنازعوا ولاة الأمور فى ولايتهم ولا تعترضوا عليهم إلا أن تروا منهم منكرا محققا تعلمونه من قواعد الإسلام فإذا رأيتم ذلك فأنكروه عليهم وقولوا بالحق حيث ما كنتم وأما الخروج عليهم وقتالهم فحرام بإجماع المسلمين وإن كانوا فسقة ظالمين وقد تظاهرت الأحاديث بمعنى ما ذكرته وأجمع أهل السنة أنه لا ينعزل السلطان بالفسق وأما الوجه المذكور فى كتب الفقه لبعض أصحابنا أنه ينعزل وحكى عن المعتزلة أيضا فغلط من قائله مخالف للإجماع قال العلماء وسبب عدم انعزاله وتحريم الخروج عليه ما يترتب على ذلك من الفتن وإراقة الدماء وفساد ذات

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جن ممالک میں ووٹوں وغیرہ کے ذریعہ سے عوام کو حکمرانوں کے انتخاب کا موقع فراہم کیا جاتا ہے، وہاں اگر سب عوام متفق ہوکر اور ہر طرح کے تعصّبات سے بالاتر ہوکر اور احساسِ ذمہ داری پیدا کر کے اس طریقہ سے دیانت دار اور عادل و منصف حکمرانوں کا انتخاب کریں، تو بغیر فتنہ لازم آئے یہ کام بآسانی ممکن ہے، بشرطیکہ انتخاب اور ووٹ کی اہمیت کو سمجھا جائے، جس کی تفصیل انتخابات اور ووٹ کے احکام وآداب میں آتی ہے۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

البين فتكون المفسدة فى عزله أكثر منها فى بقائه قال القاضى عياض أجمع العلماء على أن الإمامة لا تنعقد لكافر وعلى أنه لو طرأ عليه الكفر انعزل قال وكذا لو ترك إقامة الصلوات والدعاء إليها قال وكذلك عند جمهورهم البدعة قال وقال بعض البصريين تنعقد له وتستدام له لأنه متأول قال القاضى فلو طرأ عليه كفر وتغيير للشرع أو بدعة خرج عن حكم الولاية وسقطت طاعته ووجب على المسلمين القيام عليه وخلعه ونصب إمام عادل إن أمكنهم ذلك فإن لم يقع ذلك إلا لطائفة وجب عليهم القيام بخلع الكافر ولا يجب فى المبتدع إلا إذا ظنوا القدرة عليه فإن تحققوا العجز لم يجب القيام وليهاجر المسلم عن أرضه إلى غيرها ويفر بدينه قال ولا تنعقد لفاسق ابتداء فلو طرأ على الخليفة فسق قال بعضهم يجب خلعه إلا أن تترتب عليه فتنة وحرب وقال جماهير أهل السنة من الفقهاء والمحدثين والمتكلمين لا ينعزل بالفسق والظلم وتعطيل الحقوق ولا يخلع ولا يجوز الخروج عليه بذلك بل يجب وعظه وتخويفه للأحاديث الواردة فى ذلك قال القاضى وقد ادعى أبو بكر بن مجاهد فى هذا الإجماع وقد رد عليه بعضهم هذا بقيام الحسن وبن الزبير وأهل المدينة على بنى أمية وبقيام جماعة عظيمة من التابعين والصدر الأول على الحجاج مع بن الأشعث وتأول هذا القائل قوله أن لا ننازع الأمر أهله فى أئمة العدل وحجة الجمهور أن قيامهم على الحجاج ليس بمجرد الفسق بل لما غير من الشرع وظاهر من الكفر قال القاضى وقيل إن هذا الخلاف كان أولا ثم حصل الإجماع على منع الخروج عليهم والله أعلم (شرح النووى على مسلم، ج١٢، ص ٢٢٩، كتاب الامارة، باب وجوب طاعة الأمراء فى غير معصية وتحريمها فى المعصية)

عند الحنفية ليست العدالة شرطا لصحة الولاية، فيصح تقليد الفاسق الإمامة عندهم مع الكراهة، وإذا قلد إنسان الإمامة حال كونه عدلا، ثم جار فى الحكم، وفسق بذلك أو غيره لا ينعزل، ولكن يستحق العزل إن لم يستلزم عزله فتنة، ويجب أن يدعى له بالصلاح ونحوه، ولا يجب الخروج عليه، كذا نقل الحنفية عن أبى حنيفة، وكلمتهم قاطبة متفقة فى توجيهه على أن وجهه: هو أن بعض الصحابة رضى الله عنهم صلوا خلف أئمة الجور وقبلوا الولاية عنهم. وهذا عندهم للضرورة وخشية الفتنة. وقال الدسوقى: يحرم الخروج على الإمام الجائر لأنه لا يعزل السلطان بالظلم والفسق وتعطيل الحقوق بعد انعقاد إمامته، وإنما يجب وعظه وعدم الخروج عليه، إنما هو لتقديم أخف المفسدتين، إلا أن يقوم عليه إمام عدل، فيجوز الخروج عليه وإعانة ذلك القائم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٦، ص ٢٢٠، مادة "الامامة الكبرىٰ" دوام الامامة)

حکمران کے ساتھ شامل ہونے کا حکم، اگرچہ وہ گناہ گار ہو

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ النَّاسُ يَسْأَلُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْخَيْرِ، وَكُنْتُ أَسْأَلُهُ عَنِ الشَّرِّ مَخَافَةَ أَنْ يُّدْرِكَنِيْ، فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، إِنَّا كُنَّا فِيْ جَاهِلِيَّةٍ وَشَرٍّ، فَجَاءَ نَا اللّٰهُ بِهٰذَا الْخَيْرِ، فَهَلْ بَعْدَ هٰذَا الْخَيْرِ شَرٌّ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَقُلْتُ: هَلْ بَعْدَ ذٰلِكَ الشَّرِّ مِنْ خَيْرٍ؟ قَالَ: نَعَمْ، وَفِيْهِ دَخَنٌ، قُلْتُ: وَمَا دَخَنُهُ؟ قَالَ: قَوْمٌ يَسْتَنُّوْنَ بِغَيْرِ سُنَّتِيْ، وَيَهْدُوْنَ بِغَيْرِ هَدْيِيْ، تَعْرِفُ مِنْهُمْ وَتُنْكِرُ، فَقُلْتُ: هَلْ بَعْدَ ذٰلِكَ الْخَيْرِ مِنْ شَرٍّ؟ قَالَ: نَعَمْ، دُعَاةٌ عَلٰى أَبْوَابِ جَهَنَّمَ مَنْ أَجَابَهُمْ إِلَيْهَا قَذَفُوْهُ فِيْهَا، فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، صِفْهُمْ لَنَا، قَالَ: نَعَمْ، قَوْمٌ مِنْ جِلْدَتِنَا، وَيَتَكَلَّمُوْنَ بِأَلْسِنَتِنَا، قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، فَمَا تَرٰى إِنْ أَدْرَكَنِيْ ذٰلِكَ؟ قَالَ: تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَإِمَامَهُمْ، فَقُلْتُ: فَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُمْ جَمَاعَةٌ وَلَا إِمَامٌ؟ قَالَ: فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا، وَلَوْ أَنْ تَعَضَّ عَلٰى أَصْلِ شَجَرَةٍ حَتّٰى يُدْرِكَكَ الْمَوْتُ وَأَنْتَ عَلٰى ذٰلِكَ (مسلم) [1]

ترجمہ: دوسرے لوگ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر و بھلائی کے متعلق سوال کرتے تھے اور میں شر (وفتنہ) کے بارے میں سوال کیا کرتا تھا، اس ڈر کی وجہ سے کہ وہ شر (وفتنہ کہیں) مجھے نہ پہنچ جائے (ایک مرتبہ) میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہم جاہلیت اور شر (وفتنہ کے زمانہ) میں (مبتلا) تھے، اللہ نے

---

[1] رقم الحديث ١٨٤٧ "٥١"، باب الأمر بلزوم الجماعة عند ظهور الفتن وتحذير الدعاة إلى الكفر.

ہمارے پاس یہ خیر (یعنی نبوت ورسالت) بھیج دی،تو کیا اس خیر کے بعد بھی کوئی شر ہوگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جی ہاں! میں نے عرض کیا کہ کیا اس شر کے بعد کوئی خیر بھی ہوگی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جی ہاں! اوراس خیر میں کچھ کدورت ہوگی، میں نے عرض کیا کہ کیسی کدورت ہوگی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری سنت کے علاوہ کو سنت سمجھیں گے اور میری ہدایت کے علاوہ کو ہدایت جان لیں گے،اور آپ ان کو پہچان لیں گے اوران سے نفرت کریں گے، میں نے عرض کیا کہ کیا اس خیر کے بعد کوئی شر ہوگا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جی ہاں! جہنم کے دروازوں پر کھڑے ہوکر جہنم کی طرف بلایا جائے گا، جس نے ان کی دعوت کو قبول کرلیا وہ اسے جہنم میں ڈلوادیں گے، میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ ہمارے لئے ان کی صفت بیان فرمادیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ ایسی قوم ہوگی جو ہمارے رنگ جیسی ہوگی اور ہماری زبان میں ہی گفتگو کرے گی، میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اگر یہ مجھے ملے تو میں کیا کروں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں کی جماعت کو اوران کے امام (یعنی حکمران) کو لازم کر لینا، میں نے عرض کیا کہ اگر مسلمانوں کی نہ تو کوئی جماعت ہو، اور نہ ہی کوئی امام (وحکمران) ہو (تو اس وقت کیا حکم ہوگا؟) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھران تمام فرقوں (اور دھڑوں) سے علیٰحدہ ہوجانا، اگرچہ آپ کو موت آنے تک درخت کی جڑوں کو کاٹنا پڑے، اور آپ اسی حالت پر ہوں (مسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شرور وفتنوں کے زمانہ میں جب اختلاف وانتشار ہو، تو مسلمانوں کی جماعت اور حاکم وحکمرانوں کے ساتھ شامل ہونے میں عافیت ہوگی، اور حکمران کے ساتھ شامل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حکومت کی اطاعت کرنا اوراس کے خلاف

خروج نہ کرنا اور بغاوت اختیار نہ کرنا، خواہ وہ حکومت گناہ گاروں اور فاسقوں کی کیوں نہ ہو، کیونکہ حکومت وحکمران کا وجود کئی فتنوں سے حفاظت کا ذریعہ ہے۔

البتہ جب کوئی حکمران اور جماعت نہ ہو، اس وقت الگ تھلگ ہونے کا حکم ہوگا۔ [1]

حکمران کے خلاف خروج، تفریق اور خونریزی کا باعث ہے

کثرت سے احادیث میں جو حکمرانوں کے خلاف خروج اور بغاوت سے منع کیا گیا ہے، اگرچہ وہ حکمران ظالم وگناہ گار ہی کیوں نہ ہوں، اس کی وجہ مختلف قسم کے فتنوں، خونریزی اور قتل وقتال وغیرہ سے بچنا ہے، جس کا کئی احادیث میں ذکر پایا جاتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] وقوله وأنت على ذلك أى العض وهو كناية عن لزوم جماعة المسلمين وطاعة سلاطينهم ولو عصوا (فتح البارى لابن حجر، ج١٣، ص٣٦، كتاب الفتن، قوله باب كيف الأمر إذا لم تكن جماعة كان تامة)

تلزم جماعة المسلمين وإمامهم) بكسر الهمزة أى أميرهم ولو جار (ارشاد السارى، ج٦، ص٥٦، تحت رقم الحديث ٣٦٠٦، باب علامات النبوة فى الإسلام)

وقوله: تلزم جماعة المسلمين وإمامهم ؛ يعنى :أنه متى اجتمع المسلمون على إمام فلا يُخرج عليه وإنْ جَارَ ؛ كما تقدّم ، وكما قال فى الرواية الأخرى فاسمع ، وأطع وعلى هذا :فتُشهد مع أئمة الُجَوْر الصلوات ، والجماعات ، والجهاد ، والحج ، وتُجْتَنَبُ معاصيهم ، ولا يطاعون فيها(المفهم لما اشكل فيه من كتاب مسلم للقرطبى،باب يصبر على أذاهم وتؤدّى حقوقهم)

(قلت :فما تأمرنى) أى :أن أفعل به فيهم (إن أدركنى ذلك؟) أى ذلك الزمان (قال " :تلزم جماعة المسلمين ") أى :طريقتهم وحضور جمعتهم وجماعتهم (وإمامهم) أى :ورعاية إمامهم ومتابعتهم ومساعدتهم، (قلت :فإن لم يكن لهم جماعة) أى :متفقة (ولا إمام؟) أى :أمير يجتمعون عليه، وهو يحتمل فقدهما أو فقد أحدهما (قال " :فاعتزل تلك الفرق كلها ") ، أى :الفرق الضالة الواقعة على خلاف الجادة من طريق أهل السنة والجماعة، (ولو أن تعض بأصل شجرة) أى: ولو كان الاعتزال بالعض، وأن :مصدرية، وتعض :منصوب فى النسخ المصححة والأصول المعتمدة، وقيل :إن مخففة من المثقلة .قال التوربشتى رحمه الله :أى :تمسك بما يصبرك وتقوى به على اعتزالك، ولو بما لا يكاد يصح أن يكون متمسكا .قال الطيبى -رحمه الله :هذا شرط يعقب به الكلام تتميما ومبالغة، أى :اعتزل الناس اعتزالا لا غاية بعده، ولو قنعت فيه بعض أصل الشجر افعل فإنه خير لك، (حتى يدركك الموت وأنت على ذلك) أى :على ما ذكرت من الاعتزال أو العض أو الخير(مرقاة المفاتيح، ج٦ ص٣٣٨٢، كتاب الفتن)

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ : مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ، وَخَرَجَ مِنَ الطَّاعَةِ، فَمَاتَ فَمِيْتَتُهُ جَاهِلِيَّةٌ، وَمَنْ خَرَجَ عَلٰى أُمَّتِيْ بِسَيْفِهٖ، يَضْرِبُ بَرَّهَا وَفَاجِرَهَا ، لَا يَتَحَاشٰى مُؤْمِنًا لِإِيْمَانِهٖ، وَلَا يَفِيْ لِذِيْ عَهْدٍ بِعَهْدِهٖ، فَلَيْسَ مِنْ أُمَّتِيْ، وَمَنْ قُتِلَ تَحْتَ رَايَةٍ عِمِّيَّةٍ، يَغْضَبُ لِلْعَصَبِيَّةِ، أَوْ يُقَاتِلُ لِلْعَصَبِيَّةِ، أَوْ يَدْعُوْ إِلَى الْعَصَبِيَّةِ، فَقِتْلَةٌ جَاهِلِيَّةٌ (مسند أحمد) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص جماعت سے علیحدہ ہوگیا اور (حکمران کی) اطاعت سے نکل گیا اور اسی حال میں مَر گیا تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوئی، اور جو شخص میری امت پر اپنی تلوار کے ساتھ خروج کرے، اس (امت) کے نیک و بد کو مارے، مومن سے اُس کے ایمان کی وجہ سے حیاء نہ کرے، اور عہد والے (غیر مسلم) سے اپنا عہد پورا نہ کرے، تو وہ میری امت میں سے نہیں ہے، اور جو شخص کسی گمراہ جھنڈے کے نیچے لڑتا ہے، کسی (خاندانی، زبانی، یا دوسرے) تعصب کی وجہ سے غصہ کرتا ہے، یا تعصب کی وجہ سے (کسی سے قتل و) قتال کرتا ہے، یا تعصب کی طرف بُلاتا ہے، تو اس کا قتل ہونا بھی جاہلیت کے مرنے کی طرح ہے (مسند احمد)

اس طرح کا مضمون اور احادیث میں بھی آیا ہے۔ [2]

جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نسل وقوم اور قبیلہ وعلاقہ پرستی کی وجہ سے حکمران سے اختلاف اور قتال کرنا سخت گناہ ہے۔

---

[1] رقم الحديث ۸۰۶۱، مسلم رقم الحديث ۱۸۴۸ "۵۳".

فی حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط مسلم.

[2] عن جندب بن عبد الله البجلي، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من قتل تحت راية عمية، يدعو عصبية، أو ينصر عصبية، فقتلة جاهلية (مسلم، رقم الحديث ۱۸۵۰ "۵۷"، باب الأمر بلزوم الجماعة عند ظهور الفتن وتحذير الدعاة إلى الكفر)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ : مَنْ خَلَعَ يَدًا مِّنْ طَاعَةٍ، لَقِيَ اللّٰهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا حُجَّةَ لَهُ، وَمَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِيْ عُنُقِهٖ بَيْعَةٌ، مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً (مسلم) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے حکمران کی اطاعت سے ہاتھ نکال لیا، تو وہ قیامت کے دن اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کے پاس کوئی دلیل نہ ہوگی اور جو اس حال میں مَرا کہ اس کی گردن میں کسی کی بیعت نہ تھی، تو وہ جاہلیت کی موت مَرا (مسلم)

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ يَقُوْلُ : مَنْ نَزَعَ يَدَهُ مِنْ طَاعَةٍ لَمْ يَكُنْ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حُجَّةٌ وَمَنْ مَاتَ مُفَارِقًا لِلْجَمَاعَةِ فَإِنَّهُ يَمُوْتُ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً

(السنة لابنِ ابی عاصم، رقم الحدیث ۱۰۷۵) [2]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے (حکمران کی) اطاعت سے ہاتھ نکال لیا، تو وہ قیامت کے دن اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کے پاس کوئی دلیل نہ ہوگی اور جو اس حال میں مَرا کہ اس نے (مسلمانوں کی) جماعت سے مفارقت (وعلیٰحدگی) اختیار کی ہوئی تھی، تو وہ جاہلیت کی موت مَرا (ابنِ ابی عاصم)

اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے ہی ایک حدیث ان الفاظ میں مروی ہے کہ:

---

[1] رقم الحدیث ۱۸۵۱ "۵۸"، باب الأمر بلزوم الجماعة عند ظهور الفتن وتحذير الدعاة إلى الكفر.

[2] قال الالبانی: إسناده حسن وقد سبق الكلام عليه برقم ۶۱ مع تخريجه هناك (ظلال الجنة فی تخريج السنة)

مَنْ نَكَثَ صَفْقَتَهُ فَلَا حُجَّةَ لَهُ وَمَنْ مَاتَ وَهُوَ مُفَارِقٌ لِلْجَمَاعَةِ فَمَوْتُهُ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً (السنة لابنِ ابی عاصم ،رقم الحدیث ۱۰۸۱) ؎

ترجمہ: جس نے اپنی (حکمران کی) بیعت کو توڑ دیا، تو اس کے لئے (بروزِ قیامت نجات کی) حجت (ودلیل) نہیں، اور جو اس حال میں مرا کہ اس نے جماعت (یعنی امت) میں فرقت ڈالی ہوئی تھی، تو وہ جاہلیت کی موت مَرا (ابنِ ابی عاصم)

معلوم ہوا کہ حکمران کی اطاعت سے خروج، اگرچہ وہ ظالم اور گناہ گار کیوں نہ ہو، آپس میں مفارقت اور خون ریزی کا باعث ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حکمران کی اطاعت کی بڑی تاکید ہے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی نے حکمران کی بیعت یعنی اس کے انتخاب میں کوتاہی کی اور اسی حال میں فوت ہوگیا، تو وہ بری موت ہے۔ ؎

؎ قال الالبانی: حديث صحيح ورجال إسناده ثقات غير أبی جعفر الرازی ففيه ضعف من قبل حفظه لكنه لم يتفرد بمتنه وإن خولف فی إسناده عن ابن عجلان كما أشار إليه المصنف فی الإسناد الذی علقه بعده .لكن للحديث عن نافع أصل أصيل فقد رواه زيد بن محمد عن نافع قال :جاء عبد الله بن عمر إلى عبد الله بن مطيع حين كان من أمر الحرة ما كان زمن يزيد بن معاوية فقال اطرحوا لأبی عبد الرحمن وسادة فقال :إنی لم آتک لأجلس أتيتک لأحدثک حديثا سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عليه وسلم يقوله ,سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عليه وسلم يقول" :من خلع يدا من طاعة لقى الله يوم القيامة لا حجة له ومن مات وليس فی عنقه بيعة مات ميتة جاهلية ."أخرجه مسلم ثم رواه من طريق بكير بن الأشج عن نافع به نحوه(ظلال الجنة فی تخريج السنة)

؎ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کا جماعتی نظم اور ان کی شیرازہ بندی اسلام میں وہ مقصدِ اعظم ہے کہ اس کے لئے غیر متشرع امرائے جور کی اطاعت پر بھی شریعتِ غراء نے مسلمانوں کو اس لئے مجبور کیا ہے کہ تفرقہ اور اختلالِ نظم کی صورت میں جو قومی بربادی اور انفرادی معاصی کے ہزاروں دروازے کھلتے ہیں، وہ اس سے کہیں زیادہ مضر ہیں کہ کسی امیر غیر متشرع کی اطاعت قبول کرلی جائے (جواہر الفقہ، ج۵ص ۴۵۳، مضمون ''مسلمانوں کے قائدین اور جائز امور میں ان کی اطاعت'')

(وعنه قال : سمعت رسول الله يقول :من خلع يدا من طاعة) أی خرج عنها بالخروج على الإمام وعدم الانقياد له فی غير معصية بأی وجه كان، أطلق خلع اليد وأراد به لازمه وهو إبطال المبايعة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ناپ تول میں کمی اور تکبر واتراہٹ سے ظالم حکمرانوں کا تسلط

ظالم اور گناہ گار حکمرانوں کی اطاعت کرنے اور ان کے خلاف خروج وبغاوت نہ کرنے اور صبر کرنے نیز اللہ سے دعا کرنے کے ساتھ ساتھ، ایک حکم اسلام میں یہ دیا گیا ہے کہ اپنے اعمال کی اصلاح کا اہتمام کیا جائے، اور گناہوں سے بچا جائے، خاص طور پر ان گناہوں سے بچنے کا زیادہ اہتمام کیا جائے، جو ظالم حکمرانوں کے تسلط کا باعث ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

يَا مَعْشَرَ الْمُهَاجِرِيْنَ، خَمْسٌ إِنِ ابْتُلِيتُمْ بِهِنَّ وَنَزَلَ فِيكُمْ أَعُوْذُ بِاللّٰهِ أَنْ تُدْرِكُوْهُنَّ: لَمْ تَظْهَرِ الْفَاحِشَةُ فِيْ قَوْمٍ قَطُّ حَتّٰى يَعْمَلُوْا بِهَا إِلَّا ظَهَرَ فِيْهِمُ الطَّاعُوْنُ وَالْأَوْجَاعُ الَّتِيْ لَمْ تَكُنْ مَضَتْ فِيْ أَسْلَافِهِمْ، وَلَمْ يَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ إِلَّا أُخِذُوْا بِالسِّنِيْنَ وَشِدَّةِ الْمُؤْنَةِ وَجَوْرِ السُّلْطَانِ عَلَيْهِمْ، وَلَمْ يَمْنَعُوا الزَّكَاةَ إِلَّا مُنِعُوا الْقَطْرَ مِنَ السَّمَاءِ، وَلَوْلَا الْبَهَائِمُ لَمْ يُمْطَرُوْا، وَلَمْ يَنْقُضُوْا عَهْدَ اللّٰهِ وَعَهْدَ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بالخروج عن الطاعة مجازا مرسلا، قال العاقولي :يكنى بخلع اليد عن نكث العهد لأن المعاهد يضع يده في يد من عاهد غالبا (لقي الله يوم القيامة ولا حجة له) أي لا حجة له يومئذ فيما فعله من نبذ الطاعة ولا عذر له فيه (ومن مات وليس في عنقه بيعة) أي للإمام بالسمع والدخول في طاعته والجملة في محل الحال من فاعل مات قيد له .(مات ميتة جاهلية) هي صفة ميتة أي مات على الضلالة كما يموت أهل الجاهلية عليها من جهة أنهم كانوا لا يدخلون تحت طاعة أمير ويرون ذلك عيبا بل كان ضعيفهم نهبا لقويهم (رواه مسلم) في المغازي من صحيحه منفردا به عن باقي الستة.(وفي رواية له) أي لمسلم عن ابن عمر مرفوعا (ومن مات وهو مفارق للجماعة) وهو شامل لعدم المبايعة والدخول في الطاعة ابتداء وللخروج عنها بعد الدخول فيها، والمراد بالجماعة الإمام وجيش الإسلام، ويجوز أن يراد به مفارقة الجماعة في الصلوات كالروافض فإنه لبدعتهم لا يرون الدخول تحت طاعة أئمة الحق والانقياد لهم إلا اضطرارا وتقية (فإنه يموت ميتة جاهلية) أي مات على هيئة موت أهل الجاهلية فإنهم كانوا أفرادا لا إمام يردعهم ولا جماعة تجمعهم، قال المصنف (الميتة بكسر الميم) للنوع والحالة(دليل الفالحين، ج۵، ۱۲۸، باب وجوب طاعة ولاة الأمر)

www.idaraghufran.org

رَسُوْلِهٖ إِلَّا سُلِّطَ عَلَيْهِمْ عَدُوُّهُمْ مَنْ غَيْرِهِمْ وَأَخَذُوْا بَعْضَ مَا كَانَ فِيْ أَيْدِيْهِمْ، وَمَا لَمْ يَحْكُمْ أَئِمَّتُهُمْ بِكِتَابِ اللّٰهِ إِلَّا أَلْقَى اللّٰهُ بَأْسَهُمْ بَيْنَهُمْ (مستدرک حاکم) ؎۱

ترجمہ: اے مہاجرین کی جماعت! پانچ چیزوں میں جب تم مبتلا ہو جاؤ اور وہ تم میں آ جائیں، میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں، اس سے کہ تم ان چیزوں کو پاؤ، پہلی یہ کہ جس قوم میں بھی فحاشی پھیل جاتی ہے، تو اس میں طاعون اور ایسا فقر وفاقہ پھیل جاتا ہے کہ جو اُن سے پہلے لوگوں میں نہیں پھیلا، دوسرے جو قوم بھی ناپ تول میں کمی کرتی ہے تو وہ قحط، مصائب اور بادشاہوں (وحکمرانوں) کے ظلم وستم میں مبتلا کر دی جاتی ہے، تیسرے جب بھی کوئی قوم اپنے اموال کی زکاۃ نہیں دیتی تو آسمان سے بارش روک دی جاتی ہے، اور اگر چوپائے نہ ہوں تو ان پر کبھی بھی بارش نہ برسے، چوتھے جو قوم بھی اللہ اور اس کے رسول کے عہد کو توڑتی ہے تو اللہ ان پر ان کے علاوہ ان کے دشمنوں کو مسلط فرما دیتا ہے، اور وہ دشمن ان کی کئی چیزوں کو لے لیتے ہیں، جو ان کے قبضہ میں ہیں (خواہ وہ مال ہو یا دوسرے خزانے وذخائر اور معدنیات) پانچویں جب بھی مسلمانوں کے حکمران، کتاب اللہ کے مطابق (عادلانہ ومنصفانہ) فیصلے نہیں کرتے تو اللہ ان کے درمیان باہمی پھوٹ ڈال دیتا ہے (حاکم، ابنِ ماجہ، بزار)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ناپ تول میں کمی وغیرہ کا گناہ، ظالم حکمرانوں کے تسلط کا سبب بنتا ہے، لہٰذا ظالم حکمرانوں کے تسلط سے بچنے کے لئے ناپ تول میں کمی کے گناہ سے توبہ کرنی چاہئے۔

آج معاشرہ میں ناپ تول کی کمی کا گناہ عام ہے، جو مختلف شکلوں میں تقریباً ہر شعبہ میں رواج

؎۱ رقم الحدیث ۸۶۲۳، ابنِ ماجه، رقم الحدیث، مسند البزار، رقم الحدیث ۶۱۷۵.
قال الحاکم: هذا حدیث صحیح الإسناد، ولم یخرجاه.
وقال الهیثمی: رواه البزار ورجاله ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحدیث ۹۶۱۵)

پکڑ رہا ہے، اور کسی چیز میں ملاوٹ کرنا بھی اس میں داخل ہے، کیونکہ نقلی چیز کو اصلی چیز سے الگ کرنے کے بعد بھی اس کی خالص مقدار کم ہوتی ہے، جو ایک طرح سے ناپ تول میں کمی ہی ہے، اللہ حفاظت فرمائے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : إِذَا مَشَتْ أُمَّتِیْ بِالْمُطَیْطِیَاءِ وَخَدَمَهَا أَبْنَاءُ الْمُلُوْکِ أَبْنَاءُ فَارِسَ وَالرُّوْمِ سُلِّطَ شِرَارُهَا عَلٰی خِیَارِهَا (سنن الترمذی، رقم الحدیث ۲۲۶۱) ۱؎

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میری امت تکبر واتراہٹ کے ساتھ چلے گی، اور فارس اور روم وغیرہ کے بادشاہوں کے بیٹے اس کے خدمت گزار ہوں گے، تو اس امت کے اچھے لوگوں پر برے لوگوں کو مسلط کردیا جائے گا (ترمذی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ناپ وتول میں کمی وکوتاہی کرنے کے ساتھ ساتھ تکبر واتراہٹ وغیرہ کا گناہ برے حکمرانوں کے تسلط کا سبب ہے، اس لئے ظالم اور برے حکمرانوں سے نجات پانے کے لئے صبر اور دعا کے ساتھ گناہوں سے بھی بچنے اور اپنی اصلاح کا اہتمام کرنے کی بھی ضرورت ہے۔ ۲؎

۱؎ قال الترمذی: هذا حدیث غریب وقد رواه أبو معاویة، عن یحیی بن سعید الأنصاری، حدثنا بذلک محمد بن إسماعیل الواسطی قال: حدثنا أبو معاویة، عن یحیی بن سعید، عن عبد الله بن دینار، عن ابن عمر، عن النبی صلی الله علیه وسلم، نحوه ولا یعرف لحدیث أبی معاویة، عن یحیی بن سعید، عن عبد الله بن دینار، عن ابن عمر أصل، إنما المعروف حدیث موسی بن عبیدة، وقد روی مالک بن أنس هذا الحدیث، عن یحیی بن سعید، مرسلا ولم یذکر فیه عن عبد الله بن دینار، عن ابن عمر.

۲؎ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''میں بقسم عرض کرتا ہوں کہ مسلمانوں کی ترقی اور فلاح و بہبود صرف اللہ اور رسول کے احکام کی اتباع ہی میں ہے اور اتباع نہ ہونے سے یہ حالت ہورہی ہے'' (ملفوظات الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ جلد نمبر ۸ ص ۲۹۳)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

ظالم اور گناہ گار حکمرانوں کے جائز حقوق پورے کرنے کے ساتھ اپنے حقوق نہ ملنے پر صبر کرنے اور اللہ سے رجوع اور دعاء اور اپنی اصلاح اور گناہوں کو چھوڑنے کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ بے صبری ویسے بھی اسلام میں پسندیدہ عمل نہیں، اور بے صبری کے نتیجہ میں بسا اوقات قانون شکنی، بغاوت اور خون ریزی کی بھی نوبت آتی ہے، اور حکمرانوں کی طرف سے اپنے ہر طرح کے حقوق حاصل ہونے کی توقّع اور آس لگائے رکھنا غلط ہے، اور اس کے بجائے اللہ سے رجوع کرنا چاہیے، کیونکہ اولاً تو اصل حاکم اللہ کی ذات ہے، وہ جس کو چاہتا ہے، حکومت عطا فرماتا ہے، دوسرے سب لوگوں کی ضروریات وحاجات پوری کرنے پر بھی وہ پوری طرح قادر ہے، اور جب بندے اللہ کو راضی کرتے ہیں، تو اللہ زمین کی حکومت بھی اچھے لوگوں کے ہاتھ میں دے دیتا ہے۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

’’مسلمانوں کا سوائے خدا کی ذات کے اور کوئی حامی اور مددگار نہیں اور ان کو اور کسی کی ضرورت بھی نہیں، میں سچ عرض کرتا ہوں کہ اگر مسلمانوں میں نظم ہو اور دین ہو (یعنی مسلمان نیک اور ایک ہوں) تو تمام دنیا کی غیر مسلم اقوام اس ضعف (کمزوری) کی حالت میں بھی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں لیکن مسلمان ویسے تو بہت کچھ گڑبڑ کرتے ہیں مگر جو اصل تدبیر ہے اور کام کی تدبیر ہے جس سے پہلوں کو کامیابی میسر ہو چکی ہے وہ نہیں کرتے وہ تدبیر یہ ہے کہ اپنے خدا کو راضی کرنے کی فکر کریں، اب تو بڑی تدابیر ان مشرکوں (کافروں) کی تعلیم (اور طریقوں) پر عمل کرنا ہے ان (کافروں) کو لوگ عاقل سمجھتے ہیں بھلا ایسا شخص کیا عاقل ہوگا جس کو انجام (وآخرت) کی خبر نہیں، اگر ایسے لوگ عاقل ہوتے تو آخرت کی فکر کرتے، پہلے ایمان لاتے، ہاں آکل (کھانے پینے والے) ہیں، روپیہ اور ملک کی فکر ہے، سو ایسے پہلے بھی بڑے بڑے گزر چکے جو خدائی تک کا دعویٰ کر گئے۔ شدّاد، نمرود، فرعون، قارون وہ کون چیز ہے جو (ان میں) نہ تھی جس کے نہ ہونے سے بدعقل اور بدفہم کہلائے بس یہی دین نہ تھا تو ان (موجودہ) لوگوں کو تو دنیا میں اتنی ثروت (عیش وآرام اور مال دولت کی فراوانی) نصیب نہیں جیسے پہلوں کو نصیب ہو چکی۔ کَمَا قَالَ تَعَالیٰ: وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَا اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ (الآیۃ)

(اور ہم نے ان لوگوں کو ان باتوں میں قدرت دی تھی کہ تم کو ان باتوں میں قدرت نہیں دی)

مگر ان کا جو انجام ہوا ’’خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ‘‘ (دنیا وآخرت کی ذلت ورُسوائی) وہ اظہر من الشّمس (سورج سے بھی زیادہ ظاہر) ہے‘‘ (ملفوظات الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ جلد نمبر ۱ ص ۳۱۵ و ۳۱۶ ملفوظ نمبر ۴۱۸)

حکومت، اللہ کی مشیّت اور اعمال کے مطابق ہوتی ہے

قرآن وسنت میں اس کی وضاحت کی گئی ہے کہ حکومت، اللہ کی مشیت اور لوگوں کے اعمال کے مطابق ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ:

قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِیَدِکَ الْخَیْرُ إِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (سورة آل عمران، رقم الآیة ۲۶)

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اے اللہ، اے تمام جہان کے مالک ،تو جسے چاہے حکومت عطا کرتا ہے، اور تو جس سے چاہے، حکومت چھین لیتا ہے، اور تو جس کو چاہے عزت دیتا ہے، اور تو جس کو چاہے ذلت دیتا ہے، تیرے قبضہ میں ہر طرح کی خیر ہے، بے شک تو ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے (سورہ آل عمران)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی سند سے مروی ہے کہ:

قَالَ: رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ خَیْرًا اِسْتَعْمَلَ عَلَیْهِمُ الْحُلَمَاءَ وَجَعَلَ أَمْوَالَهُمْ فِیْ أَیْدِیْ السُّمَحَاءَ . وَإِذَا أَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ بَلَاءً اِسْتَعْمَلَ عَلَیْهِمُ السُّفَهَاءَ وَجَعَلَ أَمْوَالَهُمْ فِی أَیْدِی الْبُخَلَاءَ . أَلَا مَنْ وَلِیَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِیْ شَیْئًا فَرَفَقَ بِهِمْ فِیْ حَوَائِجِهِمْ رَفَقَ اللّٰهُ بِهٖ یَوْمَ حَاجَتِهٖ وَمَنِ احْتَجَبَ عَنْهُمْ دُوْنَ حَوَائِجِهِمْ اِحْتَجَبَ اللّٰهُ عَنْهُ دُوْنَ خَلَّتِهٖ وَحَاجَتِهٖ (الخراج لابی یوسف یعقوب بن إبراهیم، رقم الحدیث ۱۶)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ کسی قوم کے ساتھ خیر کا

ارادہ فرماتا ہے، تو ان پر نرم حکمران مقرر فرمادیتا ہے(جو عوام کے حقوق پورے کرتے ہیں) اوران کے مالوں کو سخی لوگوں کے قبضہ میں دے دیتا ہے(جس کی وجہ سے وہ غریبوں اورضرورت مندوں کی مدد کرتے ہیں) اور جب کسی قوم کے ساتھ آزمائش کا ارادہ فرماتا ہے، تو ان پر بیوقوف حکمران مقرر فرمادیتا ہے(جو عوام کے ساتھ ظلم وزیادتی کرتے ہیں) اوران کے مالوں کو بخیل لوگوں کے قبضہ میں دے دیتا ہے(جس کی وجہ سے وہ غریبوں اور ضرورت مندوں کی مدد نہیں کرتے) یہ بات یادرکھو کہ جو میری امت کی کسی چیز کا حکمران بنا، پھر اس نے ان کی ضروریات میں نرمی کا برتاؤ کیا، تو اللہ اس کی ضرورت کے دن اس کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرے گا، اور جو ضرورت مندوں کی ضروریات پوری کرنے سے چھپ گیا، تو اللہ اس کی ضرورت وحاجت پوری کرنے سے چھپ جائے گا (الخراج لابی یوسف)

اس سے معلوم ہوا کہ بے وقوف حکمران، بعض اوقات انسانوں کے لئے آزمائش ہوتے ہیں، اوراللہ تعالیٰ بندوں پران کی شان اوراعمال کے مطابق حکمران وامراء مقرر فرماتا ہے۔

حضرت کعب احبار سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:

إِنَّ لِكُلِّ زَمَانٍ مَلِكًا يَبْعَثُهُ اللّٰهُ عَلٰى نَحْوِ قُلُوْبِ أَهْلِهِ، فَإِذَا أَرَادَ صَلَاحَهُمْ بَعَثَ عَلَيْهِمْ مُصْلِحًا، وَإِذَا أَرَادَ هَلَكَتَهُمْ بَعَثَ فِيهِمْ مُتْرَفِيهِمْ (شعب الایمان للبیهقی) [1]

ترجمہ: ہر زمانے کا ایک بادشاہ ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ اس زمانہ کے لوگوں کے دلوں کے حال کے مطابق بھیجتے ہیں، پس جب اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ (ان کے نیک اوراہل ہونے کی وجہ سے) بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو صالح بادشاہ (وحکمران) کو بھیجتے ہیں، اور جب (بداعمالیوں کی وجہ سے) لوگوں کی ہلاکت کا

[1] رقم الحدیث ۷۰۰۴، مصنف ابن ابی شیبه رقم الحدیث ۱۶۷.

ارادہ فرماتے ہیں تو ان میں ان کے عیاش اور شہوت پرست بادشاہ (وحکمرانوں) کو بھیجتے ہیں (بیہقی، ابن ابی شیبہ)

حضرت مالک بن مغول رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

كَانَ فِىْ زَبُوْرِ دَاوٗدَ مَكْتُوْبًا اِنِّىْ اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا مَلِكُ الْمُلُوْكِ قُلُوْبُ الْمُلُوْكِ بِيَدِىْ فَاَيُّمَا قَوْمٍ كَانُوْا عَلٰى طَاعَةٍ جَعَلْتُ الْمُلُوْكَ عَلَيْهِمْ رَحْمَةً وَاَيُّمَا قَوْمٍ كَانُوْا عَلٰى مَعْصِيَةٍ جَعَلْتُ الْمُلُوْكَ عَلَيْهِمْ نِقْمَةً لَاتَشْغَلُوْا اَنْفُسَكُمْ بِسَبِّ الْمُلُوْكِ وَلَا تَتُوْبُوْا اِلَيْهِمْ، تُوْبُوْا اِلَىَّ اَعْطِفُ قُلُوْبَهُمْ عَلَيْكُمْ (مصنف ابن ابی شیبۃ) [1]

ترجمہ: حضرت داؤد کی زبور میں یہ لکھا ہوا تھا کہ بلاشبہ اللہ فرماتا ہے کہ میں اللہ ہوں، میرے علاوہ کوئی الٰہ ومعبود نہیں، میں بادشاہوں کا بادشاہ ہوں، بادشاہوں (وحکمرانوں) کے دل میرے قبضہ میں ہیں، پس جو قوم بھی میری اطاعت (ورضا) والے کام کرتی ہے تو میں بادشاہوں کو ان پر رحمت بنا دیتا ہوں، اور جو قوم گناہوں والے کام کرتی ہے تو میں بادشاہوں کو ان پر (گناہوں کے) عذاب کا ذریعہ بنا دیتا ہوں، تم اپنے آپ کو بادشاہوں (وحکمرانوں) کو برا بھلا کہنے میں مشغول نہ کرو، بلکہ ان کی طرف متوجہ بھی نہ ہو (یعنی ان کو کچھ اہمیت نہ دو) بلکہ تم میری طرف متوجہ ہو (توبہ واستغفار اور دعاء اور اپنے اعمال کی اصلاح کرو) میں بادشاہوں (وحکمرانوں) کے دل تمہارے اوپر نرم کردوں گا (مصنف ابن ابی شیبہ)

اسی طرح کا مضمون حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ سے بھی مروی ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحدیث ۳۵۳۵۹ کتاب ذکر رحمة الله، کذا فی کتاب الزهد، کلام داؤد علیه السلام.

[2] حدثنا أبي، ثنا أبو الحسن بن أبان، ثنا عبد الله بن محمد بن سفيان، حدثني إسماعيل بن إبراهيم، حدثني صالح، عن مالك بن دينار، قال :قرأت في الحكم أن الله تعالى يقول :أنا ملك الملوك، قلوب الملوك بيدي فمن أطاعني جعلتهم عليه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اور بعض مرفوع احادیث میں بھی اس طرح کا مضمون آیا ہے، جن کی سندوں پر محدثین نے کلام کیا ہے۔ ؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

رحمة ومن عصانى جعلتهم عليه نقمة فلا تشغلوا أنفسكم بسب الملوک ولكن توبوا إلى أعطفهم عليكم (حلية الأولياء لِلاصبهانى، ج٦، ص ١٧٢، تحت الترجمة: صالح بن بشير المرى)

أخبرنا محمد بن أحمد التاجر، أنبأ محمد بن موسى، ثنا محمد بن عبد الله الصفار، ثنا عبد الله بن محمد بن عبيد قال :حدثنى إسماعيل بن إبراهيم، حدثنى صالح المرى، عن مالک بن دينار قال: قرأت فى الحكمة :أن الله -عز وجل -يقول :أنا الله مالک الملوک، قلوب الملوک بيدى، فمن أطاعنى جعلتهم عليه رحمة، ومن عصانى جعلتهم عليه نقمة، فلا تشغلوا أنفسكم بسب الملوک ولكن توبوا إلى أعطفهم عليكم (الترغيب و الترهيب للاصبهانى، رقم الحديث ٢٩٧)

؎ حدثنا سليمان بن أحمد، قال :ثنا المقدام بن داود، قال :ثنا على بن معبد الرقى، قال :ثنا وهب بن راشد، قال :ثنا مالک بن دينار، عن خلاس بن عمرو، عن أبى الدرداء، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :إن الله عز وجل يقول :أنا الله لا إله إلا أنا مالک الملک ومالک الملوک قلوب الملوک بيدى وإن العباد إذا أطاعونى حولت قلوب ملوكهم عليهم بالرأفة والرحمة وإن العباد إذا عصونى حولت قلوب ملوكهم عليهم بالسخط والنقمة فساموهم سوء العذاب، إذا فلا تشغلوا أنفسكم بالدعاء على الملوک ولكن اشغلوا أنفسكم بالذكر والتفرغ إلى أكفكم ملوككم " غريب من حديث مالک مرفوعا تفرد به على بن معبد عن وهب بن راشد (حلية الأولياء لِلاصبهانى، ج٢، ص٣٨٨، تحت الترجمة: مالک بن دينار)

أخبرنا أبو يعقوب الأذرعى، ثنا أبو عمرو المقدام بن داود، ثنا على بن معبد، ثنا وهب بن راشد، عن مالک بن دينار، عن خلاس بن عمرو، عن أبى الدرداء ، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :إن إلهى تبارک وتعالى يقول :أنا الله لا إله إلا أنا ملک الملوک ومالک الملوک، قلوب الملوک فى يدى، فإن العباد أطاعونى حولت قلوب ملوكهم عليهم بالرأفة والرحمة، وإن العباد عصونى حولت قلوب ملوكهم بالسخط والنقمة فيسومونهم سوء العذاب، فلا تشغلوا أنفسكم بالدعاء على الملوک، ولكن اشغلوا أنفسكم بالذكر والتضرع أكفكم أمر ملوككم (فوائد تمام، رقم الحديث ٦٥٧)

حدثنا مقدام، ثنا على بن معبد الرقى، ثنا وهب بن راشد، ثنا مالک بن دينار، عن خلاس بن عمرو، عن أبى الدرداء ، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :إن الله يقول :

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

خلاصہ یہ کہ حکومت اللہ کی مشیت کے مطابق ہوتی ہے، اور اللہ کی مشیت بندوں کے اعمال کے مطابق ہوتی ہے، لہٰذا دوسری ہدایات وتدابیر کے ساتھ ساتھ بندوں کو اللہ کی طرف بھی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أنا الله لا إله إلا أنا، مالك الملوك وملك الملوك، قلوب الملوك فى يدى، وإن العباد إذا أطاعونى حولت قلوب ملوكهم عليهم بالرأفة والرحمة، وإن العباد إذا عصونى حولت قلوبهم عليهم بالسخطة والنقمة فساموهم سوء العذاب، فلا تشغلوا أنفسكم بالدعاء على الملوك، ولكن اشتغلوا بالذكر والتضرع إلى أكفكم ملوككم (المعجم الاوسط للطبرانى، رقم الحديث ۸۹۶۲)

قال الهيثمي: رواه الطبرانى فى الأوسط، وفيه وهب بن راشد، وهو متروك(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۹۲۷۲، باب قلوب الملوك بيد الله تعالى فلا تسبوهم)

(و التفصيل سلسلة الاحاديث الضعيفة للالبانى، تحت رقم الحديث ۲۰۲، و تحت رقم الحديث ۱۴۶۶)

حدثنا محمد بن يوسف بسيراف ، حدثنا أبو المثنى ، حدثنا محمد بن يحيى بن عثمان ، حدثنا الكرمانى بن عمرو ، حدثنا مبارك بن فضالة ، عن الحسن ، عن أبى بكر ، عن النبى صلى الله عليه وسلم قال : كما تكونوا يولى عليكم (معجم الشيوخ لابن جميع الصيداوى، رقم الحديث ۱۰۲)

أخبرنا هبة الله بن أبى غسان الفارسى، نا عبد الملك بن حسان البكارى، ثنا محمد بن إبراهيم بن عمران الجورى، أبنا أحمد بن إبراهيم بن عثمان بن المثنى أبو المثنى الباهلى أن أباه وعمه محمد بن يحيى حدثاه قالا :أنا الكرمانى بن عمرو، ثنا المبارك بن فضالة، عن الحسن ,عن أبى بكرة، عن النبى صلى الله عليه وسلم قال :كما تكونون يولى أو يؤمر عليكم (مسند الشهاب للقضاعى، رقم الحديث ۵۷۷)

أخبرنا أبو عبد الله الحافظ، فى التاريخ، حدثنى عبد الحميد بن عبد الرحمن القاضى، حدثنى أبى، نا محمد بن عمرو القهندرى، نا يحيى بن هاشم، نا يونس بن أبى إسحاق، عن أبيه، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :كما تكونوا كذلك يؤمر عليكم "هذا منقطع وراويه يحيى بن هاشم وهو ضعيف (شعب الايمان للبيهقى، رقم الحديث ۷۰۰۶)

كما تكونوا يولى عليكم -أو يؤمر عليكم .قال فى الأصل رواه الحاكم ومن طريقه الديلمى عن أبى بكرة مرفوعا ، وأخرجه البيهقى بلفظ يؤمر عليكم بدون شك وبحذف أبى بكرة فهو منقطع ، وأخرجه ابن جميع فى معجمه والقضاعى عن أبى بكرة بلفظ يولى عليكم بدون شك وفى سنده مجاهيل ، ورواه الطبرانى بمعناه عن الحسن أنه سمع رجلا يدعو على الحجاج فقال للا تفعل ، إنكم من أنفسكم أتيتم ، إنا نخاف إن عزل الحجاج أو مات أن يتولى عليكم القردة والخنازير ، فقد

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

متوجہ ہونا چاہئے، اور اپنے اعمال کی اصلاح بھی کرنی چاہئے۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

روى أن أعـمـالـكـم عمالكم ، وكما تكونوا يولى عليكم وفى فتاوى ابن حجر وقال النجم روى ابن أبى شيبة عـن مـنـصـور بن أبى الأسود قال سألت الأعمش عن قوله تعالى *(وكـذلك نولى بعض الـظـالـميـن بـعضا)ما سمعتهم يقولون فيه ؟ قال سمعتهم إذا فسد الناس أمر عليهم شرارهم ، وروى البيهـقـى عـن كـعـب قال إن لكل زمان ملكا يبعثه الله على نحو قلوب أهله ، فإذا أراد صلاحهم بعث عـليهـم مـصـلحا ، وإذا أراد هلاكهم بعث عليهم مترفيهم . ولـه عـن الـحسن أن بنى إسرائيل سألوا مـوسى عليه الصلاة والسلام ، قالوا سل لنا ربک يبين لنا علم رضاه عنا وعلم سخطه ، فسأله ، فقال أنبـئهـم أن رضـائى عنهم أن استعمل عليهم خيارهم ، وإن سخطى عليهم أن استعمل عليهم شرارهم وفـى فتاوى ابن حجر المكى رواه ابن جميع فى معجمه . وذكر ابن الأنبارى أن الرواية كما تكونوا بـحـذف النون وكما ناصبة حملا على أن. وذكـر الـسيـوطى فى فتاواه الحديثية أنه رواه البيهقى فى شعبه وغيره وإن حذف النون على لغة من يحذفها بلا ناصب ولا جازم . وكما فى حديث لا تدخلوا الـجنة حتى تؤمنوا أو أن حذفها على رأى الكوفيين الذين ينصبون بكما . أو على أنه من تغيير الرواة لكن هذا بعيد جدا ، انتهى . وأنشد بعضهم فى المقام :بذنوبنا دامت بليتنا *والله يكشفها إذا تبنا وفـى الـمأثور من الدعوات اللهم لا تسلط علينا بذنوبنا من لا يرحمنا(كشف الخفاء ومزيل الألباس للعجلونى، ج ٢، ص ١٢٦)

۱ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

تدابیر کی تاثیر موقوف ہے مشیت پر، اور مشیت مسلمان کے لئے موقوف ہے رضا پر، اس لئے کہتا ہوں کہ بدون حق جل علیٰ شانہٗ کو راضی کیے ہوئے اور مشروع تدابیر (شرعی طریقوں) کو اختیار کیے ہوئے مسلمانوں کو فلاح اور بہبود میسر ہونا محال (ناممکن) ہے اس کا صرف ایک ہی علاج ہے جو میں تم کو بتلا چکا ہوں کہ اللہ اور رسول کو راضی کرنے کی فکر اور مشروع تدابیر (شرعی طریقوں) کو اختیار کرو، اپنے دوست دشمن کو پہچانو، سلیقے اور طریقے سے کام کرو اور جو کام بھی کرو متحد ہو کر کرو، ہر مسلمان دوسرے مسلمان سے اپنے کو چھوٹا سمجھے اور یہ چھوٹا سمجھنا ہی صورت اتفاق کی ہے اور آج کل کی یہ ساری خرابیاں بڑے بننے کی ہیں اور یہ سب ضروری تفصیل ہے تدابیر مشروعہ (شرعی طریقوں) کی ان کو اختیار کرو پھر ان شاء اللہ تعالیٰ فتح اور نصرت تمہاری لونڈی غلام (کی طرح ماتحت) بن کر تمہارے ساتھ ہوگی کیا تم نے اپنے سلف (بڑوں) کے کارنامے نہیں سنے کہ مادیات کا ان کے پاس نام ونشان نہ تھا ہر طرح کی بے سروسامانی تھی مگر بڑے بڑے قیصر وکسریٰ اور بڑی بڑی جماعتیں منظم غیر مسلم اقوام کی ان سے لرزاں اور ترساں (خائف) تھیں آخر کیا چیز ان کے پاس تھی؟ وہ صرف ایک ہی چیز تھی جس کا نام تعلق مع اللہ ہے اُن کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ صحیح تعلق تھا بس سب اس کی برکت تھی ہمارے اندر اسی کی کمی ہے اس لئے ذلیل اور خوار ہیں حق تعالیٰ فہمِ سلیم عطا فرمائیں کہ صحیح طریق پر چلیں اور دارین کی فلاح پر فائز ہوں (ملفوظات الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ جلد نمبر ۵ ص ۱۱۴، ملفوظ نمبر ۱۱٦)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حکمرانوں کے دروازوں پر جانے کا نقصان

یہ بات تفصیل کے ساتھ احادیث میں بار بار گزر چکی ہے کہ ظالم وگناہگار حکمرانوں کی جائز کاموں میں اطاعت کرنی چاہئے، اوران کے خلاف مسلح بغاوت اورخروج سے پرہیز کرنا چاہئے، جوکہ آپس کے اختلاف اورخون ریزی کا ذریعہ ہے،اور حکمرانوں کی طرف سے ظلم اور حقوق کے سلب ہونے پر صبر اور اللہ سے دعاءاوراپنی اصلاح کا اہتمام کرنا چاہئے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

جواصلی تدبیر ہےاس کی طرف اس وقت تک بھی کسی کوخیال نہیں وہ یہ ہے کہ اپنے اعمال کی اصلاح میں لگ جائیں اگرایساکریں توچندروز میں ان شاء اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے دشمن خائف ہوجائیں اورمخترع (منگھڑت) طریقوں کے متعلق فرمایا کہ ایسے وقت میں شریعت میں دوہی صورتیں ہیں،قوت کے وقت مقابلہ،اورعجز کے وقت صبر،خدامعلوم یہ تیسری صورت بخوشی گرفتارہوجانے کی کہاں سے نکالی ہے؟(ملفوظات الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ جلدنمبر۱ص۳۲،ملفوظ نمبر۸)

خیرالقرون میں دوہی صورتیں تھیں کہ قوت کے وقت مقابلہ اورعدمِ قوت (قوت نہ ہونے) کے وقت صبر،اس کے سِوا سب من گھڑت تدابیرہیں اس لیے ان میں خیروبرکت نہیں ہوسکتی اورجب خیروبرکت نہ ہواور مسلمان ظاہراً کامیاب بھی ہوجائیں تواس کامیابی پرکیاخوشی جواللہ اوررسول کی مرضی کے خلاف تدابیراختیارکرکے کامیابی حاصل کی جائے اورحسی (ظاہری) کامیابی کاہوجاناتوکوئی کمال کی بات نہیں اس لیے کہ ایسی کامیابی کافروں کوبھی ہوجاتی ہے اورمسلمانوں کی اصل کامیابی تووہ ہے کہ چاہے غلامی ہومگرخداراضی ہواوراگرحکومت ہوئی اوراُن کی مرضی کے خلاف ہوئی وہ راضی نہ ہوئے توفرعون کی حکومت اورتمہاری حکومت میں کیافرق ہوا۔بس ان کے راضی کرنے کی فکرکرو،ان سے صحیح معنیٰ میں تعلق کوجوڑو،احکام اوراحکامِ اسلام کی پابندی کرو،ان بتوں (یعنی اللہ ورسول کے خلاف طریقوں) کااتباع توبہت دن کرکے دیکھ لیااب خداکے سامنے سررکھ کراوراس سے اپنی حاجت اورضروریات کومانگ کربھی دیکھ لوکہ کیاہوتاہے؟(ملفوظات الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ جلدنمبر۵ص۱۹۵و۱۹۶)

آج کل لوگ دن رات ترقی ترقی پکارتے ہیں مگرترقی کا جوصحیح راستہ ہےاس سے دورہوتے جاتے ہیں ان نام نہادلیڈروں کے قلوب (دلوں) میں یہ خیال روزبروزراسخ ہوتا جارہاہے کہ مسلمانوں کی ترقی بھی انہیں اصول وضوابط سے ہوسکتی ہے،جن سے دوسری اقوام اس زمانہ میں ترقی کررہی ہیں،حالانکہ یہ قیاس قیاس مع الفارق (غلط قیاس) ہے، کیونکہ مسلمانوں کی حقیقی ترقی تووہ ہے جس میں اعلائے کلمۃ اللہ ہو، دین کابول

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پرملاحظہ فرمائیں﴾

لہٰذا ظالم حکمرانوں کے خلاف مسلح خروج یا اپنے حقوق کے مطالبہ کے لئے حکمرانوں کے دروازے (اور آج کل کی زبان میں صدر، وزیر اعظم یا پارلیمنٹ ہاؤس) پر جانا یا ان کا گھیراؤ کرنا بھی اسلام کی نظر میں پسندیدہ نہیں، اور بے صبری اور اللہ پر توکل کی کمزوری وغیرہ کی نشانی ہے، اور اس کی وجہ سے قانون شکنی اور نافرمانی کا جذبہ بھی ترقی پکڑتا ہے۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

بالا ہو، اسلام کا عروج ہو، اور ظاہر ہے کہ یہ ترقی اسلامی اصول وضوابط ہی کی پابندی سے ہوسکتی ہے، ان کو چھوڑ کر دوسری اقوام کی پیروی سے مسلمانوں کی ترقی ناممکن ہے، غیر قوموں پر قیاس کرنا بالکل صحیح نہیں، کیونکہ ان کے نزدیک تو دنیاوی دولت ہی کا نام ترقی ہے.................لیڈر مسلمانوں کی ترقی کو دیگر قوم کی ترقی پر قیاس کررہے ہیں، لیکن اگر مسلمان نے غیر مسلم کا طریقہ اختیار کیا تو اور گڑھے میں گرے گا، اور رہی سہی بھی کھو بیٹھے گا، ہاں غیر مسلم اس طریقہ سے ترقی اختیار کرسکے گا...........یقین کیجئے مسلمانوں کی ترقی اور فلاح رضائے الٰہی کے ساتھ وابستہ ہے، بغیر رضائے الٰہی ہر قسم کی ترقی تنزل ہے، اور رضائے الٰہی کا حصول اسلام ہی کی پابندی پر موقوف ہے، ہر شخص کو چاہئے کہ حتی الامکان احکامِ شرعیہ کی ظاہراً وباطناً پابندی کرے، خدائے عزوجل کے سامنے گریہ وزاری کرے، گڑگڑائے، اس طرزِ عمل سے ان شاء اللہ تعالیٰ بہت جلدی مسلمانوں کی حالت روبہ اصلاح ہونے لگے گی، اور پھر ترقی مطلوب تک پہنچنا دشوار نہ رہے گا (اسعد الابرار، ملفوظاتِ حکیم الامت جلد نمبر ۲۵ ص ۱۸۶، ۱۸۷، ملفوظ نمبر ۹۸ ملخصاً)

اب تو لوگوں کا یہ عقیدہ ہی نہیں رہا کہ ایمان، اخلاص اور اعمالِ صالحہ کو نصرت، فلاح اور ترقی میں دخل ہے۔ آج کل تو خدا اور سول کو چھوڑ کر یہ دیکھا جاتا ہے کہ دوسری قومیں کس طرح ترقی کررہی ہیں۔ حالانکہ اپنی ترقی کو کفار کی ترقی پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق (غلط قیاس) ہے اس کو ایک مثال میں سمجھئے، ایک بھنگی عطر فروشوں کے بازار میں بے ہوش ہوکر گر پڑا، وہ لوگ اپنی عادت کے موافق اس کو عطر سونگھانے لگے لیکن وہ ہوش میں نہیں آیا۔ اتفاقاً ایک دوسرے بھنگی کا ادھر گزر ہوا، اس نے کتے کا پاخانہ سونگھایا اور وہ فوراً ہوش میں آ گیا۔ اب اگر کوئی شخص اس بھنگی کے ہوش میں آنے کی تدبیر کو علی الاطلاق (عمومی انداز میں) مفید سمجھ لے اور عطر سونگھانے کے طریقہ کو غیر مفید سمجھ کر چھوڑ دے۔ پھر اسی بھنگی کے نسخہ کو کسی نفیس مزاج لطیف طبع انسان پر استعمال کرے تو نتیجہ یقیناً ناکامی کی شکل میں ظاہر ہوگا وہ ہوش میں تو کیا آئے گا اور اس کی بے ہوشی وامراضِ دماغی میں اضافہ ہوگا۔ یہ تو عمدہ اور بیش بہا لخلخوں (دماغ کو تقویت دینے والے خوشبودار چیزوں کے مجموعہ) ہی کے سونگھانے سے ہوش میں آئے گا۔ بس ایسے ہی مسلمان کفار کے طریقوں سے راہِ ترقی پر گامزن نہ ہوسکیں گے۔ مسلمانوں کی ترقی اور فلاح کا راز اعمالِ صالحہ اور احکامِ شرعیہ پر عمل کرنے میں مضمر (پوشیدہ) ہے۔ لہٰذا اس پر مداومت کیجئے اور رحمتِ خداوندی سے ثمرات ونتائج کے امیدوار رہئے (اسعد الابرار ملفوظاتِ حکیم الامت جلد نمبر ۲۵ ص ۲۰۶ و ۲۰۷، ملفوظ نمبر ۱۲۲)

اسی لئے احادیث میں حکمرانوں کے دروازوں پر جانے والوں کو فتنہ میں مبتلا ہونے والاقرار دیا گیا ہے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ سَكَنَ الْبَادِيَةَ جَفَا، وَمَنْ اتَّبَعَ الصَّيْدَ غَفَلَ، وَمَنْ أَتَى أَبْوَابَ السُّلْطَانِ افْتُتِنَ (ترمذی) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے جنگل میں سکونت اختیار کی وہ سخت خو (اور بد خلق) ہوگیا اور جس نے شکار کا پیچھا کیا وہ غافل ہوگیا اور جو بادشاہ (وحکمرانوں) کے دروازے پر گیا وہ فتنوں میں مبتلا ہوگیا (ترمذی، مسند احمد)

اس طرح کی حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ۲۲۵۶، مسند احمد، رقم الحديث ۳۳۶۲.

قال الترمذی: وفی الباب عن أبی هريرة هذا حديث حسن غريب من حديث ابن عباس، لا نعرفه إلا من حديث الثوری.

[2] عن أبی هريرة، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :من بدا جفا ، ومن اتبع الصيد غفل ، ومن أتى أبواب السلطان افتتن، وما ازداد عبد من السلطان قربا، إلا ازداد من الله بعدا (مسند احمد، رقم الحديث ۸۸۳۶)

قال الالبانی: قلت :وهذا سند حسن فإن بقية رجال الإسناد ثقات كلهم، وإسماعيل احتج به الشيخان، وقال الحافظ " :صدوق يخطىء قليلا ."وخالفه شريک فقال :عن الحسن ابن الحكم عن عدی بن ثابت عن البراء قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ":من بدا جفا ."أخرجه أحمد. قلت :وشريک سیء الحفظ لا يحتج به إذا تفرد فكيف إذا خالف؟ (سلسلة الأحاديث الصحيحة،رقم الحديث ۱۲۷۲)

عن قيس بن أبی حازم، عن رجل، من بنی سليم، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إياكم وأبواب السلطان ؛ فإنه قد أصبح صعبا "زاد بعضهم عن الحضرمی ": صعبا هبوطا (معرفة الصحابة لابی نعيم،رقم الحديث ۵۰۷۲)

قال الهيثمی:وعن رجل من بنی سلمی قال :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم " :-إياكم وأبواب السلاطين فإنه أصبح صعبا ."رواه الطبرانی ورجاله رجال الصحيح(مجمع الزوائد،باب فی أبواب السلطان والتقرب منها)

وقال الالبانی:إياكم وأبواب السلطان، فإنه قد أصبح صعبا هبوطا ." رواه الديلمی من طريق

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

Idara Ghufran

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

اِتَّقُوْا أَبْوَابَ السُّلْطَانِ (شعب الایمان للبیھقی، رقم الحدیث ۸۹۶۲)

ترجمہ: تم بادشاہ (وحکمران) کے دروازوں پر (جانے سے) بچو (بیہقی)

اور حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے ان کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

إِنَّ عَلٰى أَبْوَابِ السُّلْطَانِ فِتَنًا كَمَبَارِكِ الْإِبِلِ، وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ، لَا تُصِيْبُوْنَ مِنْ دُنْيَاهُمْ إِلَّا أَصَابُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ مِثْلَهٗ (جامع معمر بن راشد) [1]

ترجمہ: بادشاہ (وحکمران) کے دروازوں پر اونٹوں کے باڑوں کی طرح فتنے ہوتے ہیں، اور قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ تم بادشاہوں (وحکمرانوں) سے جتنی دنیا حاصل کروگے، وہ اسی جتنا تمہارا دین حاصل کرلیں گے (عبدالرزاق)

اس طرح کی روایت حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد، حضرت علقمہ رحمہ اللہ سے بھی مروی ہے۔ [2]

بادشاہ وحکمرانوں کے دروازوں پر پہنچنے والا بہت سے فتنوں میں مبتلا ہوجاتا ہے، اولاً تو

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الطبرانی، وابن منده فی "المعرفة" وابن عساكر عن عبيد بن يعيش حدثنا محمد بن فضيل عن إسماعيل عن قيس عن أبی الأعور السلمی مرفوعا بهشم رواه ابن منده من طريق يحيى بن زكريا عن إسماعيل به .قلت :وهذا إسناد صحيح رجاله كلهم ثقات وأبو الأعور اسمه عمرو بن سفيان وهو مختلف فيه كما قال ابن عساكر لكن أثبتت صحبته جمع منهم الإمام مسلم. (هبوطا) أی ذلا .فی " النهاية " :"فيه " :اللهم غبطا لا هبطا "، أی نسألک الغبطة ونعوذ بک من الذل والانحطاط والنزول .يقال :هبط هبوطاوأهبط غيره (سلسلة الأحاديث الصحيحة،رقم الحديث ۱۱۵۳)

[1] مشمولة مصنف عبدالرزاق، رقم الحديث ۲۰۶۴۴، باب ابواب السلطان،شعب الايمان للبيهقی، رقم الحديث ۸۹۶۴.

[2] عن أبی حنيفة، عن حماد، عن إبراهيم، عن علقمة بن قيس، أنه قال :على أبواب السلطان مثل مبارک الإبل من الفتن، من تعرض لها تعرضت له لن تصيبوا من دنياهم شيئا إلا أصابوا من دينكم أفضل منه (الآثار لابی يوسف، رقم الحديث ۹۴۶)

حکومتی طاقت سے ٹکرانے کے نتیجہ میں فی الحال یا آئندہ حکمرانوں کی زد میں آجاتا ہے، اور دوسرے اگر وہ دنیا کی غرض سے جائے، تو اپنے آپ کو ذلیل کرتا ہے، اور بادشاہ وحکمرانوں کے ڈر کی وجہ سے حق بات بھی نہیں کہہ پاتا، اور مداہنت اور چاپلوسی وغیرہ جیسے گناہوں میں الگ مبتلا ہوجاتا ہے۔ ۱

اسی وجہ سے حکمرانوں کے پاس کسی ضرورت سے حاضر ہونے والے کو یا تو حق بات کہنے کا حکم ہے، یا پھر خاموش رہنے کا حکم ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

البتہ اگر حکمرانوں کی طرف سے بغیر سوال کئے ہوئے اور بغیر لالچ کے کوئی ہدیہ اور تعاون ومدد حاصل ہو، تو اس کو حاصل کرنے کی اجازت ہے۔

چنانچہ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ إِعْطَاءِ السُّلْطَانِ، قَالَ : مَا آتَاكَ اللّٰهُ مِنْهُ مِنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ وَلَا إِشْرَافٍ، فَخُذْهُ وَتَمَوَّلْهُ" قَالَ : وَقَالَ الْحَسَنُ، رَحِمَهُ اللّٰهُ : لَا بَأْسَ بِهَا مَا لَمْ تَرْحَلْ إِلَيْهَا، أَوْ تَشَرَّفْ لَهَا (مسند احمد، رقم الحديث ۲۱۶۹۹) ۲

---

۱ (إياكم وأبواب السلطان) أى اجتنبوها ولا تقربوا بابا منها (فإنه) يعنى باب السلطان الذى هو واحد الأبواب (قدأصبح صعبا) أى شديدا (هبوطا) أى منزلا لدرجة من لازمه مذلا له فى الدنيا والآخرة ثم إن لفظ هبوطا بالهاء وهو ما وقفت عليه فى نسخ هذا الجامع والذى وقفت عليه فى نسخ البيهقى والطبرانى حبوطا بحاء مهملة أى يحبط العمل والمنزلة عند الله تعالى .قال الديلمى: وروى خبوطا بخاء معجمة والخبط أصله الضرب والخبوط البعير الذى يضرب بيده على الأرض اه وإنما كان كذلك لأن من لازمها لم يسلم من النفاق ولم يصب من دنياهم شيئا إلا أصابوا من دينه أغلا منه وهذه فتنة عظيمة للعلماء وذريعة صعبة للشيطان عليهم سيما من له لهجة مقبولة وكلام عذب وتفاصح وتشدق إذ لا يزال الشيطان يلقى إليه أن فى دخولك لهم ووعظهم ما يزجرهم عن الظلم ويقيم الشرع ثم إذا دخل لم يلبث أن يداهن ويطرى وينافق فيهلك ويهلك.

(طب عن رجل من بنى سليم) يعنى به الأعور السلمى .قال الهيثمى :رجاله رجال الصحيح ورواه أيضا باللفظ المزبور عن أبى الأعور المذكور أبو نعيم والديلمى والبيهقى فى الشعب(فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ۲۸۹۸)

۲ فى حاشية مسند احمد:صحيح لغيره.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ بادشاہ کے عطیہ (وہدیہ) کا کیا حکم ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بغیر مانگے اور بغیر خواہش کے اللہ نے جو تمہیں اس کی طرف سے عطاء کیا، اس کو آپ لے لیں، اور محفوظ رکھ لیں۔ حضرت حسن رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بادشاہ کے عطیہ (وتعاون) میں کوئی حرج نہیں، جبکہ وہ اس کو لینے کے لئے خود نہ جائے، اور اس کی خواہش نہ رکھے (بلکہ بغیر طلب اور خواہش کے بحکمِ الٰہی اسے جائے بغیر حاصل ہو جائے) (مسند احمد)

خلاصہ

گزشتہ بحث میں یہ بات تفصیل کے ساتھ ذکر کی جا چکی ہے کہ ظالم اور گنہگار حکمران کی جائز کاموں میں اطاعت اور حکومتی قوانین کی پابندی ضروری ہے، اور اس کے خلاف خروج جائز نہیں، البتہ بشرطِ قدرت زبان یا دل سے منکر اور گناہ پر نکیر و تنبیہ ضروری ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آج کل جو بعض حضرات حکومت کے غیر شرعی کاموں کے خلاف اپنے ہاتھ کی طاقت کے استعمال کو اہلِ علم یا عوام کے لئے ضروری سمجھتے ہیں، اور جو اس طرزِ عمل میں شریک نہ ہو اس کو گناہ گار خیال کرتے ہیں، یہ درست نہیں۔ [1]

اور خروج جائز نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایسے وقت میں صبر وہمت اور اللہ کی طرف رجوع

---

[1] حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ:
امر بالمعروف مستلزمِ خروج نہیں (یعنی اَمر بالمعروف سے حکمران کے خلاف خروج لازم نہیں آتا) پس اس میں بھی دلالت نہیں۔ اگر کہا جاوے کہ تغییر بالید کا مدلول بجز قتال کے کیا ہو سکتا ہے؟
جواب یہ ہے کہ اوّل تو وہ مشروط ہے قدرت کے ساتھ اور قدرت سے مطلقِ قدرت (یعنی عام طاقت وقوت) مراد نہیں ورنہ عدمِ استطاعت تغییر بالید (یعنی ہاتھ سے منکر کو بدلنے کی قدرت نہ ہونے) کا کبھی تحقق ہی نہ ہوگا، کیونکہ مطلقِ قدرت تو ہر شخص کو حاصل ہے، خواہ اس کا انجام کچھ ہی ہو، بلکہ مراد وہ قدرت ہے جس کے استعمال پر کوئی فتنہ ناقابلِ برداشت مرتب نہ ہو، اور ظاہر ہے کہ (عام حالات میں) رعیت کو ایسی قدرت بادشاہ پر نہیں ہے، تو اگر تغییر بالید مرادف قتال کا بھی ہو تو عدمِ استطاعت کے سبب وہ مامور بہ نہیں اور دوسرے نصوص سے وہ ماذون فیہ بھی نہیں۔ ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

سے کام لینا چاہئے، اور ساتھ ہی اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔
جس کی ظاہری وجہ یہ ہے کہ حکومت کے پاس عام شخص سے زیادہ طاقت ہوتی ہے، اور خروج سے خون ریزی وغیرہ لازم آتی ہے، اور نافرمانی اور قانون شکنی کا جذبہ بھی ترقی پکڑتا ہے، جو کئی فتنوں کا باعث ہے۔
ذرائع ابلاغ اور میڈیا پر بھی یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ظالم وگناہ گار حکمرانوں کی حکومت قائم ہونے کے وقت عوام میں صبر وہمت اور استقامت پیدا کرنے کی کوشش کریں، عوام میں بے صبری اور جوش وجذبہ اور غم وغصہ پیدا کرنے سے پرہیز کریں، اور ایسی خبریں اور پروگرام نشر نہ کریں، جن سے حکومت کے خلاف بغاوت اور قانون شکنی پھیلے۔ [1]
البتہ اگر عوام کو حکومت کے انتخاب کا خود حکمرانوں کی طرف سے قانونی طریقہ پر موقع دیا جائے، تو پھر اپنی ذمہ داری میں کوتاہی نہیں کرنی چاہئے، جیسا کہ ووٹ کے بیان میں آتا ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾
ثانیاً مرادفت ہی مسلَّم نہیں، تغییر بالید کا تحقق اس طرح بھی ہوسکتا ہے کہ بادشاہ کے سامنے مثلاً کوئی تصویر ذی روح (جاندار) کی رکھی ہے، اس شخص نے اس کو توڑ پھوڑ دیا، یا شراب کا شیشہ رکھا ہے، اس نے اس کو گرا دیا، تو اگر کسی کو اس کی ہمت ہو اس کو اجازت ہے؛ بہرحال اس سے خروج کا اِذن لازم نہیں آتا (امداد الفتاویٰ، جلد پنجم صفحہ ۱۱۵، رسالہ "جزل الکلام فی عزل الامام")

[1] حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:
اخبار نویسوں نے بھی بہت زیادہ لوگوں کو پریشان کردیا ہے، ایسے ایسے مضامین لکھتے ہیں جس سے خوامخواہ دیکھنے والے کو جوش آئے کیونکہ ان لوگوں کو تجارت مقصود ہے، ایسے مضامین سے ان کے اخبار کی اشاعت خوب ہوجاتی ہے یہ لوگ اہلِ دنیا ہیں، دین کا طریقہ تو رضا برقضا ہے۔

دلآرامے کہ داری دل در و بند   دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

وہ (یعنی دین والے) کتاب وسنت کو دیکھتے ہیں ان کو تو کوئی تجارت مقصود نہیں جو خواہ مخواہ جوش وخروش ظاہر کریں یہ سب باتیں صبر ومتانت کے خلاف ہیں۔ اور شریعت میں ایک تاکید یہ کی گئی ہے کہ مصیبت میں یاس (مایوسی) نہ ہو، حق تعالیٰ سے امیدوار رہنا چاہیے، کیونکہ اسباب سے فوق (یعنی اسباب وتدابیر سے اوپر) بھی تو کوئی چیز ہے۔
تو یاس (مایوسی) کی بات تو وہ کہے جس کا دین تقدیر پر نہ ہو محض تدبیر پر ہو، یہ سب آداب ہیں ضراء یعنی مصیبت کے (وعظ حقوق السرّآء والضرّآء، ص ۳۹ و ۴۰، ملخصاً؛ مطبوعہ، جامعہ دار العلوم الاسلامیہ)

(فصل نمبر۵)

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے خروج اور شہادت کی حیثیت

جب ظالم اور گنہگار حکمرانوں کے خلاف خروج کے مسئلے کا ذکر آتا ہے تو بہت سے عوام اور اہلِ علم حضرات کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے یزید کے خلاف خروج اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے مسئلہ کو سمجھنا دشوار ہو جاتا ہے، اور پھر اس سلسلہ میں وہ افراط وتفریط میں مبتلا ہو کر راہِ اعتدال سے نکل جاتے ہیں، چنانچہ بعض تو اس واقعہ سے مطلق ظالم اور گنہگار حکمرانوں کے خلاف خروج بلکہ مسلح اقدام کو بھی جائز بلکہ ضروری سمجھنے لگتے ہیں، اور اس طرح بے شمار احادیث کا انکار کر بیٹھتے ہیں، جبکہ بعض لوگ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے خروج کو صحیح احادیث کے خلاف سمجھ کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو نعوذ باللہ باغی اور آپ کی شہادت سے بھی انکار کر بیٹھتے ہیں، اور اس طرح نواسۂ رسول کے خلاف زبان درازی کر کے اپنی آخرت کو خراب کرتے ہیں، لہٰذا اس موقع پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت اور خروج کے متعلق معتدل راستہ کی رہنمائی ضروری ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کئے جانے کی فرشتے کی طرف سے پیشگی خبر دینے کی احادیث مروی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کئے جانے کی وحی کے ذریعہ سے خبر کر دی گئی تھی، اگر ان کی شہادت میں شک ہوتا تو احادیث میں اس کا بھی ذکر کیا جاتا۔

چنانچہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ الْحُسَيْنُ جَالِسًا فِيْ حِجْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،

فَقَالَ: جِبْرِيلُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَتُحِبُّهُ؟ فَقَالَ: وَكَيْفَ لَا أُحِبُّهُ وَهُوَ ثَمَرَةُ فُؤَادِيْ؟ فَقَالَ: أَمَا إِنَّ أُمَّتَكَ سَتَقْتُلُهُ، أَلَا أُرِيْكَ مِنْ مَوْضِعِ قَبْرِهِ؟ فَقَبَضَ قَبْضَةً، فَإِذَا تُرْبَةٌ حَمْرَاءُ (كشف الاستار عن زوائد البزار، رقم الحديث ۲۶۴۰) [۱]

ترجمہ: حضرت حسین رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں بیٹھے ہوئے تھے، تو جبریل علیہ الصلاۃ والسلام نے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا کہ کیا آپ ان سے محبت کرتے ہیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ان سے کیسے محبت نہیں کروں گا، جبکہ وہ میرے دل کا ثمرہ (ٹکڑا) ہیں، تو حضرت جبریل نے کہا کہ آپ کی امت عنقریب ان کو قتل کردے گی، کیا میں آپ کو ان کی قبر کی جگہ نہ دکھلا دوں؟ پس جبریل نے ایک مُٹھی بھری، تو وہ سرخ مٹی تھی (بزار)

اور حضرت عائشہ یا حضرت اِم سلمہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِإِحْدَاهُمَا: لَقَدْ دَخَلَ عَلَيَّ الْبَيْتَ مَلَكٌ لَمْ يَدْخُلْ عَلَيَّ قَبْلَهَا، فَقَالَ لِيْ: إِنَّ ابْنَكَ هٰذَا حُسَيْنٌ مَقْتُوْلٌ، وَإِنْ شِئْتَ أَرَيْتُكَ مِنْ تُرْبَةِ الْأَرْضِ الَّتِيْ يُقْتَلُ بِهَا، قَالَ: فَأَخْرَجَ تُرْبَةً حَمْرَاءَ (مسند أحمد، رقم الحديث ۲۶۵۲۴) [۲]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں (یعنی حضرت عائشہ یا حضرت اُمّ سلمہ

---

[۱] قال الهيثمي: رواه البزار، ورجاله ثقات، وفي بعضهم خلاف (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۱۵۱۲۹، كتاب المناقب، باب مناقب الحسين بن على عليهما السلام)

[۲] قال الهيثمي: رواه أحمد، ورجاله رجال الصحيح (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۱۵۱۱۳، كتاب المناقب، باب مناقب الحسين بن على عليهما السلام)

وفي حاشية مسند احمد: حديث حسن بطرقه وشاهده.

وقال الالباني: قلت: وهذا إسناد صحيح على شرط الشيخين (السلسلة الصحيحة، تحت رقم الحديث ۸۲۲)

رضی اللہ عنہما) میں سے کسی ایک سے فرمایا کہ میرے پاس ایک فرشتہ آیا، جو اس سے پہلے کبھی نہیں آیا تھا، تو اس نے مجھے کہا کہ آپ کا یہ بیٹا حسین قتل کیا جائے گا، اور اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو اس زمین کی مٹی دکھا سکتا ہوں، جس میں ان کو قتل کیا جائے گا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس فرشتہ نے سرخ مٹی نکالی (اور مجھے دکھائی) (مسند احمد)

اور مستدرک حاکم میں حضرت اِم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِضْطَجَعَ ذَاتَ لَيْلَةٍ لِلنَّوْمِ فَاسْتَيْقَظَ وَهُوَ حَائِرٌ، ثُمَّ اضْطَجَعَ فَرَقَدَ، ثُمَّ اسْتَيْقَظَ وَهُوَ حَائِرٌ، دُوْنَ مَا رَأَيْتُ بِهِ الْمَرَّةَ الْأُوْلٰى، ثُمَّ اضْطَجَعَ فَاسْتَيْقَظَ وَفِيْ يَدِهٖ تُرْبَةٌ حَمْرَاءُ يُقَبِّلُهَا، فَقُلْتُ: مَا هٰذِهِ التُّرْبَةُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: أَخْبَرَنِيْ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَنَّ هٰذَا يُقْتَلُ بِأَرْضِ الْعِرَاقِ، لِلْحُسَيْنِ، فَقُلْتُ لِجِبْرِيْلَ: أَرِنِيْ تُرْبَةَ الْأَرْضِ الَّتِيْ يُقْتَلُ بِهَا فَهٰذِهِ تُرْبَتُهَا

(مستدرک حاکم، رقم الحدیث ۸۲۰۲) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات سونے کے لئے لیٹے، پھر آپ گھبرا کر بیدار ہوئے، پھر لیٹے اور آپ کی آنکھ لگ گئی، پھر گھبرا کر بیدار ہوئے، اس سے مختلف حالت میں (گھبرا کر بیدار ہوئے) جو میں نے پہلی مرتبہ دیکھی تھی، پھر آپ لیٹ گئے، پھر بیدار ہوئے، اور آپ کے ہاتھ میں سرخ مٹی تھی، جس کو آپ چُوم رہے تھے، میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ مٹی کیا ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے جبریل علیہ السلام نے خبر دی کہ یہ حسین عراق کی زمین میں قتل کئے جائیں گے، میں نے جبریل سے کہا کہ مجھے اس جگہ کی

---

[1] قال الحاكم: هذا حديث صحيح على شرط الشيخين، ولم يخرجاه.
وقال الذهبي في التلخيص: مر هذا على شرط البخاري ومسلم.

مٹی دکھلایئے، جس جگہ ان کو قتل کیا جائے گا، تو یہ (حضرت جبریل کی طرف سے دی ہوئی) اسی جگہ کی مٹی ہے (مستدرک حاکم)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ نہ صرف یہ کہ وحی کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کئے جانے کی اطلاع دے دی گئی تھی، بلکہ آپ کو قتل کی جگہ بھی بتلادی گئی تھی، اور وہاں کی مٹی بھی دکھلا دی گئی تھی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

اِسْتَأْذَنَ مَلَکُ الْقَطْرِ رَبَّهُ أَنْ يَزُوْرَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَذِنَ لَهُ، فَكَانَ فِيْ يَوْمِ أُمِّ سَلَمَةَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِحْفَظِيْ عَلَيْنَا الْبَابَ، لَا يَدْخُلُ عَلَيْنَا أَحَدٌ، فَبَيْنَا هِيَ عَلَى الْبَابِ إِذْ جَاءَ الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ، فَظَفِرَ، فَاقْتَحَمَ، فَفَتَحَ الْبَابَ فَدَخَلَ، فَجَعَلَ يَتَوَثَّبُ عَلٰى ظَهْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَجَعَلَ النَّبِيُّ يَتَلَثَّمُهُ وَيُقَبِّلُهُ، فَقَالَ لَهُ الْمَلَکُ: أَتُحِبُّهُ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: أَمَا إِنَّ أُمَّتَکَ سَتَقْتُلُهُ، إِنْ شِئْتَ أَرَيْتُکَ الْمَكَانَ الَّذِيْ يُقْتَلُ فِيْهِ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَقَبَضَ قَبْضَةً مِّنَ الْمَكَانِ الَّذِيْ يُقْتَلُ فِيْهِ، فَأَرَاهُ إِيَّاهُ فَجَاءَ هُ بِسَهْلَةٍ أَوْ تُرَابٍ أَحْمَرَ، فَأَخَذَتْهُ أُمُّ سَلَمَةَ، فَجَعَلَتْهُ فِيْ ثَوْبِهَا.

قَالَ ثَابِتٌ: كُنَّا نَقُوْلُ إِنَّهَا كَرْبَلَاءَ (ابن حبان) [1]

ترجمہ: بارش کے فرشتے نے اپنے رب سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرنے

---

[1] رقم الحديث ٦٧٤٢، ذكر الإخبار عن قتل هذه الأمة ابن ابنة المصطفٰى صلى الله عليه وسلم، واللفظ لهٗ، المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ٢٨١٣، مسند ابی يعلیٰ الموصلی، رقم الحديث ٣٤٠٢، مسند البزار، رقم الحديث ٦٩٠٠.

فی حاشية ابن حبان: حديث حسن، إسناده ضعيف، عمارة بن زاذان مختلف فيه.

وقال الهيثمی: رواه أحمد، وأبو يعلى، والبزار، والطبرانی بأسانيد، وفيها عمارة بن زاذان وثقه جماعة، وفيه ضعف، وبقية رجال أبی يعلى رجال الصحيح (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ١٥١١١، كتاب المناقب، باب مناقب الحسين بن علی عليهما السلام)

کی اجازت طلب کی، تو رب تعالیٰ نے ان کو اس کی اجازت دے دی، پس حضرت اُمِّ سلمہ کی باری کے دن وہ تشریف لے آئے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُمِّ سلمہ سے فرمایا کہ آپ دروازے پر ہماری نگرانی کیجئے، کوئی ہمارے پاس نہ آئے، تو جب وہ دروازے پر تھیں، اتنے میں حضرت حسین بن علی تشریف لائے، اور وہ اندر داخل ہونے میں کامیاب ہوگئے، انہوں نے دروازہ کھولا اور اندر تشریف لے گئے، پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پر کودنے لگے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو پیار کرنے لگے، تو آپ سے (اس آنے والے) فرشتے نے کہا کہ کیا آپ ان سے محبت کرتے ہیں؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک، اس فرشتے نے کہا کہ آپ کی امت عنقریب ان کو قتل کردے گی، اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو وہ جگہ دکھلا دوں، جس میں ان کو قتل کیا جائے گا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک، تو اس فرشتے نے اس جگہ سے جس میں حضرت حسین کو قتل کیے جانا تھا ایک مٹھی بھر کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھائی، تو وہ سرخ اور نرم مٹی تھی، جس کو اُمّ سلمہ نے لے لیا، اور اپنے کپڑے میں رکھ لیا، حضرت ثابت راوی کہتے ہیں کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ کربلاء کی جگہ (اور وہیں کی مٹی) تھی (ابن حبان)

حضرت امِ سلمہ رضی اللہ عنہا کی بعض روایات کے آخر میں یہ بھی ہے کہ یہ کرب اور بلاء کی زمین ہے۔ [1]

---

[1] عن أم سلمة رضى الله عنها قالت :كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا نام لم يترك أحدا يدخل عليه؛ إلا حسنا وحسينا رضى الله عنهما قالت :فنام يوما فى بيتى ,وجلست على الباب أمنع من يدخل ,فجاء حسين يسعى فخليت عنه ,فذهب حتى سقط على بطنه ,ففزع رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو يبكى فالتزمه ,فقلت :يا رسول الله ,ما لك تبكى وقد نمت وأنت مسرور؟ فقال :إن جبريل عليه السلام أتانى بهذه التربة قالت :وبسط رسول الله صلى الله عليه وسلم كفه , فإذا فيها تربة حمراء فأخبرنى أن ابنى هذا يقتل فى هذه التربة قالت :فقلت :وما هذه الأرض؟ قال هذه كربلاء فقلت :أرض كرب وبلاء (الشريعة للآجرى، رقم الحديث ١٦٦٢، باب إخبار النبى صلى الله عليه وسلم بقتل الحسين رضى الله عنه)

اور بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا کربلا میں محاصرہ اور گھراؤ کیا گیا، تو انہوں نے معلوم کیا کہ اس جگہ کا نام کیا ہے؟ تو لوگوں نے جواب میں کہا کہ کربلا! تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا، کرب اور بلاء کی زمین ہے۔

جس سے معلوم ہوا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو بھی اس طرح کی احادیث پہنچ چکی تھیں۔ [1]

اور یہ احادیث کئی سندوں سے مروی ہیں۔

چنانچہ اس قسم کی حدیث حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی مروی ہے۔ [2]

---

[1] عن أم سلمة، قالت :كان رسول الله صلى الله عليه وسلم جالسا ذات يوم فى بيتى، فقال :لا يدخل على أحد .فانتظرت فدخل الحسين رضى الله عنه، فسمعت نشيج رسول الله صلى الله عليه وسلم يبكى، فاطلعت فإذا حسين فى حجره، والنبى صلى الله عليه وسلم يمسح جبينه وهو يبكى، فقلت :والله ما علمت حين دخل، فقال: "إن جبريل عليه السلام كان معنا فى البيت، فقال :تحبه؟ قلت :أما من الدنيا فنعم. قال :إن أمتك ستقتل هذا بأرض يقال لها كربلاء ."فتناول جبريل عليه السلام من تربتها، فأراها النبى صلى الله عليه وسلم، فلما أحيط بحسين حين قتل، قال :ما اسم هذه الأرض؟ قالوا :كربلاء .قال :صدق الله ورسوله، أرض كرب وبلاء (المعجم الكبير للطبرانى، رقم الحديث ٢٨١٩،ورقم الحديث ٦٣٧)

قال الهيثمى:رواه الطبرانى بأسانيد، ورجال أحدها ثقات(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ١٥١١٧،كتاب المناقب، باب مناقب الحسين بن على عليهما السلام)

عن المطلب بن عبد الله بن حنطب، قال :لما أحيط بالحسين بن على، قال :ما اسم هذه الأرض؟ قيل :كربلاء .فقال :صدق النبى صلى الله عليه وسلم :إنها أرض كرب وبلاء (المعجم الكبير للطبرانى، رقم الحديث ٢٨١٢،واللفظ لهٗ، معرفة الصحابة لابى نعيم، رقم الحديث ١٨٠٥،الشريعة للآجرى، رقم الحديث ١٦٦٦،الآحاد والمثانى لابنِ ابى عاصم، رقم الحديث ٤٢٤)

[2] عن أبى أمامة، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لنسائه :لا تبكوا هذا الصبى -يعنى حسينا -قال :وكان يوم أم سلمة، فنزل جبريل عليه السلام، فدخل رسول الله صلى الله عليه وسلم الداخل، وقال لأم سلمة :لا تدعى أحدا يدخل على فجاء الحسين رضى الله عنه، فلما نظر إلى النبى صلى الله عليه وسلم فى البيت أراد أن يدخل، فأخذته أم سلمة، فاحتضنته وجعلت تناغيه وتسكنه، فلما اشتد فى البكاء خلت عنه، فدخل حتى جلس فى حجر النبى صلى الله عليه وسلم، فقال جبريل صلى الله عليه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اورحضرت اُمِ فضل بنتِ حارث رضی اللہ عنہا کی سند سے بھی اسی طرح کی حدیث مروی ہے۔ [1]

نیز حضرت زینب بنتِ جحش اور یعلیٰ عامری کی سند سے بھی مروی ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ وسلم :إن أمتک ستقتل ابنک هذا، فقال النبی صلی الله علیه وسلم :یقتلونه وهم مؤمنون بی؟ قال :نعم، یقتلونه، فتناول جبریل تربة، فقال بمکان کذا وکذا، فخرج رسول الله صلی الله علیه وسلم قد احتضن حسینا کاسف البال، مهموما، فظنت أم سلمة أنه غضب من دخول الصبی علیه فقالت :یا نبی الله، جعلت لک الفداء ، إنک قلت لنا لا تبکوا هذا الصبی، وأمرتنی أن لا أدع یدخل علیک، فجاء فخلیت عنه، فلم یرد علیها، فخرج إلی أصحابه وهم جلوس، فقال لهم: إن أمتی یقتلون هذا .وفی القوم أبو بکر وعمر رضی الله عنهما، وکانا أجرأ القوم علیه، فقالا :یا نبی الله یقتلونه وهم مؤمنون؟ قال :نعم، وهذه تربته وأراهم إیاها (المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث ۲۸۰۹۶)

قال الهیثمی: رواه الطبرانی، ورجاله موثقون، وفی بعضهم ضعف(مجمع الزوائد، تحت رقم الحدیث ۱۵۱۱۲،کتاب المناقب، باب مناقب الحسین بن علی علیهما السلام)

[1] عن أبی عمار شداد بن عبد الله، عن أم الفضل بنت الحارث، أنها دخلت علی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقالت :یا رسول الله، إنی رأیت حلما منکرا اللیلة، قال :ما هو؟ قالت :إنه شدید، قال :ما هو؟ قالت :رأیت کأن قطعة من جسدک قطعت ووضعت فی حجری، فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم :رأیت خیرا، تلد فاطمة إن شاء الله غلاما، فیکون فی حجرک فولدت فاطمة الحسین فکان فی حجری کما قال رسول الله صلی الله علیه وسلم، فدخلت یوما إلی رسول الله صلی الله علیه وسلم فوضعته فی حجره، ثم حانت منی التفاتة، فإذا عینا رسول الله صلی الله علیه وسلم تهریقان من الدموع، قالت :فقلت :یا نبی الله، بأبی أنت وأمی ما لک؟ قال :أتانی جبریل علیه الصلاة والسلام، فأخبرنی أن أمتی ستقتل ابنی هذا فقلت :هذا؟ فقال :نعم، وأتانی بتربة من تربته حمراء (مستدرک حاکم، رقم الحدیث ۴۸۱۸،واللفظ لهٗ، دلائل النبوة للبیهقی، ج۶ص ۴۶۹)

قال الحاکم: هذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین، ولم یخرجاه.

وقال الذهبی فی التلخیص:بل منقطع ضعیف.

[2] عن زینب بنت جحش، أن النبی صلی الله علیه وسلم کان نائما عندها وحسین یحبو فی البیت، فغفلت عنه فحبا حتی بلغ النبی صلی الله علیه وسلم، فصعد علی بطنه، ثم وضع ذکره فی سرته، قالت :واستیقظ النبی صلی الله علیه وسلم فقمت إلیه فحططته عن بطنه، فقال النبی صلی الله علیه وسلم: دعی ابنی فلما قضی بوله أخذ کوزا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ وَعَيْنَاهُ تَفِيْضَانِ، قَالَ: قُلْتُ: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ، أَغْضَبَكَ أَحَدٌ؟ مَا شَأْنُ عَيْنَيْكَ تَفِيْضَانِ؟ قَالَ: بَلْ قَامَ مِنْ عِنْدِي جِبْرِيْلُ قَبْلُ، فَحَدَّثَنِي أَنَّ الْحُسَيْنَ يُقْتَلُ بِشَطِّ الْفُرَاتِ، قَالَ: فَقَالَ: هَلْ لَّكَ أَنْ أُشِمَّكَ مِنْ تُرْبَتِهٖ، قَالَ: قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: فَمَدَّ يَدَهٗ فَقَبَضَ قَبْضَةً مِّنْ تُرَابٍ فَأَعْطَانِيْهَا، فَلَمْ أَمْلِكْ عَيْنَيَّ أَنْ فَاضَتَا (مسند ابی یعلی، رقم الحدیث ۳۶۳) [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ من ماء فصبه عليه، ثم قال :إنه يصب من الغلام ويغسل من الجارية قالت :توضأ ثم قام يصلى، واحتضنه، فكان إذا ركع وسجد وضعه، وإذا قام حمله، فلما جلس جعل يدعو ويرفع يديه ويقول :فلما قضى الصلاة قلت :يا رسول الله لقد رأيتك تصنع اليوم شيئا ما رأيتك تصنعه، قال : إن جبريل أتانى وأخبرنى أن ابنى يقتل قلت :فأرنى إذا فأتانى تربة حمراء (المعجم الكبير للطبرانى، رقم الحديث ۱۴۱)

أخبرنا الحسن بن سفيان حدثنا أبو بكر بن أبى شيبة حدثنا عفان أنبأنا وهب بن خالد عن عبد الله بن عثمان بن خثيم عن سعيد بن أبى راشد عن يعلى العامرى أنه خرج مع رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى طعام دعوا إليه فإذا حسين مع الصبيان يلعب فاستقل أمام القوم ثم بسط يده فطفق الصبى يفر هاهنا مرة وهاهنا مرة وجعل رسول الله صلى الله عليه وسلم إحدى يديه تحت ذقنه والأخرى تحت قفاه ثم قنع رأسه فوضع فاه على فيه فقبله وقال حسين منى وأنا من حسين أحب الله من أحب حسينا حسين سبط من الأسباط أخبرنا الحسن بن سفيان حدثنا شيبان بن فروخ حدثنا عمارة بن زاذان حدثنا ثابت عن أنس بن مالك قال استأذن ملك القطر ربه أن يزور النبى صلى الله عليه وسلم فأذن له فكان فى يوم أم سلمة فقال النبى صلى الله عليه وسلم احفظى علينا الباب لا يدخل علينا أحد فبينا هى على الباب إذ دخل الحسين بن على فطفر فاقتحم ففتح الباب فدخل فجعل يتوثب على ظهر النبى صلى الله عليه وسلم وجعل النبى صلى الله عليه وسلم يتلثمه ويقبله فقال له الملك تحبه قال نعم قال أما إن أمتك ستقتله إن شئت أريتك المكان الذى يقتل فيه قال نعم فقبض قبضة من المكان الذى يقتل فيه فأراه إياه فجاء سهلة أو تراب أحمر فأخذته أم سلمة فجعلته فى ثوبها قال ثابت كنا نقول إنها كربلاء (موارد الظمأن، ج ۱ ص ۵۵۴)

[1] قال حسين سليم أسد: إسناده حسن (حاشية مسند ابى يعلىٰ)

وقال الهيثمى: رواه أحمد، وأبو يعلى، والبزار، والطبرانى، ورجاله ثقات، ولم ينفرد نجى بهذا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: ایک دن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس حالت میں حاضر ہوا کہ آپ کے آنسو بہہ رہے تھے، میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی کیا آپ کو کسی نے غصہ دلایا ہے؟ آپ کی آنکھوں سے آنسو کیوں جاری ہیں؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابھی جبریل میرے پاس آئے تھے، انہوں نے مجھے بتلایا کہ حضرت حسین کو فرات (نہر) کے کنارے قتل کیا جائے گا، جبریل نے کہا کہ کیا آپ کو اس جگہ کی مٹی کی خوشبو دکھاؤں؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جی ہاں! پھر جبریل نے اپنا ہاتھ پھیلایا اور ایک مٹھی بھر مٹی لی، اور مجھے دی، تو میری آنکھوں سے آنسو بے اختیار بہہ پڑے (ابویعلیٰ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

لَيُقْتَلَنَّ الْحُسَيْنُ ظُلْمًا، وَإِنِّيْ لَاَعْرِفُ تُرْبَةَ الْأَرْضِ الَّتِيْ يُقْتَلُ فِيْهَا، قَرِيْبًا مِّنَ النَّهْرَيْنِ (مسند ابی شیبہ، رقم الحدیث ۳۱۳۳۳) [1]

ترجمہ: ضرور بالضرور حسین کو ظلماً قتل کیا جائے گا، اور میں اس زمین کی مٹی کو پہچانتا ہوں، جس میں ان کو قتل کیا جائے گا، وہ دو نہروں کے قریب ہے (مسند ابی شیبہ)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کئے جانے کی حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی پہنچ چکی تھی، اور آپ کو بھی معلوم تھا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ ظلماً قتل کئے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۱۵۱۱۲، كتاب المناقب، باب مناقب الحسين بن علی علیهما السلام)

وقال الالبانی: قلت: يعني أن له شواهد تقويه وهو كذلك (سلسلة الاحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ۱۱۷۱)

[1] قال الهيثمي: رواه الطبراني، ورجاله ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۱۵۱۲۴، كتاب المناقب، باب مناقب الحسين بن علی علیهما السلام)

www.idaraghufran.org

جائیں گے، اور ظلماً کے الفاظ سے شہادت کی طرف بھی اشارہ ہے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فِي الْمَنَامِ بِنِصْفِ النَّهَارِ أَشْعَثَ أَغْبَرَ مَعَهُ قَارُوْرَةٌ فِيْهَا دَمٌ يَلْتَقِطُهُ أَوْ يَتَتَبَّعُ فِيْهَا شَيْئًا قَالَ: قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَا هٰذَا ؟ قَالَ: دَمُ الْحُسَيْنِ وَأَصْحَابِهٖ لَمْ أَزَلْ أَتَتَبَّعُهُ مُنْذُ الْيَوْمَ، قَالَ عَمَّارٌ: فَحَفِظْنَا ذٰلِكَ الْيَوْمَ فَوَجَدْنَاهُ قُتِلَ ذٰلِكَ الْيَوْمَ

(مسند أحمد، رقم الحديث ٢١٦٥) ؎

ترجمہ: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں ٹھیک دوپہر کے وقت گردوغبار سے آلودہ حالت میں دیکھا، آپ کے پاس ایک شیشی تھی، جس میں خون تھا، جس کو آپ لے رہے تھے، یا اس میں کسی چیز کو تلاش کرر ہے تھے، تو میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ کیا ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حسین اور آپ کے ساتھیوں کا خون ہے، میں آج پورے دن اس کو تلاش کرتا رہا ہوں، حضرت عمار (راوی) کہتے ہیں کہ ہم نے اس دن کو یاد رکھا، پھر ہم نے حضرت حسین کو (کربلا کے سانحہ کے موقع پر) اسی (خواب نظر آنے والے) دن قتل ہوتے ہوئے پایا (مسند احمد)

مذکورہ احادیث وروایات سے معلوم ہوا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کی اطلاع نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ سے حاصل ہوگئی تھی، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اطلاع دے دی تھی، اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ظلماً قتل کئے جانے کی بھی بعض روایات میں وضاحت پائی جاتی ہے۔

اس لئے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

؎ في حاشية مسند احمد: إسناده قوي على شرط مسلم.

Idara Ghufran

اگر ایسا ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اس سے پیشگی منع فرما دیتے۔

اس کے بعد عرض ہے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ حجاز کے اکابر اور اہلِ حل وعقد نے جن میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ بھی شامل تھے، ابھی تک یزید کی خلافت کو تسلیم نہیں کیا، اِدھر عراق سے ان کے پاس کثرت سے خطوط آنے لگے جن سے واضح ہوتا تھا کہ اہلِ عراق بھی یزید کی خلافت کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں، وہاں کے لوگ مسلسل حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو یہ لکھ رہے تھے کہ ہمارا کوئی امام وحکمران نہیں ہے اور ہم نے ابھی تک کسی کے ہاتھ پر حکمرانی کے لئے بیعت نہیں کی، آپ تشریف لائیں شاید آپ کی بدولت اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت پر جمع کر دیں۔

ان حالات میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا موقف یہ تھا کہ صرف شام کے رہنے والوں کی بیعت پوری امت پر لازم نہیں ہوسکتی۔

لہٰذا یزید کی خلافت ابھی منعقد وتام ہی نہیں ہوئی اس کے باوجود وہ پورے عالمِ اسلام پر زبردستی غالب ہونا چاہ رہا ہے، جس سے امت میں قتل وغارت گری اور فتنہ وفساد کا اندیشہ ہے، اور موجودہ حالات میں یزید کی حیثیت ایک ایسے غلبہ حاصل کرنے والے حکمران کی ہے جو زبردستی حکومت پر غلبہ پانا چاہتا ہے مگر ابھی پا نہیں سکا۔

ایسی حالت میں اس فتنہ وفساد اور امت کا شیرازہ بکھرنے کو روکنا وہ اپنا فرض سمجھتے تھے اور اسی لئے انہوں نے پہلے حالات کی تحقیق کے لئے کوفہ کی طرف اپنے چچازاد بھائی ''حضرت مسلم بنِ عقیل رضی اللہ عنہ'' کو روانہ کیا تاکہ صحیح صورتِ حال معلوم ہوسکے، اور بلا تحقیق کوئی نامناسب اقدام نہ ہوسکے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے چچازاد بھائی، حضرت مسلم ابن عقیل کے ہاتھ پر کوفہ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لئے ہزاروں لوگوں نے بیعت کر لی تھی، اور یزید کی طرف سے کوفہ کا امیر اس وقت نعمان بن بشیر تھا اس کا موقف بھی ان حالات میں حضرت حسین رضی

اللہ عنہ کے بارے میں کچھ نرم ہوگیا، اس کی اطلاع جب یزید کو ہوئی تو اس کی جگہ یزید نے عبیداللہ بن زیاد کو کوفہ کا امیر بنا کر بھیجا۔

ان حالات کو دیکھتے ہوئے حضرت مسلم ابن عقیل نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ وہ کوفہ تشریف لے آئیں حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے مکہ سے کوفہ کا ارادہ کیا۔

لہٰذا کوفہ کی طرف حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا کوچ کرنا فقہی نقطۂ نظر سے بغاوت کے لئے نہیں تھا، بلکہ آپ کی نظر ایک نااہل شخص کے زبردستی حکمران بننے کی کوشش کرنے والے شخص اور اس کے نتیجہ میں لازم آنے والے فتنہ وفساد اور خون ریزی کو اور امت کے شیرازہ کو بکھرنے سے روکنے کے لئے تھا، اور اسی وجہ سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھ مسلح ساتھیوں کے بجائے اپنے اہلِ خانہ، خواتین اور بچوں کو رکھا، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے پیشِ نظر قتل وقتال اور خون ریزی نہیں تھی، بلکہ خود اس خون ریزی اور فتنہ وانتشار کا سدِ باب تھا۔

لیکن بعد میں کوفہ کے لوگوں نے دنیاوی اغراض کی بنیاد پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی حکمرانی کے لئے کی ہوئی اپنی بیعت سے انحراف کرلیا اور حضرت مسلم بن عقیل کا ساتھ چھوڑ دیا، ان حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یزید کی طرف سے کوفہ کے لئے مقرر کردہ امیر ’’عبیداللہ ابنِ زیاد‘‘ نے حضرت مسلم بن عقیل کو بے دردی کے ساتھ شہید کردیا۔

خلاصہ یہ کہ کوفہ کی طرف حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا جانا شرعی حکم کی مخالفت میں نہیں تھا جسے بغاوت کہا جاسکے بلکہ آپ کے علم وفضل اور دینی مرتبہ کی وجہ سے آپ پر یہ ذمہ داری عائد ہورہی تھی کہ آپ کی نظر میں جو لوگ نااہل ہیں، اور وہ زبردستی لوگوں پر مسلط ہونا چاہتے اور خون ریزی اور فتنہ وانتشار کی فضاء قائم کرنا چاہتے ہیں، اس کا سدِّ باب کریں۔

مگر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے کوفہ پہنچنے سے پہلے ہی حالات تیزی سے بدل گئے۔

جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ کے قریب پہنچنے کے بعد معلوم ہوا کہ کوفہ کے لوگوں نے

حضرت مسلم بن عقیل کے ساتھ غداری کی ہے، اور اب ان کا آگے جانا مناسب نہیں، تو انہوں نے اس سلسلہ میں پیش قدمی کا ارادہ ترک فرمادیا تھا۔

ان حالات میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے عمر بن سعد (جو عبیداللہ ابن زیاد کی طرف سے فوجی افسر مقرر تھا) کے سامنے مندرجہ ذیل تین تجویزیں پیش فرمائیں:

(۱)......میں جہاں سے آیا ہوں وہیں واپس چلا جاؤں۔

(۲)......یا میں یزید کے پاس پہنچ جاؤں، اور خود اس سے اپنا معاملہ طے کروں۔

(۳)......یا مجھے مسلمانوں کی کسی سرحد پر پہنچا دو جو حال وہاں کے عام لوگوں کا ہوگا میں اسی میں بسر کروں گا۔ [۱]

---

[۱] فی حاشیة مسند احمد: إسناده قوی علی شرط مسلم.

[۱] چنانچہ علامہ ابن تیمیہ نے اپنی تحریرات میں ان صورتوں کی تفصیل ذکر کی ہے، ان کے علاوہ بعض دیگر حضرات نے بھی ان صورتوں کا ذکر کیا ہے۔

فاعتدی علیه عبید الله بن زیاد فطلب منهم الحسین رضی الله عنه أن یجیء إلی یزید؛ أو یذهب إلی الثغر مرابطا؛ أو یعود إلی مکة .فمنعوه رضی الله عنه إلا أن یستأسر لهم وأمر عمر بن سعد بقتاله -فقتلوه مظلوما -له ولطائفة من أهل بیته .رضی الله عنهم وکان قتله -رضی الله عنه -من المصائب العظیمة (مجموع الفتاوی لابن تیمیة، ج۳، ص ۱ ۴۱، فصل فی وجوب الاقتصاد والاعتدال فی أمر الصحابة)

وکان الذی حض علی قتله الشمر بن ذی الجوشن صار یکتب فی ذلک إلی نائب السلطان علی العراق عبید الله بن زیاد؛ وعبید الله هذا أمر -بمقاتلة الحسین -نائبه عمر بن سعد بن أبی وقاص بعد أن طلب الحسین منهم ما طلبه آحاد المسلمین لم یجیء معه مقاتلة؛ فطلب منهم أن یدعوه إلی أن یرجع إلی المدینة أو یرسلوه إلی یزید بن عمه أو یذهب إلی الثغر یقاتل الکفار فامتنعوا إلا أن یستأسر لهم أو یقاتلوه فقاتلوه حتی قتلوه وطائفة من أهل بیته وغیرهم (مجموع الفتاوی لابن تیمیة، ج۴، ص۵۰۵)

وکان أهل الرأی والمحبة للحسین کابن عباس وابن عمر وغیرهما أشاروا علیه بأن لا یذهب إلیهم ولا یقبل منهم ورأوا أن خروجه إلیهم لیس بمصلحة ولا یترتب علیه ما یسر وکان الأمر کما قالوا وکان أمر الله قدرا مقدورا .فلما خرج الحسین -رضی الله عنه -ورأی أن الأمور قد تغیرت طلب منهم أن یدعوه یرجع أو یلحق ببعض الثغور أو یلحق بابن عمه یزید فمنعوه هذا وهذا .حتی یستأسر وقاتلوه فقاتلهم فقتلوه .وطائفة ممن معه مظلوما شهیدا شهادة أکرمه الله بها وألحقه بأهل بیته الطیبین الطاهرین (مجموع الفتاوی لابن تیمیة، ج۲۵، ص۳۰۶) ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

عمر بن سعد نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی یہ تجاویز سن کر ابنِ زیاد کو خط لکھا کہ:

اللہ تعالیٰ نے جنگ کی آگ بجھا دی، اور مسلمانوں کا کلمہ متفق کر دیا، مجھے حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے تین صورتوں کا اختیار دیا ہے، اور ظاہر ہے کہ ان میں آپ کا مقصد پورا ہوتا ہے اور امت کی اس میں صلاح وفلاح ہے۔

ابنِ زیاد بھی عمر بن سعد کے اس خط سے متأثر ہوا، اور اس کو قبول کرنا چاہا، مگر شمر ذی الجوشن نے کہا کہ آپ حسین کو مہلت دینا چاہتے ہیں کہ قوت حاصل کر کے پھر مقابلہ پر آئیں، وہ اگر آج تمہارے ہاتھ سے نکل گئے، تو پھر کبھی تم ان پر قابو نہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فلما ذهب الحسين رضي الله عنه وأرسل ابن عمه مسلم بن عقيل إليهم واتبعه طائفة . ثم لما قدم عبيد الله بن زياد الكوفة قاموا مع ابن زياد وقتل مسلم بن عقيل وهانء بن عروة وغيرهما فبلغ الحسين ذلک فأراد الرجوع فوافته سرية عمر بن سعد وطلبوا منه أن يستأسر لهم فأبى وطلب أن يردوه إلى يزيد ابن عمه حتى يضع يده فى يده أو يرجع من حيث جاء أو يلحق ببعض الثغور فامتنعوا من إجابته إلى ذلک بغيا وظلما وعدوانا . وكان من أشدهم تحريضا عليه شمر بن ذى الجوشن .ولحق بالحسين طائفة منهم. ووقع القتل حتى أكرم الله الحسين ومن أكرمه من أهل بيته بالشهادة رضى الله عنهم وأرضاهم (مجموع الفتاوى لابن تيمية، ج۲۷، ص ۴۷۱)

وتحدث الناس بذلک ولم يسمعوه، وقيل :بل قاله له :اختاروا منى واحدة من ثلاث : إما أن أرجع إلى المكان الذى أقبلت منه، وإما أن أضع يدى فى يد يزيد بن معاوية فيرى فيما بينى وبينه رأيه، وإما أن تسيروا بى إلى أى ثغر من ثغور المسلمين شئتم فأكون رجلاً من أهله لى ما لهم وعلى ما عليهم (الكامل فى التاريخ، ثم دخلت سنة إحدى وستين،ذكر مقتل الحسين رضى الله عنه)

وكان عمر بن سعد بن أبى وقاص قد ولاه ابن زياد الرى وعهد إليه عهده، فقال :اكفنى هذا الرجل واذهب إلى عملک، فقال :اعفنى.فأبى أن يعفيه، فقال :أنظرنى الليلة، فأخره فنظر فى أمره، فلما أصبح غدا عليه راضيا بما أمره به، فتوجه إليه عمر بن سعد فلما أتاه قال له الحسين :اختر واحدة من ثلاث، إما أن تدعونى فانصرف من حيث جئت، وإما أن تدعونى فأذهب إلى يزيد، وإما أن تدعونى فألحق بالثغور .فقبل ذلک عمر، فكتب إليه عبيد الله بن زياد لا ولا كرامة حتى يضع يده فى يدى، فقال الحسين : لا والله لا يكون ذلک أبدا. فقاتله فقتل أصحاب الحسين كلهم (البداية والنهاية ج۸ص ۲۱۴، كذافى تاريخ الطبرى ،ثم دخلت سنة ستين ،باب ذكر الخبر عن مراسلة الكوفيين الحسين عليه السلام للمصير إلى ما قبلهم)

پا سکو گے، مجھے اس خط میں عمر بن سعد کی سازش معلوم ہوتی ہے، کیونکہ میں نے سنا ہے کہ وہ حضرت حسین کے ساتھ راتوں کو باتیں کرتے ہیں، لہٰذا آپ حسین کو غیر مشروط طریقہ پر اپنے پاس آنے پر مجبور کریں، ابنِ زیاد نے شمر ذی الجوشن کے مشورہ واصرار پر عمل کرتے ہوئے اسی مضمون کا خط خود شمر ذی الجوشن ہی کے ہاتھ عمر بن سعد کے پاس بھیجا، اور یہ ہدایت کردی کہ اگر عمر بن سعد اس حکم کی فوراً تعمیل نہ کریں، تو ان کو قتل کر دیا جائے، اور ان کی جگہ تم خود لشکر کے امیر ہو۔

ظاہر ہے کہ اس نامعقول بات کو ماننا حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر لازم نہیں تھا، اس لئے بالآخر انہیں مقابلہ کرنا پڑا، جس کو اس وقت حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنی ذمہ داری سمجھی تھی اور کربلا کا المیہ پیش آکر رہا (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: شہیدِ کربلا ص ۵۳، ۵۴، لمفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخی حقائق ص ۱۲۷، لمفتی محمد تقی عثمانی صاحب، ''المرتضیٰ'' صفحہ ۳۷۰، لمولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ) [1]

---

[1] قال أبو مخنف وأما ما حدثنا به المجالد بن سعيد والصقعب بن زهير الأزدى وغيرهما من المحدثين فهو ما عليه جماعة المحدثين قالوا إنه قال اختاروا منى خصالا ثلاثا إما أن أرجع إلى المكان الذى أقبلت منه وإما أن أضع يدى فى يد يزيد بن معاوية فيرى فيما بينى وبينه رأيه وإما أن تسيرونى إلى أى ثغر من ثغور المسلمين شئتم فأكون رجلا من أهله لى ما لهم وعلى ما عليهم . قال أبو مخنف فأما عبدالرحمن بن جندب فحدثنى عن عقبة بن سمعان قال صحبت حسينا فخرجت معه من المدينة إلى مكة ومن مكة إلى العراق ولم أفارقه حتى قتل وليس من مخاطبته الناس كلمة بالمدينة ولا بمكة ولا فى الطريق ولا بالعراق ولا فى عسكر إلى يوم مقتله إلا وقد سمعتها ألا والله ما أعطاهم ما يتذاكر الناس وما يزعمون من أن يضع يده فى يد يزيد بن معاوية ولا أن يسيروه إلى ثغر من ثغور المسلمين ولكنه قال دعونى فلأذهب فى هذه الارض العريضة حتى ننظر ما يصير امر الناس . قال أبو مخنف حدثنى المجالد بن سعيد الهمدانى والصقعب بن زهير أنهما كانا التقيا مرارا ثلاثا أو أربعا حسين وعمر بن سعد قال فكتب عمر بن سعد إلى عبيدالله بن زياد أما بعد فإن الله قد أطفأ النائرة وجمع الكلمة وأصلح أمر الأمة هذا حسين قد أعطانى أن يرجع إلى المكان الذى منه أتى أو أن نسيره إلى أى ثغر من ثغور المسلمين شئنا فيكون رجلا من المسلمين له ما لهم وعليه ما عليهم أو أن يأتى يزيد أمير المؤمنين فيضع يده فى يده فيرى فيما بينه وبينه رأيه وفى هذا لكم رضا وللأمة صلاح قال فلما قرأ عبيدالله الكتاب قال هذا كتاب رجل ناصح لأميره مشفق على

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لہٰذا یہ سمجھنا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا خروج امت پر منعقد شدہ حکومت کے خلاف مسلح قتال کرنے کے لئے تھا، اور پھر اس کے نتیجہ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو نعوذ باللہ احادیث کا مخالف اور باغی یا خودکشی کا مرتکب قرار دینا یا ان کی شہادت میں شبہ کرنا قطعی طور پر غلط ہے۔ [1]

اسی طرح حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے مسلمان شخص کی منعقد شدہ حکومت کے خلاف مطلق خروج کے جائز یا ضروری ہونے پر استدلال کرنا بھی درست نہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قومه نعم قد قبلت قال فقام إليه شمر بن ذى الجوشن فقال أتقبل هذا منه وقد نزل بأرضک إلى جنبک والله لئن رحل من بلدک ولم يضع يده فى يدک ليكونن أولى بالقوة والعزة ولتكونن أولى بالضعف والعجز فلا تعطه هذه المنزلة فإنها من الوهن ولكن لينزل على حكمک هو وأصحابه فإن عاقبت فأنت ولى العقوبة وإن غفرت كان ذلک لک والله لقد بلغنى أن حسينا وعمر بن سعد يجلسان بين العسكرين فيتحدثان عامة الليل فقال له ابن زياد نعم ما رأيت الرأى رأيک . قال أبو مخنف فحدثنى سليمان بن أبى راشد عن حميد بن مسلم قال ثم إن عبيدالله بن زياد دعا شمر بن ذى الجوشن فقال له اخرج بهذا الكتاب إلى عمر بن سعد فليعرض على الحسين وأصحابه النزول على حكمى فإن فعلوا فليبعث بهم إلى سلما وإن هم أبوا فليقاتلهم فإن فعل فاسمع له وأطع وإن هوأبى فقاتلهم فأنت أمير الناس وثب عليه فاضرب عنقه وابعث إلى برأسه (تاريخ الطبرى،ثم دخلت سنة إحدى وستين ، ذكر الخبر عما كان فيها من الأحداث)

بہت سے اہلِ علم حضرات نے مندرجہ بالا دوسری تجویز کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو جب یہ معلوم ہوگیا کہ یزید کا تسلط ہو چکا ہے، یا موجودہ حالات میں اس پر تعارض سے خون ریزی اور شدید فتنہ لازم آئے گا، تو اس کے ہاتھ پر بیعت کے لئے رضامند ہوگئے تھے، مگر آپ کو مہلت نہ دی گئی، اور اس کی ایک دلیل یہ بیان کی ہے کہ یزید کی حکومت کے تحت سرحد پر جہاد کے لئے جانے کی درخواست پیش کرنے کی روایت حکومتِ یزید کو تسلیم کر لینے کی دلیل ہے۔

البتہ بعض حضرات نے بیعتِ یزید والی روایت کا انکار فرمایا ہے (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخی حقائق ص ۱۲۷، مؤلفہ: مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب، واحسن الفتاویٰ ج ۶ ص ۱۴، خارجی فتنہ حصہ دوم، ص ۳۶۸)

[1] ما تفوه بعض الجهلة من ان الحسين كان باغيا، فباطل عند اهل السنة والجماعة(شرح فقه اكبر ص ۸۷)

www.idaraghufran.org

(فصل نمبر ۶)

حکمرانوں کی خیر خواہی ونصیحت کی فضیلت واہمیت

دینِ اسلام ومذہبِ اسلام میں حکمرانوں کی خیر خواہی اور ان کو نصیحت کرنے کی بھی بڑی فضیلت واہمیت ہے۔

اور نصیحت وخیر خواہی سے مراد یہ ہے کہ حکمرانوں کو اپنا خیر خواہ سمجھتے ہوئے، ان کی جائز اور اچھی باتوں وکاموں پر تائید اور تحسین کرے، اور دوسروں کو بھی ان چیزوں پر آمادہ کرے اور حکمرانوں کے حقوق کی تاکید کرے، اور بُری باتوں اور کاموں پر حکمرانوں کو اس طرح نصیحت ومطلع کرے کہ ان کی تحقیر وتذلیل اور بغض وعداوت لازم نہ آئے، جس کا احادیث میں عمدہ طریقہ تجویز کردیا گیا ہے۔ [1]

دین میں حکمرانوں کی خیر خواہی کا مقام ومرتبہ

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ، قُلْنَا: لِمَنْ؟ قَالَ: لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهٖ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَعَامَّتِهِمْ (مسلم) [2]

---

[1] النصيحة :الإخلاص والصدق والمشورة والعمل.
نصحت لزيد، أنصح نصحا ونصيحة، هذه اللغة الفصيحة.
وفى الحديث :الدين النصيحة قالوا :لمن؟ قال :للـه ولكتابه ولرسوله ولأئمة المسلمين وعامتهم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٦، ص ٢٧٩، مادة ”شوریٰ“)
نصيحته : ......وذلک بالتنبيه والتذكير بالحق، وإعلامه بما غفل عنه أو لم يبلغه من حقوق المسلمين، حيث إن نصح أصحاب الولايات من التعاون على البر والتقوى (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٤٥، ص ١٥٠، مادة ”ولاية“)

[2] رقم الحديث ٥٥ ”٩٥“، باب بيان أن الدين النصيحة.

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دین خیر خواہی کا نام ہے، ہم نے عرض کیا کہ کس کے لئے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے لئے، اس کی کتاب کے لئے، اس کے رسول کے لئے، مسلمانوں کے حکمرانوں کے لئے، اور تمام مسلمانوں کے لئے (مسلم)

اس طرح کی حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ [۱]

مطلب یہ ہے کہ دین سراسر نصیحت اور خیر خواہی کا نام ہے، لہٰذا دوسروں کو اللہ کی وحدانیت، اس کی عبادت واطاعت کی نصیحت کی جائے، اور اللہ کی کتاب یعنی قرآن مجید پر عمل کیا جائے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی جائے، اور حکمرانوں کی جائز کاموں میں اطاعت کی جائے، اور ان کے خلاف خروج نہ کیا جائے، اور ان کو نرمی کے ساتھ اچھی بات بتلائی جائے، اور لوگوں کو حکمرانوں کی اطاعت اور ان کے حقوق سے آگاہ کیا جائے۔ [۲]

---

[۱] عن أبی هريرة قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :الدين النصيحة ثلاث مرار، قالوا :يا رسول الله لمن؟ قال :لله، ولكتابه، ولأئمة المسلمين وعامتهم :هذا حديث حسن وفى الباب عن ابن عمر، وتميم الدارى، وجرير، وحكيم بن أبى يزيد، عن أبيه، وثوبان (ترمذى، رقم الحديث ١٩٢٦، باب ما جاء فى النصيحة)

[۲] (ولأئمة المسلمين) الخلفاء ونوابهم بمعاونتهم على الحق وإطاعتهم فيه وأمرهم به وتذكيرهم برفق وإعلامهم بما غفلوا عنه من حق المسلمين وترك الخروج عليهم والدعاء بصلاحهم (فيض القدير، تحت رقم الحديث ١٩٦٨، تحت حرف الهمزة)

(الدين) أى: أعماله وأفضل أعماله أو الأمر المهم فى الدين (النصيحة) : وهى تحرى قول أو فعل فيه صلاح لصاحبه، أو تحرى إخلاص الود له، والحاصل أنها إرادة الخير للمنصوح له وهو لفظ جامع لمعان شتى .قال الخطابى :النصيحة كلمة جامعة يعبر بها عن جملة هى إرادة الخير، وليس يمكن أن يعبر عن هذا المعنى بكلمة وجيزة يحصيها ويجمع معناها غيرها، كما قالوا فى الفلاح ليس فى كلامهم كله أجمع لخير الدنيا والآخرة منه، فقوله عليه الصلاة والسلام " :الدين النصيحة "يريد عماد الدين وقوامه، إنما هو النصيحة وبها ثباته............ (لمن؟) أى :النصيحة لمن؟ (قال) أى :النبى عليه الصلاة والسلام :(لله) أى :بالإيمان وصحة الاعتقاد فى وحدانيته وترك الإلحاد فى صفاته وإخلاص النية فى عبادته، وبذل الطاقة فيما أمر به ونهى عنه، والاعتراف بنعمته والشكر له عليها، وموالاة من أطاعه، ومعاداة من عصاه، وحقيقة هذه الإضافة راجعة إلى العبد فى نصيحة نفسه لله، والله غنى عن نصح كل ناصح، كذا ذكره الخطابى، وخلاصته أن النصيحة لله هى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

مسلمان حکام کی خیر خواہی میں مومن کا دل خیانت نہیں کرتا

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْخَيْفِ مِنْ مِنًى، فَقَالَ : نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ مَقَالَتِيْ، فَبَلَّغَهَا، فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ، غَيْرُ فَقِيْهٍ، وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلٰى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ، ثَلَاثٌ لَا يُغِلُّ عَلَيْهِنَّ قَلْبُ مُؤْمِنٍ : إِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلّٰهِ، وَالنَّصِيْحَةُ لِوُلَاةِ الْمُسْلِمِيْنَ، وَلُزُوْمُ جَمَاعَتِهِمْ، فَإِنَّ دَعْوَتَهُمْ، تُحِيْطُ مِنْ وَّرَائِهِمْ (ابنِ ماجه) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں مسجدِ خیف میں کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ اللہ اس شخص کو خوش وخرم رکھے جو میری بات سنے پھر آگے پہنچادے کیونکہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

التعظيم لأمره والشفقة على خلقه .وقال بعض المحققين :هى الإيمان بوجوده بأن يعلم أن وراء التحيزات موجودا خالقا وبصفاته الثبوتية والسلبية والإضافية، وبأفعاله بأن يعلم أن كل ما سواه المسمى بالعالم، فإنما حدث بقدرته، وهو من العرش إلى الثرى بالنسبة إلى العظمة الإلهية أقل من خردلة بالنسبة إلى جميع العالم، وبأحكامه بأن يعلم أنها غير معللة بغرض، وأن المقصود من شرعها منافع عائدة إلى العبد، وأن له الحكم كيف يشاء ، ولا يجب عليه شىء ، إن أثاب فبفضله وإن عذب فبعدله .وأسمائه بأن يعلم بأنها توقيفية، ثم بإخلاص العبادة واجتناب معاصيه والحب له والبغض فيه............ (ولأئمة المسلمين) بأن ينقاد لطاعتهم فى الحق، ولا يخرج عليهم إذا جاروا، ويذكرهم برفق ولطف، ويعلمهم بما غفلوا عنه ولم يبلغهم من حقوق المسلمين، ويؤلف قلوب الناس لطاعتهم، ومن النصيحة لهم :الصلاة خلفهم والجهاد معهم وأداء الصدقات إليهم، وأن لا يغريهم بالثناء الكاذب عليهم، وأن يدعو لهم بالصلاح، هذا كله على أن المراد بالأئمة الخلفاء وغيرهم ممن يقوم بأمور المسلمين من أصحاب الولاية، ومجمل معنى الإمام من له خلافة الرسول فى إقامة الدين بحيث يجب اتباعه على الكل، وقد يتناول ذلك الأئمة الذين هم علماء الدين، وأن من نصيحتهم قبول ما رووه، وتقليدهم فى الأحكام، وإحسان الظن بهم (مرقاة المفاتيح، ج٧ص ٣١١١، ٣١١٢، كتاب الآداب ،باب الشفقة والرحمة على الخلق)

[1] رقم الحديث ٣٠٥٦، باب الخطبة، يوم النحر، السنة لابن ابى عاصم، رقم الحديث ١٨٧، باب ما يجب على الرعية من النصح لولاتها.

قال الالبانى: حديث صحيح ورجاله موثقون (ظلال الجنة فى تخريج السنة)

بہت سے فقہ (یعنی دین اور اس کی سمجھ) کی بات سننے والے خود سمجھنے والے نہیں ہوتے اور بہت سے فقہ کی بات ایسے شخص تک پہنچا دیتے ہیں جو اس (پہنچانے والے) سے زیادہ فقیہ اور سمجھدار ہوتا ہے تین چیزیں ایسی ہیں جن میں مومن کا دل خیانت (وکوتاہی) نہیں کرتا، ایک تو اللہ کے لئے اخلاص قائم کرنا، دوسرے مسلمان حکمرانوں کی خیر خواہی کرنا، اور تیسرے مسلمانوں کی جماعت کا ہمیشہ ساتھ دینا کیونکہ مسلمانوں کی جماعت کی دعاء، ان کے اردگرد سے انہیں گھیر لیتی ہے (اور شیطان کسی بھی طرف سے حملہ آور نہیں ہوسکتا) (ابن ماجہ، ابن ابی عاصم)

اس طرح کی حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ ۱؎

۱؎ عن عبد الله بن مسعود، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال " :نضر الله امرأ سمع مقالتي فحفظها؛ فإنه رب حامل فقه غير فقيه ورب حامل فقه إلى من هو أفقه منه، ثلاث لا يغل عليهن قلب رجل مسلم :إخلاص العمل لله والنصيحة لولاة الأمر، ولزوم جماعة المسلمين؛ فإن دعوتهم تحيط من ورائهم "قال أبو عمر :وروى هذا الحديث أيضا عن النبى صلى الله عليه وسلم أبو بكرة (جامع بيان العلم وفضله لابن عبد البر، رقم الحديث ١٩١)

عن عبد الرحمن بن أبان عن أبيه قال خرج زيد بن ثابت من عند مروان فقيل له ما بعث إليك إلا ليسألك عن شىء فقال :سألنى عن أشياء سمعتها عن رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول :سمعت رسول الله يقول" :نضر الله امرأ سمع منا حديثا فحفظه حتى يبلغه غيره فرب حامل "كذا "فقه ليس بفقيه ورب حامل فقه إلى من هو أفقه منه ثلاث خصال لا يغل عليهن قلب مسلم إخلاص العمل لله والنصيحة لولاة الأمر ولزوم الجماعة فإن دعوتهم تحيط من وراء هم (السنة لابن ابى عاصم، رقم الحديث ٩٤)

قال الالبانى: إسناده صحيح رجاله ثقات رجال الشيخين غير عمر بن سليمان وهو العدوى القرشى وعبد الرحمن بن أبان وهو ابن عثمان وهما ثقتان (ظلال الجنة فى تخريج السنة)

عن زيد بن ثابت قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :ثلاث خصال لا يغل عليهن قلب مسلم إخلاص العمل لله والنصيحة لولاة الأمر ولزوم الجماعة فإن دعوتهم تحيط من ورائهم (السنة لابن ابى عاصم، رقم الحديث ١٠٨٧)

قال الالبانى: إسناده صحيح ورجاله كلهم ثقات (ظلال الجنة فى تخريج السنة)

عن عبد الله بن مسعود قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ثلاثة لا يغل عليهن قلب المؤمن :إخلاص العمل لله والنصيحة لولاة الأمر ولزوم جماعتهم فإن دعوتهم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ حکمرانوں کی خیرخواہی اور نصیحت اتنا عظیم عمل ہے کہ جس میں مسلمان کا دل خیانت کا ارتکاب نہیں کرتا۔

اللہ کو حکمرانوں کی خیرخواہی پسند ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ اللّٰهَ كَرِهَ لَكُمْ ثَلَاثًا، وَرَضِيَ لَكُمْ ثَلَاثًا: رَضِيَ لَكُمْ أَنْ تَعْبُدُوْهُ، وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا، وَأَنْ تَعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا، وَأَنْ تَنْصَحُوْا لِوُلَاةِ الْأَمْرِ، وَكَرِهَ لَكُمْ قِيْلَ وَقَالَ، وَإِضَاعَةَ الْمَالِ، وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ (مسند احمد، رقم الحديث ۸۳۳۴) [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

تحيط من ورائهم (السنة لابن ابى عاصم، رقم الحديث ۱۰۸۶)

قال الالبانى: إسناده جيد (ظلال الجنة فى تخريج السنة)

عن عبد الله، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :نضر الله امرأ سمع مقالتى، فحفظها، فإنه رب حامل فقه غير فقيه، ورب حامل فقه إلى من هو أفقه منه .ثلاث لا يغل عليهن قلب رجل مسلم :إخلاص العمل لله، والنصح لولاة الأمر، ولزوم جماعة المسلمين، فإن دعاء هم يحيط من وراء هم (معجم أبويعلى الموصلى، رقم الحديث ۲۱۹)

عن معاذ بن جبل قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :نضر الله عبدا سمع كلامى ثم لم يزد فيه، رب حامل كلمة إلى أوعى لها منه، ثلاث لا يغل عليهن قلب مؤمن : الإخلاص لله، والمناصحة لولاة الأمر والاعتصام بجماعة المسلمين، فإن دعوتهم تحيط من ورائهم، لا يروى هذا الحديث عن معاذ بن جبل إلا بهذا الإسناد، تفرد به: عمرو بن واقد (المعجم الأوسط للطبرانى، رقم الحديث ۶۷۸۱)

عن معاذ بن جبل ، عن النبى صلى الله عليه وسلم قال : نضر الله عبدا سمع كلامى لم يزد فيه ، رب حامل حكمة إلى من هو لها أوعى منه ، ثلاث لا يغل عليهن قلب مؤمن : إخلاص العمل لله ، والمناصحة لولاة الأمر ، والاعتصام بجماعة المسلمين ، فإن دعوتهم تحيط من وراء هم (مسند الشهاب القضاعى، رقم الحديث ۱۴۲۲)

[1] فى حاشية مسند احمد:إسناده صحيح على شرط مسلم.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے تمہارے لیے تین باتوں کو ناپسند اور تین باتوں کو پسند کیا ہے، پسند تو ان تین باتوں کو کیا ہے کہ ایک تو تم صرف اس ہی کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، دوسرے اللہ کی رسی (یعنی قرآن مجید) کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور تیسرے حکمرانوں کے خیر خواہ رہو، اور ناپسند ان تین باتوں کو کیا ہے، ایک تو قیل وقال (چہ می گوئیاں) کرنے سے، دوسرے مال کو ضائع کرنے سے اور تیسرے کثرت سے سوال کرنے سے (مسند احمد)

اس سے معلوم ہوا کہ حکمرانوں کی خیر خواہی اور نصیحت اللہ کا پسندیدہ عمل ہے۔

حکمرانوں کی خیر خواہی کرنے والا جنت سے محروم نہ ہوگا

حضرت تمیم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

وَخَمْسٌ مَنْ أَتٰى بِهِنَّ لَمْ يُحْجَبْ عَنِ الْجَنَّةِ، اَلنَّصِيْحَةُ لِلّٰهِ، وَالنَّصِيْحَةُ لِكِتَابِ اللّٰهِ، وَالنَّصِيْحَةُ لِأَنْبِيَاءِ اللّٰهِ، وَالنَّصِيْحَةُ لِجَمَاعَةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَالنَّصِيْحَةُ لِوُلَاةِ الْأَمْرِ (الترغيب والترهيب لابن شاهين، رقم الحديث ۱۸۳۷)

ترجمہ: اور پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ جو اُن کو اختیار کرے گا، تو وہ جنت سے محروم نہیں ہوگا، ایک اللہ کی خیر خواہی، دوسرے اللہ کی کتاب کی خیر خواہی، تیسرے اللہ کے نبیوں کی خیر خواہی، اور چوتھے مسلمانوں کی جماعت کی خیر خواہی، اور پانچویں حکمرانوں کی خیر خواہی (ابن شاہین)

حکمرانوں کی خیر خواہی سے متعلق اور احادیث بھی ہیں۔

بلکہ حکمرانوں کی خیر خواہی سے متعلق بکثرت احادیث کے پیشِ نظر بعض محدثین نے ان کو

متواتر قرار دیا ہے۔ [1]

خلاصہ یہ ہے کہ حکمرانوں کی خیرخواہی اور نصیحت اہم عبادت واطاعت اور اللہ تعالیٰ کی رضا والا کام اور جنت کے حصول کا باعث ہے، جسے ہر مسلمان کو اختیار کرنا چاہئے۔

حکمرانوں کے ساتھ دوغلہ رویہ کی ممانعت

حضرت محمد بن زید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ أُنَاسٌ لِابْنِ عُمَرَ : إِنَّا نَدْخُلُ عَلٰى سُلْطَانِنَا، فَنَقُوْلُ لَهُمْ خِلَافَ مَا نَتَكَلَّمُ إِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِهِمْ، قَالَ : كُنَّا نَعُدُّهَا نِفَاقًا (بخاری، رقم الحديث ۷۱۷۸)

ترجمہ: کچھ لوگوں نے حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ ہم اپنے بادشاہوں (وحکمرانوں) کے پاس جاتے ہیں، تو ہم ان کے سامنے اُس کے خلاف باتیں کرتے ہیں، جو کہ ہم ان کے پاس سے نکلنے کے بعد کرتے ہیں، تو حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم تو اس کو نفاق شمار کرتے تھے (بخاری)

اس طرح کی حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ [2]

---

[1] بذل النصيحة للأئمة وغيرهم من المسلمين: -قال أبو الطيب فى كتابه المذكور ما نصه ويجب أيضاً بذل التضحية للأئمة لما ثبت فى الصحيح من حديث تميم الدارى أن الدين النصيحة لله ولرسوله ولأئمة المسلمين والأحاديث الواردة فى مطلق النصيحة متواترة وأحق الناس بها الأئمة والله سبحانه وتعالى أعلم (نظم المتناثر من الحديث المتواتر للكتانى،تحت رقم الحديث ۱۷۷ ،كتاب الإمامة)

[2] عن عمر بن عبد الله، أنه حدثه أن عبد الله بن عمر لقى ناسا خرجوا من عند مروان فقال :من أين جاء هؤلاء ؟ قالوا :خرجنا من عند الأمير مروان قال :وكل حق رأيتموه تكلمتم به، وأعنتم عليه، وكل منكر رأيتموه أنكرتموه ورددتموه عليه، قالوا : لا والله، بل يقول :ما ينكر، فنقول :قد أصبت، أصلحك الله، فإذا خرجنا من عنده قلنا قاتله الله، ما أظلمه وأفجره قال عبد الله " :كنا بعهد رسول الله صلى الله عليه وسلم نعد هذا نفاقا لمن كان هكذا (مسنداحمد، رقم الحديث ۵۳۷۳)

فى حاشية مسند احمد: حديث صحيح، رجاله ثقات.

www.idaraghufran.org

حکمران کے سامنے اس کی صفات اور خوبیوں کا تذکرہ کرنا یا گُن گانا اور اس سے علیٰحدہ ہوکر اس کی برائیوں کا ذکر وچرچا کرنا، یہ نصیحت اور خیر خواہی کے سراسر خلاف عمل ہے، کیونکہ اوّل تو نصیحت سامنے کی جاتی ہے، اور سامنے نصیحت کے بجائے اس کی تعریف کی گئی، اور حکمرانوں کو اندھیرے میں رکھا گیا، دوسرے اس طرح پیٹھ پیچھے بُرائیوں کا تذکرہ کرنا غیبت میں بھی داخل ہے، اور کسی کی خیر خواہی کے خلاف ہے۔

اس لئے اس طرزِ عمل کو نفاق میں شمار کرنے کا ذکر کیا گیا۔ ل

حکمران کو نصیحت کرنے کی فضیلت اور اُس کا طریقہ

اسی لئے احادیث میں حکمران کی پیٹھ پیچھے، اس کی بُرائی کرنے کے بجائے اس کے سامنے خیر کی اور حق بات کہنے کو باعثِ فضیلت بتلایا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : مَنْ حَضَرَ إِمَامًا فَلْیَقُلْ خَیْرًا، أَوْ فَلْیَسْکُتْ (المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحدیث ۵۹۴۷) ٢

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص حکمران کے پاس (کسی ضرورت سے) جائے، تو اسے چاہئے کہ وہ یا خیر کی بات کرے، یا پھر خاموش رہے (طبرانی)

ل لا ینبغی لمؤمن أن یثنی علی سلطان أو غیرہ فی وجھہ وھو عندہ مستحق للذم، ولا یقول بحضرتہ خلاف ما یقولہ إذا خرج من عندہ لأن ذلک نفاق، کما قال ابن عمر وقال فیہ، شر الناس ذو الوجھین ...الحدیث لأن یظھر لأھل الباطل الرضا عنھم ویظھر لأھل الحق مثل ذلک لیرضی کل فریق منھم ویرید أنہ منھم، وھذہ المذاھب محرمة علی المؤمنین (عمدة القاری، ج۲۴، ص۲۵۵، باب ما یکرہ من ثناء السلطان، وإذا خرج قال غیر ذلک)

٢ قال الھیثمی: رواہ الطبرانی فی الأوسط، وفیہ صالح بن محمد بن زیاد، وثقہ أحمد، وابن عدی، وضعفہ جماعة، وبقیة رجالہ رجال الصحیح (مجمع الزوائد، تحت رقم الحدیث ۹۲۵۹، باب الکلام عند الأئمة)

www.idaraghufran.org

حضرت طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ : أَيُّ الْجِهَادِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ إِمَامٍ جَائِرٍ (مسند احمد، رقم الحديث ۱۸۸۲۸) [۱]

ترجمہ: ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر عرض کیا کہ کون سا جہاد افضل ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ظالم حکمران کے سامنے حق بات کہنا (مسند احمد)

اس طرح کی حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ [۲]

معلوم ہوا کہ ظالم حکمران کے سامنے (نہ کہ پیچھے) حق بات کہنا افضل ترین جہاد ہے۔

مگر اس موقع پر یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ کئی احادیث وروایات میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ حکمران کو وعظ ونصیحت علانیہ طور پر (یعنی دوسروں کے سامنے) نہیں کرنی چاہئے، بلکہ علیحدگی میں کرنی چاہئے۔

چنانچہ حضرت عیاض بن غنم کی سند سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

مَنْ أَرَادَ أَنْ يَنْصَحَ لِسُلْطَانٍ بِأَمْرٍ، فَلَا يُبْدِ لَهُ عَلَانِيَةً، وَلٰكِنْ لِيَأْخُذْ بِيَدِهٖ، فَيَخْلُوَ بِهٖ، فَإِنْ قَبِلَ مِنْهُ فَذَاكَ، وَإِلَّا كَانَ قَدْ أَدّٰى الَّذِيْ عَلَيْهِ لَهٗ (مسند احمد) [۳]

---

[۱] فى حاشية مسند احمد: إسناده صحيح.

[۲] عن أبى أمامة، قال : عرض لرسول الله صلى الله عليه وسلم رجل عند الجمرة الأولى، فقال :يا رسول الله أى الجهاد أفضل؟ فسكت عنه، فلما رمى الجمرة الثانية، سأله، فسكت عنه، فلما رمى جمرة العقبة، وضع رجله فى الغرز ليركب، قال :أين السائل؟ قال :أنا، يا رسول الله قال: كلمة حق عند ذى سلطان جائر (سنن ابن ماجه، رقم الحديث ۴۰۱۲)

عن أبى سعيد الخدرى، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :أفضل الجهاد كلمة عدل عند سلطان جائر، أو أمير جائر (ابوداؤد، رقم الحديث ۴۳۴۴)

[۳] رقم الحديث ۱۵۳۳۳، مسند الشاميين للطبرانى، رقم الحديث۹۷۷.

فى حاشية مسند احمد: صحيح لغيره دون قوله :من أراد أن يَنْصَحَ لسلطان بأمرٍ ..فحسن لغيره.

وقال الهيثمى: رواه أحمد، ورجاله ثقات إلا أنى لم أجد لشريح من عياض وهشام سماعا وإن كان تابعيا (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۹۱۶۱، باب النصيحة للأئمة وكيفيتها)

Idara Ghufran

ترجمہ: جو شخص کسی معاملے میں بادشاہ (وحکمران) کو نصیحت کرنا چاہے تو سب کے سامنے نہ کرے بلکہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے خلوت (وتنہائی) میں لے جائے اگر بادشاہ (وحکمران) اس کی نصیحت کو قبول کر لے تو بہت اچھا ورنہ اس کی ذمہ داری پوری ہوگئی (مسنداحمد)

ہاتھ پکڑنا ایک محاورہ ہے، ورنہ مراد یہ ہے کہ حکمران کو سب کے سامنے نصیحت کرنے کے بجائے خلوت وتنہائی میں نصیحت کرے، خواہ اس کے پاس جا کر یا تحریر بھیج کر یا کسی اور واسطہ سے۔

حضرت سعید بن جمہان رحمہ اللہ سے ایک لمبی روایت میں ہے کہ:

قُلْتُ : فَإِنَّ السُّلْطَانَ يَظْلِمُ النَّاسَ، وَيَفْعَلُ بِهِمْ، قَالَ: فَتَنَاوَلَ يَدِى فَغَمَزَهَا بِيَدِهِ غَمْزَةً شَدِيْدَةً، ثُمَّ قَالَ : وَيْحَكَ يَاابْنَ جُمْهَانَ عَلَيْكَ بِالسَّوَادِ الْأَعْظَمِ، عَلَيْكَ بِالسَّوَادِ الْأَعْظَمِ إِنْ كَانَ السُّلْطَانُ يَسْمَعُ مِنْكَ، فَأْتِهِ فِيْ بَيْتِهِ، فَأَخْبِرْهُ بِمَاتَعْلَمُ، فَإِنْ قَبِلَ مِنْكَ، وَإِلَّا فَدَعْهُ، فَإِنَّكَ لَسْتَ بِأَعْلَمَ مِنْهُ (مسند احمد، رقم الحديث ۱۹۴۱۵) [1]

ترجمہ: میں نے (حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے) عرض کیا کہ بعض اوقات بادشاہ (وحکمران) عوام کے ساتھ ظلم اور ناانصافی وغیرہ کرتا ہے انہوں نے میرا ہاتھ زور سے دبایا اور تیز چٹکی بھری، اور فرمایا کہ اے ابنِ جمہان! تم پر افسوس ہے، سوادِ اعظم (یعنی اکثریت) کی پیروی کرو، سوادِ اعظم (یعنی اکثریت) کی پیروی کرو، اگر بادشاہ (وحکمران) تمہاری بات سنتا ہے تو اس کے گھر میں اس کے پاس جاؤ اور اس کے سامنے وہ ذکر کرو جو تم جانتے ہو، اگر وہ قبول کر لے

---

[1] فی حاشية مسند احمد: رجاله ثقات غير حَشْرَجِ بنِ نُباتةَ، فقد وثقه أحمد ويحيى بن مَعين، وأبو داود، والعباسُ بن عبد العظيم العنبرى، وقال أبو زُرعة :لا بأس به، مستقيمُ الحديث.
وقال الهيثمى: رواه أحمد والطبرانى ورجال أحمد ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۹۱۶۳، باب النصيحة للأئمة و كيفيتها)

تو بہت اچھا، ورنہ تم اس سے زیادہ جاننے والے نہیں ہو (مسند احمد)

مطلب یہ ہے کہ حکمران کو علیٰحدگی میں حق بات کہنی چاہیے، بشرطیکہ وہ سُننے پر راضی ہو، پھر اگر وہ قبول کرلے، تو بہت اچھا، ورنہ وہ اپنے معاملات کو تم سے زیادہ سمجھتا ہے، اس کو اپنے حال پر رہنے دو، کیونکہ ہم اپنی ذمہ داری پوری کرچکے۔

حکمرانوں کو نصیحت کی قدرت نہ ہونے کی صورت میں حکم

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ زبان یا تحریر سے حکمران کو نصیحت اس وقت کرنی چاہیے جبکہ اس کی قدرت ہو، اور اگر قدرت نہ ہو، اور اس کو نصیحت کرنے سے فتنہ لازم آتا ہو تو پھر خود اپنے دل سے بُری چیز کو بُرا اور اچھی چیز کو اچھا سمجھنے پر اکتفاء کرنا چاہیے۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

بَايَعْنَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي الْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ، وَأَنْ لاَ نُنَازِعَ الْأَمْرَ أَهْلَهُ، وَأَنْ نَقُومَ أَوْ نَقُولَ بِالْحَقِّ حَيْثُمَا كُنَّا، لاَ نَخَافُ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لاَئِمٍ (بخاری) [1]

ترجمہ: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (امیر وحاکم کی بات) سُننے اور اطاعت کرنے کی بیعت کی، تنگی میں اور آسانی میں، اور خوشی وناخوشی میں اور ہم پر کسی (نااہل حکمران) کو ترجیح دی جانے (کے وقت) میں، اور اس بات پر کہ ہم امیروں (وحکام) سے حکومت کے معاملات میں جھگڑا نہ کریں گے، اور اس بات پر کہ ہم جہاں بھی ہوں گے حق بات کہیں گے، اللہ کے معاملہ میں ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہ رکھیں گے (بخاری، مسلم)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر حکمران کوئی گناہ کی بات کہے، تو اس کی اطاعت نہیں ہے، اور

---

[1] رقم الحديث ۷۱۹۹، باب كيف يبايع الإمام الناس، مسلم، رقم الحديث ۱۷۰۹ "۴۱"، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية، وتحريمها في المعصية.

ضرورت پڑنے پر اس گناہ پر حسبِ قدرت نکیر کرنی چاہئے، مگر ایسا طرزِ عمل اختیار کرنے سے بچنا چاہئے، جس سے اُن کی تذلیل وتحقیر لازم آئے، جس کا طریقہ احادیث میں یہ بیان کردیا گیا ہے کہ علیحدگی میں اور خاموشی سے ان تک حق بات پہنچائی جائے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : سَیَکُوْنُ مِنْ بَعْدِیْ خُلَفَاءُ، یَعْمَلُوْنَ بِمَا یَعْلَمُوْنَ، وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ، وَسَیَکُوْنُ مِنْ بَعْدِھِمْ خُلَفَاءُ، یَعْمَلُوْنَ مَالَا یَعْلَمُوْنَ، وَیَفْعَلُوْنَ مَالَا یُؤْمَرُوْنَ، فَمَنْ أَنْکَرَ بَرِیءَ ، وَمَنْ أَمْسَکَ سَلِمَ، وَلٰکِنْ مَنْ رَضِیَ وَتَابَعَ (صحیح ابن حبان) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد خلفاء (وحکمران) ہوں گے، جو اپنے علم کے مطابق عمل کریں گے، اور وہ کام کریں گے جس کا ان کو حکم دیا جائے گا، لیکن ان کے بعد ایسے خلفاء (وحکمران) ہوں گے، جو اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کریں گے، اور وہ کام کریں گے، جن کا ان کو حکم نہیں دیا جائے گا، تو جس نے (زبان ودل سے حسبِ قدرت ان کے گناہ پر) نکیر کی تو وہ بریٔ ہوگیا، اور جو (ان کے برے اعمال کی اتباع اور دل سے اچھا سمجھنے سے) رُکا رہا، وہ سلامت رہا، لیکن جو (گناہ کے کام پر) راضی ہوگیا، اور اس نے (گناہ کے کام میں ان کی) اتباع کی (وہ نہ بریٔ ہوا اور نہ سلامت رہا) (ابنِ حبان)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ، حضرت امِ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ أَنَّہُ قَالَ: إِنَّہُ یُسْتَعْمَلُ عَلَیْکُمْ أُمَرَاءُ، فَتَعْرِفُوْنَ وَتُنْکِرُوْنَ، فَمَنْ کَرِہَ فَقَدْ بَرِءَ، وَمَنْ أَنْکَرَ فَقَدْ سَلِمَ، وَلٰکِنْ

---

[1] رقم الحدیث ۶۲۵۸، ذکر البیان بأن الملوک یطلق علیھم اسم الخلفاء فی الضرورۃ أیضا علی ما ذکرناہ.

فی حاشیۃ ابنِ حبان: إسنادہ صحیح.

مَنْ رَضِيَ وَتَابَعَ (مسلم، رقم الحدیث ۱۸۵۴ ''۶۳'')

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم پر ایسے حکمران مقرر کئے جائیں گے کہ جن کو (ان کے بعض اعمال واقوال کے بہتر ہونے کی وجہ سے) تم اچھا سمجھو گے، اور (ان کے بعض اعمال واقوال کے برا ہونے کی وجہ سے) برا سمجھو گے، پس جس نے (ان کے برے اعمال واقوال کو) اپنے دل سے ناپسند کیا وہ بری ہوگیا اور جس نے اپنے دل سے انکار کیا وہ سلامت رہا لیکن جو (ان کے برے اعمال واقوال سے) راضی ہوا، اور اتباع کی (وہ بری نہیں ہوگا اور نہ محفوظ رہے گا) (مسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حکمرانوں کے برے اور ناجائز کاموں پر اگر قدرت ہو، تو زبان سے نکیر کرنا نجات کا باعث ہے، اور اگر زبان سے نکیر کرنے کی قدرت نہ ہو، تو دل سے برے کاموں کا برا سمجھنا بھی سلامتی وعافیت کا ذریعہ ہے، لیکن ان کے برے کاموں سے راضی اور خوش ہونا اور برے کاموں کی اتباع کرنا گناہ ہے۔

اور یہ مضمون ان احادیث کے مطابق ہے، جن میں زبان سے قدرت ہونے کی صورت میں زبان سے اور زبان سے قدرت نہ ہونے کی صورت میں دل سے گناہ پر نکیر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ [1]

---

[1] (ستکون أمراء) جمع أمير (فتعرفون وتنكرون) صفتان لأمراء والعائد فيهما محذوف أى تعرفون بعض أحوالهم وأقوالهم لموافقتها للشرع وتنكرون بعضها لمخالفتها له فمعنى تعرفون ترضون لمقابلتها تنكرون (فمن كره) ذلک المنكر بلسانه بأن أمكنه تغييره بالقول فقد (برء) من النفاق والمداهنة (ومن أنكر) بقلبه فقط ومنعه الضعف عن إظهار النكير فقد (سلم) من العقوبة على تركه النكير ظاهرا (ولكن من رضى) أى من رضى بالمنكر (وتابع) عليه فى العمل فهو الذى لم يبرأ من المداهنة والنفاق ولم يسلم من العقوبة فهو الذى شاركهم فى العصيان واندرج معهم تحت اسم الطغيان فحذف الخبر لدلالة الحال وسياق الكلام على أن حكم هذا القسم ضد ما اشتبه ذكره ومنه أخذ بعضهم قوله الواو بمعنى أو وحذف جزاء من لدلالة الحال وسياق الكلام وقال النووى :معناه من كره بقلبه ولم يستطع إنكارا بيده ولا لسانه فقد برء من الإثم وأدى وظيفته ومن أنكر بحسب طاقته فقد سلم من هذه المعصية ومن رضى بفعلهم وتبعهم عليه فهو العاصى وفيه حرمة الخروج على الخلفاء بمجرد ظلم أو فسق ما لم يغيروا شيئا من قواعد الدين (فيض القدير، تحت رقم الحديث ۴۶۷۱، حرف السين)

www.idaraghufran.org

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

لَا يَنۡبَغِيۡ لِلۡمُؤۡمِنِ أَنۡ يُذِلَّ نَفۡسَهٗ قَالُوۡا: يَا رَسُوۡلَ اللّٰهِ وَمَا الۡإِذۡلَالُ؟ قَالَ: يَتَعَرَّضُ لِلسُّلۡطَانِ وَلَيۡسَ لَهٗ مِنۡهُ النِّصۡفُ (السنن الواردة فی الفتن للدانی) [1]

ترجمہ: مؤمن کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل کرے۔

صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ اپنے آپ کو ذلیل کرنا کس طرح سے ہوگا؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بادشاہ وحکمران سے تعرّض کرے، حالانکہ اُس کے پاس بادشاہ کے مقابلے میں نصف (طاقت) بھی نہیں ہے (فتن للدانی)

اور حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

قُلۡتُ لِابۡنِ عَبَّاسٍ آمُرُ السُّلۡطَانَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَأَنۡهَاهُ عَنِ الۡمُنۡكَرِ؟ قَالَ: إِنۡ خِفۡتَ أَنۡ يَّقۡتُلَكَ فَلَا، قَالَ: ثُمَّ عُدۡتُ، فَقَالَ لِيۡ مِثۡلَ ذٰلِكَ، ثُمَّ عُدۡتُ، فَقَالَ لِيۡ مِثۡلَ ذٰلِكَ وَقَالَ: إِنۡ كُنۡتَ لَا بُدَّ فَاعِلًا فَفِيۡمَا بَيۡنَكَ وَبَيۡنَهٗ (الأمر بالمعروف والنهی عن المنكر لابن أبی الدنيا، رقم الحديث ۸۰، ص ۱۱۳)

ترجمہ: میں نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ کیا میں حاکم کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کروں؟ حضرت ابنِ عباس نے فرمایا کہ اگر آپ کو خوف ہو کہ وہ آپ کو قتل کردے گا، تو پھر نہیں، حضرت سعید بن جبیر نے تین مرتبہ یہی سوال دہرایا، اور حضرت ابنِ عباس نے ہر مرتبہ یہی جواب دیا، اور حضرت ابنِ عباس نے فرمایا کہ اگر آپ کے لئے حاکم کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ضروری ہو، تو صرف اپنے اور اس کے درمیان کرے (کسی دوسرے کے سامنے نہیں) (ابن ابی دنیا)

---

[1] رقم الحديث ۱۴۸، باب النهی عن الخروج علی الأئمة والأمراء.

Idara Ghufran

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

سَمِعْتُ الْحَجَّاجَ يَخْطُبُ، فَذَكَرَ شَيْئًا أَنْكَرْتُهُ، فَذَكَرْتُ مَقَالَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَنْبَغِيْ لِلْمُؤْمِنِ أَنْ يُّذِلَّ نَفْسَهٗ. قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، كَيْفَ يُذِلُّ نَفْسَهٗ؟ قَالَ: يَتَعَرَّضُ مِنَ الْبَلَاءِ لِمَا لَا يُطِيْقُ (المعجم الأوسط للطبرانی) [1]

ترجمہ: میں نے حجاج (بن یوسف) سے خطبے میں ایسی چیز سُنی، جس کو میں نے منکَر (یعنی گناہ وبُرا) سمجھا (میں نے اُس پر نکیر کرنی چاہی) پھر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد یاد آ گیا کہ مؤمن کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل کرے۔

میں نے عرض کیا تھا کہ اے اللہ کے رسول! اپنے آپ کو کس طرح ذلیل کرے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسی آزمائش میں پڑے، جس کی اُسے طاقت نہ ہو (طبرانی)

اور حضرت حسن بن حسن کے بارے میں روایت ہے کہ:

قَامَ إِلَيْهِ رَجُلٌ فَقَالَ يَا أَبَا سَعِيْدٍ اَلْحَجَّاجُ قَدْ أَخَّرَ الصَّلَاةَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ حَتّٰى كَانَ قَرِيْبًا مِّنَ الْعَصْرِ قَالَ فَأَقُوْمُ إِلَيْهِ فَآمُرُهُ بِتَقْوَى اللّٰهِ قَالَ لَهٗ

---

[1] رقم الحديث ۵۳۵۷، دار الحرمين - القاهرة، واللفظ لهٗ؛ امثال الحديث لابی الشيخ الاصبهانی، حديث نمبر ۱۳۱)

قال الهيثمی: رواه البزار والطبرانی فی الاوسط والكبير باختصار واسناد الطبرانی فی الكبير جيد ورجاله رجال الصحيح غير زكريا بن يحى بن أيوب الضرير ذكره الخطيب روى عنه جماعة ولم يتكلم فيه أحد (مجمع الزوائد، ج۷ص ۲۷۴، باب فيمن خشی من ضرر علی غيره وعلى نفسه، مكتبة القدسی، قاهرة)

وبه قال الطبرانی لا يروى عن ابن عمر إلا بهذا الإسناد تفرد به زكريا قلت رواته موثقون إلا عبد الكريم وهو أبو أمية بن أبی المخارق فإنه ضعيف لكنه شاهد جيد للحديث الماضی وله شاهد آخر من حديث على رضی الله تعالى عنه رويناه فی المعجم الأوسط أيضا وفی إسناده من لا يعرف (الامالی المطلقة لابن حجر، جزء ۱، صفحه ۱۶۸)

www.idaraghufran.org

الْحَسَنُ بْنُ أَبِي الْحَسَنِ إِنَّهُمْ إِذًا يَقْتُلُونِي قَالَ فَقَالَ لَهُ الرَّجُلُ أَلَيْسَ قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُوْنَ قَالَ الْحَسَنُ حَدَّثَنِي أَبُوْ بَكْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَيْسَ لِلْمُؤْمِنِ أَنْ يُّذِلَّ نَفْسَهُ قَالُوْا وَكَيْفَ يُذِلُّهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ يَتَكَلَّفُ مِنَ الْبَلَاءِ مَا لَا يُطِيْقُ (بغية الباحث، رقم الرواية ٧٧٣) [1]

ترجمہ: اُن کے سامنے ایک آدمی کھڑا ہوا، اور کہا کہ اے ابوسعید! حجاج (بن یوسف) نے جمعہ کے دن نماز میں بہت تاخیر کی ہے، یہاں تک کہ عصر کا وقت قریب ہوگیا، تو آپ اُن کو کھڑے ہوکر اللہ کا خوف دِلایئے۔

حضرت حسن بن حسن نے اُن سے کہا کہ ایسی صورت میں وہ مجھے قتل کردیں گے، پھر اُن کو اُس آدمی نے کہا کہ کیا اللہ عزوجلّ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ وہ لوگ نہی عن المنکر نہیں کرتے تھے، اور اُن کا طرزِ عمل بہت بُرا تھا۔

حضرت حسن نے اس کے جواب میں فرمایا کہ مجھ سے حضرت ابوبکرہ نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل کرے۔

صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اپنے آپ کو کیسے ذلیل کرے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسی آزمائش کو (اپنی طرف سے) اختیار کرے کہ جس کی اُسے طاقت نہ ہو (بغیۃ الباحث)

---

[1] قال ابن حجر: رواته ثقات إلا الخليل وهو عند أبي يعلى في قصة طويلة من طريق المعلى بن زياد القردوسي عن الحسن البصري إنما حدث بحديثين ، أحدهما :عن أبي سعيد رضي الله عنه ، والثاني قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم .فذكر هذا المتن (المطالب العالية، باب جواز ترك النهي عن المنكر، لمن لا يطيق)

وقال البوصيري: رواه الحارث بن أبي أسامة عن الخليل بن زكريا وهو ضعيف لكن لم ينفرد به فقد رواه أبو يعلى مطولًا وسيأتي في الفتن في باب ليس للمؤمن أن يذل نفسه (اتحاف الخيرة المهرة، باب إجتناب المحرمات)

اورابویعلیٰ موصلی نے بھی اپنی مسند میں اس قسم کا ایک تفصیلی واقعہ صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ل

ل حدثنا قطن بن نسير ، حدثنا جعفر بن سليمان ، حدثنا المعلى بن زياد قال :لما هزم يزيد بن المهلب أهل البصرة قال المعلى :فخشيت أن أجلس فى حلقة الحسن بن أبى الحسن فأوجد فيها فأعرف ، فأتيت الحسن فى منزله ، فدخلت عليه فقلت :يا أبا سعيد ، كيف بهذه الآية من كتاب الله ؟ قال : أية آية من كتاب الله ؟ ، قلت :قول الله فى هذه الآية :(وترى كثيرا منهم يسارعون فى الإثم والعدوان وأكلهم السحت لبئس ما كانوا يعملون) ، قال : يا عبد الله ، إن القوم عرضوا السيف فحال السيف دون الكلام ، قلت :يا أبا سعيد ، فهل تعرف لمتكلم فضلا ؟ قال : لا ، قال المعلى :ثم حدث بحديثين :حدثنا أبو سعيد الخدرى ، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم بحديث ، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : ألا لا يمنعن أحدكم رهبة الناس أن يقول الحق إذا رآه ، أن يذكر تعظيم الله فإنه لا يقرب من أجل ، ولا يبعد من رزق قال :ثم حدث الحسن بحديث آخر ، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : ليس للمؤمن أن يذل نفسه قيل :وما إذلاله نفسه ؟ قال : يتعرض من البلاء لما لا يطيق قيل :يا أبا سعيد فيزيد الضبى وكلامه فى الصلاة ؟ قال : أما إنه لم يخرج من السجن حتى ندم ، قال المعلى :فقمت من مجلس الحسن فأتيت يزيد فقلت :يا أبا مودود ، بينما أنا والحسن نتذاكر إذ نصبت أمرك نصبا ، فقال :مه يا أبا الحسن ، قال :قلت :قد فعلت ؟ قال :فما قال الحسن ؟ قلت قال : أما إنه لم يخرج من السجن حتى ندم على مقالته ، قال يزيد :ما ندمت على مقالتى ، وايم الله لقد قمت مقاما أخطر فيه بنفسى ، قال يزيد :فأتيت الحسن فقلت :يا أبا سعيد ، غلبنا على كل شىء ، نغلب على صلاتنا ؟ فقال : يا عبد الله ، إنك لم تصنع شيئا ، إنك تعرض نفسك لهم ، ثم أتيته فقال لى مثل مقالته ، قال :فقمت يوم الجمعة فى المسجد والحكم بن أيوب يخطب ، فقلت :رحمك الله ، الصلاة ، قال :فلما قلت ذلك احتوشتنى الرجال يتعاورونى ، فأخذوا بلحيتى وتلبيبتى ، وجعلوا يجئون بطنى بنعال سيوفهم ، قال :ومضوا بى نحو المقصورة ، فما وصلت إليه حتى ظننت أنهم سيقتلونى دونه ، قال :ففتح لى باب المقصورة ، قال :فدخلت فقمت بين يدى الحكم وهو ساكت ، فقال :أمجنون أنت ؟ قال :وما كنا فى صلاة ، فقلت :أصلح الله الأمير ، هل من كلام أفضل من كتاب الله ؟ قال :لا ، قلت :أصلح الله الأمير ، أرأيت لو أن رجلا نشر مصحفا يقرؤه غدوة إلى الليل أكان ذلك قاضيا عنه صلاته ؟ قال :والله إنى لأحسبك مجنونا ، قال :وأنس بن مالك جالس تحت منبره ساكت ، فقلت :يا أنس ، يا أبا حمزة ، أنشدك الله فقد خدمت رسول الله صلى الله عليه وسلم وصحبته ، أبمعروف قلت أم بمنكر ، أبحق قلت أم بباطل ؟ قال :فلا والله ، ما أجابنى بكلمة ، قال له الحكم بن أيوب :يا أنس ، قال :يقول :لبيك ، أصلحك الله ، قال :وكان وقت الصلاة قد ذهب ، قال :كان بقى من الشمس بقية ، فقال :احبسوه ، قال يزيد :فأقسم لك يا أبا الحسن -يعنى للمعلى -لما لقيت من أصحابى كان أشد على من مقامى ، قال بعضهم :مراء ، وقال بعضهم :مجنون ، قال :وكتب الحكم إلى الحجاج :أن رجلا من بنى ضبة قام يوم الجمعة قال :الصلاة ، وأنا أخطب ،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت ابنِ عمر اور حضرت حسن کی مذکورہ احادیث اُن صحیح احادیث کے موافق ہیں، جن میں ایسے حکمرانوں کے سامنے جو سنت کی خلاف ورزی کریں گے، بدعات کا ارتکاب کریں گے، نماز کو مؤخر کریں گے، یہ حکم دیا گیا ہے کہ خود آدمی اپنی ذات کو اُن سے بچا کر رکھے، اور حتی الامکان خود اللہ کی نافرمانی سے بچتا رہے، اور نماز کو وقت پر پڑھے، اور اُن کے ساتھ بامرِ مجبوری پڑھنی پڑ جائے تو بامرِ مجبوری نفل کے طور پر اُن کے ساتھ شرکت کرے، اور فتنے کی وجہ سے اُن حکمرانوں کے ساتھ تعرّض کا حکم نہیں دیا گیا۔ [1]

نیز مؤمن کے لئے اپنے آپ کو ذلیل نہ کرنے کی حدیث دوسری سندوں کے ساتھ بھی

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وقد شهد الشهود العدول عندی أنه مجنون ، فكتب إليه الحجاج :إن كانت قامت الشهود العدول أنه مجنون فخل سبيله ، وإلا فاقطع يديه ورجليه ، واسمر عينيه ، واصلبه ، قال :فشهدوا عند الحكم أنی مجنون فخلى عنى .قال المعلى ، عن يزيد الضبى : مات أخ لنا فتبعنا جنازته فصلينا عليه ، فلما دفن تنحيت فی عصابة ، فذكرنا الله وذكرنا معادنا ، فإنا كذلک إذ رأينا نواصی الخيل والحراب ، فلما رآه أصحابی قاموا وتركونی وحدی ، فجاء الحكم حتى وقف علی فقال :ما كنتم تصنعون ؟ قلت : أصلح الله الأمير ، مات صاحب لنا فصلينا عليه ودفن ، فقعدنا نذكر ربنا ، ونذكر معادنا ، ونذكر ما صار إليه ، قال :ما منعک أن تفر كما فروا ؟ قلت : أصلح الله الأمير ، أنا أبرأ من ذلک ساحة وآمن للأمير من أن أفر ، قال :فسكت الحكم ، فقال عبد الملک بن المهلب - وكان على شرطته -تدری من هذا ؟ قال :من هذا ؟ قال :هذا المتكلم يوم الجمعة ، قال :فغضب الحكم وقال :أما إنک لجرىء ، خذاه ، قال : فأخذت فضربنی أربعمائة سوط ، فما دريت حين تركنی من شدة ما ضربنی ، قال :وبعثنی إلى واسط ، فكنت فی ديماس الحجاج حتى مات الحجاج (مسند ابی یعلیٰ، رقم الحديث ۱۳۸۱)

قال البوصيری: رواه أبويعلى الموصلی بسند صحيح، والحارث مختصرًا بسند ضعيف، وتقدم لفظه فی المواعظ فی باب من يعمل الحسنات (اتحاف الخيرة المهرة، باب فی التلاعن وتحريم دم المسلم)

[1] عن عبد الله بن الصامت، عن أبی ذر، قال : قال لی رسول الله : كيف أنت إذا كانت عليک أمراء يؤخرون الصلاة عن وقتها؟ -أو -يميتون الصلاة عن وقتها؟ قال: قلت : فما تأمرنی؟ قال : صل الصلاة لوقتها، فإن أدركتها معهم، فصل، فإنها لک نافلة ولم يذكر خلف : عن وقتها (مسلم، رقم الحديث ۱۴۹۷، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب كراهية تأخير الصلاة عن وقتها المختار، وما يفعله المأموم إذا أخرها الإمام)

اس طرح کی کئی احادیث پچھلی فصلوں میں گزر چکی ہیں۔

مروی ہے۔ ۱

خلاصہ یہ کہ حکمرانوں کے ساتھ خیر خواہی اور خیر سگالی عبادت کا کام ہے، جس میں حکمرانوں کو خیر کی نصیحت کرنا بھی داخل ہے اور یہ عظیم الشان عمل ہے، مگر اسی کے ساتھ حکمرانوں کے منصب ومقام کا لحاظ بھی ضروری ہے، جس کی صورت یہ ہے کہ ان کو نصیحت دوسروں کے سامنے نہ کرے، بلکہ خلوت وتنہائی میں کرے، اور اگر اس کی قدرت نہ ہو، اور حکمران کو اچھی نصیحت بُری لگے، اور اس کی طرف سے فتنہ وفساد لازم آئے، تو اس سے الگ رہنے میں ہی عافیت ہے، ایسی صورت میں دل سے گناہ کو گناہ سمجھتے ہوئے اور دوسروں کو جن پر قدرت ہو، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے پر اکتفاء کرنا مناسب ہے۔ ۲

---

۱ عن حذيفة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا ينبغي للمؤمن أن يذل نفسه قالوا: وكيف يذل نفسه؟ قال: يتعرض من البلاء لما لا يطيق (ترمذی، رقم الحديث ۲۲۵۴، ابواب الفتن؛ ابنِ ماجه، رقم الحديث ۴۰۰۶)

۲ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

خوب سمجھ لیجئے! کہ قدرت کی دو قسمیں ہیں، ایک یہ کہ جو کام ہم کرنا چاہتے ہیں، اس پر تو ہم کو قدرت ہے لیکن اس کے کر لینے کے بعد جن خطرات کا سامنا ہوگا، ان کے دفعہ کرنے پر قدرت نہیں ہے، دوسرے یہ کہ فعل پر بھی قدرت ہے اور اس کے کر لینے کے بعد جو خطرات پیش آئیں گے اُن کی مدافعت پر بھی قدرت ہو، پہلی صورت استطاعتِ لغویہ ہے اور دوسری صورت استطاعتِ شرعیہ۔

خوب سمجھ لیجئے گا! اور مدافعت کی فرضیت کے لیے پہلی استطاعت کافی نہیں، بلکہ دوسری صورت یعنی استطاعتِ شرعیہ شرط ہے جس کو اس حدیث نے صاف کر دیا ہے۔

قَالَ مَنْ رَأٰى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ.

(جب کوئی شخص کسی گناہ کو ہوتا ہوا دیکھے تو اس کو ہاتھ سے مٹا دے، اگر اس کی قدرت نہ ہو تو زبان سے مٹا دے، اور اگر اس کی بھی قدرت نہ ہو تو دل سے مٹا دے)

ظاہر ہے کہ استطاعت باللسان (زبان سے کہنے کی قدرت) ہر وقت حاصل ہے، پھر اس کے انتفاء (طاقت نہ ہونے) کی تقدیر (صورت) کب محقق (وثابت) ہوگی یعنی اگر کسی فعل کی فرضیت کے لئے محض اس فعل پر قادر ہونا کافی ہو اور اس سے جو خطرات پیش آنے والے ہوں، ان کی مدافعت (دور کرنے) پر قادر ہونا شرط نہ ہو تو زبان سے انکار کرنا ہر حالت میں فرض ہونا چاہیے، کیونکہ زبان کا چلانا ہر وقت ہماری قدرت میں ہے پھر وہ کونسی صورت ہوگی جس کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر زبان سے بھی مٹانے کی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

مگر افسوس کہ آج کل حکمرانوں کی خیرخواہی اور ان کی نصیحت کا اہتمام نہیں، اور اس کے بجائے بہت سے لوگ حکمرانوں کے خلاف بغاوت اور غم وغصہ پر عوام کو اُبھارتے اور جوش دِلاتے ہیں، اور حکمرانوں کو علیٰحدگی میں نصیحت کرنے کے بجائے، عوام کے سامنے بلکہ اس

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

قدرت نہ ہو تو دل سے مٹا دو، اس سے ثابت ہوا کہ استطاعت سے مراد یہ ہے کہ اس فعل پر قدرت ہونے کے ساتھ اس میں ایسا خطرہ بھی نہ ہو جس کی مقاومت اور مدافعت ومقابلہ بظنِ غالب عادتاً ناممکن ہو۔

ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس دفاع کے بعد اس سے زیادہ شر میں مبتلا نہ ہو جائیں (الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ ج ا ص ۱۰۶ ملفوظ نمبر ۱۱۶)

اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونا ضرور ہے کہ اور لوگوں کو بھی خیر کی طرف بلایا کریں اور نیک کاموں کے کرنے کو کہا کریں اور بُرے کاموں سے روکا کریں اور ایسے لوگ آخرت میں ثواب سے پورے کامیاب ہوں گے۔

ف: تفصیل اس مسئلہ کی یہ ہے کہ جو شخص امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر قادر ہو، یعنی قرائن سے غالب گمان رکھتا ہے کہ اگر میں امر ونہی کروں گا تو مجھ کو کوئی ضَرَر معتَد بہٖ (کوئی قابلِ ذکر نقصان) لاحق نہ ہوگا، اس کے لیے اُمورِ واجبہ میں امر ونہی کرنا واجب ہے، اور اُمورِ مستحبہ میں مستحب۔

مثلاً نمازِ پنجگانہ فرض ہے تو ایسے شخص پر واجب ہوگا کہ بے نماز کو نصیحت کرے، اور نوافل مستحب ہیں اس کی نصیحت کرنا مستحب ہوگا اور جو شخص بالمعنی المذکور (یعنی مذکورہ تفصیل کے مطابق) قادر نہ ہو اس پر امر ونہی کرنا اُمورِ واجبہ میں بھی واجب نہیں، البتہ اگر ہمت کرے تو ثواب ملے گا۔

پھر اس امر ونہی میں قادر کے لیے اُمورِ واجبہ میں یہ تفصیل ہے کہ اگر قدرت ہاتھ سے ہو تو ہاتھ سے اس کا انتظام واجب ہے، جیسے حکّام محکومین کے اعتبار سے یا ہر شخص خاص اپنے اہل وعیال کے اعتبار سے۔ اور اگر صرف زبان سے قدرت ہو تو زبان سے کہنا واجب ہے، اور غیر قادر کے لیے صرف اتنا کافی ہے کہ تارکِ واجبات ومرتکبِ محرمات (یعنی فرض وواجب کو چھوڑنے اور ناجائز وحرام کام کرنے والوں) سے دل سے نفرت رکھے (بیان القرآن جز ۴ صفحہ ۴۵، سورۃ آلِ عمران آیت ''ولتکن منکم اُمۃ یدعون الی الخیر'' الخ)

ہاتھ سے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنے کا حکم عام نہیں بلکہ اہلِ حکومت کے ساتھ خاص ہے، کیونکہ جہاں حکومت نہ ہو وہاں نرمی ہی مناسب ہے۔ امام صاحب نے اس راز کو خوب سمجھا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص کسی کا طنبور یا مزامیر (یعنی گانے بجانے کے آلات) توڑ دے تو اس پر ضمان (تاوان) لازم آئے گا، اور صاحبین فرماتے ہیں کہ ضمان لازم نہ ہوگا، کیونکہ اس نے منکر کا ازالہ کیا ہے، اور حدیث میں ازالۂ منکر کا حکم ہاتھ سے بھی ہے۔ امام صاحب اس کا جواب دیتے ہیں کہ ہاتھ سے ازالۂ منکر کرنے کا اختیار حکومت

﴿ بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں ﴾

idaraghufran

سے بڑھ کر منبر ومحراب پر برسرِ بازار حکمرانوں کو بُرا بھلا کہتے ہیں، جس کو نصیحت کے بجائے فضیحت کہنا چاہئے، اوراوپر سے اس کو افضلِ جہاد سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

اور بعض اس سے بھی بڑھ کر گناہ گار حکمرانوں کے خلاف مطلقاً خروج کو بھی جہاد سے تعبیر کرتے ہیں۔

یہ طرزِ عمل شریعت کی پاکیزہ تعلیمات سے میل نہیں کھاتا، اوراسی لئے اس پر عموماً خیر مرتب نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ اصلاح فرمائے۔آمین

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

کے لوگوں کو ہے، عوام کو اختیار نہیں ۔امام صاحب کے قول کا راز یہی ہے کہ عوام کی دست درازی سے فساد ہوگا، اورامر بالمعروف ونہی عن المنکر سے شریعت کا مقصود اصلاح ہے نہ کہ فساد۔لیکن حکومت کے دو درجے ہیں، باپ کو بیٹے پر اور شوہر کو بیوی پر، استاد کو شاگرد پر (مہتمم کو طلبہ واساتذہ پر) فی الجملہ حکومت ہوتی ہے، لہٰذا ان کو اپنے ماتحتوں کے ساتھ ہاتھ سے بھی امر بالمعروف کرنے کا حکم ہے، لیکن غیروں کے ساتھ ایسا نہ کرنا چاہیے وہاں تو صرف زبان سے کام لیں اور وہ بھی نرمی سے۔ نیز امر بالمعروف بزرگوں کو بھی کیا جاتا ہے، مگر وہاں نرمی کے ساتھ ادب وتعظیم کی بھی ضرورت ہے (ملفوظات کمالاتِ اشرفیہ صفحہ۷۳، ماخوذ از ''دینی دعوت وتبلیغ کے اُصول واحکام'' صفحہ۱۷۱)

''امام ابو حنیفہ کی عجیب نظر ہے، دیکھئے امام صاحب کا قول ہے کہ آلاتِ لہو کو توڑ ڈالنا واعظ کو یا کسی کو جائز نہیں اگر کوئی توڑ دے تو ضمان (تاوان) لازم آئے گا یہ کام سلطان (حاکم) کا ہے۔وہ احتساب کرے اور توڑے پھوڑے اور سزا دے جو چاہے کرے دیکھئے اس میں کتنا امن ہے، سوائے سلطان (حاکم) کے اور کسی کے احتساب کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ کام بند تو ہوتا نہیں، جنگ وجدل اور فتنہ ہوتا ہے اور باہمی منازعات بڑی دور تک پہنچ جاتے ہیں۔

علیٰ ہذا اقامتِ حدود (حدود وسزاؤں کا نفاذ واجراء) سلطان (حاکم) ہی کے ساتھ خاص ہے'' (ملفوظات حکیم الامت ج ۲۰ ص۱۰۱)

(فصل نمبر ۷)

حکمرانوں کی تکریم وتوقیر کا حکم اور تحقیر وتذلیل کی ممانعت

حکمران، کیونکہ عوام کے سربراہ اور بڑے ہیں، اور اسلام میں سربراہوں اور بڑوں کی تکریم وتوقیر کا حکم دیا گیا ہے، اور تحقیر وتذلیل کی خاص ممانعت کی گئی ہے۔

اس حیثیت سے حکمرانوں کی تکریم وتوقیر اس اصول میں بھی داخل ہے کہ اسلام میں بڑوں کی تکریم وتوقیر کا حکم دیا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَيُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا (ترمذی، رقم الحدیث ۱۹۱۹) [1]

ترجمہ: وہ شخص ہم میں سے نہیں، جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے، اور ہمارے بڑوں کی تکریم نہ کرے (ترمذی)

اس طرح کی حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ [2]

---

[1] قال الترمذی: وفی الباب عن عبد الله بن عمرو، وأبی هريرة، وابن عباس، وأبی أمامة: هذا حديث غريب وزربی له أحاديث مناكير عن أنس بن مالك وغيره.
وقال الالبانی:قلت :وفی التقريب أنه ضعيف، وكذلك قال فی عبيد بن واقد . لكن الحديث صحيح، فله شاهد من رواية محمد بن إسحاق عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده مرفوعا به (سلسلة الاحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ۲۱۹۶)

[2] عن عمرو بن شعيب، عن أبيه، عن جده، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ليس منا من لم يرحم صغيرنا، ويعرف حق كبيرنا (مسندا حمد، رقم الحديث ۶۷۳۳)
فی حاشية مسند احمد: حديث صحيح.
عن أبی أمامة قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من لم يجل كبيرنا، ويرحم صغيرنا فليس منا (المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۷۹۲۲، الادب المفرد للبخاری، رقم الحديث ۳۵۶، باب فضل الكبير) ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ان الفاظ میں مروی ہے کہ:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يُوَقِّرِ الْكَبِيْرَ، وَيَرْحَمِ الصَّغِيْرَ وَيَأْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ، وَيَنْهٰى عَنِ الْمُنْكَرِ (مسند احمد، رقم الحديث ۲۳۲۹) [۱]

ترجمہ: وہ شخص ہم میں سے نہیں، جو بڑے کی تکریم نہ کرے، اور چھوٹے پر رحم نہ کرے، اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرے (مسند احمد)

اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا بڑے کی تکریم اور چھوٹے پر رحم کے خلاف نہیں، بلکہ اس کے موافق ہے، اسی لئے بعض احادیث میں نصیحت کو دین کا بہت بڑا حصہ قرار دیا گیا ہے، اور حکمرانوں کو ان کی تحقیر سے بچتے ہوئے نصیحت کرنے کی خاص فضیلت بیان کی گئی ہے، جس کا ذکر پیچھے فصل نمبر ۶ میں گزر چکا ہے۔ [۲]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عن عبادة بن الصامت، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال " :ليس من أمتى من لم يجل كبيرنا، ويرحم صغيرنا، ويعرف لعالمنا "قال عبد الله :وسمعته أنا من هارون (مسند احمد، رقم الحديث ۲۲۷۵۵، مستدرک حاکم، رقم الحديث ۴۲۱)

فى حاشية مسند احمد:صحيح لغيره دون قوله" :ويعرف لعالمنا".

[۱] فى حاشية مسند احمد:صحيح لغيره.

[۲] (ليس منا) أى ليس مثلنا (من لم يرحم صغيرنا) لعجزه وبراء ته عن قبائح الأعمال وقد يكون صغيرا فى المعنى مع تقدم سنه لجهله وغباوته وخرقه وغفلته فيرحم بالتعليم والإرشاد والشفقة (ويوقر كبيرنا) لما خص به من السبق فى الوجود وتجربة الأمور (ويأمر بالمعروف وينهى عن المنكر) بحسب وسعه بيده أو بلسانه أو بقلبه بشروطه المعروفة قال تعالى (أنجينا الذين ينهون عن السوء)فجعل النجاة للناهين والهلكة للتاركين (فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ۷۶۹۳)

(وعن عمرو بن شعيب عن أبيه) شعيب (عن جده) أى جد أبيه :أى إن أباه رواه عن جده وهو عبد الله بن عمرو (رضى الله عنه قال :قال رسول الله :ليس منا) أى من أهل سنتنا وهدينا وطريقتنا (من لا يرحم صغيرنا) أى الصغير من المسلمين بأن يشفق عليه ويرحمه ويحسن إليه ويلاعبه (ويعرف شرف كبيرنا) أى بما يستحقه من التعظيم والإجلال والتبجيل وتوضحه رواية أحمد ليس من أمتى من لم يجل كبيرنا ولأحمد والترمذى وابن حبان فى صحيحه ليس منا من لم يوقر الكبير ويرحم الصغير ويأمر بالمعروف وينهى عن المنكر (حديث صحيح رواه أبو داود والترمذى) فى أبواب البر واللفظ له عن ابن عمر (وقال الترمذى :حديث صحيح) الذى فى الجامع وقال :حسن صحيح، وكذا فى نسخة من الرياض، والظاهر أنه حسن باعتبار طريق صحيح باعتبار طريق آخ لأنه رواه من طريقين ينتهيان إلى عمرو بن شعيب، وفى رواية له عن أنس مرفوعا؟ ليس منا من لم يرحم صغيرنا ولا يوقر كبيرنا(دليل الفالحين لطرق رياض الصالحين، ج۳ص ۲۱۳،باب توقير بالقاف من الوقار)

حکمرانوں کی تعظیم وتوقیر کی فضیلت

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَهِدَ إِلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ خَمْسٍ مَنْ فَعَلَ مِنْهُنَّ كَانَ ضَامِنًا عَلَى اللّٰهِ : مَنْ عَادَ مَرِيْضًا، أَوْ خَرَجَ مَعَ جَنَازَةٍ، أَوْ خَرَجَ غَازِيًا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، أَوْ دَخَلَ عَلٰى إِمَامٍ يُرِيْدُ بِذٰلِكَ تَعْزِيْرَهٗ وَتَوْقِيْرَهٗ، أَوْ قَعَدَ فِيْ بَيْتِهٖ فَيَسْلَمُ النَّاسُ مِنْهُ وَيَسْلَمُ (مسند احمد، رقم الحديث ۲۲۰۹۳) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے پانچ چیزوں کا عہد لیا کہ جس نے ان میں سے کوئی کام کیا، تو وہ اللہ کی ضمانت (وحفاظت) میں ہے، جس نے مریض کی عیادت کی، یا جنازے کے ساتھ نکلا، یا اللہ کے راستہ میں جہاد کے لئے نکلا، یا امام (یعنی حاکم) کے پاس اُس کی تعظیم وتوقیر (اور جائز نصرت ومدد) کے لئے گیا، یا اپنے گھر میں بیٹھا (یعنی گھر میں رہا) جس کے ذریعہ سے لوگ اس (کی ایذاء) سے سلامت رہے، اور یہ خود بھی (لوگوں کی ایذاء سے) سلامت رہا (تو یہ اللہ کی ضمانت اور خاص فضیلت کا مستحق ہے) (مسند احمد)

اس حدیث سے حکمرانوں کی تکریم وتوقیر کی فضیلت معلوم ہوئی۔

حکمرانوں کی تعظیم کا حکم اور تذلیل کا وبال

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: سَيَكُوْنُ بَعْدِيْ سُلْطَانٌ فَأَعِزُّوْهُ مَنِ الْتَمَسَ ذُلَّهٗ ثَغَرَ ثُغْرَةً فِي الْإِسْلَامِ وَلَمْ يُقْبَلْ مِنْهُ

---

[1] فی حاشية مسند احمد: حديث حسن.

تَوْبَةٌ حَتّٰى يُعِيْدَهَا كَمَا كَانَتْ (السنة لابنِ ابی عاصم، رقم الحديث ١٠٧٩) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ میرے بعد بادشاہ (وحکمران) ہوں گے، تو تم ان کا اعزاز (واحترام) کرو، جس نے بادشاہ (وحکمران) کو ذلیل کرنے کی کوشش کی، تو اس نے اسلام میں ایسی دراڑ پیدا کردی کہ اس سے اس گناہ کی اس وقت تک توبہ قبول نہیں کی جائے گی، جب تک کہ وہ اس کو پہلی حالت پر نہ لے آئے (ابنِ ابی عاصم)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

وَأَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ مَشٰى إِلٰى سُلْطَانِ اللّٰهِ فِى الْأَرْضِ لِيُذِلَّهُ أَذَلَّ اللّٰهُ رَقَبَتَهُ قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَعَ مَا ذَخَرَ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ (السنة لابنِ ابی عاصم) [2]

ترجمہ: اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص زمین میں اللہ کے سلطان (یعنی بادشاہ وحکمران) کی طرف اس کو ذلیل کرنے کے لئے چلا، تو اس کی گردن کو اللہ قیامت سے پہلے ذلیل فرمائے گا، اور قیامت کے دن کا عذاب (ورُسوائی کا عذاب) الگ سے باقی رہے گا (طبرانی)

---

[1] قال الالبانی :إسناده صحيح ورجاله رجال الصحيح غير ابن حلبس وهو يونس بن ميسرة وهو ثقة. وللحديث طريق أخرى يرويها القاسم بن عوف الشيبانى عن رجل عن أبى ذر نحوه أتم منه . أخرجه أحمد (ظلال الجنة فى تخريج السنة)

حدثنا القاسم بن عوف الشيبانى عن رجل قال :حملت لأبى ذر شيئا فقال أبو ذر : سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول":إنه كأنى بعدى سلطان فلا تذلوه فمن أراد أن يذله خلع ربقة الإسلام من عنقه وليس يقبل منه توبة حتى يسد ثلمته التى ثلم وليس بفاعل (السنة لابنِ ابی عاصم، رقم الحديث ١٠٢٠، مسند احمد، رقم الحديث ٢١٤٦٠)

[2] رقم الحديث ١٤٦٢،المعجم الكبير للطبرانى، رقم الحديث ١١٢١٦ .

قال الهيثمى: رواه الطبرانى، وفيه أبو محمد الجزرى حمزة ولم أعرفه، وبقية رجاله رجال الصحيح (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ٩٠٧١)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

مَا مَشٰی قَوْمٌ إِلٰی سُلْطَانِ اللّٰهِ فِی الْأَرْضِ لِيُذِلُّوْهُ، إِلَّا أَذَلَّهُمُ اللّٰهُ قَبْلَ أَنْ يَّمُوْتُوْا (جامع معمر بن راشد، مشمولة مصنف عبدالرزاق، رقم الحديث ٢٠٧١٥)

ترجمہ: جو قوم بھی زمین میں اللہ کے بادشاہ (وحکمران) کو ذلیل کرنے کے لئے چلتی ہے، تو اس کو مرنے سے پہلے اللہ ذلیل فرما دیتا ہے (عبدالرزاق)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ وَاسْتَذَلَّ الْإِمَارَةَ لَقِيَ اللّٰهَ وَلَا وَجْهَ لَهُ عِنْدَهُ (مسند أحمد، رقم الحديث ٢٣٢٨٣) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص (مسلمانوں کی حق) جماعت کو چھوڑ دیتا ہے اور امارت (وحکومت) کو ذلیل کرتا ہے تو وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ کے نزدیک اس کی کوئی حیثیت نہ ہوگی (مسند احمد)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُوْلُ: مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ، وَاسْتَذَلَّ الْإِمَارَةَ لَقِيَ اللّٰهَ وَلَا حُجَّةَ لَهُ عِنْدَ اللّٰهِ (مستدرک حاکم، رقم الحديث ٤١٠) [2]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص

---

[1] فی حاشية مسند احمد: إسناده حسن.

[2] قال الحاكم: هذا حديث صحيح فإن كثير بن أبی كثير كوفی سكن البصرة .روى عنه يحيى بن سعيد القطان، وعيسى بن يونس ولم يذكر بجرحٍ

(مسلمانوں کی) جماعت کو چھوڑ دیتا ہے اور امارت (وحکومت) کو ذلیل کرتا ہے تو وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ کے نزدیک اس کے پاس کوئی دلیل نہ ہوگی (حاکم)

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: مَنْ أَكْرَمَ سُلْطَانَ اللّٰهِ فِى الدُّنْيَا، أَكْرَمَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ أَهَانَ سُلْطَانَ اللّٰهِ فِى الدُّنْيَا، أَهَانَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (مسند احمد، رقم الحديث ٢٠٤٣٣)

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ جو شخص دنیا میں اللہ کے بادشاہ (وحکمران) کا اکرام (وعزت) کرے گا، اللہ قیامت کے دن اس کا اکرام (وعزت) فرمائے گا، اور جو شخص دنیا میں اللہ کے بادشاہ (وحکمران) کی توہین کرے گا، اللہ قیامت کے دن اس کی توہین فرمائے گا (مسند احمد)

اس حدیث کے ایک حصہ کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے اور ایک حصہ کو بعض دوسرے محدثین نے روایت کیا ہے، اور مجموعی طور پر ان احادیث کی سند معتبر ہے۔ [1]

ان احایث سے حکمرانوں کی تکریم وتوقیر کی فضیلت اور ان کی تحقیر وتذلیل کا وبال معلوم ہوا۔

---

[1] عن زياد بن كسيب العدوى، قال: كنت مع أبى بكرة تحت منبر ابن عامر وهو يخطب وعليه ثياب رقاق، فقال أبو بلال: انظروا إلى أميرنا يلبس ثياب الفساق، فقال أبو بكرة: اسكت سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من أهان سلطان الله فى الأرض أهانه الله (سنن الترمذى، رقم الحديث ٢٢٢٤)

قال الترمذى: هذا حديث حسن غريب.

عن أبى بكرة قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: السلطان ظل الله فى الأرض فمن أكرمه أكرم الله ومن أهانه أهانه الله (السنة لابن ابى عاصم، رقم الحديث ١٠٢٤)

قال الالبانى فى تعليق السنة: حديث حسن وهو مكرر الحديث السابق (ظلال الجنة)

عن عبد الرحمن بن أبى بكرة عن أبيه يقول: من أجل سلطان الله أجله الله يوم القيامة (السنة لابن ابى عاصم، رقم الحديث ١٠٢٥)

وقال الالبانى فى تعليق السنة: حديث حسن ورجاله ثقات غير ابن لهيعة فإنه سىء الحفظ والرجل العدوى فإنى لم أعرفه. لكن الحديث حسن بالطريق التى قبله (ظلال الجنة)

وقال الالبانى فى سلسلة الصحيحة: فالحديث حسن عندى (سلسلة الاحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ٢٢٩٧)

حکمرانوں کو بُرا کہنے، دھوکہ دہی اور بُغض ونافرمانی کی ممانعت

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے مرسلاً روایت ہے کہ:

قَالَ : رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَسُبُّوا الْوُلَاةَ فَإِنَّهُمْ إِنْ أَحْسَنُوْا كَانَ لَهُمُ الْأَجْرُ وَعَلَيْكُمُ الشُّكْرُ وَإِنْ أَسَاءُ وْا فَعَلَيْهِمُ الْوِزْرُ وَعَلَيْكُمُ الصَّبْرُ وَإِنَّمَا هُمْ نِقْمَةٌ يَنْتَقِمُ اللّٰهُ بِهِمْ مِمَّنْ يَّشَاءُ فَلَا تَسْتَقْبِلُوْا نِقْمَةَ اللّٰهِ بِالْحَمِيَّةِ وَالْغَضَبِ وَاسْتَقْبِلُوْهَا بِالْإِسْتِكَانَةِ وَالتَّضَرُّعِ (الخراج لابی یوسف، رقم الحدیث ۲۵)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم حکمرانوں کو سب وشتم مت کرو (اور برا بھلامت کہو) کیونکہ اگر وہ اچھے کام کریں گے، تو ان کو اس کا اجر ملے گا، اور تم پر شکر واجب ہوگا، اور اگر وہ برے کام کریں گے، تو اس کا وبال ان پر ہوگا، اور تم پر صبر لازم ہوگا، اور بس وہ حکمران تو سزا (وآزمائش) ہیں، جن کے ذریعہ سے اللہ جس سے چاہے انتقام لیتا ہے، تو تم اللہ کے انتقام کا مقابلہ غیض و غضب سے نہ کرو، بلکہ اس کا مقابلہ دعا اور تضرّع سے کرو (الخراج لابی یوسف)

اس سے معلوم ہوا کہ حکمرانوں کے ظلم پر غیض وغضب اور سبّ وشتم اور گالم گلوچ یالعن وطعن کے بجائے صبر وتحمل کو اختیار کرنا چاہیے، اور اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ [1]

---

[1] (فإذا عدل كان له الأجر وعلى الرعية الشكر وإذا جار) "وفى رواية، أو حاف، أو ظلم (كان عليه الإصر) بكسر أوله ;أى الوزر كما فى رواية (وعلى الرعية الصبر) ; ففيه إشارة إلى أن الإمام العادل نعمة ومنحة، والسلطان الظالم نقمة ومحنه (وفى ذلكم بلاء من ربكم عظيم) (البقرة49 :) و (إن فى ذلك لآيات لكل صبار شكور) (لقمان31 :) ; أى لكل مؤمن، إذ ورد فى الحديث "الإيمان نصفان :نصف صبر، ونصف شكر "وفقنا الله تعالى لهما، قال الطيبى :فإن قلت دلت الإضافة وقوله :يأوى إليه كل مظلوم ;أن السلطان عادل ;فكيف يستقيم على هذا أن يقول :وإذا جار كان عليه الإصر؟ قلت :قولة :السلطان ظل الله، بيان لشأنه، وأنه مما ينبغى أن يكون كذلك،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

نَهَانَا كُبَرَاؤُنَا مِنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : لَا تَسُبُّوْا أُمَرَاءَ كُمْ وَلَا تَغِشُّوْهُمْ وَلَا تَبْغَضُوْهُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاصْبِرُوْا فَإِنَّ الْأَمْرَ قَرِيْبٌ (السنة لابنِ ابی عاصم، رقم الحدیث ۱۰۱۵) [1]

ترجمہ: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام میں سے ہمارے بڑوں نے منع فرمادیا ہے کہ تم اپنے حکمرانوں کو سب وشتم نہ کرو، اور نہ ان کے ساتھ دھوکہ دہی کرو، اور نہ ان کے ساتھ بغض رکھو، اور تم اللہ سے ڈرو، اور (حکمرانوں کی طرف سے پیش آمدہ آزمائشوں پر) صبر کرو، پس (اس طرح کرنے کے نتیجہ میں) معاملہ (یعنی کامیابی اور آزمائش سے نجات) قریب ہے (السنہ)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

نَهَانَا كُبَرَاؤُنَا مِنْ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : لَا تَسُبُّوْا أُمَرَاءَ كُمْ وَلَا تَغُشُّوْهُمْ، وَلَا تَعْصُوْهُمْ، وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاصْبِرُوْا، فَإِنَّ الْأَمْرَ إِلٰى قَرِيْبٍ (شعب الایمان للبیهقی، رقم الحدیث ۷۱۱۷)

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

فإذا جار كأنه خرج عما من شأنه أن يكون ظل الله تعالى وعليه (ياداود إنا جعلناک خليفة فى الأرض فاحكم بين الناس بالحق ولا تتبع الهوى) فرتب عليه الحكم بالوصف المناسب، ونهى عما لا يناسب، أقول :الظاهر أن السلطان ظل الله على كل حال فإنه ينتفع به فى الجملة، والتقسيم إنما هو باعتبار الوصف الأغلب عليه ;من العدل، أو الجور، أو بخصوص قضية جزئية من الأحكام الكلية ;فيجب الصبر والشكر على الرعية بمقتضى هذه الحكمة العلية، ويؤيده ما سبق من حديث " :سيليكم أمراء يفسدون فى الأرض وما يصلح الله بهم أكثر، فمن عمل منهم بطاعة الله فلهم الأجر وعليكم الشكر ومن عمل منهم بمعصية الله فعليهم الوزر وعليكم الصبر "، ثم لا شك أن السلطان حين ظلمه إنما يكون ظل الشيطان ;لكنه بإرادة الرحمن، فالرضا بالقضاء باب الله الأعظم والله سبحانه وتعالى أعلم (مرقاة المفاتيح، ج٦، ص ۲۴۱۹، كتاب الإمارة والقضاء)

[1] قال الالبانى فى تعليق السنة :إسناده جيد ورجاله ثقات وفى بعضهم كلام لا يضر(ظلال الجنة،تحت رقم الحديث ۱۰۱۵)

ترجمہ: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام میں سے ہمارے بڑوں نے منع فرمادیا ہے کہ تم اپنے حکمرانوں کو سب وشتم نہ کرو، اور نہ ان کے ساتھ دھوکہ دہی کرو، اور ان کی نافرمانی نہ کرو، اور تم اللہ سے ڈرو، اور (حکمرانوں کی طرف سے پیش آمدہ آزمائشوں پر) صبر کرو، پس (اس طرح کرنے کے نتیجہ میں) معاملہ (یعنی کامیابی اور آزمائش سے نجات) قریب ہے (بیہقی)

اور ایک روایت میں حکمرانوں پر عیب نہ لگانے کا ذکر ہے۔ [1]

اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے حضرت انس بن مالک رحمہ اللہ کی روایت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ:

أَمَرَنَا كُبَرَاؤُنَا مِنْ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ لَّا نَسُبَّ أُمَرَاءَ نَا وَلَا نَغُشُّهُمْ وَلَا نَعْصِيهِمْ وَأَنْ نَتَّقِيَ اللّٰهَ وَنَصْبِرَ (الخراج لابی یوسف، رقم الحدیث ۲۴)

ترجمہ: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام میں سے ہمارے بڑوں نے یہ حکم فرمایا ہے کہ ہم اپنے حکمرانوں کو سب وشتم نہ کریں، اور نہ ان کے ساتھ دھوکہ دہی کریں، اور نہ ان کی نافرمانی کریں، اور ہم اللہ سے ڈریں، اور (حکمرانوں کی طرف سے پیش آمدہ آزمائشوں پر) صبر کریں (الخراج لابی یوسف)

معلوم ہوا کہ جلیلُ القدر اور اکابر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے حکمرانوں پر سبّ وشتم کرنے، اُن سے بُغض وعداوت رکھنے اور اُن پر عیب گوئی سے منع فرمادیا ہے، اور جلیلُ القدر واکابر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ حکم ظاہر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سُن کر ہی بیان

---

[1] عن أنس بن مالک، رضی اللہ عنه قال: نهانا كبراؤنا من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم أن لا تسبوا أمراء كم، ولا تعيبوهم، واتقوا الله واصبروا، فإن الأمر قريب (تاريخ اصبهان، ج ۱ ص ۲۵۸، تحت ترجمة اسماعيل بن عباد بن العباس الطالقاني)

فرمایا ہوگا، محدثین کے نزدیک اس طرح کی روایات مرفوع احادیث یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کا حکم رکھتی ہیں، البتہ حکمرانوں کو بشرطِ قدرت وحیثیت علیٰحدگی میں وعظ ونصیحت کرنا عبادت اوراجروثواب کا باعث ہے۔

اس طرح کا مضمون بعض اوراحادیث میں بھی مروی ہے، جن کی سندوں پر محدثین نے کلام کیا ہے۔ [1]

حکمرانوں کو برا بھلا کہنے میں صبر کی خلاف ورزی، غیبت اور بہتان وغیرہ کا گناہ تو اپنی جگہ ہے، اس کے علاوہ ایک اہم نقصان یہ ہے کہ اس کی وجہ سے حکومت کی ہیبت اور شوکت لوگوں کے دلوں سے نکلتی ہے، اور قانون شکنی اور خروج کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے، جو بے شمار فتنوں کا باعث ہے۔ [2]

اوراحادیث میں حکمرانوں کی تخصیص نہیں کی گئی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم عام حکمرانوں کے بارے میں ہے۔

---

[1] حدثنا الحسين بن محمد بن مصعب الأشناني، بالكوفة، ثنا محمد بن عبيد المحاربي، ثنا موسى بن عمير، عن مكحول، عن أبي أمامة قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : لا تسبوا الأئمة، وادعو الله لهم، فإن صلاحهم لكم صلاح (المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ۷۶۰۹، المعجم الاوسط للطبراني، رقم الحديث ۱۶۰۶ ومسند الشاميين للطبراني، رقم الحديث ۳۴۴۳)

قال الهيثمي: رواه الطبراني في الأوسط والكبير عن شيخه الحسين بن محمد بن مصعب الأسناني ولم أعرفه، وبقية رجاله ثقات(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۹۲۷۰، باب النهي عن سب الأئمة) (والتفصيل سلسلة الاحاديث الضعيفة للالباني، تحت رقم الحديث ۴۷۷۸)

[2] چنانچہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

سلاطینِ اسلام کی علی الاعلان اہانت میں ضرر ہے جمہور کا، ہیبت نکلنے سے فتن پھیلتے ہیں، اس لئے سلاطینِ اسلام کا احترام کرنا چاہئے (انفاسِ عیسیٰ، ص۳۶۹، ج ۱ باب ۴)

بعض لوگ مصائب سے تنگ ہوکر حکامِ وقت کو برا بھلا کہتے ہیں، یہ بھی علامت ہے بے صبری کی، اور پسندیدہ تدبیر نہیں، اورحدیث شریف میں اس کی ممانعت بھی آئی ہے، فرماتے ہیں ''لاتسبوا الملوک'' یعنی بادشاہوں کو برا مت کہو، ان کے قلوب میرے قبضے میں ہیں، میری اطاعت کرو، میں ان کے دلوں کو تم پر نرم کردوں گا (وعظ ''الصبر'' ص۳۶، ماخوذ از ''اصلاح المسلمین'' ص۵۲۲)

(باب نمبر ۷)

غیر مسلموں کے ساتھ معاملات وتعلقات

اسلام کے قوانین واحکام اتنے عادلانہ اور منصفانہ ہیں کہ ان میں غیروں کی بھی رعایت رکھی گئی ہے، اور ان کے جائز حقوق وجذبات کا بھی لحاظ کیا گیا ہے۔

مذہبِ اسلام میں جانوروں تک پر بھی ظلم کرنا جائز نہیں، اور ان کے ساتھ بھی رحیمانہ وکریمانہ برتاؤ کا حکم دیا گیا ہے، یہاں تک کہ جانور کو ذبح کرتے وقت اور موذی جانوروں کو قتل کرتے وقت بھی احسان اور بھلائی کا حکم دیا گیا ہے، تو پھر انسان کے لئے انصاف واحسان اور نیک سلوک کا حکم کیونکر نہیں ہوگا؟ البتہ اسلام میں ہر چیز کو اپنے مقام پر رکھا گیا ہے، نہ اس میں کسی چیز کی کمی کی گنجائش رکھی گئی ہے، اور نہ زیادتی کی، اور اس طرح افراط وتفریط سے پاک کر کے اسلام کی تعلیمات کو انتہائی معتدل اور پاکیزہ بنا دیا گیا ہے۔

اسلامی تعلیمات کا یہ پہلو بہت اہمیت اور حسن وخوبصورتی کا مجموعہ ہے کہ جذبات اور غصہ میں آ کر بھی کسی کے ساتھ زیادتی وحق تلفی کو رَوا نہیں رکھا گیا، اور اگر دشمنوں کی طرف سے جذبات اُبھارے جائیں، تب بھی ہوش وحواس کو قابو میں رکھ کر اور سوچ سمجھ کر، بیدار مغزی کے ساتھ مدبّرانہ ومنصِفانہ فیصلوں کا حکم دیا گیا ہے۔ [1]

جو چیزیں مسلمانوں کے اسلام کے لئے نقصان دہ ہوں، ان سے تو منع کیا گیا ہے، اور جو نقصان دہ نہ ہوں، ان کی اجازت دی گئی ہے، جن کے بارے میں کچھ تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

---

[1] حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

’’کام وہی مفید ہوتا ہے جو ہوش سے کیا جائے، شریعت میں تو دشمنی تک کے بھی حدود ہیں، اسلام کی ایک بہت بڑی خوبی یہی ہے جو دوسرے ادیان (دوسرے مذاہب) والے نہیں دکھلا سکتے کہ وہ دشمنوں کی بھی رعایت کرتا ہے، نیز ہم جس طرح مخالفین کے دشمن ہیں اپنے (یعنی مسلمانوں کے) دوست بھی تو ہیں، اس غلو (حد سے تجاوز کرنے) میں اپنی بھی مضرت (نقصان) ہے‘‘ (ملفوظات الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ جلد نمبر ۳ ص ۲۳۷، ملفوظ نمبر ۳۸۱)

(فصل نمبرا)

غیر مسلموں سے محبانہ تعلقات کی ممانعت

مذہبِ اسلام کی دوسرے مذاہب پر حقانیت نقلی اور عقلی ہر طرح کے دلائل و براہین سے ثابت ہے، او مذہبِ اسلام ہی پر آخرت کی اصل نجات اور کامیابی کا دار و مدار ہے، اور اس کو چھوڑنے میں خسارہ ہی خسارہ ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ (سورة آلِ عمران، رقم الآية ١٩)

ترجمہ: بے شک دین، اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے (سورہ آلِ عمران)

اور ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ (سورة آلِ عمران، رقم الآية ٨٥)

ترجمہ: اور جو کوئی اسلام کے علاوہ کوئی دین تلاش کرے گا، تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا، اور وہ آخرت میں خسارہ (ونقصان) اٹھانے والوں میں سے ہوگا (سورہ آلِ عمران)

جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ مذہبِ اسلام پر ہی آخرت کی نجات و کامیابی کا دار و مدار ہے، تو جو چیزیں مسلمان کے مذہبِ اسلام کے لئے نقصان دہ ہوں، ان کی بھی ممانعت ہوگی۔

اور کسی سے محبانہ تعلقات اور قلبی و دِلی دوستی ومحبت کرنے کا گہرا اثر انسان کے اپنے نظریات، اعمال واخلاق پر بھی فطری اعتبار سے پڑا کرتا ہے۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلْمَرْءُ عَلٰى دِيْنِ خَلِيْلِهٖ، فَلْيَنْظُرْ أَحَدُكُمْ مَنْ يُّخَالِلُ (مسند احمد) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی اپنے دوست کے مذہب پر ہوا کرتا ہے، تو تم میں سے ہر ایک اس کو دیکھ لے کہ وہ کس کے ساتھ دوستی کررہا ہے (مسند احمد)

اس سے معلوم ہوا کہ عموماً انسان پر اس کے دوست کے نظریات واعمال اور اخلاق کے اثرات پڑا کرتے ہیں، لہٰذا اگر غیر مسلم سے قلبی ودلی دوستی ہوگی، تو اس کے غیر اسلامی اور کفریہ وشرکیہ فاسد نظریات واعمال اور اخلاق کا بھی فطری طور پر اثر پڑے گا۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ۸۴۱۷، سنن الترمذى، رقم الحديث ۲۳۷۸.

فى حاشية مسند احمد: إسناده جيد.

قال محمد على بن محمد بن علان بن إبراهيم البكرى: (رواه أبو داود) فى أبواب الأدب من السنن (والترمذى بإسناد صحيح، وقال الترمذى: حديث حسن) قال الحافظ السيوطى فى المرقاة: هذا الحديث أحد الأحاديث التى انتقدها الحافظ سراج الدين القزوينى على المصابيح، وزعم أنه موضوع. قلت: قال الحافظ العلائى: نسبة هذا الحديث إلى الوضع جهل قبيح، بل هو حسن كما قال الترمذى، فإن موسى بن وردان وثقه العجلى وأبو داود، وقال فيه الإمام أحمد: لا أعلم إلا خيرا. وقال أبو حاتم والدارقطنى: لا بأس به. ولم يتكلم فيه أحد، وزهير بن محمد هو المروزى، وثقه أحمد وابن معين وتكلم فيه غيرهما واحتج به الشيخان فى الصحيحين، وذلك يدفع ما تكلم به فيه فتفرده يكون حسنا غريبا ولا ينتهى إلى الضعف فضلا عن الوضع اهـ (دليل الفالحين لطرق رياض الصالحين، ج۳ص ۲۳۰، باب زيارة أهل الخير)

[2] (وعن أبى هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: المرء على دين خليله) أى: غالبا، والخلة الحقيقية لا تتصور إلا فى الموافقة الدينية، أو الخلة الظاهرة قد تفضى إلى حصول ما غلب على خليله من الخصلة الدينية، ويؤيده قوله: (فلينظر أحدكم من يخالل): قال تعالى: (ياأيها الذين آمنوا اتقوا الله وكونوا مع الصادقين) وقال الغزالى: مجالسة الحريص ومخالطته تحرك الحرص، ومجالسة الزاهد ومخاللته تزهد فى الدنيا، لأن الطباع مجبولة على التشبه والاقتداء، بل الطبع يسرق من الطبع من حيث لا يدرى، هذا وفى النهاية: الخليل الصديق فعيل بمعنى فاعل، وقد يكون بمعنى مفعول، والخلة بالضم الصداقة والمحبة التى تخللت القلب فصارت خلاله أى فى باطنه اهـ. واختلف فى أن المحبة أولى أو الخلة أعلى، والظاهر الأول وبسطه يطول فيتعين العدول (مرقاة المفاتيح، ج۸ص ۳۱۴۲، كتاب الآداب، باب الحب فى الله ومن الله)

(وعن أبى هريرة رضى الله عنه أن النبى قال: الرجل على دين خليله) ويروى المرء بخليله والخليل الصديق فعيل بمعنى مفاعل، وقد يكون بمعنى مفعول (فلينظر أحدكم من يخالل) أى فلينظر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

جَاءَ رَجُلٌ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ، كَيْفَ تَقُوْلُ فِيْ رَجُلٍ أَحَبَّ قَوْمًا وَلَمْ يَلْحَقْ بِهِمْ؟فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ(بخاری، رقم الحديث ۶۱۶۹)

ترجمہ: ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اور اس نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! آپ ایسے آدمی کے بارے میں کیا فرماتے ہیں، جو کسی قوم کے ساتھ محبت رکھتا ہے، لیکن ان کے ساتھ لاحق نہیں ہوتا (یعنی ان میں پوری طرح داخل نہیں ہوتا) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی اس کے ساتھ ہوگا، جس سے وہ محبت کرے (بخاری)

ساتھ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ دنیا میں اس جیسا عمل کرے گا، اور اس کے علاوہ آخرت میں بھی اس کے ساتھ محشور ہونے کا خطرہ ہے۔

اس کے علاوہ دوست انسان کے بہت سے رازوں سے بھی واقف ہو جاتا ہے، اور پھر اس کی طرف سے نقصان پہنچنے کے خدشات میں اضافہ ہو جاتا ہے، اسی لئے اسلام میں غیر مسلم کو ہمراز بنانے کی بھی ممانعت کی گئی ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ أحدكم بعين بصيرته إلى أمور من يريد صداقته وأحواله، فمن رآه ورضى دينه صادقه، ومن سخط دينه فليتنبه، ومن رآه يرى له مثل ما يرى له صحه روى ابن عدى فى الكامل من حديث أنس لا خير فى صحبة من لا يرى لک مثل ما يرى له فأقل درجات الأخوة والصداقة النظر بعين المساواة، والكمال رؤية الفضل للأخ (دليل الفالحين لطرق رياض الصالحين، ج۳ص ۲۳۰، باب زيارة أهل الخير)

[1] (المرء مع من أحب) قال ابن العربى :يريد المصطفى صلى الله عليه وسلم فى الدنيا بالطاعة والأدب الشرعى وفى الآخرة بالمعاينة والقرب الشهودى فمن لم يتحقق بهذا وادعى المحبة فدعواه كاذبة (وله ما اكتسب) فى رواية وعليه بدل وله وفى رواية المرء على دين خليله أى عادة خليله فمن كانت عادته فى خلق الله ما عودهم الله من لطائف مننه وأسبغ عليهم من جزيل نعمه وعطف بعضهم على بعض فلم يظهر فى العالم غضبا لا يشوبه رحمة ولا عداوة لا يتخللها مودة فذلک الذى يستحق اسم الخلة لقيامه بحقها واستيفائه لشروطها(فيض القدير شرح الجامع الصغير، تحت رقم الحديث ۹۱۹۱)

ان وجوہات کی بناء پر قرآن وسنت میں غیر مسلموں سے محبانہ تعلقات قائم کرنے اوران کو اپنا دوست اور ہمراز بنانے کی ممانعت آئی ہے۔

چنانچہ سورہ آلِ عمران میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکَافِرِیْنَ أَوْلِیَاءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَلَیْسَ مِنَ اللّٰهِ فِیْ شَیْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقَاةً (سورة آلِ عمران، رقم الآية ۲۸)

ترجمہ: مومنوں کو چاہئے کہ مومنوں کے علاوہ کافروں کو دوست نہ بنائیں اور جو یہ فعل کرے گا تو اللہ کا اس سے کوئی تعلق نہیں، مگر اس صورت میں کہ تم ان سے بچاؤ کرنا چاہو (سورہ آلِ عمران)

مطلب یہ ہے کہ مؤمنوں کو چاہئے کہ وہ مؤمنوں کو اپنا دوست بنائیں، اور غیر مؤمنوں وغیر مسلموں کو اپنا دوست نہ بنائیں، اور جو شخص یہ فعل کرے گا، یعنی غیر مسلموں کو دوست بنائے گا، تو اللہ اس سے سخت ناراض و بیزار ہوگا، البتہ اگر کسی وقت ان کی طرف سے کوئی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو، تو اپنا بچاؤ کرنے کے لئے صورتاً دوستی کا اظہار اور ظاہری رکھ رکھاؤ جائز ہے۔ ۱؎

اور سورہ آلِ عمران میں ہی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِکُمْ لَا یَأْلُوْنَکُمْ خَبَالًا وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ أَکْبَرُ قَدْ بَیَّنَّا لَکُمُ الْآیَاتِ إِنْ کُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ (سورة آل عمران، رقم الآية ۱۱۸)

۱؎ (لا یتخذ المؤمنون الکافرین أولیاء) یوالونهم (من دون) أی غیر (المؤمنین ومن یفعل ذلک) أی یوالیهم (فلیس من) دین (الله فی شیء إلا أن تتقوا منهم تقاة) مصدر تقیته أی تخافوا مخافة فلکم موالاتهم باللسان دون القلب وهذا قبل عزة الإسلام ویجری فیمن هو فی بلد لیس قویا فیها (ویحذرکم) یخوفکم (الله نفسه) أن یغضب علیکم إن والیتموهم (وإلی الله المصیر) المرجع فیجازیکم (تفسیر الجلالین)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اپنے (مذہب کے) علاوہ کسی کو اپنا رازدار نہ بنانا، وہ (غیر مذہب کے) لوگ تمہاری تباہی میں کسی طرح کوتاہی نہیں کریں گے، وہ تمہیں نقصان پہنچانا چاہتے ہیں، ان کی زبانوں سے تو دشمنی ظاہر ہو ہی چکی ہے اور جو کچھ ان کے سینوں میں (بُغض وعداوت) مخفی ہے وہ کہیں زیادہ ہے، ہم نے تمہارے لئے آیات کو واضح کردیا ہے، اگر تم عقل رکھتے ہو (سورہ آل عمران)

معلوم ہوا کہ غیر مسلم، سے نہ تو قلبی ودلی دوستی ومحبت جائز ہے، اور نہ اس کو اپنا ہمراز بنانا جائز ہے۔

اور سورہ نسآء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكَافِرِيْنَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ أَتُرِيْدُوْنَ أَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا مُّبِيْنًا (سورة النساء، رقم الآية ۱۴۴)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ، کیا تم چاہتے ہو کہ (ان کو دوست بنا کر) اپنے اوپر اللہ کی واضح حجت قائم کرلو (سورہ نساء)

اللہ کی واضح حجت قائم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع کردیا ہے، پھر جو یہ عمل کرے گا، تو وہ بروزِ قیامت اللہ کی ناراضگی اور عذاب کا مستحق ہوگا۔

اور سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا آبَاءَ كُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ إِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيْمَانِ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَأُولٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُوْنَ

(سورةالتوبة، رقم الآية ۲۳)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اپنے باپوں اور بھائیوں کو بھی اپنا دوست نہ بناؤ اگر وہ ایمان کے مقابلہ میں کفر سے محبت رکھیں، اور جو تم میں سے ان کو اپنا دوست بنائیں گے تو یہ لوگ ہی ظالم ہوں گے (سورہ توبہ)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کافر وغیر مسلم سے قریبی رشتہ داری بھی ہو، تب بھی اس سے قلبی

دوستی اور دلی لگاؤ جائز نہیں۔

اور سورہ ممتحنہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ أَوْلِیَاءَ تُلْقُوْنَ إِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ کَفَرُوْا بِمَا جَاءَ کُمْ مِّنَ الْحَقِّ (سورة الممتحنة، رقم الآية ۱)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ کہ ان کے پاس دوستی کے پیغام بھیجو، حالانکہ جو تمہارے پاس حق آیا ہے، یہ لوگ اس کے منکر ہیں (سورہ ممتحنہ)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ غیر مسلموں سے نہ تو دِلی دوستی اور قلبی محبت رکھنا جائز ہے، اور نہ ان کو اپنا مقرب اور ہمراز بنانا جائز ہے۔ [1]

جن کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی بھی قسم کے غیر مسلم سے محبانہ تعلق کی اجازت نہیں۔

البتہ کچھ معاملات ایسے ہیں کہ وہ غیر مسلموں کے ساتھ جائز ہیں، اور کچھ معاملات جائز نہیں، محبانہ تعلقات کے علاوہ دوسرا تعلق منصِفانہ وعادلانہ ہوتا ہے، غیر مسلموں سے منصِفانہ وعادلانہ تعلقات نہ صرف یہ کہ جائز ہیں، بلکہ ان کی تاکید ہے، اور ایک تیسرا تعلق محسنانہ وکریمانہ ہوتا ہے، اس طرح کے تعلقات بعض غیر مسلموں سے جائز اور بعض سے ناجائز ہیں۔

جن کا ذکر اگلی فصلوں کے ذیل میں آتا ہے۔

---

[1] (يأيها الذين آمنوا لا تتخذوا بطانة) أصفياء تطلعونهم على سركم (من دونكم) أى غيركم من اليهود والنصارى والمنافقين (لا يألونكم خبالا) نصب بنزع الخافض أى لا يقصرون لكم فى الفساد (ودوا) تمنوا (ما عنتم) أى عنتكم وهو شدة الضرر (قد بدت) ظهرت (البغضاء) العداوة لكم (من أفواههم) بالوقيعة فيكم وإطلاع المشركين على سركم (وما تخفى صدورهم) من العداوة (أكبر قد بينا لكم الآيات) على عداوتهم (إن كنتم تعقلون) ذلك فلا توالوهم (تفسير الجلالين، سورة آل عمران، تحت رقم الآية ۱۱۸)

www.idaraghufran.org

(فصل نمبر۲)

غیر مسلموں سے منصِفانہ ومحسنانہ تعلقات

جو غیر مسلم محارِب ہوں یعنی غیر مسلموں کے ملک میں رہتے ہوں، اوران کے ساتھ مسلمانوں کا کوئی معاہدہ اورامن وغیرہ کی صلح نہ ہو، ان کے ساتھ عدل وانصاف کا قیام اور بشرطِ قدرت، شریعت کے حکم کے مطابق جہاد وقتال کرنا عبادت ہے، جس کا ذکر آگے آتا ہے، لیکن جو ایسے نہ ہوں، بلکہ یا تو وہ مسلمانوں کے ملک میں امن معاہدہ کے تحت رہتے ہوں جیسے ذمی، یاان غیر مسلموں کے ساتھ مسلمانوں کی مصالحت اور جنگ وقتال نہ کرنے کا معاہدہ ہو، یا مسلمانوں نے ان کو اپنے ملک میں امن یعنی ویزا (VISA) دے کر آنے دیا ہو، یا اسی طرح کوئی مسلمان غیر مسلموں کے ملک میں اُن سے امن یعنی ویزا (VISA) حاصل کر کے داخل ہوا ہو، یا کسی ملک وخطہ میں مسلم اور غیر مسلم ایک دوسرے کے ساتھ امن معاہدہ کے تحت رہتے ہوں، توان کے ساتھ نہ صرف یہ کہ جہاد وقتال کرنا منع ہے، بلکہ ان کے ساتھ احسان اور نیکی کرنا بھی عبادت ہے، جس میں ضرورت مند غیر مسلم کا مالی تعاون کرنا بھی داخل ہے۔اس سلسلہ میں قرآن وسنت سے کچھ تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

غیر مسلموں کے ساتھ عدل وانصاف اور بِرّ کا حکم

اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُوْنُوْا قَوَّامِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلٰى أَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (سورة المائدة، رقم الآية ۸)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اللہ کے لئے انصاف کے ساتھ گواہی قائم کرنے

والے ہو جاؤ، اور تمہیں کسی قوم کی عداوت، عدل وانصاف نہ چھوڑوائے، یہی تقویٰ کے زیادہ قریب ہے، اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ تمہارے اعمال سے خوب خبر دار ہے (سورہ مائدہ)

اس سے معلوم ہوا کہ اپنے دشمنوں اور تمام غیر مسلموں کے ساتھ عدل وانصاف قائم رکھنا ضروری ہے، اور کسی قوم کی دشمنی میں عدل وانصاف کا دامن چھوڑنا جائز نہیں۔

اور قرآن مجید میں ہی ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

لَا يَنْهَاكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ (سورة الممتحنة، رقم الآية ۸)

ترجمہ: اللہ تمہیں ان لوگوں سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑتے اور نہ انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے، اس بات سے کہ تم ان سے بھلائی کرو اور ان کے حق میں انصاف کرو، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے (سورہ ممتحنہ)

معلوم ہوا کہ جو غیر مسلم، مسلمانوں سے قتال نہ کرے، مثلاً یا تو وہ ذمی ہو، جو مسلمانوں کے ملک میں رہتا سہتا ہو، یا اس سے جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہو، یا اس کو امن دے دیا گیا ہو وغیرہ، تو اس کے ساتھ نہ صرف یہ کہ عدل وانصاف کرنے کا حکم ہے، بلکہ ان کے ساتھ نیکی واحسان کرنا عبادت ہے، یعنی ان کے ساتھ محبانہ تعلقات چھوڑ کر منصِفانہ اور محسنانہ تعلقات کی ترغیب وفضیلت ہے۔

غیر مسلموں کے ساتھ مالی ناانصافی وزیادتی کی ممانعت

حضرت ابنِ شہاب زہری رحمہ اللہ سے مرسلاً روایت ہے کہ:

فِيْ فَتْحِ خَيْبَرَ، قَالَ: وَبَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ رَوَاحَةَ لِيُقَاسِمَ الْيَهُوْدَ ثَمَرَهَا، فَلَمَّا قَدِمَ عَلَيْهِمْ جَعَلُوْا يُهْدُوْنَ لَهٗ مِنَ الطَّعَامِ، وَيُكَلِّمُوْنَهٗ، وَجَمَعُوْا لَهٗ حُلِيًّا مِّنْ حُلِيِّ نِسَائِهِمْ، فَقَالُوْا : هٰذَا لَكَ وَتَخَفَّفُ عَنَّا وَتَجَاوَزْ، فَقَالَ ابْنُ رَوَاحَةَ: يَا مَعْشَرَ يَهُوْدَ إِنَّكُمْ وَاللّٰهِ لَأَبْغَضُ النَّاسِ إِلَيَّ، إِنَّمَا بَعَثَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَدْلًا بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ، فَلَا أَرَبَ لِيْ فِيْ دُنْيَاكُمْ، وَلَنْ أَحِيْفَ عَلَيْكُمْ، وَإِنَّمَا عَرَضْتُمْ عَلَيَّ السُّحْتَ، وَإِنَّا لَا نَأْكُلُهٗ

(المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۴۲۴، ج۱۳ ص۱۷۸) [1]

ترجمہ: خیبر کی فتح کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا، تاکہ وہ خیبر کے پھلوں کو (عدل وانصاف کے ساتھ) یہودیوں میں تقسیم کریں، پھر جب حضرت عبداللہ بن رواحہ، یہودیوں کے پاس آئے، تو انہوں نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کو کھانا ہدیہ کیا، اور اُن سے بات چیت کرنے لگے، اور انہوں نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کے لئے اپنی عورتوں کا زیور جمع کیا، اور کہا کہ یہ آپ کے لئے ہے، آپ ہمارے ساتھ نرمی کیجئے، اور درگزر کیجئے (اور تقسیم میں ہماری طرف داری کیجئے) تو حضرت ابنِ رواحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے یہودیوں کے گروہ! اللہ کی قسم بے شک تم لوگوں میں مجھے سب سے زیادہ مبغوض ہو، مگر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے اور اپنے درمیان عدل وانصاف قائم کرنے کے لئے بھیجا ہے، تو مجھے تمہاری دنیا سے

---

[1] قال الهيثمی: رواه الطبرانی فی الكبير مرسلا، ورجاله رجال الصحيح(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ٦٥٩٩)

وقال الالبانی: وهذا إسناده مرسل صحيح وفی رواية أتم منه (غاية المرام، تحت رقم الحديث ۴۵۹)

کوئی حق نہیں ہے، اور میں ہرگز تمہارے ساتھ زیادتی نہیں کروں گا، اور تم نے میرے اوپر سحت (یعنی رشوت) کو پیش کیا، ہے، اور میں اس کو ہرگز نہیں کھاؤں گا (طبرانی)

اس سے معلوم ہوا کہ غیر مسلموں کے ساتھ عدل وانصاف کو قائم کرنا چاہئے، اور ان کا مال ناحق رشوت وغیرہ کے طور پر نہیں لینا چاہئے۔

غیر مسلموں کو ناحق جسمانی تکلیف پہنچانے کی ممانعت

حضرت ہشام اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

مَرَّ هِشَامُ بْنُ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ عَلٰى أُنَاسٍ مِنَ الْأَنْبَاطِ بِالشَّامِ، قَدْ أُقِيمُوا فِي الشَّمْسِ، فَقَالَ: مَا شَأْنُهُمْ؟ قَالُوا: حُبِسُوا فِي الْجِزْيَةِ، فَقَالَ هِشَامٌ: أَشْهَدُ لَسَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: إِنَّ اللّٰهَ يُعَذِّبُ الَّذِينَ يُعَذِّبُونَ النَّاسَ فِي الدُّنْيَا (مسلم، رقم الحدیث ۲۶۱۳"۱۱۸")

ترجمہ: حضرت ہشام بن حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ ملکِ شام میں کچھ نبطی (غیر مسلم ذمی) لوگوں کے پاس سے گزرے، جن کو دھوپ میں کھڑا کیا گیا تھا، حضرت ہشام رضی اللہ عنہ نے معلوم کیا کہ ان لوگوں کے ساتھ ایسا کیوں کیا جا رہا ہے؟ لوگوں نے جواب میں کہا کہ ان کو جزیہ وٹیکس کی وصولی کے سلسلہ میں قید کیا گیا ہے، تو حضرت ہشام رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ نے سنا آپ فرما رہے تھے کہ اللہ ان لوگوں کو عذاب دے گا جو لوگ دنیا میں (لوگوں کو ناحق) عذاب دیتے (اور تکلیف پہنچاتے) ہیں (مسلم)

اس سے معلوم ہوا کہ غیر مسلم کو بھی ناحق تکلیف پہنچانا اسلام میں سخت منع وگناہ اور قیامت میں

عذاب کا باعث ہے۔ ل

غلاموں کے ساتھ بھی نیکی واحسان کی تاکید

غیر مسلم محارب لوگوں سے جنگ کے موقع پر جو غیر مسلم قیدی ہاتھ آئیں، ان کے بارے میں کئی اختیارات حاصل ہیں، جن میں سے ایک اختیار یہ بھی ہے کہ ان کو غلام بنالیا جائے۔

مگر غلام بنانے کا معاملہ ایک مباح اور جائز درجہ کا عمل ہے، فرض وواجب درجہ کا عمل نہیں ہے کہ اس کی خلاف ورزی میں گناہ ہو۔

آج کل اگرچہ شرعی غلام وباندی کا وجود نہیں، لیکن بہرحال غلام وباندی کے ساتھ حُسنِ سلوک کے احکام شریعت میں موجود ہیں، جن سے اسلام کے عدل وانصاف کا پتہ لگایا جاسکتا ہے۔

اور بظاہر تو غلامیت کا تصور برا معلوم ہوتا ہے، خاص طور پر جبکہ غیروں کی طرف سے اس پر

ل (وعن هشام بن عروة، عن أبيه) : أى :ابن الزبير يكنى أبا المنذر القرشي المدنى، أحد تابعى المدينة المشهورين المكثرين من الحديث المعدود فى أكابر العلماء وأجلة التابعين، سمع عبد الله بن الزبير وابن عمر، وروى عنه خلق كثير منهم :الثورى ومالك بن أنس، وابن عيينة .(أن هشام بن حكيم) : أى :ابن الحزام القرشي الأسدى أسلم يوم الفتح، وكان من فضلاء الصحابة وخيارهم ممن يأمر بالمعروف وينهى عن المنكر، روى عنه نفر منهم :عمر بن الخطاب، مات قبل أبيه وأبوه يكنى أبا خالد القرشي الأسدى، وهو ابن أخى خديجة أم المؤمنين، ولد فى الكعبة قبل الفيل بثلاث عشرة سنة وكان من أشراف قريش ووجوهها فى الجاهلية والإسلام وتأخر إسلامه إلى عام الفتح ومات بالمدينة فى داره سنة أربع وخمسين، وله مائة وعشرون سنة، ستون فى الجاهلية وستون فى الإسلام، وكان عاملا فاضلا تقيا، حسن إسلامه بعد أن كان من المؤلفة قلوبهم، أعتق فى الجاهلية مائة رقبة، وحمل على مائة بعير، روى عنه نفر ذكره المؤلف (مر) : أى :ابن حكيم (بالشام على أناس) : جماعة (من الأنباط) : بفتح أوله .فى النهاية :النبط والنبيط جبل معروف، كانوا ينزلون بالبطائح بين العراقين أى :بين البصرة والكوفة .وقال النووى :الأنباط فلاحة الأعاجم .(وقد أقيموا) : أى :أوقفوا (فى الشمس وصب) : أى :كب (على رء وسهم) : أى :فوقها (الزيت) : أى :الحار (فقال) : أى :ابن حكيم (ما هذا؟) : أى :ما سبب هذا الأمر؟ (قيل :يعذبون فى الخراج) : أى :فى تحصيله وأدائه مما بقى عندهم (فقال هشام) : أى :ابن حكيم (أشهد لقد سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول) : اللام جواب القسم لما فى أشهد من معناه (إن الله يعذب الذين يعذبون الناس) : أى :بما يعذب الله به فى العقبى (فى الدنيا) : أى :بغير حق (مرقاة المفاتيح، ج٦، ٢٣٠١ ،باب ما لا يضمن من الجنايات)

طرح طرح کے شکوک وشبہات بھی پیش کیئے جاتے ہوں۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ اسلام میں جس غلامیت کا حکم وتصور ہے، وہ انتہائی پاکیزہ ہے، اور بعض جہات سے بندہ کے حق میں شرعی غلامیت ایک عظیم رحمت ونعمت ہے، وہ اس طرح سے کہ ایک تو غلام کو آزاد کرنے کی بڑی فضیلت ہے، اور بہت سی چیزوں کے کفاروں میں غلام کو آزاد کرنے کا عمل تجویز کیا گیا ہے، جس کے نتیجہ میں ایک تو اس شخص کو آزادی حاصل ہو جاتی ہے، اور دوسرے وہ قتل سے بھی محفوظ ہو جاتا ہے۔

اس کے علاوہ اگر اسے آزاد نہ کیا جائے، تب بھی اسلام میں اس کے اتنے زیادہ حقوق رکھ دیئے گئے ہیں کہ ان حقوق کا حصول اس کو غیر مسلموں کے معاشرہ میں آزاد رہ کر حاصل ہونا بھی مشکل تھا۔

غلام کیونکہ مسلمانوں کا ماتحت ہوتا ہے، اس لئے اس پر ظلم وزیادتی کے زیادہ خدشات کا امکان تھا، اس لئے شریعت نے غلام کے حقوق اور اس کے ساتھ نیک سلوک کی خاص تاکید کی ہے۔

اس وقت چونکہ زیرِ بحث موضوع غلامیت کے تصور اور غلاموں کے عام حقوق کی تفصیل سے متعلق نہیں ہے، اس لئے تفصیل سے گریز کرتے ہوئے صرف اس پہلو پر کچھ روشنی ڈالی جاتی ہے کہ غیر مسلم غلام کے حقوق کی مذہبِ اسلام میں کتنی اہمیت وتاکید بیان کی گئی ہے۔

غلاموں کے حقوق کی تاکید ووصیت

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ آخِرُ كَلَامِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، اَلصَّلَاةُ، اَلصَّلَاةُ، اِتَّقُوا اللّٰهَ فِيْمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ (سنن أبی داود، رقم الحديث ۵۱۵۶)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا (وفات کے وقت) آخری کلام یہ تھا کہ نماز

کی حفاظت کرو، نماز کی حفاظت کرو اور اپنے غلاموں اور باندیوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو (ابوداؤد)

حضرت امِ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ فِيْ مَرَضِهِ الَّذِيْ تُوُفِّيَ فِيْهِ : اَلصَّلَاةُ، وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ فَمَا زَالَ يَقُوْلُهَا، حَتّٰى مَا يَفِيْضُ بِهَا لِسَانُهُ (سنن ابن ماجه، رقم الحديث ١٦٢٥)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مرضِ وفات میں فرماتے رہے کہ نماز کا اہتمام کرنا اور غلاموں کا خیال رکھنا اور مسلسل یہی فرماتے رہے حتیٰ کہ آپ زبان رکنے لگی (اور اس کے بعد آپ کا وصال ہوگیا) (ابنِ ماجہ)

اس طرح کی حدیث حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ [1]

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ غلاموں کے حقوق کی مذہبِ اسلام میں اتنی اہمیت وتاکید ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے پہلے اس کی آخری وصیت انتہائی اہتمام وتاکید کے ساتھ فرمائی ہے۔ [2]

---

[1] عن أنس بن مالك قال :كانت عامة وصية رسول الله صلى الله عليه وسلم حين حضرته الوفاة، وهو يغرغر بنفسه الصلاة، وما ملكت أيمانكم (سنن ابن ماجه،رقم الحديث ٢٦٩٧)

[2] (اتقوا الله فيما ملكت أيمانكم) من كل آدمي وحيوان محترم وغيرهما لأن ما عام في ذوي العلم وغيرهم أن اتقوا الله بحسن الملكة والقيام بما يحتاجونه وخافوا ما يترتب على إهمالهم والتفريط في حقهم من العذاب ولا تكلفوهم على الدوام ما لا يطيقونه على الدوام فإنه حرام وعلموهم ما لا بد منه من طهر وصلاة وكل واجب ومندوب وأدبوهم على ترك المأمورات وفعل المنهي وإضافة الملك إلى اليمين كإضافته إلى السيد والأملاك تضاف إلى الأيدي لتصرف الملاك فيها باليد وإنما أضافها إلى اليمين دون اليد لأنه أبلغ وأنفذ إذ اليمين أبلغ في القوة والتصرف ولينبه على شرف اليمين. (خذ عن علي) أمير المؤمنين رضي الله تعالى عنه قال :كان آخر كلام النبي صلى الله عليه وسلم الصلاة الصلاة اتقوا الله فذكره والمراد أن ذلك من آخر ما تكلم به رمز المؤلف لصحته(فيض القدير، تحت رقم الحديث ١٢٣، حرف الهمزة)

www.idaraghufran.org

غلام کے ساتھ حسنِ معاشرت وحسنِ اخلاق کا حکم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : إِذَا أَحَدُکُمْ قَرَّبَ إِلَیْہِ مَمْلُوْکُہٗ طَعَامًا، قَدْ کَفَاہُ عَنَاءَہٗ وَحَرَّہٗ، فَلْیَدْعُہٗ، فَلْیَأْکُلْ مَعَہٗ، فَإِنْ لَّمْ یَفْعَلْ، فَلْیَأْخُذْ لُقْمَۃً، فَلْیَجْعَلْھَا فِیْ یَدِہٖ (ابن ماجة، رقم الحديث ٣٢٩٠)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کا غلام اس کے سامنے کھانا رکھے تو غلام نے کھانا پکانے کی گرمی اور مشقت خود برداشت کرتے ہوئے مالک کو اس سے بچایا، اس لیے مالک کو چاہیے کہ غلام کو بلالے کہ وہ بھی اس کے ساتھ کھانا کھائے اگر ایسا نہ کرے تو ایک نوالہ ہی غلام کے ہاتھ پر رکھ دے (ابنِ ماجہ)

اس سے معلوم ہوا کہ غلام کے ساتھ حسنِ اخلاق اور حسنِ معاشرت کو اختیار کرنا چاہیے۔

غلام کو آزاد کرنے یا آزادی میں اعانت کرنے کی فضیلت

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

جَاءَ أَعْرَابِیٌّ إِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ : یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ، عَلِّمْنِیْ عَمَلًا یُدْخِلُنِیْ الْجَنَّۃَ، فَقَالَ : لَئِنْ کُنْتَ أَقْصَرْتَ الْخُطْبَۃَ، لَقَدْ أَعْرَضْتَ الْمَسْأَلَۃَ، أَعْتِقِ النَّسَمَۃَ، وَفُکَّ الرَّقَبَۃَ. فَقَالَ : یَارَسُوْلَ اللّٰہِ، أَوَلَیْسَتَا بِوَاحِدَۃٍ؟ قَالَ : لَا، إِنَّ عِتْقَ النَّسَمَۃِ أَنْ تَفَرَّدَ بِعِتْقِھَا، وَفَکَّ الرَّقَبَۃِ أَنْ تُعِیْنَ فِیْ عِتْقِھَا، وَالْمِنْحَۃُ الْوَکُوْفُ، وَالْفَیْءُ عَلٰی ذِی الرَّحِمِ الظَّالِمِ، فَإِنْ لَّمْ تُطِقْ ذٰلِکَ، فَأَطْعِمِ الْجَائِعَ، وَاسْقِ الظَّمْآنَ، وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ، وَانْہَ عَنِ الْمُنْکَرِ، فَإِنْ لَّمْ تُطِقْ

ذٰلِکَ، فَکُفَّ لِسَانَکَ إِلَّا مِنَ الْخَيْرِ (مسند احمد، رقم الحدیث ۱۸۶۴۷) [1]

ترجمہ: ایک دیہاتی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا، اور اس نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے جو مجھے جنت میں داخل کرا دے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بات تو تم نے مختصر کہی ہے لیکن سوال بڑا ہے عتقِ نسمہ اور فکِ رقبہ کیا کرو، اس نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا یہ دونوں چیزیں ایک ہی نہیں ہیں؟ (کیونکہ دونوں کا معنیٰ غلام آزاد کرنا ہے) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں، عتقِ نسمہ سے مراد یہ ہے کہ تم اکیلے پورا غلام آزاد کردو اور فکِ رقبہ سے مراد یہ ہے کہ غلام کی آزادی میں تم اس کی مدد کرو اور قریبی رشتہ دار پر جو ظالم ہو، احسان اور مہربانی کرو، پھر اگر تم میں اس کی طاقت نہ ہو تو بھوکے کو کھانا کھلا دو، پیاسے کو پانی پلا دو، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرو (یعنی اچھی باتوں کا حکم اور بُری باتوں سے منع کرو) اگر یہ بھی نہ کر سکو تو اپنی زبان کو خیر کے علاوہ (دوسری باتوں سے) بند رکھو (مسند احمد)

اس حدیث سے غلام کو آزاد اور آزادی میں تعاون کرنے کی فضیلت معلوم ہوئی۔

غلام کو مارنے پیٹنے کی ممانعت اور اس کا کفارہ

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

اِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: مَنْ لَطَمَ مَمْلُوْکَہٗ، أَوْ ضَرَبَہٗ، فَکَفَّارَتُہٗ أَنْ یُّعْتِقَہٗ (مسلم، رقم الحدیث ۱۶۵۷ "۲۹")

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ جس نے اپنے غلام کو تھپڑ مارا یا پیٹا تو اس کا کفارہ اسے آزاد کرنا ہے (مسلم)

---

[1] فی حاشیۃ مسند احمد: إسنادہ صحیح، رجالہ ثقات.

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كُنْتُ أَضْرِبُ غُلَامًا لِيْ، فَسَمِعْتُ مِنْ خَلْفِيْ صَوْتًا: اِعْلَمْ، أَبَا مَسْعُوْدٍ، لَلّٰهُ أَقْدَرُ عَلَيْكَ مِنْكَ عَلَيْهِ، فَالْتَفَتُّ فَإِذَا هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، هُوَ حُرٌّ لِوَجْهِ اللّٰهِ، فَقَالَ: أَمَا لَوْ لَمْ تَفْعَلْ لَلَفَحَتْكَ النَّارُ، أَوْ لَمَسَّتْكَ النَّارُ (مسلم، رقم الحديث ۱۶۵۹ ''۳۵'')

ترجمہ: میں اپنے غلام کو مار رہا تھا تو میں نے اپنے پیچھے سے آواز سنی کہ اے ابو مسعود! جان لو، کہ اللہ تجھ پر تیری اس پر قدرت سے زیادہ قادر ہے، میں متوجہ ہوا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، میں نے عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول! یہ غلام اللہ کی رضا کے لیے آزاد ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم ایسا نہ کرتے، تو جہنم کی آگ تمہیں جلا دیتی یا تمہیں چھو لیتی (مسلم)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ ضَرَبَ مَمْلُوْكَهُ ظَالِمًا أُقِيْدَ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (حلية الاولياء، ج۴ص۳۷۸) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اپنے مملوک (غلام) کو ظلماً مارا، تو اسے اس کے بدلہ میں قیامت کے دن قید میں رکھا جائے گا (ابو نعیم)

اس سے معلوم ہوا کہ غلام کو ناحق مارنا، پیٹنا، زدوکوب کرنا، اور ناحق تکلیف پہنچانا سخت گناہ ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گناہ کی تلافی اسے آزاد کرنے کی شکل میں تجویز فرمائی۔ [2]

---

[1] قال الهيثمي: رواه الطبراني، ورجاله ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۷۲۳۲، باب فيمن ضرب مملوكه أو مثل به)

[2] قوله صلى الله عليه وسلم (من لطم مملوكه أو ضربه فكفارته أن يعتقه) قال العلماء فى هذا الحديث الرفق بالمماليك وحسن صحبتهم وكف الأذى عنهم وكذلك فى الأحاديث بعده

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

غلام پر زنا کی تہمت لگانے والے پر آخرت میں سزا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ أَبُوْ الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ قَذَفَ مَمْلُوْكَهُ بِالزِّنَا، يُقَامُ عَلَيْهِ الْحَدُّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، إِلَّا أَنْ يَّكُوْنَ كَمَا قَالَ (مسلم) [1]

ترجمہ: ابو القاسم (یعنی رسول اللہ) صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اپنے مملوک (یعنی غلام و باندی) پر زنا کی تہمت لگائی، تو اس پر قیامت کے دن حد قائم کی جائے گی، مگر یہ کہ وہ اپنی بات میں سچا ہو (مسلم)

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وأجمع المسلمون على أن عتقه بهذا ليس واجبا وإنما هو مندوب رجاء كفارة ذنبه فيه إزالة إثم ظلمه ومما استدلوا به لعدم وجوب إعتاقه حديث سويد بن مقرن بعده أن النبى صلى الله عليه وسلم أمرهم حين لطم أحدهم خادمهم بعتقها قالوا ليس لنا خادم غيرها قال فليستخدموها فإذا استغنوا عنها فليخلوا سبيلها قال القاضى عياض وأجمع العلماء أنه لا يجب إعتاق العبد لشىء مما يفعله به مولاه مثل هذا الأمر الخفيف قال واختلفوا فيما كثر من ذلك وشنع من ضرب مبرح منهك لغير موجب لذلك أو حرقه بنار أو قطع عضوا له أو أفسده أو نحو ذلك مما فيه مثلة فذهب مالك وأصحابه والليث إلى عتق العبد على سيده بذلك ويكون ولاؤه له ويعاقبه السلطان على فعله وقال سائر العلماء لا يعتق عليه واختلف أصحاب مالك فيما لو حلق رأس الأمة أو لحية العبد واحتج مالك بحديث بن عمرو بن العاص فى الذى جب عبده فأعتقه النبى صلى الله عليه وسلم قوله صلى الله عليه وسلم (من ضرب غلاما له حدا لم يأته أو لطمه فإن كفارته أن يعتقه هذه الرواية مبينة أن المراد بالأولى من ضربه بلا ذنب (شرح النووى على مسلم،تحت رقم الحديث ۱۶۵۷، ج ۱۱، ص۱۲۷)

(من لطم مملوكه أو ضربه فكفارته) الماحية لذلك (أن يعتقه) أى ندبا وأجمعوا على عدم وجوبه قال ابن العربى :إذا لطمته فقد ظلمته وفعلت به ما ليس لك فعله فتعين النظر فى مغفرة ذلك الذنب بما يقارنه ويناسبه من العمل وهو العتق لينجو اللاطم من النار باخراج الملطوم من الرق فإن قيل :وباللطمة يستحق النار قلنا :حق الآدمى لا يسقط إلا برضاه واللطمة قد تكون بسبب دخول صاحبها النار بأن تصادفه وقد استوت حسناته وسيئاته فتوضع اللطمة فى كفة السيئات فترجح فيقتضى النار فيكون عتقها عاصما منها أجرا فى مقابل وزر محلا بمحل (فيض القدير، تحت رقم الحديث ۹۰۰۶)

[1] رقم الحديث ۱۶۶۰ ''۳۷''كتاب الأيمان،باب التغليظ على من قذف مملوكه بالزنا.

www.idaraghufran.org

بخاری شریف کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

سَمِعْتُ أَبَا الْقَاسِمِ ﷺ يَقُوْلُ: مَنْ قَذَفَ مَمْلُوْكَهُ، وَهُوَ بَرِيْءٌ مِمَّا قَالَ، جُلِدَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، إِلَّا أَنْ يَّكُوْنَ كَمَا قَالَ (بخاری) [1]

ترجمہ: میں نے ابوالقاسم (یعنی رسول اللہ) صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا کہ جس نے اپنے مملوک (یعنی غلام وباندی) پر ایسی تہمت لگائی، جس سے کہ وہ بَری ہے، تو قیامت کے دن اس کو کوڑے لگائے جائیں گے، مگر یہ کہ اس کا مملوک اسی طرح ہو، جس طرح اس نے کہا ہے (یعنی واقعتاً وہ بدکاری میں مبتلاء ہو) (بخاری)

جو آقا اپنے غلام وباندی پر زنا کی تہمت لگائے، تو دنیا میں تو اس پر تہمت کی حد (جو کہ اسی کوڑے ہیں) نہیں لگائی جاتی، لیکن آخرت میں جھوٹا ہونے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر سزا جاری کی جائے گی، جس سے معلوم ہوا کہ اپنے غلام وباندی پر تہمت لگانا سخت گناہ ہے۔
(ملاحظہ ہو: الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ۷۹ الی ۸۰، مادة: رق ، قذف الرقيق)

غلام کا نان نفقہ اور بے جا تکلیف پہنچانے کی ممانعت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: لِلْمَمْلُوْكِ طَعَامُهُ وَكِسْوَتُهُ، وَلَا يُكَلَّفُ مِنَ الْعَمَلِ إِلَّا مَا يُطِيْقُ (مسلم، رقم الحديث ١٦٦٢ "٤١")

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مملوک (یعنی غلام) کا کھانا اور لباس (مالک کے ذمہ) ضروری ہے اور اس (غلام) کی طاقت سے زیادہ کسی عمل کا اسے مکلّف نہ بنایا جائے (مسلم)

---

[1] رقم الحديث ٦٨٥٨، كتاب الحدود، باب قذف العبيد.

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنْ لَاءَ مَکُمْ مِنْ مَمْلُوْکِیْکُمْ، فَأَطْعِمُوْہُ مِمَّا تَأْکُلُوْنَ، وَاکْسُوْہُ مِمَّا تَلْبَسُوْنَ، وَمَنْ لَمْ یُلَائِمْکُمْ مِنْھُمْ، فَبِیْعُوْہُ، وَلَا تُعَذِّبُوْا خَلْقَ اللّٰہِ (سنن أبی داود، رقم الحدیث ۵۱۶۱)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے جو غلام تمہیں مناسب معلوم ہوں، تو انہیں وہی کھلاؤ، جو تم کھاتے ہو، اور انہیں وہی پہناؤ، جو تم پہنتے ہو (اور ان کے ساتھ کھانے پینے کے معاملات میں بےگانہ وامتیازی سلوک نہ کرو) اور جو غلام تمہیں مناسب معلوم نہ ہوں، تو تم ان کو فروخت کر دو، اور تم اللہ کی مخلوق کو عذاب وتکلیف نہ دو (ابوداؤد)

اس سے معلوم ہوا کہ غلام وباندی کا نان ونفقہ اور خرچہ پانی اپنے جیسا اس کے مالک کے ذمہ ہے، اور غلام پر طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالنا منع ہے، اور اس کو تکلیف پہنچانا بھی گناہ ہے۔ [1]

---

[1] (وعن أبی ذر قال :قال رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم " :-من لاء مکم) : بالھمز فی جمیع نسخ المشکاۃ المعتمدۃ الحاضرۃ من الملاء مۃ .وفی النھایۃ :أی وافقکم وساعدکم، وقد یخفف الھمز فیصیر یاء .وفی الحدیث یروی بالیاء منقلبۃ عن الھمز ذکر الطیبی، وفیہ أن ھذا التخفیف غیر ملائم للقیاس ومخالف للرسم أیضا، ولعل محل التخفیف قولہ الآتی ومن لا یلائمکم، فإنہ موافق للرسم والقیاس فیہ، واللہ تعالی أعلم، والمعنی من ناسبکم (من مملوکیکم، فأطعموہ مما تأکلون) : أی من جنسہ أو بعضہ (واکسوہ) بھمز وصل وضم سین أی ألبسوہ (مما تکسون) : أی أنفسکم یعنی مما تلبسون أنتم، أو مما تکسون ممالیککم عرفا وعادۃ وأسوۃ لأمثالھم (ومن لا یلائمکم منھم فبیعوہ، ولا تعذبوا خلق اللہ) أی ولا تعذبوھم، وإنما عدل عنہ إفادۃ للعموم فیشملھم وسائر الحیوانات والبھائم، وفیہ إیماء إلی أنکم لا تعذبوا أنفسکم أیضا، وقد قال بعض مشایخنا :ما أراد أن یحسن أدب مملوکہ فیسیء أدبہ وکذا بالعکس، فلا بد من احتمال أحدھما، وفی الملاء مۃ إشارۃ إلی عدم حصول الموافقۃ الکاملۃ .وقال الطیبی رحمہ اللہ :یعنی أنتم وھم سواء فی کونکم خلق اللہ، ولکم فضل علیھم بأن ملکتھم أیمانکم، فإن وافقوکم فأحسنوا إلیھم، وإلا فاترکوھم إلی غیرھم، وھو من قولہ تعالی جل شأنہ :(واللہ فضل بعضکم علی بعض فی الرزق فما الذین فضلوا برادی رزقھم علی ما ملکت أیمانھم فھم فیہ سواء) (النحل: ۷۱) أی جعلکم متفاوتین فی الرزق فرزقکم أکثر مما رزق ممالیککم وھم بشر مثلکم وإخوانکم وکان ینبغی أن تردوا فضل ما

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

خلاصہ یہ کہ اسلام میں ہر ایک کے ساتھ عدل وانصاف کا حکم دیا گیا ہے، یہاں تک کہ غیر مسلموں کے ساتھ بھی عدل وانصاف کا حکم دیا گیا ہے، اور جو غیر مسلم محارِب نہ ہوں، بلکہ معاہد وغیرہ ہوں، اور خاص طور پر غلاموں کے ساتھ عدل وانصاف کے ساتھ ساتھ احسان اور حُسنِ معاشرت وحُسنِ اخلاق کی بہت تاکید کی گئی ہے۔

اور جو غیر مسلم محارِب ہوں، اور ان کے ساتھ قتل وقتال نہ کرنے اور ایذاء رسانی نہ کرنے کا معاہدہ نہ ہو، ان کے ساتھ جہاد وقتال کا حکم ہے، اور شرعی جہاد وقتال میں بھی قدم قدم پر عدل وانصاف کی تاکید ہے، قتال کا حکم بھی آخری درجہ میں ناسور والی جگہ کو کاٹ پھینکنے کے علاج کے طور پر ہے، تاکہ دوسرے لوگ اس کے ضرر ونقصان سے محفوظ رہیں، جس طرح ناسور والے عضو کو کاٹ ڈالنا بھی اسی لئے ہوتا ہے، تاکہ دوسرے اعضاء اس کے ضرر ونقصان سے محفوظ رہیں۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

رزقتموه عليهم حتى يتساووا معكم فى الملبس والمطعم اهـ.

والتحقيق فى معنى الآية ما ذكره البيضاوى حيث قال :(والله فضل بعضكم على بعض فى الرزق (فمنكم غنى، ومنكم فقير، ومنكم موال يتوالون رزقهم ورزق غيرهم، ومنكم مماليك حالهم على خلاف ذلك :(فما الذين فضلوا برادى رزقهم) أى .بمعطى رزقهم أى رزق أنفسهم (على ما ملكت أيمانهم) فإن ما يردون عليهم رزقهم الذى جعله الله فى أيديهم :(فهم فيه سواء) فالموالى والمماليك سواء فى أن الله رزقهم، فالجملة لازمة للجملة المنفية أو مقررة لها، ويجوز أن تكون واقعة موقع الجواب كأنه قيل :(فما الذين فضلوا برادى رزقهم على ما ملكت أيمانهم) فيستووا فى الرزق على أنه رد وإنكار على المشركين فإنهم يشركون بالله بعض مخلوقاته فى الألوهية، ولا يرضون أن يشاركهم عبيدهم فيما أنعم الله عليهم فيساووهم فيه .(رواه أحمد، وأبو داود)(مرقاة المفاتيح، ج٦، ص ٢٢٠٤، باب الاستبراء)

www.idaraghufran.org

(فصل نمبر ۳)

غیر مسلموں سے مصالحت ومسالمت اور امن ومعاہدہ

غیر مسلموں سے محبانہ تعلقات اور قلبی ودِلی دوستی قائم کرنے اور ان کو ہمراز بنانے کی ممانعت اور ان کے ساتھ عدل وانصاف کی اہمیت کا ذکر تو پہلے گزر چکا ہے، اگر غیر مسلم فرد یا جماعت سے کسی چیز پر مصالحت ومسالمت یا معاہدہ ہوجائے، یا غیر مسلم کو امن دے دیا جائے، تو اس کو پورا کرنے کی اسلام میں بڑی تاکید ہے، اور اس کی خلاف ورزی کرنا سخت گناہ اور وبال کا سبب ہے، جس کی کچھ تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

قرآن مجید میں غیر مسلموں سے مصالحت اور معاہدہ کا ذکر

اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ:

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّه هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ. وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ،هُوَ الَّذِیْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ (سورة الأنفال، رقم الآية ٦١، ٦٢)

ترجمہ: اور اگر وہ (کفار) صلح کی طرف جھکیں تو آپ بھی صلح کی طرف جھک جایئے اور اللہ پر بھروسہ رکھیے، بلاشبہ وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے، اور اگر وہ دھوکہ کا ارادہ رکھتے ہوں تو تمہارے لیے اللہ کافی ہے، وہی تو ہے جس نے اپنی مدد سے اور مومنوں کے ذریعہ سے تمہاری تائید کی (سورہ انفال)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر غیر مسلم، مسلمانوں سے صلح کے لئے آمادہ وتیار ہوں، تو ان سے صلح کر لینے کا اللہ کی طرف سے حکم ہے، اور صلح کے وقت اگر ان کی طرف سے دھوکہ دہی وغیرہ کا وسوسہ آئے، تو اللہ پر بھروسہ کرنا چاہئے، اور اس کے خلاف وسوسہ کو بروئے خاطر نہیں

لانا چاہئے، بلکہ اگر یہ شبہ ہو کہ وہ ظاہر میں صلح کر رہے ہیں، اور دل سے صلح نہیں کر رہے، اور اس صلح سے مسلمانوں کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں، تو ایسی صورت میں بھی صلح کر لینی چاہئے، کیونکہ ہم ظاہر کے مکلّف ہیں، کسی کے دل کے مکلّف نہیں، ایسی صورت میں ان کا دھوکہ مسلمانوں کو نقصان نہیں پہنچا سکتا، ایسی صورت میں ان کے لئے اللہ کافی ہو جائے گا۔

ملحوظ رہے کہ یہ آیت مدنی سورت کی ہے، اور صحیح یہ ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں۔

چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں اس طرح باب قائم فرمایا ہے کہ:

بَـابُ الْمُوَادَعَةِ وَالْمُصَالَحَةِ مَعَ الْمُشْرِكِيْنَ بِالْمَالِ وَغَيْرِهِ، وَإِثْمِ مَنْ لَمْ يَفِ بِالْعَهْدِ، وَقَوْلِهٖ: (وَإِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ إِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ) الآية (بخاری، کتاب الجزیة)

ترجمہ: یہ باب ہے مشرکوں کے ساتھ مال کے عوض اور بغیر مال کے مصالحت اور صلح کر لینے کا، اور اس شخص کے گناہ کا جو اس عہد کو پورا نہ کرے، اور اللہ تعالیٰ کے قول ''وَإِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ إِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ'' اس آیت کا (بخاری)

علامہ ابنِ کثیر رحمہ اللہ نے بھی اپنی تفسیر ابنِ کثیر میں اس آیت کے منسوخ اور مخصوص نہ ہونے کو راجح قرار دیا ہے، اور فرمایا کہ سورہ برائت کی جس آیت میں قتال کا حکم دیا گیا ہے، وہ قدرت کی صورت میں ہے، اور اگر دشمن زیادہ اور طاقت ور ہوں، تو اس آیت کی رُو سے ان سے مصالحت کرنا جائز ہے، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے موقع پر صلح فرمائی تھی، پھر آخر میں فرمایا کہ:

فَلَا مُنَافَاةَ وَلَا نَسْخَ وَلَا تَخْصِيْصَ (تفسیر ابن کثیر) [1]

''پس دونوں آیتوں میں نہ کوئی ٹکراؤ ہے، اور نہ کوئی آیت منسوخ ہے، اور نہ ہی

[1] سورة الانفال، تحت رقم الآية ۶۱، ج۴، ص۷۳.

تخصیص کی ضرورت ہے“ ۱؎

اور امام طبری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس آیت کے منسوخ ہونے کے قول کی نہ تو قرآن مجید سے کوئی دلیل ہے، اور نہ سنت سے اور نہ عقل کی فطرت سے۔ ۲؎

اس کے علاوہ بے شمار محدثین نے اس آیت سے صلح کے مشروع ہونے پر استدلال کیا ہے، اور ظاہر ہے کہ منسوخ آیت سے کسی چیز کی مشروعیت باقی رہنے پر استدلال نہیں کیا جاتا۔ ۳؎

۱؎ وقال مجاهد :نزلت فی بنی قريظة ، وهذا فيه نظر، لأن السياق كله فی وقعة بدر، وذكرها مكتنف لهذا كله، وقال ابن عباس ومجاهد وزيد بن أسلم وعطاء الخراسانی وعكرمة والحسن وقتادة :إن هذه الآية منسوخة بآية السيف فی براء ة قاتلوا الذين لا يؤمنون بالله ولا باليوم الآخر الآية، وفيه نظر أيضا، لأن آية براء ة فيها الأمر بقتالهم إذا أمكن ذلک، فأما إن كان العدو كثيفا فإنه يجوز مهادنتهم، كما دلت عليه هذه الآية الكريمة، وكما فعل النبی صلى الله عليه وسلم يوم الحديبية، فلا منافاة ولا نسخ ولا تخصيص، والله أعلم.

وقوله وتوكل على الله أی صالحهم وتوكل على الله، فإن الله كافيک وناصرک ولو كانوا يريدون بالصلح خديعة، ليتقووا ويستعدوا فإن حسبک الله أی كافيک وحده (تفسير ابن كثير، سورة الانفال، تحت رقم الآية ۶۱، ج۴، ص۷۳)

۲؎ قال أبو جعفر :فأما ما قاله قتادة ومن قال مثل قوله، من أن هذه الآية منسوخة، فقولٌ لا دلالة عليه من كتاب ولا سنة ولا فطرة عقل.

وقد دللنا فی غير موضع من كتابنا هذا وغيره على أن الناسخ لا يكون إلا ما نفى حكم المنسوخ من كل وجه .فأما ما كان بخلاف ذلک، فغير كائنٍ ناسخا.

وقول الله فی براء ة:(فاقتلوا المشركين حيث وجدتموهم) غير نافٍ حكمُه حكمَ قوله.(وإن جنحوا للسلم فاجنح لها)، لأن قوله :(وإن جنحوا للسلم)، إنما عنى به بنو قريظة، وكانوا يهودًا أهلَ كتاب، وقد أذن الله جل ثناؤه للمؤمنين بصلح أهل الكتاب ومتاركتهم الحربَ على أخذ الجزية منهم.

وأما قوله :(فاقتلوا المشركين حيث وجدتموهم) فإنما عُنى به مشركو العرب من عبدة الأوثان، الذين لا يجوز قبول الجزية منهم .فليس فی إحدى الآيتين نفی حكم الأخرى، بل كل واحدة منهما محكمة فيما أنزلت فيه(تفسير الطبری، سورة الانفال، تحت رقم الآية ۶۱، ج۱۴، ص۴۱)

۳؎ قوله وإن جنحوا للسلم جنحوا طلبوا السلم فاجنح لها أی أن هذه الآية دالة على مشروعية المصالحة مع المشركين(فتح الباری، ج۶، ص۲۷۵، قوله باب الموادعة والمصالحة مع المشركين بالمال وغيره)

أی :هذا باب فی بيان جواز الموادعة، وهی المسالمة على ترک الحرب والأذى، وحقيقة الموادعة المتارعة، أی :أن يدع كل واحد من الفريقين ما هو فيه .قوله :(وغيره) ، أی :وغير المال نحو الأسرى .قوله :(من لم يف) ويروى :من لم يوف.﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

قرآن مجید میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ، اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ (سورة التوبة، رقم الآية ۴)

ترجمہ: مگر جن مشرکوں سے تم نے عہد کیا تھا پھر انہوں نے تمہارے ساتھ کوئی

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وقوله :(وإن جنحوا للسلم فاجنح لها)الآية.

وقوله، بالجر عطف على قوله :الموادعة، أى :وفى بيان قوله تعالى :(وإن جنحوا)الآية فى مشروعية الصلح، ومعنى :جنحوا، أى :مالوا، ويقال :أى طلبوا، و :السلم، بكسر السين الصلح . قوله :فاجنح، أمر من جنح يجنح أى :مل لها أى :إليها، أى :إلى المسالمة .واقبل منهم ذلك، قال مجاهد :نزلت فى بنى قريظة، وفيه نظر، لأن السياق كله فى وقعة بدر، وذكرها مكشف لهذا كله، وقول ابن عباس ومجاهد وزيد بن أسلم وعطاء الخراسانى وعكرمة والحسن وقتادة :إن هذه الآية منسوخة بآية السيف فى براء ة :(قاتلوا الذين لا يؤمنون بالله ولا باليوم الآخر)وقال ابن كثير فى (تفسيره) : فيه نظر أيضا، لأن آية براء ة الأمر بقتالهم إذا أمكن ذلك، فأما إذا كان العدو كثيفا فإنه تجوز مهادنتهم، كما دلت عليه هذه الآية الكريمة، وكما فعل النبى صلى الله عليه وسلم يوم الحديبية، فلا منافاة ولا نسخ ولا تخصيص(عمدة القارى، ج۱۵، ص۹۵، باب الموادعة والمصالحة مع المشركين بالمال وغيره وإثم من لم يف بالعهد)

أى :هذا باب فى بيان ما يحذر من سوء الغدر، وهو ضد الوفاء ، ونقض العهد يحذر، على صيغة المجهول من :حذر ويحذر حذرا، ويروى :يحذر، بالتشديد من :التحذير.

وقوله تعالى :(وإن يريدوا أن يخدعوك فإن حسبك الله)الآية

وقوله، بالجر عطفا على ما يحذر، لأنه مجرور بالإضافة، تقديره :وفى بيان قوله تعالى :(وإن يريدوا)أى :وإن يرد الكفار بالصلح خديعة ليتقووا ويستعدوا (فإن حسبك الله)أى :كافيك وحده، وهذه الآية بعد قوله :(وإن جنحوا للسلم)(عمدة القارى، ج۱۵، ص۹۹، باب ما يحذر من الغدر)

فإذا رأى الإمام أن يصالح أهل الحرب، أو فريقا منهم بمال، أو بلا مال، وكان ذلك مصلحة للمسلمين فلا بأس به؛ لقوله تعالى (وإن جنحوا للسلم فاجنح لها وتوكل على الله)الآية .وإن كانت مطلقة، لكن إجماع الفقهاء على تقييدها برؤية مصلحة المسلمين فى ذلك بآية أخرى وهى قوله تعالى :(فلا تهنوا وتدعوا إلى السلم وأنتم الأعلون)فأما إذا لم يكن فى الموادعة مصلحة فلا تجوز بالإجماع، والسلم بكسر السين وفتحها مع سكون اللام وفتحها، ومنه قوله تعالى :(وألقوا إليكم السلم) (مرقاة المفاتيح، ج۶، ص۲۶۱۱،باب الصلح)

قصور نہیں کیا (یعنی عہد شکنی نہیں کی) اور تمہارے مقابلے میں کسی (دشمن) کی مدد نہیں کی سو ان سے ان کا عہد ان کی مدت تک پورا کرو بے شک اللہ متقیوں سے محبت رکھتا ہے (سورہ انفال)

اس سے معلوم ہوا کہ جن غیر مسلموں سے ایک مخصوص مدت کے لئے امن کا معاہدہ ہو جائے، اور ان کی طرف سے اس معاہدہ کی خلاف ورزی نہ کی جائے، اور نہ وہ مسلمانوں کے خلاف دوسرے دشمنوں کی مدد کریں، تو مدت پورا ہونے تک ان سے عہد و معاہدہ کو پورا کرنا فرض ہے، اور یہ متقی لوگوں کی صفات میں سے ہیں، جن سے اللہ محبت رکھتا ہے۔ [1]

قرآن مجید میں ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ (سورة التوبة، رقم الآية ٦)

ترجمہ: اگر مشرکوں میں سے کوئی آپ سے پناہ (وامن) طلب کرے تو اسے پناہ (وامن) دے دو، یہاں تک کہ وہ کلامُ اللہ سُن لے پھر اسے اپنی جائے امن تک پہنچا دو، یہ اس لئے ہے کہ یہ لوگ بے علم ہیں (سورہ توبہ)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی غیر مسلم، مسلمانوں سے پناہ اور امن طلب کرے، تو اس کو نہ صرف پناہ وامن دے دینے کا اللہ کی طرف سے حکم ہے، بلکہ اسے کلامُ اللہ سنا کر اس کی جائے امن تک بخیر وسلامت پہنچا دینے کا بھی حکم ہے۔ [2]

---

[1] (إلا الذين عاهدتم من المشركين ثم لم ينقصوكم شيئا) من شروط العهد (ولم يظاهروا يعاونوا (عليكم أحدا) من الكفار (فأتموا إليهم عهدهم إلى) انقضاء (مدتهم) التى عاهدتم عليها (إن الله يحب المتقين) بإتمام العهود (تفسير الجلالين)

[2] (وإن أحد من المشركين) مرفوع بفعل يفسره (استجارك) استأمنك من القتل (فأجره أمنه (حتى يسمع كلام الله) القرآن (ثم أبلغه مأمنه) وهو دار قومه إن لم يؤمن لينظر فى أمره (ذلك) المذكور (بأنهم قوم لا يعلمون) دين الله فلا بد لهم من سماع القرآن ليعلموا (تفسير الجلالين، سورة التوبة، تحت رقم الآية ٦)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

قرآن مجید ہی میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَإِنِ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَأَلْقَوْا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلاً (سورة النساء، رقم الآية ٩٠)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يقول تعالى لنبيه، صلوات الله وسلامه عليه :(وإن أحد من المشركين) الذين أمرتك بقتالهم، وأحللت لك استباحة نفوسهم وأموالهم، (استجارك) أى :استأمنك، فأجبه إلى طلبته (حتى يسمع كلام الله) أى: (القرآن) تقرؤه عليه وتذكر له شيئا من (أمر) الدين تقيم عليه به حجة الله، (ثم أبلغه مأمنه) أى :وهو آمن مستمر الأمان حتى يرجع إلى بلاده وداره ومأمنه، (ذلك بأنهم قوم لا يعلمون) أى :إنما شرعنا أمان مثل هؤلاء ليعلموا دين الله، وتنتشر دعوة الله فى عباده.

وقال ابن أبى نجيح، عن مجاهد، فى تفسير هذه الآية، قال :إنسان يأتيك يسمع ما تقول وما أنزل عليك، فهو آمن حتى يأتيك فيسمع كلام الله، وحتى يبلغ مأمنه، حيث جاء .

ومن هذا كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعطى الأمان لمن جاءه، مسترشدا أو فى رسالة، كما جاءه يوم الحديبية جماعة من الرسل من قريش، منهم :عروة بن مسعود، ومكرز بن حفص، وسهيل بن عمرو، وغيرهم واحدا بعد واحد، يترددون فى القضية بينه وبين المشركين، فرأوا من إعظام المسلمين رسول الله صلى الله عليه وسلم ما بهرهم وما لم يشاهدوه عند ملك ولا قيصر، فرجعوا إلى قومهم فأخبروهم بذلك، وكان ذلك وأمثاله من أكبر أسباب هداية أكثرهم.

ولهذا أيضا لما قدم رسول مسيلمة الكذاب على رسول الله صلى الله عليه وسلم قال له " :أتشهد أن مسيلمة رسول الله؟ "قال :نعم .فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم" :لولا أن الرسل لا تقتل لضربت عنقك "وقد قيض الله له ضرب العنق فى إمارة ابن مسعود على الكوفة، وكان يقال له: ابن النواحة، ظهر عنه فى زمان ابن مسعود أنه يشهد لمسيلمة بالرسالة، فأرسل إليه ابن مسعود فقال له :إنك الآن لست فى رسالة، وأمر به فضربت عنقه، لا رحمه الله ولعنه.

والغرض أن من قدم من دار الحرب إلى دار الإسلام فى أداء رسالة أو تجارة، أو طلب صلح أو مهادنة أو حمل جزية، أو نحو ذلك من الأسباب، فطلب من الإمام أو نائبه أمانا، أعطى أمانا ما دام مترددا فى دار الإسلام، وحتى يرجع إلى مأمنه ووطنه (تفسير ابن كثير، ج٤، ص ١٠٠، سورة التوبة، تحت رقم الآية٦)

مطلب :يجب علينا بيان دلائل التوحيد والرسالة وتعليم أمور الدين:

قوله تعالى: (وإن أحد من المشركين استجارك فأجره حتى يسمع كلام اللّٰه) قد اقتضت هذه الآية جواز أمان الحربى إذا طلب ذلك منا ليسمع دلالة صحة الإسلام ;لأن قوله :(استجارك) معناه: استأمنك، وقوله تعالى :(فأجره) معناه :فأمنه حتى يسمع كلام الله الذى فيه الدلالة على صحة التوحيد، وعلى صحة نبوة النبى صلى الله عليه وسلم .وهذا يدل على أن الكافر إذا طلب منا إقامة الحجة عليه، وبيان دلائل التوحيد والرسالة حتى يعتقدهما لحجة ودلالة كان علينا إقامة الحجة،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: پس اگر یہ لوگ تم سے کنارہ کشی اختیار کرلیں اور تم سے لڑائی نہ کریں اور تمہاری طرف صلح کا پیغام ڈالیں تو اللہ نے تمہارے لئے ان پر کوئی (لڑائی کا) راستہ نہیں رکھا (سورہ نساء)

اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ اگر غیر مسلم لوگ مسلمانوں سے صلح کا پیغام ڈالیں، تو اس کو نہ صرف قبول کرلینے کا حکم ہے، بلکہ صلح کر لینے کے بعد ان سے لڑنے کی بھی اجازت نہیں۔ [1]

اور قرآن مجید میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ (سورة المائدة، رقم الآية ١)

ترجمہ: اے ایمان والو! عہدوں کو پورا کرو (سورہ مائدہ)

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ (سورة المومنون، رقم الآية ٨)

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وبيان توحيد الله وصحة نبوة النبى صلى الله عليه وسلم وأنه غير جائز لنا قتله إذا طلب ذلک منا إلا بعد بيان الدلالة، وإقامة الحجة ;لأن الله قد أمرنا بإعطائه الأمان حتى يسمع كلام الله .وفيه الدلالة أيضا على أن علينا تعليم كل من التمس منا تعريفه شيئا من أمور الدين ;لأن الكافر الذى استجارنا ليسمع كلام الله إنما قصد التماس معرفة صحة الدين(أحكام القرآن للجصاص، سورة التوبة، تحت رقم الآية٦)

فان قيل الجهر بالذكر والدعاء بدعة والسنة فيهما الإخفاء كما مر المسألة فى تفسير قوله تعالى ادعوا ربكم تضرعا وخفية فما وجه الفرق بين الذكر وقراء ة القران مع ان القراء ة ايضا ذكر قلنا القران مشتمل على الوعظ والقصص الموجبة للعبرة والاحكام ونظمه معجز جاذب للقلوب السقيمة الى الإسلام ولذا قال الله تعالى وان أحد من المشركين استجارک فاجره حتى يسمع كلام الله وقراء ته باللسان عبادة زائدة على الذكر الذى هو عبادة عن طرد الغفلة عن الجنان وإسماعه غيره عبادة اخرى مرغوبة عند الرحمن بخلاف الذكر والدعاء فان المقصود من الدعاء الاجابة ومن الذكر النسيان عما يشغله من العزيز المنان حتى يسقط عن بصيرته نفس الذكر بل الذاكر ايضا ولا يبقى فى بصيرته الا الواحد القهار (التفسير المظهرى، سورة الاعراف، تحت رقم الآية ٢٠٥، ج٣، ص ٤٥٤)

[1] فإن اعتزلوكم اى اعتزلوا قتالكم فلم يقاتلوكم وألقوا إليكم السلم الصلح والانقياد فما جعل الله لكم عليهم سبيلا طريقا الى الاخذ والقتل وذلک الطريق هو اباحة دمائهم (التفسير المظهرى، سورةالنساء، تحت رقم الآية ٩٠)

ترجمہ: اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد و پیمان کی رعایت کرتے ہیں (سورہ مومنون)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ مذکورہ دونوں آیات کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

ان دونوں آیتوں میں کیئے ہوئے معاہدات کی پابندی سب مسلمانوں پر فرض کی گئی ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ جو غیر مسلم کسی اسلامی حکومت کے شہر میں ہے، ان سے قولی یا عملی طور پر اس کا معاہدہ ہوتا ہے کہ ان کی جان و مال اور آبرو کی حفاظت کی جائے گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اس معاملہ میں نہایت واضح اور مؤکد ہیں (جواہر الفقہ، ج۵ ص۴۹۰، مضمون ''دستورِ قرآنی'')

اور اس کے بعد مزید فرماتے ہیں کہ:

جو معاہدہ کسی قوم یا ملک یا جماعت سے کر لیا جائے، اس کی پوری پابندی حکومت پر لازم ہے، ظاہراً یا باطناً، اس کی کسی شرط کے خلاف کرنا جرم ہے، جب تک کہ معاہدہ کی میعاد پوری نہ ہو جائے، یا اس معاہدہ کو باقاعدہ ختم نہ کر دیا جائے (ایضاً ص۴۹۱)

قرآن مجید کے علاوہ صحیح، صریح اور کثیر احادیث سے بھی قدرِ مشترک تواتر کے طور پر غیر مسلموں سے ترکِ قتال اور جنگ بندی وغیرہ کی مصالحت و معاہدہ اور امن دینے کی اجازت کے بعد اس کو پورا کرنے کی انتہائی تاکید آئی ہے، جس سے مذکورہ آیات کے منسوخ نہ ہونے کی تائید ہوتی ہے، اور فقہائے کرام کے اقوال بھی اس سلسلہ میں واضح ہیں۔

نبی ﷺ کی مشرکین سے مصالحت اور ان کے ساتھ معاہدہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی فتح سے پہلے مشرکین سے مصالحت اور معاہدہ فرمایا تھا، اور اس موقع پر مومنین سے بیعت بھی کی تھی، جس کا ذکر قرآن مجید میں بھی آیا ہے، اور صحیح احادیث

میں بھی۔

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

إِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ أَيْدِيْهِمْ فَمَنْ نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ وَمَنْ أَوْفٰى بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ أَجْرًا عَظِيْمًا (سورة الفتح، رقم الآية ١٠)

ترجمہ: بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں، وہ بس اللہ سے بیعت کرتے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے، پس جو اس کو توڑے گا، تو اس کو توڑنے کا وبال اسی پر ہوگا، اور جو اس عہد کو پورا کرے گا، جو اس نے اللہ سے کیا ہے، تو عنقریب اس کو اللہ اجرِ عظیم عطا فرمائے گا (سورہ فتح)

اس سے معلوم ہوا کہ کفار سے صلح اور اس سلسلہ میں معاہدہ کرنے کے بعد اس کو توڑنا باعثِ وبال ہے، اور اس کو پورا کرنا باعثِ اجر وثواب ہے۔ [1]

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

صَالَحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُشْرِكِيْنَ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ عَلٰى ثَلَاثَةِ أَشْيَاءَ: عَلٰى أَنَّ مَنْ أَتَاهُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ رَدَّهُ إِلَيْهِمْ، وَمَنْ أَتَاهُمْ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ لَمْ يَرُدُّوْهُ، وَعَلٰى أَنْ يَّدْخُلَهَا مِنْ قَابِلٍ وَيُقِيْمَ بِهَا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، وَلَا يَدْخُلَهَا إِلَّا بِجُلُبَّانِ السِّلَاحِ السَّيْفِ وَالْقَوْسِ وَنَحْوِهٖ (بخاری، رقم الحديث ٢٧٠٠)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین سے حدیبیہ کے دن تین چیزوں پر

---

[1] (فمن نكث فإنما ينكث على نفسه) أى :إنما يعود وبال ذلک على الناكث، والله غنى عنه، (ومن أوفى بما عاهد عليه الله فسيؤتيه أجرا عظيما) أى :ثوابا جزيلا .وهذه البيعة هى بيعة الرضوان، وكانت تحت شجرة سمر بالحديبية، وكان الصحابة الذين بايعوا رسول الله صلى الله عليه وسلم يومئذ قيل :ألف وثلثمائة .وقيل :أربعمائة .وقيل :وخمسمائة .والأوسط أصح(تفسير ابن كثير، تحت سورة الفتح، رقم الآية ١٠)

صلح کی، اس چیز پر کہ مشرکین کا جو آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے گا، اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف (صحیح وسالم) واپس لوٹا دیں گے، اور مسلمانوں کا جو آدمی ان مشرکین کے پاس آئے گا، تو وہ اس کو (مسلمانوں کی طرف) واپس نہیں لوٹائیں گے، اور اس چیز پر کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئندہ سال مکہ میں آئیں گے، اور مکہ میں تین دن قیام کریں گے، اور مکہ میں اس حال میں داخل ہوں گے کہ ہتھیار یعنی تلوار، تیر وغیرہ جلبان (یعنی اپنے میان اور ترکش) میں ہوں گے (بخاری)

عرب کے اس زمانہ میں ہتھیاروں کا ساتھ رکھنا تو تہذیب (اور کلچر) میں داخل تھا، اس لئے اس سے تو منع نہیں کیا گیا، لیکن ہتھیاروں کو اپنے میانوں میں رکھنے کی شرط لگائی گئی، جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمالیا۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

لَمَّا أُحْصِرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ الْبَيْتِ، صَالَحَهُ أَهْلُ مَكَّةَ عَلٰى أَنْ يَدْخُلَهَا فَيُقِيمَ بِهَا ثَلَاثًا، وَلَا يَدْخُلَهَا إِلَّا بِجُلُبَّانِ السِّلَاحِ، السَّيْفِ وَقِرَابِهِ، وَلَا يَخْرُجَ بِأَحَدٍ مَعَهُ مِنْ أَهْلِهَا، وَلَا يَمْنَعَ أَحَدًا يَمْكُثُ بِهَا مِمَّنْ كَانَ مَعَهُ، قَالَ لِعَلِيٍّ: اُكْتُبِ الشَّرْطَ بَيْنَنَا، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، هٰذَا مَا قَاضٰى عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ، فَقَالَ لَهُ الْمُشْرِكُوْنَ: لَوْ نَعْلَمُ أَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ تَابَعْنَاكَ، وَلٰكِنِ اُكْتُبْ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، فَأَمَرَ عَلِيًّا أَنْ يَمْحَاهَا، فَقَالَ عَلِيٌّ: لَا وَاللّٰهِ، لَا أَمْحَاهَا، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَرِنِيْ مَكَانَهَا، فَأَرَاهُ مَكَانَهَا فَمَحَاهَا، وَكَتَبَ ابْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، فَأَقَامَ بِهَا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، فَلَمَّا أَنْ كَانَ يَوْمُ الثَّالِثِ قَالُوْا لِعَلِيٍّ: هٰذَا آخِرُ يَوْمٍ مِّنْ شَرْطِ

صَاحِبِکَ، فَأْمُرْهُ فَلْيَخْرُجْ فَأَخْبَرَهُ بِذٰلِکَ، فَقَالَ: نَعَمْ، فَخَرَجَ (مسلم)[1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بیت اللہ کے نزدیک روک لیا گیا تو مکہ کے (مشرک وغیر مسلم) لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان باتوں پر صلح کرلی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوکر صرف تین دن قیام کریں گے اور مکہ میں تلواریں نیاموں میں ہوں گی اور اہلِ مکہ میں سے کسی کو بھی (خواہ وہ کوئی مسلمان ان کے پاس قید ہو) نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ لے کر نہ جائیں گے اور جو آپ کے ساتھ آیا ہوا کوئی مکہ میں ٹھہرنا چاہے اسے منع بھی نہ کریں گے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ان شرائط کو ہمارے درمیان تحریر کردو (اور یہ مضمون لکھو کہ) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ یہ وہ شرائط ہیں جن کا فیصلہ محمد رسول اللہ نے کیا ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکین نے کہا کہ اگر ہم آپ کو رسول اللہ جانتے ہوتے تو آپ کی اتباع کرلیتے (اور یہ جھگڑا ہی نہ رہتا) بلکہ (محمد رسول اللہ کے بجائے) محمد بن عبداللہ لکھو، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ کو اسے مٹانے کا حکم دیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ نہیں اللہ کی قسم میں تو اسے نہ مٹاؤں گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس (لفظ) کی جگہ مجھے دکھاؤ، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لفظ کی جگہ دکھائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اسے مٹادیا اور ابنِ عبداللہ لکھ دیا، پھر (صلح کے مطابق) نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں (آکر) تین دن ٹھہرے،

---

[1] رقم الحديث ۱۷۸۳ "۹۲"، باب صلح الحديبية فى الحديبية، ابن حبان، رقم الحديث ۴۸۶۹، باب الموادعة والمهادنة، ذكر الإباحة للإمام مصالحة الأعداء إذا علم بالمسلمين ضعفا عن قتالهم.

فى حاشية ابن حبان: إسناده صحيح على شرط الشيخين.

www.idaraghufran.org

پھر جب تیسرا دن آیا، تو مشرکین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ یہ آخری دن ہے، جس کی آپ کے صاحب (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے شرط لگائی تھی، تو آپ اُن کو نکلنے کا کہیں، اس بات کی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ٹھیک ہے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے نکل گئے (مسلم، ابن حبان)

حضرت مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم رضی اللہ عنہما سے صلح حدیبیہ کے تفصیلی واقعہ میں مروی ہے کہ:

فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : يَا أَبَا جَنْدَلٍ اِصْبِرْ وَاحْتَسِبْ، فَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ جَاعِلٌ لَكَ وَلِمَنْ مَعَكَ مِنَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ فَرَجًا وَمَخْرَجًا، إِنَّا قَدْ عَقَدْنَا بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ صُلْحًا، فَأَعْطَيْنَاهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ، وَأَعْطَوْنَا عَلَيْهِ عَهْدًا، وَإِنَّا لَنْ نَغْدِرَ بِهِمْ

(مسنداحمد، رقم الحديث ۱۸۹۱۰) [1]

ترجمہ: تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوجندل! صبر کیجئے اور ثواب کی امید کیجئے، بے شک اللہ عزوجل آپ کے لئے اور آپ کے کمزور ساتھیوں کے لئے راستہ اور نجات کا سامان پیدا فرمائیں گے، ہم نے اپنے اور مشرک لوگوں کے درمیان صلح کا معاملہ طے کیا ہے، جس کا ہم ان سے عہد کر چکے ہیں، اور وہ بھی ہم سے عہد کر چکے ہیں، اور ہم ہرگز ان کے ساتھ (عہد شکنی کر کے) دھوکہ بازی نہیں کریں گے (مسند احمد)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ صلح کی تھی، اس میں مسلمانوں کے خلاف شرائط تھیں، اور یہ شرائط بادلِ نخواستہ قبول کی گئی تھیں، لیکن چونکہ ظاہر میں ان پر معاہدہ ہو گیا تھا، اس لئے ان شرائط کو

---

[1] في حاشية مسند احمد: إسناده حسن.

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پورا فرمایا، اور ان کی خلاف ورزی کو منظور نہیں فرمایا، اور ایسے موقع پر مظلوم مسلمانوں کو چند باتوں کی تلقین فرمائی، ایک تو صبر کرنے کی، دوسرے صبر پر اجر وثواب حاصل کرنے کی، تیسرے اللہ تعالیٰ سے نجات کی امید رکھنے کی (اور یہ نجات صبر اور اس پر ثواب کی امید رکھنے پر مرتب فرمائی) اور چوتھی بات یہ فرمائی کہ ہم مشرکوں سے عہد کی خلاف ورزی نہیں کریں گے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ ثَمَانِيْنَ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ هَبَطُوْا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ جَبَلِ التَّنْعِيْمِ مُتَسَلِّحِيْنَ، يُرِيْدُوْنَ غِرَّةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابِهٖ، فَأَخَذَهُمْ سِلْمًا فَاسْتَحْيَاهُمْ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: (وَهُوَ الَّذِىْ كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ) (مسلم) [1]

ترجمہ: مکہ کے اسّی لوگوں نے ''تنعیم'' والی پہاڑی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اور صحابۂ کرام) پر چڑھائی کردی، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام پر اچانک حملہ آور ہونا چاہتے تھے، پس ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح سالم حالت میں پکڑ لیا، پھر ان کو چھوڑ دیا، تو اللہ عز وجل نے (سورہ فتح کی) یہ آیت نازل فرمائی کہ:

وَهُوَ الَّذِىْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا.

اور وہی ذات ہے کہ جس نے ان کے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے مکہ کی وادی میں روک دیا، اس کے بعد کہ تم ان پر فتح یاب ہو چکے تھے، اور اللہ

---

[1] رقم الحديث ١٨٠٨ ''١٣٣''، سنن الترمذى، رقم الحديث ٣٢٦٤.
قال الترمذى: هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْح

تمہارے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے (مسلم، ترمذی)

یہ آیت بھی صلح حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی۔ [1]

صلح حدیبیہ، مکہ کی فتح کی بنیاد

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

تَعُدُّونَ أَنْتُمُ الْفَتْحَ فَتْحَ مَكَّةَ، وَقَدْ كَانَ فَتْحُ مَكَّةَ فَتْحًا، وَنَحْنُ نَعُدُّ الْفَتْحَ بَيْعَةَ الرِّضْوَانِ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ (بخاری، رقم الحدیث ۴۱۵۰)

ترجمہ: تم مکہ کی فتح کو فتح شمار کرتے ہو، اور بے شک مکہ کی فتح بھی فتح ہے، لیکن ہم حدیبیہ کے دن کی بیعتِ رضوان کو فتح شمار کرتے ہیں (بخاری)

مطلب یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین سے صلح کی، اور صحابۂ کرام سے بیعت لی، تو یہ صلح وبیعت ہی مکہ کی فتح کا اصل ذریعہ بنی تھی۔ [2]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین سے صلح بادلِ نخواستہ چیزوں پر کی تھی، لیکن اس صلح کو بھی پورا کرنے کا اہتمام فرمایا، جس سے معلوم ہوا کہ اس طرح کی گئی صلح پر بھی پابندی ضروری ہے۔

اختلاف وانتشار کے وقت مصالحت کا حکم

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] قلت :الصحيح أن هذه الآية نزلت فى الحديبية قبل فتح مكة، حسب ما قدمناه عن أهل التأويل من الصحابة والتابعين(تفسير القرطبى، سورة الفتح، تحت رقم الآية ۲۴، ج ۱۶، ص ۲۸۲)

[2] (عن البراء بن عازب رضى الله عنه أنه (قال :تعدون أنتم الفتح) فى قوله تعالى :(إنا فتحنا لك فتحا مبينا) (فتح مكة وقد كان فتح مكة فتحا ونحن نعد الفتح) العظيم (بيعة الرضوان يوم الحديبية) لأنها كانت مبدأ الفتح العظيم المبين لما ترتب على الصلح الذى وقع من الأمن ورفع الحرب وتمكن من كان يخشى الدخول فى الإسلام والوصول إلى المدينة كما وقع لخالد بن الوليد وعمرو بن العاص وغيرهما، وتتابعت الأسباب إلى أن كمل الفتح (ارشاد السارى للقسطلانى، ج۶ص ۳۴۶، باب غزوة الحديبية)

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّهُ سَيَكُوْنُ بَعْدِىْ اِخْتِلَافٌ، أَوْ أَمْرٌ، فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَكُوْنَ السِّلْمَ، فَافْعَلْ (مسند احمد) ؁

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب امت میں اختلاف یا گڑبڑ ہوگی، اگر تمہارے لئے مصالحت ممکن ہو تو اسی کو اختیار کرنا (مسند احمد)

اس سے معلوم ہوا کہ اختلاف وانتشار کے وقت مصالحت کا حکم ہے۔ ؂

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فتحِ مکہ کے دن مشرکوں کو امن دینا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ : مَنْ أَغْلَقَ بَابَهُ فَهُوَ آمِنٌ، وَمَنْ دَخَلَ دَارَ أَبِىْ سُفْيَانَ فَهُوَ آمِنٌ (مسند احمد، رقم الحديث ٧٩٢٢) ؃

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتحِ مکہ کے دن فرمایا کہ جس نے اپنے گھر کا دروزا بند کرلیا، تو وہ امن یافتہ ہے، اور جو ابو سفیانؓ کے گھر میں داخل ہوگیا، وہ بھی امن یافتہ ہے (مسند احمد)

؁ رقم الحديث ٦٩٥، الأحاديث المرفوعة من التاريخ الكبير للبخارى، رقم الحديث ٣٣٠، السنة لعبد الله بن احمد، رقم الحديث ١١٥٣.

فى حاشية مسند احمد: حسن لغيره.

و قال الهيثمى: رواه عبد الله، ورجاله ثقات(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ١٢٠٢٣)

؂ وإن جنحوا أى مالوا للسلم أى المسالمة والمصالحة والمهادنة، فاجنح لها أى فمل إليها واقبل منهم ذلك، ولهذا لما طلب المشركون، عام الحديبية الصلح، ووضع الحرب بينهم وبين رسول الله صلى الله عليه وسلم، تسع سنين، أجابهم إلى ذلك مع ما اشترطوا من الشروط الأخر. وقال عبد الله ابن الإمام أحمد :حدثنا محمد بن أبى بكر المقدمى، حدثنى فضيل بن سليمان يعنى النميرى، حدثنا محمد بن أبى يحيى، عن إياس بن عمرو الأسلمى، عن على بن أبى طالب رضى الله عنه، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :إنه سيكون اختلاف أو أمر فإن استطعت أن يكون السلم فافعل(تفسير ابن كثير، سورة الانفال، تحت رقم الآية ٦١، ج٤، ص٧٤)

؃ فى حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط مسلم.وأخرجه مسلم.

اورحضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

مَنْ دَخَلَ دَارَ أَبِیْ سُفْیَانَ فَهُوَ آمِنٌ، وَمَنْ أَغْلَقَ عَلَیْهِ دَارَهُ فَهُوَ آمِنٌ، وَمَنْ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَهُوَ آمِنٌ قَالَ: فَتَفَرَّقَ النَّاسُ إِلٰی دُوْرِهِمْ وَإِلَی الْمَسْجِدِ (ابوداؤد، رقم الحدیث ۳۰۲۲)

ترجمہ: جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گیا، وہ امن یافتہ ہے، اور جس نے اپنے گھر کا دروزا بند کر لیا، تو وہ بھی امن یافتہ ہے، اور جو مسجد میں داخل ہو گیا وہ بھی امن یافتہ ہے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پھر لوگ اپنے اپنے گھروں اور مسجد کی طرف (امن حاصل کرنے کے لئے) جانے لگے (ابوداؤد)

اس سے معلوم ہوا کہ غیر مسلموں کو مخصوص صورتوں میں جنگ کے موقع پر امن دینا جائز ہے۔

کسی بھی مسلمان کا دیا ہوا اَمن و پناہ سب پر لازم ہے

حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: یُجِیْرُ عَلَی الْمُسْلِمِیْنَ بَعْضُهُمْ (مسند أحمد، رقم الحدیث ۲۲۱۵۵) [۱]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان پر کسی (غیر مسلم) کو پناہ دے سکتا ہے (مسند احمد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: یُجِیْرُ عَلٰی أُمَّتِیْ أَدْنَاهُمْ

(مسنداحمد، رقم الحدیث ۸۷۸۰) [۲]

---

[۱] فی حاشیة مسند احمد: صحیح لغیره.

[۲] فی حاشیة مسند احمد: صحیح لغیره، وهذا إسناد حسن.

www.idaraghufran.org

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت پر ایک ادنیٰ درجہ کا مسلمان بھی کسی (غیر مسلم) کو پناہ دے سکتا ہے (اور پھر اس کی حفاظت تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ہوگی) (مسند احمد)

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : يُجِيْرُ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ أَدْنَاهُمْ (مسند أحمد) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام مسلمانوں پر ایک ادنیٰ درجہ کا مسلمان بھی کسی کو پناہ دے سکتا ہے (اور پھر اس کی حفاظت تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ہوگی) (مسند احمد)

اس طرح کی حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ١٧٧٦٥، مسند احمد، رقم الحديث ٧٠١٢، سنن ابن ماجه، رقم الحديث ٢٦٨٥.
فی حاشية مسند احمد، تحت رقم الحديث ١٧٧٦٥: المرفوع منه صحيح لغيره.
فی حاشية مسند احمد، تحت رقم الحديث ٧٠١٢: صحيح، وهذا إسناد حسن.

[2] عن أنس، رضى الله عنه قال: لما أسر أبو العاص قالت زينب: إنى قد أجرت أبا العاص فقال النبى صلى الله عليه وسلم: قد أجرنا من أجارت زينب، إنه يجير على المسلمين أدناهم (المستدرک للحاكم، رقم الحديث ٦٨٤٢)

عن عائشة، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ذمة المسلمين واحدة، فإن أجارت عليكم جارية فلا تخفروها (مسند إسحاق بن راهويه،رقم الحديث ١٦١٦)

عن أبى هريرة، عن النبى صلى الله عليه وسلم، قال: ذمة المسلمين واحدة، يسعى بها أدناهم (مصنف ابن ابى شيبة، رقم الحديث ٣٤٠٨٠)

عن ابن عباس، عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: المسلمون تتكافأ دماؤهم وهم يد على من سواهم، يسعى بذمتهم أدناهم، ويرد على أقصاهم (ابن ماجة، رقم الحديث٢٦٨٣)

عن أم سلمة، أن زينب بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم حين خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم مهاجرا استأذنت أبا العاص بن ربيع زوجها أن تذهب إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأذن لها فقدمت عليه، ثم إن أبا العاص لحق بالمدينة، فأرسل إليها: أن خذى لى أمانا من أبيک، فخرجت فاطلعت برأسها من باب حجرتها، ورسول الله صلى الله عليه وسلم فى الصبح يصلى بالناس، فقالت: يا أيها الناس، أنا زينب بنت

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ بعض بلکہ ایک مسلمان کی طرف سے کسی غیر مسلم فرد یا جماعت کو دیا ہوا امن دوسرے سب مسلمانوں کے حق میں معتبر ہے، اور اس کی ذمہ داری تمام مسلمانوں پر لازم ہے۔

مسلم عورت کا اَمن دینا بھی معتبر ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الْمَرْأَةَ لَتَأْخُذُ لِلْقَوْمِ، يَعْنِي : تُجِيْرُ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ (ترمذی، رقم الحديث ١٥٧٩) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (مسلمان) عورت کسی قوم کو پناہ دینے کا حق رکھتی ہے (یعنی کسی غیر مسلم کو مسلمانوں سے پناہ دلوا سکتی ہے) (ترمذی)

اس طرح کی حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سند سے بھی مروی ہے۔ [2]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

رسول الله صلى الله عليه وسلم، وإنى قد أجرت أبا العاص، فلما فرغ رسول الله صلى الله عليه وسلم من الصلاة قال :يا أيها الناس، إنى لم أعلم بهذا حتى سمعتموه، ألا وإنه يجير على المسلمين أدناهم (المعجم الاوسط للطبرانى، رقم الحديث ٣٨٢٢)

قال الالبانى: .قلت :قال الهيثمى بعد أن عزاه بهذا السياق لـ "الأوسط "و "الكبير "باختصار ٥/٣٣٠وفيه ابن لهيعة، وحديثه حسن وبقية رجاله ثقات ."قلت :المتقرر فيه عند أكثر العلماء أنه حسن الحديث فى الشواهد والمتابعات، إلا فى رواية أحد العبادلة عنه، فهو صحيح الحديث. وقد رواه عنه عبد الله بن وهب، فقال الدولابى فى "الذرية الطاهرة" (ق ١٢/ ١) حدثنى يونس بن عبد الأعلى :أنبأ عبد الله بن وهب أخبرنى ابن لهيعة به .وأخرجه الحاكم ٤/٤٥ من طريق آخر عن ابن وهب به .قلت :فصح الحديث والحمد لله (سلسلة الأحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ٢٨١٩)

[1] قال الترمذى: وفى الباب عن أم هانىء وهذا حديث حسن غريب وسألت محمدا، فقال :هذا حديث صحيح وكثير بن زيد قد سمع من الوليد بن رباح، والوليد بن رباح سمع من أبى هريرة وهو مقارب الحديث.

[2] عن عائشة، قالت :إن كانت المرأة لتجير على المؤمنين فيجوز (أبو داوٗد، رقم الحديث ٢٧٦٤، باب فى أمان المرأة)

حضرت امِ ھانی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ:

لَمَّا كَانَ يَوْمُ فَتْحِ مَكَّةَ، أَجَرْتُ رَجُلَيْنِ مِنْ أَحْمَائِي ، فَأَدْخَلْتُهُمَا بَيْتًا، وَأَغْلَقْتُ عَلَيْهِمَا بَابًا، فَجَاءَ ابْنُ أُمِّي عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ، فَتَفَلَّتَ عَلَيْهِمَا بِالسَّيْفِ، قَالَتْ : فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ أَجِدْهُ، وَوَجَدْتُ فَاطِمَةَ، فَكَانَتْ أَشَدَّ عَلَيَّ مِنْ زَوْجِهَا . قَالَتْ: فَجَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ أَثَرُ الْغُبَارِ، فَأَخْبَرْتُهُ، فَقَالَ: يَا أُمَّ هَانِئٍ، قَدْ أَجَرْنَا مَنْ أَجَرْتِ، وَأَمَّنَّا مَنْ أَمَّنْتِ (مسنداحمد) [1]

ترجمہ: فتحِ مکہ کے دن میں نے اپنے شوہر کے دو قریبی رشتہ داروں کو پناہ دے دی، اور ان کو گھر میں داخل کردیا، اور دروازہ بند کردیا، پھر میرے بھائی علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تشریف لائے، پھر ان پر تلوار لے کر متوجہ ہوئے، تو میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی، میں نے آپ کو نہیں پایا، اور میں نے حضرت فاطمہ کو پایا، تو وہ میرے ساتھ اپنے شوہر سے بھی زیادہ سخت تھیں، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اور آپ پر گرد وغبار کا اثر تھا، پھر میں نے اس کی آپ کو خبر کی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے امِ ھانی جسے آپ نے پناہ دی، اسے ہم نے بھی پناہ دی، اور جسے آپ نے امن دیا، اسے ہم نے بھی امن دیا (مسند احمد، بخاری)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مسلم عورت کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ کسی حربی کافر کو امن دیدے، جس کے بعد اس کو قتل کرنا جائز نہیں رہتا۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ٢٦٩٠٦، واللفظ لهٗ، بخاری، رقم الحديث ٣٥٧.
فی حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط الشيخين.

[2] (عن أبی هريرة رضی الله عنه أن النبی -صلى الله عليه وسلم -قال :إن المرأة لتأخذ) ; أی الأمان (للقوم يعنی تجير على المسلمين) ; أی جاز أن تأخذ المرأة المسلمة الأمان للقوم (رواه الترمذی) قال ابن الهمام :وروى أبو داود ثنا عثمان بن أبی شيبة عن سفيان بن عيينة عن منصور عن إبراهيم عن الأسود عن عائشة قالت :إن كانت المرأة لتجير على المؤمنين، وترجم الترمذی باب

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ملحوظ رہے کہ عورت کا کسی غیر مسلم کو امن دینا اس وقت معتبر ہے، جبکہ اس کی کوئی فاسد غرض، مثلاً غیر مسلم سے نکاح یا غلط تعلق قائم کرنا پیشِ نظر نہ ہو۔

اَمَن یافتہ غیر مسلم کے قاتل کا قیامت میں دھوکہ کا جھنڈا

حضرت عمرو بن حمق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ : مَنْ أَمَّنَ رَجُلًا عَلٰى نَفْسِهٖ فَقَتَلَهٗ، أُعْطِيَ لِوَاءَ الْغَدْرِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (مسند احمد، رقم الحديث ۲۱۰۴۶) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص کسی کو اس کی جان کی امان دے اور پھر اس کو قتل کردے، تو قیامت کے دن اس کو بدعہدی کا جھنڈا (ونشان) دیا جائے گا (مسند احمد)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ أمان المرأة ثنا يحيى بن أكثم إلى أبى هريرة رضى الله عنه عن النبى -صلى الله عليه وسلم -قال :إن المرأة لتأخذ للقوم يعنى تجير القوم على المسلمين وقال حديث حسن غريب وقال فى علله الكبرى سألت محمد بن إسماعيل عن هذا الحديث فقال هو حديث صحيح ومن أحاديث الباب حديث إجارة زينب بنت رسول الله -صلى الله عليه وسلم - أبا العاص فقال -صلى الله عليه وسلم :-ألا وإنه يجير على المسلمين أدناهم، رواه الطبرانى بطوله (مرقاة المفاتيح، كتاب الجهاد، باب الأمان، الفصل الثانى)

ذكر ما حفظناه عن أهل العلم فى هذا الباب أجمع عامة من تحفظ عنه من أهل العلم على أن أمان المرأة الحرة جائز "وقالت عائشة :إن كانت المرأة لتجير على المسلمين "فيجوز.

حدثنا الحسن بن على بن عفان، حدثنا ابن نمير، عن الأعمش، عن إبراهيم، عن الأسود، عن عائشة، قالت :إن كانت المرأة لتأخذ على القوم تقول :تجير عليهم وممن قال بأن أمان المرأة جائز مالك بن أنس، وسفيان الثورى، والأوزاعى، والشافعى، وأحمد، وإسحاق، وأصحاب الرأى .وكذلك نقول :ودلت الأخبار الثابتة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم الدالة على ذلك إجارة أم هانء، وزينب بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأمضى رسول الله صلى الله عليه وسلم لهما ذلك، وقالت عائشة :إن كانت المرأة لتجير على المسلمين، فيجوز ذلك؛ ولهذا قال كل من نحفظ عنه من علماء الأمصار، إلا شيئا ذكره عبد الملك صاحب مالك، لا أحفظ ذلك عن غيره (الأوسط فى السنن والإجماع والاختلاف، ج ۱۱، ص ۲۶۱، جماع أبواب الأمان)

[1] فى حاشية مسند احمد: إسناده صحيح.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ذِمَّةُ الْمُسْلِمِيْنَ وَاحِدَةٌ، فَإِنْ جَازَتْ عَلَيْهِمْ جَائِزَةٌ، فَلَا تَخْفِرُوْهَا، فَإِنَّ لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءً، يُعْرَفُ بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (مستدرک حاکم، رقم الحديث ۲۶۲۶) [1]

ترجمہ: رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام مسلمانوں کا ذمہ ایک ہی ہے، پس اگر اُن میں کوئی مسلمان اس کو اختیار کرلے (یعنی کسی غیر مسلم شخص یا قوم کو امن وپناہ دیدے) تو تم اس کو نہ توڑو، کیونکہ بلاشبہ ہر دھوکہ دینے والے کے لئے قیامت کے دن ایک جھنڈا ہوگا، جس سے اُس کو پہچانا جاسکے گا (حاکم)

ذمہ سے مراد پناہ وامن دینا ہے، اور مسلمانوں کے ذمہ وپناہ یا امن کے ایک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی بھی مسلمان مرد یا عورت کسی غیر مسلم کو جان ومال کا امن وپناہ دے دے، یا اس کے ساتھ امن وپناہ کا معاہدہ کرلے، تو ایک ادنیٰ مسلمان کا امن وپناہ دینا اور معاہدہ ایسا ہے جیسا کہ دوسرے سب مسلمانوں نے معاہدہ کیا ہو، اور اس کو امن وپناہ دی ہو، لہٰذا کسی دسرے مسلمان کو اس امن وپناہ کو توڑنا اور اس امن وپناہ دیے ہوئے غیر مسلم کے جان ومال سے ناحق تعرّض وزیادتی کرنا جائز نہیں۔ [2]

---

[1] قال الحاكم: هذا حديث صحيح الإسناد، ولم يخرجاه بهذه السياقة إنما اتفقا على ذكر الغادر فقط. وقال الذهبي: صحيح.

وقال الالباني: وعلى كل حال؛ فقد قررت نقل الحديث إلى هذه "السلسلة الصحيحة "لشواهده الكثيرة. فالجملة الأولى في ذمة المسلمين؛ لها شواهد كثيرة، منها حديث علي ":المدينة حرم .. "وفيه:وذمة المسلمين واحدة، يسعى بها أدناهم، فمن أخفر مسلماً؛ فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين، لا يقبل الله منه صرفاً ولا عدلاً."رواه الشيخان وغيرهما، وهو مخرج في "الإرواء. وجملة الغدر؛ جاء ت بنصها عن جمع من الصحابة، وهو مخرج فيما تقدم (سلسلة الأحاديث الصحيحة،رقم الحديث،۳۹۴۸)

[2] (ذمة المسلمين واحدة) أى هى كشىء واحد لا تختلف باختلاف المراتب ولا يجوز نقضها بتفرد العاقد بها .قال القاضى :والذمة العهد سمي به لأنه يذم متعاطيه على إضاعته وقال غيره :

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اَمن یافتہ غیر مسلم کے قاتل سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی براءت

حضرت عمرو بن حمق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: أَيُّمَا رَجُلٍ أَمِنَ رَجُلًا عَلٰى دَمِهٖ ثُمَّ قَتَلَهٗ، فَأَنَا مِنَ الْقَاتِلِ بَرِىءٌ وَإِنْ كَانَ الْمَقْتُوْلُ كَافِرًا

(صحيح ابن حبان، رقم الحديث ۵۹۸۲، ذكر الزجر عن قتل المرء من أمنه على دمه) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص کسی (غیر مسلم) آدمی کو اس کے خون پر امن دیدے، اور پھر اس کو قتل کردے، تو میں قاتل سے بری ہوں، اگرچہ مقتول کافر ہی ہو (ابنِ حبان)

مطلب واضح ہے کہ کسی غیر مسلم کو امن وپناہ دینے کے بعد اس کو قتل کرنا اتنا سنگین گناہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے قاتل سے بَری ہیں۔

دوسرے مسلمان کے دیئے ہوئے اَمن کو توڑنے کا وبال

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

ذِمَّةُ الْمُسْلِمِيْنَ وَاحِدَةٌ، فَمَنْ أَخْفَرَ مُسْلِمًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ، لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ، وَلَا عَدْلٌ (بخاری، رقم الحديث ۱۸۷۰)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الذمة ما يذم على إضاعته من عهد أو أمان ومنه سمى المعاهد ذميا (فإذا جارت عليهم جائرة) أى إذا أجار واحد من المسلمين -شريف أو وضيع -كافرا أى أعطاه ذمته (فلا تخفروها) بخاء معجمة وراء وهو بضم التاء وكسر الفاء أصوب من فتح التاء وضم الفاء أى لا تنقضوا عهده وأمانه بل امضوا وإن كان عبدا أو ضعيفا أو أنثى (فإن لكل غادر لواء) زاد فى رواية عند استه (يعرف به يوم القيامة) والمراد النهى عن نقضها وأن من نقض ذمة غيره فكأنه نقض ذمة نفسه (فيض القدير شرح الجامع الصغير، تحت رقم الحديث ۴۳۳۴)

[1] فى حاشية ابن حبان: إسناده حسن.

ترجمہ: مسلمانوں کا ذمہ ایک ہے جوشخص کسی مسلمان کا ذمہ وعہد توڑے، تو اس پر اللہ اور فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، نہ تو اس کی فرض عبادت مقبول ہوگی اور نہ نفل (بخاری)

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں یہ الفاظ مروی ہیں کہ:

ذِمَّةُ الْمُسْلِمِيْنَ وَاحِدَةٌ، يَسْعٰى بِهَا أَدْنَاهُمْ، فَمَنْ أَخْفَرَ مُسْلِمًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ، لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ مِنْهُ صَرْفًا وَلَا عَدْلًا (بخاری، رقم الحديث ۷۳۰۰، مسند أبی يعلی، رقم الحديث ۲۹۶) [1]

ترجمہ: مسلمانوں کا ذمہ ایک ہے، جس کو مسلمانوں کا ادنیٰ (سے ادنیٰ) شخص بھی اختیار کرسکتا ہے، جس نے کسی مسلمان کا عہد توڑا، تو اُس پر اللہ اور فرشتے اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، نہ تو اس کی فرض عبادت مقبول ہوگی اور نہ نفل (بخاری، ابویعلیٰ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، ذِمَّةُ الْمُسْلِمِيْنَ وَاحِدَةٌ يَسْعٰى بِهَا أَدْنَاهُمْ، مَنْ أَخْفَرَ مُسْلِمًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ، لَا يُقْبَلُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَرْفٌ، وَلَا عَدْلٌ (المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحديث ۵۶۲۸) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر دھوکہ دینے والے کے لئے قیامت کے دن ایک جھنڈا ہوگا، مسلمانوں کا ذمہ ایک ہے، جس کے لئے مسلمانوں کا ادنیٰ شخص بھی کوشش کرسکتا ہے، جوشخص کسی مسلمان کا ذمہ وعہد

---

[1] فی حاشية مسند ابی يعلیٰ: إسناده صحيح.

[2] قال الهيثمی: رواه الطبرانی فی الأوسط وأبو يعلی باختصار، وقد تقدم حديث أبی يعلی فی الباب قبله ورجال أبی يعلی ثقات وإسناد الطبرانی ضعيف (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۹۶۹۱، باب ما جاء فی الغدر)

Idara Ghufran

توڑے، تو اس پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، نہ تو اس کی فرض عبادت مقبول ہوگی اور نہ ہی نفل (طبرانی)

اس طرح کی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی مروی ہے۔ [1]

مطلب یہ ہے کہ تمام مسلمانوں کا ذمہ اور پناہ وامن دینا ایک ہے، لہٰذا اگر ادنیٰ مسلمان بھی کسی غیر مسلم کو پناہ دے دے، تو وہ بھی معتبر اور سب مسلمانوں پر لازم ہے۔

معلوم ہوا کہ جب کسی غیر مسلم شخص یا جماعت وقوم کو کوئی بھی مسلمان امن وپناہ دیدے، یا اس کی جان ومال سے تعرض وچھیڑ چھاڑ نہ کرنے کا عہد کرلے، تو تمام مسلمانوں پر اس کی پابندی لازم ہوجاتی ہے، اور کسی بھی مسلمان کے لئے اس کی جان ومال سے ناحق تعرض کرنا جائز نہیں رہتا، اور جو کوئی اس امن، ذمہ، اور عہد کو توڑے گا، تو اس کی فرض اور نفل عبادت قبول نہیں کی جائے گی، اگرچہ عبادت کرنے کی ذمہ داری سَر سے اُتر جائے۔ [2]

---

[1] حدثنا عبد الله بن محمد بن عثمان الواسطی، فی جماعة قالوا :ثنا عبد الله بن محمد بن الفرج الرطی، ثنا أبی، ثنا خالد بن عبد الرحمن بن سلمة المخزومی، ثنا مسعر، عن الأعمش، عن أبی صالح، عن أبی هريرة، قال :قال رسول الله صلی الله عليه وسلم :ذمة المسلمين واحدة ,يسعی بها أدناهم ,فمن أخفر مسلما فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين ,لا يقبل الله منه يوم القيامة صرفا ولا عدلا تفرد به خالد عن مسعر (حلية الأولياء وطبقات الأصفياء، ج٧، ص٢٤٣)

[2] قوله :(يسعی بها) يعنی :أن ذمة المسلمين سواء صدرت من واحد أو أكثر شريف أو وضيع، فإذا آمن أحد من المسلمين كافرا وأعطاه ذمته لم يكن لأحد نقضه، فيستوی فی ذلک الرجل والمرأة، والحر والعبد، لأن المسلمين كنفس واحدة .والله أعلم.

ذكر ما يستفاد منه فيه :رد علی الشيعة فيما يدعونه من أن عليا، رضی الله تعالی عنه، عنده وصية من سيدنا رسول الله، صلی الله عليه وسلم، له بأمور كثيرة من أسرار العلم وقواعد الدين .وفيه: جواز كتابة العلم .وفيه :المحدث والمروی له فی الإثم سواء .وفيه :حجة لمن أجاز أمان المرأة والعبد، وهو مذهب مالک والشافعی، وعند أبی حنيفة :لا يجوز إلا إذا أذن المولی لعبده بالقتال . وفيه: أن نقض العهد حرام (عمدة القاری، باب حرم المدينة، ج١٠، ص٢٣٤)

أی: هذا باب يذكر فيه ذمة المسلمين وجوارهم واحدة، فقوله :ذمة المسلمين، مرفوع بالابتداء ، وجوارهم، عطف عليه وخبره قوله :واحدة، ومعناه :أن من انعقدت عليه ذمة من طائفة من المسلمين فإنها واحدة فی الحكم لا تختلف باختلاف العاقدين، وحاصل المعنی :أن كل من عقد

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

غیر مسلم و دشمنانِ اسلام کے سفیر کو قتل کرنے کی ممانعت

حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: حِيْنَ قَرَأَ كِتَابَ مُسَيْلِمَةَ الْكَذَّابِ، قَالَ لِلرَّسُوْلَيْنِ: فَمَا تَقُوْلَانِ أَنْتُمَا؟ قَالَا: نَقُوْلُ: كَمَا قَالَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَاللّٰهِ لَوْلَا أَنَّ الرُّسُلَ لَا تُقْتَلُ لَضَرَبْتُ أَعْنَاقَكُمَا (مسنداحمد) [2]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیلمہ کذاب کا خط پڑھا تو اس خط کو لانے والے دونوں قاصدوں (اور سفیروں) سے پوچھا کہ تم دونوں کس چیز کے قائل ہو؟ انہوں نے جواب میں کہا

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

ذمة يعني أمانا لأحد من أهل الحرب جاز أمانه على جميع المسلمين دنيا كان أو شريفا، عبدا كان أو حرا، رجلا كان أو امرأة، وليس لهم بعد ذلك أن يخفروه، واتفق مالك والثورى والأوزاعى والليث والشافعي وأبو ثور على جواز أمان العبد قاتل أو لم يقاتل، وقال أبو حنيفة وأبو يوسف :لا يجوز أمانه إلا أن يقاتل، وأجاز مالك أمان الصبى إذا عقل الإسلام، ومنع ذلك أبو حنيفة والشافعى وجمهور الفقهاء ، وقال ابن المنذر :أجمع أهل العلم أن أمان الصبى غير جائز، والمجنون كذلك لا يصح أمانه بلا خلاف كالكافر، وقال الأوزاعى :إن غزا الذمى مع المسلمين فأمن أحدا فإن شاء الإمام أمضاه وإلا فيرده إلى مأمنه .قوله :(وجوارهم) أى :وجوار المسلمين، وقد مر تفسيره عن قريب، وليس فى بعض النسخ لفظ :جوارهم .قوله :(يسعى بها) ،أى :بذمة المسلمين، أى :بأمانهم (أدناهم) أى :أقلهم عددا فيدخل فيه الواحد وتدخل فيه المرأة أيضا، ولا يدخل فيه العبد عند أبى حنيفة لأنه ليس من أهل الجهاد، فإذا قاتل يكون منهم، ولفظ :ذمة المسلمين واحدة يسعى بها أدناهم، رواه أحمد فى (مسنده) وقال الترمذى :وروى عن على بن أبى طالب وعبد الله بن عمرو عن النبى صلى الله عليه وسلم مثل رواية أحمد، ثم قال :معنى هذا عند أهل العلم أن من أعطى الأمان من المسلمين فهو جائز على كلهم .وروى ابن ماجه من حديث ابن عباس عن النبى صلى الله عليه وسلم :المسلمون تتكافأ دماؤهم وهم يد على من سواهم، يسعى بذمتهم أدناهم (عمدة القارى، باب ذمة المسلمين وجوارهم واحدة يسعى بها أدناهم)

[2] رقم الحديث ١٥٨٩٠، سنن أبى داود، رقم الحديث ٢٧٦١.
فى حاشية مسند احمد: حديث صحيح بطرقه وشاهده.

www.idaraghufran.org

کہ ہم بھی وہی کہتے ہیں، جو مسیلمہ کہتا ہے (یعنی ہم آپ کے مقابلہ میں اس کو نبی ورسول مانتے ہیں) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! اگر یہ بات نہ ہوتی کہ قاصدوں (اور سفیروں) کو قتل نہ کیا جایا کرتا (یعنی اُن کو قتل کرنے کی اجازت ہوتی) تو میں تم دونوں کی گردنیں اڑا دیتا (مسند احمد)

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

جَاءَ ابْنُ النَّوَّاحَةِ وَابْنُ أُثَالٍ رَسُوْلَا مُسَيْلِمَةَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ لَهُمَا: أَتَشْهَدَانِ أَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ؟ قَالَا : نَشْهَدُ أَنَّ مُسَيْلِمَةَ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: آمَنْتُ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ، لَوْ كُنْتُ قَاتِلًا رَسُوْلًا لَقَتَلْتُكُمَا قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: قَالَ فَمَضَتِ السُّنَّةُ أَنَّ الرُّسُلَ لَا تُقْتَلُ (مسند احمد، رقم الحديث ۳۷۶۱) [1]

ترجمہ: ابنِ نواحہ اور ابنِ اثال (نامی دو شخص) مسیلمہ کذاب کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قاصد (وسفیر) بن کر آئے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سے پوچھا کہ کیا تم دونوں اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ انہوں نے کہا کہ ہم تو مسیلمہ کے اللہ کا رسول ہونے کی گواہی دیتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں قاصدوں (وسفیروں) کو قتل کرتا ہوتا تو میں تم دونوں کو قتل کر دیتا، تو یہ سنت (وروایت) چلی آ رہی ہے کہ قاصد وسفیر کو قتل نہیں کیا جاتا (مسند احمد)

''مسیلمہ کذاب'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ نبوت اور آپ کی حیات میں پیدا ہو گیا تھا، جو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں اپنی جھوٹی نبوت کا دعویدار تھا، اور اس کا گستاخ ہونا واضح تھا، اور اس کے دو قاصد اور سفیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تھے، اور وہ بھی نبی

[1] فی حاشية مسند احمد: حديث صحيح.

www.idaraghufran.org

صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں مسیلمہ کذاب کے نبی ہونے کے قائل و دعویدار تھے، جن کے قتل کئے جانے میں کوئی شبہ نہ تھا، لیکن کیونکہ غیروں کے قاصد اور سفیر کو قتل کرنے کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت نہیں، اس لئے آپ نے ان کو قتل نہیں کیا، جس سے معلوم ہوا کہ غیر مسلموں کے قاصدوں اور سفیروں کو قتل کرنا جائز نہیں، خواہ وہ کسی مذہب اور عقیدہ اور باطل نظریات وعقائد سے بھی تعلق رکھتے ہوں۔

مگر آج کل بعض لوگ شریعت اور سنت کی ان پاکیزہ تعلیمات کی پرواہ کئے بغیر بے دھڑک غیر مسلموں کے سفیروں کو عبادت سمجھ کر قتل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔ [1]

غیر مسلم مُعاہِد کے قتل کی ممانعت

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلْمُؤْمِنُوْنَ تَكَافَأُ دِمَاؤُهُمْ، وَهُمْ يَدٌ عَلٰى مَنْ سِوَاهُمْ، يَسْعٰى بِذِمَّتِهِمْ أَدْنَاهُمْ، أَلَا لَا يُقْتَلُ مُؤْمِنٌ

---

[1] (وعن نعيم) بالتصغير (ابن مسعود) أى الأشجعى هاجر إلى النبى -صلى الله عليه وسلم - وأسلم بالخندق وهو الذى سعى بين بنى قريظة وأبى سفيان بن حرب، وأبو سفيان يومئذ رأس الأحزاب، وخذلهم عن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -وحكايته معروفة، سكن المدينة روى عنه ابنه سلمة مات فى خلافة عثمان وقيل بل قتل فى وقعة الجمل قبل قدوم على بن أبى طالب كرم الله وجهه (أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -قال لرجلين) أحدهما عبد الله بن النواحة والثانى ابن أثال كما سيأتى (جاء ا) بصيغة التثنية ;أى كلاهما (من عند مسيلمة) بضم الميم الأولى وفتح السين وكسر اللام وهو الكذاب المشهور بدعوى النبوة (أما) بتخفيف الميم للتنبيه (والله لولا أن الرسل لا تقتل) قال التوربشتى وذلك ;لأنهم كما حملوا تبليغ الرسالة حملوا تبليغ الجواب فلزمهم القيام بكلا الأمرين فيصيرونى برفض مآربهم موسومين بسمة الغدر، وكان نبى الله -صلى الله عليه وسلم -أبعد الناس عن ذلك، ثم إن فى تردد الرسل المصلحة الكلية ومهما جوز حبسهم، أو التعرض لهم بمكروه صار ذلك سببا ;لانقطاع السبل من الفئتين المختلفتين وفى ذلك من الفتنة والفساد ما لا يخفى على ذى اللب موقعه، وقوله (لضربت أعناقكم) إنما قال ذلك لهما ;لأنهما قالا بحضرته نشهد أن مسيلمة رسول الله اهـ، وقيل عدم جواز قتل الرسل مستفاد من قوله تعالى (وإن أحد من المشركين استجارك فأجره) والوافد فى حكم المستجير، قلت :وهو ما ينافى كلام الشيخ من الحكمة الجلية (مرقاة المفاتيح، كتاب الجهاد،باب الأمان)

بِكَافِرٍ، وَلَا ذُو عَهْدٍ فِي عَهْدِهِ (مسند احمد، رقم الحديث ۹۹۱) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمنین کے خون آپس میں برابر ہیں، اورسب مؤمن اپنے غیروں (یعنی غیر مسلموں) پرایک ہاتھ کی طرح ہیں، جن کو ذمہ وامن دینے کی کوشش مومنوں میں سے ادنیٰ شخص بھی کرسکتا ہے، خبردار! مؤمن کو کافر (حربی) کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا، اور نہ عہد کیے ہوئے (غیر مسلم کو) اُس کے عہد کے زمانہ میں قتل کیا جائے گا (مسند احمد)

اس طرح کی حدیث اورسندوں سے بھی مروی ہے۔ [2]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس غیر مسلم فرد یا جماعت سے قتل وقتال نہ کرنے کا عہد معاہدہ ہوجائے، اُس کو عہد معاہدہ کے زمانہ میں قتل کرنا جائز نہیں۔ [3]

---

[1] فی حاشية مسند احمد: صحيح لغيره.

[2] عن عمرو بن شعيب، عن أبيه، عن جده، أن النبی صلی الله عليه وسلم قال فی خطبته، وهو مسند ظهره إلی الكعبة: لا يقتل مسلم بكافر، ولا ذو عهد فی عهده (مسند احمد، رقم الحديث ۶۶۹۰)

فی حاشية مسند احمد: صحيح، وهذا إسناد حسن.

[3] (وعن علی رضی الله عنه) : قال الطيبی :وهذا الحديث من جملة ما قد كان فی الصحيفة التی كانت فی قراب سيفه، (عن النبی صلی الله عليه وسلم قال " :المسلمون تتكافأ ") : بالتأنيث وهمز آخره أی تتساوی (دماؤهم) : فی الديات والقصاص .فی شرح السنة :يريد به أن دماء المسلمين متساوية فی القصاص، يقاد الشريف منهم بالوضيع، والكبير بالصغير، والعالم بالجاهل، والمرأة بالرجل، وإن كان المقتول شريفا أو عالما، والقاتل وضيعا أو جاهلا، ولا يقتل به غير قاتله علی خلاف ما كان يفعله أهل الجاهلية، وكانوا لا يرضون فی دم الشريف بالاستقادة من قاتله الوضيع، حتی يقتلوا عدة من قبيلة القاتل .(ويسعی بذمتهم) : أی بأمانهم (أدناهم) : فی الفائق : الذمة الأمان، ومنها سمی المعاهد ذميا ;لأنه أومن علی ماله ودمه للجزية، والمعنی إذا أعطی أدنی رجل منهم أمانا فليس للباقين إخفاره أی نقض عهده وأمانه .فی شرح السنة :أی إن واحدا من المسلمين إذا أمن كافرا حرم علی عامة المسلمين دمه، وإن كان هذا المجير أدناهم، مثل أن يكون عبدا أو امرأة أو عسيفا تابعا أو نحو ذلک، فلا يخفر ذمته .وفی الجامع الصغير :سيجير علی أمتی أدناهم .رواه أحمد والحاكم عن أبی هريرة(" .ويرد عليهم أقصاهم ") : فی شرح السنة فيه وجهان :أحدهما :أن بعض المسلمين وإن كان قاصی الدار عن بلاد الكفر إذا عقد للكافر عقدا فی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

غیر مسلم مُعاہِد کا قاتل جنت کی خوشبو سے محروم

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : مَنْ قَتَلَ مُعَاهَدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ، وَإِنَّ رِيحَهَا تُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ أَرْبَعِينَ عَامًا (بخاری، رقم الحدیث ۳۱۶۶)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ایسے (غیر مسلم) شخص کو قتل کیا کہ جس سے (قتل وقتال نہ کرنے کا) معاہدہ تھا، تو وہ جنت کی خوشبو نہیں پا سکے گا، اور جنت کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے پالی جاتی ہے (بخاری)

اس طرح کی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی مروی ہے۔ [1]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

الأمان لم يكن لأحد منهم نقضه، وإن كان أقرب دارا من المعقود له، وثانيهما :إذا دخل العسكر دار الحرب، فوجه الإمام سرية منهم، فما غنمت من شيء أخذت منه ما سمى لها، ويرد على العسكر الذين خلفهم، لأنهم وإن لم يشهدوا الغنيمة كانوا رد ءا للسرايا .قال الطيبي :وكذا في النهاية، وهو اختيار القاضي، والأول هو الظاهر لما يلزم من الثاني التعمية والإلغاز ;لأن مفعول يرد غير مذكور، وليس في الكلام ما يدل عليه بخلاف الأول، لأنه يدل عليه قوله :ويسعى بذمتهم أدناهم، وليس بين القرينتين تكرار ;لأن المعنى يجير بعهدهم أدناهم منزلة وأبعدهم منزلا، وينصر الوجه الثاني الحديث السادس من الفصل الثاني في باب الديات وسيجيء بيانه (وهم) : أي المسلمون (يد ") : أي كأنهم يد واحدة في التعاون والتناصر .(على من سواهم) : قال أبو عبيدة: أي المسلمون لا يسعهم التخاذل، بل يعاون بعضهم بعضا على جميع الأديان والملل .قال الطيبي: وقد سبق تحقيق هذا التركيب وبيان مجازه (ألا) : بالتخفيف للتنبيه (لا يقتل مسلم بكافر) : أي بحربي بدليل عطف ما بعده عليه، فلا ينافيه ما قال أبو حنيفة من أنه يقتل المسلم بالذمي، وقال الشافعي :لا يقتل مسلم بكافر مطلقا (ولا ذو عهد) : أي لا يقتل (في عهده) : أي في زمانه وحاله. قال ابن الملك : أي لا يجوز قتله ابتداء ما دام في العهد .قال القاضي :أي لا يقتل لكفره ما دام معاهدا غير ناقض .وقال الحنفية :معناه لا يقتل ذو عهد في عهده بكافر قصاصا، ولا شك أن الكافر الذي لا يقتل به المعاهد هو الحربي دون الذمي، فينبغي أن يكون المراد بالكافر الذي لا يقتل به المسلم هو الحربي تسوية بين المعطوف والمعطوف عليه (مرقاة، كتاب القصاص، الفصل الثاني)

[1] عن أبي هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال : ألا من قتل نفسا معاهدا له ذمة الله وذمة رسوله، فقد أخفر بذمة الله، فلا يرح رائحة الجنة، وإن ريحها ليوجد من مسيرة سبعين خريفا وفي الباب عن أبي بكرة :حديث أبي هريرة حديث حسن صحيح، وقد روي من غير وجه عن أبي هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم (ترمذي، رقم الحديث ۱۴۰۳)

مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ جس غیر مسلم شخص یا جماعت سے جنگ بندی اور باہم قتل وقتال نہ کرنے کا معاہدہ ہوجائے، جس میں ذمی لوگ بھی داخل ہیں، جو مسلمانوں کے ملک میں خاص معاہدہ کے تحت رہتے ہیں، تو ان کا قتل کرنا بڑے سخت وبال کا باعث ہے، کہ ایسا شخص جنت کی خوشبو سے بھی محروم رہے گا۔ [1]

غیر مسلم مُعاہد کے قاتل پر جنت حرام ہے

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ قَتَلَ مُعَاهِدًا فِيْ غَيْرِ كُنْهِهٖ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ (ابوداود، رقم الحديث ۲۷۶۰،باب فی الوفاء للمعاهد وحرمة ذمته)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ایسے (غیر مسلم) شخص کو

---

[1] (وعن عبد الله بن عمرو) ، بالواو (قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :من قتل معاهدا ") : بكسر الهاء ، من عاهد الإمام على ترك الحرب ذميا أو غيره، وروى بفتحها وهو من عاهده الإمام .قال القاضى :يريد بالمعاهد من كان له مع المسلمين عهد شرعى، سواء كان بعقد جزية أو هدنة من سلطان أو أمان من مسلم، وقوله " :لم يرح رائحة الجنة ") ، فيه روايات ثلاث بفتح الراء من راح يراح، وبكسره من راح يريح، وبضم الياء من أراح يريح .وقال العسقلانى : بفتح الراء والياء هو أجود، وعليه الأكثر ثم المعنى واحد، وهو أنه لم يشم رائحة الجنة ولم يجد ريحها، ولم يرد به أنه لا يجدها أصلا، بل أول ما يجدها سائر المسلمين الذين لم يقترفوا الكبائر توفيقا بينه وبين ما تعاضدت به الدلائل النقلية والعقلية، على أن صاحب الكبيرة إذا كان موحدا محكوما بإسلامه لا يخلد فى النار، ولا يحرم من الجنة .وقيل :المراد التغليظ :(وإن ريحها يوجد") : جملة حالية أى والحال أن ريح الجنة توجد (من مسيرة أربعين خريفا ") . أى عاما كما فى رواية .قال السيوطى رحمه الله :وفى رواية سبعين عاما، وفى الأخرى مائة عام، وفى الفردوس ألف عام، وجمع بأن ذلك بحسب اختلاف الأشخاص والأعمال، وتفاوت الدرجات، فيدركها من شاء الله من مسيرة ألف عام، ومن شاء من مسيرة أربعين عاما، وما بين ذلك قاله ابن العربى وغيره .قلت :ويحتمل أن يكون المراد من الكل طول المسافة لا تحديدها .(رواه البخارى) . وكذا أحمد، والنسائى، وابن ماجه .وفى رواية " :من قتل معاهدا فى غير كنهه بضم الكاف وسكون النون أى فى غير وقته الذى يجوز فيه قتله، حرم الله عليه الجنة "أى منعه من دخولها مدة يوم القيامة (مرقاةالمفاتيح، ج۶، ۲۲۶۱، كتاب القصاص)

ناحق قتل کیا کہ جس سے (قتل وقتال نہ کرنے کا) معاہدہ تھا، تو اللہ اس پر جنت کو حرام فرمادے گا (ابوداؤد)

مطلب یہ ہے کہ جس غیر مسلم فرد یا طبقہ سے جزیہ (وٹیکس) لے کر یا بغیر جزیہ وٹیکس کے مسلمان حکومت نے صلح کرلی، یا کسی مسلمان نے امن دیدیا، پھر اس کو ناحق قتل کردیا، مثلاً ابھی صلح ومعاہدہ کا وقت باقی تھا، یا دیا ہوا امن برقرار تھا، تو اس پر اللہ تعالیٰ، جنت کو حرام کردے گا، تا آنکہ وہ اپنی سزا نہ پالے۔ [1]

غیر مسلم مُعاہِد پر ظلم کرنے والے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حجت

حضرت صفوان بن سلیم رحمہ اللہ کئی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ:

عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَلَا مَنْ ظَلَمَ مُعَاهِدًا، أَوِ انْتَقَصَهُ، أَوْ كَلَّفَهُ فَوْقَ طَاقَتِهٖ، أَوْ أَخَذَ مِنْهُ شَيْئًا بِغَيْرِ طِيْبِ نَفْسٍ، فَأَنَا حَجِيْجُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (سنن أبی داود، رقم الحديث ۳۰۵۲)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے معاہدہ کیے ہوئے (غیر مسلم) شخص پر ظلم کیا، یا اس کی حق تلفی وتحقیر کی، یا اس کی طاقت سے زیادہ اس پر بوجھ ڈالا، یا اس کی خوش دلی کے بغیر اس کی کوئی چیز لی، تو قیامت کے دن میں

---

[1] (من قتل معاهدا) بفتح الهاء أى من عوهد أى صولح مع المسلمين بنحو جزية أو هدنة من إمام أو أمان من مسلم ويجوز كسر الهاء على الفاعل قال فى التنقيح :والفتح أكثر (فى غير كنهه) أى فى غير وقته أو غاية أمره والذى يحل فيه قتله وكنه الأمر حقيقته أو وقته أو غايته والمراد الوقت الذى بيننا وبينه فيه عهد أو أمان (حرم الله عليه الجنة) ما دام ملطخا بذنبه ذلك فإذا طهر بالنار صار إلى ديار الأبرار وقال القاضى :حرم الله عليه الجنة ليس فيه ما يدل على الدوام والإقناط الكلى فضلا عن القطع وقال غيره :هذا التحريم مخصوص بزمان ما لقيام الأدلة على أن من مات مسلما لا يخلد فى النار وإن ارتكب كل كبيرة ومات على الإصرار.

(حم د ن ک عن أبى بكرة) قال فى المهذب :هذا إسناد صالح ورواه عنه أيضا باللفظ المزبور الحاكم وقال :صحيح وأقره الذهبى(فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ۸۱۳)

اس کی طرف سے حجت بنوں گا (اور اس کے حق کے لئے کھڑا ہوؤں گا) (ابوداؤد)

مسلمان کو ناحق قتل کرنے اور اس کی مالی و جانی حق تلفی کرنے کا وبال تو اپنی جگہ ہے، مذکورہ احادیث میں معاہدہ کیے ہوئے سے مراد ایسا غیر مسلم ہے کہ جو مسلمانوں سے معاہدہ کے تحت ان کے ملک میں رہتا ہو، جس کو شریعت کی زبان میں ذمی اور آج کل کی زبان میں اقلیتی کہا جاتا ہے، یا وہ ہے جو مسلمانوں کے ملک میں امن طلب کرکے (یعنی ویزا) حاصل کرکے آیا ہو، یا کسی مسلمان نے اس کو امن دے دیا، اور اس کا ذمہ لے لیا ہو۔

اور اگر کسی غیر مسلم قوم اور ملک سے مسلمانوں کا کوئی (جنگ بندی، فائر بندی وغیرہ کا) معاہدہ ہوجائے، تو اس کی خلاف ورزی بھی جائز نہیں، جیسا کہ دوسری احادیث میں وضاحت آئی ہے۔

ایسے غیر مسلم شخص یا جماعت کے قاتل، یا اس کی تحقیر وتذلیل کرنے یا حق تلفی کرنے یا اس پر ظلم کرنے یا اس کی خوشدلی کے بغیر کوئی چیز لینے والے کے خلاف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بروزِ قیامت حجت بن کر کھڑے ہونے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت ناراضگی و بیزاری ظاہر ہوتی، اور اس کا سنگین گناہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔ [1]

---

[1] (وعن صفوان بن سليم رضى الله عنه) بالتصغير قال المؤلف :هو مولى حميد بن عبد الرحمن بن عوف تابعي جليل القدر من أهل المدينة مشهور، روى عن أنس بن مالک ونفر من التابعين، كان من خيار عباد الله الصالحين، يقال :إنه لم يضع جنبه على الأرض أربعين سنة، ويقولون :إن جبهته نقبت من كثرة السجود، وكان لا يقبل جوائز السلطان ومناقبه كثيرة، مات سنة اثنتين وثلاثين ومائة، روى عنه ابن عيينة .(عن عدة) أى :جماعة (من أبناء أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم) : يحتمل كونهم من الصحابة، أو التابعين (عن آبائهم) : يعنى الصحابة (عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :ألا) : للتنبيه (من ظلم معاهدا) : بكسر الهاء أى :ذميا، أو مستأمنا (أو انتقصه) أى :نقص حقه .وقال الطيبى أى :عابه لما فى الأساس استنقصه وانتقصه عابه اهـ .ولا يخفى بعده ;لأنه مخالف للحقيقة اللغوية مع أنه غير ظاهر فى المعنى من المنهيات الشرعية، وفى نسخة بالضاد المعجمة أى :نقض الأجل المضروب لأمنه وأمانه (أو كلفه) أى :فى أداء الجزية، أو الخراج (فوق طاقته) : بأن أخذ ممن لا يجب عليه الجزية على ما سبق، أو أخذ ممن يجب عليه أكثر مما يطيق، أو فوق نصف العشر من مال تجارته إن كان ذميا .وفوق عشر مال تجارته إن كان حربيا مستأمنا (أو أخذ منه شيئا بغير طيب نفس) : تعميم بعد تخصيص، أو تقييد وتأكيد (فأنا حجيجه) أى :خصمه ومحاجه ومغالبه بإظهار الحجج عليه (يوم القيامة) : والحجة الدليل والبرهان، يقال :حاججه ومحاجه، فأنا محاج وحجيج فعيل بمعنى فاعل كذا النهاية .(رواه أبو داود(مرقاة المفاتيح، ج٦، ص ٢٦٢، باب الصلح)

غیر مسلم سے عہد پورا کرنے کی تاکید اور دھوکہ دہی کی ممانعت

حضرت سلیم بن عامر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ مُعَاوِيَةُ يَسِيرُ بِأَرْضِ الرُّومِ، وَكَانَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَهُ أَمَدٌ، فَأَرَادَ أَنْ يَدْنُوَ مِنْهُمْ، فَإِذَا انْقَضَى الْأَمَدُ غَزَاهُمْ، فَإِذَا شَيْخٌ عَلٰى دَابَّةٍ يَقُولُ: اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، وَفَاءٌ لَا غَدْرٌ، إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ كَانَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ قَوْمٍ عَهْدٌ، فَلَا يَحِلَّنَّ عُقْدَةً وَلَا يَشُدَّهَا حَتّٰى يَنْقَضِيَ أَمَدُهَا، أَوْ يَنْبِذَ إِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَاءٍ، فَبَلَغَ ذٰلِكَ مُعَاوِيَةَ فَرَجَعَ، وَإِذَا الشَّيْخُ عَمْرُو بْنُ عَبَسَةَ (مسند أحمد، رقم الحديث ۱۷۰۱۵، سنن الترمذی، رقم الحديث ۱۵۸۰) [1]

ترجمہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ روم کے علاقہ میں سفر کر رہے تھے اور روم والوں کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایک مدت تک (جنگ وقتال نہ کرنے کا) عہد ومعاہدہ تھا، تو حضرت معاویہ نے یہ چاہا کہ وہ روم والے لوگوں کے قریب پہنچ جائیں، پھر جونہی (عہد ومعاہدہ کی) مدت ختم ہو تو فوراً ان سے جنگ کریں (اور دشمنوں کو یہ بات معلوم نہ ہو کہ وہ اتنے قریب اور ہمارے سر پر موجود ہیں) اسی دوران ایک سواری پر ایک بزرگ یہ کہتے ہوئے آئے کہ اللہ اکبر، اللہ اکبر، عہد پورا کرنا چاہیے، دھوکہ نہیں دینا چاہیے، بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کا کسی قوم کے ساتھ کوئی معاہدہ ہو تو وہ اس معاہدہ کی مدت ختم ہونے سے پہلے نہ تو اس معاہدہ کو توڑے اور نہ اس کو بدلے، یا ان کی طرف پیغام بھیج کر (کہ تمہاری طرف سے معاہدہ کی خلاف ورزی ہو چکی

---

[1] قال الترمذی: هذا حديث حسن صحيح.
وفی حاشية مسند احمد: حديث صحيح بشاهده.

ہے) برابری کی سطح پر معاملہ کرے، یہ بات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ (اپنے لشکر کو لے کر) واپس لوٹ گئے، اور وہ بزرگ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ تھے (مسند احمد، ترمذی)

محدثین نے فرمایا کہ جب دشمنوں اور کافروں سے ایک خاص مدت تک جنگ بندی اور قتل وقتال اور جہاد نہ کرنے کا معاہدہ ہو جائے، تو جنگ بندی کے معاہدے میں اتنی مدت بھی شامل ہوتی ہے کہ جتنی مدت میں سفر کر کے ان تک پہنچا جا سکے۔

لہٰذا جنگ بندی کے معاہدہ کی مدت ختم ہونے سے پہلے جنگ کے لئے چلنا بھی جائز نہیں، البتہ اگر دشمنوں کی طرف سے معاہدہ کی خلاف ورزی ظاہر ہو، تو ان کو معاہدہ وصلح ختم ہو جانے کی اطلاع دے کر ہی جنگ کرنے کی اجازت ہے، اس سے پہلے نہیں۔ [1]

عہد شکنی، قتل وغارت گری اور دشمنوں کے غلبہ کا سبب ہے

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا نَقَضَ قَوْمٌ الْعَهْدَ قَطُّ، إِلَّا كَانَ الْقَتْلُ بَيْنَهُمْ، وَلَا ظَهَرَتِ الْفَاحِشَةُ فِيْ قَوْمٍ قَطُّ، إِلَّا سَلَّطَ اللّٰهُ

---

[1] سمعت رسول الله -صلى الله عليه وسلم -يقول من كان بينه وبين قوم عهد فلا يحلن عهدا) ;أى عقد عهد (ولا يشدنه) أراد به المبالغة عن عدم التغير وإلا فلا مانع من الزيادة فى العهد والتأكيد، والمعنى لا يغيرن عهدا ولا ينقضه بوجه وفى رواية فيشده ولا يحله، قال الطيبى :هكذا جملته عبارة عن عدم التغيير فى العد فلا يذهب على اعتبار معانى مفرداتها، وقال ابن الملك ;أى لا يجوز نقض العهد ولا الزيادة على تلك المدة، وفيه نص والحاصل أنه يترك المعاهد العهد من غير نقض (حتى يمضى أمده) بفتحتين أى تنقضى غايته (أو ينبذ) بكسر الباء ;أى يرمى عهدهم (إليهم) ، بأن يخبرهم بأنه نقض العهد على تقدير خوف الخيانة منهم (على سواء) ; أى ليكون خصمه مساويا معه فى النقض كى لا يكون ذلك منه غدرا لقوله تعالى (وإما تخافن من قوم خيانة فانبذ إليهم على سواء) قال الطيبى :قوله على سواء حال قال المظهر ;أى يعلمهم أنه يريد أن يغزوهم وأن الصلح قد ارتفع فيكون الفريقان فى علم ذلك سواء (قال) ; أى سليم (فرجع معاوية بالناس) الباء للتعدية فإن "رجع "لازم ومتعد قال تعالى :(فإن رجعك الله) أى فذهب بهم، والأظهر أن الباء للمصاحبة ;أى فرجع معهم (مرقاة المفاتيح، كتاب الجهاد، باب الامان)

عَلَيْهِمُ الْمَوْتَ، وَلَا مَنَعَ قَوْمٌ الزَّكَاةَ، إِلَّا حَبَسَ اللّٰهُ عَنْهُمُ الْقَطْرَ

(مستدرک حاکم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو قوم بھی کبھی عہد کو توڑتی ہے، تو ان کے درمیان قتل وغارت گری پیدا ہو جاتی ہے، اور جس قوم میں جب بھی فحاشی پھیلتی ہے، تو ان پر اللہ موت کو مسلط فرما دیتا ہے (جیسا کہ فحاشی والے ممالک میں ایڈز وغیرہ کی مہلک بیماریاں عام ہیں) اور جو قوم بھی زکاۃ کو روکتی ہے، تو ان سے اللہ بارش کو روک لیتا ہے (حاکم)

معلوم ہوا کہ عہد شکنی ایسا گناہ ہے کہ جس کی وجہ سے قتل وغارت گری پیدا ہوتی ہے، آج جگہ جگہ قتل وقتال اور دہشت گردی عام ہے، اس کی اہم وجہ باہم ایک دوسرے کے ساتھ کئے گئے عہد معاہدوں کو توڑنا ہے، خواہ وہ حکمرانوں کے عوام کے ساتھ کئے گئے عہد معاہدے ہوں، یا عوام کے عوام کے ساتھ، یا پھر ایک ملک کے دوسرے ملک کے ساتھ، اور خواہ وہ معاہدے انفرادی نوعیت کے ہوں، یا اجتماعی نوعیت کے، اور خواہ مسلمانوں سے ہوں یا غیر مسلموں سے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: خَمْسٌ بِخَمْسٍ قَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا خَمْسٌ بِخَمْسٍ؟ قَالَ: مَا نَقَضَ قَوْمٌ الْعَهْدَ إِلَّا سُلِّطَ عَلَيْهِمْ عَدُوُّهُمْ، وَمَا حَكَمُوْا بِغَيْرِ مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ إِلَّا فَشَا فِيْهِمُ الْفَقْرُ،

---

[1] رقم الحديث ۲۵۷۷، كتاب الجهاد، مسند البزار، رقم الحديث ۴۴۶۳.
قال الحاكم: هذا حديث صحيح على شرط مسلم ولم يخرجاه.
وقال الذهبي في التلخيص: على شرط مسلم.
و قال الهيثمي: رواه البزار، ورجاله رجال الصحيح غير رجاء بن محمد وهو ثقة (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۱۲۱۵۰، باب وجوب إنكار المنكر)
و قال البوصيري: وقال الحاكم: صحيح على شرط مسلم. وهو كما قال. وله شاهد من حديث ابن عمر، رواه ابن ماجه والبزار والبيهقي بإسناد حسن (اتحاف الخيرة المهرة، ج۳، ص ۱، باب مانع الزكاة وعقوبة من كنز)

www.idaraghufran.org

وَلَا ظَهَرَتْ فِيهِمُ الْفَاحِشَةُ إِلَّا فَشَا فِيهِمُ الْمَوْتُ، وَلَا طَفَّفُوا الْمِكْيَالَ إِلَّا مُنِعُوا النَّبَاتَ وَأُخِذُوا بِالسِّنِينَ، وَلَا مَنَعُوا الزَّكَاةَ إِلَّا حُبِسَ عَنْهُمُ الْقَطْرُ (المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ١٠٩٩٢، ج١١ص٤٥) ؎١

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانچ چیزوں کے بدلہ میں پانچ چیزیں ہیں، صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ وہ کون سی پانچ چیزیں پانچ چیزوں کے بدلہ میں ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جوقوم بھی عہد شکنی کرتی ہے، تو ان پر ان کے دشمنوں کو مسلط کردیا جاتا ہے، اور جولوگ بھی اللہ کے نازل کردہ احکام کے خلاف فیصلہ کرتے ہیں، تو ان میں فقر (وافلاس) پھیل جاتا ہے، اور جس قوم میں بھی فحاشی پھیلتی ہے، اس میں موت پھیل جاتی ہے، اور جولوگ بھی (خریدوفروخت اور لین دین کے وقت) ناپ تول میں کمی کرتے ہیں، تو ان سے فصل کوروک لیا جاتا ہے، اور قحط سالی کے عذاب میں مبتلا کیا جاتا ہے، اور جولوگ بھی زکاۃ کوروک لیتے ہیں، تو ان سے بارش کوروک لیا جاتا ہے (طبرانی)

اس طرح کی حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے موقوفاً بھی مروی ہے۔ ؎٢

؎١ قال الهيثمی: رواه الطبرانی فی الكبير، وفيه إسحاق بن عبد الله بن كيسان المروزی، لينه الحاكم، وبقية رجاله موثقون، وفيهم كلام (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ٤٣٤٦، باب فرض الزكاة)

وقال المنذری: رواه الطبرانی فی الكبير وسنده قريب من الحسن وله شواهد (الترغيب و الترهيب، ج١، ص٣١٠، كتاب الصدقات الترغيب فی أداء الزكاة وتأكيد وجوبها)

وبالجملة فالحديث بهذه الطرق والشواهد صحيح بلا ريب، وتوقف الحافظ ابن حجر فی ثبوته إنما هو باعتبار الطريق الأولى .والله أعلم (سلسلة الاحاديث الصحيحة، ج١، ص٢١٧، تحت رقم الحديث ١٠٧)

؎٢ الحسين بن واقد، عن عبد الله بن بريدة، عن ابن عباس، قال " :ما نقض قوم العهد إلا سلط الله عليهم عدوهم، ولا فشت الفاحشة فی قوم إلا أخذهم الله بالموت، وما طفف قوم الميزان إلا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ کی روایت میں ہے کہ جو قوم بھی اللہ اور اس کے رسول کے عہد کو توڑتی ہے تو ان پر ان کے دشمنوں کو مسلط کر دیا جاتا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أخذهم الله بالسنين، وما منع قوم الزكاة إلا منعهم الله القطر من السماء ، وما جار قوم فى حكم إلا كان البأس بينهم -أظنه قال :والقتل كذا " -قال :عن ابن عباس موقوفا(شعب الايمان، رقم الحديث ۳۰۳۹)

الحسين بن واقد، عن عبد الله بن بريدة، عن ابن عباس قال " :ما نقض قوم العهد قط إلا سلط الله عليهم عدوهم، ولا فشت الفاحشة فى قوم إلا أخذهم الله بالموت، وما طفف قوم الميزان إلا أخذهم الله بالسنين، وما منع قوم الزكاة إلا منعهم الله القطر من السماء ، وما جار قوم فى حكم إلا كان البأس بينهم، أظنه قال :والقتل "(السنن الكبرىٰ للبيهقى، رقم الحديث ۶۳۹۸)

عن شعبة، عن الحكم، عن الحسن بن مسلم، عن ابن عباس، قال " :ما ظهر البغى فى قوم قط إلا ظهر فيهم الموتان ,ولا ظهر البخس فى الميزان وقال ابن كثير :والقفيز والمكيال إلا ابتلوا بالسنة ,ولا ظهر نقض العهد فى قوم إلا أديل منهم عدوهم (السنن الواردة، رقم الحديث ۳۲۲)

[1] عن عطاء بن أبى رباح، عن عبد الله بن عمر، قال :أقبل علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال " :يا معشر المهاجرين خمس إذا ابتليتم بهن، وأعوذ بالله أن تدركوهن :لم تظهر الفاحشة فى قوم قط، حتى يعلنوا بها، إلا فشا فيهم الطاعون، والأوجاع التى لم تكن مضت فى أسلافهم الذين مضوا، ولم ينقصوا المكيال والميزان، إلا أخذوا بالسنين، وشدة المئونة، وجور السلطان عليهم، ولم يمنعوا زكاة أموالهم، إلا منعوا القطر من السماء ، ولولا البهائم لم يمطروا، ولم ينقضوا عهد الله، وعهد رسوله، إلا سلط الله عليهم عدوا من غيرهم، فأخذوا بعض ما فى أيديهم، وما لم تحكم أئمتهم بكتاب الله، ويتخيروا مما أنزل الله، إلا جعل الله بأسهم بينهم "(سنن ابن ماجه، رقم الحديث ۴۰۱۹، المعجم الاوسط للطبرانى، رقم الحديث ۴۶۷۱)

قال البوصيرى: رواه ابن ماجه والبزار والبيهقى بإسناد حسن (اتحاف الخيرة المهرة، ج۳، ص ۱، باب مانع الزكاة وعقوبة من كنز)

عن عطاء بن أبى رباح، قال :كنا مع ابن عمر بمنى، فجاءه فتى من أهل البصرة، فسأله عن شىء ، فقال :سأخبرك عن ذلك، قال :كنت عند رسول الله صلى الله عليه وسلم عاشر عشرة فى مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم :أبو بكر، وعمر، وعثمان، وعلى، وابن مسعود، ومعاذ، وحذيفة، وأبو سعيد الخدرى، ورجل آخر سماه، وأنا، فجاء فتى من الأنصار فسلم على رسول الله صلى الله عليه وسلم، ثم جلس فقال : يا رسول الله، أى المؤمنين أفضل؟ قال :أحسنهم خلقا، قال :فأى المؤمنين أكيس؟ قال :أكثرهم للموت ذكرا، وأحسنهم له استعدادا قبل أن ينزل بهم، أو قال :به،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اللہ اور اس کے رسول کے عہد میں بندوں کے ساتھ کیا گیا عہد بھی داخل ہے، بلکہ غیر مسلموں سے کیا گیا عہد بھی داخل ہے، کیونکہ ان سب کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے پورا کرنے کا حکم ہے۔ ؎

معلوم ہوا کہ عہد شکنی کی وجہ سے دشمنوں کا غلبہ اور تسلط ہوتا ہے، جیسا کہ آج کل جگہ جگہ دشمن مسلط ہیں، بلکہ خفیہ دشمنوں کی ایسی یلغار ہے کہ جن کا کوئی سراغ اور اتہ پتہ بھی نہیں ملتا، لہٰذا اس وبال سے نجات پانے کے لئے عہد شکنی کے گناہ سے باز آنا اور اس سے توبہ کرنی چاہئے۔

قیامت سے قبل عہد شکنی گھٹیا لوگوں کا وطیرہ

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يُوْشِکُ أَنْ يَّأْتِيَ زَمَانٌ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أولئک الأكياس، ثم سكت الفتى، وأقبل علينا النبى صلى الله عليه وسلم، فقال :لم تظهر الفاحشة فى قوم قط إلا ظهر فيهم الطاعون والأوجاع التى لم تكن مضت فى أسلافهم، ولا نقصوا المكيال والميزان إلا أخذوا بالسنين، وشدة المؤنة، وجور السلطان عليهم، ولم يمنعوا زكاة أموالهم إلا منعوا القطر من السماء ، ولولا البهائم لم يمطروا، ولم ينقضوا عهد الله وعهد رسوله إلا سلط الله عليهم عدوهم، وأخذوا بعض ما كان فى أيديهم، وإذا لم يحكم أئمتهم بكتاب الله جعل الله بأسهم بينهم، قال :ثم أمر عبد الرحمن بن عوف أن يتجهز لسرية أمره عليها، فأصبح قد اعتم بعمامة كرابيس سوداء ، فدعاه النبى صلى الله عليه وسلم فنقضها، فعممه، وأرسل من خلفه أربع أصابع، ثم قال :هكذا يابن عوف فاعتم، فإنه أعرب وأحسن، ثم أمر النبى صلى الله عليه وسلم بلالا أن يدفع إليه اللواء ، فحمد الله، ثم قال :اغزوا جميعا فى سبيل الله، فقاتلوا من كفر بالله، لا تغلوا، ولا تغدروا، ولا تمثلوا ولا تقتلوا وليدا، فهذا عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وسنته فيكم(مسند البزار، رقم الحديث ۶۱۷۵)

قال الهيثمى: رواه البزار ورجاله ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۹۶۱۵، باب ما نهى عن قتله من النساء وغير ذلک)

؎ (عهد الله) هو ما جرى بينهم وبين أهل الحرب، وفى الزوائد هذا حديث صالح للعمل به (حاشية السندى على سنن ابن ماجه، ج۲، ۴۸۹، باب العقوبات)

www.idaraghufran.org

يُغَرْبَلُ النَّاسُ غَرْبَلَةً، وَيَبْقٰى حُثَالَةٌ مِّنَ النَّاسِ قَدْ مَرِجَتْ عُهُوْدُهُمْ وَأَمَانَاتُهُمْ، وَاخْتَلَفُوْا فَكَانُوْا هٰكَذَا وَشَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهٖ، قَالُوْا: فَكَيْفَ بِنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: تَأْخُذُوْنَ مَا تَعْرِفُوْنَ وَتَذَرُوْنَ مَا تُنْكِرُوْنَ، وَتُقْبِلُوْنَ عَلٰى أُمْرِ خَاصَّتِكُمْ، وَتَدَعُوْنَ أَمْرَ عَامَّتِكُمْ (مستدرک حاکم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قریب میں لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ جس میں ایک ایک کر کے اچھے لوگ رخصت ہو جائیں گے، اور گھٹیا لوگ باقی رہ جائیں گے، جن کے عہد و معاہدے ٹوٹ جائیں گے، اور امانتیں ضائع ہو جائیں گی، اور آپس میں اختلاف پیدا ہوگا، پس وہ اس طرح (خلط ملط اور ایک دوسرے سے گتھم گتھا) ہو جائیں گے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ بات بیان فرماتے وقت) اپنی اُنگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل کرلیا۔

صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ اس وقت میں ہمارا کیا بنے گا؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس وقت تم نیک کاموں کو اختیار کرو، اور برے کاموں کو چھوڑ دو، اور صرف اپنے معاملہ سے مطلب (یعنی اپنے کام سے کام) رکھو، اور عام لوگوں کے معاملات کو چھوڑ دو (حاکم، ابوداؤد، مسند احمد)

مذکورہ احادیث میں جس امن کا ذکر کیا گیا ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ غیر مسلم کی جان اور اس کے مال کے محفوظ ہونے کا ذمہ اٹھالیا جائے۔

اور جو غیر مسلم حربی ہوں، ان سے ایک مدت تک قتال نہ کرنے پر جو عقد کیا جاتا ہے، خواہ وہ

---

[1] رقم الحديث ۲۶۷۱، كتاب قتال أهل البغى وهو آخر الجهاد، سنن ابى داود، رقم الحديث ۴۳۴۲، مسند احمد، رقم الحديث ۷۰۶۳.

قال الحاكم: هذا حديث صحيح على شرط الشيخين، ولم يخرجاه بهذه السياقة.

و قال الذهبى فى التلخيص: على شرط البخارى ومسلم.

وفى حاشية مسند احمد: إسناده صحيح، رجاله ثقات رجال الشيخين.

www.idaraghufran.org

مال وغیرہ کے عوض میں ہو، یا بغیر کسی چیز کے عوض میں ہو، اس کو عربی میں ''معاہدہ'' اور ''موادعہ'' کہا جاتا ہے، نیز عربی زبان میں اس کو''ہدنہ''یا''مہادنہ'' بھی کہا جاتا ہے۔ ل

ل الأمان فی اللغة :عدم توقع مکروه فی الزمن الآتی، وأصل الأمن طمأنينة النفس وزوال الخوف، والأمن والأمانة والأمان مصادر للفعل (أمن) ، ويرد الأمان تارة اسما للحالة التی يكون عليها الإنسان من الطمأنينة، وتارة لعقد الأمان أو صكه.

وعرفه الفقهاء بأنه :رفع استباحة دم الحربی ورقه وماله حين قتاله أو الغرم عليه، مع استقراره تحت حكم الإسلام.

الألفاظ ذات الصلة:

أ -الهدنة:

الهدنة هی :أن يعقد لأهل الحرب عقد على ترک القتال مدة بعوض وبغير عوض، وتسمى : مهادنة وموادعة ومعاهدة .ويختلف عقد الهدنة عن الأمان بأن عقد الهدنة لا يعقده إلا الإمام أو نائبه، أما الأمان فيصح من أفراد المسلمين .

ب -الجزية:

عقد الجزية موجب لعصمة الدماء وصيانة الأموال والأعراض إلى غير ذلک مما يترتب عليه.

ويختلف عن الأمان فی أن عقد الجزية مثل الهدنة لا يعقده إلا الإمام.

كما أن عقد الجزية مؤبد لا ينقض، بخلاف الأمان فهو عقد غير لازم، أی قابل للنقض بشروطه.

الحكم الإجمالی:

الأصل أن إعطاء الأمان أو طلبه مباح، وقد يكون حراما أو مكروها إذا كان يؤدی إلى ضرر أو إخلال بواجب أو مندوب.

وحكم الأمان هو ثبوت الأمن للكفرة عن القتل والسبی وغنم أموالهم، فيحرم على المسلمين قتل رجالهم وسبی نسائهم وذراريهم واغتنام أموالهم.

ما يكون به الأمان:

ينعقد الأمان بكل لفظ صريح أو كناية يفيد الغرض، بأی لغة كان، وينعقد بالكتابة والرسالة والإشارة المفهمة؛ لأن التأمين إنما هو معنى فی النفس، فيظهره المؤمن تارة بالنطق، وتارة بالكتابة، وتارة بالإشارة، فكل ما بين به التأمين فإنه يلزم.

شروط الأمان:

ذهب المالكية والحنابلة وأكثر الشافعية إلى أن شرط الأمان انتفاء الضرر، ولو لم تظهر المصلحة.

وقيد البلقينی جواز الأمان بمجرد انتفاء الضرر بغير الأمان المعطى من الإمام، فلا بد فيه من المصلحة والنظر للمسلمين.

وقال الحنفية :يشترط فی الأمان أن تكون فيه مصلحة ظاهرة للمسلمين وذلک بأن يعطى فی حال ضعف المسلمين وقوة أعدائهم، لأن الجهاد فرض والأمان يتضمن تحريم القتال، فيتناقض، إلا إذا كان فی حال ضعف المسلمين وقوة الكفرة، لأنه إذ ذاک يكون قتالا معنى، لوقوعه وسيلة إلى الاستعداد للقتال، فلا يؤدی إلى التناقض. ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

قرآن وسنت کے مذکورہ صریح،صحیح اور کثیر دلائل سے معلوم ہوا کہ اسلام میں جہاں غیر مسلموں سے محبانہ تعلقات،قلبی و دلی دوستی کرنے کی ممانعت ہے، اور سرکش ومحارب کافروں سے جہاد وقتل کا حکم ہے، وہاں کسی غیر مسلم فرد یا جماعت یا ملک کے ساتھ جنگ بندی اور قتل نہ کرنے کا معاہدہ ہو جانے یا امن دیدینے کے بعد قتل اور ظلم کرنے کی بھی سخت ممانعت ہے، اور اس کی اتنی تاکید ہے کہ کسی ایک ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان کے دیئے ہوئے امن اور ذمہ کی پاسداری سب پر لازم ہے،اور اس کی خلاف ورزی اور عہد شکنی سخت وبال کی بات ہے۔

اور اس حکم میں وہ غیر مسلم لوگ بھی داخل ہیں، جو مسلمانوں کے ملک میں اقلیتی حیثیت سے رہتے ہوں، جن کو شریعت کی زبان میں ذمی کہا جاتا ہے، اور ایسا شخص بھی داخل ہے، جو مسلمانوں کے ملک میں قانونی اجازت حاصل کر کے یعنی ویزا کے ذریعہ سے آیا ہو،اور اس

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ من له حق إعطاء الأمان:

الأمان إما أن يعطى من الإمام أو من آحاد المسلمين:

أ -أمان الإمام :يصح أمان الإمام لجميع الكفار وآحادهم، لأنه مقدم للنظر والمصلحة، نائب عن الجميع فى جلب المنافع ودفع المضار .وهذا ما لا خلاف فيه.

ب -أمان آحاد المسلمين :يرى جمهور الفقهاء أن أمان آحاد المسلمين يصح لعدد محصور كأهل قرية صغيرة وحصن صغير، أما تأمين العدد الذى لا ينحصر فهو من خصائص الإمام.

وذهب الحنفية إلى أن الأمان يصح من الواحد، سواء أمن جماعة كثيرة أو قليلة أو أهل مصر أو قرية، فليس حينئذ لأحد من المسلمين قتالهم.

شروط المؤمن:

أ -الإسلام :فلا يصح أمان الكافر، وإن كان يقاتل مع المسلمين.

ب -العقل :فلا يصح أمان المجنون والصبى الذى لا يعقل.

ج -البلوغ :بلوغ المؤمن شرط عند جمهور الفقهاء .وقال محمد بن الحسن الشيبانى :ليس بشرط.

د -عدم الخوف من الحربيين :فلا يصح أمان المقهورين فى أيدى الكفرة.

أما الذكورة فليست بشرط لصحة الأمان عند جمهور الفقهاء ، فيصح أمان المرأة لأنها لا تعجز عن الوقوف على حال القوة والضعف .وقال ابن الماجشون من المالكية :إن أمان المرأة والعبد والصبى لا يجوز ابتداء ، ولكن إن وقع يمضى إن أمضاه الإمام وإن شاء رده.

مواطن البحث :فصل الفقهاء أحكام الأمان فى أبواب السير والجهاد فتنظر فيها، ويرجع إلى مصطلح (مستأمن) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۶ ص۲۳۳تا۲۳۵، مادة "أمان")

www.idaraghufran.org

میں بطورِ خاص غیر مسلم ملکوں کے تاجر اور سفیر بھی داخل ہیں، جو سفارت خانوں میں رہتے ہیں، یا مسلمانوں کے ملک میں آ کر سرمایہ کاری کرتے ہیں۔ [1]

اور وہ غیر مسلم افراد بھی داخل ہیں، جہاں مسلم اور غیر مسلم افراد ایک ہی ملک میں رہتے ہوں، اور ان کا باہم قتل وقتال نہ کرنے کا معاہدہ ہو، اسی طرح کسی مسلمان شخص کا غیر مسلموں کے ملک میں اجازت طلب کر کے اور ویزا حاصل کر کے داخل ہونا بھی شامل ہے کہ اسے بھی وہاں جا کر غیر مسلم پر جانی یا مالی ظلم کرنا جائز نہیں، کیونکہ وہ بھی اس ملک کی حکومت کے ساتھ (جو کہ عوام کی نمائندہ ہوتی ہے) اس ملک کے باشندہ کے ساتھ قتل وقتال نہ کرنے کا معاہدہ کر کے داخل ہوتا ہے، اور یہ معاہدہ ویزا پالیسی کا حصہ ہوتا ہے، اگرچہ زبانی کلامی اس بات کی تصریح نہ ہوئی ہو۔ [2]

مگر افسوس کہ مسلمانوں کے ایک طبقہ نے دینِ اسلام کی ان تمام پاکیزہ تعلیمات کو بالائے طاق رکھ کر اور مطلق العنان بن کر سب سے مار دھاڑ اور لوٹ مار کا سلسلہ جاری کر رکھا ہے، اور طرّہ یہ ہے کہ اس پر جہاد وقتال کا عمدہ ومبارک عنوان بھی چڑھا رکھا ہے، اور مزید براں یہ کہ جو اسلام کی ان پاکیزہ تعلیمات کو پیش وبیان کرے، اسے اپنے راستہ کا کانٹا بھی سمجھا جاتا ہے۔

یہ سب کچھ اسلام کی پاکیزہ ومقدس تعلیمات سے لاعلمی اور بے خبری کا نتیجہ اور عند اللہ اور عند الرسول سخت خطرناک طرزِ عمل ہے، اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔ [2]

---

[1] چنانچہ پاکستان کے دستور میں بھی اس کی تصریح کی گئی ہے، جس کی عبارت یہ ہے کہ:

جس کی رُو سے اقلیتوں اور پسماندہ وپست طبقوں کے حقوق کے تحفظ کا قرار واقعی انتظام کیا جائے گا

(ضمیمہ: ''آرٹیکل ۲، الف'' قراردادِ مقاصد، اسلامی جمہوریہ پاکستان کا دستور)

[2] وهذا بخلاف ما إذا جاء هم قوم من المسلمين ليدخلوا دار الحرب فقال لهم أهل الحرب : ادخلوا وأنتم آمنون فدخلوا ولم يشترطوا لهم شيئاً لأن هناک مجيئهم على سبيل الاستئمان بمنزلة التصريح بالاشتراط على أنفسهم ألا يغدروا بهم (شرح السير الكبير، للامام محمد بن الحسن الشيباني، باب قتال أهل الإسلام أهل الشرک مع أهل الشرک)

[2] الاستئمان في اللغة :طلب الأمان .يقال :استأمنه :طلب منه الأمان، واستأمن إليه :دخل في أمانه، وقد أمنه وآمنه.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

IdaraGhufran

غیرمسلموں سے معاملات ومعاشرت سے متعلق چند احکام

قرآن وسنت کی پاکیزہ تصریحات کے بعد اب غیر مسلموں سے مصالحت، معاملات اور معاشرت سے متعلق چند احکام کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱)...... غیر مسلموں سے قلبی اور دِلی دوستی ومحبت رکھنا جائز نہیں، البتہ ان کے ساتھ عدل وانصاف کا حکم ہے، اوران کے ساتھ حسنِ معاشرت کا اختیار کرنا اور معاملات ومعاہدات کا کرنا جائز ہے، جبکہ اس میں کسی شرعی حکم کی مخالفت لازم نہ آئے، اور مختصر لفظوں میں غیر مسلموں سے محبّانہ تعلق رکھنا تو جائز نہیں، اور منصفانہ

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وفى الاصطلاح :دخول دار الغير (أى إقليمه) بأمان، مسلما كان الداخل أو حربيا.

الألفاظ ذات الصلة:

أ -العهد:

الأصل فى معناه :حفظ الشيء ومراعاته حالا بعد حال، ثم استعمل فى الموثق الذى يلزم مراعاته .

فالفرق بين العهد والاستئمان :أن العهد

أعم من الاستئمان

ب -الذمة:

من معانى الذمة فى اللغة :العهد، والأمان، والضمان .ومن معانيها فى الاصطلاح :إقرار بعض الكفار على كفرهم، بشرط بذل الجزية، والتزام أحكام الملة .فالفرق بين الذمة والاستئمان، أن عقد الاستئمان مؤقت، وعقد الذمة مؤبد فى الأصل.

ج -الاستجارة:

الاستجارة من معانيها لغة :طلب شخص من آخر أن يحفظه ويحميه .ولا يخرج المعنى الاصطلاحى عن ذلک.

فالاستجارة أعم؛ لأنها تشمل كل أحوال طلب الحماية، بخلاف الاستئمان، فإنه فى دخول دار الإسلام لغير المسلم وعكسه.

الحكم الإجمالى:

استئمان راية أو علامة تدل على الأمان -جائز بشروط وتفصيلات تنظر فى مصطلح :(مستأمن) فإذا تم ذلک حرمت أموالهم ودماؤهم.

كما يجوز استئمان المسلم لدخول دار الحرب لتجارة، أو تبليغ رسالة، إذا كانوا ممن يوفون بالعهد؛ لأن الظاهر عدم تعرضهم له (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣، ص ١٦١ ماده استئمان)

وعادلانہ تعلق رکھنا ضروری ہے، اور مُحسنانہ تعلق رکھنا بھی جائز ہے، بشرطیکہ شریعت کے کسی حکم کی مخالفت لازم نہ آئے، جس کی تفصیل پہلے ذکر کی جاچکی ہے، اور بعض پہلوؤں کا آگے ذکر آتا ہے۔

(۲)...... کسی غیر مسلم کو امن دینا تو ہر مسلمان کو جائز ہے، لیکن غیر مسلموں کی بڑی تعداد یا پورے ملک والوں کے ساتھ جنگ بندی، اور قتال بندی یا امن معاہدہ کے معتبر ہونے کے لئے کیا یہ ضروری ہے کہ حکومتِ وقت کی طرف سے یہ عمل کیا جائے، یا عام مسلمانوں کو بھی اس کا حق حاصل ہے؟

بہت سے فقہائے کرام تو اس کا حق حکومت کو دیتے ہیں، لیکن حنفی فقہائے کرام اس حق کو حکومت کے ساتھ خاص نہیں رکھتے، بلکہ عوام کو بھی اس کی اجازت وحق دیتے ہیں، اور احادیثِ صحیحہ کی رو سے یہی موقف راجح ہے۔ [۱]

---

[۱] الهدنة فى اللغة: السكون :مأخوذ من هدن الأمر، أو الشخص يهدن هدونا .سكن بعد الهيج، ويقال :هادنه مهادنة :صالحه . وفى الاصطلاح :عرفها الفقهاء بتعاريف متقاربة، فقال الحنفية :هى الصلح على ترك القتال مدة بمال أو بغير مال إذا رأى الإمام مصلحة فى ذلك .

وعند المالكية :هى عقد المسلم مع الحربى على المسالمة مدة ليس هو فيها تحت حكم الإسلام وقال الشافعية :إنها مصالحة أهل الحرب على ترك القتال مدة معينة بعوض أو غير عوض، سواء من يقر بدينه ومن لا يقر به وعند الحنابلة هى :عقد إمام أو نائبه على ترك القتال مع غير المسلمين مدة معلومة بقدر الحاجة. وتسمى الهدنة موادعة، ومعاهدة، ومسالمة ومصالحة.

الألفاظ ذات الصلة:

أ -الأمان: الأمان فى اللغة :عدم توقع مكروه فى الزمن الآتى.

وفى الاصطلاح :رفع استباحة دم الحربى ورقه وماله حين قتاله، أو العزم عليه مع استقراره تحت حكم الإسلام مدة ما، والصلة بين الهدنة والأمان أن فى كل منهما تأمين الكافر الحربى على نفسه وماله وعرضه.

ب -عقد الذمة : عقد الذمة هو التزامنا للكفار صيانة أموالهم وأعراضهم إلى غير ذلك بشروط نشترطها عليهم.

والصلة بين الهدنة وعقد الذمة أن كلا منهما يفيد الأمان إلا أن الهدنة أمان مؤقت، وعقد الذمة أمان مؤبد.

مشروعية الهدنة: لا خلاف بين الفقهاء فى مشروعية الهدنة فى الجملة ودليل مشروعيتها : الكتاب، والسنة النبوية، وإجماع الأمة.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ غیر مسلموں سے اس طرح کی مصالحت ومعاہدہ کے لئے یہ شرط ہے کہ اس میں مسلمانوں کی مصلحت ہو، خواہ مسلمانوں کے ضعف اور قلتِ عدد کی وجہ سے،

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

فمن الكتاب قوله تعالى :(براءة من الله ورسوله إلى الذين عاهدتم من المشركين) (فسيحوا فى الأرض أربعة أشهر واعلموا أنكم غير معجزى الله وأن الله مخزى الكافرين) (وأذان من الله ورسوله إلى الناس يوم الحج الأكبر أن الله برىء من المشركين ورسوله فإن تبتم فهو خير لكم وإن توليتم فاعلموا أنكم غير معجزى الله وبشر الذين كفروا بعذاب أليم) (إلا الذين عاهدتم من المشركين ثم لم ينقصوكم شيئا ولم يظاهروا عليكم أحدا فأتموا إليهم عهدهم إلى مدتهم إن الله يحب المتقين) (فإذا انسلخ الأشهر الحرم فاقتلوا المشركين حيث وجدتموهم وخذوهم واحصروهم واقعدوا لهم كل مرصد فإن تابوا وأقاموا الصلاة وآتوا الزكاة فخلوا سبيلهم إن الله غفور رحيم) (وإن أحد من المشركين استجارك فأجره حتى يسمع كلام الله ثم أبلغه مأمنه ذلك بأنهم قوم لا يعلمون) (كيف يكون للمشركين عهد عند الله وعند رسوله إلا الذين عاهدتم عند المسجد الحرام فما استقاموا لكم فاستقيموا لهم إن الله يحب المتقين) . وقوله عز وجل :(وإن جنحوا للسلم فاجنح لها)

ومن السنة :مهادنته صلى الله عليه وسلم قريشا عام الحديبية عشر سنين .

أما الإجماع :فقد أجمعت الأمة على مشروعية الموادعة مع غير المسلمين فى الجملة، وهى جائزة لا واجبة، وقد تجب لضرورة كأن يترتب على تركها إلحاق ضرر بالمسلمين لا يتدارک.

شروط عقد الهدنة: يشترط فى صحة عقد الهدنة شروط وهى:

الشرط الأول :الإمام أو نائبه:

اختلف الفقهاء فيمن له ولاية عقد الهدنة على رأيين:

الرأى الأول :يرى جمهور الفقهاء (المالكية والشافعية والحنابلة) أن يكون العاقد للهدنة هو الإمام أو نائبه .فلا يصح أن يعقدها غير الإمام أو نائبه؛ لما فيه من الخطر، ولأن النبى صلى الله عليه وسلم هادن بنى قريظة بنفسه وهادن قريشا بالحديبية بنفسه ، وأمن صفوان بن أمية عام الفتح بنفسه .

ولأن الإمام لإشرافه على جميع الأمور العامة أعرف بمصالحها من أشتات الناس.

ولأن تجويزه لغيره يتضمن تعطيل الجهاد، وفيه افتيات على الإمام.

ولأن عقد الهدنة من تصرفات النبى صلى الله عليه وسلم بصفة الإمامة دون غيرها من تصرفاته صلى الله عليه وسلم كالتبليغ، والفتوى والقضاء ، وكل ما تصرف عليه الصلاة والسلام بصفة الإمامة لا يجوز لأحد أن يقدم عليه إلا بإذن الإمام اقتداء به صلى الله عليه وسلم؛ ولأن سبب تصرفه فيه بوصف الإمامة يقتضى ذلک ؛ ولأنه لما كان أمر الإمام بالولاية أنفذ، وهو على التدبير والحراسة أقدر، فإن استناب فى عقدها من أمره صح لأنها صدرت عن رأيه، فلم يلزمه أن يباشرها بنفسه لأنه عام النظر، فلم يفرغ لمباشرة كل عمل، فإن استناب فيها من فوض عقدها إلى رأيه جاز

﴿ بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں ﴾

Idara Ghufran

یا اس وجہ سے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ رہنے سہنے کی وجہ سے اسلام کی طرف مائل ہوں، اور اسلام قبول کریں، یا اس وجہ سے کہ وہ مسلمانوں کو جزیہ ادا کرنے کی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

إذا كان من أهل الاجتهاد والرأى، وكان عقدها منسوبا إلى المستناب المباشر، ومن قبله منسوبا إلى المستنيب الآمر، وهما فى اللزوم سواء، ولخبر :إنما الإمام جنة يقاتل من ورائه ويتقى به ، وقال الخطابى :ومعناه أن الإمام هو الذى يعقد العهد والهدنة بين المسلمين وبين أهل الشرك، فإن رأى ذلك صلاحا وهادنهم فقد وجب على المسلمين أن يجيزوا أمانه.

وقال الشافعية :أما ولاة الثغور فإن كان تقليدهم يتضمن الجهاد فقط لم يكن لواحد منهم أن يعقد هدنة إلا قدر الاستراحة فى السنة :وهى أربعة أشهر ولا يجوز أن تكون سنة؛ لأن عليه أن يجاهد فى كل سنة. وفيما بين أربعة أشهر وسنة قولان؛ لأن له أن يقعد عن الجهاد فيها من غير هدنة فكان مع الهدنة أولى بالجواز. وإن تضمن تقليد والى الثغور العمل برأيه فى الجهاد والموادعة جاز أن يعقد الهدنة عند الحاجة إليها لدخولها فى ولايته، والأولى أن يستأذن الإمام، فإن لم يستأذن انعقدت.

هذا فى مهادنة الكفار مطلقا أو أهل إقليم كبير، ويجوز لوالى الإقليم المهادنة مع أهل بلدة أو قرية فى إقليمه للمصلحة، وكأنه مأذون فيه بتفويض مصلحة الإقليم إليه.

الرأى الثانى -للحنفية :-وهو أنه لا يشترط إذن الإمام للموادعة، فيجوز عقد الموادعة لفريق من المسلمين كما يجوز للإمام ونائبه ولو بغير إذن الإمام؛ لأن المعول عليه وجود المصلحة فى عقدها؛ فحيث وجدت جازت، ولأن موادعة المسلمين أهل الحرب جائزة بالاتفاق كإعطاء الأمان مثلا وهو نوع من الموادعة.

وفرعوا على ما ذهبوا إليه بعض الأحكام وقالوا :لو أن مسلما وادع أهل حرب سنة على ألف دينار جازت موادعته ولا يحل للمسلمين أن يغزوهم، وإن قتلوا واحدا منهم غرموا ديته لأن موادعة الواحد من المسلمين بمنزلة موادعتهم جميعا، وإن لم يعلم الإمام حتى مضت سنة أمضى موادعته وأخذ المال فجعله فى بيت المال لأن منفعة المسلمين متعينة فى إمضاء الموادعة بعد مضى المدة؛ ولأنه أخذ المال بقوة المسلمين، فإن خوف أهل الحرب من جماعة المسلمين لا واحد منهم، لهذا يأخذ الإمام المال من العاقد فيجعله فى بيت المال.

وإن علم الإمام موادعته قبل مضى السنة فإنه ينظر فى ذلك، فإن كانت المصلحة فى إمضاء تلك الموادعة أمضاها وأخذ المال فجعله فى بيت المال؛ لأن له أن ينشء الموادعة بهذه الصفة إذا كانت المصلحة فيها؛ فلأن يمضيها وهى قائمة أولى .فإن رأى المصلحة فى إبطالها رد المال إليهم ثم نبذ إليهم العهد وقاتلهم؛ لأن أمان المسلم كان صحيحا والتحرز عن الغدر واجب .فإن كان قد مضى نصف السنة ففى القياس :يرد نصف المال ويمسك النصف الآخر للمسلمين اعتبارا للبعض بالكل، وقياسا بالموادعة فى مدة معلومة بعوض معلوم، وقياسا على الإجارة .فهناك إذا انفسخ العقد فى بعض المدة سقط من الأجرة ما بقى ويتقرر بحساب ما مضى. وفى الاستحسان

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

طرف متوجہ ہوں، یا اس وجہ سے کہ زیادہ طاقت ور کفار کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ میں شریک نہ ہوں، یا وہ مسلمانوں کے خلاف دوسرے کافروں اور غیر مسلموں کا تعاون نہ کریں، وغیرہ وغیرہ۔

اور اس طرح کی مصلحت کے بغیر معاہدہ منع ہے۔ [۱]

(۳)...... جن غیر مسلموں کو مسلمانوں کے ملک میں مستقل طور پر رہنے کی اجازت دی جائے، ان کے ساتھ تو امن کا معاہدہ غیر معینہ مدت کے لئے دائمی ہوتا ہے، اور ایسے غیر مسلموں کو ذمی یا اقلیتی کہا جاتا ہے۔ [۲]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ يرد المال كله؛ لأنهم لم يلتزموا المال إلا بشرط أن تسلم الموادعة لهم فى جميع السنة، والجزاء إنما يثبت باعتبار الشرط جملة ولا يتوزع على أجزائه، وكلمة "على" للشرط حقيقة، والموادعة فى الأصل ليست من عقود المعاوضات، قالوا :فجعلنا هذه الكلمة فيها عاملة بحقيقتها .فإذا لم تسلم لهم الموادعة سنة كاملة وجب رد المال كله إليهم، وهذا لأنهم ربما يكون خوفهم فى بعض المدة دون بعض، قد يأمنون مثلا الشتاء أن يأتيهم العدو دون الصيف ويخافون ذلك فى الصيف، فإذا نبذ العهد إليهم فى وقت خوفهم ومنع منهم بعض المال لم يحصل لهم شىء من مقصودهم بهذا الشرط، وذلك يؤدى إلى الغرور فيرد المال كله إن نبذ إليهم العهد قبل مضى المدة .وإن كانوا وادعوه ثلاث سنين كل سنة بألف دينار وقبض المال كله، ثم أراد الإمام نقض الموادعة بعد مضى سنة فإنه يرد عليهم الثلثين لأن الموادعة كانت هنا بحرف "الباء" وهو يصحب الأعواض فيكون المال عوضا فينقسم على المعوض باعتبار الأجزاء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۲، ص۲۰۵، الیٰ ص۲۱۵)

[۱] الشرط الثانى :المصلحة: يشترط لصحة عقد الهدنة أن يكون فيه مصلحة للمسلمين، ولا يكفى انتفاء المفسدة لما فيه من موادعتهم بلا مصلحة ولا حاجة، لقوله تعالى :(فلا تهنوا وتدعوا إلى السلم وأنتم الأعلون والله معكم ولن يتركم أعمالكم.

والمصلحة المبيحة عقد الموادعة هى كل ما يحقق للمسلمين غرضا مقصودا شرعا، بأن يكون بالمسلمين ضعف من قلة عدد أو عدة أو مال، والعدو قوى، أو بالمسلمين قوة وفى الموادعة مصلحة من نوع آخر :بأن يرجى إسلامهم بالموادعة باختلاطهم بالمسلمين، أو يطمع فى قبولهم بذل الجزية، أو يكفوا عن معونة عدو ذى شوكة، أو يعينوا المسلمين على قتال غيرهم من المشركين إلى غير ذلك من المنافع، فإن لم تدع إلى عقدها حاجة فلا يجوز عقدها بالاتفاق (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۲، ص۲۰۵، الیٰ ص۲۱۵)

[۲] والأمان قسمان الأول: أمان يعقده الإمام أو نائبه، وهو نوعان :مؤقت، وهو ما يسمى بالهدنة وبالمعاهدة وبالموادعة -وهو عقد الإمام أو نائبه على ترك القتال مدة معلومة -مع اختلاف الفقهاء فى مقدار مدة الموادعة. ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اور جو غیر مسلم اپنے الگ ممالک میں رہتے ہوں، ان کے ساتھ مصالحتی معاہدہ کی مدت کی تعیین حسبِ مصلحت کی جائے گی، جس کے بعد مصلحت ہونے پر مزید توسیع بھی کی جاسکتی ہے، البتہ مناسب یہ ہے کہ ایک وقت میں دس سال سے زائد کا معاہدہ نہ کیا جائے، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مشرکین سے دس سال کے لئے ہی معاہدہ کیا تھا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقد روى أن رسول الله صلى الله عليه وسلم وادع أهل مكة عام الحديبية على أن توضع الحرب بين الفريقين عشر سنين.

والنوع الثانى :الأمان المؤبد، وهو ما يسمى عقد الذمة، وهو إقرار بعض الكفار على كفرهم بشرط بذل الجزية والتزام أحكام الإسلام والأصل فيه قوله تعالى :(قاتلوا الذين لا يؤمنون بالله ولا باليوم الآخر ولا يحرمون ما حرم الله ورسوله ولا يدينون دين الحق من الذين أوتوا الكتاب حتى يعطوا الجزية عن يد وهم صاغرون)

هذا مع اختلاف الفقهاء فى غير أهل الكتاب، هل تقبل منهم الجزية ويقرون على حالهم أم لا يقبل منهم إلا الإسلام، فإن لم يسلموا قتلوا.

والقسم الثانى من الأمان:

هو الأمان الذى يصدر من أحد المسلمين لعدد محصور من الكفار، ويدل عليه حديث :المؤمنون تتكافأ دماؤهم، وهم يد على من سواهم، ويسعى بذمتهم أدناهم وأخبار أخرى، وينظر تفصيل ذلك فى (أمان، وذمة، ومعاهدة) (الموسوعة الفقهية الكويتية ، ج۶ ص۲۷۸، مادة " أمة ")

[1] الشرط الثالث: تعيين مدة الهدنة: اختلف الفقهاء فى اشتراط تحديد مدة معينة لصحة الهدنة: فذهب جمهور الفقهاء -المالكية والشافعية والحنابلة -إلى أنها لا تنعقد مطلقة؛ لأن إطلاقها بلا تحديد مدتها يؤدى إلى ترك الجهاد.

واختلفوا فى المدة المذكورة :فقال المالكية لا حد واجب لمدة الهدنة بل هى على حسب اجتهاد الإمام ورأيه؛ إذ شرطها أن تكون فى مدة بعينها لا على التأبيد ولا على الإبهام، ثم تلك المدة لا حد لها بل يعينها الإمام باجتهاده.

لكن يندب أن لا تزيد المدة عن أربعة أشهر لاحتمال حصول قوة أو نحوها للمسلمين، وهذا إذا استوت المصلحة فى تلك المدة وغيرها وإلا تعين ما فيه المصلحة.

وذهب الشافعية إلى أنها توقيفية، فهى أربعة أشهر إن كان المسلمون بقوة وكانت المصلحة فى عقدها رجاء إسلامهم أو بذلهم الجزية أو غير ذلك من المصالح، غير ضعف المسلمين.

وهى عشر سنين وما دونها إن كان بالمسلمين ضعف؛ لأن النبى صلى الله عليه وسلم هادن صفوان بن أمية أربعة أشهر عام الفتح رجاء إسلامه وكان المسلمون فى قوة، وهادن قريشا عام الحديبية عشر سنين وكان بالمسلمين ضعف.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

(۴)...... غیر مسلموں سے جنگ بندی اور قتال بندی وغیرہ کا معاہدہ کرتے وقت شرائطِ فاسدہ سے بچا جائے، اور اس سلسلہ میں اصحابِ علم ورائے اور

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقالوا :إن زاد فی الحالة الأولی علی أربعة أشهر، وعلی العشر فی الحالة الثانية لم يصح العقد لأنها مخصوصة عن حظر فوجب الاقتصار علی مدة الاستثناء والتخصيص؛ لأن قوله تعالی :(فاقتلوا المشركين حيث وجدتموهم) عام خص منه مدة الأربعة الأشهر ومدة العشر سنين، لمصالحة النبی صلی الله عليه وسلم صفوان بن أمية أربعة أشهر وقريشا عشر سنين، وفيما زاد يبقی علی مقتضی العموم .فعليه إن زاد الإمام المدة علی أربعة أشهر فی الحالة الأولی، وعلی العشر فی الحالة الثانية بطل العقد فی الزائد، وفی بطلانها علی الجائز قولا :تفريق الصفقة فی عقدها؛ لأنه جمع فی العقد الواحد بين ما يجوز عليه، وما لا يجوز عليه، أظهرهما المنصوص :يبطل بالزائد فقط، تفريقا للصفقة، والقول الآخر :يبطل العقد كله .

ونص الحنابلة علی أنه متی رأی الإمام أو نائبه المصلحة فی عقدها لضعف فی المسلمين عن القتال، أو لمشقة الغزو أو لطمعه فی إسلامهم، أو فی أدائهم الجزية أو غير ذلك من المصالح جاز له عقدها مدة معلومة؛ لأن ما وجب تقديره وجب أن يكون معلوما كخيار الشرط ولو فوق عشر سنين؛ لأنها تجوز فی أقل من عشر، فجازت فی أكثر منها كمدة الإجارة، ولأنه إنما جاز عقدها للمصلحة فحيث وجدت جازت تحصيلا للمصلحة .وإن هادنهم مطلقا بأن لم يقيد بمدة لم يصح؛ لأن الإطلاق يقتضی التأبيد وذلك يفضی إلی ترك الجهاد بالكلية وهو غير جائز.

وذهب الحنفية إلی أن عقد الموادعة يصح أن يكون مطلقا عن المدة، ويصح أن يكون مؤقتا بمدة معينة، فإذا رأی الإمام أن يصالح أهل الحرب أو فريقا منهم وكان فی ذلك الصلح مصلحة للمسلمين فلا بأس به؛ لقوله تعالی :(وإن جنحوا للسلم فاجنح لها وتوكل علی الله) والآية وإن كانت مطلقة لكن أجمع الفقهاء علی تقييدها برؤية مصلحة للمسلمين فی ذلك بآية أخری هی قوله تعالی :(فلا تهنوا وتدعوا إلی السلم وأنتم الأعلون) ووادع رسول الله صلی الله عليه وسلم أهل مكة عام الحديبية علی أن يضع الحرب بينه وبينهم عشر سنين، ولا يقتصر جواز الموادعة علی المدة المذكورة فی الحديث لتعدی المعنی -وهو حاجة المسلمين -أو ثبوت مصلحتهم ودفع الشر عنهم إلی ما زاد عليها؛ لأن مدة الموادعة تدور مع المصلحة، وهی قد تزيد وتنقص (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۲، ص۲۰۵، الیٰ ص۲۱۵)

يری الحنفية والمالكية وهو ظاهر الرواية عن الإمام أحمد أنه يجوز موادعة أهل الحرب عشر سنين، كما وادع رسول الله صلی الله عليه وسلم أهل مكة ويجوز أن تكون المدة أقل من ذلك أو أكثر أو دون تحديد، ما دامت مصلحة المسلمين فی ذلك. أما إذا لم تكن مصلحة المسلمين فی ذلك فلا يجوز، لقوله تعالی :(فلا تهنوا وتدعوا إلی السلم وأنتم الأعلون) ويری الإمام الشافعی وهو رواية أخری عند الحنابلة أنه لا تجوز مهادنة المشركين أكثر من عشر سنين، استنادا إلی ما

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اہلِ دیانت سے مشورہ کر کے مناسب فیصلہ کیا جائے۔ ؎۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يروى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فى صلح الحديبية .فإن هودن المشركون أكثر من ذلك فالهدنة منتقضة؛ لأن الأصل فرض قتال المشركين حتى يؤمنوا أو يعطوا الجزية والتفصيلات فى مصطلح (هدنة) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص۹، و۱۰، مادة "أجل"، مدة الهدنة)

؎۱ الشرط الرابع :خلو عقد الهدنة عن شرط فاسد:

لا يجوز للإمام أن يعقد الهدنة على شروط محظورة قد منع الشرع منها :كأن يهادنهم على خراج يضربونه على بلاد المسلمين، أو على مال يحمله الإمام إليهم أو على رد ما غنم من سبى ذراريهم؛ لأنها أموال مغنومة، أو على دخول الحرم أو استيطان الحجاز، أو على ترك القتال أبدا .أو على ألا يستنقذ أسرانا منهم، فهذه وما شاكلها شروط محظورة قد منع الشرع منها فلا يجوز اشتراطها فى عقد الهدنة، فإن شرط بطلت الشروط وعلى الإمام نقضها ، لقوله تعالى :(فلا تهنوا وتدعوا إلى السلم وأنتم الأعلون) ولقول عمر رضى الله عنه :ترد الناس من الجهالات إلى السنة.

من أمثلة الشروط الفاسدة فى عقد الهدنة اشتراط رد من جاء نا مسلما من الكفار.

فإن شرط عدم الرد أو أطلق فلم يذكر فى عقد الهدنة ردا ولا عدمه أو خص بالنساء فلا رد باتفاق الفقهاء ، وإن خص الرد بالرجال، أو ذكر الرد ولم يخصص بنوع فقد اختلف الفقهاء فى جواز الرد.

فذهب الحنفية وبعض المالكية إلى أنه إن شرط فى عقد الصلح رد من جاء مسلما منهم عليهم بطل الشرط ولا يجب الوفاء به، وقالوا :إن قوله تعالى :(فإن علمتموهن مؤمنات فلا ترجعوهن إلى الكفار) هو دليل النسخ فى حق الرجال أيضا، إذ لا فرق بين الرجال والنساء فى ذلك، بل مفسدة رد المسلم إليهم أكبر، ولا يغرم لأزواج المسلمات ما أنفقوا من مهورهن، وحين شرع الرد كان فى قوم لا يبالغون فى تعذيب من أسلم منهم؛ لأن كل قبيلة لا تتعرض لمن فعل ذلك من قبيلة أخرى؛ وإنما تتولى ردعه عشيرته وهم لا يبلغون منه أكثر من القيد والسب والإهانة.

وكان بمكة بعد هجرة النبى صلى الله عليه وسلم جماعة أسلموا مثل أبى جندل وأبى بصير إلى سبعين رجلا ولم يبلغ فيهم المشركون النكاية لعشيرتهم، والأمر الآن على خلاف ذلك.

وذهب جمهور الفقهاء -المالكية فى المذهب والحنابلة والشافعية بالنسبة لمن له عشيرة تطلبه - إلى أنه على الإمام أن يوفى لهم بالشرط بالنسبة للرجال ؛ لأن النبى صلى الله عليه وسلم صالح قريشا بالحديبية على أن يرد من جاء ه منهم مسلما عليهم، فجاء ه أبو جندل بن سهيل، فقال سهيل بن عمرو :هذا يا محمد أول من أقاضيك أن ترده على، فقال النبى صلى الله عليه وسلم لأبى جندل " :يا أبا جندل، اصبر واحتسب، فإنا لا نغدر، وإن الله جاعل لك فرجا ومخرجا .ثم جاء أبو بصير.

فرده .ثم جاء ت أم كلثوم بنت عقبة فجاء أخواها فى طلبها :عمارة ووليد ابنا عقبة ، وجاء ت

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

Idara Ghufran

(۵)...... جب کسی غیر مسلم فرد یا قوم سے امن وغیرہ کا معاہدہ ہوجائے، تو ان کے قتل وقتال کی ممانعت کے ساتھ ساتھ ان کے اموال واملاک سے بے جا وناحق تعرُّض وتصرف کرنا بھی ناجائز ہوجاتا ہے، اور یہ بات پہلے گزر چکی کہ جو غیر مسلم

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

سعيدة زوجة الصيفي الراهب المشرك مسلمة فجاء في طلبها زوجها، قالوا :يا محمد قد شرطت لنا رد النساء وطين الكتاب لم يجف بعد فاردد علينا نساء نا فتوقف النبي صلى الله عليه وسلم عن ردهن توقعا لأمر الله تعالى فيهن حتى نزل قوله تعالى :(يا أيها الذين آمنوا إذا جاء كم المؤمنات مهاجرات فامتحنوهن الله أعلم بإيمانهن فإن علمتموهن مؤمنات فلا ترجعوهن إلى الكفار لا هن حل لهم ولا هم يحلون لهن وآتوهم ما أنفقوا ولا جناح عليكم أن تنكحوهن إذا آتيتموهن أجورهن ولا تمسكوا بعصم الكوافر واسألوا ما أنفقتم وليسألوا ما أنفقوا ذلكم حكم الله يحكم بينكم والله عليم حكيم.

فامتنع رسول الله صلى الله عليه وسلم حينئذ من ردهن، ومن رد النساء كلهن، وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم :إن الله منع الصلح بالنساء .

وتفارق المرأة الرجل في ثلاث أمور:

أحدها :أنها لا تأمن أن تتزوج كافرا يستحلها، أو يكرهها من ينال منها.

الثاني :إنها ربما فتنت عن دينها؛ لأنها أضعف قلبا وأقل معرفة من الرجل.

الثالث :إن المرأة لا يمكنها عادة الهرب والتخلص، وإن النساء ذوات الأزواج يحرمن على أزواجهن بالإسلام ولا يقدرن على الامتناع منهم، فلهذا وقع الفرق في الرد بين الرجال والنساء . فإن شرط رد النساء في العقد فسد الشرط قطعا سواء كان لها عشيرة أم لا؛ لأنه أحل حراما .وكذا العقد في الأصح عند الشافعية، ووجه عن الحنابلة، ومقابل الأصح عند الشافعية ووجه عند الحنابلة يصح العقد.

وقال الشافعية :إن جواز اشتراط رد من جاء من الرجال مسلما ليس على إطلاقه بل يعتبر بأحوالهم عند قومهم وفي عشائرهم إذا رجعوا إليهم أو كانوا قادرين على قهر طالبيهم والهرب منهم، فإن كانوا مستذلين فيهم ليس لهم عشيرة تكف عنهم الأذى وطلبوهم ليعذبوهم ويفتنوهم عن دينهم، لم يجز ردهم إليهم .وكان الشرط في عقد الهدنة بردهم باطلا كما بطل في رد النساء ، حقنا للدماء وكفا عن تعذيبهم واستذلالهم، فقد قال النبي صلى الله عليه وسلم :إن الله حرم عليكم دماء كم وأموالكم وأعراضكم، ولأنه لما وجب على الإمام فك الأسير المسلم وجب أن لا يكون عونا على أسر مسلم، وأما من كان في عز من قومه ومنعة من عشيرته قد أمن أن يفتن عن دينه أو يستذله مستطيل عليه فجاز رده عليهم وصحت الهدنة باشتراط رده، فقد رد النبي صلى الله عليه وسلم في هدنة الحديبية أبا جندل بن سهيل بن عمرو على أبيه، ورد أبا بصير على أبيه؛ لأنهما كان ذوى عشيرة، وطلبهما أهلوهما إشفاقا عليهما في زعمهم .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کرکے یا ویزا لے کر تجارت وسرمایہ کاری کے لئے مسلمانوں کے ملک میں آیا ہو، یا اس کے برعکس کوئی مسلمان، غیر مسلموں کے ملک میں داخل ہوا ہو، وہ بھی اس میں داخل ہے۔ [1]

اور معاہدہ اہلِ کتاب، مجوسی اور مشرک سب طرح کے غیر مسلموں سے کرنا جائز ہے، جبکہ انہی شرائط کے ساتھ ہو، جن کا ذکر پہلے گزرا۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ وصرح الشافعية بأن الصبيان والمجانين لا يجوز الصلح بشرط ردهم ولا يردون لضعفهم ولا غرم فى ترك ردهم، فإذا بلغ الصبى وأفاق المجنون فإن وصفا الإسلام ردا إن كانا ممتنعين بعشيرة وأهل، وإن كانا مستضعفين لم يردا، وإن وصفا كفرا لا يقر أهله عليه فإما أن يسلما وإما أن يردا إلى مأمنهما، وإن وصفا كفرا يقر أهله فإما أن يسلما وإما أن يقبلا الجزية، وإما أن يردا إلى مأمنهما.

وبهذا يقول الحنابلة فى صبى مميز أسلم لأنه مسلم يضعف عن التخلص من الكفار؛ أما شرط رد الطفل منهم لا يصح إسلامه ككونه دون التمييز فيصح؛ لأنه ليس بمسلم شرعا ولا يصح منه الإسلام لو أتى به لعدم صحة العبادة منه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۲، ص۲۰۵، الیٰ ص۲۱۵)

[1] ثالثا: إتلاف ممتلكات أهل الحرب:

أ -فى حالة الأمان أو العهد :العهد يعصم الدماء والأموال، ويوجب الكف عن أعمال القتال، قال بعض فقهاء الحنفية إذا دخل المسلم دار الحرب تاجرا (بأمان) ، فلا يحل له أن يتعرض لشىء من أموالهم ولا من دمائهم؛ لأنه ضمن ألا يتعرض لهم بالاستئمان، فالتعرض بعد ذلك يكون غدرا والغدر حرام، إلا إذا غدر به ملكهم، فأخذ أمواله أو حبسه، أو فعل ذلك غير الملك بعلم الملك ولم يمنعه؛ لأنهم هم الذين نقضوا العهد، بخلاف الأسير؛ لأنه غير مستأمن، فيباح له التعرض للمال والدم، وإن أطلقوه طوعا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۷، ص۱۱۰ ماده أهل الحرب)

وإذا دخل المسلم دار الحرب تاجرا فلا يحل له أن يتعرض لشىء من أموالهم ولا من دمائهم "لأنه ضمن أن لا يتعرض لهم بالاستئمان فالتعرض بعد ذلك يكون غدرا والغدر حرام إلا إذا غدر بهم ملكهم فأخذ أموالهم أو حبسهم أو فعل غيره بعلم الملك ولم يمنعه لأنهم هم الذين نقضوا العهد بخلاف الأسير لأنه غير مستأمن فيباح له التعرض وإن أطلقوه طوعا "فإن غدر بهم "أعنى التاجر "أخذ شيئا وخرج به ملكه ملكا محظورا "لورود الاستيلاء على مال مباح إلا أنه حصل بسبب الغدر فأوجب ذلك خبثا فيه فيؤمر بالتصدق به وهذا لأن الحظر لغيره لا يمنع انعقاد السبب على ما بيناه (الهداية فى شرح بداية المبتدى، ج۲، ص۳۹۵، كتاب السير، باب المستامن)

[2] ب -أهل الأمان (المستأمنون) المراد بالمستأمن عند الفقهاء :من دخل دار الإسلام على أمان مؤقت من قبل الإمام أو أحد المسلمين، على تفصيل يذكر فى مصطلحه، وعلى ذلك فالفرق بينه وبين أهل الذمة :أن الأمان لأهل الذمة مؤبد، وللمستأمنين مؤقت.

ج -أهل الحرب: ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

(۲)...... اگر کوئی غیر مسلم شخص مسلمانوں کے ملک میں معاہدہ کے تحت مستقل طور پر رہتا ہے، جس کو ذمی کہا جاتا ہے، اور پھر وہ نعوذ باللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کر بیٹھے، تو یہ بات ظاہر ہے کہ وہ اُس کی وجہ سے کافر نہ ہوگا، کیونکہ وہ پہلے سے کافر ہے۔

اس لیے اس کی سزا ارتداد والی سزا نہ ہوگی۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

المراد بأهل الحرب :الكفار من أهل الكتاب والمشركين الذين امتنعوا عن قبول دعوة الإسلام، ولم يعقد لهم عقد ذمة ولا أمان، ويقطنون فى دار الحرب التى لا تطبق فيها أحكام الإسلام .فهم أعداء المسلمين الذين يعلن عليهم الجهاد مرة أو مرتين كل عام .وتفصيله فى مصطلحه.

ما يكون به غير المسلم ذميا:

يصير غير المسلم ذميا بالعقد، أو بقرائن معينة تدل على رضاه بالذمة، أو بالتبعية لغيره، أو بالغلبة والفتح.

وفيما يأتى تفصيل هذه الحالات:

أولا -عقد الذمة:

عقد الذمة :إقرار بعض الكفار على كفره بشرط بذل الجزية والتزام أحكام الإسلام الدنيوية، والغرض منه :أن يترك الذمى القتال، مع احتمال دخوله الإسلام عن طريق مخالطته بالمسلمين، ووقوفه على محاسن الدين .فكان عقد الذمة للدعوة إلى الإسلام، لا للرغبة أو الطمع فيما يؤخذ منهم من الجزية .

وينعقد هذا العقد بإيجاب وقبول باللفظ، أو ما يقوم مقامه، ولا تشترط كتابته كما هو الشأن فى سائر العقود، ومع هذا فكتابة العقد أمر مستحسن لأجل الإثبات، ودفعا لمضرة الإنكار والجحود.

من يتولى إبرام العقد:

جمهور الفقهاء :المالكية والشافعية والحنابلة على أن عقد الذمة مع غير المسلم يتولى إبرامه الإمام أو نائبه، فلا يصح من غيرهما؛ لأن ذلك يتعلق بنظر الإمام وما يراه من المصلحة؛ ولأن عقد الذمة عقد مؤبد، فلم يجز أن يفتات به على الإمام.

وأجاز ذلك الحنفية لكل مسلم؛ لأن عقد الذمة خلف عن الإسلام، فهو بمنزلة الدعوة إليه؛ ولأنه مقابل الجزية، فتتحقق فيه المصلحة؛ ولأنه مفروض عند طلبهم له، وفى انعقاده إسقاط الفرض عن الإمام وعامة المسلمين، فيجوز لكل مسلم .

من يصح له عقد الذمة:

اتفق الفقهاء على جواز عقد الذمة لأهل الكتاب والمجوس، كما اتفقوا على عدم جوازه للمرتد .

أما فيما عدا ذلك فقد اختلفوا:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ کیا ذمی کا نبی کی شان میں گستاخی کرنے سے مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ ختم ہوجاتا ہے یا نہیں؟

اس میں فقہاء کے دونوں قول ہیں، فقہائے حنفیہ کے نزدیک معاہدہ ختم نہیں ہوتا، اِلَّا یہ کہ کسی کے ساتھ اس کا معاہدہ ہوا ہو۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فقال الشافعية والحنابلة فى المشهور عندهم :لا يجوز عقد الذمة لغير أهل الكتاب والمجوس، بدليل قوله تعالى :(فاقتلوا المشركين حيث وجدتموهم) وهذا عام خص منه أهل الكتاب بآية الجزية فى سورة التوبة، وخص منهم المجوس بقوله عليه الصلاة والسلام :سنوا بهم سنة أهل الكتاب. فمن عداهم من الكفار يبقى على بقية العموم.

وقال الحنفية، وهو رواية عند المالكية، ورواية عن أحمد :يجوز عقد الذمة لجميع الكفار، إلا عبدة الأوثان من العرب؛ لأن عقد الذمة لرجاء الإسلام عن طريق المخالطة بالمسلمين والوقوف على محاسن الدين، وهذا لا يحصل بعقد الذمة مع مشركى العرب؛ لأن القرآن نزل بلغتهم، وحملوا الرسالة، فليس لهم أدنى شبهة فى رفضهم الإيمان بالله ورسوله، فتعين السيف داعيا لهم إلى الإسلام، ولهذا لم يقبل رسول الله منهم الجزية.

وفى المشهور عند المالكية :يجوز عقد الذمة لجميع أصناف الكفار، لا فرق بين كتابى وغيره، ولا فرق بين وثنى عربى، ووثنى غيرعربى (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۷، ص۱۲۳ مادہ أهل الحرب)

[1] ہاں اگر ذمی علانیۃً گستاخی کا ارتکاب کرے، یا وہ ایک سے زیادہ مرتبہ گستاخی کا ارتکاب کرے، تو فقہ حنفی کے مطابق اس کی تعزیر واجب ہے، اور وہ تعزیر قتل کی صورت میں بھی ہوسکتی ہے۔

پس فقہ حنفی کے مطابق یہ قتل تعزیراً یا سیاسۃً ومصلحتاً ہوتا ہے، نہ کہ بطورِ حد کے۔

(ومن امتنع من الجزية أو قتل مسلما أو سب النبى -عليه الصلاة والسلام -أو زنى بمسلمة لم ينتقض عهده) لأن الغاية التى ينتهى بها القتال التزام الجزية لا أداؤها والالتزام باق .وقال الشافعى: سب النبى -صلى الله عليه وسلم -يكون نقضا؛ لأنه ينقض إيمانه فكذا ينقض أمانه إذ عقد الذمة خلف عنه.

ولنا أن سب النبى -صلى الله عليه وسلم -كفر منه، والكفر المقارن لا يمنعه فالطارء لا يرفعه (الهداية فى شرح بداية المبتدى، ج۲، ص۴۰۴، كتاب السير، باب الجزية)

وكذلک لو سب النبى عليه الصلاة والسلام لا ينتقض عهده ؛ لأن هذا زيادة كفر على كفر ، والعهد يبقى مع أصل الكفر فيبقى مع الزيادة (بدائع الصنائع, كتاب السير, فصل : وأما بيان ما يعترض من الأسباب المحرمة للقتال)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۷)...... اگر کوئی غیر مسلم مستقل طور پر مسلمانوں کے ملک میں معاہدہ کے تحت رہتا ہے، جیسا کہ ذمی، اگر اس کو کوئی مسلمان عمداً، ظلماً قتل کردے، یا اس کا کوئی عضو تلف کردے، تو کیا مسلمان پر اس کا قصاص واجب ہوگا یا نہیں، اس میں

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ويدل على ان العلة الكفر لاخصوص السب عندنا ان الساب اذا كان كافرا لايقتل عندنا الا اذا رآه الامام سياسة ولو كان السب هو العلة لقتل به حدا لاسياسة فاحفظ هذا التقرير، فانه ينفعك فيما سيأتى مع مزيد تحرير (رسائل ابنِ عابدين، صفحه ۳۱۹، ۳۲۰)

(ويؤدب الذمى ويعاقب على سبه دين الإسلام أو القرآن أو النبى) - صلى الله عليه وسلم -حاوى وغيره (الدرالمختار مع ردالمحتار، ج۴، ص۲۱۴، كتاب الجهاد، باب المستامن، مطلب فيما ينتقض به عهد الذمى وما لا ينتقض)

(قوله ويؤدب الذمى ويعاقب إلخ) أطلقه فشمل تأديبه وعاقبه بالقتل، إذا اعتاده، وأعلن به كما يأتى، ويدل عليه ما قدمناه آنفا عن حافظ الدين النسفى، وتقدم فى باب التعزير (ردالمحتار، ج۴، ص۲۱۴، كتاب الجهاد، باب المستامن، مطلب فيما ينتقض به عهد الذمى وما لا ينتقض)

ينتهى عهد الذمة بإسلام الذمى؛ لأن عقد الذمة عقد وسيلة للإسلام، وقد حصل المقصود.

وينتقض عهد الذمة بلحوق الذمى دار الحرب، أو بغلبتهم على موضع يحاربوننا منه؛ لأنهم صاروا حربا علينا، فيخلو عقد الذمة عن الفائدة، وهو دفع شر الحرب .وهذا باتفاق المذاهب .

وجمهور الفقهاء على أن عقد الذمة ينتقض أيضا بالامتناع عن الجزية؛ لمخالفته مقتضى العقد.

وقال الحنفية :لو امتنع الذمى عن إعطاء الجزية لا ينتقض عهده؛ لأن الغاية التى ينتهى بها القتال التزام الجزية لا أداؤها، والالتزام باق، ويحتمل أن يكون الامتناع لعذر العجز المالى، فلا ينقض العهد بالشك.

وهناك أسباب أخرى اعتبرها بعض الفقهاء ناقضة للعهد مطلقا، وبعضهم بشروط:

فقد قال المالكية :ينقض عهد الذمة بالتمرد على الأحكام الشرعية، بإظهار عدم المبالاة بها، وبإكراه حرة مسلمة على الزنى بها إذا زنى بها بالفعل، وبغرورها وتزوجها ووطئها، وبتطلعه على عورات المسلمين، وبسب نبى مجمع على نبوته عندنا بما لم يقر على كفره به .فإن سب بما أقر على كفره به لم ينتقض عهده، كما إذا قال :عيسى إله مثلا، فإنه لا ينتقض عهده.

وقال الشافعية :لو زنى ذمى بمسلمة، أو أصابها بنكاح، أو دل أهل الحرب على عورة المسلمين، أو فتن مسلما عن دينه، أو طعن فى الإسلام أو القرآن، أو ذكر الرسول صلى الله عليه وسلم بسوء، فالأصح أنه إن شرط انتقاض العهد بها انتقض، وإلا فلا ينتقض؛ لمخالفته الشرط فى الأول دون الثانى .وقال الحنابلة فى الرواية المشهورة، وهو وجه عند الشافعية :إن فعلوا ما ذكر أو شيئا منه نقض العهد مطلقا، ولو لم يشترط عليهم؛ لأن ذلك هو مقتضى العقد. أما الحنفية فقد صرحوا بأن الذمى لو سب النبى صلى الله عليه وسلم لا ينقض عهده إذا لم يعلن السب؛

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

فقہائے کرام کا اختلاف ہے، حنفیہ کے نزدیک مسلمان پر اس کا قصاص واجب ہے، جبکہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک قصاص کے بجائے دیت واجب ہوگی۔ [1]

(۸)...... غیر مسلموں کے جو عبادت خانے مصالحت ومعاہدہ کے ساتھ باقی رکھے گئے ہوں، تو ان کو یا ان میں موجود چیزوں وتصویروں کو توڑنا جائز نہیں۔

اور غیر مسلموں کے عبادت خانوں میں کسی ضرورت کی وجہ سے مسلمان کا داخل ہونا بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک جائز ہے، اور بعض حضرات کے نزدیک بلاضرورت مکروہ ہے، اور یہ حکم اس وقت ہے، جبکہ اس میں داخل ہوکر کوئی شرکیہ اور کفریہ یا گناہ کا کام نہ کیا جائے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ لأن هـذا زيـادة كـفـر، والعـقد يبقى مع أصل الكفر، فـكـذا مـع الـزيـادة، وإذا أعلن قتل، ولو امرأة، ولو قتل مسلما أو زنى بمسلمة لا ينقض عهده، بل تـطـبق عـلـيـه عـقـوبة القتل والزنى؛ لأن هذه معاص ارتكبوها، وهى دون الكفر فى القبح والحرمة، وبـقيت الذمة مع الكفر، فمع المعصية أولى (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۷، ص ۱۳۸، و ۱۳۹، مادة ''اهل الذمة''، ما ينقض به عهد الذمة)

[1] والعبد يقتل بالحر بالإجماع ويجرى القصاص بين الصغير والكبير والذكر والأنثى والمسلم والـذمـى فـى الـنـفـس لـمـا تـلونا من النص خلافا للشافعى.وأجمعوا أن المسلم لا يقتل بالمستأمن وكـذلـك الـذمـى.وأمـا الـمـستـأمـن هـل يـقـتـل بالمستأمن فيه روايتان(تحفة الفقهاء للسمرقندى، ج۳ص ۱۰۱، كتاب الديات)

إذا قتل مسلم ذميا أو ذمية عمدا، فقد قال الشافعية والحنابلة :لا قصاص على المسلم؛ لقوله صلى الله عليه وسلم :لا يـقتل مسلم بكافر ، وعند الحنفية يقتص من المسلم للذمى، وهذا قول المالكية أيـضـا إذا قتله المسلم غيلة (خديعة) أو لأجـل الـمـال، وتفصيله فى مصطلح (قصاص)(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۷ص ۱۳۶، ۱۳۷، مادة ''أهل الذمة'')

[2] الصور فى الكنائس والمعابد غير الإسلامية:

الـكـنـائـس والمعابد التى أقرت فى بلاد الإسلام بالصلح لا يتعرض لما فيها من الصور ما دامت فى الداخل .ولا يـمنع ذلک من دخول المسلم الكنيسة عند الجمهور .وتـقدم ما نقله صاحب المغنى أن عليا رضى الله عنه دخل الكنيسة بالمسلمين، وأخذ يتفرج على الصور .وأن عمر رضى الله عنه أخذ على أهل الذمة أن يوسعوا أبواب كنائسهم، ليدخلها المسلمون والمارة.

ولـذا قال الحنابلة :لـلـمـسـلـم دخول الكنيسة والبيعة، والصلاة فيهما من غير كراهة على الصحيح من المذهب.وفى قول آخر للحنابلة، وهو قول الحنفية :يكره دخولها لأنها مأوى الشياطين.

وقال أكثر الشافعية :يحرم على المسلم أن يدخل الكنيسة التى فيها صور معلقة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۲ ص۱۲۸، مادة ''تصوير'')

www.idaraghufran.org

(۹)...... بوقتِ ضرورت ومصلحت مسلمانوں کو اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں غیر مسلم فرد یا افراد یا جماعت کی اعانت حاصل کرنا جائز ہے، بشرطیکہ اس کے نتیجہ میں مسلمانوں پر اُن غیر مسلموں کا غلبہ اور مسلمانوں کو ان کے ماتحت ہونا لازم نہ آئے۔

اور اسی طرح فنی اُمور اور تعمیر وترقی کے کاموں میں غیر مسلم فرد یا جماعت (وکمپنی) کی اعانت حاصل کرنا جائز ہے۔ [1]

(۱۰)...... غیر مسلموں سے عام حالات میں معاملاتِ تجارت، خرید وفروخت اور اجارہ وملازمت وغیرہ جائز ہے۔ [2]

---

[1] أجاز الحنفية والحنابلة استعانة المسلم بغيره فى القتال عند الضرورة، والشافعية بشروط، والمالكية بشرط رضاه وتفصيل ذلك فى مصطلح (جهاد)

الاستعانة بغير المسلمين فى غير القتال:

تجوز الاستعانة فى الجملة بغير المسلم، سواء أكان من أهل الكتاب أم من غيرهم فى غير القربات، كتعليم الخط والحساب والشعر المباح، وبناء القناطر والمساكن والمساجد وغيرها فيما لا يمنع من مزاولته شرعا .ولا تجوز الاستعانة به فى القربات كالأذان والحج وتعليم القرآن، وفى الأمور التى يمنع من مزاولتها شرعا، كاتخاذه فى ولاية على المسلمين، أو على أولادهم.

وقد تباح الاستعانة بأهل الكتاب، دون غيرهم من المشركين والمجوس ومن على شاكلتهم فى بعض الأمور، مثل الصيد والذبح، أما المشرك والمجوسى فلا يتولى الاصطياد والذبح لمسلم، وتفصيل ذلک يرجع إليه فى مصطلح (إجارة) (وصيد) (وذبائح) (وأطعمة) (ووكالة) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴، ص۱۸، وص۱۹، مادة "استعانة"، استعانة المسلم بغير المسلم فى القتال)

[2] حكم مشاركة الكفار: تجوز مشاركة المسلم أو الكافر فى كل عمل مباح شرعاً، وتجوز مشاركة الكافر فى تجارة أو عمل وإن كان يرابى فى غيره.

عن ابن عمر رضى الله عنهما أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -أعطى خيبر اليهود، على أن يعملوها ويزرعوها، ولهم شطر ما خرج منها. متفق عليه (موسوعة الفقه الإسلامى، ج۳، ص۵۶۷،

حكم مشاركة الكفار: تدل عبارات الفقهاء على جواز الاتجار مع الحربيين ، فللمسلم أو الذمى دخول دار الحرب بأمان للتجارة، وللحربى دخول دارنا تاجرا بأمان، وتؤخذ العشور على التجارة العابرة عند اجتياز حدود دار الإسلام .ولكن لا يجوز إمداد المحاربين بما يقويهم من السلاح والآلات والمواد التى يصنع منها السلاح، كما لا يجوز السماح بالاتجار بالمحظورات الشرعية كالخمور والخنازير وسائر المنكرات؛ لأنها مفاسد ممنوعة شرعا، ويجب مقاومتها .وليس للحربى المستأمن شراء الأسلحة من بلاد الإسلام.

وفيما عدا هذه القيود يجوز أن تظل حرية التجارة قائمة، إلا أن المالكية انفردوا بالقول بمنع التصدير من بلادنا،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ فقہائے کرام نے فرمایا کہ مسلمان کو غیر مسلم کے لئے ایسی ملازمت کرنا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ ومتاجرة المسلمين فى دار الحرب إذا كانت أحكامهم تجرى على التجار؛ لأن فى تصدير أى شىء إليهم تقوية لهم على المسلمين؛ ولأن المسلم ممنوع من الإقامة فى دار الشرك، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :أنا برىء من كل مسلم يقيم بين أظهر المشركين. كما أنه لا يجوز تصدير الأطعمة ونحوها إلا إذا كانت هناك هدنة مع العدو، أما فى غير الهدنة فلا يجوز.

والأدلة على جواز التصدير من بلادنا منها :حديث ثمامة بن أثال الحنفى بعد أن أسلم، فإنه قال لأهل مكة حين قالوا له :صبوت؟ فقال " :إنى والله ما صبوت، ولكنى والله أسلمت،وصدقت محمدا صلى الله عليه وسلم وآمنت به، وايم الله الذى نفس ثمامة بيده، لا تأتيكم حبة من اليمامة - وكانت ريف مكة -حتى يأذن فيها محمد صلى الله عليه وسلم وانصرف إلى بلده، ومنع الحمل إلى مكة، حتى جهدت قريش، فكتبوا إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم يسألونه بأرحامهم أن يكتب إلى ثمامة، يحمل إليهم الطعام، ففعل رسول الله صلى الله عليه وسلم . "فهذا يدل على جواز تصدير الأطعمة ونحوها إلى الأعداء ، حتى ولو كانت حالة الحرب قائمة معهم.

ومن الأدلة أيضا الأحاديث السابقة المذكورة فى بحث الصدقة على أهل الحرب والوصية لهم (قصة إهداء التمر لأبى سفيان، وصلة أسماء أمها المشركة، وإطعام المسلمين الأسرى)

أما الدليل على حظر تصدير الأسلحة ونحوها، فمنه:

حديث عمران بن حصين رضى الله عنه :أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع السلاح فى الفتنة، والفتنة :الحروب الداخلية، وفتنة غير المسلمين أشد عليهم، فكان أولى ألا يباع لهم.

وقال الحسن البصرى :لا يحل لمسلم أن يحمل إلى عدو المسلمين سلاحا يقويهم به على المسلمين، ولا كراعا، ولا ما يستعان به على السلاح والكراع.

هذا وإن فى بيع السلاح للأعداء تقوية لهم على قتال المسلمين، وباعثا لهم على شن الحروب، ومواصلة القتال لاستعانتهم به، وذلك يقتضى المنع (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۷ص ۱۱۲ الى ۱۱۴، مادة " أهل" و الاتجار مع أهل الحرب)

ويجوز أن يكون الأجير ذميا والمستأجر مسلما بلا خلاف .أما أن يكون الأجير مسلما والمستأجر ذميا فقد أجازه جمهور الفقهاء ، غير أنهم وضعوا معيارا خاصا هو أن يكون العمل الذى يؤجر نفسه للقيام به مما يجوز له أن يفعله لنفسه، كالخياطة والبناء والحرث .أما إذا كان لا يجوز له أن يعمله لنفسه، كعصر الخمر، ورعى الخنازير، ونحو ذلك، فإنه لا يجوز .فإن فعل فإن الإجارة ترد قبل العمل .وإن عمل فإن الأجرة تؤخذ من الكافر ويتصدق بها .ولا يستحلها لنفسه إلا أن يعذر لأجل الجهل.والمعيار عند الحنابلة أن يكون العمل غير الخدمة الشخصية .أما إن كانت الإجارة على أن يقوم بخدمته من نحو تقديم الطعام له، والوقوف بين يديه، فقال البعض :لا يجوز؛ لأنه عقد يتضمن حبس المسلم عند الكافر، وإذلاله فى خدمته .وهو فيما يبدو المقصود من القول بالجواز عند الحنفية لأنه عقد معاوضة -كالبيع -مع الكراهة التى عللوها بأن الاستخدام استذلال، وليس للمسلم أن يذل نفسه، خصوصا بخدمة الكافر.وقال بعض الحنابلة :يجوز؛ لأنه يجوز له إجارة نفسه فى غير الخدمة، فجاز فيها .وهو أحد قولى الشافعى. ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ممنوع ہے کہ جس میں غیر مسلم کی ذاتی خدمت کرنا لازم آتا ہو۔ ۱؎
اور غیر مسلم کا مسلمان کی ذاتی خدمت والی ملازمت جائز ہے۔ ۲؎
(۱۱)...... غیر مسلموں کے عبادت خانے کی تعمیر وغیرہ کرنا بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک جائز نہیں، اور حنفیہ کے نزدیک جائز ہے۔ ۳؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ وفی حاشية القليوبي والشرواني يصح مع الكراهة أن يستأجر الذمي مسلما، ولو إجارة عين ويؤمر وجوبا بإجارته لمسلم. وللحاكم منعه منها. ولا يجوز لمسلم خدمة كافر ولو غير إجارة.
وفي المهذب أن من الشافعية من قال: لو استأجر الكافر مسلما ففيه قولان، ومنهم من قال: يصح قولا واحدا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ا ص ۲۸۸ الى ۲۸۹، حرف الباء)

۱؎ خدمة المسلم للكافر: اتفق الفقهاء على أنه يحرم على المسلم حرا كان أو عبدا أن يخدم الكافر، سواء أكان ذلك بإجارة أو إعارة، ولا تصح الإجارة ولا الإعارة لذلك؛ لأن في ذلك إهانة للمسلم وإذلالا له، وتعظيما للكافر، واحتجوا بقوله تعالى: (ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلا)
وأما إذا أجر المسلم نفسه للكافر لعمل معين في الذمة، كخياطة ثوب أو قصارته جاز؛ لأنه عقد معاوضة لا يتضمن إذلالا ولا استخداما. قال ابن قدامة: بغير خلاف نعلمه، لأن عليا رضي الله عنه أجر نفسه من يهودي يستقي له كل دلو بتمرة. وكذا إن أجر نفسه منه لعمل غير الخدمة مدة معلومة جاز أيضا. وكذا إعارة عبد مسلم لكافر لعمل معين لا يقتضي الخدمة فهو جائز أيضا.
ويشترط فيما جاز من الإجارة والإعارة أن لا يكون العمل مما لا يحرم على المسلم، كرعي الخنازير أو حمل الخمر (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۹، ص۳۸، مادة "خدمة"، خدمة المسلم للكافر)

۲؎ خدمة الكافر للمسلم: اتفق الفقهاء على جواز خدمة الكافر للمسلم.
واتفقوا كذلك على جواز أن يؤجر المسلم نفسه للكافر في عمل معين في الذمة، كخياطة ثوب وبناء دار، وزراعة أرض وغير ذلك، لأن عليا رضي الله عنه أجر نفسه من يهودي يسقي له كل دلو بتمرة، وأخبر النبي صلى الله عليه وسلم بذلك فلم ينكره. ولأن الأجير في الذمة يمكنه تحصيل العمل بغيره. كما اتفقوا على أنه لا يجوز للمسلم أن يؤجر نفسه للكافر لعمل لا يجوز له فعله، كعصر الخمر ورعي الخنازير وما أشبه ذلك (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۹، ص۴۵، مادة "خدمة"، خدمة الكافر للمسلم)

۳؎ عمل المسلم في الكنيسة: ذهب جمهور الفقهاء إلى أنه لا يجوز للمسلم أن يعمل لأهل الذمة في الكنيسة نجارا أو بناء أو غير ذلك، لأنه إعانة على المعصية، ومن خصائص دينهم الباطل، ولأنه إجارة تتضمن تعظيم دينهم وشعائرهم، وزاد المالكية بأنه يؤدب المسلم إلا أن يعتذر بجهالة. وذهب الحنفية إلى أنه لو آجر نفسه ليعمل في الكنيسة ويعمرها لا بأس به لأنه لا معصية في عين العمل (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۸ص۱۵۸، مادة " معابد")

www.idaraghufran.org

(۱۲)...... غیر مسلم کے جسم پر اگر کوئی ناپاکی لگی ہوئی نہ ہو، تو اس کا جسم پاک شمار ہوتا ہے، اور اس کا جوٹھا بھی پاک سمجھا جاتا ہے۔ ؎[1]

اسی وجہ سے اگر کوئی غیر مسلم پاک پانی میں ہاتھ ڈال دے، یا پاک کنویں وغیرہ میں داخل ہو جائے، اور اس پر نہ تو کوئی ظاہری نجاست لگی ہوئی ہو، اور نہ ہی اس پر غسل واجب ہو، تو اس کی وجہ سے پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ ؎[2]

---

[1] ذهب الحنفية إلى تقسيم الأسآر إلى أربعة أنواع:
النوع الأول :سور متفق على طهارته وهو سؤر الآدمي بجميع أحواله مسلما كان أو كافرا، صغيرا كان أو كبيرا، ذكرا أو أنثى، طاهرا أو نجسا حائضا أو نفساء أو جنبا .وقد أتى عليه الصلاة والسلام بلبن فشرب بعضه وناول الباقي أعرابيا كان على يمينه فشرب، ثم ناوله أبا بكر رضي الله عنه فشرب، وقال :الأيمن فالأيمن (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴،ص ۱۰۰ ، مادة "سؤر")
نجاسة الكافر وطهارته:
ذهب الفقهاء إلى أن الكافر الحي طاهر لأنه آدمي، والآدمي طاهر سواء أكان مسلما أم كافرا ، لقول الله سبحانه وتعالى :(ولقد كرمنا بني آدم)، وليس المراد من قوله تعالى :(إنما المشركون نجس)) ، نجاسة الأبدان وإنما المراد نجاسة ما يعتقدونه، وقد ربط النبي صلى الله عليه وسلم الأسير في المسجد(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۵، ص۲۳،مادة " كفر")
طهارة الآدمي ونجاسته:
ذهب الفقهاء إلى طهارة الآدمي الحي المسلم والكافر، ولقوله تعالى :ولقد كرمنا بني آدم ولأن النبي صلى الله عليه وسلم أنزل وفد ثقيف في المسجد ، ولو كانت أبدانهم نجسة لم ينزلهم فيه تنزيها له (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۰، ص ۷۹،مادة " نجاسة")

[2] انغماس الآدمي في ماء البئر:
اتفق فقهاء المذاهب على أن الآدمي إذا انغمس في البئر، وكان طاهرا من الحدث والخبث، وكان الماء كثيرا، فإن الماء لا يعتبر مستعملا. ويبقى على أصل طهوريته .وروى الحسن عن أبي حنيفة أنه ينزح منه عشرون دلوا.
ومذهب الشافعية، والصحيح عند الحنابلة أن الآدمي طاهر حيا وميتا، وأن موت الآدمي في الماء لا ينجسه إلا إن تغير أحد أوصاف الماء تغيرا فاحشا؛ لقول النبي صلى الله عليه وسلم المؤمن لا ينجس ولأنه لا ينجس بالموت، كالشهيد؛ لأنه لو نجس بالموت لم يطهر بالغسل .ولا فرق بين المسلم والكافر لاستوائهما في الآدمية.
ويرى الحنفية نزح كل ماء البئر بموت الآدمي فيه، إذ نصوا على أنه ينزح ماء البئر كله بموت سنورين أو كلب أو شاة أو آدمي. وموت الكلب ليس بشرط حتى لو انغمس وأخرج حيا ينزح جميع الماء .ويقول ابن قدامة الحنبلي : ويحتمل أن ينجس الكافر الماء بانغماسه؛ لأن الخبر ورد في المسلم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱،ص ۸۱، مادة "آبار")

(۱۴۳)...... غیر مسلموں کے ساتھ مسلمانوں کو ازدواجی اور نکاح کا رشتہ قائم کرنا یا ان کے ہاتھ کا ذبح کیا ہوا جانور کھانا حلال نہیں۔

لیکن اگر کوئی عورت اصلی اہلِ کتاب (یعنی عیسائی یا یہودی) ہو، تو ضرورت کے وقت اس سے مسلمان مرد کو نکاح کرنا جائز ہے، اگرچہ بلا سخت ضرورت کے مکروہ ہے، اور اصلی اہلِ کتاب شخص کا ذبح کیا ہوا جانور بھی حلال ہے، جبکہ وہ اللہ کا نام لے کر شرعی طریقہ پر ذبح کرے۔ [1]

---

[1] يحرم على المسلم أن يتزوج ممن لا كتاب لها من الكفار لقول الله تعالى :(ولا تنكحوا المشركات حتى يؤمن، وهذا باتفاق.

قال ابن قدامة :لا خلاف بين أهل العلم فى تحريم نسائهم وذبائحهم.

والعلة فى تحريم نكاح المشركات -كما يقول الكاسانى :إن ازدواج الكافرة والمخالطة معها مع قيام العداوة الدينية لا يحصل السكن والمودة التى هى قوام مقاصد النكاح .

ويجوز للمسلم زواج الحرائر من نساء أهل الكتاب وهم اليهود والنصارى لقول الله تعالى : (والمحصنات من الذين أوتوا الكتاب من قبلكم)، ولأن الصحابة رضى الله تعالى عنهم تزوجوا من أهل الذمة فتزوج عثمان رضى الله عنه نائلة بنت الفرافصة الكلبية وهى نصرانية وأسلمت عنده، وتزوج حذيفة رضى الله تعالى عنه بيهودية من أهل المدائن .وإنما جاز نكاح الكتابية لرجاء إسلامها لأنها آمنت بكتب الأنبياء والرسل فى الجملة .

ومع الحكم بجواز نكاح الكتابية، فإنه يكره الزواج منها، لأنه لا يؤمن أن يميل إليها فتفتنه عن الدين، أو يتولى أهل دينها، فإن كانت حربية فالكراهية أشد، لأنه لا تؤمن الفتنة أيضا، ولأنه يكثر سواد أهل الحرب، ولأنه لا يؤمن أن يسبى ولده منها فيسترق.

وقد قال عمر بن الخطاب رضى الله عنه للذين تزوجوا من نساء أهل الكتاب :طلقوهن فطلقوهن إلا حذيفة رضى الله عنه، فقال له عمر :طلقها قال :تشهد أنها حرام؟ قال :هى خمرة طلقها، قال : تشهد أنها حرام؟ قال :هى خمرة، قال :قد علمت أنها خمرة، ولكنها لى حلال، فلما كان بعد طلقها، فقيل له :ألا طلقتها حين أمرك عمر؟ قال :كرهت أن يرى الناس أنى ركبت أمرا لا ينبغى لى .

وقد كره ذلك أيضا مالك لأنها تتغذى بالخمر والخنزير، وتغذى ولده بهما، وهو يقبلها ويضاجعها وليس له منعها من ذلك التغذى، ولو تضرر برائحته، ولا من الذهاب للكنيسة، وقد تموت وهى حامل فتدفن فى مقبرة الكفار وهى حفرة من حفر النار.

ولا يجوز للكافر أن يتزوج مسلمة لقول الله تعالى :(ولا تنكحوا المشركين حتى يؤمنوا)، ولأن فى نكاح المؤمنة الكافر خوف وقوع المؤمنة فى الكفر، لأن الزوج يدعوها إلى دينه، والنساء فى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۱۴)...... اہلِ کتاب (یہود وعیسائی) کے برتنوں کو دھوئے بغیر استعمال کرنا جائز ہے، البتہ اگر ان کے پاک نہ ہونے (یعنی ناپاک ہونے) کا یقین ہو، تو پھر دھوئے بغیر استعمال کرنا منع ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

العادات يتبعن الرجال فيما يؤثرون من الأفعال ويقلدنهم فى الدين، وقد وقعت الإشارة إلى ذلك فى آخر الآية بقوله عز وجل :(أولئك يدعون إلى النار)، لأنهم يدعون المؤمنات إلى الكفر، والدعاء إلى الكفر دعاء إلى النار، لأن الكفر يوجب النار، فكان نكاح الكافر المسلمة سببا داعيا إلى الحرام فكان حراما، والنص وإن ورد فى المشركين لكن العلة وهى الدعاء إلى النار تعم الكفرة أجمع، فيعم الحكم بعموم العلة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۵ص ۲۶،۲۷،مادة "كفر" نكاح المسلم كافرة ونكاح الكافر مسلمة)

وإنما حلت ذبيحة أهل الكتاب لقوله تعالى :(وطعام الذين أوتوا الكتاب حل لكم)والمراد من طعامهم ذبائحهم، إذ لو لم يكن المراد ذلك لم يكن للتخصيص بأهل الكتاب معنى، لأن غير الذبائح من أطعمة سائر الكفرة مأكول، ولو فرض أن الطعام غير مختص بالذبائح فهو اسم لما يتطعم، والذبائح مما يتطعم، فيدخل تحت اسم الطعام فيحل لنا أكلها.

من هو الكتابى:المقصود بالكتابى فى باب الذبائح اليهودى والنصرانى ذميا كان كل منهما أو حربيا، ذكرا أو أنثى، حرا أورقيقا، لا المجوسى(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۱ ص ۸۵،مادة "ذبائح")

حكم ذبائح أهل الكتاب :الذى أعتقده وأدين الله تعالى عليه أن مجرد كون الذابح من أهل الكتاب لا يجعل الذبيحة حلالا، حتى يسمى الله تعالى عليه، ويفرى الأوداج بطريق شرعى، كما أن مجرد كون الذابح مسلما، لا يذكى الذبيحة، حتى يستوفى جميع شرائط الزكاة الشرعية، وإنما أحل الإسلام ذبائح أهل الكتاب دون من سواهم من المشركين؛ لأن أهل الكتاب كانوا ملتزمين بشروط الزكاة الإسلامية .وعلى هذا الأساس، لا تحل ذبائح أهل الكتاب إلا بهذه الشروط، وبما أن معظم النصارى قد تركوا اليوم الالتزام بشروط الزكاة التى هى واجبة فى أصل دينهم فإن ذبائحهم لا تحل للمسلمين إلا إذا تحقق أنهم قد استوفوا هذه الشروط.

وهذا بخلاف ما يزعمه كثير من الناس اليوم أن ذبائحهم حلال، وإن لم يذكروا اسم الله عليها، وعندى فى ذلك دلائل قوية من الكتاب والسنة، وأقوال الفقهاء ، وعبارات كتب أهل الكتاب، ولكن هذا الموضوع يحتاج إلى تفصيل لا يسعه هذه الفتوى فالأحسن أن يدرج هذا الموضوع فى قائمة أعمال المجمع، ويطلب من الأعضاء الكتابة عليه كموضوع مستقل، وحينئذ تعرض الدلائل ببسط وتفصيل إن شاء الله تعالى (بحوث فى قضايا فقهية معاصرة ،ج ۱ ص ۳۴۵،أجوبة عن استفتاء المركز الإسلامى بواشنطن)

[1] آنية غير المسلمين:آنية أهل الكتاب: ذهب الحنفية والمالكية وهو أحد القولين عند الحنابلة إلى جواز استعمال آنية أهل الكتاب،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اہلِ کتاب کے علاوہ دوسرے غیر مسلموں کے جن برتنوں کے پاک ناپاک ہونے کا علم نہ ہو، حنفیہ کے نزدیک ان برتنوں کو دھونے سے پہلے اِن میں کھانا پینا مکروہ ہے، لیکن اگر دھونے سے پہلے ان کے برتنوں میں کھا پی لیا، تو جائز ہے، اور اس صورت میں حرام کھانے پینے والا شمار نہ ہوگا۔

اور اگر ان کے برتنوں کے ناپاک ہونے کا علم ہو، تو پاک کرنے سے پہلے ان میں کھانا پینا جائز نہیں۔

یہی حکم غیر مسلموں کے لباس اور دوسری چیزوں کا بھی ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

إلا إذا تيقن عدم طهارتها .فقد نص الحنفية على أن "سؤر الآدمى وما يؤكل لحمه طاهر؛ لأن المختلط به اللعاب، وقد تولد من لحم طاهر فيكون طاهرا .ويدخل فى هذا الجواب الجنب والحائض، والكافروما دام سؤره طاهرا فاستعمال آنيته جائز من باب أولى .واستدلوا بما روى أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنزل وفد ثقيف فى المسجد وكانوا مشركين، ولو كان عين المشرك نجسا لما فعل ذلک .ولا يعارض بقوله تعالى (إنما المشركون نجس) لأن المراد به النجس فى الاعتقاد، ومن باب أولى أهل الكتاب وآنيتهم .وذلک لقوله تعالى (وطعام الذين أوتوا الكتاب حل لكم وطعامكم حل لهم) وروى عبد الله بن مغفل قال دلى جراب من شحم يوم خيبر، فالتزمته وقلت :والله لا أعطى اليوم أحدا من هذا شيئا .فالتفت فإذا رسول الله صلى الله عليه وسلم يتبسم وروى أنس أن النبى صلى الله عليه وسلم أضافه يهودى بخبز شعير وإهالة سنخة وتوضأ عمر من جرة نصرانية. وصرح القرافى من المالكية فى الفروق بأن جميع ما يصنعه أهل الكتاب والمسلمون الذين لا يصلون ولا يستنجون ولا يتحرزون من النجاسات، من الأطعمة وغيرها، محمول على الطهارة، وإن كان الغالب عليه النجاسة.

ومذهب الشافعية، وهو رواية أخرى للحنابلة، أنه يكره استعمال أوانى أهل الكتاب، إلا أن يتيقن طهارتها، فلا كراهة، وسواء المتدين باستعمال النجاسة وغيره .ودليلهم ما روى أبو ثعلبة الخشنى رضى الله عنه قال :قلت :يا رسول الله، إنا بأرض أهل كتاب، أنأكل فى آنيتهم؟ فقال :لا تأكلوا فى آنيتهم إلا إن لم تجدوا عنها بدا، فاغسلوها بالماء، ثم كلوا فيها وأقل أحوال النهى الكراهة، ولأنهم لا يجتنبون النجاسة، فكره لذلک .على أن الشافعية يرون أن أوانيهم المستعملة فى الماء أخف كراهة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱ ص ۱۲۴، مادة "آنية")

[1] اختلف الفقهاء فى استعمال ما غالب حاله النجاسة: فذهب الحنفية إلى أنه يكره الأكل والشرب فى أوانى المشركين قبل الغسل، ومع هذا لو أكل أو شرب فيها قبل الغسل جاز، ولا يكون آكلا وشاربا حراما .وهذا إذا لم يعلم بنجاسة الأوانى، فأما إذا علم فإنه لا يجوز أن يشرب

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

(۱۵)...... غیر مسلموں کو ابتداءً سلام کرنا عام حالات میں منع ہے، البتہ اگر وہ سلام کریں، تو اس کے جواب میں ''وعلیک'' یا ''وعلیکم'' کہہ دینے میں کوئی حرج نہیں۔

اور غیر مسلم کی ہدایت کی دعا کرنا جائز ہے، البتہ ہدایت کے بغیر اس کی مغفرت کی دعا کرنا یا اس کے فوت ہونے کے بعد اس کے لئے مغفرت کی دعا کرنا جائز نہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ویأکل منها قبل الغسل، ولو شرب أو أکل کان شاربا وآکلا حراما، وهو نظیر سؤر الدجاجة إذا علم أنه کان علی منقارها نجاسة فإنه لا یجوز التوضؤ به.

والصلاة فی سراویل المشرکین نظیر الأکل والشرب من أوانیهم :إن علم أن سراویلهم نجسة لا تجوز الصلاة فیها، وإن لم یعلم تکره الصلاة فیها، ولو صلی یجوز.

وذهب المالکیة إلی أنه یحرم أن یصلی فرض أو نفل بلباس کافر، ذکر أو أنثی، کتابی أو غیره، باشر جلده أو لم یباشره، کان مما الشأن أن تلحقه النجاسة کالذیل وما حاذی الفرج، أو لا کعمامته والشال، جدیدا أو لا، إلا أن تعلم أو تظن طهارته، بخلاف نسجه أی منسوج الکافر، فیصلی فیه ما لم تتحقق نجاسته أو تظن لحمله علی الطهارة، وکذا سائر صنائعه یحمل فیها علی الطهارة عند الشک -ولو صنعها فی بیت نفسه -خلافا لابن عرفة.

ویحرم أن یصلی بما ینام فیه مصل آخر، أی غیر مرید الصلاة به، لأن الغالب نجاسته بمنی أو غیره، وهذا إذا لم یعلم أو یظن أن من ینام فیه محتاط فی طهارته، وإلا صلی فیه، وکذا یصلی فیه إذا أخبر صاحبه بطهارته إذا کان ثقة.

وأما ما یفرش فی المضایف والقیعان والمقاعد فتجوز الصلاة فیه، لأن الغالب أن النائم علیه یلتف فی شیء آخر غیر ذلک الفرش، فإذا حصل منه شیء مثلا فإنما یصیب ما هو ملتف به، فقد اتفق الأصل والغالب علی طهارتها.

وذهب الشافعیة إلی أنه لو غلبت النجاسة فی شیء والأصل فیه الطهارة کثیاب مدمنی الخمر، والنجاسة کالمجوس والمجانین والصبیان والجزارین . .حکم له بالطهارة عملا بالأصل، وکذا ما عمت به البلوی کعرق الدواب ولعابها . .ونحو ذلک.

وذهب الحنابلة إلی أن ثیاب الکفار وأوانیهم طاهرة إن جهل حالها کما لو علمت طهارتها، وکذا آنیة مدمنی الخمر وثیابهم، وآنیة من لابس النجاسة کثیرا وثیابهم طاهرة.

وتصح الصلاة فی ثیاب المرضعة والحائض والصبی ونحوهم کمدمنی الخمر لأن الأصل طهارتها، مع الکراهة احتیاطا للعبادة، ما لم تعلم نجاستها فلا تصح الصلاة فیها(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۴۰ص۱۰۵، ۱۰۶، مادة "نجاسة" استعمال ما غالب حاله النجاسة)

اوراسی وجہ سے غیر مسلم کی تعزیت کے وقت اس کے لئے مغفرت کی دعا کرنا جائز نہیں، البتہ کوئی صبر وغیرہ کا جملہ کہہ دینا جائز ہے، مثلاً یہ کہ اللہ آپ کو صبر اور بہتر بدل عطا فرمائے۔ ؎۱

(۱۶)...... عام حالات میں مسلمان کو غیر مسلم سے مصافحہ کرنا مکروہ ہے، اور کسی ضرورت کی وجہ سے جائز ہے، جبکہ اس کا احترام دل میں نہ ہو۔ ؎۲

؎۱ فلا ترحم على كافر لمنع بدئه بالسلام عند الأكثرين تحريما، لحديث :لا تبدء وا اليهود ولا النصارى بالسلام .ولو سلم اليهودى والنصرانى، فلا بأس بالرد، ولكن لا يزيد على قوله ": وعليك"

والذين جوزوا ابتداء هم بالسلام، صرحوا بالاقتصار على " :السلام عليك "دون الجمع، ودون أن يقول " :ورحمة الله لما روى عن أنس رضى الله عنه، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :إذا سلم عليكم أهل الكتاب، فقولوا :وعليكم أو عليكم بغير واو.

ز -الترحم على الكفار:

صرح النووى فى كتابه الأذكار بأنه لا يجوز أن يدعى للذمى بالمغفرة وما أشبهها فى حال حياته مما لا يقال للكفار، لكن يجوز أن يدعى له بالهداية، وصحة البدن والعافية وشبه ذلك .لحديث أنس رضى الله عنه قال :استسقى النبى صلى الله عليه وسلم فسقاه يهودى، فقال له النبى صلى الله عليه وسلم :جملك الله فما رأى الشيب حتى مات.

وأما بعد وفاته فيحرم الدعاء للكافر بالمغفرة ونحوها؛ لقول الله تعالى :(ما كان للنبى والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين ولو كانوا أولى قربى من بعد ما تبين لهم أنهم أصحاب الجحيم)وقد جاء الحديث بمعناه، وأجمع المسلمون عليه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ١١ ص ١٨٦،١٨٧، مادة "ترحم")

وهل يعزى المسلم بالكافر أو العكس؟ ذهب الأئمة :الشافعى، وأبو حنيفة فى رواية عنه :إلى أنه يعزى المسلم بالكافر، وبالعكس، والكافر غير الحربى.

وذهب الإمام مالك :إلى أنه لا يعزى المسلم بالكافر.

وقال ابن قدامة من الحنابلة :إن عزى مسلما بكافر قال :أعظم الله أجرك وأحسن عزاءك (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٢ ص ٢٨٩، مادة "تعزية")

؎۲ مصافحة الكافر : ذهب الحنفية والحنابلة إلى القول بكراهة مصافحة المسلم للكافر إلا أن الحنفية استثنوا مصافحة المسلم جاره النصرانى إذا رجع بعد الغيبة وكان يتأذى بترك المصافحة، وأما الحنابلة فقد أطلقوا القول بالكراهة، بناء على ما روى أن الإمام أحمد سئل عن مصافحة أهل الذمة فقال : لا يعجبنى.وذهب المالكية إلى عدم جواز مصافحة المسلم الكافر ولا المبتاع، لأن الشارع طلب هجرهما ومجانبتهما، وفى المصافحة وصل مناف لما طلبه الشارع (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٧ص ٣٦١، مادة " مصافحة"، مصافحة الكافر)

(۱۷)...... غیر مسلم ضرورت مند کا صدقہ وہدیہ وغیرہ سے تعاون کرنا یا ان کی طرف سے ہدیہ لینا جائز ہے، بشرطیکہ شریعت کے کسی حکم کی خلاف ورزی لازم نہ آئے، مگر غیر مسلم کو زکاۃ دینا جائز نہیں۔ [۱]

(۱۸)...... غیر مسلم کا حرم کی حدود اور مسجدِ حرام میں داخل ہونا بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک جائز نہیں، اور حنفیہ کے نزدیک ضرورت کے وقت داخل ہونا

---

[۱] الصدقة على أهل الحرب:
اتفق الأئمة الأربعة على صحة الصدقة أو الهبة للحربي؛ لأنه ثبت في السيرة أن النبي صلى الله عليه وسلم أهدى إلى أبي سفيان تمر عجوة، حين كان بمكة محاربا، واستهداه أدما .وبعث بخمسمائة دينار إلى أهل مكة حين قحطوا لتوزع بين فقرائهم ومساكينهم .
وفي قوله تعالى :(ويطعمون الطعام على حبه مسكينا ويتيما وأسيرا إنما نطعمكم لوجه الله لا نريد منكم جزاء ولا شكورا) . قال الحسن كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يؤتى بالأسير، فيدفعه إلى بعض المسلمين، فيقول " :أحسن إليه "فيكون عنده اليومين والثلاثة، فيؤثر على نفسه .وعند عامة العلماء :يجوز الإحسان إلى الكفار في دار الإسلام، وعن قتادة :كان أسيرهم يومئذ المشرك (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۷، ص ۱۱۲ مادة " أهل الحرب ")
وذكر العلامة جوى زاده أن مرادهم بما يدل على الجواز ما ذكره في شرح السير الكبير للسرخسي بقوله :لا بأس أن يصل الرجل المسلم المشرك قريبا كان أو بعيدا محاربا كان أو ذميا .واستدل عليه بأحاديث منها أنه بعث رسول الله -صلى الله عليه وسلم -خمسمائة دينار إلى مكة حين قحطوا وأمر بدفع ذلك إلى أبي سفيان بن حرب وصفوان بن أمية ليفرقا على فقراء أهل مكة فقبل ذلك أبو سفيان وأبي صفوان ، قال وبه نأخذ ولأن صلة الرحم محمودة عند كل عاقل وفي كل دين والإهداء إلى الغير من مكارم الأخلاق قال -صلى الله عليه وسلم -بعثت لأتمم مكارم الأخلاق فعرفنا أن ذلك حسن في حق المسلمين والمشركين جميعا اهـ.
فالخلاف في جواز صلة الحربي وعدمه لا في جواز الوصية وعدمه اهـ ملخصا وتمامه في الشرنبلالي .والحاصل :أن التعليل بأن الحربي كالميت اقتضى عدم جواز الوصية له والتعليل بالنهي اقتضى عدم جواز كل من الوصية والصلة، وما في السير دل على جواز الصلة دون الوصية خلافا لما فهمه شراح الجامع، فصار الخلاف في جواز الصلة فقط.
أقول :وقد رأيت نصي الإمام محمد على جواز الهدية حيث قال في موطئه في باب ما يكره من لبس الحرير والديباج ولا بأس أيضا بالهدية إلى المشرك المحارب ما لم يهد إليه سلاح أو درع، وهو قول أبي حنيفة والعامة من فقهائنا اهـ (قوله لأن المستأمن كالذمي) فإذا أوصى لمسلم أو ذمي بجميع ماله جاز كما مر ويأتي تمامه (قوله كما أفاده المنلا) في بعض النسخ المنلا خسرو(ردالمحتار، ج۶ ص ۶۵۵، كتاب الوصايا)

جائز ہے، لیکن وہاں مستقل قیام اور سکونت کی اجازت نہیں۔ ؂

؂ دخول الكافر للحرم:
اتفق الفقهاء على أنه لا يجوز لغير المسلم السكنى والإقامة فى الحرم لقوله تعالى :(يا أيها الذين آمنوا إنما المشركون نجس فلا يقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا.
والمراد بالمسجد الحرام الحرم بدليل قوله سبحانه وتعالى بعده :(وإن خفتم عيلة فسوف يغنيكم الله من فضله أى إن خفتم فقرا وضررا بمنعهم من الحرم وانقطاع ما كان يحصل لكم بما يجلبونه إليكم من المكاسب فسوف يغنيكم الله من فضله .ومعلوم أن الجلب إنما يجلب إلى البلد والحرم، لا إلى المسجد نفسه.
والمعنى فى ذلک أنهم أخرجوا النبى صلى الله عليه وسلم منه، فعوقبوا بالمنع من دخوله بكل حال .صلى الله عليه وسلم
واختلفوا فى اجتياز الكافر الحرم بصفة مؤقتة، فذهب الشافعية والحنابلة وهو قول عند المالكية: إلى منع دخول الكفار إلى الحرم مطلقا، لعموم الآية .فإن أراد كافر الدخول إلى الحرم منع منه .فإن كانت معه ميرة أو تجارة خرج إليه من يشترى منه ولم يترک هو يدخل .وإن كان رسولا إلى إمام بالحرم خرج إليه من يسمع رسالته ويبلغها إياه .فإن قال :لا بد لى من لقاء الإمام وكانت المصلحة فى ذلک خرج إليه الإمام، ولم يأذن له بالدخول.
وإذا أراد مشرک دخول الحرم ليسلم فيه منع منه حتى يسلم قبله.
قال الشافعية والحنابلة :وإذا دخل المشرک الحرم بغير إذن عزر ولم يستبح به قتله، وإن دخله بإذن لم يعزر وينكر على من أذن له
وقال الحنفية :لا يمنع الذمى من دخول الحرم، ولا يتوقف جواز دخوله على إذن مسلم ولو كان المسجد الحرام.
يقول الجصاص فى تفسير قوله تعالى :(إنما المشركون نجس فلا يقربوا المسجد الحرام يجوز للذمى دخول سائر المساجد، وإنما معنى الآية على أحد الوجهين :إما أن يكون النهى خاصا فى المشركين الذين كانوا ممنوعين من دخول مكة وسائر المساجد، لأنهم لم تكن لهم ذمة، وكان لا يقبل منهم إلا الإسلام أو السيف وهم مشركو العرب .أو أن يكون المراد منعهم من دخول مكة للحج، ويدل على ذلک قوله تعالى :(وإن خفتم عيلة) الآية، وإنما كانت خشية العيلة لانقطاع تلک المواسم بمنعهم من الحج، لأنهم كانوا ينتفعون بالتجارات التى كانت فى مواسم الحج (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص ۱۸۹ ،مادة " حرم")
ويجب تنزيهها عن دخول الكفار .قال تعالى :(إنما المشركون نجس فلا يقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا.
فقد ذهب المالكية والشافعية والحنابلة إلى أن الكافر لا يمكن من دخول حرم مكة، لا مقيما ولا مارا به .
ومذهب الحنفية أنه يمنع الكافر من استيطان مكة، ولكن لو دخل بتجارة جاز ولا يطيل (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۴، ص ۶۲ ،مادة " تنزيه ")

www.idaraghufran.org

مسجدِ حرام کے علاوہ دوسری مسجدوں میں بھی غیر مسلم کا داخلہ بعض فقہائے کرام کے نزدیک منع ہے، لیکن حنفیہ کے نزدیک جائز ہے، اس لئے حنفیہ کے نزدیک غیر مسلم سے بوقتِ ضرورت مسجد کے اندر تعمیر ومرمت وغیرہ کا کام کرانا جائز ہے۔ [1]

(۱۹)...... کسی مصلحت وضرورت کے تحت مدینہ منورہ میں غیر مسلم کا داخلہ جائز

---

[1] دخول الكافر المسجد:

ذهب المالكية والشافعية والحنابلة ومحمد من الحنفية إلى أنه لا يجوز للكافر دخول المسجد الحرام لقول الله تعالى :(إنما المشركون نجس فلا يقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا)

والمسجد الحرام مراد به الحرم لقول الله تعالى :(سبحان الذى أسرى بعبده ليلا من المسجد الحرام إلى المسجد الأقصى) ، إنما أسرى به من بيت أم هانء من خارج المسجد.

أما المساجد الأخرى غير المسجد الحرام فقد ذهب الشافعية والحنابلة إلى أنه لا يحل لهم دخولها بغير إذن المسلمين لما روى عياض الأشعرى أن أبا موسى رضى الله عنه وفد إلى عمر رضى الله عنه ومعه نصرانى، فأعجب عمر خطه فقال :قل لكاتبک هذا :يقرأ لنا كتابا، فقال :إنه لا يدخل المسجد، فقال :لم؟ أجنب هو؟ قال :لا، هو نصرانى، قال :فانتهره عمر.

فإن دخل من غير إذن عزر لما روت أم غراب قالت :رأيت عليا كرم الله وجهه على المنبر وبصر بمجوسى فنزل فضربه وأخرجه من باب كندة.

وإن وفد قوم من الكفار ولم يكن للإمام موضع ينزلهم فيه جاز أن ينزلهم فى المسجد ، لما روى أن النبى صلى الله عليه وسلم أنزل سبى بنى قريظة والنضير فى مسجد المدينة ، وربط ثمامة بن أثال فى المسجد .

وعند المالكية يمنع الكافر من دخول المسجد وإن أذن له مسلم فى الدخول، وهذا ما لم تدع ضرورة لدخوله بأن لم يوجد نجار أو بناء وغيره والمسجد محتاج إلى ذلک، أو وجد مسلم لكن كان الكافر أتقن للصنعة، فلو وجد مسلم مماثل له فى إتقان الصنعة لكن كانت أجرة المسلم أزيد من أجرة الكافر فإن كانت الزيادة يسيرة لم يكن هذا من الضرورة وإلا كان منها على الظاهر.

وإذا دخل الكافر المسجد للعمل فيندب أن يدخل من جهة عمله .

وما ذهب إليه المالكية هو رواية عند الحنابلة، قال ابن قدامة :وفيه رواية أخرى :ليس لهم دخوله بحال.وعند الحنفية يجوز للكافر دخول المسجد، سواء أكان المسجد الحرام أم غيره من المساجد، لما روى أن النبى صلى الله عليه وسلم أنزل وفد ثقيف فى مسجده وهم كفار ، ولأن الخبث فى اعتقادهم فلا يؤدى إلى تلويث المسجد، وقوله تعالى :(إنما المشركون نجس فلا يقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا) محمول على الحضور استيلاء واستعلاء ، أو طائفين عراة كما كانت عادتهم فى الجاهلية فليس الممنوع نفس الدخول (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۵، ص ۲۴ ،مادة " كفر ")

ہے، لیکن وہاں مستقل سکونت کی اجازت نہیں۔ ۱

(۲۰)...... غیر مسلم کا قرآن مجید کو چھونا بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک جائز نہیں، اور بعض فقہائے کرام کے نزدیک غسل کے بعد چھونا جائز ہے۔ ۲

(۲۱)...... اگر کوئی غیر مسلم مسجد کے لئے تعاون کرے، یا مسجد کے لئے کوئی جگہ وقف کرے، تو اکثر فقہائے کرام کے نزدیک جائز ہے۔ ۳

(۲۲)...... مسلمان کا غیر مسلموں کے ملک میں کسی ضرورت (مثلاً تجارت) کی غرض سے داخل ہونا جائز ہے، البتہ وہاں مستقل طور پر سکونت اور رہائش اختیار کرنا بہتر نہیں، بشرطیکہ اسلام کے احکام پر وہاں عمل کرنا ممکن ہو، ورنہ جائز نہیں۔ ۴

---

۱ ولا يمنع الكافر من دخول المدينة من أجل المصلحة مؤقتا من غير استيطان باتفاق الفقهاء، بخلاف حرم مكة المكرمة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۲۰۵،مادة " حرم ")

۲ مس الكافر المصحف: ذهب المالكية والشافعية والحنابلة وأبو يوسف من الحنفية إلى أنه لا يجوز للكافر مس المصحف لأن فى ذلك إهانة للمصحف.

وقال محمد بن الحسن :لا بأس أن يمس الكافر المصحف إذا اغتسل، لأن المانع هو الحدث وقد زال بالغسل، وإنما بقى نجاسة اعتقاده وذلك فى قلبه لا فى يده.

وقال المالكية :يمنع الكافر من أن يحمل حرزا من قرآن ولو بساتر لأنه يؤدى إلى امتهانه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۵، ص۲۳،مادة " كفر ")

۳ وقف الذمى على المسجد:اختلف الفقهاء فى وقف الذمى على المسجد، فذهب الجمهور إلى صحته لعموم أدلة الوقف، ومنعه المالكية.

والتفصيل فى مصطلح :(وقف)(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۷، ص۲۲۲،مادة " مسجد ")

۴ إقامة المسلم فى دار الحرب:

إقامة المسلم فى دار الحرب لا تقدح فى إسلامه، إلا أنه إذا كان يخشى على دينه، بحيث لا يمكنه إظهاره، تجب عليه الهجرة إلى دار الإسلام، لقول الله تعالى :(إن الذين توفاهم الملائكة ظالمى أنفسهم قالوا فيم كنتم قالوا كنا مستضعفين فى الأرض قالوا ألم تكن أرض الله واسعة فتهاجروا فيها) وهذا إذا كان يمكنه الهجرة ولم يكن به عجز، لمرض أو إكراه على الإقامة.

أما إذا كان لا يخشى الفتنة ويتمكن من إظهار دينه مع إقامته فى دار الحرب، فإنه يستحب له الهجرة إلى دار الإسلام، لتكثير المسلمين ومعونتهم، ولا تجب عليه الهجرة .وقد كان العباس عم النبى صلى الله عليه وسلم مقيما بمكة مع إسلامه)

وللفقهاء تفصيلات كثيرة فى ذلك :(ر :جهاد -دار الحرب -دار الإسلام -هجرة)(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۶، ص۵،مادة " إقامة")

(۲۴۳)...... غیر مسلم معاہد کے ساتھ جانی ومالی ظلم وزیادتی کی ممانعت پہلے ذکر کی جاچکی ہے۔

لہٰذا اگر کوئی مسلمان، کافروں کے ملک (یعنی دارالحرب) میں معاہدہ اور ویزا کے ساتھ داخل ہو تو وہاں کے کسی غیر مسلم یا مسلم کا مال چوری، غصب یا کسی اور ناجائز طریقہ پر حاصل کرنا بالاتفاق جائز نہیں، اور جمہور فقہائے کرام (شافعیہ، حنابلہ، مالکیہ اور حنفیہ میں سے امام ابویوسف رحمہم اللہ) کے نزدیک کافروں کے ملک میں اس طرح داخل ہو کر کسی غیر مسلم یا مسلم سے یا وہاں موجود مسلمانوں کا آپس میں سودی لین دین کا معاملہ کرنا بھی حرام ہے، اور اگر کسی سے سودی معاملہ کر کے اس سے سود کی شکل میں نفع حاصل کرے، تو اس کا استعمال کرنا جائز نہیں۔

کیونکہ سود کی حرمت قطعی اور مطلق ہے، جس میں دارُالحرب کی کوئی قید نہیں، اور مسلمان دوسرے احکام کی طرح اس حکم کا ہر جگہ مکلّف ہے۔

البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف یہ بات منسوب ہے کہ اُن کے نزدیک کافروں کے ملک یعنی دارُالحرب میں سودی معاملہ کر کے نفع لینا حرام نہیں۔

لہٰذا جب کوئی مسلمان کافروں کے ملک میں معاہدہ اور ویزا کے ساتھ داخل ہو، تو اُس کو وہاں کے غیر مسلم یا مسلم سے یا اسی طریقہ سے وہاں اسلام قبول کرنے والے مسلمان باشندے کا وہاں کے غیر مسلم باشندے یا اسلام قبول کرنے والے مسلم باشندے سے باہمی رضامندی کے ساتھ سود کی شکل میں نفع حاصل کرنا جائز ہے۔

کیونکہ فی نفسہٖ کافروں کے ملک یعنی دارُالحرب سے مسلمان کا دھوکہ اور خیانت کے بغیر مال کا حصول جائز ہے۔

اور سود کا وہاں حصول دوسرے کی رضامندی سے ہوتا ہے، جس میں دھوکہ

اورخیانت شامل نہیں ہوتی۔ [1]

اسی لئے بعض روایات میں مسلمان اورحربی یعنی کافروں کے ملک کے باشندہ کے درمیان سود نہ ہونے کا ذکر آیا ہے۔ [2]

---

[1] إذا دخل المسلم أو الذمى دار الحرب بأمان فعاقد حربيا عقدا مثل الربا، أو غيره من العقود الفاسدة فى حكم الإسلام، أو أخذ ماله بالميسر ونحوه مما حرمه الإسلام، لم يحل له ذلك عند الجمهور، ومنهم أبو يوسف من الحنفية.
واستدلوا بأن حرمة الربا ثابتة فى حق المسلم والحربى، أما بالنسبة للمسلم فظاهر؛ لأن المسلم ملتزم بأحكام الإسلام حيثما يكون، وأما بالنسبة للحربى؛ فلأنه مخاطب بالمحرمات، قال الله تعالى :(وأخذهم الربا وقد نهوا عنه) ، وآيات تحريم الربا، مثل قوله تعالى :(وحرم الربا) ، وسائر الآيات والأخبار الدالة على تحريم الربا، وهى عامة تتناول الربا فى كل مكان وزمان.
وذهب أبو حنيفة ومحمد إلى جواز ذلك، مستدلين بأن المسلم يحل له أخذ مال الحربى من غير خيانة ولا غدر؛ لأن العصمة منتفية عن ماله، فإتلافه مباح، وفى عقد الربا ونحوه المتعاقدان راضيان، فلا غدر فيه، والربا ونحوه كإتلاف المال، وهو جائز .قال محمد فى السير الكبير :وإذا دخل المسلم دار الحرب بأمان، فلا بأس بأن يأخذ منهم أموالهم بطيب أنفسهم بأى وجه كان؛ لأنه إنما أخذ المباح على وجه عرا عن الغدر، فيكون ذلك طيبا منه.
وأما خيانة المسلم المستأمن عندهم فمحرمة؛ لأنهم إنما أعطوا الأمان للمسلم أو الذمى مشروطا بتركه خيانتهم، وإن لم يكن ذلك مذكورا فى اللفظ، فهو معلوم فى المعنى، ولذلك من جاء نا منهم بأمان فخاننا، كان ناقضا لعهده .وإذا ثبت هذا لم تحل للمسلم خيانة الحربيين إذا دخل دارهم بأمان؛ لأنه غدر، ولا يصلح فى ديننا الغدر، وقد قال النبى صلى الله عليه وسلم :المسلمون عند شروطهم فإن خانهم، أو سرق منهم، أو اقترض شيئا، وجب عليه رد ما أخذ إلى أربابه، فإن جاء أربابه إلى دار الإسلام بأمان، أو إيمان، رده عليهم، وإلا بعث به إليهم؛ لأنه أخذه على وجه حرم عليه أخذه، فلزمه رد ما أخذ، كما لو أخذه من مال مسلم .قال الإمام الشافعى فى الأم :ومما يوافق التنزيل والسنة ويعقله المسلمون، ويجتمعون عليه، أن الحلال فى دار الإسلام حلال فى بلاد الكفر، والحرام فى دار الإسلام حرام فى بلاد الكفر، فمن أصاب حراما، فقد حده الله على ما شاء منه، ولا تضع عنه بلاد الكفر شيئا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٧، ص ١٠٩، وص ١١٠، مادة"اهل الحرب"، حصول المسلم أو الذمى على شىء من مال الحربى بمعاملة يحرمها الإسلام)

[2] ذهب جمهور الفقهاء :إلى أن الربا حرام فى دار الحرب كحرمته فى دار الإسلام، فما كان حراما فى دار الإسلام، كان حراما فى دار الحرب، سواء بين المسلمين وبين أهل الحرب، أو بين مسلمين لم يهاجرا من دار الحرب، وبهذا قال الشافعى، ومالك، وأبو يوسف من الحنفية، وقالوا : إن النصوص فى تحريم الربا عامة، ولم تفرق بين دار ودار، ولا بين مسلم وغيره (راجع مصطلح : ربا) وقال أبو حنيفة ومحمد :لا يحرم الربا فى دار الحرب بين المسلم وأهل الحرب، ولا بين

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جمہور فقہائے کرام کے دلائل چونکہ مضبوط ہیں، جن میں حنفیہ کے جلیل القدر فقیہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ بھی شامل ہیں، اس لئے بہت سے محققین مشائخِ حنفیہ نے جمہور اور امام ابو یوسف رحمہم اللہ کے قول کو راجح قرار دیا ہے۔

اور فرمایا ہے کہ سود کی حرمت کے دلائل قطعی اور عام ہیں، جن میں کسی جگہ اور فرد کی تخصیص نہیں کی گئی، اور قیاس سے کسی قطعی حرام چیز کو حلال قرار نہیں دیا جاسکتا، اور اہلِ حرب اور اہلِ اسلام کے درمیان ربا نہ ہونے کی حدیث کا ثبوت اوّلاً تو محلِ کلام ہے، اور بر سبیلِ ثبوت بھی اس کو زیادہ سے زیادہ مرسل کہا جاسکتا ہے، جس کا درجہ قطعی دلائل سے کم ہے، اور اس کے باوجود بھی اس کے معنیٰ یہ ہوسکتے ہیں کہ اہلِ اسلام اور حربیوں کے درمیان سود جائز نہیں، جیسا کہ قرآن مجید میں **لا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج**، کے معنیٰ یہ نہیں ہیں کہ حج میں بے حیائی اور فسق وفجور اور جھگڑا جائز ہے، بلکہ یہ معنیٰ ہیں کہ حج میں یہ چیزیں جائز نہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

مسلمين لم يهاجروا من دار الحرب .لحديث :لا ربا بين المسلم والحربي في دار الحرب ولأن مالهم مباح في دارهم، فبأي طريق أخذه المسلم أخذ مالا مباحا إذا لم يكن فيه غدر، ولأن مال أهل الحرب مباح بغير عقد، فبالعقد الفاسد أولى.

ولأن أبا بكر رضي الله عنه خاطر قريشا قبل الهجرة حين أنزل الله تعالى :(الم غلبت الروم في أدنى الأرض وهم من بعد غلبهم سيغلبون) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٠، ص٢٠٨، وص ٢٠٩، مادة "دارالحرب"، الربا في دار الحرب)

[1] چنانچہ امداد الفتاویٰ میں مفصّل ومدلّل انداز میں اس پر کلام کیا گیا ہے، جس میں مذکور ہے کہ:

اس کے بعد جو دونوں قولوں کے دلائل میں نظر کی گئی، تو ابو یوسف رحمہ اللہ کے دلائل قوی ہیں، چنانچہ مفصلاً رسالہ تحذیر الاخوان میں ذکر کیا گیا ہے، ان میں سے صرف ایک دلیل اس وقت ذکر کرتا ہوں۔ آیات تحریم ربوا میں ارشاد ہے: **يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله وذروا ما بقي من الربا إن كنتم مؤمنين.** اور ظاہر ہے کہ اس بقیہ ربوا کا معاملہ جس وقت ہوا ہے، لینے والے دینے والے سب حربی تھے، تو تحریم کے بعد اگر حربی سے ایسا معاملہ جائز ہوتا تو تحریم کے قبل تو بدرجۂ اولیٰ جائز ہوتا۔ اور وہ رقم حلال ہوتی، تو اس کا ترک کرنا کیوں فرض ہوتا، اور یہ نص قطعی ہے، ثبوتاً بھی دلالۃً بھی، اور طرفین کی دلیل یا خبر واحد ہے، یا قیاس جو کہ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ہمارے نزدیک بھی جمہور فقہائے کرام کا قول دلائل کے لحاظ سے راجح ہے، اور سود کے دلائل جتنے قطعی اور مضبوط ہیں، اُن کے مقابلہ میں جواز کے دلائل کو وہ

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

ظنی ہیں، اور قطعی کی تقدیم کا وجوب ظنی پر اجماعی ہے، گو امام صاحب رحمہ اللہ پر سے اعتراض اس طرح مدفوع ہوسکتا ہے کہ اس قطعی میں سے بعض افراد مخصوص ہوجانے سے دلالۃً ظنی ہوگیا، لیکن یہ عذر گو دافع اعتراض ہوسکتا ہے مگر نافعِ قوت دلیل نہیں ہوسکتا، یہ تو اس دلیل میں ثبوتاً کلام ہے، اور دلالۃً یہ احتمال ہے کہ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں، **لا ربوا بین المسلم والحربی**، اس میں احتمال ہے کہ یہ نفی نہی کے لئے ہو، جیسا کہ قرآن مجید میں لارفث ولافسوق ولاجدال فی الحج، میں بعینہٖ یہی معنی ہیں، چونکہ حربی کے مال کے غیر معصوم ہونے سے شبہ اس کے جواز کا ہوسکتا تھا، حضور نے اس جواز کی نفی فرمادی ہو، چنانچہ خود کتب فقہیہ میں اس قسم کی عبارت اس معنیٰ میں وارد ہے، **ففی الدر المختار عقیب الروایات المذکورۃ فلوھاجر الینا ثم عاد الیھم فلاربوا اتفاقاً، جوھرہ فی ردالمحتار ای لایجوز الربوا معہ فھو نفی بمعنی النھی کمافی قولہ فلارفث ولافسوق فافھم**، جب ابو یوسف رحمہ اللہ کے اس قول کا قوی ہونا ثابت ہوگیا، تو اس پر عمل ہوگا (امداد الفتاویٰ، جلد سوم، صفحہ ۱۵۷، و ۱۵۸، کتاب الربوا)

اور امدادُ المفتین میں ہے کہ:

سود لینا کسی سے جائز نہیں، مسلمان ہو یا ہندو۔ احتیاطی فتویٰ یہی ہے، اگرچہ بعض علماء کا اس میں خلاف ہے، کیونکہ حدیث وقرآن میں اس کی وعیدیں اس قدر سخت آئی ہیں کہ سود کے شبہ سے بھی بچنا ضروری معلوم ہوتا ہے (امدادُ المفتین، صفحہ ۸۵۱، باب الربوا والقمار)

اور فتاویٰ عثمانی میں ہے کہ:

الربح او الفائدۃ التی تعطیھا البنوک الیوم داخلۃ فی الربا قطعاً، وقد افتی معظم الحنفیۃ بان الربا حرام فی دارالحرب ایضاً، وماذکرتم من المسئلۃ المذکورۃ فی الھدایۃ من انہ لاربا بین المسلم والحربی، فان ذلک قول مرجوح لم یاخذ بہ الفقھاء المحققون (فتاویٰ عثمانی، جلد سوم، صفحہ ۲۶۹، کتاب الربا والقمار والتأمین)

اور بحوث فی قضایا فقہیہ معاصرہ میں ہے کہ:

أما البنوک التی یملکھا غیر المسلمین فی البلاد غیر المسلمۃ فقد ذھب العلماء المعاصرین إلی جواز الإیداع فیھا والانتفاع بالفوائد الحاصلۃ منھا علی أساس قول الإمام أبی حنیفۃ رحمہ اللہ من أنہ یجوز أخذ مال الحربی برضاہ وأنہ لا ربا بین المسلم والحربی .وإن ھذا القول لم یقبلہ جمھور الفقھاء حتی إنہ لم یفت بہ الفقھاء المتأخرون منھم الحنفیۃ .وبما أن حرمۃ الربا منصوص علیھا بنص قطعی یؤذن بحرب من اللہ ورسولہ لمن لا یترکہ، فلا ینبغی فی عموم الأحوال أن یدخل المسلم فی معاملۃ الربا، وإن کانت مع الحربیین.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مقام حاصل نہیں۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ولكن هناك نقطة جديرة بالتأمل .وهى أن البلاد الغربية قد سيطرت اليوم على عامة بلاد المسلمين، وإن من أهم عوامل غلبتهم ما غصبوا من الأموال الجمة من بلاد المسلمين، أو أخذوها عن طريق الربا على القروض التى استقرضها منهم تلك البلاد. وفى جانب آخر، إن هذه البلاد تحوز كميات هائلة من أموال المسلمين التى أودعها المسلمين فى بنوكهم، ينتفعون بها لصالحهم، بل يستخدمونها لإنجاز خططهم السياسية والحربية ضد المسلمين، فلو ترك المسلمون فوائد أموالهم فى تلك البنوك، فإن ذلك تقوية لهم .وإن هذه الظروف قد تجعلنى أميل إلى القول بأن المسلمين يجوز لهم أن يأخذوا فوائد ودائعهم، ولكن لا ينبغى أن يصرفوا مبالغ الفائدة فى حاجاتهم، بل ينبغى أن يصرفوها فى وجوه البر، فإن ذلك يقلل من الأضرار التى يعانيها المسلمون بإيداع أموالهم عندهم (بحوث فى قضايا فقهية معاصرة لتقى العثمانى، ج ۱، ص ۳۵۹، وص ۳۶۰، أحكام الودائع المصرفية)

اس آخری عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض حضرات کا رُجحان اس طرف ہے کہ دارُ الحرب میں قائم غیرمسلموں کے بینکوں میں اپنی جمع شُدہ رقم پر لگے ہوئے سود کو نکال کر اپنی ذات پر خرچ کرنے کے بجائے خیر کے کاموں میں خرچ کرنا جائز ہے، تاکہ اس رقم کو غیرمسلم کسی غلط کام میں استعمال نہ کریں۔

۱؎ امام شافعی رحمہ اللہ نے اہلِ حرب اور اہلِ اسلام کے درمیان ربا نہ ہونے کی حدیث کو غیر ثابت قرار دیا ہے۔

أخبرنا أبو عبد الله، وأبو سعيد قالا :حدثنا أبو العباس، أخبرنا الربيع، أخبرنا الشافعى، قال الأوزاعى :الربا عليه حرام فى دار الحرب وغيرها؛ لأن رسول الله صلى الله عليه وسلم قد وضع من ربا الجاهلية ما أدركه الإسلام من ذلك، فكان أول ربا وضعه ربا العباس بن عبد المطلب ، فكيف يستحل المسلم أكل الربا فى قوم قد حرم عليه دماؤهم وأموالهم، وقد كان المسلم يبايع الكافر فى عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا يستحل ذلك.

وقال أبو يوسف :القول ما قال الأوزاعى.

وإنما أحل أبو حنيفة هذا لأن بعض المشيخة حدثنا عن مكحول، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال :لا ربا بين أهل الحرب، أظنه قال :وأهل الإسلام.

قال الشافعى :القول كما قال الأوزاعى وأبو يوسف، وما احتج به أبو يوسف لأبى حنيفة ليس بثابت، فلا حجة فيه (معرفة السنن والآثار، بيع الدرهم بالدرهمين فى أرض الحرب)

اور ابو بکر جصاص نے فرمایا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مکہ میں قمار کا معاملہ اس کی حرمت کے نزول سے پہلے کا ہے، جو بعد میں منسوخ ہوگیا، لہٰذا اس سے دارالحرب میں قمار وغیرہ کے جواز پر استدلال تام نہ رہا۔

وروى حماد بن سلمة عن قتادة عن حلاس أن رجلا قال لرجل إن أكلت كذا وكذا بيضة فلك كذا وكذا فارتفعا إلى على فقال هذا قمار ولم يجزه ولا خلاف بين أهل العلم فى تحريم القمار وأن المخاطرة من القمار قال ابن عباس إن المخاطرة قمار

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ورنہ تو کافروں کے ملک میں باہمی رضامندی سے بہت سے عقودِ باطلہ وفاسدہ بھی جائز ہونے چاہئیں، جس سے کئی محرَّمات کا چوپٹ دروازہ کُھل جاتا ہے۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ وإن أهل الجاهلية كانوا يخاطرون على المال والزوجة وقد كان ذلك مباحا إلى أن ورد تحريمه وقد خاطر أبو بكر الصديق المشركين حين نزلت الم غلبت الروم وقال له النبي صلى الله عليه وسلم زد في الخطر وأبعد في الأجل ثم حظر ذلك ونسخ بتحريم القمار (احكام القرآن للجصاص، ج۲، ص ۱۱، سورة البقرة، تحت رقم الآية ۲۱۹)

(ويحرم ربا بدار حرب، ولو بين مسلم وحربي) ، كما يحرم في دار الإسلام، ولو لم يكن بينهما أمان على الصحيح من المذهب .وعليه أكثر الأصحاب، وقطع به كثير منهم، ونص الإمام أحمد، لعموم قوله تعالى :(وحرم الربا) (البقرة۲۷۵) ، وعموم السنة، ولأن دار الحرب، كدار البغي في أنه لا يد للإمام عليهما، وحديث مكحول مرفوعا :لا ربا بين المسلم وأهل الحرب رد بأنه خبر مجهول، لا يترك له تحريم ما دل عليه القرآن والسنة الصحيحة (مطالب اولى النهى، ج۳، ص ۱۸۹، باب الربا والصرف، تتمة يحصل التعيين بالإشارة)

۱؎ فصل :فإذا تقرر أن الربا حرام ، فلا فرق في تحريمه بين دار الإسلام ودار الحرب .فكل عقد كان ربا حراما بين مسلمين في دار الإسلام ، كان ربا حراما بين مسلم وحربي في دار الحرب سواء دخل المسلم إليها بأمان أو بغير أمان .وقال أبو حنيفة :لا يحرم الربا على المسلم من الحربي في دار الحرب ، سواء دخل بأمان أو بغير أمان .احتجاجا بحديث مكحول أن النبي -صلى الله عليه وسلم -قال " :لا ربا بين مسلم وحربي في دار الحرب : "ولأن أموال أهل الحرب مباحة للمسلم بغير عقد ، فكان أولى أن يستبيحها بعقد .والدلالة على أن الربا في دار الحرب حرام كتحريمه في دار الإسلام ، عموم ما ذكرنا من الكتاب والسنة .ثم من طريق المعنى والعبرة :أن كل ما كان حراما في دار الإسلام كان حراما في دار الشرك ، كسائر الفواحش والمعاصي :ولأن كل عقد حرم بين المسلم والذمي ، حرم بين المسلم والحربي كدار الإسلام :ولأنه عقد فاسد فوجب ألا يستباح به المعقود عليه كالنكاح .فأما احتجاجه بحديث مكحول فهو مرسل ، والمراسيل عندنا ليست حجة .فلو سلم لهم لكان قوله -صلى الله عليه وسلم " -لا ربا "يحتمل أن يكون نفيا لتحريم الربا ، ويحتمل أن يكون نفيا لجواز الربا ، فلم يكن لهم حمله على نفي التحريم إلا ولنا حمله على نفي الجواز ، ثم حملنا أولى لمعاضدة العموم له ، وأما احتجاجه بأن أموالهم يجوز استباحتها بغير عقد فكان أولى أن تستباح بعقد ، فلا نسلم إذا كانت المسألة مفروضة في دخوله إليهم بأمان :لأن أموالهم لا تستباح بغير عقد فكذا لا يستبيحها بعقد فاسد . ولو فرضت المسألة مع ارتفاع الأمان لما صح الاستدلال من وجه آخر ، وهو أن الحربي إذا دخل دار الإسلام جاز استباحة ماله بغير عقد ، ولا يجوز استباحته بعقد فاسد .ثم نقول :ليس كل ما استبيح منهم بغير عقد جاز أن يستباح منهم بالعقد الفاسد .ألا ترى أن الفروج يجوز استباحتها منهم بالفيء من غير عقد ، ولا يجوز استباحتها بعقد فاسد ، فكذا الأموال وإن جاز أن تستباح منهم بغير عقد لم يجز أن تستباح بالعقد الفاسد .والله أعلم (الحاوى في فقه الشافعي للماوردى، ج۵، ص۷۵، باب الربا وما لا يجوز بعضه ببعض متفاضلا ولا مؤجلا والصرف)

یہاں تک کہ نکاحِ فاسد کے ذریعہ سے بھی حلّت ثابت ہونی چاہئے، جس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ ۱؎

۱؎ (فرع)يستوى فى تحريم الربا الرجل والمرأة والعبد والمكاتب بالإجماع ولا فرق فى تحريمه بين دار الإسلام ودار الحرب فما كان حراما فى دار الإسلام كان حراما فى دار الحرب سواء جرى بين مسلمين أو مسلم وحربى سواء دخلها المسلم بأمان أم بغيره هذا مذهبنا وبه قال مالک وأحمد وأبو يوسف والجمهور

وقال أبو حنيفة لا يحرم الربا فى دار الحرب بين المسلم وأهل الحرب ولا بين مسلمين لم يهاجرا منها وإذا باع مسلم لحربى فى دار الحرب درهما بدرهمين أو أسلم رجلان فيها ولم يهاجرا فتبايعا درهما بدرهين جاز واحتج له بما روى عن مكحول عن النبى صلى الله عليه وسلم قال (لا ربا بين مسلم وحربى فى دار الحرب) ولأن أموال أهل الحرب مباحة بغير عقد فالعقد الفاسد أولى، واحتج أصحابنا بعموم القرآن والسنة فى تحريم الربا من غير فرق ولأن ما كان ربا فى دار الإسلام كان ربا محرما فى دار الحرب كما لو تبايعه مسلمان مهاجران وكما لو تبايعه مسلم وحربى فى دار الإسلام ولأن ما حرم فى دار الإسلام حرم هناک كالخمر وسائر المعاصى ولأنه عقد على ما لا يجوز فى دار الإسلام فلم يصح كالنكاح الفاسد هناک.

(والجواب) عن حديث مكحول أنه مرسل ضعيف فلا حجة فيه ولو صح لتأولناه على أن معناه لا يباح الربا فى دار الحرب جمعا بين الأدلة (وأما) قولهم إن أموال الحربى مباحة بلا عقد فلا نسلم هذه الدعوى إن دخلها المسلم بأمان فإن دخلها بغير أمان فالعلة منتقضة كما إذا دخل الحربى دار الإسلام فبايعه المسلم فيها درهما بدرهمين وأنه لا يلزم من كون أموالهم تباح بالاغتنام استباحتها بالعقد الفاسد ولهذا تباح ابضاع نسائهم بالسبى دون العقد الفاسد (المجموع شرح المهذب، ج۹، ص ۳۹۱، وص ۳۹۲، كتاب البيوع، باب الربوا)

قوله :ويحرم الربا بين المسلم والحربى تحريم الربا ثابت بالكتاب والسنة وإجماع المسلمين، وهذا من حيث الجملة إذ إن العلماء يختلفون فى بعض المسائل اختلافاً كثيراً، أما الكتاب فنص صريح فى قول الله تعالى :((وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا)) (البقرة:275) ، وأما السنة فقد ثبت عن النبى صلّى الله عليه وسلّم أنه :لعن آكل الربا وموكله وشاهديه وكاتبه ، وهذا يقتضى أن يكون الربا من كبائر الذنوب، وأما الإجماع فلم يختلف المسلمون فى أن الربا محرم وإن اختلفوا فى بعض المسائل، مثل اختلافهم فى علة الربا وهل يتعدى الحكم إلى غير المنصوص عليه أو لا؟ وكما مر علينا فيما سبق أن هناک اختلافاً، لكن فى الجملة هم مجمعون على تحريم الربا، كما نقول مثلاً :إن العلماء مجمعون على وجوب الزكاة وإن كانوا مختلفين فى بعض الأشياء هل فيها زكاة أو ليس فيها .وقوله :يحرم الربا بين المسلم والحربى كما يحرم بين المسلمين، والحربى مباح الدم والمال بالنسبة لنا، فماله حلال لو أخذناه قهراً فهو لنا، لكن عند المعاملة تُجرى المعاملة على ما تقتضيه الشريعة، ثم إن الحربى إذا عاقدت معه فإن العقد نوع من العهد، وقد قال الله :

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

علاوہ ازیں جواز کے قول میں اور بھی مفاسِد ہیں، مثلاً غیر مسلموں کی طرف سے تہمت کہ مسلمان اپنے لئے ایک قطعی حرام کو بھی حلال کر لیتے ہیں، اور اس کی وجہ سے عوام کے دلوں سے سود کی شدت کم ہوتی ہے، اور پھر یہ متفق علیہ حرام صورتوں کی طرف متعدی ہوتی ہے، جبکہ بہت سی چیزیں شریعت کی طرف سے سداً للفتنہ بھی ممنوع ہوا کرتی ہیں، اور حلال وحرام کے دلائل میں تعارض کے وقت حنفیہ کے نزدیک حرمت کو ترجیح ہوا کرتی ہے، اور یہاں دلائل میں تعارض کے بجائے پہلے سے حرمت کے دلائل قوی ہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

((يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ)) (المائدة1 :) ، وقال :((وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْؤُولاً)) (الإسراء 34 :) ، والربا في الشريعة محرم، والنصوص عامة، فيحرم الربا بين المسلم والحربى، فلو أن إنساناً وجد حربياً، ومعه مال وليس بقادر على أخذه منه قهراً، فقال :أنا أريد أن أشترى منک مائة دينار بخمسين ديناراً فإن ذلک لا يجوز، أو مائة صاع برّ جيد بخمسين صاعاً رديئاً مثلاً أو بالعكس فإنه حرام؛ لأنه متى جرى الأمر بصورة العقد وجب أن يطبق على ما تقتضيه الشريعة.

وقال بعض العلماء :إنه لا يحرم الربا بين المسلم والحربى وأنه يجوز لک أن تتعامل مع الحربى بالربا؛ لأن ماله مباح كما أن دمه مباح، ولكن هذا قياس فى مقابلة النص فيكون فاسد الاعتبار.

وبين المسلم والذمى من باب أولى أن يكون الربا جارياً؛ لأن مال الذمى محترم . قوله :وبين المسلمين مطلقاً أى :يحرم ـ أيضاً ـ الربا بين المسلمين مطلقاً، وهذا الإطلاق فسره: بقوله :بدار إسلام وحرب بدار إسلام كالبلاد الإسلامية، ودار حرب كالبلاد الحربية إذا دخلها المسلم بأمان وتبايع مع حربى، أو مع مسلم فإنه يحرم الربا؛ وذلک لعموم الأدلة . ومن العلماء من اعتبر الدار، وقال :إن الدار إذا كانت دار حرب فلا ربا فيها بين المسلمين وأهل الحرب، وهذا أبعد من القول الأول؛ لأن دار الحرب لا تغير الحكم، والنصوص عامة، والعقود يجب أن تجرى على ما تقتضيه الشريعة(الشرح الممتع على زاد المستقنع، ج۸، ص۱۱۵، باب الربا والصرف)

(فصل نمبر۴)

عملی وقولی جہاد کی فضیلت واہمیت اور جہاد کی صورتیں

عربی میں جہاد کا لفظ جہد سے نکلا ہے، جس کے معنیٰ طاقت اور مشقت اور کوشش کے آتے ہیں۔

اور اصطلاح میں جہاد کے ایک معنیٰ ایسے کافروں سے کہ جن سے عہد معاہدہ اور مسالمت و مصالحت نہ ہو، اُن کو اسلام کی دعوت دینے اور اُن کے انکار کرنے کے بعد اللہ کا نام بلند کرنے کے لئے قتال کرنے کے آتے ہیں۔ [1]

---

[1] الجهاد مصدر جاهد، وهو من الجهد -بفتح الجيم وضمها -أى الطاقة والمشقة، وقيل: الجهد -بفتح الجيم -هو المشقة، وبالضم الطاقة.

والجهاد القتال مع العدو كالمجاهدة، قال تعالى :(وجاهدوا فى الله حق جهاده) .وفى الحديث الشريف :لا هجرة بعد الفتح، ولكن جهاد ونية .يقال :جاهد العدو مجاهدة وجهادا إذا قاتله.

وحقيقة الجهاد كما قال الراغب :المبالغة واستفراغ الوسع فى مدافعة العدو باليد أو اللسان .أو ما أطاق من شىء ، وهو ثلاثة أضرب :مجاهدة العدو الظاهر، والشيطان، والنفس .وتدخل الثلاثة فى قوله تعالى :(وجاهدوا فى الله حق جهاده).

وقال ابن تيمية :الجهاد إما أن يكون بالقلب كالعزم عليه، أو بالدعوة إلى الإسلام وشرائعه، أو بإقامة الحجة على المبطل، أو ببيان الحق وإزالة الشبهة، أو بالرأى والتدبير فيما فيه نفع المسلمين، أو بالقتال بنفسه .فيجب الجهاد بغاية ما يمكنه .قال البهوتى :ومنه هجو الكفار .كما كان حسان رضى الله عنه يهجو أعداء النبى صلى الله عليه وسلم.

والجهاد اصطلاحا :قتال مسلم كافرا غير ذى عهد بعد دعوته للإسلام وإبائه، إعلاء لكلمة الله.

الألفاظ ذات الصلة:

أ -السير:السير جمع سيرة وهى فعلة بكسر الفاء من السير .وقد غلبت فى لسان الفقهاء على الطرائق المأمور بها فى غزو الكفار، وما يتعلق بها، كغلبة لفظ (المناسک) على أمور الحج.

وقد سميت المغازى سيرا؛ لأن أول أمورها السير إلى العدو، والمراد بها سير الإمام ومعاملاته مع الغزاة، والأنصار، ومنع العداة والكفار.

ب -الغزو:الغزو معناه الطلب، يقال :ما مغزاک من هذا الأمر أى ما مطلبک، وسمى الغازى،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور ایسے کافروں کو حربی کہا جاتا ہے، جو غیر مسلم ہونے کے ساتھ کافروں کے ملک کے باشندے ہوں۔ ؎۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

غازيا لطلبه الغزو.
ويعرف كتاب الجهاد فى غير كتب الفقه بكتاب المغازى، وهو أيضا أعم؛ لأنه جمع مغزاة مصدر لغزا، إنزالا على الوحدة، والقياس غزو، وغزوة للوحدة، كضربة وضرب، وهم قصد العدو للقتال، خص فى عرف الشارع بقتال الكفار.
ج -الرباط:الرباط هو الإقامة فى مكان ليس وراء ه إسلام، ويتوقع هجوم العدو منه لقصد دفعه لله تعالى .والرباط تأهب للجهاد، والأحاديث فى فضله كثيرة منها :ما فى صحيح مسلم من حديث سلمان رضى الله عنه قال :سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول :رباط يوم وليلة خير من صيام شهر وقيامه، وإن مات جرى عليه عمله الذى كان يعمله، وأجرى عليه رزقه، وأمن الفتان (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱٦ ص ۱۲۴،۱۲۵ ، مادة " جهاد "، التعريف)
؎۱ الحربيون هم الكفار الذين يقيمون ببلاد الكفر، ولا صلح لهم مع المسلمين .فهؤلاء هم الذين يحاربون باتفاق الفقهاء ، لقوله تعالى :(وقاتلوهم حتى لا تكون فتنة ويكون الدين كله لله) .وشرط محاربتهم بلوغ الدعوة إليهم فلا تجوز محاربتهم قبل ذلك، وهو أمر أجمع عليه المسلمون، لقوله تعالى :(وما كنا معذبين حتى نبعث رسولا)
ولكن هل يجب تكرار دعوتهم إذا تكررت محاربتهم؟ فالجمهور على أنه لا يجب تكرار دعوتهم، بل يستحب.
قال الكاسانى :وأما بيان ما يجب على الغزاة الافتتاح به حالة الوقعة ولقاء العدو، فإن الأمر فيه لا يخلو من أحد وجهين :إما أن تكون الدعوة قد بلغتهم، وإما أن تكون لم تبلغهم، فإن كانت الدعوة لم تبلغهم فعليهم الافتتاح بالدعوة إلى الإسلام باللسان، لقول الله تبارك وتعالى :(ادع إلى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتى هى أحسن) ولا يجوز لهم القتال قبل الدعوة، لأن الإيمان وإن وجب عليهم قبل بلوغ الدعوة بمجرد العقل، فاستحقوا القتل بالامتناع، لكن الله تبارك وتعالى حرم قتالهم قبل بعث الرسول عليه الصلاة والسلام، وبلوغ الدعوة إياهم فضلا منه ومنة، قطعا لمعذرتهم بالكلية، وإن كان لا عذر لهم فى الحقيقة، لما أقام سبحانه وتعالى من الدلائل العقلية التى لو تأملوها حق التأمل ونظروا فيها لعرفوا حق الله تبارك وتعالى عليهم، لكن تفضل عليهم بإرسال الرسل صلوات الله وسلامه عليهم أجمعين، لئلا يبقى لهم شبهة عذر فيقولون :(ربنا لولا أرسلت إلينا رسولا فنتبع آياتك) وإن لم يكن لهم أن يقولوا ذلك فى الحقيقة لما بينا، ولأن القتال ما فرض لعينه، بل للدعوة إلى الإسلام.
والدعوة دعوتان :دعوة بالبنان وهى القتال،ودعوة بالبيان وهى اللسان، وذلك بالتبليغ، والثانية أهون من الأولى، لأن فى القتال مخاطرة الروح والنفس والمال، وليس فى دعوة التبليغ شىء من ذلك، فإذا احتمل حصول المقصود بأهون الدعوتين لزم الافتتاح بها، هذا إذا كانت الدعوة لم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اور کفر وشرک بلکہ گناہوں کے خلاف جہاد جس طرح اسلحہ کے ذریعہ سے ہوتا ہے، اسی طرح زبان کے ذریعہ سے بھی ہوتا ہے، بلکہ اپنے اعمال اور اخلاقی کردار کے ذریعہ سے بھی ہوتا ہے۔

اور زبان کے ذریعہ سے جہاد کا مطلب یہ ہے کہ اسلام اور اس کے احکام کی حقانیت کو زبان سے دلائل اور براہین کے ساتھ واضح کیا جائے، جس میں سبّ وشتم اور استہزاء وغیرہ سے بچا جائے، اور قرآن وسنت کے طرز وطریقہ کو اپنایا جائے۔

اور اعمال واخلاق کے ذریعہ سے جہاد کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان اپنا کردار اور اخلاق قرآن و سنت کے مطابق اختیار کریں، تاکہ دوسرے لوگوں کو اسلام اور اس کے احکام کی طرف رغبت

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

تبلغهم .فإن كانت قد بلغتهم جاز لهم أن يفتتحوا القتال من غير تجديد الدعوة، لما بينا أن الحجة لازمة، والعذر فى الحقيقة منقطع، وشبهة العذر انقطعت بالتبليغ مرة، لكن مع هذا الأفضل ألا يفتتحوا القتال إلا بعد تجديد الدعوة لرجاء الإجابة فى الجملة، وقد روى أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يكن يقاتل الكفرة حتى يدعوهم إلى الإسلام .فيما كان دعاهم غير مرة .دل أن الافتتاح بتجديد الدعوة أفضل، ثم إذا دعوهم إلى الإسلام فإن أسلموا كفوا عنهم القتال، لقوله عليه الصلاة والسلام :أمرت أن أقاتل الناس حتى يقولوا لا إله إلا الله، فإذا قالوها عصموا منى دماء هم وأموالهم إلا بحقها وقوله عليه الصلاة والسلام من قال:لا إله إلا الله فقد عصم منى دمه وماله.

فإن أبوا الإجابة إلى الإسلام دعوهم إلى الذمة إلا مشركى العرب والمرتدين (لأنه لا يقبل منهم إلا الإسلام) فإن أجابوا كفوا عنهم، وإن أبوا استعانوا بالله سبحانه وتعالى على قتالهم.

وذهب المالكية فى المشهور إلى أنهم يدعون وجوبا سواء بلغتهم الدعوة أم لا، ما لم يعاجلونا بالقتال أو يكون الجيش قليلا، قالوا :ومن هذا القبيل كانت إغارة سراياه عليه الصلاة والسلام.

وللحنابلة تفصيل بينه ابن قدامة بقوله :أهل الكتاب والمجوس لا يدعون قبل القتال، لأن الدعوة قد انتشرت وعمت، فلم يبق منهم من لم تبلغه الدعوة إلا نادرا بعيدا .وأما عبدة الأوثان فإن من بلغته الدعوة منهم لا يدعون، وإن وجد منهم من لم تبلغه الدعوة دعى قبل القتال، قال أحمد :كان النبى صلى الله عليه وسلم يدعو إلى الإسلام قبل أن يحارب حتى أظهر الله الدين وعلا الإسلام، ولا أعرف اليوم أحدا يدعى، قد بلغت الدعوة كل أحد، فالروم قد بلغتهم الدعوة وعلموا ما يراد منهم، وإنما كانت الدعوة فى أول الإسلام، وإن دعا فلا بأس (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۵ص ۲۳۶ الى ۲۳۸، مادة " اعذار ")

www.idaraghufran.org

اور کشش ہو۔ [1]

اسی وجہ سے جہاد نفس وشیطان کے خلاف بھی ہوتا ہے،اور اسی لئے احادیث میں نفس کے خلاف جہاد کرنے والے کو بھی مجاہد قرار دیا گیا ہے۔

کفار کے ساتھ جہاد وقتال کے دلائل قرآن وسنت میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں،اور یہ ایک مستقل موضوع ہے، جس کی تفصیل کی اس وقت گنجائش نہیں، اس سلسلہ میں چند آیات واحادیث ذکر کی جاتی ہیں۔

قرآن مجید میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ (سورة المائدة، رقم الآية ۵۴)

ترجمہ: اے ایمان والو! جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے گا تو عنقریب

---

[1] وإنما يكون الجهاد باللسان بتبيان الحق بالحجة والبرهان لا بالشغب والهذيان والسب والشتم، والقرآن أبلغ فى حججه وبراهينه، ولهذا أمر الرسول صلى الله عليه وسلم أن يجاهد الكفار بالقرآن، قال تعالى: (وجاهدهم به جهادا كبيرا)

والجدال بالحق من النصيحة فى الدين، وفى قصة نوح عليه السلام قولهم له :(يا نوح قد جادلتنا فأكثرت جدالنا) فكان جوابه لهم قوله :(ولا ينفعكم نصحى إن أردت أن أنصح لكم إن كان الله يريد أن يغويكم)

وقال ابن القيم فى قصة وفد نصارى نجران وما اشتملت عليه من فوائد ما نصه:

ومنها :جواز مجادلة أهل الكتاب ومناظرتهم، بل استحباب ذلك، بل وجوبه إذا ظهرت مصلحته من إسلام من يرجى إسلامه منهم وإقامة الحجة عليهم، ولا يهرب من مجادلتهم إلا عاجز عن إقامة الحجة، فليؤد ذلك إلى أهله (أى القادرين عليه).

وقال الشوكانى عند تفسير قوله تعالى :(ما يجادل فى آيات الله إلا الذين كفروا) ، أى ما يخاصم فى دفع آيات الله وتكذيبها إلا الذين كفروا، والمراد :الجدال بالباطل، والقصد إلى دحض الحق، فأما الجدال لاستيضاح الحق، ورفع اللبس، وتمييز الراجح من المرجوح، ودفع ما يتعلق به المبطلون، فهو من أعظم ما يتقرب به المتقربون ، وبذلك أخذ الله الميثاق على الذين أوتوا الكتاب فقال :(وإذ أخذ الله ميثاق الذين أوتوا الكتاب لتبيننه للناس ولا تكتمونه) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵، ص۱۲۷، و۱۲۸، مادة "جدل"، أهمية الجدال بالحق)

اللہ ایسی قوم کو لائے گا کہ اللہ ان سے محبت رکھے گا، اور وہ اللہ سے محبت رکھیں گے، وہ مسلمانوں پر نرم دل ہوں گے، اور کافروں پر سخت ہوں گے، جو اللہ کے راستہ میں جہاد کریں گے، اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوف نہیں کریں گے (سورہ مائدہ)

اور سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ (سورة التوبة، رقم الآية ۷۳)

ترجمہ: اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کیجئے، اور ان پر سختی کیجئے، ان کا ٹھکانہ جہنم ہے، جو نہایت بُری جگہ ہے (سورہ توبہ)

اور سورہ تحریم میں بھی اسی طرح کا مضمون آیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے کہ:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ (سورة التحريم، رقم الآية ۹)

ترجمہ: اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کیجئے، اور ان پر سختی کیجئے، ان کا ٹھکانہ جہنم ہے، جو نہایت بُری جگہ ہے (سورہ تحریم)

اور ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتَابَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صَاغِرُوْنَ (سورة التوبة، رقم الآية ۲۹)

ترجمہ: قتال کرو ان لوگوں سے جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے، اور نہ آخرت کے دن پر، اور نہ اللہ اور اس کے رسول کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں، اور نہ دینِ حق کو سچا دین سمجھتے ہیں، ان لوگوں میں سے جو اہل کتاب ہیں یہاں تک کہ وہ

ذلیل ہوکر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں (سورہ توبہ)

جب مسلمان غالب ہوں، اور غیر مسلموں سے جزیہ کے بغیر صلح کرنے کی کوئی ضرورت ومصلحت نہ ہو، تو پھر جزیہ مقرر کرنا ضروری ہے، ورنہ جزیہ کے بغیر بھی مصالحت جائز ہے، جس کی تفصیل پہلے ذکر کی جاچکی ہے۔ [1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَغْزُ، وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهٖ نَفْسَهُ، مَاتَ عَلٰى شُعْبَةٍ مِّنْ نِفَاقٍ (مسلم، رقم الحديث ١٩١٠ "١٥٨")

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اس حال میں مَر گیا، کہ اُس نے (زندگی میں کبھی) نہ تو جہاد کیا، اور نہ اپنے آپ سے جہاد کی کوئی بات (یعنی

---

[1] وأما قول من قال إن ذلك منسوخ فإنما أراد أن معاهدة المشركين وموادعتهم منسوخة بقوله فاقتلوا المشركين حيث وجدتموهم فهو كما قال لأن الله أعز الإسلام وأهله فأمروا أن لا يقبلوا من مشركي العرب إلا الإسلام أو السيف لقوله تعالى فاقتلوا المشركين حيث وجدتموهم وخذوهم واحصروهم واقعدوا لهم كل مرصد فإن تابوا وأقاموا الصلاة وآتوا الزكاة فخلوا سبيلهم فهذا حكم ثابت في مشركي العرب فنسخ به الهدنة والصلح وإقرارهم على الكفر وأمرنا في أهل الكتاب بقتالهم حتى يسلموا أو يعطوا الجزية بقوله تعالى قاتلوا الذين لا يؤمنون بالله ولا باليوم الآخر -إلى قوله- حتى يعطوا الجزية عن يد وهم صاغرون فغير جائز للإمام أن يقر أحدا من أهل سائر الأديان على الكفر من غير جزية وأما مشركو العرب فقد كانوا أسلموا في زمن الصحابة ورجع من ارتد منهم إلى الإسلام بعد ما قتل من قتل منهم فهذا وجه صحيح في نسخ معاهدة أهل الكفر على غير جزية والدخول في الذمة على أن تجرى عليهم أحكامنا فكان ذلك حكما ثابتا بعد ما أعز الله الإسلام وأظهر أهله على سائر المشركين فاستغنوا بذلك عن العهد والصلح إلا أنه إن احتيج إلى ذلك في وقت لعجز المسلمين عن مقاومتهم أو خوف منهم على أنفسهم أو ذراريهم جاز لهم مهادنة العدو ومصالحته من غير جزية يؤدونها إليهم لأن حظر المعاهدة والصلح إنما كان بسبب قوتهم على العدو واستعلائهم عليهم وقد كانت الهدنة جائزة مباحة في أول الإسلام وإنما حظرت لحدوث هذا السبب فمتى زال السبب وعاد الأمر إلى الحال التي كان المسلمون عليها من خوفهم العدو على أنفسهم عاد الحكم الذي كان من جواز الهدنة وهذا نظير ما ذكرنا من نسخ (احكام القرآن للجصاص، سورة النساء، رقم الآية ٩٠)

دل میں ارادہ وخواہش) کی، تو وہ نفاق کے شعبہ پر مَرا (مسلم)

اس سے معلوم ہوا کہ اچھی موت اور نفاق سے پاک ہوکر مَرنے کے لئے ضروری ہے کہ یا تو عملی طور پر جہاد کرے، بشرطیکہ جہاد کی قدرت ہو، ورنہ پھر دل میں کم ازکم اُس کا ارادہ اور اس کی تمنا کرے، اور اسلامی ملکوں کی دشمنوں سے حفاظت اور دشمنوں کے خلاف جہاد کی تیاری کرنا بھی جہاد میں داخل ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔ ۱؎

جب اسلحہ کے ذریعہ سے جہاد کرنے کی استطاعت وقدرت نہ ہو، یا کسی مصلحت سے کفار ومشرکین سے مصالحت ومعاہدہ ہو، تو اس وقت دوسرے طریقوں سے جہاد کو جاری رکھنا چاہئے، جن میں بطورِ خاص اسلامی ملکوں کی دشمنوں سے حفاظت اور اپنے نفس کے خلاف جہاد اور کفروشرک کے خلاف زبان کا جہاد شامل ہے۔ ۲؎

۱؎ (وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم :-من مات ولم يغز) : وفي نسخة بإثبات الواو وهو لغة ضعيفة (ولم يحدث) : بالتشديد ;أي :لم يكلم (به) : أي :بالغزو (نفسه) : بالنصب على أنه مفعول به، أو بنزع الخافض ;أي :في نفسه، وفي نسخة بالرفع على أنه فاعل، والمعنى لم يعزم على الجهاد ولم يقل :يا ليتني كنت مجاهدا، وقيل ولم يرد الخروج، وعلامته في الظاهر إعداد آلته .قال تعالى :(ولو أرادوا الخروج لأعدوا له عدة) (التوبة: 46) ويؤيده قوله :(مات على شعبة من نفاق) : أي :نوع من أنواع النفاق ;أي :من مات على هذا فقد أشبه المنافقين والمتخلفين عن الجهاد، ومن تشبه بقوم فهو منهم، وقيل :هذا كان مخصوصا بزمانه -صلى الله عليه وسلم -والأظهر أنه عام ويجب على كل مؤمن أن ينوي الجهاد إما بطريق فرض الكفاية، أو على سبيل فرض العين، إذا كان النفير عاما، ويستدل بظاهره لمن قال :الجهاد فرض عين مطلقا .وفي شرح مسلم للنووي، قال عبد الله بن المبارك :نرى أن ذلک على عهد رسول الله -صلى الله عليه وسلم -قال :وهذا الذي قاله ابن المبارک محتمل، وقد قال غيره إنه عام .والمراد أن من فعل فقد أشبه المنافقين المتخلفين عن الجهاد في هذا الوصف، فإن ترک الجهاد أحد شعب النفاق، وفيه أن من نوى فعل عبادة فمات قبل فعلها لا يتوجه عليه من الذم ما يتوجه على من مات ولم ينوها، وقد اختلفت أصحابنا فيمن تمكن من الصلاة في أول وقتها فأخرها بنية أن يفعلها ومات، أو أخر الحج كذلک، قيل :يأثم فيهما، وقيل لا يأثم فيهما، وقيل :يأثم في الحج دون الصلاة اه .والأخير موافق لمذهبنا(مرقاة المفاتيح ،كتاب الجهاد)

۲؎ من المعلوم أن ما أمر به المسلم من الأحكام منوط بالاستطاعة؛ حتى ما كان من أركان الإسلام، قال تعالى :(ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلاً) (آل عمران: ۹۷) وهذا من الوضوح بمكان فلا يحتاج إلى تفصيل. ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا (سورة الفرقان، رقم الآية ۵۲)

ترجمہ: پس آپ کافروں کا کہنا نہ مانیں اور قرآن کے ذریعے ان سے بڑا جہاد کریں (سورہ فرقان)

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

والذى يحتاج إلى التفصيل؛ إنما هو التذكير بحقيقتين اثنتين:
الأولى :أن قتال أعداء الله -من أى نوع كان -يتطلب تربية النفس على الخضوع لأحكام الله واتباعها؛ كما قال -صلى الله عليه وسلم :-
"المجاهد من جاهد نفسه فى طاعة الله"
والأخرى :أن ذلک يتطلب الإعداد المادى والسلاح الحربى؛ الذى ينكأُ أعداء الله؛ فإن الله أمر به أمير المؤمنين فقال :(وأعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم) (الأنفال :۶۰) . والإخلال بذلک مع الاستطاعة؛ إنما هو من صفات المنافقين، ولذلک قال فيهم رب العالمين :(ولو أرادوا الخروج لأعدوا له عُدَّةً) (التوبة:۴۶).
وأنا اعتقد جازماً أن هذا الإعداد المادى لا يستطيع اليوم القيام به جماعة من المؤمنين دون علم من حكامهم -كما هو معلوم -، وعليه؛ فقتال أعداء الله من جماعة ما سابق لأوانه، كما كان الأمر فى العهد المكى، ولذلک؛ لم يؤمروا به إلا فى العهد المدنى؛ وهذا هو مقتضى النص الربانى :(لا يكلف الله نفساً إلا وسعها) (البقرة: ۲۸۶).
وعليه؛ فإنى أنصح الشباب المتحمس للجهاد، والمخلص حقاً لرب العباد :أن يلتفتوا لإصلاح الداخل، وتأجيل الاهتمام بالخارج الذى لا حيلة فيه، وهذا يتطلب عملاً دؤوباً، وزمنا طويلاً؛ لتحقيق ما أسميه بـ(التصفية والتربية) ؛ فإن القيام بهذا لا ينهض به إلا جماعة من العلماء الأصفياء ، والمربين الأتقياء ، فما أقلهم فى هذا الزمان، وبخاصة فى الجماعات التى تخرج على الحكام!
وقد ينكر بعضهم ضرورة هذه التصفية، كما هو واقع بعض الأحزاب الإسلامية، وقد يزعم بعضهم أنه قد انتهى دورها، فانحرفوا إلى العمل السياسى أو الجهاد، وأعرضوا عن الاهتمام بالتصفية والتربية، وكلهم واهمون فى ذلک، فكم من مخالفات شرعية تقع منهم جميعاً بسبب الإخلال بواجب التصفية، وركونهم إلى التقليد والتلفيق، الذى به يستحلون كثيراً مما حرم الله !وهذا هو المثال :الخروج على الحكام؛ ولو لم يصدر منهم الكفر البواح.
وختاماً أقول :نحن لا ننكر أن يكون هناک بعض الحكام يجب الخروج عليهم؛ كذاک الذى كان أنكر شرعية صيام رمضان، والأضاحى فى عيد الأضحى، وغير ذلک مما هو معلوم من الدين بالضرورة، فهؤلاء يجب قتالهم بنص الحديث، ولكن بشرط الاستطاعة كما تقدم(سلسلة الاحاديث الصحيحة للالبانى، ج۷ص ۱۲۴۱ الىٰ ۱۲۴۳، تحت رقم الحديث ۳۴۱۸)

اس سے معلوم ہوا کہ کفار ومشرکین کے ساتھ قرآن کے ذریعہ سے بھی جہاد ہوتا ہے، بلکہ بڑا جہاد ہوتا ہے۔ [1]

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعۡتُ رَسُوۡلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ يَقُوۡلُ: اَلۡمُجَاهِدُ مَنۡ جَاهَدَ نَفۡسَهٗ (ترمذی) [2]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ مجاہد وہ ہے جس نے اپنے نفس کے ساتھ جہاد کیا (ترمذی)

اور ایک روایت میں ہے کہ:

سَمِعۡتُ رَسُوۡلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ يَقُوۡلُ: اَلۡمُجَاهِدُ مَنۡ جَاهَدَ نَفۡسَهٗ فِيۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ (مسند احمد، رقم الحدیث ۲۳۹۶۵) [3]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ مجاہد وہ ہے جس نے اللہ کے راستہ (یعنی اللہ کے احکام پورا کرنے) میں اپنے نفس سے جہاد کیا (مسند احمد)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جہاد اپنے نفس کے خلاف بھی ہوتا ہے، اور نفس کے خلاف جہاد کے اللہ کے راستہ میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے احکام کی اطاعت کرنے اور گناہوں سے بچنے میں نفس کا مقابلہ کیا جائے۔

اس حیثیت سے جہاد کا مفہوم بڑا وسیع ہے، اور نفس سے جہاد کرنے میں کافروں کے خلاف مسلّح جہاد کرنا بھی داخل ہے، کیونکہ اُس میں بھی اللہ کے راستہ میں نفس کا مقابلہ کیا جاتا ہے،

---

[1] (فلا تطعِ الكافرين) في هواهم (وجاهدهم به) أى القرآن (جهادا كبيرا) (تفسير الجلالين، سورة الفرقان، تحت رقم الآية ۵۲)

[2] رقم الحديث ۱۶۲۱، باب ما جاء فى فضل من مات مرابطا.

قال الترمذى: وفى الباب عن عقبة بن عامر، وجابر وحديث فضالة حديث حسن صحيح.

[3] فى حاشية مسند احمد: إسناده صحيح.

www.idaraghufran.org

اوراللہ کا حکم پورا کیا جاتا ہے۔ [1]

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

إِنَّ الْمُؤْمِنَ يُجَاهِدُ بِسَيْفِهِ وَلِسَانِهِ (مسند احمد، رقم الحديث ۱۵۷۸۵) [2]

ترجمہ: بے شک مؤمن اپنی تلوار سے بھی جہاد کرتا ہے، اور اپنی زبان سے بھی جہاد کرتا ہے (مسند احمد)

اس سے معلوم ہوا کہ کفار ومشرکین کے ساتھ جہاد اسلحہ وتلوار کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ وہ جس طرح سے ضرورت پڑنے پر اسلحہ اور تلوار سے ہوتا ہے، اسی طرح سے زبان سے بھی ہوتا ہے۔ [3]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: جَاهِدُوا الْمُشْرِكِيْنَ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ وَأَلْسِنَتِكُمْ (سنن ابی داؤد) [4]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مشرکین سے اپنے مالوں اور اپنی جانوں

---

[1] (المجاهد من جاهد نفسه) زاد فی رواية فی الله أی فهو نفسه الأمارة بالسوء علی ما فيه رضا الله من فعل الطاعات وتجنب المخالفات وجهادها أصل جهاد العدو الخارج فإنه ما لم يجاهد نفسه لتفعل ما أمرت به وتترک ما نهيت عنه لم يمكنه جهاد العدو الخارج وكيف يمكنه جهاد عدوه وعدوه الذی بين جنبيه قاهر له متسلط عليه؟ وما لم يجاهد نفسه علی الخروج لعدوه لا يمكنه الخروج (فيض القدير، تحت رقم الحديث ۹۱۷۵)

[2] فی حاشية مسند احمد: إسناده صحيح علی شرط الشيخين.

[3] (إن المؤمن يجاهد بسيفه) الكفار (ولسانه) الكفار وغيرهم من الملحدين والفرق الزائغة بإقامة الحجة ونصب البراهين وغير ذلک أو أراد بالجهاد باللسان هجو الكفر وأهله وهذا إلی ظاهر الأخبار أقرب ومقصود الحديث أن المؤمن شأنه ذلک فلا ينبغی أن يقتصر علی جهاد أعداء الله بالسنان بل يضم إليه الجهاد باللسان

(حم طب عن كعب بن مالک) قال لما نزلت (والشعراء يتبعهم الغاوون) أتيت رسول الله صلی الله عليه وسلم فقلت ما تری فی الشعر فذكره قال الهيثمی رواه أحمد بأسانيد رجال أحدها رجال الصحيح (فيض القدير شرح الجامع الصغير، تحت رقم الحديث ۲۱۰۴)

[4] رقم الحديث ۲۵۰۴، نسائی، رقم الحديث ۳۰۹۶، مسند احمد، رقم الحديث ۱۲۲۴۶.
فی حاشية مسند احمد: إسناده صحيح علی شرط مسلم.

اور اپنی زبانوں کے ذریعہ سے جہاد کرو (ابوداؤد، نسائی، مسند احمد)

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ مشرکوں اور غیر مسلموں سے جان، مال کے علاوہ زبان سے بھی جہاد کا حکم ہے، خاص طور پر جبکہ کسی غیر مسلم یا غیر مسلموں سے جنگ بندی وغیرہ کا معاہدہ ہو، اس وقت ان سے زبان کے ذریعہ سے جہاد کیا جائے گا، یعنی اسلام کی حقانیت کو بیان کیا جائے گا، اور کفریہ شکوک وشبہات کے مدلل ومعقول جواب دیئے جائیں گے۔

اسی سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر کسی وقت دنیا کے کفار ومشرکین سے بڑی تعداد میں مسلمانوں کی مصالحت ومعاہدہ ہو جائے، تب بھی زبانی وتحریری جہاد تا قیامت جاری رہے گا۔

اور جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا کہ کفار ومشرکین سے زبانی وقلمی جہاد سنجیدہ انداز سے کیا جائے گا، جس میں سبّ وشتم اور بدزبانی وبدکلامی سے گریز کیا جائے گا، اور دینِ اسلام کی حقانیت کو اس انداز میں پیش کیا جائے گا کہ جس سے کفار ومشرکین پر اسلام کی حقانیت ظاہر ہو جائے، اور ان کے لئے کوئی حجت نہ رہے۔

آج اسلام کے بارے میں جو مختلف شکوک وشبہات پیش کئے جاتے ہیں، ان میں بڑا حصہ مسلمانوں کے کردار کا ہے کہ عام طور پر مسلمانوں کا اپنے مذہب کی تعلیمات پر عمل نہیں، جس کی وجہ بہت سے کفار ومشرکین ان حرکات کو اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں، اس سلسلہ میں اسلام کی اصل تعلیمات کو اجاگر کرنا چاہئے، اور مسلمانوں کو بھی ان کی طرف متوجہ کرنا چاہئے۔

اور کفار ومشرکین کی طرف سے بعض شکوک وشبہات وہ ہیں جو اسلام کی تعلیمات اور اسلام کے احکام پر کئے جاتے ہیں، مثلاً بعض احکام کو شدت اور انتہاء پسندی پر مبنی قرار دیا جاتا ہے، اہلِ علم حضرات کو ان پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے، اور ان شکوک وشبہات کو اچھی طرح سن کر ان کے شافی اور معقول، مگر سنجیدہ اور مہذب جواب دینے چاہئیں، اور اگر کچھ احکام ایسے

ہوں کہ ان میں واقعی شریعت نے لچک رکھی ہو، تو اس کو بھی ٹھنڈے دل سے قبول کرنا چاہئے، اور صرف کافروں وغیر مسلموں کی طرف سے ہونے کی وجہ سے کسی شبہ کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ ۱

گزشتہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ جہاد کی مختلف صورتیں ہیں، اور جس طرح بشرطِ قدرت جہاد کفار کے خلاف ہوتا ہے، اسی طرح نفس وشیطان کے خلاف بھی ہوتا ہے، اور جس طرح جہاد اسلحہ کے ذریعہ سے ہوتا ہے، اسی طرح زبان اور اعمال واخلاق کے ذریعہ سے بھی ہوتا ہے، اور جس طرح جہاد حربی کافروں کے ملک میں جا کر ہوتا ہے، اسی طرح مسلمانوں کے ملک میں رہتے ہوئے اس کی حفاظت وپاسبانی کی صورت میں بھی ہوتا ہے، جس کے عظیم فضائل ہیں، اور اس کا ذکر آگے آتا ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاد کا مقصود ''اعلائے کلمۃُ اللہ'' یعنی اللہ کے کلمہ کو بلند وغالب کرنا ہے، اور اس کی مختلف احوال وحالات میں مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں۔

جب کوئی اسلام قبول نہ کرے اور اعلائے کلمۃُ اللہ کے مقابلہ میں اعلائے کلمۃُ الشیطان کے لئے سرکشی کرے، تو پھر آخری درجہ میں ناسور کو ختم کرنے کے لئے کفار کو قتل کیا جاتا ہے۔ ۲

---

۱ (وعن أنس رضی اللہ عنه أن النبی -صلى الله عليه وسلم -قال :جاهدوا المشركين بأموالكم) بأن تنفقوها فی عدد الحرب وآلاته من خيل وكراع وسلاح (وأنفسكم) بأن تقاتلوهم (وألسنتكم) بأن تقرعوهم بكفرهم وتوبخوهم بشركهم، أو بإقامة الحجة على ضلالهم وبطلان أعمالهم (رواه أبو داود بإسناد صحيح) ورواه أحمد والنسائی وابن حبان والحاكم فی المستدرک، كذا فی الجامع الصغير (دليل الفالحين لطرق رياض الصالحين، تحت رقم الحديث ۱۳۴۷، ج۷ص ۱۴۲، باب فی فضل الجهاد)

۲ الجهاد القتال لإعلاء كلمة الله، وهو من باب الأمر بالمعروف والنهی عن المنكر، والجهاد فعل، والجهاد ليس هو الدعوة، بل الدعوة مطالبة الكافر ونحوه بالإيمان والاتباع، والدعوة واجبة قبل القتال، كما سيأتی (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۰، ص۳۲۲، مادة''دعوة''، الجهاد)

يشترط الفقهاء فيمن يفرض عليه أحكام الجهاد أن يكون قادرا عليه، فمن لا قدرة له لا جهاد عليه؛ لأن الجهاد بذل الجهد -وهو الوسع والطاقة -فی قتال أعداء الله، لإعلاء كلمة الله، ومن لا وسع له ولا طاقة عنده لا يكلف بالجهاد (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۹، ص۲۵۵، مادة''عاهة''، أثر العاهة فی أحكام الجهاد)

(باب نمبر۸)

اسلامی ملک کی حفاظت وپاسبانی کے فضائل

اسلامی ملک کی دشمنوں سے حفاظت وپاسبانی (Safety) کرنا عظیم اجروثواب کا باعث اور انتہائی فضیلت والا عمل ہے۔

اور یہ عمل اگرچہ اسلامی ملک کی سرحد پر انجام دیا جاتا ہے، لیکن ضرورت کے وقت ملک کی اندرونی حدود میں بھی انجام دیا جاتا ہے۔ [1]

قرآن مجید میں پاسبانی اور دشمنوں کے لئے تیاری کا حکم

اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (سوره آل عمران، رقم الآية ٢٠٠)

ترجمہ: اے ایمان والو! صبر کرو اور (دشمنوں سے) مقابلے کے وقت ثابت قدم رہو، اور پاسبانی کرو، اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم کامیابی پاسکو (سورہ آل عمران)

مذکورہ آیت میں ''رابطوا'' سے مراد اسلامی ملک کی پاسبانی اور نگرانی کرنا ہے، قرآن مجید میں اس کا حکم دینے سے اس حکم کی اہمیت وفضیلت معلوم ہوئی۔

---

[1] الرباط هو :الحراسة بمحل خيف هجوم العدو منه، أو المقام فى الثغور لإعزاز الدين ودفع الشر عن المسلمين (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٥، ص٢٠٧، مادة "اعتكاف"، الرباط والمرابطة)

هو الإقامة بالثغر تقوية للمسلمين على الكفار، والثغر كل مكان يخيف أهله العدو ويخيفهم، وأصل الرباط من رباط الخيل لأن هؤلاء يربطون خيولهم وهؤلاء يربطون خيولهم كل يعد لصاحبه فسمى المقام بالثغر رباطا وإن لم يكن فيه خيل (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٧، ص١٦٥، مادة "حراسة"، الرباط)

احادیث میں بھی کثرت سے یہ لفظ اسی معنیٰ میں استعمال ہوا ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔ [1]

اور قرآن مجید میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَأَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ، اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ

(سورۃ الانفال، رقم الآیۃ ٦٠)

ترجمہ: اور تم ان (دشمنوں) کے لئے اپنی استطاعت کے مطابق قوت حاصل کرو، اور پلے ہوئے تیار گھوڑے (اسلحہ اور ٹینک وغیرہ) بھی، جن کے ذریعہ سے تم ڈراؤ اللہ کے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو اور ان کے علاوہ دوسروں کو جنہیں تم نہیں جانتے، اللہ ان کو جانتا ہے (سورہ انفال)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ معلوم و نامعلوم دشمنوں سے دفاع اور جہاد کے لئے بھی بھرپور طریقہ سے تیار رہنا چاہئے، اور اس کے لئے جتنی بھی قوت زمانہ کے تقاضوں کے مطابق ممکن ہو، اس کو بروئے کار لانا چاہئے۔

سرحد یا اندرونِ ملک پاسبانی کرنے والے کے لئے خوشخبری

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

طُوْبٰى لِعَبْدٍ آخِذٍ بِعِنَانِ فَرَسِهٖ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، أَشْعَثَ رَأْسُهٗ، مُغْبَرَّةٍ قَدَمَاهُ، إِنْ كَانَ فِي الْحِرَاسَةِ، كَانَ فِي الْحِرَاسَةِ، وَإِنْ كَانَ فِي السَّاقَةِ كَانَ فِي السَّاقَةِ، إِنِ اسْتَأْذَنَ لَمْ يُؤْذَنْ لَهٗ، وَإِنْ شَفَعَ لَمْ يُشَفَّعْ

(بخاری، رقم الحدیث ۲۸۸۷)

ترجمہ: خوشخبری ہے اس بندے کے لئے جو اپنے گھوڑے (یا بندوقوں وغیرہ) کی

---

[1] (ورابطوا) فقال جمهور الامة: رابطوا أعدائكم بالخيل، أى ارتبطوها كما يرتبطها أعداء كم، ومنه قوله تعالى: ومن رباط الخيل (تفسير القرطبى، سورة آل عمران، تحت رقم الآية ٢٠٠)

Idara Ghufran

لگام اللہ کی راہ میں پکڑے ہوئے ہو، اس کے سر کے بال پراگندہ اور پاؤں گرد آلود ہوں اگر وہ پاسبانی (وسرحد کی نگرانی) پر مقرر ہو، تو وہاں پاسبانی کرے، اور اگر پیچھے (یعنی ملک کے اندر پاسبانی کے لئے) مقرر ہو تو وہاں پاسبانی کرے، اور اگر وہ (خود سے کسی جگہ جانے کی) اجازت طلب کرے تو اس کو اجازت نہ ملے (یعنی خود سے اسے اپنی منشاء ومرضی کے مطابق کام کے انتخاب کی اجازت نہ ہو) اور اگر وہ کسی (کے ساتھ رہنے یا اپنے ساتھ کسی کو رکھنے وغیرہ) کی سفارش کرے، تو اس کی سفارش نہ مانی جائے (بخاری)

اس حدیث سے اسلامی ملک کی سرحد پر اور اندرونِ ملک نگرانی وپاسبانی کرنے والے کی فضیلت معلوم ہوئی، جس میں اندونِ ملک اور آبادیوں میں باغیوں اور فسادیوں اور غیر ملکی ایجنٹوں اور جاسوسوں سے حفاظت کے لئے حفاظتی فوج وغیرہ کے گشت کرنے والے دستے اور ایمان داری کے ساتھ کام کرنے والے پولیس کے اہلکار بھی داخل ہیں۔ [1]

---

[1] (طوبى) أى :حالة طيبة أو شجرة والجنة (لعبد) أى:(آخذ) : بصيغة الفاعل أى :ماسک (بعنان فرسه) : بكسر العين أى :بلجامه (فى سبيل الله) أى :طريق الجهاد (أشعث) : بالنصب على أنه صفة عبد أو حال منه، وقوله (رأسه) مرفوع على الفاعلية الأشعث وهو مغبر الرأس، وفى نسخة برفعه على أنه خبر مبتدأ محذوف، والجملة صفة عبد، وقوله :(مغبرة) : بالنصب وفى نسخة بالرفع، وفى أخرى بالجر على أنها صفة عبد، وقوله :(قدماه) : فاعلها.
وقال الطيبى رحمه الله :أشعث ومغبرة حالان من الضمير فى آخذ لاعتماده على الموصوف، ويجوز أن يكونا حالين من العبد ;لأن موصوف (إن كان) أى :ذاک العبد (فى الحراسة) : بكسر الحاء أى :حماية الجيش ومحافظتهم عن أن يتهجم عليهم عدوهم (كان) أى :كاملا (فى الحراسة) : غير مقصر فيها بالنوم والغفلة ونحوهما، والحراسة وإن كانت فى اللغة أعم لكنها فى العرف مختصة بمقدمة العسكر، ولذا قال :(وإن كان فى الساقة) أى :فى مؤخرة الجيش (كان فى الساقة) أى :كاملا فى تلك الحالة أيضا بأن لا يخاف من الانقطاع، ولا يهتم إلى السبق بل يلازم ما هو لأجله، وقد تقرر فى علم المعانى أن الشرط والجزاء إذا اتحدا يراد بالجزاء الكمال، فالمعنى إن كان فى الحراسة أو الساقة يبذل جهده فيها، ولا يغفل عنها على وجه الكمال .قال التوربشتى رحمه الله :أراد بالحراسة حراسته من العدو أن يهجم عليهم، وذلک يكون فى مقدمة الجيش، والساقة مؤخرة الجيش، فالمعنى ائتماره لما أمر، وإقامته حيث أقيم، لا يفقد من مكانه بحال، وإنما

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پاسبانی، صدقۂ جاریہ اور عذابِ قبر سے حفاظت کا ذریعہ

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: رِبَاطُ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ خَيْرٌ مِّنْ صِيَامِ شَهْرٍ وَقِيَامِهٖ، وَإِنْ مَاتَ جَرٰى عَلَيْهِ عَمَلُهُ الَّذِیْ كَانَ يَعْمَلُهٗ، وَأُجْرِیَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ، وَأَمِنَ الْفَتَّانَ (مسلم، رقم الحديث ۱۹۱۳"۱٦۳")

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ایک دن اور رات پاسبانی کا ثواب ایک ماہ کے روزوں اور ایک ماہ (رات) کے قیام (یعنی عبادت) سے افضل ہے اور اگر پاسبانی کرنے والا فوت ہوگیا تو اس کا وہ عمل (یعنی اس کا ثواب) جاری رہے گا جو وہ (زندگی میں) کیا کرتا تھا اور اس کا رزق بھی (قبر میں) جاری کیا جائے گا اور اس کو قبر کے فتنہ (وآزمائش) سے محفوظ رکھا جائے گا (مسلم)

حضرت ابنِ ابی زکریا خزاعی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ سَلْمَانَ الْخَيْرِ، أَنَّهٗ سَمِعَهٗ وَهُوَ يُحَدِّثُ شُرَحْبِيْلَ بْنَ السِّمْطِ وَهُوَ مُرَابِطٌ عَلَى السَّاحِلِ يَقُوْلُ: سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: مَنْ رَابَطَ يَوْمًا أَوْ لَيْلَةً كَانَ لَهٗ كَصِيَامِ شَهْرٍ لِلْقَاعِدِ، وَمَنْ مَاتَ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ذكر الحراسة والساقة لأنهما أشد مشقة، وأكثر آفة، الأول عند دخولهم دار الحرب، والآخر عند خروجهم .(إن استأذن) أى :طلب الإذن فى دخول محفل، وفى نسخة :إذا استأذن (لم يؤذن له) أى :لعدم ماله وجاهه (وإن شفع) أى :لأحد (لم يشفع) : بتشديد الفاء المفتوحة أى :لم تقبل شفاعته، وتوضيحه ما قيل أن فيه إشارة إلى عدم التفاته إلى الدنيا وأربابها بحيث يفنى بكليته فى نفسه، لا يبتغى مالا ولا جاها عند الناس، بل يكون عند الله وجيها، ولم يقبل الناس شفاعته، وعند الله يكون شفيعا مشفعا (مرقاة المفاتيح، ج٨، ص ۳۲۳۰، كتاب الرقاق)

مُرَابِطًا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ، أَجْرَی اللّٰہُ لَہٗ أَجْرَہُ الَّذِیْ کَانَ یَعْمَلُ : أَجْرَ صَلَاتِہٖ وَصِیَامِہٖ وَنَفَقَتِہٖ، وَوُقِیَ مِنْ فَتَّانِ الْقَبْرِ، وَأَمِنَ مِنَ الْفَزَعِ الْأَکْبَرِ (مسند احمد، رقم الحدیث ۲۳۷۲۷) [1]

ترجمہ: انہوں نے حضرت سلمان خیر رضی اللہ عنہ سے شرحبیل بن سبط کے ساحل پر پاسبانی کرتے ہوئے ہونے کی حالت میں سنا، انہوں نے فرمایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص ایک دن یا ایک رات کے لئے اسلامی ملک کی پاسبانی کرتا ہے، تو یہ ایسا ہے، جیسا کہ کوئی بیٹھ کر ایک مہینہ کے روزے رکھے، اور جو شخص اللہ کے راستہ میں پاسبانی کرتے ہوئے فوت ہو جائے، تو اللہ اس کا اجر وثواب جاری رکھتا ہے اور اس کے نیک اعمال مثلاً نماز، روزہ اور (نیک جگہ) خرچ کرنے کا اجر وثواب بھی جاری رکھتا ہے، اور اسے قبر کی آزمائش (وفتنہ) سے محفوظ رکھا جاتا ہے، اور وہ (قیامت کی) بڑی گھبراہٹ سے بھی محفوظ رہے گا (مسند احمد)

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: کُلُّ الْمَیِّتِ یُخْتَمُ عَلٰی عَمَلِہٖ إِلَّا الْمُرَابِطَ، فَإِنَّہٗ یَنْمُوْ لَہٗ عَمَلُہٗ إِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ، وَیُؤَمَّنُ مِنْ فَتَّانِ الْقَبْرِ (سنن ابی داؤد، رقم الحدیث ۲۵۰۰)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر شخص کا عمل اس کے مرنے پر ختم کر دیا جاتا ہے مگر اسلامی ملک کی پاسبانی (وچوکیداری) کرنے والے کا عمل قیامت تک برابر بڑھتا رہتا ہے اور وہ قبر کے فتنہ (وعذاب) سے بھی محفوظ رہتا ہے (ابوداؤد)

---

[1] فی حاشیۃ مسند احمد: حدیث صحیح

www.idaraghufran.org

اس طرح کی حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ ؎

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ : مَنْ مَاتَ مُرَابِطًا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ أَجْرٰی عَلَیْہِ أَجْرَ عَمَلِہِ الصَّالِحِ الَّذِیْ کَانَ یَعْمَلُ، وَأَجْرٰی عَلَیْہِ رِزْقَہٗ، وَأَمِنَ مِنَ الْفَتَّانِ، وَبَعَثَہُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ آمِنًا مِنَ الْفَزَعِ

(سنن ابنِ ماجه، رقم الحديث ۲۷۶۷)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اللہ کے راستہ میں پاسبانی (وچوکیداری) کرنے کی حالت میں فوت ہوا، تو وہ جو بھی نیک عمل کرتا تھا، اللہ اس (کے نیک اعمال) کا اجر وثواب جاری فرمادیں گے، اور اللہ اس کا رزق بھی (قبر اور جنت میں) جاری فرمادے گا اور وہ قبر کی آزمائش (وفتنہ) سے مامون ومحفوظ رہے گا اور اللہ قیامت کے دن اسے خوف وگھبراہٹ سے مطمئن (ہونے کی حالت میں) اٹھائے گا (ابنِ ماجہ)

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ:

اَرْبَعٌ تَجْرِیْ عَلَیْہِمْ أُجُوْرُھُمْ بَعْدَ الْمَوْتِ: رَجُلٌ مَاتَ مُرَابِطًا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ، وَرَجُلٌ عَلَّمَ عِلْمًا فَاَجْرُہٗ یَجْرِیْ عَلَیْہِ مَاعُمِلَ بِہٖ، وَرَجُلٌ اَجْرٰی صَدَقَۃً فَاَجْرُھَا یَجْرِیْ عَلَیْہِ مَاجَرَتْ عَلَیْہِمْ، وَرَجُلٌ تَرَکَ

؎ حدثنی أو هانء الخولانی أن عمرو بن مالک الجنبی أخبره أنه سمع فضالة بن عبيد يحدث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال " :كل ميت يختم على عمله إلا الذی مات مرابطا فی سبيل الله، فإنه ينمو له عمله إلى يوم القيامة ويأمن فتنة القبر ." قال :وسمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول" :المجاهد من جاهد نفسه لله عز وجل (صحيح ابنِ حبان، رقم الحديث ۴۶۲۴)

فی حاشية ابنِ حبان: إسناده صحيح.

وَلَدًا صَالِحًا يَدْعُوْ لَهُ (مسند احمد) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ چار طرح کے کام ایسے ہیں، کہ ان پر انسان کو فوت ہونے کے بعد برابر اجر وثواب ملتا رہتا ہے، ایک تو وہ شخص ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں پہرہ دینے کی حالت میں فوت ہو گیا، اور دوسرا شخص وہ ہے کہ جس نے کسی کو علم سِکھایا تو اس کا اجر سِکھانے والے کو برابر ملتا رہے گا، جب تک اس علم پر عمل کیا جاتا رہے گا، اور تیسرا شخص وہ ہے کہ جس نے کوئی صدقۂ جاریہ کیا تو اس صدقہ کا اجر وثواب جب تک وہ جاری رہے گا اس کو برابر ملتا رہے گا، اور چوتھا شخص وہ ہے کہ جس نے نیک صالح اولاد چھوڑی اور وہ اس کے لئے دعا کرتی رہے (مسند احمد)

اسی قسم کی حدیث حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی مروی ہے۔ [2]

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ اسلامی ملک کی دشمنوں، باغیوں، فسادیوں اور دہشت گردوں سے پاسبانی ونگرانی اور چوکیداری کرنے کا عمل اگر اللہ کی رضا کے لئے ہو تو صدقۂ

---

[1] رقم الحديث ٢٢٣١٨، واللفظ لهٗ؛ المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ٧٨٣١؛ اخلاق العلماء للآجری، ج ١، ص ٤٣، باب ذكر ما جاء ت به السنن والآثار من فضل العلماء فی الدنيا والآخرة.

فی حاشية مسند احمد: صحيح لغيره.

وقال المنذری: رواه الإمام أحمد والبزار والطبرانی فی الكبير والأوسط وهو صحيح مفرقا من حديث غير واحد من الصحابة رضی الله عنهم (الترغيب والترهيب، ج ١ ص ٦٩، الترغيب فی نشر العلم والدلالة على الخير)

وقال الهيثمی: رواه أحمد والطبرانی فی الكبير والأوسط والبزار، وفيه ابن لهيعة ورجل لم يسم (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ٧٦٨، باب فيمن سن خيرا أو غيره أو دعا إلى هدى)

[2] عن سلمان، قال :سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول :أربع من عمل الأحياء تجرى للأموات، رجل ترک عقبا صالحا يدعو له؛ يبلغه دعاؤهم، ورجل تصدق بصدقة جارية من بعده؛ فله أجر من عمل به من غير أن ينقص من عمله شيئا، ورجل مات مرابطا؛ ينمو له عمله إلى يوم الحساب(مسند الشاميين للطبرانی، رقم الحديث ٣٥٣١)

قال الالبانی: حسن (الجامع الصغير وزيادته، تحت رقم الحديث ٨٩٠)

جاریہ میں داخل ہے، اور عذابِ قبر اور قیامت کے دن کی بڑی دہشت سے حفاظت کا ذریعہ ہے۔
اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلامی ملک کی حفاظت ونگرانی کرنے سے ملک دشمنوں کے غلبہ اور تخریب کاری سے محفوظ رہتا ہے، اور ملک کے بے شمار لوگ اَمن وسکون کی حالت میں عبادت اور صدقۂ جاریہ والے اعمال کرتے ہیں، جس میں ملک کی پاسبانی کرنے والے شخص کا حصہ بھی شامل ہوتا ہے۔ [1]

---

[1] (وعن سلمان الفارسی رضی الله عنه) : بكسر الراء (قال: سمعت رسول الله -صلى الله عليه وسلم -يقول :رباط يوم وليلة خير من صيام شهر وقيامه) ، فيه لف ونشر مرتب .قال السيوطی: الرباط بكسر الراء وبالموحدة الخفيفة ملازمة المكان بين المسلمين والكفار لحراسة المسلمين منهم، وقال بعض الشراح من علمائنا :الرباط المرابطة، وهو أن يربط هؤلاء خيولهم فی ثغرهم وهؤلاء خيولهم فی ثغرهم، ويكون كل منهم معدا لصاحبه مترصدا لمقصده، ثم اتسع فيها، فأطلقت على ربط الخيل والاستعداد بغزو العدو، والحديث يحتمل المعنيين اه .وكأنه أخذ من قوله تعالى: (وأعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم) الآية .ويدل عليه إطلاق قوله تعالى :(يا أيها الذين آمنوا اصبروا وصابروا ورابطوا) الآية .وروى البخاری عن أبی هريرة، عنه -صلى الله عليه وسلم " :-من احتبس فرسا فی سبيل الله ;إيمانا بالله وتصديقا بوعده، فإن شبعه وريه وروثه وبوله فی ميزانه يوم القيامة ."وفی النهاية :الرباط فی الأصل الإقامة على جهاد العدو بالحرب وارتباط الخيل وإعدادها، والمرابطة أن يربط الفريقان خيولهم فی ثغر كل منهما معدا لصاحبه، وسمی المقام فی الثغور رباطا، فيكون الرباط مصدر رابطت ;أی لازمت، وفی المقدمة :الرباط ملازمة الثغر للجهاد، وأصله الحبس ;كأن المرابط حبس نفسه فيه على الطاعة، والثغر ما يلی دار العدو .(وإن مات) : أی المرابط بدلالة الرباط فی ذلك المقام، أو فی تلك الحالة (جرى عليه عمله) : أی ثواب عمله (الذی كان يعمله) : أی فی حياته، والمعنى أنه يصل إليه ثواب عمله أبدا .قال النووی :هذه فضيلة مختصة بالمرابط لا يشاركه فيها غيره، وقد جاء مصرحا فی غير مسلم :كل ميت يختم على عمله إلا المرابط فإنه ينمی له عمله إلى يوم القيامة .(وأجری عليه) : بصيغة المجهول ;أی أوصل إليه (رزقه) ; أی من الجنة قال الطيبی :ومعنى جرى عليه عمله كقوله جرى عليه القضاء ;أی :يقدر له من العمل بعد الموت، كما جرى منه قبل الممات، فجرى هنا .بمعنى قدر، ونحوه فی المريض قوله -صلى الله عليه وسلم " :-إن العبد إذا كان على طريقة حسنة من العبادة، ثم مرض قيل للملك الموكل به اكتب له مثل عمله إذا كان طليقا ."قلت :وكذا ورد فی المسافر والشيخ الكبير .قال :ولما كان قوله -صلى الله عليه وسلم " :-وأجری عليه رزقه "تلميحا إلى قوله تعالى :(يرزقون) أجری مجراه فی البناء للمفعول (وأمن الفتان) . بفتح الفاء وتشديد التاء ;أی عذاب القبر وفتنته، ويؤيده الحديث الآتی فی الفصل الثانی، أو الذی يفتن المقبور بالسؤال فيعذبه، وقيل :أراد الدجال، وقيل :الشيطان فإنه يفتن الناس بخدعه إياهم وبتزيين المعاصی لهم .وفی نسخة بضم الفاء. ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پاسبانی کے لئے جاگنے والی آنکھ پر جہنّم حرام ہے

حضرت ابوریحانہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَـمِعۡتُ رَسُوۡلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ يَقُوۡلُ : حُرِّمَتۡ عَيۡنٌ عَلَى النَّارِ سَهِرَتۡ فِيۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ (سنن النسائی) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ اس آنکھ پر جہنم کی آگ حرام ہے، جو اللہ کے راستے میں جاگتی ہے (نسائی، مسند احمد، حاکم)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَـمِعۡتُ رَسُوۡلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ يَقُوۡلُ : عَيۡنَانِ لَا تَمَسُّهُمَا النَّارُ: عَيۡـنٌ بَكَتۡ مِنۡ خَشۡيَةِ اللّٰهِ، وَعَيۡنٌ بَاتَتۡ تَحۡرُسُ فِيۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ

(سنن الترمذی، رقم الحديث ۱۶۳۹) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو آنکھیں ایسی ہیں کہ انہیں آگ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال شارح للمصابيح من علمائنا :ويروى الفتان جمع فاتن ;أى نار محرقة، أو الزبانية الذين يعذبون الكفار .قال النووى :ضبطوه من وجهين .أحدهما :بفتح الهمزة وكسر الميم، والثانى أومن بضم الهمزة وإثبات الواو، والفتان رواية الأكثرين بضم الفاء جمع فاتن، ورواية الطبرانى بالفتح، وفى سنن أبى داود وأمن من فتنة القبر .قال الطيبى :إذا روى بالفتح فالوجه ما قيل :من أن المراد منه الذى يفتن المقبور بالسؤال فيعذبه، وقد قال النبى -صلى الله عليه وسلم " :-فيقيض له أعمى أصم "وإن روى بالضم فالأولى أن يحمل على أنواع من الفتن بعد الإقبار من ضغطة القبر والسؤال والتعذيب فى القبر، وبعده من أهوال القيامة (مرقاة، كتاب الجهاد)

[1] رقم الحديث ۳۱۱۷،مسند احمد، رقم الحديث ۱۷۲۱۳، مستدرک حاکم، رقم الحديث ۲۴۳۲.

فى حاشية مسند احمد: مرفوعه حسن لغيره،

قال الحاكم: هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه .

وقال الذهبى: صحيح.

[2] قال الترمذى: وفى الباب عن عثمان، وأبى ريحانة .وحديث ابن عباس حديث حسن غريب لا نعرفه إلا من حديث شعيب بن رزيق.

نہیں چھوسکتی، ایک وہ کہ جو اللہ کے خوف سے روئی اور دوسری وہ کہ جس نے اللہ کی راہ میں پہرہ دیتے ہوئے رات گزاردی (ترمذی)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ جو آنکھ اسلامی ملک کی دشمنوں سے حفاظت و پہرہ داری اور پاسبانی کے لئے جاگتی ہے، اُس کو اللہ تعالیٰ جہنّم سے محفوظ رکھیں گے، بشرطیکہ یہ عمل اللہ کی رضا کے لئے کیا جائے۔ [1]

ایک دن یا رات یا اس سے بھی کم وقت پاسبانی کی فضیلت

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ : رِبَاطُ يَوْمٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْهَا (بخاری، رقم الحدیث ۲۸۹۲)

ترجمہ: اللہ کے راستہ میں ایک دن پاسبانی کرنا (اور پہرہ دینا) دنیا اور جو کچھ اس میں ہے، اس سے بہتر ہے (بخاری)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ کے راستہ میں ایک دن پاسبانی کرنے اور پہرہ دینے کی فضیلت دنیا ومافیہا سے افضل ہے، اور اسلامی ملک کی پاسبانی کرنا بھی اللہ کے راستہ میں پہرہ دینے میں داخل ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: رِبَاطُ يَوْمٍ خَيْرٌ مِّنْ صِيَامِ

---

[1] (عينان لا تصيبهما النار عين بكت في جوف الليل من خشية الله وعين باتت تحرس في سبيل الله) أي في الثغر أو الجيش أو نحوهما قيل :بكاء العين من خشية الله يطفء بحورا من النيران فإن خشيته تحرق قلبه فتذيب شحم فؤاده فتجري دموعه فتطفء نار معصيته وسوى بين العين الباكية والحارسة لاستوائهما في سهر الليل لله والباكية بكت في جوف الليل خوفا لله والحارسة سهرت خوفا على دين الله(فيض القدير للمناوي، تحت رقم الحديث ۵۶۴۹)

شَهْرٍ وَقِيَامِهٖ (مسند احمد، رقم الحديث ٦٦٥٣) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (اللہ کی راہ میں) ایک دن پاسبانی کرنا (اور پہرہ دینا) پورے مہینہ کے روزہ اور (ایک مہینہ تک راتوں کو) قیام کرنے سے بہتر ہے (مسند احمد)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک دن کی پاسبانی ایک مہینہ کے دن کے روزے اور رات بھر کی عبادت سے بہتر ہے۔

حضرت مکحول رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ شُرَحْبِيْلَ بْنِ السِّمْطِ أَنَّهٗ مَرَّ عَلَيْهِ سَلْمَانُ وَهُوَ مُرَابِطٌ، فَقَالَ : مَا تَصْنَعُ هَا هُنَا يَا شُرَحْبِيْلُ؟ فَقَالَ شُرَحْبِيْلُ : أُرَابِطُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، قَالَ سَلْمَانُ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ رِبَاطُ يَوْمٍ أَوْ لَيْلَةٍ خَيْرٌ مِّنْ صِيَامِ شَهْرٍ وَقِيَامِهٖ (ابن حبان، رقم الحديث ٤٦٢٣) [2]

ترجمہ: حضرت شرحبیل بن سبط سرحد کا پہرہ دے رہے (یعنی پاسبانی کر رہے) تھے، تو ان کے پاس سے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ گزرے، تو انہوں نے فرمایا کہ اے شرحبیل! آپ یہاں کیا کر رہے ہو، تو حضرت شرحبیل نے کہا کہ میں اللہ کے راستہ میں پہرہ دے رہا (اور پاسبانی کر رہا) ہوں، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ایک دن یا ایک رات کی پاسبانی، ایک مہینہ کے روزوں اور ایک مہینہ کے (رات کے) قیام (وعبادت) سے بہتر ہے (ابن حبان)

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِلَيْلَةٍ أَفْضَلَ مِنْ لَيْلَةِ

---

[1] في حاشية مسند احمد: صحيح لغيره

[2] في حاشية ابن حبان: إسناده صحيح.

www.idaraghufran.org

الْقَدْرِ؟ حَارِسٌ حَرَسَ فِیْ أَرْضِ خَوْفٍ، لَعَلَّهُ أَنْ لَا یَرْجِعَ إِلٰی أَهْلِهٖ

(مسند الرویانی) ؎۱

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں ایسی رات کے بارے میں نہ بتاؤں جو کہ لیلۃُ القدر سے بھی افضل ہے؟ وہ پہرہ دینے (اور پاسبانی کرنے) والا شخص ہے، جو (دشمن) کے خوف والی زمین میں پہرہ دے (اور پاسبانی کرے) شاید کہ وہ اپنے گھر والوں کی طرف نہ لوٹ سکے (مسند رویانی، حاکم)

مطلب یہ ہے کہ جو شخص اسلامی ملک کے ایسے حصہ وخطہ میں ایک رات پاسبانی ونگرانی کرے، کہ جہاں ہر وقت دشمن کی طرف سے جان کو خطرہ لاحق ہو، ایسی ایک رات کا پہرہ وپاسبانی، لیلۃُ القدر کی عبادت سے بھی زیادہ فضیلت کا سبب ہے۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: رِبَاطُ یَوْمٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ خَیْرٌ مِّنْ أَلْفِ یَوْمٍ فِیْمَا سِوَاهُ مِنَ الْمَنَازِلِ (نسائی) ؎۲

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ ایک دن اللہ کے راستہ میں نگرانی (وچوکیداری اور پاسبانی) کرنا اس کے علاوہ کے ہزار دنوں (کی عبادت) کے درجات سے افضل ہے (نسائی)

؎۱ رقم الحدیث ۱۴۰۹، المستدرک للحاکم، رقم الحدیث ۲۴۲۴.

قال الحاکم: هذا حدیث صحیح علی شرط البخاری ولم یخرجاه وقد أوقفه وکیع بن الجراح، عن ثور وفی یحیی بن سعید قدوة.

و قال الذهبی: علی شرط البخاری :

و قال الالبانی: أخرجه الرویانی فی "مسنده أخبرنا محمد بن بشار أخبرنا یحییبن سعید القطان أخبرنا ثور بن یزید عن عبد الرحمن بن عائذ عن مجاهد عن ابن عمر عن النبی صلی الله علیه وسلم -وربما لم یرفعه -قال :فذکره .قلت: وهذا إسناد صحیح، رجاله ثقات رجال البخاری غیر عبد الرحمن بن عائذ، وهو ثقة کما فی "التقریب (السلسة الاحادیث الصحیحة، تحت رقم الحدیث ۲۸۱۱)

؎۲ رقم الحدیث ۳۱۶۹، ترمذی، رقم الحدیث ۱۶۶۷.

اورایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: حَرَسُ لَيْلَةٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى أَفْضَلُ مِّنْ أَلْفِ لَيْلَةٍ يُقَامُ لَيْلُهَا ، وَيُصَامُ نَهَارُهَا (مسنداحمد) ۱؎

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ایک رات پہرہ دینا، ایسی ہزار راتوں سے بہتر ہے کہ جن کی راتوں میں عبادت کی جائے، اوردن میں روزہ رکھا جائے (مسنداحمد)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ بعض اوقات ایک رات کی پاسبانی وچوکیداری، ہزار مہینوں کے روزے رکھنے اوررات بھر عبادت کرنے سے افضل ہوجاتی ہے۔

اورحضرت مجاہد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّهُ كَانَ فِي الرِّبَاطِ، فَفَزِعُوْا إِلَى السَّاحِلِ، ثُمَّ قِيْلَ: لَا بَأْسَ، فَانْصَرَفَ النَّاسُ وَأَبُوْهُرَيْرَةَ وَاقِفٌ، فَمَرَّ بِهٖ إِنْسَانٌ فَقَالَ: مَا يُوْقِفُكَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ، فَقَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: مَوْقِفُ سَاعَةٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنْ قِيَامِ لَيْلَةِ الْقَدْرِ عِنْدَ الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ (صحيح ابنِ حبان، رقم الحديث ۴۶۰۳) ۲؎

۱؎ رقم الحديث ۴۳۳، مستدرک للحاکم، رقم الحديث ۲۴۲۶.
فی حاشية مسند احمد: حسن.
و قال الحاکم: هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه. وقال الذهبی: صحيح.
۲؎ فی حاشية ابنِ حبان: إسناده صحيح.
قال الالبانی: قلت: وهذا إسناد صحيح رجاله كلهم ثقات معروفون، نعم قد قيل: إن مجاهد لم يسمع من أبی هريرة، هكذا حكاه فی "التهذيب "بصيغة التمريض " :قيل "وهذا هو الصواب، فقد وجدت تصريح مجاهد بسماعه من أبی هريرة فی "سنن البيهقی بسند صحيح عنه .وأخرجه البخاری فی "التاريخ الكبير فی ترجمة يونس بن غياث عن أبی هريرة هكذا ذكره بدون إسناد، ثم قال: ورواه أصبغ عن ابن وهب قال :أخبرنی سعيد بن أبی أيوب عن محمد بن عبد الرحمنعن يونس بن يحيی "(سلسلة الاحاديث الصحيحة،تحت رقم الحديث ۱۰۶۸)

www.idaraghufran.org

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سرحد کی نگرانی (وچوکیداری اور پاسبانی) کررہے تھے، تو لوگ گھبرا کر ساحل کی طرف گئے، پھر کہا گیا کہ کچھ نہیں ہے، تو لوگ واپس لوٹ کرآ گئے، اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اسی جگہ ٹھہرے رہے، آپ کے قریب سے ایک انسان گزرا، اور اس نے کہا کہ اے ابوہریرہ! آپ یہاں کیوں ٹھہرے ہوئے ہیں، تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اللہ کے راستہ میں ایک ساعت (یعنی ایک گھڑی) ٹھہرنا حجرِ اسود کے قریب لیلۃ القدر میں قیام کرنے سے افضل ہے (ابنِ حبان)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض اوقات ایک ساعت اور ایک گھڑی کی پاسبانی حجرِ اسود کے قریب لیلۃ القدر کی عبادت سے بھی بڑھ جاتی ہے۔

مختلف احادیث میں جو اسلامی ملک میں یا اس کی سرحد پر ایک دن یا ایک رات نگرانی وپاسبانی کرنے کی فضیلتوں میں باہم فرق آیا ہے، یہ فرق مختلف حالات پر مبنی ہے، مثلاً یہ کہ شدید ضرورت یا دشمن کی طرف سے حملہ کے وقت یا مشکل جگہ میں ایک دن یا ایک رات بلکہ اس سے بھی کم وقت کے لئے نگرانی وپاسبانی کرنے کی فضیلت عام حالات میں یا آسان جگہ میں ایک دن یا ایک رات نگرانی وپاسبانی کرنے سے افضل ہے، اور بعض اوقات اخلاص کے کم اور زیادہ ہونے کی وجہ سے بھی ثواب میں کمی، زیادتی کا فرق پڑ جاتا ہے۔ [1]

---

[1] قال بن بزيزة ولا تعارض بينهما لأنه يحمل على الإعلام بالزيادة فى الثواب عن الأول أو باختلاف العاملين قلت أو باختلاف العمل بالنسبة إلى الكثرة والقلة ولا يعارضان حديث الباب أيضا لأن صيام شهر وقيامه خير من الدنيا وما عليها(فتح البارى، ج٦، ص ٨٦، قوله باب فضل رباط يوم فى سبيل الله)

(رباط يوم) أى ثواب رباط يوم (وليلة خير من صيام شهر وقيامه) لا يعارضه رواية خير من ألف يوم فيما سواه من المنازل لاحتمال إعلامه بالزيادة أو لاختلاف العاملين أو العمل أو الإخلاص أو الزمن (فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ۴۳۹۵)

اسلامی ملک وسرحد کی پاسبانی افضل جہاد ہے

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فتنہ کے دور سے متعلق یہ ارشاد مروی ہے کہ:

فَعَلَيْكُمْ بِالْجِهَادِ، وَإِنَّ أَفْضَلَ جهادِكُمُ الرِّبَاطُ، وَإِنَّ أَفْضَلَ رباطِكُمْ عَسْقَلَانُ (المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۱۱۱۳۸) [1]

ترجمہ: پس تم پر جہاد لازم ہے، اور تمہارا افضل جہاد (اسلامی ملک) کی پاسبانی (کرنا) ہے، اورتمہاری افضل سرحد عسقلان ہے (طبرانی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلامی ملک کی پاسبانی افضل جہاد ہے، اور عسقلان شام میں واقع ہے، جس کی سرحد کی پاسبانی کے افضل ہونے کی وجہ شریعت کی نظر میں اس مقام کی مخصوص اہمیت کا ہونا ہے۔

حضرت خالد بن معدان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ أَبَا أُمَامَةَ وَجُبَيْرَ بْنَ نُفَيْرٍ يَقُولَانِ : يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ أَفْضَلُ الْجِهَادِ اَلرِّبَاطُ، فَقُلْت : وَمَا ذٰلِكَ ؟ قَالَ : إِذَا انْطَاطَ الْغَزْوُ وَكَثُرَتِ الْغَرَائِمُ وَاسْتُحِلَّتِ الْغَنَائِمُ فَأَفْضَلُ الْجِهَادُ يَوْمَئِذٍ اَلرِّبَاطُ (مصنف ابنِ ابی شيبة، رقم الحديث ۱۹۸۰۷)

ترجمہ: میں نے حضرت ابوامامہ اور حضرت جبیر بن نفیر رضی اللہ عنہما سے سنا، انہوں نے فرمایا کہ لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ جس میں افضل جہاد سرحدوں کی نگرانی وپاسبانی کرنا ہوگا، میں نے عرض کیا کہ یہ کب ہوگا؟ تو انہوں نے فرمایا کہ جب غزوہ اور جہاد کا سفر دور دراز ہوجائے گا، اور خیانتوں کی کثرت

---

[1] قال الهيثمي: رواه الطبرانی ورجاله ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۸۹۶۴، باب كيف بدأت الإمامة وما تصير إليه والخلافة والملك)

www.idaraghufran.org

ہوجائے گی، اور غنیمت کے مالوں کو حلال سمجھ لیا جائے گا، تو اس وقت میں افضل جہاد سرحدوں کی نگرانی (وچوکیداری اور پاسبانی) کرنا ہوگا (ابنِ ابی شیبہ)

معلوم ہوا کہ اسلامی ملک کی حفاظت و پاسبانی افضل جہاد ہے، بالخصوص جب فتنوں کا دور دورہ ہو، اور جہاد وقتال کا سفر لمبا ہوجائے، جس کو طے کرنا مشکل ہو، اُس وقت ملک کی دشمنوں، باغیوں اور فسادیوں سے حفاظت و پاسبانی کرنا افضل جہاد میں داخل ہوگا، اللہ تعالیٰ توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

اور مختلف احادیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اسلامی ملک کی دشمنوں، باغیوں اور دہشت گردوں سے حفاظت و پاسبانی کرنا کوئی دنیاوی پیشہ نہیں، بلکہ انتہائی نیکی اور عظیم عبادت والا کام ہے، جس سے ہر طبقہ سے تعلق رکھنے والا امیر وغریب عام مسلمان بھی مستفید ہوسکتا ہے، لہٰذا اس سہل اور عظیم فضیلت والی عبادت میں ہر مسلمان کو اپنی قدرت وحیثیت کے مطابق بطورِ خود شرکت کرنی چاہئے، اور اس معاملہ میں سب کو سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح متحد ومتفق اور ایک جان ہونا چاہئے، اور کسی قسم کی سودے بازی نہیں کرنی چاہئے۔

البتہ اگر کچھ لوگوں کو حکومت کی طرف سے اس خدمت کے لئے مامور ومقرر کیا جائے، اور اُن کو اس خدمت پر وظیفہ اور معاوضہ بھی دیا جائے، لیکن وہ خدمت گار کارندے اس کام کو جذبہ، لگن اور امانت ودیانت کے ساتھ عبادت سمجھ کر انجام دیں، تو بھی وہ اجر وثواب سے محروم نہیں ہوں گے، جس میں فوج، پولیس، ملک کے دفاعی اداروں اور اس طرح کے دوسرے محکموں سے تعلق رکھنے والے سب افراد داخل ہیں۔

اسلامی ملک کا ہر باشندہ اور بطورِ خاص ہر کارندہ اسلامی ملک کی دشمنوں، باغیوں اور دہشت گردوں سے حفاظت و پاسبانی کی خدمت عبادت اور اخلاص کے جذبہ کے تحت کرے گا، تو امید ہے کہ مسلمانوں کے ممالک نہ صرف دشمنوں، باغیوں اور دہشت گردوں کے حملوں سے محفوظ ہوجائیں گے، بلکہ مثالی امن وسکون بھی قائم ہوجائے گا۔

لیکن اگر اس کے برعکس اس اہم خدمت بلکہ ذمہ داری سے جان چرائیں گے، اور اس سے بڑھ کر اس میں خیانت کے مرتکب ہوں گے، اور مال وجاہ وغیرہ کے مفادات کی خاطر خود اپنے ملکوں کی غیروں، باغیوں اور فسادیوں کے ہاتھوں سودے بازی کریں گے، تو پھر اس کے خمیازہ اور نتائجِ بد سے دنیا وآخرت میں وبال اٹھائیں گے۔

افسوس کہ اس سلسلہ میں بہت سے مسلمان غفلت اور بے توجہی کا شکار ہیں، اور اسلامی ملکوں کی حفاظت کو خاطر خواہ کوئی اہمیت نہیں دیتے اور اس کو عبادت شمار نہیں کرتے، بلکہ بعض تو اس کے برعکس اسلامی ملکوں کو کافروں اور غیر مسلموں کے زیرِ نگین کرنے کی کوششوں میں مصروف اور اس طرح کی سازشوں کا شکار ہو جاتے ہیں، اور بعض دینی ذہن رکھنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ اسلامی ملک کی حفاظت اس وقت عبادت ہوتی ہے، جبکہ وہاں سو فیصدی اسلامی احکام نافذ ہوں، جو کہ غلط فہمی پر مبنی ہے، اس قسم کی وجوہات کے نتیجہ میں آج بیشتر اسلامی ممالک، دشمنوں کی سازشوں سے محفوظ نہیں ہیں، جگہ جگہ بدامنی، دہشت گردی مختلف قسم کے فتنے وفسادات برپا ہیں، مسلمانوں کو اس سلسلہ میں توجہ کرنے اور غفلت سے بچنے کی ضرورت ہے۔

بطورِ خاص ملکِ پاکستان کے استحکام اور سالمیت کی کوششیں کرنا وقت کی بڑی ضرورت ہے، کیونکہ یہ ملک کئی جہات اور مختلف حیثیات سے موجودہ حالت میں بھی دنیا بھر کے مسلمانوں کے لئے بہت بڑی نعمت ہے۔

اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(خاتمہ)

انتخاب اور ووٹ کے احکام وآداب

کیونکہ اسلام کی معجزانہ تعلیمات کا دائرہ زندگی کے ہر شعبہ کو محیط ہے، اور اس نے کسی زمانہ میں انسانیت کو بے یار ومددگار نہیں چھوڑا، بلکہ ہر زمانہ اور ہر دور سے متعلق اس کی معجزانہ تعلیمات راہِ ہدایت فراہم کرتی ہیں، سیاست وحکومت کے شعبہ کے متعلق بھی شریعت نے جامع ہدایات پیش فرمائی ہیں، جن میں حکمرانی اور حکومت اور عوام ورعایا کے متعلق بھی ایسی جامع تعلیمات موجود ہیں کہ دیگر اقوام ومذاہب میں ان کا عشرِ عشیر بھی نہیں ملتا۔

سیاست وحکومت کا ایک پہلو انتخاب اور ووٹ کے احکام سے بھی متعلق ہے، جس میں آج کل کئی طرح کی بے اعتدالیاں وبے عنوانیاں اور غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں، بہت سے دینی ذہن رکھنے والے لوگ تو سرے سے سیاست وحکومت کو ہی اسلام سے خارج چیز سمجھتے ہیں، جبکہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اس خیال کا غلط ہونا بالکل واضح ہے، اور بعض لوگ بطورِ خاص ووٹ اور الیکشن یا انتخابات کے رائج طریقہ کو دینِ اسلام سے خارج چیز سمجھتے ہیں، اور یہ بات واضح ہے کہ آج کل بہت سے ممالک میں حکمرانوں کا انتخاب ووٹ اور الیکشن کے ذریعہ سے کیا جاتا ہے، اور یکے بعد دیگرے حکمران منتخب ہو کر آتے ہیں، اور ایک ایسا عمل کہ جس کے ذریعہ سے حکمرانوں کا انتخاب اور حکومت کی تقرری عمل میں لائی جاتی ہو، اس کی اہمیت اور احکام کو شریعت ہرگز نظر انداز نہیں کرسکتی، البتہ کسی چیز کے جزوی پہلوؤں سے اختلاف اپنی جگہ ہے، مگر جزوی مفاسد کے مقابلہ میں ایک اہم شعبہ کی ضرورت واہمیت کا درجہ کہیں زیادہ ہوتا ہے۔

اس لئے اب انتخاب اور ووٹ کے احکام وآداب کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

قیامِ حکومت کی ضرورت اوراس کے انتخاب کا طریقہ

پہلے تو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ حکومت کا قیام نقل وعقل کے اعتبار سے ضروری ہے، کیونکہ اس کے بغیر ملک کے نظم ونسق کو چلانا تقریباً ناممکن ہے، یہی وجہ ہے کہ کسی ملک کی حکومت ختم یا کمزور ہونے کی صورت میں، اُس ملک کے اندر بے راہ روی، قتل وغارت گری اورلوٹ مار کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے، اورایک طرح سے ملک خانہ جنگی کی لپیٹ میں آجاتا ہے، جس کی وجہ سے لوگوں کواپنے دینی ودنیاوی معمولاتِ زندگی پورا کرنا اور چلانا بھی مشکل ہوجاتا ہے۔

اوراس ملک پر دشمنوں کی چڑھائی اور قبضہ آور ہونے کا بھی خطرہ لاحق ہوجاتا ہے۔

اس لئے اسلام میں حکومت بلکہ صحیح، مؤثر اور مضبوط حکومت کے قیام پر بہت زور دیا گیا ہے، اوراسی لئے بعض احادیث میں حکمران کی بیعت کئے بغیر فوت ہوجانے کی برائی بیان کی گئی ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: مَنْ خَلَعَ يَدًا مِّنْ طَاعَةٍ، لَقِيَ اللّٰهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا حُجَّةَ لَهُ، وَمَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِيْ عُنُقِهٖ بَيْعَةٌ، مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً (مسلم)[1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے (حکمران وقانون کی شرعی اور جائز کاموں میں) اطاعت سے ہاتھ نکال لیا، تو وہ قیامت کے دن اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کے پاس کوئی دلیل نہ ہوگی اور جو اس حال میں مَرا کہ اس کی گردن میں کسی (حکمران) کی (سیاسی)

---

[1] رقم الحديث ۱۸۵۱ "۵۸" كتاب الامارة، باب الأمر بلزوم الجماعة عند ظهور الفتن وتحذير الدعاة إلى الكفر.

Idara Ghufran

بیعت نہ تھی، تو وہ جاہلیت کی موت مَرا (مسلم)

اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : مَنْ مَاتَ وَلَيْسَ عَلَيْهِ إِمَامٌ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً (السنة لابن ابی عاصم، رقم الحديث ۱۰۵۷) [۱]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اس حال میں مَرا کہ اُس پر کوئی امام (وحکمران) نہ تھا، تو وہ جاہلیت کی موت مَرا (ابن ابی عاصم)

زمانۂ جاہلیت میں کسی کو بڑا بنانے اور حکمران تسلیم کرنے کا رواج نہیں تھا، اور اسی لئے کسی سے سیاسی بیعت ہونے کو بھی گوارا نہیں کیا جاتا تھا، اور اس کی وجہ سے ہمہ وقت قتل وغارت گری کا بازار گرم رہتا تھا۔

اس حدیث میں جہاں ایک طرف حکمران کے خلاف بغاوت سے منع کیا گیا ہے، اور اس کی جائز کاموں میں اطاعت کا حکم دیا گیا ہے، وہیں حکمران کی سیاسی بیعت کئے بغیر فوت ہونے کی بھی یہ بُرائی بیان کی گئی ہے کہ وہ جاہلیت کی موت مرے گا، جس سے حکومت کے قیام کی ضرورت واہمیت واضح ہوئی۔ [۲]

---

[۱] قال الالبانی: إسناده حسن (ظلال الجنة فی تخريج السنة)

[۲] (وعنه قال :سمعت رسول الله يقول :من خلع يدا من طاعة) أى خرج عنها بالخروج على الإمام وعدم الانقياد له فى غير معصية بأى وجه كان، أطلق خلع اليد وأراد به لازمه وهو إبطال المبايعة بالخروج عن الطاعة مجازا مرسلا، قال العاقولی :يكنى بخلع اليد عن نكث العهد لأن المعاهد يضع يده فى يد من عاهد غالبا (لقى الله يوم القيامة ولا حجة له) أى لا حجة له يومئذ فيما فعله من نبذ الطاعة ولا عذر له فيه (ومن مات وليس فى عنقه بيعة) أى للإمام بالسمع والدخول فى طاعته والجملة فى محل الحال من فاعل مات قيد له .(مات ميتة جاهلية) هى صفة ميتة أى مات على الضلالة كما يموت أهل الجاهلية عليها من جهة أنهم كانوا لا يدخلون تحت طاعة أمير ويرون ذلك عيبا بل كان ضعيفهم نهبا لقويهم (رواه مسلم) فى المغازى من صحيحه منفردا به عن باقی الستة.(وفى رواية له) أى لمسلم عن ابن عمر مرفوعا (ومن مات وهو مفارق للجماعة) وهو شامل لعدم المبايعة والدخول فى الطاعة ابتداء وللخروج عنها بعد الدخول فيها، والمراد بالجماعة الإمام وجيش الإسلام، ويجوز أن يراد به مفارقة الجماعة فى الصلوات كالروافض فإنه لبدعتهم لا يرون

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا خَرَجَ ثَلَاثَةٌ فِيْ سَفَرٍ فَلْيُؤَمِّرُوْا أَحَدَهُمْ (سنن أبی داود) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تین آدمی سفر میں نکلیں، تو وہ اپنے میں سے ایک کو امیر بنالیں (ابوداؤد)

جب سفر کی حالت میں بھی تین آدمیوں کو اپنے میں سے کسی ایک کو امیر مقرر کر لینے کا حکم ہے، تو ملک کی قیادت کے لئے امیر وحکمران مقرر کر لینے کی اہمیت کیا کچھ ہوگی؟ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الدخول تحت طاعة أئمة الحق والانقياد لهم إلا اضطرارا وتقية (فإنه يموت ميتة جاهلية) أى مات على هيئة موت أهل الجاهلية فإنهم كانوا أفرادا لا إمام يردعهم ولا جماعة تجمعهم، قال المصنف (الميتة بكسر الميم) للنوع والحالة(دليل الفالحين، ج۵، ۱۲۸، باب وجوب طاعة ولاة الأمر)

(وعن عبد الله بن عمر قال :سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول :من خلع يدا من طاعة) أى أى طاعة كانت قليلة أو كثيرة، قال الطيبى :ولما كان وضع اليد كناية عن العهد وإنشاء البيعة لجرى العادة بوضع اليد على اليد حال المعاهدة كنى عن النقض بخلع اليد ونزعها يريد من نقض وخلع نفسه عن بيعة الإمام (مرقاة المفاتيح، ج٦ ص٢٣٩٨، كتاب الإمارة والقضاء)

[1] رقم الحديث ٢٦٠٨، كتاب الجهاد، باب فى القوم يسافرون يؤمرون أحدهم.

[2] أولا :السياسة الشرعية فى الحكم: الإمامة :من الثابت أن الإسلام دين ودولة؛ لأن القرآن الكريم هو كتاب عقيدة كما هو كتاب أحكام وقواعد تنظم صلة الإنسان بالإنسان والإنسان بالمجتمع، والمجتمع المسلم بغير المسلم فى حالة السلم والحرب . وهو إلى جانب ذلک يحوى كل أنواع الحقوق وفروعها .فالحقوق المدنية إلى جانب الحقوق الجزائية، والاقتصادية، والمالية، والتجارية، والدولية بفرعيها العامة والخاصة . ولم تكن هذه الحقوق مواعظ متروكة لرغبة الإنسان، وإنما هى أحكام آمرة واجبة التنفيذ، وهذا لا يكون إلا بقيام الدولة.

وهذه الدولة لا بد لها من إمام (رئيس) يتولى أمورها، كما يسهر على مصلحة الأمة، وقد أرشد القرآن الكريم إلى ذلک بهذه الآية المجيدة :(وإذ قال ربک للملائكة إنى جاعل فى الأرض خليفة. .) قال القرطبى :هذه الآية أصل فى نصب إمام وخليفة يسمع له ويطاع؛ لتجتمع به الكلمة، وتنفذ به أحكام الخليقة.وفى السنة أن رسول الله عليه الصلاة والسلام قال :لا يحل لثلاثة نفر يكونون بأرض فلاة إلا أمروا عليهم أحدهم.وقال :إذا خرج ثلاثة فى سفر فليؤمروا أحدهم.

قال الشوكانى :وإذا شرع هذا لثلاثة يكونون فى فلاة من الأرض أو يسافرون، فشرعيته لعدد أكثر يسكنون القرى والأمصار ويحتاجون لدفع التظالم وفصل التخاصم، أولى وأحرى .وفى ذلک

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت زِر بن حبیش رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

لَمَّا أَنْكَرَ النَّاسُ سِيْرَةَ الْوَلِيْدِ بْنِ عُقْبَةَ بْنِ أَبِىْ مُعَيْطٍ، فَزِعَ النَّاسُ إِلٰى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ، فَقَالَ لَهُمْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ: اِصْبِرُوْا؛ فَإِنَّ جَوْرَ إِمَامٍ خَمْسِيْنَ عَامًا خَيْرٌ مِّنْ هَرْجِ شَهْرٍ، وَذٰلِكَ أَنِّىْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ : لَا بُدَّ لِلنَّاسِ مِنْ إِمَارَةٍ بَرَّةٍ أَوْ فَاجِرَةٍ، فَأَمَّا الْبَرَّةُ فَتَعْدِلُ فِى الْقَسْمِ، وَيُقْسَمُ بَيْنَكُمْ فَيْؤُكُمْ بِالسَّوِيَّةِ، وَأَمَّا الْفَاجِرَةُ فَيُبْتَلٰى فِيْهَا الْمُؤْمِنُ، وَالْإِمَارَةُ الْفَاجِرَةُ خَيْرٌ مِّنَ الْهَرْجِ ، قِيْلَ : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، وَمَا الْهَرْجُ؟ قَالَ : اَلْقَتْلُ وَالْكَذِبُ

(المعجم الكبير للطبرانى، رقم الحديث ١٠٢١٠)

ترجمہ: جب لوگوں نے ولید بن عقبہ بن ابی معیط (حکمران) کے طرزِ عمل کو برا سمجھا، تو لوگ گھبرا کر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، تو ان کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم (حکمران کی ناگوار باتوں پر) صبر کرو، پس بے شک حکمران کا پچاس سال ظلم کرنا بہتر ہے، ایک مہینہ کے ''ھرج'' (یعنی بغیر حکومت کے قتل وقتال اور خانہ جنگی) سے، اور یہ اس وجہ سے ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا کہ لوگوں کے لئے حکومت ضروری ہے، خواہ نیک ہو، یا فاجر (یعنی فاسق اور گناہ گار وظالم) جہاں تک نیک حکومت کا تعلق ہے، تو وہ تقسیم میں عدل وانصاف سے کام لیتی ہے، اور تمہارے درمیان تمہارا مال انصاف کے ساتھ برابر تقسیم کیا جاتا ہے، اور

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

دليل لقول من قال :إنه يجب على المسلمين نصب الأئمة والولاة والحكام .ولما كان صلاح البلاد وأمن العباد وقطع مواد الفساد وإنصاف المظلومين من الظالمين لا يتم إلا بسلطان قاهر قادر لذلك وجب نصب إمام يقوم بحراسة الدين وسياسة أمور الأمة، وهو فرض بالإجماع(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٥،ص٣٠٣، أنواع السياسة الشرعية)

جہاں تک فاجر (یعنی فاسق اور گناہ گار وظالم) حکومت کا تعلق ہے، تو اس میں مومن کی آزمائش کی جاتی ہے، اور فاجر (فاسق اور گناہ گار وظالم) حکومت بہتر ہے ھرج سے، عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول! ھرج کیا ہے، تو آپ نے فرمایا کہ قتل وقتال (خانہ جنگی) اور جھوٹ (دھوکہ وفریب) (طبرانی)

یہ حدیث سند کے اعتبار سے درست ہے۔ [1]

---

[1] علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے اس حدیث کے رِجال کو ثقہ قرار دیا ہے، سوائے وہب اللہ بن رزق کے، اُن کے بارے میں انہوں نے عدمِ معرفت کا اظہار کیا ہے۔

چنانچہ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد علامہ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

رواه الطبراني، وفيه وهب الله بن رزق ولم أعرفه، وبقية رجاله ثقات(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۹۱۲۴، كتاب الخلافة، باب لزوم الجماعة وطاعة الأئمة والنهى عن قتالهم)

اور علامہ ذہبی رحمہ اللہ کے مطابق وھب بن رزق کی کنیت ابو ہریرہ مصری ہے، جنہوں نے بشر بن بکر اور یحییٰ بن بکیر اور عبداللہ بن یحییٰ معافری وغیرہ سے سماعت کی ہے، اور ان سے ابوبکر بن ابی داؤ داور محمد بن عبداللہ بن عرس شیخ طبرانی نے سماعت کی ہے۔

چنانچہ علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وهب الله بن رزق، أبو هريرة المصرى.لم يذكره ابن يونس فى تاريخه .سمع :بشر بن بكر التنيسى، ويحيى بن بكير، وعبد الله بن يحيى المعافرى، وغيرهم .وعنه :أبو بكر بن أبى داود، ومحمد بن عبد الله بن عرس شيخ الطبرانى(تاريخ الاسلام للامام الذهبى، ج۵ص ۱۲۸۰)

نیز امام بیہقی رحمہ اللہ نے امام شافعی رحمہ اللہ کی ان سے سماعت کی بھی روایت کی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ امام شافعی رحمہ اللہ کے تلامذہ میں شامل ہیں، اس لئے ان کو مجہول سمجھنا درست نہیں، اور رجحان یہی ہے کہ یہ بھی ثقہ ہیں۔

حدثنا أبو هريرة وهب الله بن رزق المصرى، حدثنا محمد بن إدريس الشافعى، وخالد بن نزار قالا :حدثنا سفيان بن عيينة، عن إسماعيل بن أبى خالد، عن قيس بن أبى حازم، عن أبى بكر الصديق، رضى الله عنه قال " :إنما مثلنا ومثل الأنصار ما قاله الغنوى لبنى جعفر: (البحر الطويل)

جزى الله عنا جعفرا حين أزلفت ...بنا نعلنا فى الواطئين فزلت

أبوا أن يملونا، ولو أن أمنا ...تلاقى الذى يلقون منا لملت"

زاد محمد بن إدريس، رحمه الله:

هم خلطونا بالنفوس وألجئوا ...إلى حجرات أدفأت، وأظلت (معرفة السنن والآثار، للبيهقى، رقم الحديث ۲۰۸۷۳)

ابنِ بطال رحمہ اللہ نے بخاری کی شرح میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد بھی اسی طرح کا نقل کیا ہے۔ [1]

اس حدیث سے حکومت کے قیام کی اہمیت وضرورت واضح ہوئی، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ عادلانہ حکومت کا قیام، فاجرانہ حکومت کے مقابلہ میں مقدم واہم ہے، اور اگر یہ ممکن نہ ہو، یا اس پر قدرت نہ ہو، تو تب بھی فاجر حکومت کا قیام ضروری ہے۔ [2]

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَعْهَدْ إِلَيْنَا عَهْدًا نَأْخُذُ بِهٖ فِيْ إِمَارَةٍ، وَلٰكِنَّهُ شَيْءٌ رَأَيْنَاهُ مِنْ قِبَلِ أَنْفُسِنَا، ثُمَّ اسْتُخْلِفَ أَبُوْ بَكْرٍ،

---

[1] وذكر على بن معبد، عن على بن أبى طالب أنه قال :لابد من إمامة برة أو فاجرة .قيل له :البرة لابد منها،فما بال الفاجرة؟ قال :تقام بها الحدود، وتأمن بها السبل، ويقسم بها الفء، ويجاهد بها العدو .ألا ترى قوله (صلى الله عليه وسلم) فى حديث ابن عباس :(من خرج من السلطان شبرا مات ميتة جاهلية)(شرح صحيح البخارى۔ لابن بطال، ج۱۰ ص۷ الى ۹،باب قول النبى صلى الله عليه وسلم سترون بعدى أمورا تنكرونها)

[2] تقديم الأمثل عند الاضطرار : ذكر الفقهاء أنه إذا تعذر اجتماع كل هذه الشروط فى الناس، وفقد مكتمل هذه الأوصاف فى وقت من الأوقات، فلا يعطل إسناد الولايات العامة فى الدولة، بل يجب تقديم الأصلح والأمثل فى كل ولاية بحسبها، إذ الضرورات تبيح المحظورات، ولأن حفظ بعض المصالح أولى من تضييعها كلها، فلا يجوز تعطيل أصل المصالح لوجود بعض الفسق فى ولاة الأمر، ولأن البعيد مع الأبعد قريب، وأهون الشرين خير بالإضافة، وقد قال الله تعالى: (فاتقوا الله ما استطعتم) فعلق تحصيل التقوى على الاستطاعة، فكذا المصالح كلها.

وقال سبحانه : (لا يكلف الله نفسا إلا وسعها) فدل على أنه لا تكليف إلا مع القدرة، وأن الأمر يسقط بالعجز .وفى ذلك يقول العز بن عبد السلام :لو تعذرت العدالة فى جميع الناس لما جاز تعطيل المصالح المتعلقة بالقضاة والخلفاء والولاة، بل قدمنا أمثل الفسقة فأمثلهم، وأصلحهم للقيام بذلك فأصلحهم، بناء على أنا إذا أمرنا بأمر أتينا منه بما قدرنا عليه، ويسقط عنا ما عجزنا عنه، ولا شك أن حفظ البعض أولى من تضييع الكل.

ومع أنه يجوز تولية غير الأهل للضرورة إذا كان أصلح الموجود، فيجب مع ذلك السعى فى إصلاح الأحوال حتى يكمل فى الناس ما لا بد لهم منه من أمور الولايات والإمارات ونحوها، كما يجب على المعسر السعى فى وفاء دينه، وإن كان فى الحال لا يطلب منه إلا ما يقدر عليه، وكما يجب الاستعداد للجهاد بإعداد القوة ورباط الخيل فى وقت سقوطه للعجز، فإن ما لا يتم الواجب إلا به فهو واجب (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۵، ص۱۴۴ وص۱۴۵، مادة "ولاية")

رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلٰى أَبِىْ بَكْرٍ، فَأَقَامَ وَاسْتَقَامَ، ثُمَّ اسْتُخْلِفَ عُمَرُ، رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلٰى عُمَرَ، فَأَقَامَ وَاسْتَقَامَ، حَتّٰى ضَرَبَ الدِّيْنُ بِجِرَانِهٖ (مسند احمد، رقم الحديث ۹۲۱) [۱]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں امارت (وحکومت) کے سلسلے میں کوئی وصیت نہیں فرمائی تھی جس پر ہم عمل کرتے، بلکہ یہ تو ایک چیز تھی جس کو ہم نے خود سے تجویز کرلیا تھا، پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے، ان پر اللہ کی رحمت ہو، وہ (حق پر) قائم رہے اور (حق) قائم کرگئے، پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے، عمر پر بھی اللہ کی رحمتیں نازل ہوں، وہ بھی (حق پر) قائم رہے اور (حق) قائم کرگئے، یہاں تک کہ دین نے اپنی گردن جھکادی (یعنی دین خوب بھاری ومضبوط ہوگیا) (مسند احمد)

معلوم ہوا کہ حکمران کومنتخب کرنے کی ذمہ داری اس خطہ کے باشندوں کی ہے، لیکن اس کے منتخب کرنے کا کوئی متعین طریقہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تجویز نہیں فرمایا۔

حکمران کا انتخاب، مشورہ کے بعد بیعتِ عام کے ذریعہ سے

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّهٗ سَمِعَ خُطْبَةَ عُمَرَ الْآخِرَةَ حِيْنَ جَلَسَ عَلَى الْمِنْبَرِ، وَذٰلِكَ الْغَدَ مِنْ يَوْمٍ تُوُفِّيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَتَشَهَّدَ وَأَبُوْ بَكْرٍ صَامِتٌ لَا يَتَكَلَّمُ، قَالَ: كُنْتُ أَرْجُوْ أَنْ يَّعِيْشَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى يَدْبُرَنَا، يُرِيْدُ بِذٰلِكَ أَنْ يَّكُوْنَ آخِرَهُمْ، فَإِنْ يَّكُ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ مَاتَ، فَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ جَعَلَ بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ نُوْرًا تَهْتَدُوْنَ بِهٖ، هَدَى اللّٰهُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،

---

[۱] فى حاشية مسنداحمد: صحيح لغيره.

وَإِنَّ أَبَا بَكْرٍ صَاحِبَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثَانِيَ اثْنَيْنِ، فَإِنَّهُ أَوْلَى الْمُسْلِمِيْنَ بِأُمُوْرِكُمْ، فَقُوْمُوْا فَبَايِعُوْهُ، وَكَانَتْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ قَدْ بَايَعُوْهُ قَبْلَ ذٰلِكَ فِيْ سَقِيْفَةِ بَنِيْ سَاعِدَةَ، وَكَانَتْ بَيْعَةُ الْعَامَّةِ عَلَى الْمِنبَرِ قَالَ الزُّهْرِيُّ: عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، سَمِعْتُ عُمَرَ يَقُوْلُ لِأَبِيْ بَكْرٍ يَوْمَئِذٍ: اِصْعَدِ الْمِنبَرَ، فَلَمْ يَزَلْ بِهٖ حَتّٰى صَعِدَ الْمِنبَرَ، فَبَايَعَهُ النَّاسُ عَامَّةً (بخاری) [1]

ترجمہ: انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا آخری خطبہ سنا جب کہ وہ منبر پر بیٹھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا دوسرا دن تھا، انہوں نے خطبہ پڑھا اور حضرت ابوبکر خاموش بیٹھے ہوئے تھے، کچھ نہیں بول رہے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں امید کرتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ رہیں گے، یہاں تک کہ ہمارے بعد انتقال فرمائیں گے، پھر اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم انتقال فرما گئے تو اللہ نے تمہارے سامنے نور (یعنی قرآن مجید) کو مقرر کر دیا ہے، جس کے ذریعے تم ہدایت پاتے ہو، جس سے اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت بخشی، بے شک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں، جو غار میں بھی آپ کے دوسرے ساتھی تھے، اور وہی مسلمانوں میں تمہارے امور کے والی (وحاکم) ہونے کے زیادہ مستحق ہیں، اس لئے اٹھو اور ان کی (حکومت وخلافت کی) بیعت کرو، ان میں سے ایک جماعت اس سے پہلے سقیفہ بنی ساعدہ ہی میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بیعت کر چکی تھی، اور عام بیعت (اِس وقت) منبر پر ہوئی، حضرت زہری نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس دن سنا، وہ حضرت ابوبکر سے کہتے رہے کہ منبر پر چڑھیے اور برابر کہتے رہے، یہاں تک کہ وہ منبر پر چڑھے اور عام لوگوں

[1] رقم الحدیث ۷۲۱۹، کتاب الاحکام، باب الاستخلاف.

نے آپ کی (خلافت وحکومت کی) بیعت کی (بخاری)

اس سے معلوم ہوا کہ حکومت وخلافت کے لئے بیعتِ عام ہونی چاہئے، اور ایسے شخص کو حکومت کے لئے مقرر کرنا چاہئے کہ جو لوگوں کے معاملات کو بہتر طریقہ پر انجام دے سکے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

مَنْ بَايَعَ رَجُلًا عَنْ غَيْرِ مَشُورَةٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَلَا يُبَايَعُ هُوَ وَلَا الَّذِىْ بَايَعَهُ (بخاری) [1]

ترجمہ: جس نے مسلمانوں کے مشورے کے بغیر کسی سے (حکومت کے لئے) بیعت کی، تو اس کی پیروی نہیں کی جائے گی، اور نہ اس کی پیروی کی جائے گی، جس نے اس کی بیعت کی (بخاری)

اور مسند احمد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

وَقَالَ عُمَرُ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ: أَمَا وَاللّٰهِ مَا وَجَدْنَا فِيْمَا حَضَرْنَا أَمْرًا هُوَ أَقْوٰى مِنْ مُبَايَعَةِ أَبِىْ بَكْرٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ، خَشِيْنَا إِنْ فَارَقْنَا الْقَوْمَ، وَلَمْ تَكُنْ بَيْعَةٌ، أَنْ يُّحْدِثُوْا بَعْدَنَا بَيْعَةً، فَإِمَّا أَنْ نُتَابِعَهُمْ عَلٰى مَا لَا نَرْضٰى، وَإِمَّا أَنْ نُّخَالِفَهُمْ فَيَكُوْنَ فِيْهِ فَسَادٌ، فَمَنْ بَايَعَ أَمِيْرًا عَنْ غَيْرِ مَشُوْرَةِ الْمُسْلِمِيْنَ فَلَا بَيْعَةَ لَهُ، وَلَا بَيْعَةَ لِلَّذِىْ بَايَعَهُ (مسند احمد، رقم الحديث ۳۹۱) [2]

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! آج ہمیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کے واقعے سے زیادہ مضبوط حالات کا سامنا نہیں ہے، ہمیں اندیشہ ہے کہ اگر لوگ ہم سے جدا ہو گئے اور اس وقت کسی کی (حکمرانی کی) بیعت نہ ہوئی، تو وہ کسی سے بھی ہمارے جدا ہونے کے بعد بیعت کرلیں گے، پھر یا تو ہم

---

[1] رقم الحديث ۶۸۳۰، كتاب الحدود، باب رجم الحبلى من الزنا إذا أحصنت.

[2] فى حاشية مسند احمد: إسناد حديث السقيفة صحيح على شرط مسلم.

www.idaraghufran.org

ناپسندیدہ چیزوں پر ان کی اتباع کریں گے، یا پھر ہم ان کی مخالفت کریں گے، جس سے فساد واختلاف ہوگا، پس جو شخص مسلمانوں کے مشورے کے بغیر کسی شخص کی بیعت کرے گا اس کی بیعت کا کوئی اعتبار نہیں، اور نہ ہی اس شخص کی (حکومت کی) بیعت معتبر ہوگی جس سے بیعت لی گئی ہے (مسند احمد)

اس سے معلوم ہوا کہ حکمرانی کے لئے باہمی مشورہ سے بیعتِ عام ہونی چاہیے، جس سے مراد یہ ہے کہ کثرت سے لوگ بیعت کریں، اور اس بیعت کو سیاسی اور اِمارتی بیعت کہا جاتا ہے۔

اور حکمرانی کے انتخاب کا ایک طریقہ یہ ہے کہ پہلے سے موجود حکمران اپنے بعد حکمرانی کے لئے کسی معتبر شخص کو دیانت دارانہ وذمہ دارانہ طریقہ پر مقرر وتجویز کردے، جیسا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مقرر وتجویز فرمایا تھا۔

اور اگر دیانت دار وذمہ دار کچھ لوگوں کی شوریٰ مقرر کردی جائے، اور پھر یہ شوریٰ دیانت دارانہ وذمہ دارانہ طریقہ پر حکمران کا انتخاب کرے، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد حکمران کے انتخاب کے لئے کیا تھا، تو بھی جائز ہے۔ [1]

اور اگر حکومت کے انتخاب کے لئے اس کے علاوہ کوئی اور مناسبِ حال طریقہ تجویز کیا جائے، جس پر عوام کا اتفاق ہوجائے اور شریعت کے اصولوں کی خلاف ورزی بھی لازم نہ آئے، تو بھی جائز ہے، کیونکہ شریعت نے حکومت کے انتخاب کا کوئی ایک مخصوص طریقہ مقرر نہیں کیا، اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ شریعت کے پیشِ نظر اصل مقصود، انتشار وافتراق کو ختم کرکے کسی حکومت وحکمران پر عمومی اتفاق کا حاصل ہوجانا ہے۔

---

[1] قوله فبايعه الناس عامة أى كانت البيعة الثانية أعم وأشهر وأكثر من المبايعة التى وقعت فى سقيفة بنى ساعدة(فتح البارى، ج۱۳، ص ۲۰۹، باب الاستخلاف)

وفى الحديث جواز عقد الخلافة من الإمام المتولى لغيره بعده وإن أمره فى ذلک جائز على عامة المسلمين لإطباق الصحابة ومن بعدهم معهم على العمل بما عهده أبو بكر لعمر، وكذا لم يختلفوا فى قبول عهد عمر إلى الستة وهو شبيه بإيصاء الرجل على ولده ليكون نظره فيما يصلح أتم من غيره فكذلک الإمام، وقال النووى وغيره أجمعوا على انعقاد الخلافة بالاستخلاف وعلى انعقادها بأهل الحل والعقد لإنسان حيث لا يكون هناک استخلاف غيره وعلى جواز جعل الخليفة الأمر شورى بين عدد مخصوص أو غيره(ارشاد السارى، ج۱۰، ص ۲۷۱، باب الاستخلاف)

www.idaraghufran.org

پھر حکمران سے سیاسی واِمارتی بیعت میں سب لوگوں کا ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیعت کرنا ضروری نہیں ہے، بلکہ کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا کافی ہے، جس سے جبر واکراہ کے بغیر کسی کی حکمرانی وحکومت پر دوسروں کی طرف سے رضامندی ظاہر ہوجائے۔ [1]

اور اگر سب لوگ تو بیعت نہ کریں، اور کچھ لوگ کسی عذر سے پیچھے رہ جائیں، مگر دوسرے ذمہ دار اور اصحابِ رائے کسی حکومت پر بیعت کرلیں، تب بھی یہ بیعت معتبر ہوجاتی ہے۔ [2]

---

[1] چنانچہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے عبدالملک بن مروان سے تحریری طور پر سیاسی واِمارتی بیعت کی تھی۔

عن عبد الله بن دينار، أن عبد الله بن عمر، كتب إلى عبد الملك بن مروان يبايعه :وأقر لك بذلك بالسمع والطاعة على سنة الله وسنة رسوله فيما استطعت (بخارى، رقم الحديث ۷۲۷۲)

[2] قال الإمام: إنما تأخر على عن البيعة ، فقد ذكر عذره عنه فى كتاب مسلم واعتذار الصديق عنه. ويكتفى فى بيعة الإمام بآحاد من أهل الحل والعقد ، ولايفتقر إلى بيعة كل الأمة ، ولايلزم كل الأمة ان يأتوا إليه يضعون أيديهم بيده ، وإنما يلزم إذا عقد أهل الحل والعقد انقياد البقية ألا يظهروا خلافا ولايشقوا العصا .وهكذا كان على -رضى الله عنه -ما ظهر على أبى بكر -رضى الله عنه - خلافا ولاشق عصاه (اكمال المعلم، ج۶، ص۴۲، باب قول النبى (صلى الله عليه وسلم) : لا نورث ، ما تركنا فهو صدقة)

وقال المارزى :العذر لعلى، رضى الله تعالى عنه، فى تخلفه مع ما اعتذر هو به أنه يكفى فى بيعة الإمام أن يقع من آحاد أهل الحل والعقد، ولا يجب الاستيعاب، ولا يلزم كل أحد أن يحضر عنده ويضع يده فى يده، بل يكفى التزام طاعته والانقياد له بأن لا يخالفه ولا يشق العصا عليه، وهذا كان حال على، رضى الله تعالى عنه، ولم يقع منه إلا التأخر عن الحضور عند أبى بكر، رضى الله تعالى عنه(عمدة القارى، ج۱۷، ۲۵۹، باب غزوة خيبر)

قال المازرى العذر لعلى فى تخلفه مع ما اعتذر هو به أنه يكفى فى بيعة الإمام أن يقع من أهل الحل والعقد ولا يجب الاستيعاب ولا يلزم كل أحد أن يحضر عنده ويضع يده فى يده بل يكفى التزام طاعته والانقياد له بأن لا يخالفه ولا يشق العصا عليه وهذا كان حال على لم يقع منه إلا التأخر عن الحضور عند أبى بكر(فتح البارى، ج۴، ص۴۹۴، قوله باب غزوة خيبر)

يختلف حكم المبايعة باختلاف المبايعين، فأهل الحل والعقد يجب عليهم بيعة من يختارونه للإمامة ممن قد استوفى الشروط الشرعية لها . وأما سائر الناس، فالأصل وجوب البيعة على كل واحد منهم بناء على بيعة أهل الحل والعقد، لقول النبى صلى الله عليه وسلم :من مات وليس فى عنقه بيعة لإمام مات ميتة جاهلية ولكن المالكية ذهبوا إلى أنه يكفى سائر الناس أن يعتقدوا أنهم تحت أمر الإمام المبايع، وأنهم ملتزمون بالطاعة له . هذا بالنسبة للمبايعين من أهل الحل والعقد وسائر الناس،أما من جهة المختار ليكون إماما فيجب عليه قبول البيعة إن تعينت الإمامة، بأن لا يوجد غيره مستوفيا للشروط، فإن كان المستوفون للشروط أكثر من واحد، كان قبول البيعة فرض كفاية (وانظر مصطلح :الإمامة الكبرى، وأهل الحل والعقد)(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۹،ص۲۷۵،الحكم التكليفى للبيعة،ماده بيعة)

امیدوار Candidate کی حیثیت

حکومت کے کسی عہدہ کی ذمہ داری کیونکہ بہت نازک کام اور اہم قومی امانت ہے، اس لئے شریعت نے بغیر سوچے سمجھے اور بغیر صلاحیت وقوت کے اس عہدہ پر فائز ہونے کو پسند نہیں کیا، اور اس سے حتی الامکان بچنے میں ہی عافیت بتلائی ہے۔ [1]

البتہ اگر کسی میں حکومت کی اہلیت وصلاحیت اور قوت موجود ہو، اور اسے امانت ودیانت کے ساتھ اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کا عزم اور اس کی اُمید ہو، تو پھر اس عہدہ کو سنبھالنے میں گناہ بھی نہیں، بلکہ خدمتِ خلق کے جذبہ سے عدل وانصاف کے ساتھ اس ذمہ داری کو انجام دینا عظیم اجر وثواب کا باعث بھی ہے۔ [2]

---

[1] عن أبی ذر، قال :قلت :یا رسول الله، ألا تستعملنی؟ قال :فضرب بیده علی منکبی، ثم قال :یا أبا ذر، إنک ضعیف، وإنها أمانة، وإنها یوم القیامة خزی وندامة، إلا من أخذها بحقها، وأدی الذی علیه فیها(مسلم، رقم الحدیث ۱۸۲۵”۱۶“)

[2] عن حفص بن عاصم عن أبی سعید الخدری أو عن أبی هریرة قال :قال رسول الله صلی الله علیه وسلم " :سبعة یظلهم الله فی ظله یوم لا ظل إلا ظله :إمام عادل،وشاب نشأ فی عبادة الله ورجل قلبه معلق بالمسجد إذا خرج منه حتی یعود إلیه ورجلان تحابا فی الله اجتمعا علی ذلک وتفرقا ورجل ذکر الله خالیا ففاضت عیناه ورجل دعته امرأة ذات حسب وجمال فقال إنی أخاف الله ورجل تصدق بصدقة فأخفاها حتی لا تعلم شماله ما تنفق یمینهٗ(صحیح ابن حبان،رقم الحدیث ۷۳۳۸،ج۱۶ ص ۳۳۲)

فی حاشیة ابنِ حبان:إسناده صحیح علی شرط الشیخین.

عن أبی هریرة قال :قال رسول الله صلی الله علیه وسلم " :الإمام العادل لا ترد دعوته (مسند احمد،رقم الحدیث ۹۷۲۵)

فی حاشیة مسند احمد:حدیث حسن.

عن عیاض بن حمار أن النبی صلی الله علیه وسلم قال" :أهل الجنة ثلاثة ذو سلطان مقسط موفق ورجل رحیم رقیق القلب بکل ذی قربی ومسلم ورجل فقیر عفیف متصدق "(صحیح ابنِ حبان، رقم الحدیث ۷۴۵۳،واللفظ لهٗ، مسلم ،رقم الحدیث ۲۸۶۵”۶۳“)

فی حاشیة ابنِ حبان:إسناده علی شرط مسلم.

اس کے بعد سمجھنا چاہئے کہ حکومتی عہدہ ومنصب کی ذمہ داری (بلکہ کسی بھی اجتماعی کام کی انجام دہی) ونمائندگی کے لیے جو شخص بطور اُمیدوار کھڑا ہوتا ہے، وہ گویا کہ اس کام کے سلسلہ میں عوام کے سامنے یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ اس منصب وعہدہ کی اپنے اندر اہلیت وصلاحیت اور قوت رکھتا ہے، اور وہ اس ذمہ داری وخدمت کو دیانت وامانت داری کے ساتھ ادا کرے گا۔

لہٰذا اگر وہ اپنے دعویٰ میں سچا ہے، تو ٹھیک، ورنہ وہ جھوٹا مدعی اور خائن کہلائے جانے کا مستحق ہوگا۔ [1]

---

[1] چنانچہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

کسی مجلس کی ممبری کے انتخابات کے لیے جو امیدوار کی حیثیت سے کھڑا ہو، وہ گویا پوری ملّت کے سامنے دو چیزوں کا مدّعی ہے: ایک یہ کہ وہ اس کام کی قابلیت رکھتا ہے جس کا امیدوار ہے، دوسرے یہ کہ وہ دیانت وامانتداری سے اس کام کو انجام دے گا۔ اب اگر واقع میں وہ اپنے اس دعوے میں سچا ہے، یعنی قابلیت بھی رکھتا ہے اور امانت دیانت کے ساتھ قوم کی خدمت کے جذبے سے اس میدان میں آیا تو اس کا یہ عمل کسی حد تک درست ہے، اور بہتر طریق اس کا یہ ہے کہ کوئی شخص خود مدعی بن کر کھڑا نہ ہو، بلکہ مسلمانوں کی کوئی جماعت اس کو اس کام کا اہل سمجھ کر نامزد کردے، اور جس شخص میں اس کام کی صلاحیت ہی نہیں، وہ اگر امیدوار ہو کر کھڑا ہو تو قوم کا غدار اور خائن ہے، اس کا ممبری میں کامیاب ہونا ملک وملت کے لیے خرابی کا سبب تو بعد میں بنے گا پہلے تو وہ خود غدار اور خیانت کا مجرم ہو کر عذابِ جہنم کا مستحق بن جائے گا، اب ہر وہ شخص جو کسی مجلس کی ممبری کے لیے کھڑا ہوتا ہے، اگر اس کو کچھ آخرت کی بھی فکر ہے تو اس میدان میں آنے سے پہلے خود اپنا جائزہ لے لے، اور یہ سمجھ لے کہ اس ممبری سے پہلے تو اس کی ذمہ داری صرف اپنی ذات اور اپنے اہل وعیال ہی تک محدود تھی، کیونکہ بنصِ حدیث ہر شخص (اپنی ذات کے علاوہ) اپنے اہل وعیال کا بھی ذمہ دار ہے اور اب کسی مجلس کی ممبری کے بعد جتنی خلقِ خدا کا تعلق اس مجلس سے وابستہ ہے، اُن سب کی ذمہ داری کا بوجھ اُس کی گردن پر آتا ہے، اور وہ دنیا وآخرت میں اس ذمہ داری کا مسئول اور جواب دہ ہے (جواہرُ الفقہ ج ۵، ص ۵۳۲، طبع جدید: ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ مطابق نومبر ۲۰۱۰ء)

اور حضرت مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

ممبری کا امیدوار گویا اس کا مدعی ہوتا ہے کہ وہ اس کام کی قابلیت اپنے اندر رکھتا ہے جس کا وہ امیدوار ہے، دوسرے یہ کہ وہ امانت ودیانت داری سے اس کام کو انجام دے گا۔ جس شخص میں اس کام کی صلاحیت ہی نہ ہو وہ اگر امیدوار ہو کر کھڑا ہوتا ہے تو ایسا شخص جھوٹا مدعی ہے اور ملک وملت کی خرابی کا سبب بننے کے ساتھ خیانت کا مجرم ہو کر عذابِ جہنم کا مستحق بن جاتا ہے۔ اب جو شخص بھی کسی مجلس کی ممبری کا خواہشمند ہوا گر اس کو کچھ بھی آخرت کی فکر ہے تو اس کو سمجھ لینا چاہئے کہ اس ممبری کے بعد اس کے ساتھ جس قدر مخلوقِ خدا کا تعلق ہے ان سب کی ذمہ داری کا بوجھ اس کی گردن پر ہے اور وہ دنیا اور آخرت میں اس ذمہ داری کا مسئول اور جواب دہ ہے (حیاتِ ترمذی صفحہ ۳۴۳)

www.idaraghufran.org

جیسا کہ آج کل بہت سے نااہل اور غیر دیانت دار لوگ سیاست کے میدان میں امیدوار بن کر کھڑے ہوجاتے ہیں، اور اوپر سے جھوٹ اور غلط بیانی کر کے اپنے آپ کو اہل اور امانت دار بھی ظاہر کرتے ہیں، بلکہ اسی کے ساتھ اپنے مدِ مقابل پر طرح طرح کی الزام تراشیاں بھی کرتے ہیں، امیدوار کو اس طرح کے غیر شرعی وغیر اخلاقی طرزِ عمل سے بچنا چاہئے۔

وہ الگ بات ہے کہ اگر اس طرح جھوٹ اور غلط بیانی کا ارتکاب کر کے کوئی امیدوار منتخب ہوگیا، تو اُصولی درجہ میں یہ حکمران کہلائے گا، مگر اپنے نااہل اور جھوٹے ہونے کا دنیا وآخرت میں پورا پورا وبال بھی پائے گا۔ [1]

---

[1] چنانچہ حضرت مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

(مگر آج کل کے) اُمیدوار ہر قسم کے معیار سے آزاد ہو کر اپنی دولت کے بل بوتے پر ہر قسم کا لالچ اور رشوت دے کر یا خاندان اور برادری کے اثر ورسوخ کے ذریعے اور زبان، نسل وغیرہ کی عصبیت کی بنیاد پر ووٹ حاصل کرتے ہیں۔

اور اس طرح پورے حلقے کے نمائندے منتخب ہو کر اسمبلیوں میں جا بیٹھتے ہیں، اور ہر قسم کی بدعنوانی کا ارتکاب کرنے کے باوجود اس کا نام جمہوریت رکھا جاتا ہے۔ اس لئے اس کے قیام اور تحفظ کے لئے ایڑی چوٹی تک کا سارا زور صرف کردیا جاتا ہے، یہاں تک کہ اس پر اصلاحی تنقید کو بھی جمہوریت دشمنی کا نام دیا جاتا ہے اور اصلاح کی ہر بات کو رجعت پسندی کہہ کر ٹھکرا دیا جاتا ہے (حیاتِ ترمذی صفحہ ۳۴۲، ۳۴۳)

اور حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں کہ:

ہوتا یہ ہے کہ جب کوئی شخص انتخابات میں امیدوار بن کر کھڑا ہوتا ہے تو اس کے پیشِ نظر بس یہ مقصد ہوتا ہے کہ مجھے ہر قیمت پر یہ انتخاب جیتنا ہے، چنانچہ اس غرض کے لیے ''انا ولا غیری'' (یعنی میں ہی میں ہوں میرے علاوہ کوئی اور نہیں ہے) کے نعرے لگانا، دوسروں پر طرح طرح کے اتہامات عائد کرنا، دوسروں کا تمسخر واستہزاء کرنا، غیبت اور دروغ بیانی، لڑائی جھگڑے، دشنام طرازیاں، دھاندلی اور مکر وفریب، سب کچھ جائز سمجھ لیا جاتا ہے، دوسری طرف جو لوگ کسی امیدوار کی حمایت یا مخالفت کرتے ہیں، وہ اپنے امیدوار کو سراپا سفید اور اپنے مخالف کو سراپا سیاہ ثابت کرنے کی فکر میں لگ جاتے ہیں، جس شخص یا جماعت کی حمایت کی جارہی ہے، اس کے اوصاف بڑھا چڑھا کر بیان کئے جارہے ہیں، اس کی تعریفوں کے پل باندھے جارہے ہیں، اس کی ہر غلطی کی جا وبے جا تاویلات کی جاتی ہیں، اور یہ باور کرایا جاتا ہے کہ وہ اگر معصوم نہیں تو منزہ عن الخطا (غلطیوں سے بچا ہوا) ضرور ہے، دوسری طرف جس فرد یا جماعت کی مخالفت کی جاتی ہے اس میں کیڑے ہی کیڑے نکالنے کا کام شروع ہوجاتا ہے، اس کو سر سے لے کے پاؤں تک عیبوں ہی عیبوں کا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس لئے سیاسی اورعوامی منصب وذمہ داری سنبھالنے کے لئے امیدوار بن کرکھڑا ہونے سے پہلے ہر شخص کواس اہم اور نازک ذمہ داری پر اچھی طرح غور کرلینا چاہئے، اور اپنی اہلیت وصلاحیت اورلیاقت وقوت کا جائزہ لے لینا چاہئے۔

اور بہتر یہ ہے کہ بغیرضرورت کے خود سے اس ذمہ داری کوسنبھالنے کے لئے کھڑا نہ ہو، بلکہ دوسرے لوگ کسی مستندومعتبراور باصلاحیت امانت ودیانتدار شخص کوکھڑا کریں۔

البتہ جب معلوم ہوکہ اس کے سامنے نہ آنے اور کھڑا نہ ہونے کی صورت میں نااہل اور خائن لوگ اس منصب پر قابض ہوجائیں گے، تو پھر کسی ذمہ دار وامانت دار شخص کے خود سے سامنے آنے میں بھی حرج نہیں۔

لیکن اس صورت میں بھی اپنی بے جاتعریفوں کے پُل باندھنے اورعوام سے ووٹ حاصل کرنے کے لئے جھوٹے وعدے کرنے اوراپنے مدِمقابل پرالزام تراشیاں کرنے سے بچنا چاہئے، اوراس عہدہ کی اہمیت ونزاکت اوراس کی ذمہ داریوں سے غافل نہیں ہونا چاہئے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

مجموعہ ثابت کیا جاتا ہے، اس کی کسی اچھائی کا اعتراف ممکن نہیں رہتا، یہاں تک کہ بسا اوقات اس کی صحیح بات کو بھی غلط معنی پہنائے جاتے ہیں، اوراس کی غیبت کرنے اس پر بہتان باندھنے، اس کا تمسخر اڑانے اور اسے ذلیل ورسوا کرنے کے ہر طریقے کو شیرِ مادر سمجھ لیا جاتا ہے، اور دشنام طرازی وبدگوئی کا وہ طوفان برپا ہوتا ہے، کہ الامان! پھر ایک شخص جب تک سیاسی اعتبار سے اپنا حلیف رہتا ہے، اس وقت تک تو اس کو تمام خوبیوں کا پیکر قرار دیا جاتا ہے، اور جب سیاسی انقلابات کے تحت وہ دوسرے کیمپ میں شامل ہوجائے تو اسی میں تمام خرابیاں جمع ہوجاتی ہیں۔ اوراس کے برعکس اپنا کوئی سیاسی حریف جس میں دنیا بھر کے تمام عیوب جمع تھے، اپنے کیمپ میں شامل ہوجائے تو اس کے تمام عیوب ختم ہوجاتے ہیں اوراس کی ہر بات قابلِ تائید بن جاتی ہے (اسلام اور سیاستِ حاضرہ صفحہ ۲۴،۲۵)

ووٹ کی شرعی حیثیتیں

آج کل ہمارے ملک سمیت بہت سے دوسرے ملکوں میں حکمرانوں کا انتخاب عوام اور اس ملک کے باشندوں کے ووٹوں کی شکل میں اظہارِ رائے کے ذریعہ سے کیا جاتا ہے۔

اس لئے ووٹ کی شرعی حیثیت کا معلوم ہونا ضروری ہے۔

ووٹ کی شکل میں انتخاب کا جو طریقہ رائج ہے، اس میں ووٹ شرعی اعتبار سے کئی حیثیتیں رکھتا ہے، اس کی ایک حیثیت شہادت وگواہی کی ہے، دوسری حیثیت سفارش یا شفاعت کی ہے، اور تیسری حیثیت مشترکہ حقوق میں وکالت کی ہے۔ ۱

---

۱ چنانچہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

ہمارا ووٹ تین حیثیتیں رکھتا ہے، ایک شہادت، دوسرے شفاعت اور تیسرے حقوقِ مشترکہ میں وکالت، تینوں حیثیتوں میں جس طرح نیک صالح قابل آدمی کو ووٹ دینا موجبِ ثوابِ عظیم ہے اور اس کے ثمرات اس کو ملنے والے ہیں۔ اسی طرح نااہل یا غیر متدین شخص کو ووٹ دینا جھوٹی شہادت بھی ہے اور بُری شفاعت بھی اور ناجائز وکالت بھی اور اس کے تباہ کن ثمرات بھی اس کے نامۂ اعمال میں لکھے جائیں گے۔ اس لئے ہر مسلمان ووٹر پر فرض ہے کہ ووٹ دینے سے پہلے اس کی پوری تحقیق کرلے کہ جس کو ووٹ دے رہا ہے وہ کام کی صلاحیت رکھتا ہے یا نہیں اور دیانت دار ہے یا نہیں، محض غفلت و بے پرواہی سے بلاوجہ ان عظیم گناہوں کا مرتکب نہ ہو (تفسیر معارف القرآن ج ۳ ص ۷۲) (کذافی جواہرُ الفقہ ج ۵، ص ۵۳۴، طبعِ جدید: ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ مطابق نومبر ۲۰۱۰ء)

انتخابات میں ووٹ کی شرعی حیثیت کم از کم ایک شہادت کی ہے جس کا چھپانا بھی حرام ہے اور اس میں جھوٹ بولنا بھی حرام، اس پر کوئی معاوضہ لینا بھی حرام، اس میں محض ایک سیاسی ہار جیت اور دنیا کا کھیل سمجھنا بڑی بھاری غلطی ہے، آپ جس امیدوار کو ووٹ دیتے ہیں شرعاً آپ اس کی گواہی دیتے ہیں کہ یہ شخص (آپ کی نظر میں) اپنے نظریے اور علم وعمل اور دیانت داری کی رو سے اس کام کا اہل اور دوسرے امیدواروں سے بہتر ہے جس کام کے لئے یہ انتخابات ہو رہے ہیں (جواہرُ الفقہ ج ۵، ص ۵۳۵، طبعِ جدید: ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ مطابق نومبر ۲۰۱۰ء)

اور حضرت مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

نااہل بددیانت شخص کو ووٹ دینا جھوٹی شہادت بھی ہے اور بری سفارش اور ناجائز وکالت بھی ہے، اور اس

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور ووٹ کی ایک چوتھی حیثیت مشورہ کی اور پانچویں حیثیت سیاسی بیعت کی ہے۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

کے تباہ کن ثمرات اس کے نامۂ اعمال میں لکھے جائیں گے۔ جس طرح نااہل بددیانت آدمی کو ووٹ دینا گناہِ عظیم ہے اسی طرح قابل اور نیک آدمی کو ووٹ دینا ثوابِ عظیم ہے (حیاتِ ترمذی صفحہ ۳۴۴)

۱؎ چنانچہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب لکھتے ہیں کہ:

ووٹ کی مختلف حیثیتیں ہیں، اس کی حیثیت شہادت اور گواہی کی ہے کہ وہ جس ممبر کو ووٹ دے رہا ہے اس کے بارے میں گواہ ہے کہ اس کو ملک وقوم کے لیے مفید اور خیر خواہ سمجھتا ہے۔

اس کی حیثیت مشورہ کی ہے کہ وہ حکومت اور نظم ونسق کے سلسلہ میں اپنی رائے کا اظہار کرتا ہے کہ کون زیادہ بہتر اور ایمان دار، ذمہ دار ہوسکتا ہے۔

اس کی حیثیت سفارش کی ہے کہ وہ اپنے اس امیدوار کے لیے ایک اہم عہدہ اور ذمہ داری کی سفارش کرتا ہے۔

اور اس کی حیثیت وکیل نامزد کرنے کی ہے کہ وہ سیاسی مسائل میں اس کو اپنا وکیل اور نمائندہ نامزد کرتا ہے۔

نیز اگر مسلم ملک ہو تو ان سب کے علاوہ ووٹ کی حیثیت سیاسی بیعت کی ہے کہ وہ ووٹ کے ذریعہ متعلقہ امیدوار کو وکیل بناتا ہے کہ وہ اس کی طرف سے سربراہِ مملکت کا انتخاب کرے (جدید فقہی مسائل جلد اول صفحہ ۴۳۹)

اور فتاویٰ حقانیہ میں ہے کہ:

عصرِ حاضر میں ووٹ کی مختلف حیثیتیں ہیں:

(۱) اس کی حیثیت شہادت اور گواہی کی ہے، ووٹر جس ممبر کو ووٹ دے رہا ہوتا ہے، وہ اس بات کی گواہی دے رہا ہوتا ہے کہ میں اس کو ملک وقوم کے لئے مفید اور خیر خواہ سمجھتا ہوں۔

(۲) اس کی حیثیت مشورہ کی سی ہے، ووٹر حکومت اور نظم ونسق کے سلسلہ میں اپنی رائے کا اظہار کرتا ہے کہ سیاسی امور میں کون زیادہ بہتر، ایماندار اور دیانتدار ہے۔

(۳) اس کی حیثیت سفارش کی ہے کہ ووٹر اس امیدوار کے لئے ایک اہم عہدہ سنبھالنے کے لئے سفارش کرتا ہے۔

(۴) اس کی حیثیت وکالت کی ہے، ووٹر اپنے لئے حکومت کے گھر میں وکیل نامزد کرتا ہے کہ یہ شخص (امیدوار) حکومت سے میرے مسائل حل کرائے گا۔

(۵) ووٹ کی حیثیت سیاسی بیعت کی ہے، ووٹر اپنے ووٹ کے ذریعے مقامی امیدوار کے واسطہ سے سربراہِ مملکت کی بیعت کرتا ہے، اس بیعت میں یہ ضروری نہیں کہ براہِ راست سربراہِ مملکت یا خلیفۂ وقت کے ہاتھ پر بیعت کی جائے، بلکہ بیعت خط وکتابت کے ذریعہ بھی ہوسکتی ہے، اور اسی طرح سربراہِ مملکت کی جانب سے مقرر شدہ نمائندہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا بھی خلیفہ کی بیعت شمار ہوتی ہے (فتاویٰ حقانیہ جلد دوم صفحہ ۳۰۲، کتاب السیاسۃ، طبع اول، ۱۴۲۲ھ، 2002ء)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

آگے ووٹوں کی ان حیثیتوں پر الگ الگ شرعی اعتبار سے کچھ روشنی ڈالی جاتی ہے۔

(۱)

ووٹ اور گواہی

ووٹ کی ایک حیثیت گواہی کی ہے۔

اور جس طرح غلط گواہی دینا گناہ ہے، اسی طرح ضرورت کے وقت گواہی کو چھپانا بھی گناہ ہے، لہٰذا ووٹ کا غلط و ناجائز استعمال یا اس کا اہل کے حق میں استعمال نہ کرنا درست نہیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے گواہی چھپانے سے منع فرمایا ہے، اور اللہ کے لئے سچی گواہی کو قائم کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اور فتاویٰ حقانیہ میں ہی ہے کہ:

انسان کے لیے اپنے حقِ رائے دہی (ووٹ کے استعمال) کا معاملہ بڑا نازک اور اہم ہے، اگر کسی نے نااہل شخص کو ووٹ دیدیا تو یہ ووٹ شہادتِ زُور (یعنی جھوٹی گواہی) غلط سفارش اور غلط مشورے میں داخل ہوگا، اور اس قسم کے غلط افعال کا ارتکاب قرآن اور حدیث کے صریح مخالف ہے (فتاویٰ حقانیہ جلد دوم صفحہ ۳۰۲)

[۱] چنانچہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

اسمبلیوں اور کونسلوں وغیرہ کے انتخاب میں کسی اُمیدوار کو ووٹ دینا بھی ایک شہادت ہے، جس میں ووٹ دہندہ کی طرف سے اس کی گواہی ہے کہ ہمارے نزدیک یہ شخص اپنی استعداد اور قابلیت کے اعتبار سے بھی اور دیانت وامانت کے اعتبار سے بھی قومی نمائندہ بننے کے قابل ہے (تفسیر معارف القرآن جلد سوم، صفحہ ۱۷)

حضرت مفتی ولی حسن ٹونکی صاحب رحمہ اللہ ایک سوال کے جواب میں (جس پر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری اور حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی صاحب رحمہما اللہ کی تصدیق بھی ہے) لکھتے ہیں کہ:

''ووٹ کی حیثیت شرعاً شہادت اور توکیل کی ہے، شہادت کا مطلب یہ ہے کہ ایک ووٹر جب کسی کو ووٹ دیتا ہے تو گویا اس کے دین، اخلاق، اصابتِ رائے، صلاحیت وصالحیت کی شہادت دیتا ہے، اب اگر اُمیدوار صفاتِ مذکورہ کا حامل ہے تو ووٹر کی شہادت صحیح ہے اور وہ مستحقِ اجر ہے، اور اگر اُمیدوار مندرجہ بالا صفات کا حامل نہیں تو ایسے شخص کو ووٹ دینا شہادتِ زور (جھوٹی گواہی) ہے، اور جھوٹی گواہی گناہِ کبیرہ ہے''

(فتاویٰ بینات جلد سوم صفحہ ۵۰۶)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

قرآن مجید میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ (سورة البقرة، آية ۲۸۳)

ترجمہ: اور تم گواہی کو نہ چھپاؤ، اور جو گواہی کو چھپائے گا، تو اس کا دل گناہ گار ہوگا؛ اور اللہ تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے (سورہ بقرہ)

اور قرآن مجید میں ہی ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ ذَٰلِكُمْ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (سورة الطلاق، رقم الآية ۲)

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

اور حضرت مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

کسی امیدوار ممبری کو ووٹ دینے کی حیثیت شہادت (گواہی) کی ہے کہ وہ ووٹر جس شخص کو اپنا ووٹ دے رہا ہے اس کے متعلق اس کی شہادت (گواہی) دے رہا ہے کہ یہ شخص اس کام کی قابلیت بھی رکھتا ہے اور دیانت وامانت سے بھی یہ شخص متصف ہے۔ اور اگر واقع میں یہ شخص اس کام کے قابل نہیں اور نہ اس میں دیانت وامانت کی صفت ہے تو اس کا ووٹ دینا جھوٹی شہادت ہے، جو سخت گناہِ کبیرہ ہے۔ صحیح بخاری شریف کی حدیث میں جھوٹی شہادت (گواہی دینے) کو شرک کے گناہِ کبیرہ میں شمار کیا گیا ہے۔

جس حلقہ میں چند امیدوار کھڑے ہوں اب ووٹر کی شرعی ذمہ داری ہے کہ امیدوار کی قابلیت اور دیانت کو دیکھ کر اپنا ووٹ (شہادت وگواہی) استعمال کرے، قابلیت اور دیانت کو چھوڑ کر غلط جگہ اپنا ووٹ استعمال کرنا خود کو جھوٹی شہادت کے سخت ترین گناہ میں مبتلا کرنا ہے۔ اس لئے ووٹ دینے والا اپنی آخرت اور انجام کو دیکھ کر ووٹ دے، محض رسمی مروت یا کسی طمع (لالچ) اور خوف یا برادریوں وغیرہ کے تعصب کی بنیاد پر گٹھ جوڑ اور اپنے ذاتی مفادات کی وجہ سے ووٹ دے کر اپنے آپ کو آخرت کے عذابِ عظیم کا مستحق نہ بنائے (حیاتِ ترمذی صفحہ ۳۴۳، ۳۴۴)

اور حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں کہ:

شرعی اعتبار سے "ووٹ" ایک شہادت ہے، آپ جس شخص کو اپنا ووٹ دیتے ہیں، گویا اس کے بارے میں یہ گواہی دیتے ہیں کہ یہ شخص آپ کی نظر میں اسمبلی کی رکنیت یا حکومت کا اہل ہے، اور آپ کے حلقۂ انتخاب میں آپ کے نزدیک اس منصب کے لیے اس شخص سے زیادہ کوئی موزوں نہیں ہے؛ لہٰذا ووٹ پر شرعی اعتبار سے وہ تمام احکام جاری ہوتے ہیں، جو شہادت پر جاری ہوتے ہیں (اسلام اور سیاستِ حاضرہ صفحہ ۸)

ترجمہ: اور تم گواہی کو اللہ کے لئے قائم کرو؛ اللہ اس کی نصیحت کرتا ہے، اُن لوگوں کو جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں (سورہ طلاق)

معلوم ہوا کہ گواہی کو اللہ کے لئے قائم کرنا چاہئے، اور اس کو چھپانا دل کا گناہ ہے، لہٰذا ووٹ کی شکل میں گواہی دینے کی صورت میں بھی گواہی کو اللہ کے لئے قائم کرنا ضروری ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سُئِلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الکَبَائِرِ، قَالَ:اَلْإِشْرَاکُ بِاللّٰهِ، وَعُقُوْقُ الْوَالِدَیْنِ، وَقَتْلُ النَّفْسِ، وَشَهَادَةُ الزُّوْرِ (بخاری) ؎۱

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کبیرہ گناہوں کے بارے میں سوال کیا گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے ساتھ شرک کرنا، اور والدین کی نافرمانی کرنا، اور کسی جان کو (ناحق) قتل کرنا، اور جھوٹی (وناحق) گواہی دینا (بخاری)

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :أَلا أُنَبِّئُکُمْ بِأَکْبَرِ الْکَبَائِرِ قُلْنَا: بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، قَالَ:اَلْإِشْرَاکُ بِاللّٰهِ، وَعُقُوْقُ الْوَالِدَیْنِ، وَکَانَ مُتَّکِئًا فَجَلَسَ فَقَالَ:أَلاَ وَقَوْلُ الزُّوْرِ، وَشَهَادَةُ الزُّوْرِ، أَلا وَقَوْلُ الزُّوْرِ، وَشَهَادَةُ الزُّوْرِ فَمَا زَالَ یَقُوْلُهَا، حَتّٰی قُلْتُ:لَا یَسْکُتُ (بخاری) ؎۲

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں اکبُر الکبائر (یعنی کبیرہ ترین گناہوں) کی خبر نہ دے دوں؟ ہم نے عرض کیا کہ ضرور اے اللہ کے رسول! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے ساتھ شرک کرنا، اور والدین کی نافرمانی کرنا، اور آپ ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے (اس کے بعد آپ (سیدھے ہوکر) بیٹھ گئے، پھر فرمایا کہ خبردار ہوجاؤ اور (ایک بدترین کبیرہ

؎۱ رقم الحدیث ۲۶۵۳.

؎۲ رقم الحدیث ۵۹۷۶، کتاب الادب، باب :عقوق الوالدین من الکبائر.

گناہ) جھوٹی بات ہے اور جھوٹی گواہی ہے، خبردار ہو جاؤ اور (ایک بدترین کبیرہ گناہ) جھوٹی بات ہے اور جھوٹی گواہی ہے، آپ یہ بات بار بار دہراتے رہے، یہاں تک کہ میں نے (اپنے دل میں اس بات سے خوف زدہ ہو کر) کہا کہ آپ خاموش نہیں ہوں گے (بخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹی بات اور جھوٹی گواہی کے گناہ کی شدت اور بُرائی کو بیان کرنے کے لیے ٹیک ہٹا کر اس جملے کو بار بار دہرایا، جس سے معلوم ہوا کہ جھوٹی گواہی دینا بدترین گناہ ہے، اور ووٹ چونکہ ایک طرح کی گواہی ہے، لہٰذا اس کا ناجائز وناحق استعمال بھی بدترین گناہ میں داخل ہوا۔ [1]

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ الشُّهَدَاءِ الَّذِي يَأْتِي بِشَهَادَتِهِ قَبْلَ أَنْ يُسْأَلَهَا (مسلم) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں گواہوں میں سے بہترین (گواہ) کی خبر نہ دوں (بہترین گواہ) وہ ہے کہ جو گواہی کے طلب کرنے سے پہلے ہی گواہی دے دے (مسلم)

اس حدیث کے پیشِ نظر ووٹ کا حق کسی کے مطالبہ کے بغیر خود سے ٹھیک ٹھیک استعمال کر کے اپنی گواہی سے سبکدوش ہو جانا بہترین گواہی میں داخل ہے۔

---

[1] (أكبر الكبائر الإشراك بالله) يعني الكفر. وآثر لفظ الإشراك لغلبته في العرف (وقتل النفس) المحترمة بغير حق (وعقوق الوالدين) أو أحدهما بقطع صلتهما أو مخالفتهما في غير معصية قال ابن العربي: جعل بر الأصل ثاني التوحيد كما جعله في ضمن حق الله في حديث رضى الرب في رضى الوالد وناهيك بذلك (وشهادة الزور) أي الشهادة بالكذب يتوصل بها إلى باطل وإن قل وظاهر التركيب يقتضي حصر الكبائر فيها وليس بمراد بل ذكر الأربعة من قبيل ذكر البعض الذي هو أكبر كما سبق. والكفر أكبر مطلقا ثم القتل والباقي على معنى من (فيض القدير، تحت رقم الحديث ۱۳۷۴)

[2] رقم الحديث ۱۷۱۹ "۱۹" كتاب الاقضية، باب بيان خير الشهود.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

أَنَّ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ تَسْلِيمَ الْخَاصَّةِ، وَفُشُوَّ التِّجَارَةِ، حَتّٰى تُعِينَ الْمَرْأَةُ زَوْجَهَا عَلَى التِّجَارَةِ، وَقَطْعَ الْأَرْحَامِ، وَشَهَادَةَ الزُّوْرِ، وَكِتْمَانَ شَهَادَةِ الْحَقِّ، وَظُهُوْرَ الْقَلَمِ (مسند احمد) [1]

ترجمہ: قیامت کے قریب خاص خاص لوگوں کو سلام کیا جائے گا، اور تجارت بہت پھیل جائے گی، یہاں تک کہ عورت اپنے شوہر کی تجارت میں مدد کرے گی، اور (رشتہ داروں سے) قطع رحمی (وبدسلوکی) ہوگی، اور جھوٹی گواہی عام ہوگی، اور حق بات کی گواہی کو چھپانا عام ہوگا، اور قلم (وکتابت) عام ہوجائے گا (مسند احمد)

قیامت کی ان نشانیوں میں نااہل لوگوں کے حق میں ووٹ کی شکل میں گواہی دینا اور ووٹ کا حق استعمال نہ کرکے گواہی کو چھپالینا بھی داخل ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

أُوصِيكُمْ بِأَصْحَابِي، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ يَفْشُو الْكَذِبُ حَتّٰى يَحْلِفَ الرَّجُلُ وَلَا يُسْتَحْلَفُ، وَيَشْهَدَ الشَّاهِدُ وَلَا يُسْتَشْهَدُ (سنن الترمذی) [2]

ترجمہ: میں تم لوگوں کو اپنے صحابہ کی اطاعت کی وصیت کرتا ہوں پھر ان سے متصل بعد آنے والوں (یعنی صحابہ کے شاگرد تابعین) کی اور پھر ان سے متصل بعد آنے والوں (یعنی تبع تابعین) کی، اس کے بعد جھوٹ رواج پکڑ جائے گا یہاں تک کہ قسم لئے بغیر آدمی قسم کھائے گا، اور بغیر گواہی طلب کئے گواہی دے گا (ترمذی)

---

[1] رقم الحديث ۳۸۷۰.

فی حاشية مسند احمد: إسناده حسن.

[2] رقم الحديث ۲۱۶۵، ابواب الفتن، باب ما جاء فی لزوم الجماعة.

قال الترمذی: هذا حديث حسن صحيح غريب من هذا الوجه وقد رواه ابن المبارك، عن محمد بن سوقة، وقد روی هذا الحديث من غير وجه عن عمر عن النبی صلى الله عليه وسلم

اس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں، جو جعلی ووٹ ڈال کر کسی نمائندہ وامیدوار کے حق میں گواہی دیتے ہیں، کیونکہ جس کو ووٹ ڈالنے کا حق نہیں، یا وہ اپنے ووٹ کا حق استعمال کر چکا ہے، تو اس کا ووٹ ڈالنا یا بالفاظِ دیگر گواہی دینا بغیر مطالبہ کے ہے، اور اس کے ساتھ غلط بیانی کے گناہ پر بھی مشتمل ہے، خلاصہ یہ کہ ووٹ کی ایک حیثیت شہادت اور گواہی کی ہے، جس کا چھپانا اور استعمال نہ کرنا بھی گناہ ہے، اور اس کے استعمال میں خیانت وکوتاہی کرنا بھی گناہ ہے۔

(۲)

ووٹ اور سفارش

ووٹ کی دوسری حیثیت امیدوار کے حق میں شفاعت یا سفارش کی ہے۔ [۱]

اور شفاعت یا سفارش جہاں ایک طرف اہل اور دیانت وامانت دار کے حق میں باعثِ اجروثواب ہے، اسی کے ساتھ نااہل، غیر دیانت دار وغیر امانت دار کے حق میں باعثِ وبال ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهُ نَصِيْبٌ مِّنْهَا وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهُ كِفْلٌ مِّنْهَا (سورة النسآء، رقم الآية ۸۵)

---

[۱] چنانچہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

نمائندوں کے انتخاب کے لیے ووٹ دینے کی از روئے قرآن ایک دوسری حیثیت بھی ہے، جس کو شفاعت یا سفارش کہا جاتا ہے، کہ ووٹ دینے والا گویا یہ سفارش کرتا ہے کہ فلاں اُمیدوار کو نمائندگی دی جائے، اس کا حکم قرآن کریم کے الفاظ میں پہلے بیان ہو چکا ہے (معارف القرآن جلد سوم صفحہ ۱۷)

اور مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

ایک حیثیت ووٹ کی سفارش کی ہے کہ ووٹر اس کی نمائندگی کی سفارش کرتا ہے۔ اور دوسروں کو آمادہ کرتا ہے کہ اس کو ووٹ دیں .... اچھی سفارش یہی ہے کہ قابل اور دیانت دار آدمی کی سفارش کرے اور بری سفارش یہ ہے کہ نااہل فاسق وظالم کی سفارش کر کے اس کو خلقِ خدا پر مسلّط کرے (حیاتِ ترمذی صفحہ ۳۴۴ ملخصاً)

ترجمہ: جو شخص اچھی سفارش کرے گا، تو اس کو اچھی سفارش کا حصہ (یعنی اجر وثواب) ملے گا، اور جو شخص بُری سفارش کرے گا، تو اس کو اس بُری سفارش کا وبال ہوگا (سورہ نسآء)

اس سے معلوم ہوا کہ جس درجہ کی سفارش ہوتی ہے، اسی درجہ کے اعتبار سے اس پر ثواب یا گناہ بھی مرتب ہوتا ہے، اور ملک کے لئے نمائندہ منتخب کرنے کی سفارش ایک بڑے درجہ کی سفارش ہے کہ حکومت وسیاست کے عہدہ سے ملک کے بڑے طبقہ اور بہت سے لوگوں کا حق وابستہ ہوتا ہے، لہٰذا اس کی اہمیت بھی زیادہ ہے، اور اہلیت ودیانت رکھنے والے شخص کے حق میں ووٹ کا استعمال عظیم اجر وثواب کا باعث، اور نااہل وخائن کے حق میں اس کا استعمال بڑے وبال کا باعث ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: اِشْفَعُوْا وَلْتُؤْجَرُوْا، وَلْيَقْضِ اللّٰهُ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّهٖ مَا شَاءَ (سنن الترمذی) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم (مستحق کی) شفاعت کرو، تمہیں اجر وثواب عطا کیا جائے گا، اور (پھر اس کے بعد) اللہ اپنے نبی کی زبان پر جو چاہے فیصلہ فرمائے گا (ترمذی)

اس طرح کی حدیث ایک اور سند سے بھی مروی ہے۔ [2]

معلوم ہوا کہ فیصلہ خواہ کوئی بھی ہو، لیکن اچھی سفارش کا اجر وثواب بہر حال حاصل ہوجاتا ہے، لہٰذا اگر کسی نے اپنے نزدیک دیانتداری کے ساتھ اہل یا دوسرے امیدواروں کے مقابلہ میں

---

[1] رقم الحدیث ۲۶۷۲، ابواب العلم، باب ما جاء الدال علی الخیر کفاعله.
قال الترمذی: هذا حدیث حسن صحیح، وبرید یکنی أبا بردة أیضا، وهو کوفی ثقة فی الحدیث روی عنه شعبة، والثوری، وابن عیینة.

[2] عن معاویة: اشفعوا تؤجروا فإنی لأرید الأمر، فأؤخره کیما تشفعوا فتؤجروا، فإن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: اشفعوا تؤجروا (سنن أبی داود، رقم الحدیث ۵۱۳۲)

بہتر شخص کے حق میں ووٹ کا استعمال کر کے سفارش کردی، تو اس کا اجر وثواب بلکہ بہتر ثمرہ ضرور حاصل ہوگا، خواہ اس کا سفارش کردہ اور ووٹ دیا ہوا نمائندہ منتخب نہ بھی ہو۔

خلاصہ یہ کہ ووٹ کی ایک حیثیت سفارش یا شفاعت کی ہے، لہٰذا ووٹ کا خوب سوچ سمجھ کر امانت ودیانت کے ساتھ استعمال کرنا عظیم اجر وثواب کا باعث اور اس کے خلاف کرنا سخت گناہ اور (دنیا وآخرت کے) وبال کا باعث ہے۔

(۳)

ووٹ اور وکالت

ووٹ کی ایک تیسری حیثیت وکالت اور نمائندگی کی ہے کہ ووٹ دینے والا شخص اپنے امیدوار کو ملک کے اجتماعی معاملات کا وکیل اور نمائندہ تجویز کرتا ہے، اور اجتماعی معاملات میں کسی کو وکیل ونمائندہ تجویز کرنا انتہائی نازک ذمہ داری کا کام ہے، کیونکہ منتخب ہونے کے بعد نمائندہ اور وکیل ہونے کی حیثیت سے اس کے کاموں کی ذمہ داری ونسبت اس کو ووٹ دینے والوں کی طرف بھی عائد ہوگی۔ ؎۱

؎۱ چنانچہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

ووٹ کی ایک تیسری شرعی حیثیت وکالت کی ہے کہ ووٹ دینے والا اس امیدوار کو اپنی نمائندگی کے لیے وکیل بناتا ہے، لیکن اگر یہ وکالت اس کے کسی شخصی حق کے متعلق ہوتی اور اس کا نفع نقصان صرف اس کی ذات کو پہنچتا تو اس کا یہ خود ذمہ دار ہوتا مگر یہاں ایسا نہیں؛ کیونکہ یہ وکالت ایسے حقوق کے متعلق ہے جن میں اس کے ساتھ پوری قوم شریک ہے اس لیے اگر کسی نااہل کو اپنی نمائندگی کے لیے ووٹ دے کر کامیاب بنایا تو پوری قوم کے حقوق کو پامال کرنے کا گناہ بھی اس کی گردن پر رہا (معارف القرآن جلد سوم صفحہ ۷۲)

حضرت مفتی ولی حسن ٹونکی صاحب رحمہ اللہ ایک سوال کے جواب میں (جس پر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری اور حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی صاحب رحمہما اللہ کی تصدیق بھی ہے) لکھتے ہیں کہ:

''ووٹ کی دوسری حیثیت توکیل کی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ووٹر اُمیدوار کو اپنے سیاسی اور دینی اُمور کا وکیل بنارہا ہے، ظاہر ہے کہ وکیل ایسے ہی شخص کو بنایا جاتا ہے جو بارِ وکالت صحیح طور پر اُٹھا سکے، اسی طرح وکیل کا بھی یہ فریضہ ہے کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو پورے طور پر ادا کرے'' (فتاویٰ بینات جلد سوم صفحہ ۵۰۷)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ أَعَانَ عَلٰى خُصُوْمَةٍ بِظُلْمٍ، أَوْ يُعِيْنُ عَلٰى ظُلْمٍ، لَمْ يَزَلْ فِيْ سَخَطِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْزِعَ (سنن ابن ماجه) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی معاملہ کی ظلم کے ساتھ اعانت (ومدد) کی، یا کسی ظلم پر اعانت (ومدد) کی، تو وہ برابر اللہ کی ناراضگی میں رہے گا، یہاں تک کہ اس سے الگ ہوجائے (ابن ماجہ)

دوسرے امیدواروں کے مقابلہ میں ظالم اور نااہل شخص کے حق میں ووٹ ڈال کر اس کی وکالت کرنا بھی ظلم پر اعانت ومدد کرنے میں داخل ہے، جس کے نتیجہ میں جب تک وہ حکمران، حکمرانی وسیاست کے اس منصب پر موجود رہے گا، اس وقت تک اس کے حق میں ووٹ استعمال کر کے اعانت ومدد کرنے والا شخص بھی برابر اللہ کی ناراضگی میں رہے گا۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنِ اسْتَعْمَلَ عَامِلًا عَلٰى قَوْمٍ وَفِيْ تِلْكَ الْعِصَابَةِ مَنْ هُوَ أَرْضَى اللّٰهِ مِنْهُ فَقَدْ خَانَ اللّٰهَ وَخَانَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَخَانَ جَمِيْعَ الْمُسْلِمِيْنَ (السنة لابنِ ابی عاصم) [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اور حضرت مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

تیسری حیثیت ووٹ میں وکالت کی بھی ہے کہ ووٹ دینے والا امیدوار کو اپنا نمائندہ اور وکیل بناتا ہے، پھر چونکہ یہ وکالت شخصی حق میں نہیں بلکہ حقوقِ مشترکہ عامہ میں ہے۔ اس لئے اگر کسی نااہل کو نمائندگی کا ووٹ دے کر کامیاب بنایا تو حقوقِ عامہ کو پامال کرنے کا گناہ بھی اس کی گردن پر ہوگا (حیاتِ ترمذی صفحہ ۳۴۴)

[1] رقم الحديث ۲۳۲۰، کتاب الاحکام، باب من ادعى ما ليس له وخاصم فيه.

[2] رقم الحديث ۱۴۶۲، باب قول الرسول صلى الله عليه وسلم رأيت فى النوم كأنى أنزع بدلو بكرة على قليب، المعجم الكبير للطبرانى، رقم الحديث ۱۱۲۱۶، السنن الكبرىٰ للبيهقى، رقم الحديث ۲۰۳۶۴

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی قوم کا عامل (اور وزیر) مقرر کیا، اور اُس جماعت میں اُس آدمی سے زیادہ اللہ کا پسندیدہ بندہ تھا، تو اس نے اللہ کے ساتھ خیانت کی، اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی خیانت کی، اور تمام مسلمانوں کے ساتھ بھی خیانت کی (ابن ابی عاصم، طبرانی)

اس سے معلوم ہوا کہ بہتر امیدوار کے مقابلہ میں بدتر امیدوار کو ووٹ دے کر حکومتی معاملات کا وکیل ونمائندہ مقرر کرنا اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں، سب کے ساتھ اجتماعی خیانت ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال الهيثمي: رواه الطبراني، وفيه أبو محمد الجزري حمزة ولم أعرفه، وبقية رجاله رجال الصحيح (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۹۰۷۱)

وقال البوصيري: وقال -صلى الله عليه وسلم : -(أيما رجل استعمل رجلا على عشرة أنفس علم أن في العشرة أفضل ممن استعمل فقد غش اللّه وغش رسوله وغش جماعة المسلمين، ويؤتى بالذى ضرب فوق الحد فيقول :عبدى، لم ضربت فوق ما أمرتک؟ فيقول :غضبت لک .فيقول: أكان لغضبک أن يكون أشد من غضبي؟ ويؤتى بالذى قصر فيقول :عبدى، لم قصرت؟ فيقول: رحمته .فيقول :أكانت لرحمتک أن تكون أشد من رحمتي؟ فيؤمر بها جميعًا إلى النار). وسيأتى له شواهد فى كتاب الإمارة -إن شاء اللّه تعالى (اتحاف الخيرة المهرة، تحت رقم الحديث ۳۵۲۵، باب فيمن ضرب فتجاوز الحد أو قصر)

رواه الطبراني من طريق حسين بن قيس المعروف بحنش، وهو مختلف فيه، ضعفه جماعة، ووثقه ابن نمير، وحسن له الترمذى غيرما حديث، وصحح له الحاكم، ولا يضر فى المتابعات، ومع ذلک لم ينفرد به حسين بن قيس عن عكرمة، فقد تابعه عليه يزيد بن أبى حبيب.

كما رواه الحاكم أبو عبد اللّه الحافظ :ثنا أبو جعفر محمد بن محمد بن عبد اللّه البغدادى، ثنا يحيى بن عثمان بن صالح، ثنا أبى، ثنا ابن لهيعة، عن يزيد بن أبى حبيب، عن عكرمة، عن ابن عباس، عن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -حدث قال" :من استعمل عاملا من المسلمين وهو يعلم أن منهم من هو أولى بذلک منه، وأعلم بكتاب اللّه ولمشة نبيه؟ فقد خان اللّه ورسوله وجميع المسلمين."

ورواه البيهقي فى سننه عن الحاكم به.

وله شاهد من حديث أبى بكر الصديق رواه الحاكم من طريق بكر بن خنيس وصححه، وأحمد فى مسنده وفى إسناده رجل لم يسم (اتحاف الخيرة المهرة، تحت رقم الحديث ۴۸۹۴باب ترهيب من ولى شيئًا من أمور المسلمين أن يولى عليهم رجلا وفى رعيته خير منه)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

أَلَا إِنَّــهُ سَيَكُـوْنُ بَعْـدِیْ أُمَـرَاءُ يَكْذِبُوْنَ وَيَظْلِمُوْنَ، فَمَنْ صَدَّقَهُمْ بِكَـذِبِهِـمْ، وَمَـالَأَهُـمْ عَلٰى ظُلْمِهِمْ، فَلَيْسَ مِنِّیْ، وَلَا أَنَا مِنْهُ،وَمَنْ لَمْ يُصَـدِّقْهُـمْ بِكَـذِبِهِمْ، وَلَمْ يُمَالِئْهُمْ عَلٰى ظُلْمِهِمْ، فَهُوَ مِنِّیْ، وَأَنَا مِنْهُ

(مسند احمد، رقم الحديث ۱۸۳۵۳) [1]

ترجمہ: عنقریب میرے بعد ایسے حکمران ہوں گے، جو جھوٹ بولیں گے، اور ظلم کریں گے، پس جس نے اُن کے جھوٹ کی تصدیق کی اور اُن کے ظلم پر مدد کی، تو اُس کا مجھ سے تعلق نہیں اور میرا اُس سے تعلق نہیں، اور جس نے اُن کے جُھوٹ کی تصدیق نہیں کی اور نہ ہی اُن کے ظلم پر اُن کی مدد کی، تو وہ میرے سے تعلق رکھتا ہے، اور میں اُس سے تعلق رکھتا ہوں (مسند احمد)

اور جھوٹے اور ظالم لوگوں کو ووٹ دینا ان کی جھوٹ اور ظلم پر مدد کرنے میں داخل ہے، جو سخت وعید اور وبال کی بات ہے۔

خلاصہ یہ کہ ووٹ کی ایک حیثیت امیدوار کی وکالت ونمائندگی کی ہے، لہٰذا ووٹ کا خوب سوچ سمجھ کر امانت ودیانت کے ساتھ استعمال کرنا ضروری ہے، اور اس میں خیانت وکوتاہی کرنا جرمِ عظیم ہے۔

(۴)

ووٹ اور مشورہ

ووٹ کی ایک چوتھی حیثیت مشورہ کی ہے کہ ووٹ ڈالنے یا ووٹ دینے والے سے امیرِ مملکت یا عارضی وعبوری یا نگران حکومت کی طرف سے ملک بھر کے اجتماعی امور کی ذمہ داری کے لئے مشورہ طلب کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے نزدیک اس منصب کی صلاحیت رکھنے والے دیانت دار

---

[1] فی حاشية مسنداحمد: صحيح لغيره.

شخص کی نشاندہی کرے، اور مشورہ دینے والے کے ذمہ ٹھیک مشورہ دینا ضروری ہے، اوراس میں خیانت کرنا گناہ ہے، اوراس کی خلاف ورزی کرنا خیانت ہے۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ (ترمذی) [1]

ترجمہ: رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امانت دار ہے (ترمذی)

یہ حدیث اور بھی کئی سندوں سے مروی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جس انسان سے مشورہ طلب کیا جائے، اس کے پاس مشورہ کی بہتر بات امانت ہوتی ہے، جس کو صحیح صحیح ادا کرنا ضروری ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

وَمَنْ أَشَارَ عَلٰی أَخِیْہِ بِأَمْرٍ یَعْلَمُ أَنَّ الرُّشْدَ فِیْ غَیْرِہٖ فَقَدْ خَانَہٗ (مستدرک حاکم) [2]

ترجمہ: اور جس نے اپنے (مسلمان) بھائی کو کسی کام کے متعلق ایسا مشورہ دیا کہ جس کو وہ سمجھتا ہے کہ مشورہ لینے والے کی بہتری دوسری رائے میں تھی (جو اس نے پیش نہیں کی) تو اس نے اپنے (مسلمان) بھائی کے ساتھ خیانت کی (حاکم؛ ابوداؤد)

جب کسی ایک مسلمان شخص کو انفرادی طریقہ پر غلط مشورہ دینا بھی خیانت ہے، تو ووٹ کی شکل

---

[1] رقم الحدیث ۲۸۲۲، ابواب الادب، باب أن المستشار مؤتمن.

قال الترمذی: ھذا حدیث حسن، وقد روی غیر واحد عن شیبان بن عبد الرحمن النحوی، وشیبان ھو صاحب کتاب وھو صحیح الحدیث، ویکنی أبا معاویة.

[2] رقم الحدیث ۳۵۰، کتاب العلم، واللفظ لہٗ؛ ابوداؤد، رقم الحدیث ۳۶۵۷؛ شرح مشکل الآثار، رقم الحدیث ۴۱۰؛ سنن البیھقی، رقم الحدیث ۲۰۳۵۳؛ جامع بیان العلم وفضلہ، رقم الحدیث ۱۶۲۵.

قال الحاکم: ھذا حدیث قد احتج الشیخان برواتہ غیر ھذا، وقد وثقہ بکر بن عمرو المعافری وھو أحد أئمة أھل مصر والحاجة بنا إلی لفظة التثبت فی الفتیا شدیدة.

میں جو مشورہ ملک کے تمام باشندوں کے لئے اجتماعی نوعیت کا دیا جارہا ہے، اس میں غلط مشورہ دینا ملک کے تمام باشندوں کے ساتھ خیانت کہلائے گی، اور اس کا جرم اور وبال انتہائی شدید ہوگا۔

تفصیل کے لئے ہماری دوسری کتاب ''مشورہ اور استخارہ کے فضائل واحکام'' ملاحظہ فرمائیں۔

خلاصہ یہ کہ ووٹ کی ایک حیثیت مشورہ کی ہے، لہٰذا دوسرے امیدواروں کے مقابلہ میں بدتر امیدوار کے حق میں ووٹ دینا غلط رائے دے کر اجتماعی خیانت کے گناہ میں داخل ہے۔

(۵)

ووٹ اور سیاسی بیعت

ووٹ کی ایک پانچویں حیثیت سیاسی بیعت کی ہے۔ [۱]

صحابۂ کرام اور خیرُ القرون کے دور میں حکمران کے انتخاب کے لئے (اس مجوزہ حاکم کے ہاتھ پر) بیعت ہوا جاتا تھا، جس کو سیاسی بیعت (بیعۃُ الخلافہ یا بیعۃُ الامارہ) کہا جاتا ہے، اور بیعت کے لئے ہاتھ پر ہاتھ رکھنا ضروری نہیں، بلکہ غائبانہ اور تحریری بیعت بھی جائز ہے، جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ موجودہ دور میں ہر شخص کو حکمران سے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیعت ہونا

---

[۱] چنانچہ فتاویٰ حقانیہ میں ہے کہ:

ووٹ کی حیثیت سیاسی بیعت کی ہے، ووٹر اپنے ووٹ کے ذریعے مقامی امیدوار کے واسطہ سے سربراہِ مملکت کی بیعت کرتا ہے، اس بیعت میں یہ ضروری نہیں کہ براہِ راست سربراہِ مملکت یا خلیفۂ وقت کے ہاتھ پر بیعت کی جائے، بلکہ بیعت خط وکتابت کے ذریعہ بھی ہوسکتی ہے، اور اسی طرح سربراہِ مملکت کی جانب سے مقرر شدہ نمائندہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا بھی خلیفہ کی بیعت شمار ہوتی ہے (فتاویٰ حقانیہ جلد دوم صفحہ ۳۰۲، کتاب السیاسۃ)

اور مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب لکھتے ہیں کہ:

اگر مسلم ملک ہوتو ان سب کے علاوہ ووٹ کی حیثیت سیاسی بیعت کی ہے کہ وہ ووٹ کے ذریعہ متعلقہ امیدوار کو وکیل بناتا ہے کہ وہ اس کی طرف سے سربراہِ مملکت کا انتخاب کرے (جدید فقہی مسائل جلد اول صفحہ ۴۳۹)

ممکن نہیں، اور ہر شخص کا فرداً فرداً اپنی طرف سے بیعت ہونے کی مستقل تحریر لکھ کر ارسال کرنا بھی ممکن نہیں، اس لئے موجودہ دور میں اس کی آسان صورت ووٹ کی شکل میں میسر ہے۔

لہٰذا ووٹ کو سیاسی بیعت کی حیثیت بھی حاصل ہے، اور اس حیثیت سے اس کے وجود کو بدعت وناجائز نہیں کہا جاسکتا، بلکہ اس سے کنارہ کشی اور روگردانی اور اس سے بڑھ کر اختلاف وبغاوت کرنے پر مؤاخذہ کا اندیشہ ہے، کیونکہ احادیث میں بیعت کے بغیر فوت ہونے والے کو جاہلیت کی موت مرنا قرار دیا گیا ہے، اور حکومت کے قیام پر زور دیا گیا ہے، اگرچہ عادل حکومت میسر نہ آنے کی صورت میں غیر عادل حکومت ہی کیوں نہ ہو، جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

اس بحث کا خلاصہ

اور جب ووٹ کی کئی شرعی حیثیتوں کا ثبوت ہوگیا، جن کی نشاندھی بڑے بڑے اہلِ علم حضرات نے بھی کی ہے، اور ان پر شریعت نے مختلف پابندیاں لگائی ہیں، تو اس سے یہ شبہ بھی دُور ہوگیا کہ ووٹ کوئی شرعی چیز اور دینی معاملہ نہیں کہ اس میں ہر شخص آزاد ہو کہ جو چاہے کرے، اور اس پر گناہ یا ثواب اور اللہ کی ناراضگی یا رضامندی مرتب نہ ہو۔

لہٰذا خواہ دیندار وصاحبِ علم لوگ ہوں، یا عام مسلمان، ان سب کو ووٹوں کے متعلق مدتِ دراز سے دل ودماغ میں بیٹھی ہوئی غلط فہمیوں کو دُور کر کے اپنے دل ودماغ کو صاف کرنا چاہئے، اور اس کے خلاف کم علم یا ناواقف لوگوں کی باتوں پر عمل نہیں کرنا چاہئے، اور ووٹ کا صحیح اور ذمہ دارانہ ودیانت دارانہ استعمال کرنا چاہئے، اور اس شعبہ کو بددینوں کے حوالہ کر کے الگ نہیں رہنا چاہئے، بلکہ جس کے ہاتھ میں جتنی اصلاح ممکن ہو، اس سے گریز نہیں کرنا چاہئے

"لِاَنَّہٗ لَایُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَھَا"

واللہ تعالیٰ اعلم

www.idaraghufran.org

ووٹ کی اہمیت اور اس کو ضائع کرنے کا نقصان

گزشتہ تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ ووٹ کی کئی شرعی حیثیتیں ہیں، لہٰذا ووٹ کے بارے میں غفلت یا کسی قسم کی بدعنوانی اختیار کرنا قانوناً اور اخلاقاً ناجائز اور جرم ہونے کے ساتھ ساتھ شرعاً بھی جائز نہیں، اور آخرت کے گناہ کے علاوہ دنیا کے اعتبار سے بھی انتہائی نقصان دہ اور باعثِ وبال ہے۔

مگر آج کل بہت سے لوگوں کے نزدیک ووٹ کے صحیح یا غلط استعمال بلکہ سرے سے ووٹ کے استعمال ہی کی کوئی اہمیت نہیں، اس لئے وہ یا تو ووٹ کو استعمال کرنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے، اور جب استعمال کی ضرورت نہیں سمجھتے، تو اپنے ووٹ بنوانے یا اپنا نام ووٹر لسٹوں میں شامل کروانے کی کیا ضرورت سمجھیں گے، پھر اگر کسی طرح ان کے ووٹ بن جاتے اور تیار ہو جاتے ہیں، اور پھر اس کے بعد انتخابات کے موقع پر کسی کے کہنے سننے یا کسی اور وجہ سے ووٹ کے استعمال پر آمادہ بھی ہو جاتے ہیں، تو اس کو دنیا کی ایک رسم سمجھ کر بغیر سوچے سمجھے اور بغیر مشورہ کئے کسی بھی امیدوار کے حق میں استعمال کر لینے کو کوئی عیب نہیں سمجھتے۔

حالانکہ یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ ووٹ کی ایک حیثیت گواہی کی ہے، اور گواہی کے بارے میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ ضرورت کے موقع پر اسے چھپانا اور ظاہر نہ کرنا گناہ ہے، اور ووٹ نہ دینا ظاہر ہے کہ اس گواہی کو چھپانا اور ظاہر نہ کرنا ہے، اس لئے ووٹ نہ دینا بھی گناہ ہوا، اور ووٹ کا غلط استعمال بھی گناہ ہوا۔ [۱]

---

[۱] حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:
سچی شہادت کا چھپانا از روئے قرآن حرام ہے، اس لئے آپ کے حلقۂ انتخاب میں اگر کوئی صحیح نظریہ کا حامل و دیانت دار نمائندہ کھڑا ہے تو اس کو ووٹ دینے میں کوتاہی کرنا گناہ کبیرہ ہے (جواہرُ الفقہ ج ۵، ص ۵۳۶، طبعِ جدید: ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ مطابق نومبر ۲۰۱۰ء)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

خلاصہ یہ کہ موجودہ ووٹوں کا نظام جس کے تحت منتخب ہو کر وزراء اور حکمران آتے ہیں، اور ایک مدت تک (مثلاً پانچ پانچ سال) ملک میں حکمرانی کرتے ہیں، اس میں ووٹ کا صحیح استعمال ایک اہم ذمہ داری ہے، جس کا صحیح مصرف میں استعمال ضروری اور اس کے غلط استعمال نیز اس کو ضائع کرنے سے بچانا لازم ہے اور اس کو ایک دنیاوی معاملہ سمجھ کر اس بارے میں کوتاہی برتنا سخت گناہ اور سنگین جرم ہے جس کے نتائج ملک وملت اور آخرت کے علاوہ دنیا کے اعتبار سے بھی تباہ کن ہیں۔

اس لئے ہر شخص کو ووٹ کا صحیح صحیح استعمال کرنا چاہئے، اور مرد حضرات کے علاوہ عورتوں کو بھی باپردہ طریقہ پر رہتے ہوئے اہل شخص کے حق میں اپنے ووٹ کو استعمال کرنا چاہیے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

حضرت مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

آج کل انتخابات میں جو خرابیاں پیش آرہی ہیں۔ ان کی بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ نیک اور دیندار حضرات عموماً ووٹ دینے ہی سے گریز کرنے لگے ہیں، جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ووٹ عموماً ایسے آتے ہیں جو چند ٹکوں میں خرید لئے جاتے ہیں، یا وہ برادریوں اور قومیتوں کے تعصّبات کا شکار ہوتے ہیں۔ اس لئے جس حلقہ میں کوئی بھی امیدوار صحیح معنٰی میں قابل اور دیانت دار معلوم ہو اُسے ووٹ دینے سے گریز کرنا بھی شرعی جرم ہے (حیاتِ ترمذی صفحہ ۳۴۴، ۳۴۵)

اور حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں کہ:

ووٹ بھی بلاشبہ ایک شہادت ہے، قرآن وسنت کے یہ تمام احکام اس پر بھی جاری ہوتے ہیں، لہٰذا ووٹ کو محفوظ رکھنا (اور استعمال نہ کرنا) دینداری کا تقاضا نہیں، اس کا زیادہ سے زیادہ صحیح استعمال کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے (فقہی مقالات ج۲ص ۲۸۷ تا ۲۸۸)

[1] چنانچہ حضرت مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ اس سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ:

اگر پولنگ اسٹیشن پر عورتوں کے لیے پردے کا انتظام ہو اور غیر محرم مرد منتظم نہ ہوں، بلکہ پیپر دینے لینے والی عورتیں کام کرتی ہوں تو عورت کو ووٹ دینے کے لیے جانا جائز ہے، اور غیر محرم مرد ہوں تو عورتیں نہ جائیں بلکہ مطالبہ کریں کہ ان کے لیے زنانہ منتظم مقرر کیے جائیں (کفایت المفتی مدلل مکمل مع عنوانات ج۹، ص۳۵۷)

اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

عام طور پر اس کو ایک ہار جیت کا کھیل اور خالص دنیاوی دھندہ سمجھ کر ووٹ لئے اور دیئے جاتے ہیں۔ لکھے

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

ووٹ کیسے شخص کو دیا جائے؟

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ووٹ کا صحیح استعمال ضروری ہے تو ووٹ کیسے شخص اور کس طرح کے امیدوار کو دیا جائے؟ اور امیدوار میں کن صفات اور اوصاف کو دیکھا جائے؟

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

پڑھے دیندار مسلمانوں کو بھی اس طرف توجہ نہیں ہوتی کہ یہ کھیل صرف ہماری دنیا کے نفع نقصان اور آبادی یا بربادی تک نہیں رہتا۔ بلکہ اس کے پیچھے کچھ طاعت ومعصیت اور گناہ وثواب بھی ہے جس کے اثرات اس دنیا کے بعد بھی یا ہمارے گلے کا ہار، عذاب جہنم بنیں گے، یا پھر درجات جنت اور نجاتِ آخرت کا سبب بنیں گے (جواہر الفقہ ج۵،ص۵۳۱، طبع جدید: ذی الحجہ۱۴۳۱ھ مطابق نومبر۲۰۱۰ء)

اس معاملہ میں یہ بات خاص طور پر یاد رکھنے کی ہے کہ شخصی معاملات میں کوئی غلطی بھی ہو جائے تو اس کا اثر بھی شخصی اور محدود ہوتا ہے ثواب وعذاب بھی محدود، قومی اور ملکی معاملات سے پوری قوم متاثر ہوتی ہے، اس کا ادنیٰ نقصان بھی بعض اوقات پوری قوم کی تباہی کا سبب بن جاتا ہے، اس لئے اس کا ثواب وعذاب بھی بہت بڑا ہے (جواہرُ الفقہ ج۵،ص۵۳۶، طبع جدید: ذی الحجہ۱۴۳۱ھ مطابق نومبر۲۰۱۰ء)

اور حضرت مفتی محمد کفایتُ اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ اس سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ:

ممبر کے لیے رائے دینے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو اپنا نمائندہ بنا کر کمیٹی یا کونسل میں بھیجنا ہے، کمیٹی یا کونسل میں جا کر جس کام کی حاجت ہوتی ہے، اس کی لیاقت اور صلاحیت ممبر میں ہونی لازم ہے، اور اسی لیاقت اور صلاحیت کو ووٹ دینے کا معیار قرار دینا چاہیے، ووٹ کسی طمع یا خوف یا معاوضہ کی بناء پر دینا درست نہیں، غیر مستحق اور ایسے شخص کو جس میں لیاقت اور صلاحیت نہیں ہے، ووٹ دینا قومی خیانت ہے (کفایتُ المفتی مدلل مکمل مع عنوانات جلد نہم صفحہ۳۵۷)

اور فتاویٰ بینات میں ہے کہ:

ضرورت ہے کہ ووٹر اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کر کے اپنے ووٹ کو صحیح مصرف میں استعمال کریں (فتاویٰ بینات جلد سوم صفحہ۵۰۷)

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب اس سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ:

موجودہ پارلیمانی طرزِ حکومت میں جو حکومت بھی برسرِ اقتدار آتی ہے وہ انتخابات ہی کے ذریعے اقتدار کے منصب تک پہنچتی ہے، لہٰذا اس حکومت کے تمام اعمال وافعال اس کے منتخب کرنے والے عوام کی طرف منسوب ہوتے ہیں، اور ان کی دنیوی اور اخروی ذمہ داری بڑی حد تک ان لوگوں پر عائد ہوتی ہے جنہوں نے اپنے ووٹ دے کر اسے منتخب کیا۔ لہٰذا یہ انتخابات........کوئی کھیل تماشا نہیں ہے جسے بے پرواہی سے دیکھ کر گذار دیا جائے، بلکہ یہ انتہائی ذمہ داری کا معاملہ ہے، اور ملک کے ہر باشندے کا فرض ہے کہ وہ اسے

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

تو ووٹ ایسے عاقل بالغ شخص کو دینا چاہئے جو حکومت کے معاملات کو امانت، دیانت کے ساتھ چلانے کی صلاحیت رکھتا ہو، مسلمانوں کا ہمدرد وخیر خواہ ہو، اور اگر کوئی مسلمان ملک یا مسلمان نمائندہ ہو، تو معتبر مسلمان کو ہی ووٹ دینا چاہئے، اور اگر ان صفات کے حامل ایک سے زیادہ امیدوار ہوں تو پھر دینداری اور علمِ دین اور دیانت وامانت میں جس کو برتری حاصل ہو، اس کو ووٹ دینا چاہئے۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

پوری سوجھ بوجھ اور دیانت داری کے ساتھ طے کرے (اسلام اور سیاستِ حاضرہ ص ۸)

چونکہ دین کو لوگوں نے صرف نماز روزے کی حد تک محدود سمجھ لیا ہے، اس لئے سیاست ومعیشت کے کاروبار کو وہ دین سے بالکل الگ تصور کر کے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ سارے معاملات دین کی گرفت سے بالکل آزاد ہیں۔ چنانچہ بہت سے لوگ ایسے بھی دیکھے گئے ہیں جو اپنی نجی زندگی میں نماز، روزے اور وظائف واوراد تک کے پابند ہوتے ہیں، لیکن نہ انہیں خرید وفروخت کے معاملات میں حلال وحرام کی فکر ہوتی ہے، نہ وہ نکاح وطلاق اور برادریوں کے تعلقات میں دین کے احکام کی پرواہ کرتے ہیں۔ ایسے لوگ انتخابات کو بھی ایک خاص دنیاوی سودا سمجھ کر اس میں مختلف قسم کی بدعنوانیوں کو گوارا کر لیتے ہیں، اور یہ نہیں سمجھتے کہ ان سے کوئی بڑا گناہ سرزد ہوا ہے (فقہی مقالات جلد دوم، صفحہ ۲۸۹؛ اسلام اور سیاستِ حاضرہ ص ۸)

ووٹ ڈالنے کے مسئلہ کو ہرگز یوں نہ سمجھا جائے کہ یہ ایک خالص دنیوی مسئلہ ہے اور دین سے اس کا کوئی تعلق نہیں، یقین رکھئے کہ آخرت میں ایک ایک شخص کو اللہ کے سامنے کھڑا ہونا ہے، اور اپنے دوسرے اعمال کے ساتھ اس عمل کا بھی جواب دینا ہے کہ اس نے اپنی اس ''شہادت'' کا استعمال کس حد تک دیانت داری کے ساتھ کیا ہے (فقہی مقالات جلد دوم، صفحہ ۲۹۱)

۱؎ حضرت مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

اگر مسلمانوں کے ووٹ سے کسی سیاسی مجلس کا انتخاب کیا جائے تو یہ دیکھنا چاہیے کہ اُمورِ سیاسیہ میں جو شخص ماہر اور مسلمانوں کا خیر خواہ اور اِن کے حقوق کی حفاظت کا اہل ہو، اس کو ووٹ دیں۔ ان اوصاف کے ساتھ اگر شریعت کا بھی پابند اور نیک صالح ہو تو وہی مستحق ہے (کفایتُ المفتی مدلل مکمل مع عنوانات جلد نہم صفحہ ۳۵۲)

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ:

انتخاب کا معاملہ بہت سخت ذمہ داری کا ہے، رائے دینے والوں پر فرض ہے کہ وہ اس شخص کو رائے دیں جو نیک اور سمجھ دار اور ملک وقوم کا خیر خواہ ہو۔ روپیہ لے کر غیر مستحق کو رائے دینا حرام اور ملک وقوم کی خیانت وغدّاری ہے اور مستحق کو پیسہ لے کر رائے دینا رشوت ہے۔ اگر مستحق کو رائے دینے والا خود پیسہ نہ مانگے اور وہ خود دیدے تو خیر مباح ہوسکتا ہے لیکن غیر مستحق کو رائے دینا کسی طرح بھی حلال نہیں (ایضاً)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اور اگر کسی حلقہ میں سب امیدوار ہی نااہل ہوں، تو اس حلقہ میں جو امیدوار دوسرے امیدواروں کے مقابلہ میں بہتر اور غنیمت ہو، اس کو ہی ووٹ دینا چاہیئے، کیونکہ یہ عقلی اصول ہے کہ:

''اندھوں میں کانا راجا ہوتا ہے''

اور ایسے ہی موقع پر کسی نے کہا ہے کہ:

''نہ آدھی کو چھوڑ پوری کے پیچھے''

اور ووٹ کا حق استعمال کرنے سے پہلے سمجھدار اور صاحبِ رائے و خیر خواہ مسلمان لوگوں سے مشورہ بھی کر لینا چاہیئے، اور ہر ایک کو اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنانے کے طرزِ عمل سے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ:

اپنی نمائندگی کے لئے ایسے شخص کو رائے دینی چاہیئے جو اہلِ اسلام کی مذہبی، معاشرتی، سیاسی صحیح ترجمانی اور نمائندگی کر سکے، اور جو شخص اس کے خلاف کسی ایسے شخص کو رائے دے جس سے یہ توقع نہ ہو بلکہ اس میں مضرت کا اندیشہ ہو وہ غلطی پر ہے، اور اس اعانت کی وجہ سے گناہ گار ہوگا (فتاویٰ محمودیہ مبوب جلد چہارم، صفحہ ۶۹۱)

الشروط المعتبرة فى أولى الأمر إجمالا:

يشترط فيمن يولى الخلافة -وهى أعلى درجات أولى الأمر :الإسلام، والحرية، والبلوغ، والعقل، والذكورة، والعلم، والعدالة بشروطها الجامعة، والكفاية.

فالعلم يقصد به :العلم المؤدى إلى التصرف المشروع فى الأمور العامة.

والعدالة يقصد بها هاهنا :الاستقامة فى السيرة والتجنب للمعاصى.

والكفاية يقصد بها :أن يكون قادرا على إقامة الحدود، بصيرا بالحروب، كفيلا بحمل الناس عليها، مع سلامة الحواس كالسمع والبصر واللسان، ليصح معها مباشرة ما يدرك بها، والمقصود سلامتها مما يؤثر فى الرأى والعقل، ومن سلامة الأعضاء من نقص يمنع عن استيفاء الحركة وسرعة النهوض، والمقصود سلامتها مما يؤثر فى الرأى والعمل، ويكون متصفا بالشجاعة والنجدة المؤدية إلى حماية البيضة، وجهاد العدو، وأن يكون ذا رأى يؤهله لسياسة الرعية، وتدبير المصالح، قيما بأمر الحرب والسياسة وإقامة الحدود، لا تلحقه رأفة فى ذلك

أما من دون الخليفة من أولى الأمر فلهم شروط أقل مما ذكر، بحسب ما يلونه من أمور المسلمين، وتعرف فى أبواب القضاء والجهاد ونحوهما ومرجعها إلى توافر القوة والأمانة .قال الله تعالى: (إن خير من استأجرت القوى الأمين)(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٦،ص ١٩٠)

Idara Ghufran

بچنا چاہئے، کیونکہ اس کا نتیجہ انتشار وافتراق کی بھیانک شکل میں برآمد ہوتا ہے، اور بسا اوقات اچھے اور مستند لوگوں کے ووٹ الگ الگ تقسیم ہونے سے سب ضائع چلے جاتے ہیں، اور کوئی نااہل وبدتر شخص اکثریت حاصل کرکے منتخب ہوجاتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ:

أَلَا وَإِنَّهُ بَلَغَنِي أَنَّ فُلَانًا قَالَ لَوْ قَدْ مَاتَ عُمَرُ بَايَعْتُ فُلَانًا فَمَنْ بَايَعَ امْرَأً مِّنْ غَيْرِ مَشُورَةٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَإِنَّهُ لَا بَيْعَةَ لَهُ وَلَا لِلَّذِيْ بَايَعَهُ (صحیح ابنِ حبان) [1]

ترجمہ: خبردار مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ فلان نے یہ کہا ہے کہ اگر عمر فوت ہوگئے تو میں فلان سے بیعت ہوں گا، جو شخص مسلمانوں کے مشورے کے بغیر کسی شخص کی (حکمرانی کی) بیعت کرے گا اس کی (اس حکمرانی کی) بیعت کا کوئی اعتبار نہیں، اور نہ ہی اس شخص کے ہاتھ پر (یہ بیعت) صحیح ہوگی جس سے بیعت لی گئی ہے (ابنِ حبان)

اور شریعت کی ایک ہدایت یہ ہے کہ کسی امانت ودیانت دار عاقل بالغ مرد کو حکمرانی کے لئے منتخب کیا جائے، اور عورت کو حکمرانی کے لئے منتخب نہ کیا جائے۔

چنانچہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

لَمَّا بَلَغَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ فَارِسًا مَلَّكُوْا ابْنَةَ كِسْرٰى قَالَ: لَنْ يُّفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا أَمْرَهُمُ امْرَأَةً (بخاری) [2]

ترجمہ: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ فارس کے لوگوں نے کسریٰ کی بیٹی کو

---

[1] رقم الحدیث ۴۱۳، کتاب البر والاحسان، باب حق الوالدین.
فی حاشیة ابنِ حبان: إسناده صحیح علی شرط الشیخین.

[2] رقم الحدیث ۷۰۹۹، کتاب الفتن، باب الفتنة التی تموج کموج البحر، مسند احمد، رقم الحدیث ۲۰۵۱۷، المستدرک للحاکم، رقم الحدیث ۷۷۹۰.
قال الحاکم: هذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاه.
و قال الذهبی: علی شرط البخاری ومسلم.

www.idaraghufran.org

بادشاہ بنالیا ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ قوم ہرگز فلاح (وکامیابی) نہیں پاسکتی کہ جس نے حکومت عورت کے سپرد کردی (بخاری)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

لَمَّا هَلَكَ كِسْرٰى قَالَ: مَنِ اسْتَخْلَفُوْا؟ قَالُوْا: بِنْتَهٗ، قَالَ: لَنْ يُّفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا أَمْرَهُمْ اِمْرَأَةً (سنن النسائی) [1]

ترجمہ: جب کسریٰ فوت ہوگیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معلوم کیا کہ ان لوگوں نے کس کو خلیفہ (وحکمران) بنایا؟ تو لوگوں نے عرض کیا کہ کسریٰ کی بیٹی کو، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ قوم ہرگز فلاح (وکامیابی) نہیں پاسکتی، جس نے حکومت عورت کے سپرد کردی (نسائی)

اس طرح کی حدیث حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی مروی ہے۔ [2]

عورت کیونکہ مرد کے مقابلہ میں ناقص عقل اور ناقص رائے کی حامل ہے، اور حکومتی معاملات میں کامل عقل ورائے کی ضرورت ہے، نیز حکمرانی کے معاملات میں حکمران کو کثرت سے اجنبی لوگوں کے ساتھ واسطہ وسابقہ پیش آتا ہے، اور اندرون وبیرون ملک سفر واسفار کی ضرورت پڑتی ہے، اور قوم اور اجنبی بلکہ غیر مسلم لوگوں سے مخاطب ہونا پڑتا ہے، جس میں عورت کے لئے فتنہ ہے، اس لئے عورت کے حکمران بننے کو شرعاً پسند نہیں کیا گیا۔ [3]

---

[1] رقم الحديث ۵۳۸۸، كتاب آداب القضاة، باب النهى عن استعمال النساء فى الحكم.

[2] عن جابر بن سمرة قال :سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول :لن يفلح قوم يملك أمرهم امرأة. لا يروى هذا الحديث عن جابر بن سمرة إلا بهذا الإسناد، تفرد به :عبد الرحمن بن عمرو بن جبلة "(المعجم الاوسط، رقم الحديث ۴۸۵۵)

قال الهيثمى: رواه الطبرانى فى الأوسط عن شيخه أبى عبيدة عبد الوارث بن إبراهيم ولم أعرفه، وبقية رجاله ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۹۰۶۰، باب ملك النساء)

[3] (وعن أبى بكرة) بالتاء (قال لما بلغ رسول الله -صلى الله عليه وسلم -أن أهل فارس) بكسر الراء وفتح السين (قد ملكوا) بتشديد اللام ;أى جعلوا الملك (عليهم بنت كسرى) بكسر الكاف ويفتح، ملك الفرس معرب خسروا ;أى واسع الملك ذكره فى القاموس، وفى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

تاہم اگر کوئی مسلمان عورت سربراہِ مملکت بن جائے، تو اس کی حکومت کے جائز قوانین کی پابندی ضروری ہوجاتی ہے۔ [1]

اور مذکورہ حکم، عورت کے سربراہِ مملکت بنانے کے بارے میں ہے، اور اگر خاص خواتین کے حقوق اور ان کے متعلقہ اُمور کے بارے میں عورت کو کوئی نیچے درجہ کا مخصوص عہدہ دیا جائے، تو اس کی گنجائش ہے، بشرطیکہ عورت حیاء وپردہ داری کے اُصولوں کا لحاظ کرے۔

اگر بالفرض کسی جگہ کوئی بھی اہل امیدوار سامنے نہیں تب بھی کم بُرائی والے کو اس نیت سے ووٹ دینا تاکہ زیادہ بُرائی والے کا زور توڑا جاسکے، انتخاب کا ایک کم سے کم شرعی وقانونی معیار ہے، اس لیے ایسی صورت میں بھی ووٹ کا استعمال اپنی قبر وآخرت کو سامنے رکھ کر

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

النهاية لقب ملك الفرس، يعنى كما أن قيصر لقب ملك الروم، وفرعون لقب ملك مصر، وتبع لملك اليمن، (قال لن يفلح قوم ولوا) بالتشديد ;أى فوضوا (أمرهم) ; أى أمر ملكهم (امرأة) فى شرح السنة ;لا تصلح المرأة أن تكون إماما، ولا قاضيا ;لأنهما محتاجان إلى الخروج للقيام بأمور المسلمين، والمرأة عورة لا تصلح لذلك، ولأن المرأة ناقصة ;والقضاء من كمال الولايات ;فلا يصلح لها إلا الكامل من الرجال(مرقاة المفاتيح، ج٦، ص ٢٤٠٦، كتاب الامارة و القضاء)

(لن يفلح قوم ولوا) وفى رواية ملكوا (أمرهم امرأة) بالنصب على المفعولية وفى رواية ولى أمرهم امرأة بالرفع على الفاعلية وذلك لنقصها وعجز رأيها ولأن الوالى مأمور بالبروز للقيام بأمر الرعية والمرأة عورة لا تصلح لذلك فلا يصح أن تولى الإمامة ولا القضاء قال الطيبى :هذا إخبار بنفى الفلاح عن أهل فارس على سبيل التأكيد وفيه إشعار بأن الفلاح للعرب فتكون معجزة(فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ٧٣٩٣، حرف اللام)

حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب لکھتے ہیں کہ:

قرآن وسنت کے واضح ارشادات کی بناء پر یہ بات چودہ سو سال سے فقہائے امت میں مسلّمہ اور غیر متنازعہ چلی آئی ہے کہ کسی اسلامی حکومت میں سربراہی کے منصب کی ذمہ داریاں کسی خاتون کو سونپی نہیں جاسکتیں (نوادرُ الفقہ جلد۲ صفحہ ۱۵۲)

[1] چنانچہ تقریرِ ترمذی میں ہے کہ:

صحیح یہ ہے کہ اگر عورت بھی حاکم بن جائے، تو اس کی امارت منعقد ہوجاتی ہے، اور اس کے احکام نافذ ہوں گے، البتہ جن لوگوں نے اس عورت کو حاکم بنایا، یا اس کو حاکم بنانے میں کسی قسم کا تعاون کیا، وہ گناہ گار ہوں گے (تقریرِ ترمذی، ج۲، ص ۳۱۸، ابواب الجہاد، باب ماجاء فی طاعۃ الامام)

www.idaraghufran.org

حاضرین میں سے کم شَر والے کے لیے ہونا چاہیے، اور اگر خیر وشَر کا مقابلہ ہو، تو بہر حال اسی کے لئے ووٹ کا حق متعین ہے، کیونکہ خیر کو شر پر ترجیح ہوا ہی کرتی ہے، جس کی مزید تفصیل آگے غلط فہمیوں اور کوتاہیوں کے ذیل میں آتی ہے۔

جماعتی اور آزاد امیدوار کی حیثیت

انتخابات اور ووٹ کے سلسلہ میں ایک بات یہ بہت اہم ہے کہ جب جماعتی انتخابات ہو رہے ہوں تو شخصی وذاتی کردار کے مقابلہ میں جماعت کا منشور زیادہ اہمیت وتوجہ کا حامل ہوتا ہے۔

اور اس کے مقابلہ میں آزاد امیدوار کی اتنی اہمیت نہیں ہوتی، کیونکہ وہ قانونی یا غیر قانونی اعتبار سے اس چیز کا پابند نہیں ہوتا کہ وہ اپنے ذاتی مفادات واغراض کو دیکھتے ہوئے کسی غلط جماعت کے ساتھ شامل نہ ہوسکے، اس لئے عموماً آزاد امیدوار منتخب ہو کر اپنے مفادات کی خاطر بہتر منشور والی جماعت کے مدِ مقابل جماعت کے ساتھ شامل ہو کر بہتر منشور والی جماعت کے نقصان کا باعث ہوسکتا ہے، اور ماضی میں کثرت سے ایسا ہوتا بھی رہا ہے۔

لہٰذا بہتر منشور کی جماعت کے ہوتے ہوئے آزاد امیدوار کو ووٹ دینا ایک طرح سے بہتر منشور والی جماعت کو نقصان پہنچانے کے مترادف ہے، جس سے عام حالات میں بچنا چاہئے۔ [1]

---

[1] حضرت مفتی عبد الشکور ترمذی صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

اگر جماعتی انتخابات ہو رہے ہوں تو جماعتی منشور اور اس کے نظریات قابل لحاظ ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں ذاتی شخصی حالات کی زیادہ اہمیت پیشِ نظر نہیں رہتی جبکہ اس کا ظنِ غالب (غالب گمان) ہو یا قانونی پابندی لگادی گئی ہو کہ کامیاب ہونے کے بعد اپنی جماعت کے نظریات کے ساتھ وابستہ اور اس کی حمایت کرتا رہے گا اور آزاد امیدوار چونکہ کسی منشور اور جماعت کا پابند نہیں ہوتا اس لئے کامیابی کے بعد اس پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اسلامی نظریات کی حامل جماعتوں کا ساتھ ضرور ہی دے گا۔

کیونکہ وہ کسی قانونی پابندی سے اس پر مجبور نہیں، اس کو اختیار ہوتا ہے کہ جس جماعت کے ساتھ مل جائے اور اپنا ذاتی نفع حاصل کرلے، اس لئے آزاد امیدوار کو ووٹ دینا نتیجہ کے لحاظ سے اسلامی نظریات کی حامل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

امیدوار کے انتخاب وترجیح کا خلاصہ

بہرحال کسی بھی علاقہ وملک میں امیدوار کو ووٹ دینے کے انتخاب ومعیار کے لئے چند اصول ہیں، جن کوملحوظ رکھنا چاہئے۔

(۱)...... غیر مسلم امیدوار کے مقابلہ میں مسلم امیدوار کو ترجیح ہوگی۔

(۲)...... اگر کسی ملک یا حلقہ میں باہم غیر مسلموں کا مقابلہ ہو، اوران میں کوئی امیدوار بھی مسلم نہ ہو، تو اُن میں سے امانت دار اور مسلمانوں کے خیرخواہ امیدوار کو ترجیح ہوگی۔

(۳)...... مرد اور عورت کے مقابلہ میں مرد کو ترجیح ہوگی۔

(۴)...... جماعتی اور آزاد امیدوار کے مقابلہ میں بہتر منشور والے جماعتی امیدوار کو ترجیح ہوگی۔

(۵)...... ایک سے زیادہ جماعتی امیدوار ہونے کی صورت میں اسلام اور مسلمانوں کے حق میں بہتر امیدوار کو، اور لبرل اور دوسروں کے مقابلہ میں دیندار، خیرخواہ اور امانتدار جماعت کے امیدوار کو ترجیح ہوگی۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

جماعتوں کو نقصان پہنچانے کے مترادف ہے، اس لئے اس کو ہرگز ووٹ نہ دیا جائے۔ البتہ اگر کوئی حلقہ ایسا ہو کہ اس میں اسلامی نظریات کی حامل جماعتوں کی طرف سے کوئی امیدوار کھڑا ہی نہیں کیا گیا تو پھر اس (آزاد امیدوار) شخص کی ذاتی صلاحیت ودیانت داری کے لحاظ سے (اس سے) یہ عہد لے کر کہ کامیابی کے بعد اسلامی نظریات کی حامل جماعت کی حمایت کرتا رہے گا اس کو ووٹ دیا جاسکتا ہے (حیاتِ ترمذی، صفحہ نمبر ۳۴۵)

اور فتاویٰ حقانیہ میں ہے کہ:

ووٹ ایک امانت اور سفارش ہے، یا ایک قسم کی شہادت ہے، اس اعتبار سے کسی فاسق یا فاجر شخص کو ووٹ نہیں دینا چاہیے، ووٹ کسی دیانتدار امانتدار اور دیندار یا ایسے شخص کو دینا چاہیے جو قوم اور ملک کے لیے مفید ثابت ہو؛ تاہم جہاں کہیں پارٹی کی بنیاد پر الیکشن ہو تو اس میں شخصیت کے مقابلے میں پارٹی کے منشور کو مدِنظر رکھنا زیادہ مناسب ہے (فتاویٰ حقانیہ جلد دوم صفحہ ۳۱۰)

(۶)...... کسی حلقہ میں ایک سے زیادہ برابر اچھی صفات کے حامل امیدواروں میں اس امیدوار کو ترجیح ہوگی، جو دوسروں کے مقابلہ میں ان صفات میں زیادہ اعلیٰ اور بہتر وعمدہ ہو۔

(۷)...... اگر کسی حلقہ میں کسی بھی امیدوار میں پوری اہلیت وصلاحیت نہ ہو، تو ان میں سے کم شَر اور کم ضرَر والے کو دوسرے امیدواروں پر ترجیح ہوگی۔

(۸)...... اگر ایک امیدوار ایسی جماعت سے تعلق رکھتا ہے کہ جس کا منشور دوسری جماعتوں کے مقابلہ میں زیادہ بہتر ہے، مگر اکثر لوگوں کے اس طرف رجحان نہ ہونے کی وجہ سے غالب گمان یہ ہے کہ اس کو ووٹ دینے سے خاطر خواہ فائدہ نہ ہوگا، بلکہ ایک طرح سے ووٹ ضائع چلا جائے گا، اور اس کے نتیجہ میں زیادہ شر اور ضرَر والی جماعت کے امیدوار کو فائدہ ہوگا، تو ایسی حالت میں اس کے بجائے ایسے امیدوار کو ووٹ دینا زیادہ مناسب ہوگا کہ جس کو ووٹ دینے سے بڑے شر وضرَر والے کا زور ٹوٹے۔ [۱]

اگر کسی وقت ترجیح دینے میں مشکل ہو، تو مسلمان خیر خواہ واہلِ رائے حضرات سے مشورہ کرنا چاہئے۔ [۲]

---

[۱] مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب اس سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ: اگر دینی جماعت کی پوزیشن کمزور ہے، اور غالب گمان یہ ہے کہ اس کا نمائندہ جیت نہیں سکے گا، تو اس کو ووٹ نہ دیا جائے، ایسی صورت میں اس سیاسی جماعت کو ووٹ دیا جائے، جس کا شر دوسری جماعتوں سے کم ہو (ماہنامہ ''دارالتقویٰ'' لاہور، رجب ۱۴۳۴ھ، مئی 2013ء، ص ۶۲)

[۲] رکنیتِ پارلیمنٹ کی نااہلی کی جو صورتیں دستورِ پاکستان میں تحریر کی گئی ہیں، ان میں درجِ ذیل شرائط بھی ہیں کہ:

(د) وہ اچھے کردار کا حامل نہ ہو، اور عام طور پر احکامِ اسلام سے انحراف میں مشہور ہو۔

(ہ) وہ اسلامی تعلیمات کا خاطر خواہ علم نہ رکھتا ہو، اور اسلام کے مقرر کردہ فرائض کا پابند نیز کبیرہ گناہوں سے مجتنب نہ ہو۔

(و) وہ سمجھدار، پارسا نہ ہو، اور فاسق ہو، اور ایماندار اور امین نہ ہو۔

(ز) کسی اخلاقی پستی میں ملوث ہونے یا جھوٹی گواہی دینے کے جرم میں سزا یافتہ ہو۔

(ح) اس نے قیامِ پاکستان کے بعد ملک کی سالمیت کے خلاف کام کیا ہو یا نظریہ پاکستان کی مخالفت کی ہو۔

(''آرٹیکل ۶۲'' حصہ سوم، باب ۲، پارلیمنٹ کے ارکان کی بابت احکام، اسلامی جمہوریہ پاکستان کا دستور)

ووٹوں کے متعلق چند غلط فہمیاں اور کوتاہیاں

ووٹ کا شرعی حکم اور اس کی شرعی حیثیت ملاحظہ کرنے کے بعد اب ووٹوں سے متعلق موجودہ دور میں علمی، دینی اور عوامی سطح کی چند غلط فہمیوں اور کوتاہیوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱)

ووٹ کے بجائے اللہ کے حکم، یا نیکی ودعاء سے تبدیلی کا شبہ

آج کل دینی ذہن رکھنے والے ایک بڑے طبقہ کا خیال یہ ہے کہ حکومت یا حکمران ووٹوں سے منتخب نہیں ہوتے، بلکہ اللہ کے حکم سے منتخب ہوتے ہیں، اور اللہ کی طرف سے اچھے اور بُرے حکمرانوں کا انتخاب، بندوں کے اچھے اور بُرے اعمال کے مطابق ہوتا ہے، اگر بندے نیک اعمال کرتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ اچھے حکمران منتخب فرماتا ہے، اور بندے بُرے اعمال کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بُرے حکمران منتخب فرماتا ہے۔

اس لئے ووٹوں کے بجائے اپنے اعمال کی اصلاح کی فکر کرنی چاہئے، اور اسی طرح اللہ سے اچھے حکمرانوں کی دعاء بھی کرنی چاہئے، اسی لئے یہ لوگ ووٹوں کے دن گھروں یا مسجدوں میں بیٹھ کر ذکر اور دعاء میں مشغول رہتے ہیں، پھر نتائجِ بد سامنے آنے کے بعد کہتے ہیں کہ لوگوں کے اعمال ہی اس قابل تھے تو ہماری دعاء وذکر سے کیا ہوسکتا تھا؟

جبکہ یہ طرزِ عمل اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگی نہیں رکھتا، کیونکہ اسلام میں ہر چیز کو ایک درجہ دیا گیا ہے، اور اس کو اپنے وقت پر انجام دینے کا حکم دیا گیا ہے۔

اصلاح، نیک اعمال، ذکر ودعاء وغیرہ جیسی چیزوں سے ایک مسلمان کو کیونکر انکار ہوسکتا ہے، لیکن ان چیزوں کے لئے تو ہر وقت موجود ہے، دن، رات میں جب چاہیں یہ کام کرلیں، لیکن ووٹ اور انتخاب کے دن تو ووٹ ہی ڈالنے کے عمل کو اختیار کرنا چاہئے۔

Idara Ghufran

یہ بات شرعی اعتبار سے طے شُدہ ہے کہ انسان کا اصل توکل وبھروسہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہونا چاہئے، اور اسی سے ہر ضرورت کی دعاء کرنی چاہئے، اور گناہوں سے بچ کر نیک اعمال کو اختیار کرنا چاہئے، لیکن اسی کے ساتھ تدبیر اور اسباب کو اختیار کرنا بھی ضروری ہے، چنانچہ یہ بات شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کو رزق پہنچانے کا وعدہ کیا ہے، لیکن کوئی مسلمان بھی یہ سوچ کر کہ رزق کا وعدہ تو اللہ نے کرلیا ہے، روزی کمانے اور کسبِ معاش کے ذریعہ کو ترک نہیں کرتا، اور نماز، روزہ ودیگر نیک اعمال اور ذکر ودعاء پر اکتفاء نہیں کرتا۔

یہ بات بھی شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ ہر جاندار کو اللہ تعالیٰ کی ذات ہی پیدا فرماتی اور وجود بخشتی ہے، لیکن اس کے باوجود نکاح اور حقِ زوجیت کے سبب کو اختیار کرنا بھی ضروری ہے، کوئی مسلمان یہ سوچ کر کہ بچہ بلکہ ہر جاندار تو اللہ کے حکم سے وجود میں آتا ہے، شادی، بیاہ اور اس کے بعد حقِ زوجیت کو ترک کرکے، اولاد کے حصول کے لئے نیک اعمال اور ذکر ودعاء پر اکتفاء نہیں کرتا۔

قرآن وسنت میں یہ بات بھی مذکور ہے کہ اللہ جسے چاہے ہدایت عطا فرماتا ہے، اور جسے چاہے گمراہ کرتا ہے، لیکن اس کا کوئی عقلمند یہ مطلب نہیں سمجھتا کہ پھر دوسرے کو ہدایت کی طرف لانے اور برائی سے بچانے کی کوشش کرنا یا بالفاظِ دیگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی جدوجہد بے کار وبے سود ہے، بلکہ اس کی کوشش وجدوجہد اپنی جگہ ضروری سمجھی جاتی ہے۔

اسی طرح سے دوسرے معاملات کو بھی سمجھ لینا چاہئے، پس اللہ پر توکل وبھروسہ اور نیک اعمال اور دعاء میں تاثیر ہونے اور اللہ کی طرف سے جس کو چاہیں حکومت دیئے جانے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اسباب اور تدابیر کو چھوڑ دیا جائے، بلکہ اصل بات یہ ہے کہ انسان کو اسباب اور تدابیر کو تو اختیار کرنا چاہئے، لیکن ان اسباب اور تدابیر کو مؤثر بالذات نہیں سمجھنا چاہئے، بلکہ اسباب وتدابیر کو اختیار کرکے بھروسہ اللہ پر ہی رکھنا چاہئے، اور نتائج کو اللہ کے حوالہ کردینا چاہئے، اور اچھے نتیجہ وانجام کی دعاء کرنی چاہئے۔

بالکل اسی طرح ہمیں نیک اعمال اور دعاء واستغفار وغیرہ کا ہمہ وقت اہتمام کرنا چاہئے، اور انتخاب اور ووٹ کے موقع پر اس تدبیر اور سبب کو بھی امانت و دیانت اور ذمہ داری کے ساتھ ادا کرنا اور انجام دینا چاہئے، یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان ویقین انتہائی پختہ ومضبوط ہونے اور نیک اعمال ودعاء وغیرہ کا غیر معمولی اہتمام کرنے کے باوجود، انہوں نے حکومت وحکمرانی کے انتخاب کے لئے تدابیر واسباب اختیار کرنے کا اپنے قول وفعل سے اظہار فرمایا، اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے سیاسی بیعت کا اہتمام فرمایا، اور نبی ﷺ نے بھی اپنے بعد امت کو حکمرانی کے انتخاب اور حکومت کی اطاعت کا بار بار حکم فرمایا، یہاں تک کہ بغیر حکومت کے رہنے کے مقابلہ میں، فاجر وگناہ گار حکمران کے انتخاب واختیار کرنے کا بھی حکم فرمادیا۔

اور یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ ووٹ کی ایک حیثیت سیاسی بیعت کی بھی ہے۔

خلاصہ یہ کہ اللہ کے حکم اور نیک اعمال ودعاء وغیرہ کے سہارے وبھروسہ پر انتخاب اور ووٹ کی ذمہ داری سے غفلت اختیار کرنا، دین کے رنگ میں نفس وشیطان کا دھوکہ ہے۔

(۲)

ووٹ کے بجائے امر بالمعروف، نہی عن المنکر کرنے کا شبہ

بعض لوگ ووٹوں کے بارے میں کہا کرتے ہیں کہ تبدیلی ووٹوں کے بجائے اللہ کے حکم سے ہوتی ہے، اور اصل ضرورت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یا بالفاظِ دیگر دعوت وتبلیغ کی ہے۔

لہٰذا لوگوں کو ووٹ دینے کی ترغیب دینے یا اہتمام کرنے کے بجائے لوگوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکَر کرنا چاہئے۔

اور ظاہری نظر میں اگرچہ یہ بات دینی نقطۂ نظر سے بڑی خوش کُن معلوم ہوتی ہے، لیکن غور کرنے سے اس کی حیثیت بھی واضح ہوجاتی ہے، کیونکہ اوَّلاً تو امر بالمعروف اور نہی عن

المنکر کی مختلف صورتیں اور شکلیں ہیں، یہ کسی ایک طریقہ کے ساتھ خاص نہیں، اور اس کے درجات بھی مختلف ہیں، اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ضرورت اپنی جگہ مسلَّم ہے، لیکن جب ووٹ کی حیثیت وکالت، گواہی، سفارش، مشورہ اور سیاسی بیعت کی ہے، تو اس عمل کا صحیح طرح استعمال کرنا خود شریعت کا حکم ہوگیا، اور اس کا انکار کرنا شریعت کے ایک حکم کا انکار کرنا ہوا، دوسرے انتخاب کا خود یہ عمل بھی ایک طرح سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے وسیع مفہوم میں داخل ہے، کہ ووٹ دینے والا اپنی ذمہ داری کو ادا کر کے نااہل کے مقابلہ میں اہل اور بدتَر کے مقابلہ میں بہتر حکومت کے لئے انتخاب کی کوشش وجدوجہد کرتا ہے۔

صحابۂ کرام اور اسلاف نے ان سب طریقوں کو اپنی زندگی کا حصہ بنایا ہے، اور کسی ایک شکل میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تخصیص نہیں فرمائی۔

اور سب کے نااہل ہونے کے شبہ کا جواب الگ ذکر کیا جاچکا ہے۔

(۳)

ووٹ کے نظام میں سب ووٹروں کی رائے برابر ہونے کا شبہ

بعض دینی ذہن رکھنے والے حضرات موجودہ ووٹوں کے متعلق یہ کہا کرتے ہیں کہ اس نظام میں نیک اور بَد، عقل منداور بے وقوف، تجربہ کار اور اناڑی، عالم وجاہل، عورت ومرد سب کی رائے کو برابر درجہ دیا جاتا ہے، جوکہ صحیح طریقہ نہیں ہے، لہٰذا اس طریقہ کے تحت ووٹ ڈالنا بھی درست نہیں۔

اس سلسلہ میں عرض ہے کہ بلاشبہ شرعی وعقلی اعتبار سے جو مقام عقل مند شخص کی رائے وگواہی کو حاصل ہے، وہ اناڑی وبیوقوف شخص کی رائے کو حاصل نہیں، کیونکہ عقلمند شخص کی رائے اور گواہی، قوی اور اچھی ہوتی ہے، اور اس کے مقابلہ میں اناڑی وبیوقوف کی رائے وگواہی کمزور اور خراب ہوتی ہے۔

اسی طرح جو حیثیت ایک دیانت دار شخص کی رائے وگواہی کو حاصل ہے، وہ بددیانتی کے مرتکب اور لالچی شخص کی رائے وگواہی کو حاصل نہیں، کیونکہ بددیانت اور لالچی شخص پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا کہ وہ امانت سپرد کرنے اور رائے وگواہی قائم کرنے میں دیانت داری سے کام لے گا۔

اسی طرح جو درجہ مرد کی گواہی کو حاصل ہے، وہ عورت کی گواہی کو حاصل نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دو عورتوں کی گواہی کو ایک مرد کے برابر قرار دیا ہے۔

اور حدیث میں عورت کو ناقص العقل والدین قرار دیا گیا ہے۔

علامہ اقبال کا مروَّجہ طرزِ انتخاب کے بارے میں ایک شعر ہے کہ:

جمہوریت اِک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں بندوں کو گِنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

بالخصوص جس خطہ کے اکثر لوگ تعلیم اور صحیح قومی وسیاسی شعور سے محروم ہوں، اور اس سے بڑھ کر اخلاقی طور پر ذاتی اغراض، برادریوں کے مفادات یا صوبائی، علاقائی، نسلی ولسانی وغیرہ جیسی گروہ بندیوں اور تعصّبات کے شکار ہوں۔

وہاں ہر کس وناکس سے اس فیصلہ کی توقع رکھنا کہ وہ نیک نیتی اور امانت ودیانت کے ساتھ ایسے افراد یا ایسی جماعت کو ووٹ دے گا جو اس اہم ذمہ داری کو نبھانے اور دیانت داری کے ساتھ انجام دینے کے اہل ہوں، مشکل ہے۔

اسی لئے بہت سے فقہاء نے حکمرانی کے انتخاب کا حق علماء اور صلحاء کو دیا ہے۔ [1]

---

[1] والمراد بالبيعة بيعة أهل الحل والعقد، وهم :علماء المسلمين ورؤساؤهم ووجوه الناس، الذين يتيسر اجتماعهم حالة البيعة بلا كلفة عرفا، ولكن هل يشترط عدد معين؟

اختلف فى ذلك الفقهاء ، فنقل عن بعض الحنفية أنه يشترط جماعة دون تحديد عدد معين.وذهب المالكية والحنابلة إلى أنها لا تنعقد إلا بجمهور أهل الحل والعقد، بالحضور والمباشرة بصفقة اليد، وإشهاد الغائب منهم من كل بلد،ليكون الرضا به عاما، والتسليم بإمامته إجماعا.

وذهب الشافعية إلى أنه لا يشترط اتفاق أهل الحل والعقد من سائر البلاد، لتعذر ذلك وما فيه من

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

لیکن چونکہ اس وقت جو ووٹوں کے ذریعہ سے حکمرانوں کے انتخاب کا طریقہ اور نظام مختلف ممالک میں چل رہا ہے، اس میں اس طرح کی اصلاحات کرنا سرِ دست ہر شخص کی قدرت میں نہیں، تو اسباب کے درجہ میں سرِ دست ووٹ کا استعمال اور صحیح استعمال ایک شرعی واخلاقی اور قانونی ذمّہ داری ہے۔

دوسری طرف اس اختلاف وانتشار کے دور میں عوام کے بہت بڑے طبقہ اور اسی طرح خواتین کو یہ کہہ کر نظر انداز کر دینا کہ ان کو انتخاب میں رائے دینے کا حق نہیں، یا ان کی رائے مرد کے مقابلہ میں آدھی ہے، بلکہ معاشرہ میں علماء وصلحاء کا انتخاب اور نشاندہی وتعیین، یہ سب کچھ انتہائی مشکل کام ہے، اس لئے موجودہ ووٹوں اور انتخاب کا نظام جس کو قانونی تحفظ حاصل ہے، اس کو غنیمت سمجھتے ہوئے ووٹوں کا استعمال کرنا چاہئے۔

اور اگر عوام اور ان پڑھ لوگ اور اسی طرح خواتین اپنے ووٹوں کا استعمال علماء، صلحاء اور عقلاء کی رائے اور ان سے مشورہ کر کے کریں، تو کافی حد تک اس قسم کی خرابیوں سے حفاظت بھی ہوسکتی ہے، نیز اگر یہ دیکھا جائے کہ عوامی انتخابات جو ہمارے یہاں رائج ہیں، اس میں عوام براہِ راست صدرِ مملکت اور وزیرِ اعظم کا انتخاب نہیں کرتے، بلکہ ایک جماعت کو اس کام کے لئے منتخب کرتے ہیں، جو پھر صدرِ مملکت اور وزیرِ اعظم کا انتخاب کرتے ہیں، تو اس جہت سے ایک جماعت کے اس کام کے انتخاب کے لئے ملک کے عوام کی اکثریت کی رائے کوئی بُری چیز نہیں، بالخصوص جبکہ ووٹ کی اہمیت اور اس کے صحیح استعمال کی عوام کو تبلیغ کی جائے، اور دیگر

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

المشقة، وذكروا أقوالا خمسة فى ذلك فقالت طائفة :أقل ما تنعقد به الإمامة خمسة، يجتمعون على عقدها أو يعقد أحدهم برضا الباقين، واستدلوا بخلافة أبى بكر لأنها انعقدت بخمسة اجتمعوا عليها، ثم تابعهم الناس فيها .وجعل عمر الشورى فى ستة ليعقدوا لأحدهم برضا الخمسة.
وذهبت طائفة إلى أن الإمامة لا تنعقد بأقل من أربعين، لأنها أشد خطرا من الجمعة، وهى لا تنعقد بأقل من أربعين، والراجح عندهم :أنه لا يشترط عدد معين، بل لا يشترط عدد، حتى لو انحصرت أهلية الحل والعقد بواحد مطاع كفت بيعته لانعقاد الإمامة، ولزم على الناس الموافقة والمتابعة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٦ص ٢٢١،الامامة الكبرىٰ،مادة "امام")

خرابیوں کی اصلاح کرلی جائے۔ [1]

اور آخری درجہ میں عرض ہے کہ اگر علماء وصلحاء کو ہی رائے دینے کا حق حاصل ہو، اور ان کی رائے دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ وزنی قرار دی جائے، تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ علماء، صلحاء، عقلاء اور دانشور ووٹ دینے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں، مگر ہم صورتِ حال اس کے برعکس دیکھتے ہیں، وہ یہ کہ علماء، صلحاء، عقلاء ودانشور اکثر وبیشتر ووٹ ڈالنے کی زحمت ہی نہیں کرتے، لہٰذا حکومت کا قیام جو ضروری چیز ہے، اس کو تو بروئے کار لانے کے لئے کسی نہ کسی کو اپنی رائے دینی پڑے گی، یہ بات تو عقل ونقل کی رو سے درست نہیں کہ ایک ضروری کام کی اہلیت رکھنے والے افراد خود تو اس کام کو انجام دیں نہیں، اور اپنی ذمہ داری پوری کریں نہیں، اور اوپر سے دوسروں کے اس کام کے کرنے پر اعتراض بھی کریں۔

یہ تو الٹا چور کوتوال کو ڈانٹنے والی بات ہوئی، غرضیکہ ذمہ دار، امانت ودیانت دار لوگوں کا ووٹ کا صحیح استعمال کرنا موجودہ ووٹوں کے نظام کے بگاڑ کی اصلاح کا ایک قدم ہے، جس کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔

(۴)

دین داروں کا ووٹ کے استعمال کو گناہ سمجھنا

ہمارے معاشرہ میں دینی ذہن رکھنے والا ایک بڑا طبقہ وہ ہے کہ جو ووٹ کے استعمال کو اہمیت تو کیا دیتا، وہ اس کے موجودہ حالات میں استعمال ہی کو ہر حال میں گناہ، بلکہ کبیرہ گناہ سمجھتا ہے، اور اس کا خیال یہ ہے کہ چونکہ مروجہ انتخابات کے طریقہ میں شرعی تقاضوں کی رعایت نہیں ہے، یا عام طور پر موجودہ امیدواروں میں سے کوئی امیدوار بھی ووٹ کا صحیح اہل اور مستحق نہیں ہوتا، اس لئے کسی بھی امیدوار کے حق میں ووٹ کا استعمال کرنا جرمِ عظیم سے کم حیثیت نہیں رکھتا۔

---

[1] شرعی وفقہی اعتبار سے بھی بہت سے مقامات پر للاکثر حکم الکل کے قاعدہ کو مؤثر مانا گیا ہے۔

یہ یا اس سے ملتے جلتے خیالات ہمارے معاشرہ کے بہت سے دینی ذہن یا دینی علم رکھنے والے طبقہ میں پائے جاتے ہیں، اور اسی قسم کی وجوہات کے پیشِ نظر ہمارے معاشرہ میں مجموعی طور پر ووٹوں کے استعمال کا تناسب، استعمال نہ ہونے والے ووٹوں کے مقابلہ میں بہت کم ہوتا ہے۔

سابقہ تجربات کے مطابق ہمارے یہاں ووٹنگ کا ٹرن آؤٹ اور ووٹوں کا استعمال اوسطاً بیس سے چالیس فیصد کے درمیان رہتا ہے۔

اور ہمارے یہاں ساٹھ سے اَسّی فیصدی طبقہ ہمیشہ ووٹ کے استعمال سے الگ تھلگ رہتا ہے، اور ووٹ کے استعمال کی ضرورت نہیں سمجھتا۔

مگر مذکورہ طرزِ عمل شرعی اور قانونی اعتبار سے درست نہیں۔

کیونکہ بے شک مروجہ طریقۂ انتخاب، شرعی اعتبار سے ایک درجہ میں قابلِ اصلاح ضرور ہے، لیکن اگر کسی کے دائرہ کار میں اس نظام کی اصلاح کا اختیار ہو تو اسے تو اصلاح کا اہتمام وکوشش کرنی چاہئے، اور جس کو اختیار نہ ہو، اور وہ نظام اس کے نہ چاہتے ہوئے بھی چل رہا ہو، بلکہ ظاہری اسباب کے درجہ میں اس کی بنیاد پر انتخابات ہو رہے ہوں، اور امیدوار منتخب ہو کر حکمران بن رہے ہوں، تو ان حالات میں ہر فرد کو اپنی حد تک ووٹ کے صحیح استعمال کی ذمہ داری پوری کرنا ضروری ہے، بالخصوص جبکہ ملک کے فاسق وفاجر بلکہ کافر لوگ بھی ووٹ استعمال کر کے اپنی پسند کے امیدواروں کو تقویت پہنچا رہے ہوں، تو ایسے وقت میں دینی اور ملکی تعمیر وترقی کی سوچ رکھنے والے اہلِ خیر واہلِ دانش واہلِ رائے افراد کی ذمہ داریوں میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔

اور قانونی اعتبار سے بھی جس کو ووٹ دینے کا اہل قرار دیا گیا ہو، اسے ووٹ کا استعمال کرنا ضروری ہے، ووٹ نہ دے کر اور اسے ضائع کر کے اس قانون شکنی کے گناہ کا ارتکاب بھی لازم آتا ہے، جبکہ مباح اور جائز قوانین کی پابندی شرعاً بھی ضروری ہے۔

(۵)

شریف اور امیر لوگوں کا ووٹ استعمال نہ کرنا

ہمارے یہاں بہت سے شریف اور امیر لوگ ووٹ کے لئے سڑکوں اور گلیوں میں ووٹ ڈالنے کے لئے لگی قطاروں میں کھڑے ہونے کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں، یا پھر اپنی دولت کے بل بوتے پر اس کی پرواہ ہی نہیں کرتے کہ حکمرانوں میں کون لوگ اور کس قسم کی جماعت آتی ہے۔

اس لئے شریف اور امیر لوگ تو اپنے گھروں میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہتے ہیں اور دنیا دار واوباش قسم کے لوگ اپنے ووٹ کو غلط استعمال کر کے باطل اور نااہل امیدواروں کو ایک طرح سے تقویت پہنچاتے ہیں، اور دنیاداروں ونااہلوں کے لئے میدان بالکل خالی ہوجاتا ہے، اس لئے نااہل واوباش لوگ اس میدان میں اپنی من مانی کرتے نظر آتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمیشہ ملک میں بالعموم نااہل اور غیر ذمہ دار لوگ حکمرانوں کا انتخاب کر کے صلحاء وشرفاء اور امراء سب کے لئے مسائل پیدا کرنے اور ملک کو دین بلکہ تعمیر وترقی سے دور کرنے کا باعث بنتے رہے ہیں۔ [1]

افسوس کہ شریف اور مہذب طبقہ تو ووٹ ڈالنے کو شرافت اور تہذیب اور اپنی شان کے خلاف سمجھتا ہے، اور امیر طبقہ کو اپنے مال ودولت کے نازونخروں کی وجہ سے ووٹ ڈالنے کی کوئی پرواہ ہی نہیں ہوتی، جبکہ دیندار طبقہ پہلے سے اسے دینداری کے خلاف سمجھتا ہے، جس کی وجہ سے شریف، امیر اور نیک ودیندار طبقوں کے ووٹوں کی بڑی تعداد ضائع چلی جاتی ہے، اور

---

[1] حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ اس سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ:

آج جو خرابیاں انتخابات میں پیش آرہی ہیں ان کی بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ نیک صالح حضرات عموماً ووٹ دینے ہی سے گریز کرنے لگے جس کا لازمی نتیجہ وہ ہوا جو مشاہدہ میں آرہا ہے کہ ووٹ عموماً ان لوگوں کے آتے ہیں جو چند ٹکوں میں خرید لئے جاتے ہیں۔ اور ان لوگوں کے ووٹوں سے جو نمائندے پوری قوم پر مسلط ہوتے ہیں وہ ظاہر ہے کہ کس قماش اور کس کردار کے لوگ ہوں گے (جواہر الفقہ ج۲ ص۳۰۰)

دوسری طرف نااہل، فاسق وفاجر اوراوباش طبقہ ووٹ کے استعمال میں زیادہ پیش پیش نظر آتا ہے، اور وہ اپنے جیسے لوگوں کے حق میں ووٹ دینے کو ترجیح دیتا ہے، جس کے نتیجہ میں معاشرہ میں زیادہ نااہل، شریر اور فاسق وفاجر حکمرانوں کو ووٹوں میں عام طور پر برتری حاصل ہوجاتی ہے، اور یہ حکمران سالہاسال تک پورے معاشرہ کو ظلم وستم، لوٹ مار، قتل وغارت گری کی چکّی میں پیستے اور فسق وفجور، فحاشی اور بے حیائی کی بھٹی میں جلاتے ہیں؛ جس سے ووٹ استعمال نہ کرنے والے شریف، امیر اور نیک لوگ بھی متأثر ہوئے بغیر نہیں رہتے، پھر یہی لوگ دن ورات، بدکردار حکمرانوں کی شان میں زبان درازی کرنے میں مبتلا پائے جاتے ہیں، لیکن عمل وانتخاب کے وقت یہ حضرات لاپرواہی اختیار کرتے ہیں، حالانکہ ایسے لوگوں کو شکوے، شکایت کا حق نہیں پہنچنا چاہئے، کیونکہ ان کا اس سلسلہ میں کوئی بہتر وتعمیری کردار ہی نہیں، بلکہ ووٹ ضائع کرکے وہ خود ایک طرح سے اس کے ذمہ دار اور قصوروار ہیں، پھر ان کے شکوہ وشکایت کرنے کے کیا معنیٰ؟

لہٰذا بحالاتِ موجودہ شرفاء، امراء اور صلحاء، وعلماء کا ووٹ کو استعمال نہ کرنا درست طرزِ عمل نہیں ہے۔ [1]

---

[1] حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب اس سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ:

موجودہ دور کی گندی سیاست نے الیکشن اور ووٹ کے لفظوں کو اتنا بدنام کردیا ہے کہ ان کے ساتھ مکروفریب، جھوٹ، رشوت اور دغابازی کا تصور لازمِ ذات ہوکر رہ گیا ہے، اسی لئے اکثر شریف لوگ اس جھنجھٹ میں پڑنے کو مناسب ہی نہیں سمجھتے، اور یہ غلط فہمی تو بے حد عام ہے کہ الیکشن اور ووٹوں کی سیاست کا دین ومذہب سے کوئی واسطہ نہیں، اس سلسلے میں ہمارے معاشرے کے اندر چند در چند غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں، یہاں ان کا ازالہ بھی ضروری ہے۔

پہلی غلط فہمی تو سیدھے سادے لوگوں میں اپنی طبعی شرافت کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے، اس کا منشاء اتنا برا نہیں، لیکن نتائج بہت برے ہیں، وہ غلط فہمی یہ ہے کہ آج کی سیاست مکروفریب کا دوسرا نام بن چکی ہے، اس لئے شریف آدمیوں کو نہ سیاست میں کوئی حصہ لینا چاہئے، نہ الیکشن میں کھڑا ہونا چاہئے اور نہ ووٹ ڈالنے کے خرخشے میں پڑنا چاہئے یہ غلط فہمی خواہ کتنی نیک نیتی کے ساتھ پیدا ہوئی ہو، لیکن بہرحال غلط اور ملک وملت کے

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۶)

ووٹوں میں دھاندلی ہونے کا بہانہ

بعض لوگ ووٹ کی اہمیت کو تو سمجھتے ہیں، لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ آج کل ووٹوں کا نظام صاف شفاف نہیں ہے، ووٹوں میں دھاندلی اور بددیانتی کی جاتی ہے، بہت سے ووٹ جعلی ڈالے جاتے ہیں، یا پھر ووٹوں کی گنتی میں گڑبڑ کی جاتی ہے، اس لئے ہم ووٹ نہیں ڈالتے۔

مگر غور کرنے سے اس خیال کا غلط فہمی پر مبنی ہونا معلوم ہوا، کیونکہ اولاً تو بلاتحقیق دھاندلی اور بددیانتی کا الزام عائد کرنا ہی خود غلط اور گناہ ہے، دوسرے اگر غور کیا جائے تو اس دھاندلی کی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

لئے سخت مضر ہے۔ ماضی میں ہماری سیاست بلاشبہ مفاد پرست لوگوں کے ہاتھوں گندگی کا ایک تالاب بن چکی ہے، لیکن جب تک کچھ صاف ستھرے لوگ اسے پاک کرنے کے لئے آگے نہیں بڑھیں گے اس گندگی میں اضافہ ہی ہوتا چلا جائیگا۔ اور پھر ایک نہ ایک دن یہ نجاست خود ان کے گھروں تک پہنچ کر رہے گی۔
لہٰذا عقلمندی اور شرافت کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ سیاست کی اس گندگی کو دور دور سے برا کہا جاتا رہے بلکہ عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ سیاست کے میدان کو ان لوگوں کے ہاتھ سے چھیننے کی کوشش کی جائے جو مسلسل اسے گندا کر رہے ہیں (اسلام اور سیاستِ حاضرہ ص ۱۵، فقہی مقالات ج ۲ ص ۲۸۵ تا ۲۸۶)

اور ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ:

ووٹ کو محفوظ رکھنا دینداری کا تقاضا نہیں، اس کا زیادہ سے زیادہ صحیح استعمال کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ یوں بھی سوچنے کی بات ہے کہ اگر شریف، دین دار اور معتدل مزاج کے لوگ انتخابات کے تمام معاملات سے بالکل یکسو ہو کر بیٹھ جائیں تو اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ یہ پورا میدان، شریروں، فتنہ پردازوں اور بے دین افراد کے ہاتھوں میں سونپ رہے ہیں، ایسی صورت میں کبھی بھی یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ حکومت نیک اور اہلیت رکھنے والے افراد کے ہاتھ میں آئے، اگر دین دار لوگ سیاست سے اتنے بے تعلق ہو کر رہ جائیں تو پھر انہیں ملک کی دینی اور اخلاقی تباہی کا شکوہ کرنے کا بھی کوئی حق نہیں پہنچتا، کیوں کہ اس کے ذمہ دار وہ خود ہوں گے اور ان کے حکام کا سارا عذاب وثواب ان ہی کی گردن پر ہوگا اور خود ان کی آنے والی نسلیں اس شر وفساد سے کسی طرح محفوظ نہیں رہ سکیں گی جس پر بند باندھنے کی انہوں نے کوئی کوشش نہیں کی (اسلام اور سیاستِ حاضرہ ص ۱۸، فقہی مقالات ج ۲ ص ۲۸۸، ۲۸۹)

بڑی وجہ ذمہ دار اور دیانت دار لوگوں کا ووٹوں کے نظام سے الگ تھلگ ہوکر بیٹھنا ہی ہے، ظاہر ہے کہ جب ذمہ دار اور دیانت دار لوگ ووٹ کے استعمال ہی کی ضرورت نہ سمجھیں گے، تو پھر اس نظام کی نگرانی واصلاح کی زحمت کیونکر کریں گے، ان حالات میں غیر ذمہ دار، اور بددیانت لوگ ہی ووٹوں کے ہر شعبہ میں نگران وذمہ دار ہوں گے، اور ان حالات میں دھاندلی کی شکایت کرنے والے کی مثال ایسی ہوگی، جیسا کہ کوئی شخص دودھ کی نگرانی پر بلی کو مامور ومقرر کر کے خود الگ ہوکر سکون واطمینان سے بیٹھ جائے، اور جب بلی دودھ پی کر ختم کردے، تو وہ بلی سے لگے شکوے وشکایت کرنے، ظاہر ہے کہ اس میں بلی کے بجائے خود اپنے آپ کو قصوروار ٹھہرانا چاہئے۔

تیسرے ہر شخص اپنے دائرۂ کار کی حد تک اپنی ذمہ داری کو نبھانے اور سنبھالنے کا مکلّف ہے، ووٹ کا استعمال اور صحیح استعمال اپنی ذمہ داری ہے، اس کو شرعی وقانونی اعتبار سے پورا کرنا ضروری ہے، اس کو پورا کردینے سے انسان بری الذمہ ہوجاتا ہے، پھر بھی اگر کوئی دھاندلی کرتا ہے، تو اس کا یہ شخص ذمہ دار نہیں، بلکہ اس کے ذمہ دار وقصوروار خود دھاندلی کرنے والے ہیں۔

چوتھے دھاندلی کا اعتراض کرنے والوں کی اپنی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ آگے بڑھیں، اور دھاندلی کے راستہ کو اخلاقی وقانونی طور پر روکنے اور الیکشن کمیشن ادارہ کو مؤثر وفعال بنانے میں اپنا کردار ادا کریں۔

غرضیکہ ووٹوں اور الیکشن میں دھاندلی کا بہانہ کرکے الگ تھلگ ہوکر بیٹھ جانا اور ووٹ کا استعمال نہ کرنا ایک غلط طریقہ اور بہتر تبدیلی کے لئے چنا ہوا ایک غلط راستہ ہے، جس سے بچنا چاہئے، اور اس کے بجائے صحیح طریقہ اور راستہ کو اختیار کرنا چاہئے، تاکہ اس پر سفر کرکے منزل تک پہنچا جاسکے۔

انتخابات کا انتظام کرنے والوں کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس سلسلہ میں اپنے فرائضِ منصبی

کو ادا کریں، اور اس سلسلہ میں کوتاہی اور غفلت اور بے جا طرفداری سے کام نہ لیں۔ [1]

(۷)

کسی بھی امیدوار کے اہل نہ ہونے کا بہانہ

عام طور پر دینی ذہن رکھنے والے ایک بڑے طبقہ کی طرف سے یہ بات کثرت سے سامنے آتی ہے کہ آج کل امیدواروں میں سے کوئی بھی امیدوار اہل نہیں ہوتا، اس لئے ان حالات میں کسی امیدوار کے حق میں بھی ووٹ کا استعمال کرنا جائز نہیں۔

اس بارے میں عرض ہے کہ ہم نے تو بارہا دیکھا کہ بہت سی مرتبہ بااہل اور باصلاحیت صلحاء بلکہ علماء بھی امیدواری کے لئے کھڑے ہوئے، مگر اس طبقہ نے اس وقت بھی ووٹ دینے کی زحمت نہ کی، جس سے اس دعوے کی حقیقت بھی واضح ہوجاتی ہے، پھر جس معاشرہ میں امیدوار کے حق میں رائے استعمال کرنے یا بالفاظِ دیگر ووٹ ڈالنے والے افراد کی اکثریت فاسقوں، فاجروں اور نااہلوں کی ہو، اور دینی ذہن رکھنے والے اور شریف لوگوں کو ووٹوں

---

[1] پاکستان کے دستور میں اس چیز کی وضاحت کی گئی ہے کہ:

کسی انتخاب کے سلسلہ میں تشکیل کردہ الیکشن کمیشن کا یہ فرض ہوگا کہ وہ انتخاب کا انتظام کرے، اور اسے منعقد کرائے، اور ایسے انتظامات کرے، جو اس امر کے اطمینان کے لئے ضروری ہوں کہ انتخاب ایمانداری، حق اور انصاف کے ساتھ اور قانون کے مطابق منعقد ہو، اور یہ کہ بدعنوانیوں کا سدِ باب ہوسکے۔

کمشنر پر یہ فرض ہوگا کہ وہ:

(الف) قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کے لئے انتخابی فہرستیں تیار کرے، اور ان فہرستوں پر ہر سال نظرِ ثانی کرے۔

(ب) سینیٹ کے لئے یا کسی ایوان یا کسی صوبائی اسمبلی میں کسی اتفاقی خالی نشستوں کو پر کرنے کے لئے انتخاب کا انتظام کرے، اور اسے منعقد کرائے اور:

(ج) انتخابی ٹربیونل کو مقرر کرے۔

وفاق اور صوبوں کے تمام حکامِ عاملہ کا فرض ہوگا کہ وہ کمشنر اور الیکشن کمیشن کو اس کے یا ان کے کارہائے منصبی کی انجام دہی میں مدد کریں (''آرٹیکل ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰'' حصہ ہشتم، انتخابات، باب نمبر۱، اسلامی جمہوریہ پاکستان کا دستور)

سے کوئی سروکار ہی نہ ہو، تو اس ماحول میں اولاً تو دینی ذہن رکھنے والے امیدوار کو سامنے آنے کا حوصلہ ہی نہیں ہوتا، کیونکہ اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے حق میں ووٹ کے استعمال کا تناسب اس مقدار کے ساتھ نہیں ہوگا، کہ جو اس کی کامیابی کا باعث بن سکے، اور اگر کوئی ایسا امیدوار کھڑا بھی ہوتا ہے، تو وہ تاریخی ناکامی کا منہ دیکھنے اور ضمانت تک ضبط ہو جانے کے باعث آئندہ کے لئے انتخابات میں حصہ لینے کا نام لینا بھی چھوڑ دیتا ہے۔

ان حالات کے پیشِ نظر یہ کہنا غیر درست اور بے جا نہ ہوگا کہ اچھی اور دینی ذہنیت رکھنے والے امیدوار افراد کے سامنے نہ آنے کا بنیادی سبب اس ذہنیت کی موافقت رکھنے والے افراد کا ووٹ استعمال نہ کرنا ہی ہوا؟ پھر اس طبقہ کے دوسروں کو الزام دینے کے کیا معنیٰ؟ اس کی مثال تو ''الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے'' سے زیادہ نہیں ہوگی۔

پھر اگر ووٹ نہ دینے والے اس دیندار طبقہ کو امیدواروں کے اہل نہ ہونے سے اتنی شدید نفرت ہے، تو اس طبقہ کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ خود سے اہل افراد کو امیدواری کے لئے کھڑا کریں، اور پھر اس کو ووٹ دیں، ورنہ وہ اپنے اس موقف میں مخلص نہ سمجھے جائیں گے۔

اور اگر کہا جائے کہ موجودہ صورتِ حال میں سبب کچھ بھی ہو، لیکن اب سرِ دست اگر امیدواروں میں کوئی امیدوار بھی پوری اہلیت کا حامل نہ ہو، تو پھر ووٹ ڈالنا کیونکر درست ہوسکتا ہے، تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ شریعت نے سب کو ایک لکڑی نہیں ہانکا، اور گدھے گھوڑے برابر نہیں کئے، بلکہ ایسی صورتِ حال میں شریعت نے یہ حکم دیا ہے کہ دوسروں کے مقابلہ میں جو برائی میں کم ہو، اس کا انتخاب کیا جائے۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ اگر امیدواروں میں سے کسی ایک امیدوار کی حالت دوسروں کے مقابلہ میں کم شر والی ہو، تو اس کے حق میں اس نیت سے ووٹ کا استعمال کرنا، تاکہ اس کے ذریعہ سے بڑے شر والے امیدواروں کی قوت وشوکت کمزور اور مغلوب ہو، شریعت اور عقل وفطرت کے اصول وقاعدہ کے عین مطابق ہے۔

www.idaraghufran.org

اوراس کے برخلاف ووٹ کو استعمال نہ کرنا، درحقیقت دوسروں کے لئے میدان خالی چھوڑ دینا ہے۔

اور جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ اس میدان میں ووٹ استعمال کرنے والوں کی اکثریت اچھے لوگوں کی نہیں ہے، اور وہ اپنے جیسے لوگوں کے انتخاب ہی کو ترجیح دیتے ہیں، اس صورتِ حال میں ان کے مقابلہ میں ووٹ کا استعمال نہ کرنا بھی دراصل ایک طرح سے ان کو قوت بہم پہنچانا ہوا پھر تمام برائیاں ایک وقت میں ہی ختم نہیں ہوتیں، بلکہ ان کے ختم ہونے میں وقت لگتا ہے، اگر آج ایک کم برائی والے امیدوار کو تقویت حاصل ہوگی، اور اس کے مقابلہ میں زیادہ برائی والے امیدواروں کی حوصلہ شکنی ہوگی، تو کل آنے والے وقت میں مزید اچھے لوگوں کو اس میدان میں آگے بڑھنے میں حوصلہ محسوس ہوگا، اور برے لوگوں کو حوصلہ نہیں ہوسکے گا۔

اس قسم کی وجوہات کا تقاضا یہ ہے کہ موجودہ حالات میں بھی ہر شخص اور خاص کر علماء وصلحاء کو دیانت دارانہ وذمہ دارانہ طریقہ پر ووٹ کا استعمال ضرور کرنا چاہئے۔

خلاصہ یہ کہ اگر کسی کے سامنے پورے معیار کے مطابق قابلِ اطمینان دیانت دار وامانت دار امیدوار نہ ہو اور سارے امیدوار دیانت وامانت اور ذمہ داری کے لحاظ سے کمزور ہوں تو ان میں سے بھی کم درجے کے شر اور ضرر والے شخص یا جماعت کے حق میں ووٹ کا استعمال کرنا چاہیے، یہ سمجھ کر نہیں کہ یہ پوری طرح اس منصب کا اہل ہے بلکہ اس نیت سے کہ اس کے حق میں ووٹ کے استعمال سے زیادہ مضر اور بڑے ظلم وستم والے امیدوار یا امیدواروں یا جماعتوں کی طاقت کمزور ہوگی، اور ویسے بھی کسی حلقے میں جو لوگ امیدواری کے لیے کھڑے ہوں، ووٹ دہندہ کو انہیں میں سے دوسروں کے مقابلے میں کسی بہتر ومناسب امیدوار یا جماعت کے حق میں رائے دینے اور ووٹ ڈالنے کا اختیار ہوتا ہے، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ اس فہرست ولسٹ میں موجود اشخاص وافراد میں سے فلاں کو دوسروں کے مقابلہ میں بہتر سمجھتا ہے، اس حیثیت سے بھی دوسرے امیدواروں کے مقابلہ میں بہتر امیدوار کے حق میں ووٹ کا استعمال درست ہوا۔

بہرحال اگر ووٹ کی اہلیت کی تمام صفات واوصاف کی حامل کوئی شخصیت سامنے نہیں تب بھی اپنے حلقہ کے امیدواروں میں سے کم بُرائی والے شخص یا جماعت کو اس نیت سے ووٹ دینا تا کہ زیادہ بُرائی والے کا زور توڑا جاسکے، انتخاب کا ایک کم سے کم شرعی معیار ہے۔اس لیے ایسی صورت میں بھی ووٹ کا استعمال اپنی قبر وآخرت کو سامنے رکھ کر حاضرین میں سے کم شَر والے کے لیے ہونا چاہیے۔ ل

ل حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ اس سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ:

جس حلقہ میں کوئی بھی امیدوار قابل اور نیک معلوم ہو اسے ووٹ دینے سے گریز کرنا بھی شرعی جرم اور پوری قوم وملت پر ظلم کا مرادف ہے، اور اگر کسی حلقہ میں کوئی بھی امیدوار صحیح معنی میں قابل اور دیانت دار نہ معلوم ہو مگر ان میں سے کوئی ایک صلاحیت کار اور خدا ترسی کے اصول پر دوسروں کی نسبت سے غنیمت ہو تو تقلیلِ شر اور تقلیلِ ظلم کی نیت سے اس کو بھی ووٹ دے دینا جائز بلکہ مستحسن ہے جیسا کہ نجاست کے پورے ازالہ پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں تقلیلِ نجاست (ناپا کی کم کرنے) کو اور پورے ظلم کو دفع کرنے کا اختیار نہ ہونے کی صورت میں تقلیلِ ظلم (یعنی ظلم کم کرنے) کو فقہاء رحمہم اللہ نے تجویز فرمایا ہے (جواہر الفقہ ج ۲ ص ۳۰۰)

ملحوظ رہے کہ مستحسن اس وقت تو قرار دیا جاسکتا ہے، جبکہ اس سے زیادہ شر والے کے حق میں دوسرے لوگ ووٹوں کا استعمال نہ کریں، اور اگر معاشرہ میں دوسرے زیادہ شر والے لوگوں کے حق میں ووٹ کا استعمال کرنے والے لوگ موجود ہوں، تو ان کا زور توڑنے کے لئے کم برائی والے کے حق میں ووٹ کے استعمال کی اہمیت زیادہ بڑھ جاتی ہے، جیسا کہ تقلیلِ نجاست پر قدرت کی صورت میں اس کو اختیار کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔

اور مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

اگر کسی حلقہ میں کوئی بھی امیدوار صحیح معنٰی میں قابل اور دیانت دار نہ معلوم ہو مگر ان میں سے کوئی ایک صلاحیت کار اور دیانت کے لحاظ سے دوسرے کی نسبت سے بہتر ہو تو "مَنِ ابْتُلِیَ بِبَلِیَّتَیْنِ فَلْیَخْتَرْ اَهْوَنَهُمَا" (جو دو مصیبتوں میں مبتلا ہو اس کو چاہئے کہ اس کو اختیار کرے جو ان دونوں میں کم درجہ کی ہو) کے اصول پر اس کو ووٹ دے۔ جیسا کہ فقہائے کرام نے نجاست کے پورے ازالہ پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں تقلیلِ نجاست (ناپا کی کم کرنے) کو، اور پورے ظلم کو دفع کرنے کا اختیار نہ ہونے کی صورت میں تقلیلِ ظلم (ظلم کم کرنے) کو تجویز کیا ہے (حیاتِ ترمذی صفحہ ۳۴۵)

اور حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں کہ:

اگر امیدواروں میں سے کوئی بھی اس معیار پر پورا نہیں اترتا، تو اس شخص کو ووٹ دیجئے، جو ان اوصاف سے سب سے زیادہ قریب ہو، اور اس کا شر دوسروں کے مقابلے میں کم ہو (اسلام اور سیاستِ حاضرہ صفحہ ۱۲)

(۸)

اپنا ایک ووٹ نہ دینے سے فرق نہ پڑنے کا بہانہ

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ ہمارے ایک ووٹ کے نہ دینے سے کون سا فرق پڑتا ہے، اور وہ اس سوچ کی وجہ سے ووٹ نہیں ڈالتے۔

حالانکہ بسا اوقات تو ایک ہی ووٹ فیصلہ کن ثابت ہو جاتا ہے۔

دوسرے اگر ہر شخص اپنے متعلق یہی سمجھنے لگے کہ ایک ووٹ کے استعمال نہ کرنے سے کون سا فرق پڑتا ہے، تو اس طرح تو کوئی شخص بھی ووٹ کو استعمال کرنے والا نہ ملے گا۔

تیسرے اگر کسی کے ایک ووٹ سے کوئی فیصلہ نہ ہو سکا تب بھی انسان اس کے صحیح استعمال کرنے کے بعد کم از کم اپنی ذمہ داری سے تو سبکدوش ہو جاتا ہے، اور اس سے قیامت کے دن اس کے نتیجے اور فیصلہ کا سوال نہ ہوگا، ہاں اگر استعمال نہ کرتا یا غلط استعمال کرتا تو ضرور سوال ہوتا۔

یہ بات ظاہر ہے کہ موجودہ طریقۂ کار کے مطابق انتخابات کے ذریعہ ایک عرصہ سے حکومتوں کی آمد و رفت ہوتی رہی ہے، اور اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے، اس لئے ملک کا باشندہ ہونے اور انتخابات میں حقِ رائے دہی کا اختیار حاصل ہونے کے اعتبار سے ووٹ دینے کی اہلیت رکھنے والے ہر شخص کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے ووٹ کو ضائع ہونے سے بچائے، اور اس کا امانت دیانت کے ساتھ استعمال کرے، اور اس سلسلہ میں اپنی طرف سے غفلت ولاپرواہی کا مظاہرہ نہ کرے، کیونکہ ظاہری اسباب کے درجہ میں انتخابات میں ووٹ کی تعداد اور گنتی کے کم یا زیادہ ہونے کی بنیاد پر کسی امیدوار کی فتح وشکست اور انتخاب وعدمِ انتخاب کا فیصلہ ہوتا ہے۔

اور اس حالت میں ایک ایک ووٹ کو بڑی قدر اور اہمیت حاصل ہوتی ہے۔

لٰہذا اپنے ایک یا چند ووٹوں کو گنتی وتعداد میں تھوڑا سمجھ کر نظر انداز کر دینا درست نہیں۔ [1]

(۹)

ظلم پر اعانت اور دوسروں کے ووٹوں سے کفایت کا دعویٰ

بعض اہلِ علم حضرات یہ کہا کرتے ہیں کہ جب دوسرے لوگ ووٹ دے رہے ہوں تو پھر سب پر یا دوسرے لوگوں پر ووٹ ڈالنے کی ذمہ داری عائد نہیں رہتی، اور ایسی صورت میں ووٹ نہ دینا کوئی جرم اور گناہ نہیں رہتا، کیونکہ اسلام میں گواہی نہ دینے کو اس وقت حرام و ناجائز قرار دیا گیا ہے، جب کسی پر ظلم ہو رہا ہو، اور آپ کے علاوہ کوئی گواہ نہ ہو، اس وقت چونکہ گواہی نہ دینے سے ظلم کا تعاون لازم آتا ہے، لٰہذا اس وقت تو گواہی ضروری ہوگی، لیکن اگر کم از کم دو گواہ اور بھی ہیں، تو آپ کی گواہی نہ دینے سے ظلم کا تعاون نہیں ہوتا، اس لئے ووٹ نہ دینے میں کوئی حرج نہیں، اور اگر خود گواہی جھوٹ یا غلط ہو، یا گناہ اور ظلم کا ذریعہ بنتی ہو، تو اس صورت میں ووٹ نہ دینا ہی نیک کام ہے، اور اس صورت میں ووٹ نہ دینے کے بجائے، ووٹ دینا ہی گناہ ہے۔

---

[1] حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب اس سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ:
بعض لوگ یہ بھی سوچتے ہیں کہ لاکھوں ووٹوں کے مقابلے میں ایک شخص کے ووٹ کی کیا حیثیت ہے؟ اگر وہ غلط استعمال بھی ہو جائے (یا اس کو ضائع کر دیا جائے اور استعمال ہی نہ کیا جائے) تو ملک وقوم کے مستقبل پر کیا اثر انداز ہوسکتا ہے؟ لیکن خوب سمجھ لیجئے کہ اول تو اگر ہر شخص ووٹ ڈالتے وقت یہی سوچنے لگے تو ظاہر ہے کہ پوری آبادی میں کوئی ایک ووٹ بھی صحیح استعمال نہیں ہوسکے گا۔ پھر دوسری بات یہ ہے کہ ووٹوں کی گنتی کا جو نظام ہمارے یہاں رائج ہے اس میں صرف ایک ان پڑھ، جاہل شخص کا ووٹ بھی ملک وملت کے لئے فیصلہ کن ہوسکتا ہے، اگر ایک بے دین، بدعقیدہ اور بدکردار امیدوار کے بیلٹ بکس میں صرف ایک ووٹ دوسروں سے زیادہ چلا جائے تو وہ کامیاب ہوکر پوری قوم پر مسلط ہو جائے گا اس طرح بعض اوقات صرف ایک جاہل اور اَن پڑھ انسان کی معمولی سی غفلت، بھول چوک یا بددیانتی بھی پورے ملک کو تباہ کر سکتی ہے۔ اس لئے مروَّجہ نظام میں ایک ایک ووٹ قیمتی ہے اور یہ ہر فرد کا شرعی، اخلاقی، قومی اور ملّی فریضہ ہے کہ وہ اپنے ووٹ کو اتنی ہی توجہ اور اہمیت کے ساتھ استعمال کرے جس کا وہ فی الواقع مستحق ہے (اسلام اور سیاستِ حاضرہ ص۲۱، فقہی مقالات ج۲ ص۲۹۲ تا ۲۹۳)

www.idaraghufran.org

اس سلسلہ میں عرض ہے کہ اولاً تو جب بہت سے دوسرے لوگ نااہل اور غلط لوگوں اور امیدواروں کے حق میں ووٹ ڈال کر جھوٹی گواہی کا ارتکاب کررہے ہوں، تو ایسی صورت میں سچی وبہتر گواہی دینا ضروری ہوجاتا ہے، اور یہ کوئی عام گواہی کا مسئلہ نہیں کہ جس میں دو افراد کے ووٹ کافی ہوجاتے ہوں، بلکہ ہزاروں، لاکھوں ووٹ ڈالے جاتے ہیں، اور مختلف شخصیات اور پارٹیوں کے حق میں ڈالے جاتے ہیں، تب جاکر اکثریت پر فیصلہ ہوتا ہے تو اگر بعض کے ووٹ نہ دینے سے باطل اور نااہل یا زیادہ شر وضرر والے امیدوار کو اکثریت اور برتری حاصل ہوجائے اور اس کے نتیجہ میں وہ کامیاب قرار پاکر ایک عرصہ کے لئے حکمرانی کے لئے منتخب ہوجائے، تو پھر ہر ایک کے ووٹ کی بڑی قدر وقیمت ہوجاتی ہے، اور فیصلہ کے لئے ایک ووٹ کی کمی وزیادتی کا بھی اعتبار کیا جاتا ہے۔

دوسرے ہر گواہی کو جھوٹ یا غلط اور گناہ اور ظلم کا ذریعہ قرار دینا بھی درست نہیں، کیونکہ پانچوں انگلیاں ایک طرح کی نہیں ہوتیں، اور بعض امیدوار اہل بھی ہوتے ہیں، اور اگر سب میں پوری اہلیت نہ ہو، تو باہم تفاوت اور فرق ضرور ہوتا ہے، اور کانے کو اندھے پر ترجیح ہوا کرتی ہے، اور گدھے گھوڑے برابر نہیں ہوا کرتے، جیسا کہ تفصیلاً دوسری جگہ ذکر کیا گیا۔

اسی وجہ سے فقہائے کرام نے ایسی حالت میں کہ جب بہتر حکمران سامنے یا میسر نہ ہوں، تو کم ضرر والے کی حکمرانی کے قیام کے لئے ضروری قرار دیا ہے۔ [1]

---

[1] تقديم الأمثل عند الاضطرار: ذكر الفقهاء أنه إذا تعذر اجتماع كل هذه الشروط فى الناس، وفقد مكتمل هذه الأوصاف فى وقت من الأوقات، فلا يعطل إسناد الولايات العامة فى الدولة، بل يجب تقديم الأصلح والأمثل فى كل ولاية بحسبها، إذ الضرورات تبيح المحظورات، ولأن حفظ بعض المصالح أولى من تضييعها كلها، فلا يجوز تعطيل أصل المصالح لوجود بعض الفسق فى ولاة الأمر، ولأن البعيد مع الأبعد قريب، وأهون الشرين خير بالإضافة، وقد قال الله تعالى :((فاتقوا الله ما استطعتم) فعلق تحصيل التقوى على الاستطاعة، فكذا المصالح كلها.

وقال سبحانه :(لا يكلف الله نفسا إلا وسعها) فدل على أنه لا تكليف إلا مع القدرة، وأن الأمر يسقط بالعجز .وفى ذلك يقول العز بن عبد السلام :لو تعذرت العدالة فى جميع الناس لما جاز تعطيل المصالح المتعلقة بالقضاة والخلفاء والولاة، بل قدمنا أمثل الفسقة فأمثلهم، وأصلحهم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

(۱۰)

ووٹ ڈالنے کے لئے وقت نہ ہونے کا بہانہ

بعض لوگ یہ عذر کیا کرتے ہیں کہ ووٹ ڈالنے کے لئے طویل وقت درکار ہوتا ہے، لمبی قطاروں میں کھڑا ہونا پڑتا ہے، لہٰذا کون اتنا وقت نکالے اور یہ خواری برداشت کرے۔

حالانکہ یہ طبقہ ووٹوں کے پورے دن گھروں میں بیٹھ کر چھٹی مناتا ہے، اور صبح سے شام تک ذرائع ابلاغ پر ووٹوں کے حالات اور گنتی اور ان کے نتائج کے متعلق خبریں سنتا، اور دیکھتا ہے، اور اگر کوئی کسر باقی رہ جائے تو رات بھر نیند سے محروم رہ کر نتائج کا منتظر رہتا ہے، اس قسم کی خبریں سُننے اور دیکھنے کے لئے تو اس کے پاس صبح سے شام اور شام سے صبح تک کا وقت ہوتا ہے، بلکہ اور مشغولیات کو بھی چھوڑ چھاڑ کر خبریں سُننے اور دیکھنے کا گھر بیٹھے تماشہ دیکھتا ہے، اور اگر ایسا نہ کرے، بلکہ کسی کام مثلاً کاروبار وغیرہ میں مشغولی ہو تب بھی نتائجِ بد سامنے آنے کے بعد بلا تفریق ملک بھر کے سب لوگوں کو ووٹوں کے بل بوتے پر نا اہل حکمرانوں کے منتخب ہونے کے بعد ملک میں ناجائز قوانین، ظلم وستم، مہنگائی اور غلط انتظامات کے نتیجہ میں بے حد وحساب اوقات بلکہ مال کو بھی قربان کرنا پڑتا ہے، اور ہڑتالوں اور جلسے جلوسوں میں قیمتی وقت خرچ کیا جاتا ہے، کاروبار معطل اور بند کئے جاتے ہیں، اور طرح طرح سے ذہنی وجسمانی تکلیف وکوفت اُٹھانی پڑتی ہے، اور اس قسم کی چیزوں سے دیندار

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

للقيام بذلك فأصلحهم، بناء على أنا إذا أمرنا بأمر أتينا منه بما قدرنا عليه، ويسقط عنا ما عجزنا عنه، ولا شك أن حفظ البعض أولى من تضييع الكل.

ومع أنه يجوز تولية غير الأهل للضرورة إذا كان أصلح الموجود، فيجب مع ذلك السعي في إصلاح الأحوال حتى يكمل في الناس ما لا بد لهم منه من أمور الولايات والإمارات ونحوها، كما يجب على المعسر السعي في وفاء دينه، وإن كان في الحال لا يطلب منه إلا ما يقدر عليه، وكما يجب الاستعداد للجهاد بإعداد القوة ورباط الخيل في وقت سقوطه للعجز، فإن ما لا يتم الواجب إلا به فهو واجب (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۵، ص ۱۴۴ و ص ۱۴۵، مادة "ولاية")

لوگ بھی نہیں بچ پاتے، ظاہر ہے کہ یہ تمام نقصانات ووٹ ڈالنے کے لئے نکالے جانے والے تھوڑے سے وقت سے کہیں زیادہ ہیں، اس لئے ووٹ ڈالنے کے لئے وقت نہ ہونے کا عذر، درحقیقت عذرِلنگ میں داخل اور حماقت یا غلط فہمی پر مبنی ہے۔

(۱۱)

ووٹ ڈالنے کے بجائے حکمرانوں پر تبصرے کرنا

بعض لوگ ایسے بھی معاشرہ میں پائے جاتے ہیں کہ جو ووٹ تو ڈالتے نہیں، لیکن ہمیشہ حکمرانوں کی شان میں نازیبا الفاظ کہتے اور شکوے شکایت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، حالانکہ اولاً تو شریعت نے حکمرانوں کے خلاف اس طرح کی بدزبانی وبدکلامی کو پسند ہی نہیں کیا، دوسرے بدزبانی وبدکلامی کرنے سے اصلاحِ احوال بھی ممکن نہیں، تیسرے اصلاحِ احوال کا جو ظاہری سبب ووٹ کی شکل میں حاصل ہے، اس کو اختیار واستعمال کرنا چاہئے، اور اپنے اختیار میں موجود سبب کو ترک کر کے زبان درازی کرنے کا وطیرہ اپنانا اور اختیار کرنا نقل کے علاوہ عقل کی رو سے بھی درست نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ حکومت وسیاست پر سالہا سال تبصروں وتجزیوں سے آج تک کچھ حاصل حصول نہیں ہوا، اور ایک دن کے اندر ووٹوں کے استعمال کے ذریعہ سے ظاہری اسباب کے درجہ میں خاموشی کے ساتھ وہ سب کچھ ہوتا رہا، جو سالہا سال کے تبصروں سے نہ ہوسکا۔

(۱۲)

ذاتی تعلقات ومفادات کی خاطر نااہل کو ووٹ دینا

ایک طبقہ وہ ہے جو ووٹ کا استعمال تو کرتا ہے، لیکن اس کے استعمال میں معیار اپنے ذاتی مفاد، یا عصبیت، وبرادری اور نسل پرستی وغیرہ کی بنیاد پر کسی شخصیت کو بناتا ہے؛ جو کہ کسی بھی طرح درست نہیں۔

ووٹ کے استعمال کے لیے انتخاب کا معیار ذاتی مفادات، برادری اور عصبیت ولسانیت پرستی وغیرہ سے بالاتر ہوکر وسیع تر قومی واسلامی مفادات کی خاطر ہونا چاہیے۔

لہٰذا ووٹ کو اپنا ذاتی اور برادریوں کا معاملہ سمجھنا اور اس کو اپنے ذاتی مفادات اور مقاصد کے تابع ہار جیت کا کھیل اور خالص دنیاوی مفادات حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھ کر ووٹ دینا درست نہیں، ووٹ ایک دینی معاملہ اور حکومت کی تشکیل کا بنیادی پتھر ہے، اسی بنیاد پر آئندہ حکومت کے کاموں کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے اور نفاذِ اسلام اور ملکی تعمیر وترقی اور عوام کی فلاح و بہبود کے کام کا انحصار ہے، لکھے پڑھے دیندار مسلمانوں کو بھی اس طرف توجہ نہیں ہوتی کہ یہ کھیل صرف ہماری دنیا کے نفع ونقصان تک ہی محدود نہیں رہتا بلکہ اس کے ساتھ طاعت ومعصیت اور گناہ وثواب بھی لگا ہوا ہے، اور اس کے اثرات وثمرات اس دنیا کے بعد بھی عذابِ جہنم اور درجاتِ جنت کی صورت میں ظاہر ہوں گے، ایک محدود ومختصر اور عارضی مفاد یا تعلقات کی بنیاد پر نااہل کو ووٹ دے کر پورے ملک وملت کے ساتھ خیانت ودغابازی کا ارتکاب کرنا سنگین جرم ہے، جس سے ہر ایک اور خاص کر مسلمان کو بچنا چاہئے۔ [1]

---

[1] حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ اس سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ:

ہمارے عوام ہیں کہ انہوں نے اس کو محض ہار جیت کا کھیل سمجھ رکھا ہے، اس لیے ووٹ کا حق کبھی پیسوں کے عوض میں فروخت ہوتا ہے، کبھی کسی دباؤ کے تحت استعمال کیا جاتا ہے، کبھی ناپائیدار دوستوں اور ذلیل وعدوں کے بھروسہ پر اس کو استعمال کیا جاتا ہے۔

اور تو اور لکھے پڑھے دیندار مسلمان بھی نااہل لوگوں کو ووٹ دیتے وقت کبھی یہ محسوس نہیں کرتے کہ ہم یہ جھوٹی گواہی دے کر مستحقِ لعنت وعذاب بن رہے ہیں (معارف القرآن ج ۳ ص ۱۷)

اور مفتی محمد تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں کہ:

چنانچہ بہت سے لوگ اپنا ووٹ اپنی دیانت دارانہ رائے کے بجائے محض ذاتی تعلقات کی بنیاد پر کسی نااہل کو دے دیتے ہیں، وہ دل میں خوب جانتے ہیں کہ جس شخص کو ووٹ دیا جارہا ہے وہ اس کا اہل نہیں، یا اس کے مقابلے میں کوئی دوسرا شخص اس سے زیادہ حق دار ہے، لیکن صرف دوستی کے تعلق، برادری کے رشتے یا ظاہری لحاظ ومروت سے متاثر ہوکر وہ اپنے ووٹ کا غلط استعمال کر لیتے ہیں، اور انہیں کبھی خیال بھی نہیں آتا کہ شرعی اور دینی لحاظ سے انہوں نے کتنے بڑے جرم کا ارتکاب کیا ہے، جیسا کہ اوپر عرض کیا جاچکا ہے، ووٹ ایک شہادت ہے، اور شہادت کے بارے میں قرآن کریم کا ارشاد ہے: وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ووٹ کے بارے میں پہلے گزر چکا ہے کہ اس کی ایک حیثیت گواہی کی ہے، اور گواہی حق اور سچ کے مطابق دینا ضروری ہے، خواہ وہ اپنے عزیز وقریب کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

یَا أَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا کُوْنُوْا قَوَّامِیْنَ بِالْقِسْطِ شُھَدَآءَ لِلّٰہِ وَلَوْ عَلٰی أَنْفُسِکُمْ أَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْأَقْرَبِیْنَ إِنْ یَّکُنْ غَنِیًّا أَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰہُ أَوْلٰی بِھِمَا فَلَا تَتَّبِعُوْا الْھَوٰی أَنْ تَعْدِلُوْا وَإِنْ تَلْوُوْا أَوْ تُعْرِضُوْا فَإِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا (سورۃ النساء، آیۃ ۱۳۵)

ترجمہ: اے ایمان والو انصاف پر قائم ہونے والے اللہ ہی کے لئے گواہی دینے والے بن کر رہو، اگر چہ تمہاری جانوں یا تمہارے ماں باپ یا تمہارے رشتہ داروں کے خلاف پڑ جائے، اگر کوئی مالدار ہے یا محتاج ہے تو اللہ ان کا خیر خواہ تم سے زیادہ ہے سو تم خواہش کی پیروی نہ کرو انصاف کرنے میں، اور اگر تم (فیصلے کے وقت) بات کو گھما پھرا کر کہو گے یا (حق سے) اعراض کرو گے تو بے شک اللہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اور جب کوئی بات کہو تو انصاف کرو، خواہ وہ شخص (جس کے خلاف بات کہی جارہی ہے) تمہارا قرابت دار ہی کیوں نہ ہو۔ جب کسی شخص کے بارے میں ضمیر اور دیانت کا فیصلہ یہ ہو کہ وہ ووٹ کا مستحق نہیں ہے، یا کوئی دوسرا شخص اس کے مقابلے میں زیادہ اہلیت رکھتا ہے، تو اس وقت محض ذاتی تعلقات کی بنا پر اسے ووٹ دے دینا ''جھوٹی گواہی'' کے حکم میں آتا ہے، اور قرآن کریم میں جھوٹی گواہی کی مذمت اتنی شدت کے ساتھ کی گئی ہے کہ اسے بت پرستی کے ساتھ ذکر فرمایا گیا ہے، ارشاد ہے: فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّوْرِ پس پرہیز کرو بتوں کی نجاست سے اور پرہیز کرو جھوٹی بات کہنے سے۔ اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد مواقع پر جھوٹی گواہی کو کبیرہ گناہوں میں شمار کر کے اس پر سخت وعیدیں ارشاد فرمائی ہیں (اسلام اور سیاستِ حاضرہ ص ۸ تا ۹؛ فقہی مقالات جلد ۲ صفحہ ۲۹۲)

فتاویٰ حقانیہ میں ہے کہ:

اہل اور حق دار کے بجائے صرف رشتہ داری اور برادری کی وجہ سے کسی اُمیدوار کو ووٹ دینا عصبیت اور جاہلیت کے مترادف ہے، اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عصبیت کی دلدل میں پھنسنے والوں سے بیزاری کا اظہار فرمایا ہے (فتاویٰ حقانیہ جلد دوم صفحہ ۳۰۷)

تمہارے اعمال سے پوری طرح باخبر ہے (سورہ نساء)

اس سے معلوم ہوا کہ تعلق ورشتہ داری اور برادری پرستی وغیرہ کی بنیاد پر کسی نااہل کو ووٹ دینا، اوراس کے مقابل اہل امیدوار کو نظر انداز کردینا ناانصافی اور ظلم پرستی اور خواہش کی پیروی ہے، جس سے اللہ پوری طرح باخبر ہے، اوراس کا مؤاخذہ فرمائے گا، اوراس کے برعکس عدل وانصاف پسندی پر اجروانعام سے نوازے گا۔

اورایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُوْنُوْا قَوَّامِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلٰى أَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (سورة المائدة، رقم الآية ٨)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اللہ کے لئے پوری پابندی کرنے والے، انصاف کی گواہی دینے والے ہو جاؤ، اور کسی قوم کی دشمنی تم کو عدل (وانصاف) سے نہ ہٹائے، عدل (وانصاف) کرو، یہی بات تقویٰ کے زیادہ قریب ہے، اوراللہ سے ڈرو، بے شک اللہ پوری طرح خبر رکھنے والا ہے تمہارے اعمال کی (سورہ مائدہ)

اس سے معلوم ہوا کہ کسی امیدوار سے اختلاف اور عداوت ہونے کی صورت میں بھی اس کے ساتھ عدل وانصاف کرنا چاہئے، تقوے اوراللہ کے خوف کا تقاضا یہی ہے۔

اورایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى وَبِعَهْدِ اللّٰهِ أَوْفُوْا ذٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (سورة الانعام، رقم الآية ١٥٢)

ترجمہ: اور جب تم کوئی بات کرو، تو انصاف کو اختیار کرو، اگرچہ رشتہ دار ہی ہو اور اللہ کا عہد پورا کرو، اللہ نے تمہیں یہ حکم دیا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو (سورہ انعام)

اس سے معلوم ہوا کہ قرابت داری وبرادری پرستی وغیرہ کی خاطر عدل وانصاف اور حق پرستی کا

دامن چھوڑ دینا، اللہ کے عہد کو توڑنا ہے، جو کہ سخت گناہ ہے۔

اس قسم کی آیات کے پیشِ نظر ووٹ کا ذاتی تعلقات ومفادات اور برادری پرستی وغیرہ کی بنیاد پر ناحق اور بے جا استعمال حرام اور سخت وبال کا باعث ہے۔

(۱۳)

ووٹوں کی نوٹوں کے عوض خرید وفروخت

بعض لوگ ووٹوں کی نوٹوں کے عوض خرید وفروخت کرتے ہیں، جس طرف سے مال اور پیسہ حاصل ہوتا ہے، اس کے حق میں ووٹ کا استعمال کر دیتے ہیں، خواہ وہ اہل ہو یا نا اہل۔

یہ سخت گناہ کی بات اور ایک طرح سے ملک وقوم کے ساتھ غداری بلکہ ضمیر فروشی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ، وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ. رَجُلٌ عَلٰى فَضْلِ مَاءٍ بِطَرِيْقٍ، يَمْنَعُ مِنْهُ ابْنَ السَّبِيْلِ، وَرَجُلٌ بَايَعَ رَجُلًا لَا يُبَايِعُهُ إِلَّا لِلدُّنْيَا، فَإِنْ أَعْطَاهُ مَا يُرِيْدُ وَفٰى لَهُ وَإِلَّا لَمْ يَفِ لَهُ، وَرَجُلٌ سَاوَمَ رَجُلًا بِسِلْعَةٍ بَعْدَ الْعَصْرِ، فَحَلَفَ بِاللّٰهِ لَقَدْ أُعْطِيَ بِهَا كَذَا وَكَذَا فَأَخَذَهَا (بخاری)[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین آدمیوں سے اللہ (قیامت کے دن) کلام نہیں فرمائے گا اور نہ ان کی طرف (رحمت کی) نظر اٹھائے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے، ایک وہ شخص جس کے پاس راستے میں ضرورت سے زائد پانی ہو اور (ضرورت پڑنے پر) مسافروں کو

[1] رقم الحدیث ۲۶۷۲، کتاب الشهادات، باب اليمين بعد العصر.

نہ دے، دوسرے وہ شخص جو کسی (حکمران وغیرہ) سے بیعت صرف دنیا کی خاطر کرے کہ اگر وہ (حکمران) اس کی مرضی کے مطابق دیتا (اور کام کرتا) ہے تو یہ (بیعت پر) قائم رہتا ہے، ورنہ بیعت کو توڑ دیتا ہے، تیسرے وہ شخص جو کسی سے عصر کے بعد کسی سامان کا سودا کرے اور اللہ کی جھوٹی قسم کھائے کہ اس کو یہ چیز اتنے اتنے داموں میں ملی ہے اور خریدار اس کو خرید لے (بخاری)

اس حدیث میں عصر کی نماز کا ذکر خاص وجہ سے کیا گیا، کیونکہ ایک تو یہ وقت خاص اہمیت رکھتا ہے، دوسرے اس وقت بندوں کے اعمال لے کر دن کے فرشتے، اللہ کے پاس جاتے ہیں، اور رات کا حساب لکھنے والے فرشتے آتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی سے دنیا اور مال ودولت یا ذاتی مفادات کی خاطر بیعت ہونا، اللہ کی سخت ناراضگی کا سبب ہے، اور ووٹ کے بارے میں یہ پہلے گزر چکا ہے کہ یہ سیاسی بیعت کی حیثیت بھی رکھتا ہے، لہٰذا کسی نااہل کے حق میں مال ودولت کی خاطر ووٹ کا استعمال کرنا بھی اس وعید میں داخل ہے۔

بلکہ یہ ایک طرح سے رشوت میں بھی داخل ہے، جس کا لین دین جائز نہیں۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّاشِيْ وَالْمُرْتَشِيْ فِي الْحُكْمِ (سنن ترمذی)[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ہار جیت وغیرہ کا) فیصلہ کرنے پر رشوت

---

[1] رقم الحديث ١٣٣٦، ابواب الاحكام، باب ما جاء فى الراشى والمرتشى فى الحكم.
قال الترمذى: وفى الباب عن عبد الله بن عمرو، وعائشة، وابن حديدة، وأم سلمة: حديث أبى هريرة حديث حسن وقد روى هذا الحديث، عن أبى سلمة بن عبد الرحمن، عن عبد الله بن عمرو، عن النبى صلى الله عليه وسلم، وروى عن أبى سلمة، عن أبيه، عن النبى صلى الله عليه وسلم ولا يصح وسمعت عبد الله بن عبد الرحمن يقول: حديث أبى سلمة، عن عبد الله بن عمرو عن النبى صلى الله عليه وسلم أحسن شىء فى هذا الباب وأصح.

دینے اور لینے والے پر لعنت فرمائی (ترمذی)

اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّاشِيْ وَالْمُرْتَشِيْ (ترمذی) ۱؎

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت دینے اور لینے والے پر لعنت فرمائی ہے (ترمذی، ابوداؤد)

پس پیسے یا مال ودولت کی خاطر کسی کے حق میں ووٹ کا استعمال رشوت وحرام خوری میں بھی داخل ہوکر سنگین گناہ ہے۔ ۲؎

۱؎ رقم الحديث ۱۳۳۷، ابواب الاحكام، باب ما جاء في الراشي والمرتشي في الحكم، ابوداؤد، رقم الحديث ۳۵۸۰، باب في كراهية الرشوة.
قال الترمذي: هذا حديث حسن صحيح.

۲؎ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ اس سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ:

ووٹ کو پیسوں کے معاوضہ میں دینا بدترین قسم کی رشوت ہے اور چند ٹکوں کی خاطر اسلام اور ملک سے بغاوت ہے، دوسروں کی دنیا سنوارنے کے لئے اپنا دین قربان کردینا کتنے ہی مال ودولت کے بدلے میں ہو کوئی دانشمندی نہیں ہوسکتی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ شخص سب سے زیادہ خسارے میں ہے جو دوسرے کی دنیا کے لئے اپنا دین کھو بیٹھے (جواہرُ الفقہ ج۲ص ۳۰۱)

اور فتاویٰ بینات میں ہے کہ:

ضرورت ہے کہ ووٹر اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرکے اپنے ووٹ کو صحیح مصرف میں استعمال کریں۔

ووٹ کی خرید وفروخت حرام اور ناجائز ہے، کیونکہ ووٹ ایک حق ہے اور حق کی خرید وفروخت باطل وکالعدم ہے (فتاویٰ بینات جلد سوم صفحہ ۵۰۷)

اور حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب اس سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ:

وہ بلاشبہ قابل صد نفرین وملامت ہیں جو اپنی دولت کے سہارے ووٹ خرید خرید کر اقتدار تک پہنچتے ہیں، لیکن ان کے جرم میں وہ عوام بھی برابر کے شریک ہیں جو کھنکتے ہوئے سکوں کی آواز سن کر قوم، ملک، دین اور اخلاق سب کو بھول جاتے ہیں، اور پھر جب ان کے ووٹوں کے خریدار اقتدار کی کرسی پر بیٹھ کر سارے عوام کا خون نچوڑتے ہیں تو یہ اپنے گریبان میں منہ ڈالنے کے بجائے حکومت پر تنقید کے بہانے دولت کے کسی نئے سورج کی پرستش شروع کردیتے ہیں (اسلام اور سیاست حاضرہ ص ۱۴)

یہ وعیدیں تو صرف ووٹ کے اس غلط استعمال پر صادق آتی ہیں جو محض ذاتی تعلقات کی بنا پر دیا گیا ہو، اور

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۱۴)

نااہل کو ووٹ دینے کا حلف یا عہد، معاہدہ کرنا

بعض اوقات کوئی ووٹ دینے والا شخص دوسرے سے کسی تعلق یا مالی مفاد حاصل کرنے کی خاطر اس کو یقین دلانے کے لئے ووٹ دینے کا عہد، معاہدہ کر لیتا ہے، اور بعض اوقات اس پر حلف بھی اٹھا لیتا ہے، اور بعض اوقات بااثر امیدواروں یا ان کے حواریوں کی طرف سے اس طرح کا عہد یا حلف لے لیا جاتا ہے، جن علاقوں میں وڈیرے اور جاگیردار لوگوں کا دوسروں پر زور ہوتا ہے وہاں یہ کام زیادہ ہوتا ہے۔

اولاً تو کسی سے اس طرح کا نہ تو عہد کرنا چاہئے، اور نہ حلف اٹھانا چاہئے، دوسرے اگر مجبوری یا دباؤ وغیرہ کی خاطر ایسا کر لیا جائے، تب بھی اپنی قبر وآخرت کو سامنے رکھ کر ذمہ داری اور امانت ودیانت داری کے ساتھ ووٹ کا اہل کے حق میں استعمال ضروری ہے۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

روپے پیسے لے کر کسی نااہل کو ووٹ دینے میں تو دو کبیرہ گناہ جمع ہو جاتے ہیں۔ ایک جھوٹی گواہی، اور دوسرے رشوت خوری (اسلام اور سیاست حاضرہ ص ۹)

اور فتاویٰ حقانیہ میں ہے کہ:

ووٹ کی شرعی حیثیت یا تو شہادت (گواہی) کی ہے، یا سفارش کی۔ اور فقہاء کے نزدیک شہادت پر پیسے لینا جائز نہیں .... اور اگر اُمیدوار کی غرض خرید وفروخت کی نہ ہو بلکہ ویسے لالچ دینے کے لیے ہو کہ پیسے دے کر لوگ مجھے ووٹ دیں گے تو اس صورت میں تقسیم شُدہ اشیاء کی حیثیت رشوت کی ہے اور رشوت لینا اور دینا شرعاً حرام ہے؛ اس لیے ووٹ کے عوض میں کچھ لینا اور دینا دونوں ناجائز ہے (فتاویٰ حقانیہ جلد دوم صفحہ ۳۱۱)

[۱] چنانچہ مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ اس سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ:

یہ وعدہ کہ میں تمہارے حق میں بہر صورت ووٹ دوں گا، شرعاً وعقلاً اس شرط کے ساتھ مشروط ہوتا ہے کہ موعود لہٗ (یعنی جس سے وعدہ کیا گیا ہے) سے بہتر کوئی اُمیدوار موجود نہ ہو، اور اسی صورت میں یہ وعدہ صحیح اور واجبُ الایفاء بھی ہے، لیکن اگر کسی بہتر نمائندے کے موجود ہوتے ہوئے اس سے ادوَن (یعنی کمتر) اور غیر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

إِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِى الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (سورة آل عمران، رقم الآية ۷۷)

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

مستحق کو رائے دینے کا وعدہ کرلیا جائے تو یہ قومی امانت میں خیانت کرنا ہے اور جو وعدہ ایسا ہو کہ خود وہ وعدہ اور اس کا ایفاء (یعنی پورا کرنا) خیانت ہو، وہ وعدہ ہی درست نہیں ہوا، اور اس کا ایفاء بھی جائز نہیں ....اگر کسی بہتر نمائندہ کے ہوتے ہوئے کسی ووٹر نے غیر مستحق اُمیدوار کو رائے دینے کا کسی خوف یا طمع یا مروّت کی بناء پر وعدہ کرلیا تو وہ اس وعدہ کرنے میں خیانتِ قومی کا مرتکب ہوا، اور یہ وعدہ بھی درست نہیں ہوا .... جب کوئی ایسا نمائندہ کھڑا ہوجائے جو ملک وقوم وملت کے لیے مفید ہے تو ہر ووٹر کا فرض ہے کہ وہ بہتر اور مفید تر نمائندے کو اپنا ووٹ دے، ایفاءِ وعدہ اور ایفائے عہد وہی لازم اور واجب ہے کہ وہ وعدہ اور عہد بھی فی حدّ ذاتہٖ (یعنی اپنی ذات میں) صحیح ہو، ورنہ وعدہ اور عہد کیا حلف اور یمین بھی اگر ناجائز اور منکر (غلط کام) پر کرلے تو اس کا پورا نہ کرنا اور حلف کا کفارہ دیدینا جائز بلکہ بعض صورتوں میں (جبکہ محلوف علیہ معصیت ہو) واجب ہے (کفایت المفتی مدلل مکمل مع عنوانات جلد نہم صفحہ ۳۵۴،۳۵۵)

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ:

وعدہ اگر مستحق اور اہل سے کیا گیا ہو تو اس کو پورا کرنا لازم ہے، بلکہ وعدہ کے بغیر بھی مستحق اور اہل کو ووٹ دینا چاہیے، لیکن اگر وعدہ غیر مستحق اور نااہل سے کرلیا گیا ہو تو ایسا وعدہ ہی صحیح وعدہ نہیں اور اس کو پورا کرنا ایسا ہے جیسا کسی سے شراب پلانے کا وعدہ کرکے اس کو شراب پلانا اور اس کو وعدہ کا ایفا قرار دینا ہے۔

خلاصہ یہ کہ ایفاءِ عہد (یعنی عہد کا پورا کرنا اور نباہنا) اسی صورت میں لازم ہے کہ وہ عہد بھی جائز ہو (ایضاً صفحہ ۳۵۷)

اور فتاویٰ بینات میں ہے کہ:

(کسی نااہل کی طرف سے اپنے حق میں ووٹ کے) حلف کی صورت میں ووٹر پر ضروری ہے کہ قسم توڑ ڈالے اور کسی مستحق شخص کو ووٹ دے؛ اِنْ شاءَ اللہ اس صورت میں اس کو اپنی قسم توڑنے کا ضرور اَجر ملے گا، البتہ قسم کا کفارہ ضرور اس شخص کے ذمہ واجبُ الاداء ہوگا (فتاویٰ بینات جلد سوم صفحہ ۵۰۷)

اور فتاویٰ حقانیہ میں ایک سوال کے جواب میں تحریر کیا گیا ہے کہ:

بکر چونکہ دیندار اور دیانتدار ہونے کی وجہ سے ووٹ کا صحیح حقدار ہے، اس لیے زید کو چاہیے کہ اپنی قسم توڑ دے اور قسم کا کفارہ ادا کرے اور اپنا ووٹ بکر کے حق میں استعمال کرے، تو شرعاً اس کا ذمہ فارغ ہوجائے گا (فتاویٰ حقانیہ جلد دوم صفحہ ۳۰۸)

ترجمہ: بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے بدلے حقیر معاوضہ لیتے ہیں آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں اور ان سے اللہ کلام نہیں کرے گا اور قیامت کے دن ان کی طرف (رحمت کی نظر سے) نہ دیکھے گا اور انہیں پاک بھی نہ کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے (سورہ آلِ عمران)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ قسم کے بدلہ اور عوض میں حقیر دنیا کا سودا کرنے والا آخرت میں بڑے خسارہ اور نقصان کو اُٹھائے گا، اور اللہ کی سخت ناراضگی کا مستحق ہوگا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

وَإِذَا حَلَفْتَ عَلٰى يَمِينٍ، فَرَأَيْتَ غَيْرَهَا خَيْرًا مِّنْهَا، فَأْتِ الَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ، وَكَفِّرْ عَنْ يَمِينِكَ (بخاری) [1]

ترجمہ: اور جب آپ کسی چیز پر قسم اٹھالیں، پھر آپ اس کے علاوہ میں خیر دیکھیں، تو آپ اس خیر والے کام کو کرلیں اور اپنی قسم کا کفارہ دے دیں (بخاری)

حضرت عدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا حَلَفَ أَحَدُكُمْ عَلَى الْيَمِينِ، فَرَأٰى خَيْرًا مِّنْهَا، فَلْيُكَفِّرْهَا، وَلْيَأْتِ الَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ (مسلم) [2]

ترجمہ: رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی کسی چیز پر قسم اٹھالے، پھر اس کے علاوہ میں خیر دیکھے، تو اس قسم کا کفارہ دیدے، اور جو خیر والی چیز ہے، اس کو اختیار کرلے (مسلم)

حضرت مالک بن نضر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، أَرَأَيْتَ ابْنَ عَمٍّ لِىْ أَتَيْتُهُ أَسْأَلُهُ فَلَا يُعْطِينِىْ وَلَا

---

[1] رقم الحديث ٦٧٢٢، كتاب كفارات الأيمان، باب الكفارة قبل الحنث وبعده.

[2] رقم الحديث ١٦٥١ "١٧" كتاب الأيمان، باب ندب من حلف يمينا فرأى غيرها خيرا منها، أن يأتى الذى هو خير، ويكفر عن يمينه.

يَصِلُنِيُ، ثُمَّ يَحْتَاجُ إِلَيَّ فَيَأْتِينِيُ فَيَسْأَلُنِيُ، وَقَدْ حَلَفْتُ أَنْ لَّا أُعْطِيَهُ وَلَا أَصِلَهُ، فَأَمَرَنِيُ أَنْ آتِيَ الَّذِيُ هُوَ خَيْرٌ، وَأُكَفِّرَ عَنْ يَمِيْنِيُ (سنن نسائی) [1]

ترجمہ: میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ کا اس بارے میں کیا ارشاد ہے کہ میں اپنے چچا زاد بھائی کے پاس اپنی کسی ضرورت کا سوال کرنے کے لئے جاتا ہوں، اور وہ میری مدد نہیں کرتا، اور نہ میرے ساتھ صلہ رحمی (یعنی رشتہ داری کے حقوق پورے) کرتا، پھر اس کو میری طرف کوئی ضرورت پیش آ جاتی ہے، اور وہ میرے پاس آ کر اس ضرورت کا سوال کرتا ہے، اور میں یہ قسم کھا چکا ہوں کہ اس کو نہیں دوں گا (یعنی اس کی مدد نہیں کروں گا) اور نہ اس کے ساتھ صلہ رحمی کروں گا (تو میرے لئے کیا حکم ہے؟) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم فرمایا کہ میں اس کام کو کروں، جو خیر والا ہے (یعنی اس کی مدد اور صلہ رحمی کروں) اور اپنی قسم کا کفارہ دوں (نسائی)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کی قسم کھانے کے بعد اگر اس کی خلاف ورزی میں خیر ہو، تو اس قسم کو توڑ دینا چاہئے، اور اس کا کفارہ دیدینا چاہئے۔

اور قسم کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں و ناداروں کو اوسط درجہ کا دو وقت پیٹ بھر کھانا کھلائے، یا دس مسکینوں کو لباس فراہم کرے، یا ایک شرعی غلام و باندی کو (اگر میسر ہو) آزاد کرے، اور اگر ان میں سے کسی چیز کی قدرت نہ ہو، مثلاً کوئی شخص غریب و مسکین ہو، تو پھر تین دن کے روزے رکھے۔

اور اگر تین دن دو وقت دس مسکینوں کو کھانا کھلانے کے بجائے دس صدقۂ فطر کے برابر دس غریبوں و مسکینوں کو یا ایک مسکین کو دس دن تک رقم دے دے، تو بھی جائز ہے۔

---

[1] رقم الحديث ۳۷۸۸، كتاب الأيمان والنذور، باب الكفارة بعد الحنث، واللفظ لهٗ، السنن الكبرىٰ للنسائي، رقم الحديث ۴۷۱۲.

(۱۵)

نااہل کو ووٹ دینے کا ایک نفسانی وشیطانی حیلہ

بعض حضرات یہ سوچتے ہیں کہ اگر نااہل کو ووٹ دینا گناہ ہے تو ہم کون سے پاکباز ہیں؟ ہم صبح سے لے کر شام تک بے شمار گناہوں میں ملوّث رہتے ہیں، اگر اپنے گناہوں کی طویل فہرست میں ایک اور گناہ کا اضافہ ہو جائے گا تو کیا حرج ہے؟

لیکن خوب سمجھ لیجئے کہ یہ نفس وشیطان کا بڑا دھوکہ ہے، اول تو انسان اگر ہر گناہ کے ارتکاب کے وقت یہی سوچا کرے تو وہ کبھی کسی گناہ سے نہیں بچ سکتا، اگر کوئی شخص تھوڑی سے گندگی میں ملوّث ہو جائے تو اس کا حل یہ ہے کہ اس سے پاک ہونے کی فکر کرے، نہ یہ کہ وہ غلاظت کے کسی گڑھے میں چھلانگ لگا دے۔

دوسری بات یہ ہے کہ گناہ کی نوعیّتوں میں بھی بڑا فرق ہے، جن گناہوں کے نتائجِ بد پوری قوم کو بھگتنے پڑیں، ان کا معاملہ عام اور پرائیویٹ یا نجی گناہوں کے مقابلے میں بہت سخت ہے، انفرادی نوعیت کے جرائم، خواہ اپنی ذات میں کتنے ہی گھناؤنے اور شدید ہوں، لیکن ان کے اثرات دو چار افراد سے آگے نہیں بڑھتے، اس لئے ان کی تلافی بھی عموماً اختیار میں ہوتی ہے، اور ان سے توبہ واستغفار کر لینا بھی آسان ہوتا ہے اور ان کے معاف ہو جانے کی امید بھی ہر وقت کی جا سکتی ہے، اور اس کے برخلاف جس گناہ کا برا نتیجہ پورے ملک اور پوری قوم نے بھگتنا ہو، اس کی تلافی کی کوئی آسان صورت نہیں، یہ تیر کمان سے نکلنے کے بعد واپس نہیں آ سکتا، اس لئے اگر کسی وقت انسان اس بدعملی سے آئندہ کے لئے توبہ کر لے تو کم از کم ماضی کے جرم سے عہدہ برا ہونا بہت مشکل ہے، اور اس کے عذاب سے رہائی کی امید بہت کم ہے۔

اس حیثیت سے یہ گناہ چوری، ڈاکہ، زنا کاری اور اس طرح کے دوسرے گناہوں سے شدید تر ہے، اور اسے دوسرے جرائم پر قیاس کرنا غلط ہے۔

یہ درست ہے کہ ہم صبح وشام بیسیوں گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں، مگر یہ سب گناہ ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی وقت توبہ کی توفیق بخشے تو معاف بھی ہو سکتے ہیں اوران کی تلافی بھی کی جاسکتی ہے، لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ ہم اپنی گردن ووٹ کا ناحق اور بے جا استعمال کر کے ایک ایسے گناہ میں پھنسالیں جس کی تلافی ناممکن اور جس کی معافی بہت مشکل ہے (ماخوذاز: فقہی مقالات، بتغیر واضافہ، جلد دوم صفحہ ۲۹۱ تا ۲۹۲، لمفتی محمد تقی عثمانی صاحب)

(۱۶)

ووٹ اور سیاست کے شریعت سے خارج ہونے کا دعویٰ

ووٹ کا استعمال نہ کرنے یا ووٹ کا غلط استعمال کرنے والے بعض مسلمان یہ کہا کرتے ہیں کہ ووٹ اور سیاست کا دین وشریعت سے کوئی تعلق نہیں، اس لئے اس سلسلہ میں ہم آزاد ہیں کہ جو چاہیں کریں۔

حالانکہ یہ سوچ انتہائی غلط فہمی پر مبنی ہے، کیونکہ اولاً تو دین وشریعت نے ہر چیز کے احکام پیش کئے ہیں، خواہ وہ چیز دین سے متعلق ہو، یا دین سے متعلق نہ ہو، دوسرے جب کوئی دنیا کا کام کیا جائے، اوراس میں دین وشریعت کے کسی حکم کی خلاف ورزی کی جائے، تو پھر بہرحال اس پر شریعت کا حکم لاگو ہوا کرتا ہے، تیسرے یہ کہنا ہی غلط ہے کہ ووٹ اور سیاست کا دین وشریعت سے کوئی تعلق نہیں، اور یہ بات تفصیل کے ساتھ پہلے گزر چکی ہے کہ ووٹ کی کئی شرعی حیثیتیں ہیں، سیاست کو دین وشریعت سے الگ قرار دینے کے اس طرح کا نظریہ عیسائیوں میں پایا جاتا ہے، چنانچہ عیسائیت کا یہ باطل نظریہ بہت مشہور ہے کہ:

''قیصر کا حق قیصر کو دو، اور کلیسا کا حق کلیسا کو''

جس کا مطلب یہ ہے کہ مذہب کا سیاست میں کوئی عمل دخل نہیں ہے، اور دونوں کے عمل کا میدان مختلف ہے، دونوں کو اپنے اپنے میدان میں ایک دوسرے کی مداخلت کے بغیر کام کرنا

چاہئے، دین وسیاست کی تفریق کا یہی نظریہ ترقی کر کے ’’سیکولرازم‘‘ کی شکل اختیار کر گیا، جو آج کے نظام ہائے سیاست میں مقبول ترین نظریہ سمجھا جاتا ہے اوراس نظریہ کے تحت سیاست کے تمام معاملات مذہب کی پابندیوں سے آزاد ہوکرانجام دیئے جاتے ہیں۔

اسی نظریہ کی تردید کرتے ہوئے علامہ اقبال مرحوم فرماتے ہیں ع

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

اس کے بالکل برعکس بعض لوگ اس حد تک چلے گئے کہ انہوں نے سیاست اورحکومت کو اسلام کا مقصودِ اصلی اس کا حقیقی نصبُ العین اور بعثتِ انبیاء کا مطمحِ نظر، بلکہ انسان کی تخلیق کا اصل ہدف قرار دے دیا، اوراسلام کے دوسرے احکام مثلاً عبادات وغیرہ کو نہ صرف ثانوی حیثیت دے دی، بلکہ انہیں اسی مقصودِ اصلی، یعنی سیاست کے حصول کا ایک ذریعہ اوراس کی تربیت کا ایک طریقہ قرار دے دیا، ان لوگوں نے سیاست کواسلامی بنانے کے بجائے اسلام کوسیاسی بنادیا، کہنا یہ تھا کہ ’’سیاست‘‘ کودین سے الگ نہ ہونا چاہئے، لیکن کہا یہ کہ دین کو سیاست سے الگ نہیں ہونا چاہئے، اس کا نتیجہ اس نقصان کی شکل میں ظاہر ہوا کہ دین کی مجموعی تصویر اوراس کی ترجیحات کی ترتیب الٹ کر رہ گئی۔

حالانکہ ان دونوں انتہاء پسندانہ نظریوں کے برعکس اسلام کا صحیح معتدل نظریہ یہ ہے کہ سیاست وحکومت شریعت کا حصہ ہے۔ مگر سیاست کوشریعت کے تابع رکھنا ضروری ہے اور سیاست کے نام پر شریعت کی پابندیوں سے آزاد ہونا جائز نہیں۔

لہٰذا سیاست اورشریعت کودین سے الگ قرار دے کر اپنے آپ کوووٹ کے معاملہ میں آزاد سمجھ لینا، اوراس میں شرعی پابندیوں کونظرانداز کر کے من مانی کرنا درست نہیں۔ [1]

---

[1] چنانچہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں کہ:

سیاست اسلام میں کوئی شجرۂ ممنوعہ نہیں ہے، بلکہ دین ہی کا ایک شعبہ ہے، لیکن ہم مسلمانوں کو یہ بات کسی وقت فراموش نہ کرنی چاہئے کہ ہماری سیاست غیر مسلموں کی سیاست سے بالکل مختلف ہونی چاہئے، اسلام میں گوئبلز اور میکاؤلی کی سیاست کی کوئی گنجائش نہیں جس میں جھوٹ اور مکروفریب کی کھلی چھوٹ ہوتی ہے (اسلام اور سیاستِ حاضرہ ص۲۵ تا ۲۶)

اس بحث کا خلاصہ

خلاصہ یہ کہ ووٹوں کے استعمال نہ کرنے یا غلط استعمال کرنے کے متعلق مذکورہ اور اس جیسی دوسری غلط فہمیاں اور کوتاہیاں عقل ونقل کی رو سے بے بنیاد اور غلط ہیں، اور جب تک معاشرہ میں پائی جانے والی اس قسم کی بے اعتدالیاں اور غلط فہمیاں وکوتاہیاں دُور نہ ہوں، اس وقت تک ظاہری اسباب کے درجہ میں کسی بہتر تبدیلی، اور ملک وملت کی خوشحالی کی توقع رکھنا اور ملک میں جاری دہشت گردی، قتل وغارت گری، کرپشن، لوٹ مار، اغوا کاری، مہنگائی، بے روزگاری، فحاشی اور بے حیائی وغیرہ جیسی خرابیوں سے نجات کا حاصل ہونا بظاہر مشکل ہے۔

اس لئے انتخابات میں ملک کے ہر باشندہ کو امانت ودیانت کے ساتھ اپنے ووٹ کا ذمہ دارانہ استعمال ضروری ہے۔

اور اس میدان کو نااہل امیدواروں اور ووٹروں کے حوالہ کر کے گھر میں بیٹھ جانے کا طرزِ عمل عقل ونقل کے خلاف ہے، اس سے بچنا چاہئے۔

امید ہے کہ اگر ہم سب مل کر اور ہر قسم کے تعصّبات اور ذاتی مفادات سے بالاتر ہو کر وسیع تر قومی ودینی اور ملکی مفادات کو سامنے رکھ کر ووٹ کا دیانت دارانہ وذمہ دارانہ استعمال کریں گے، اور مندرجہ بالا اور اس جیسی غلط فہمیوں اور کوتاہیوں سے نجات حاصل کریں گے، تو اللہ تعالیٰ بدتر کے مقابلہ میں بہتر اور پھر اس سے بھی بہتر نتائج سے محروم نہیں فرمائیں گے، جس سے ان شاء اللہ ہم اور ہماری آنے والی نسل فائدہ اُٹھائے گی۔

اور اگر ہم اس سلسلہ میں غفلت ولاپرواہی کا مظاہرہ کریں گے، تو اس کے نقصان وخسارہ کے اثرات ونتائجِ بد سے نہیں بچ سکیں گے۔

اللہ تعالیٰ حق کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

ووٹ کے آداب

(۱)...... آج کل رائج سیاست اور ووٹ کے نظام وطریقۂ کار کے سب جزئیات اگرچہ پوری طرح اسلامی اُصولوں سے ہم آہنگ نہیں، لیکن جب تک اس کی پوری اصلاح نہ ہو، اس وقت تک اپنی طرف سے اس کی اصلاح کی ذمہ داری سے غافل نہ ہوئیے۔

اور مروَّجہ نظام کے تحت موجودہ حالات میں آپ کم ازکم ووٹ کا صحیح استعمال کر کے سیاست وحکومت کی جزوی اصلاح کا ذریعہ بن سکتے ہیں، اور یہ سمجھنا کہ ہمارے ووٹ اور سیاست کا دین ومذہب سے کوئی تعلق نہیں، سراسر دین ومذہبِ اسلام سے ناواقفی کی علامت ہے۔

(۲)...... ووٹ کا صحیح استعمال ایک دینی اور قومی فریضہ ہے، اسے ضائع، ناکارہ اور اس کا غلط استعمال نہ کیجیے؛ اور خود اور اپنے اہلِ خانہ سمیت دوست احباب کو بھی اس کے صحیح استعمال کی ترغیب دیجیے، اور اپنے یا چند ووٹوں کو کسی امیدوار کے خلاف یا اس کے حق میں فیصلہ ونتیجہ کے لیے حقیر چیز نہ سمجھیے، کیونکہ فیصلے وانتخاب کے لئے ایک ایک ووٹ بہت اہمیت رکھتا ہے۔

(۳)...... ووٹ کا استعمال ہر قسم کے ذاتی وشخصی مفادات اور برادری پرستی، صوبائی، لسانی اور ہر قسم کے تعصّبات سے بالاتر ہوکر وسیع تر دینی، قومی اور ملکی اجتماعی مفادات کے لئے کیجئے، صرف جان پہچان، ذاتی تعلقات، شخصی ضرورت، اور اپنی برادری، یا علاقہ کا باشندہ ہونے کی اغراض پر وسیع تر اجتماعی قومی مفادات کو قربان کردینا بلکہ بھینٹ چڑھادینا، دنیا وآخرت کے اعتبار سے سخت تباہ کن معاملہ ہے، اور اگر مسلم کے مقابلہ میں غیر مسلم ہو تو یہ سمجھ لیجئے کہ مسلمان ایک قوم ہے اور اس کے مقابلہ میں غیر مسلم دوسری قوم، ووٹ کسی لالچ یا پیسوں کے عوض استعمال کرنا سنگین گناہ ہے، اگر کسی نااہل یا غیر مستحق کو ووٹ دینے کا وعدہ یا حلف کرلیا ہو تب بھی اس کے حق میں ووٹ کا استعمال جائز نہیں ہوجاتا۔

(۴)......کسی بھی جماعت کو ووٹ دینے سے پہلے اس جماعت کے منشور کا جائزہ لے لیجیے،

اور جس جماعت کا منشور اسلام اور ملک وملت کے لحاظ سے دوسری جماعتوں کے مقابلہ میں بہتر و غنیمت ہو، اس کے حق میں ووٹ کا استعمال کیجیے۔

(۵)...... لبرل اور سیکولرز جماعت اور پارٹی کے مقابلہ میں ایسی جماعت و پارٹی کو ووٹ دیجئے جو دین کی کسی نہ کسی درجہ میں پابند ہو اور اس کا منشور دینی، قومی اور وسیع تر قومی وملکی لحاظ سے دوسروں کے مقابلہ میں بہتر ہو۔

(۶)...... جماعتی انتخابات ہو رہے ہوں اور کسی جماعت کا منشور مجموعی طور پر دینی وقومی یا کم از کم قومی وملکی سالمیت واستحکام کے اعتبار سے دوسروں کے مقابلہ میں بہتر ہو تو اس کے مقابلہ میں آزاد امیدوار کے حق میں ووٹ استعمال نہ کیجئے، کیونکہ آزاد امیدوار عام طور پر کسی منشور کا پابند نہیں ہوتا، اس لیے اس پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا، وہ عموماً فتح یاب ہو کر اپنے ذاتی مفاد کو دیکھتے ہوئے بلکہ حقیر مال ودولت کے عوض اپنے عہدہ ومنصب کی سودے بازی کرتے ہوئے کسی بھی پارٹی کے ساتھ شامل ہو جاتا ہے، خواہ وہ پارٹی دینی وملکی لحاظ سے کتنی ہی مضر اور نقصان دہ کیوں نہ ہو، اور اس طرح وہ بہت سے لوگوں کے ووٹ حاصل کر کے ان ہی لوگوں کی مخالف جماعت و پارٹی کے ساتھ شامل ہو کر بہتر جماعت و پارٹی کو نقصان پہنچانے کا باعث بن جاتا ہے۔

(۷)...... اگر آپ کسی غیر مسلم ملک کے باشندے ہیں، اور وہاں تمام امیدوار غیر مسلم ہیں، تو اس امیدوار اور جماعت کو ووٹ دیجئے، جو دوسروں کے مقابلہ میں امانت دار اور مسلمانوں کا خیر خواہ اور امن پسند ہو، ورنہ غیر مسلم کے مقابلہ میں مسلم ہو تو اس کو ترجیح دیجئے۔

(۸)...... اگر خود سے ووٹ کی اہلیت رکھنے والے امیدوار کا انتخاب کرنے میں تذبذب ہو رہا ہو، تو اہلِ رائے واہلِ دانش، ہمدرد وخیر خواہ لوگوں سے مشورہ کر لیجئے، اور ہو سکے تو خالی الذہن ہو کر اللہ تعالیٰ سے سنت کے مطابق استخارہ بھی کر لیجئے۔

(تفصیل کے لئے ہماری دوسری کتاب ''مشورہ واستخارہ کے فضائل واحکام'' ملاحظہ فرمالیجیے)

(۹)...... اس بات کا یقین کر لیجیے کہ آپ کا نام پہلے سے ووٹر لسٹ کے اندر درج ہے، اور

اگر درج نہیں ہے تو اُس کا اپنے متعلقہ حلقہ کے ذمہ داران کے ذریعہ بروقت اندارج کروالیجیے، تاکہ آپ کا ووٹ تیار ہوجائے اور آپ وقت پر ووٹ استعمال کرسکیں۔

(۱۰)...... اگر ممکن ہو تو اپنا ووٹ نمبر اور خاندان نمبر پہلے سے معلوم کر کے اپنے پاس تحریری یا زبانی طور پر محفوظ کر لیجیے تاکہ بروقت کوئی مشکل پیش نہ آئے۔

(۱۱)...... قانونی طور پر جو کوائف ووٹ ڈالنے کے لیے مقرر کیے گئے ہیں، اُن کا پہلے سے انتظام کر لیجیے مثلاً اصل شناختی کارڈ وغیرہ کا مہیا ہونا۔

(۱۲)...... یہ تحقیق کر لیجیے کہ آپ کا ووٹ استعمال ہونے کے لئے کون سی جگہ اور کون سا پولنگ اسٹیشن مقرر کیا گیا ہے، تاکہ بروقت تلاش میں دشواری اور مشکل پیش نہ آئے۔

(۱۳)...... اگر صبح پہلے وقت میں ووٹ ڈالنے کا موقع مل جائے تو بہت اچھا ہے تاکہ پہلے وقت میں فراغت حاصل کر کے پورا دن اس کی فکر سَر پَر سوار رہنے سے حفاظت رہے۔

(۱۴)...... ووٹ ڈالنے کے لیے قطار میں کھڑے ہو کر اپنی باری کا انتظار کیجیے، کوئی مجبوری ہو تو انتظامیہ یا قطار میں موجود لوگوں سے درخواست یا اپنا عذر پیش کر کے باری سے پہلے ووٹ ڈالنے کی اجازت حاصل کر لیجئے۔

(۱۵)...... ووٹوں کے مخصوص کاغذ یعنی بیلٹ پیپر پر جس انتخابی نشان پر آپ مہر لگانا چاہتے ہوں، اس نشان کے لئے بنائے گئے ڈبے (نام یا انتخابی نشان) کے اندر مہر لگایئے، دو ناموں یا دو نشانوں کے درمیان میں مہر لگانے سے ووٹ ضائع ہوجاتا ہے۔

(۱۶)...... بیلٹ پیپر پر اپنے منتخب کردَہ انتخابی نشان پر مہر لگانے کے بعد اُس پیپر کو (چوڑائی کے بجائے) لمبائی کے رُخ میں بند کر کے مخصوص بکس میں ڈال دیجئے، تاکہ مہر کے نشان کا عکس کسی دوسرے انتخابی نشان پر آ کر آپ کے ووٹ کو ضائع نہ کر دے۔

(۱۷)...... ووٹ ڈالنے کے بعد بلاضرورت اس بات کی تشہیر نہ کیجیے کہ آپ نے ووٹ کس کے حق میں استعمال کیا ہے، اور نہ ہی کسی دوسرے پر طعن و تشنیع کیجئے کیونکہ بسااوقات اس

سے بُغض وعداوت اور بھاری نقصان ہوجاتا ہے۔

(۱۸)...... اگر ایک مرتبہ ووٹ ڈال چکے ہیں، تو دوسری مرتبہ جعلی ووٹ ہرگز نہ دیجئے، کیونکہ یہ شرعاً وقانوناً جرم اور گناہ کی بات ہے۔

(۱۹)......کسی فرد یا جماعت کو ووٹ دینے پر روپیہ پیسہ اور عہدہ وغیرہ طلب مت کیجئے، ورنہ یہ مال ومنصب حلال نہ کہلائے گا۔

(۲۰)...... ووٹ کی ذمہ داری سے فراغت کے بعد اللہ تعالیٰ سے خیروعافیت اور ملک وملت کے خیرخواہ وہمدرد، منصف وعادِل حکمرانوں کے حاصل ہونے کی اللہ سے دعاء کیجیے، اور نتائج کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کردیجئے۔

نوٹ: اگر مسلمان آپس میں مل کر ایک خیرخواہ اور صاحبِ علم لوگوں کی جماعت تشکیل دے لیں، اور پھر وہ جماعت خوب غور وفکر اور تحقیق کے بعد عام مسلمانوں کے سامنے مختلف مقامات پر کھڑے امیدواروں میں سے دوسرے کے مقابلہ میں بہتر امیدوار کی نشاندہی کردیا کرے، تو اس سے عوام کے لئے بہت سہولت ہوسکتی ہے، مگر آج کل افراتفری کے دور میں اس کا انتظام مشکل ہے، البتہ انفرادی طور پر مسلمانوں کے مقتداؤں کو دیانت داری کے ساتھ اپنے اپنے حلقوں میں حکمت کے ساتھ نشاندہی کرنے میں حرج نہیں۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

اللہ تعالیٰ اپنی رضا کے مطابق حکمرانوں اور عوام کو اپنی اپنی ذمہ داری پوری کرنے اور اس سلسلہ میں کوتاہی کا ارتکاب کرنے سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

فقط

محمد رضوان

25 / جمادی الاولیٰ/۱۴۳۴ھ 7 / اپریل/2013ء بروز اتوار

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

ضمیمہ

مروّجہ ہڑتالوں اوراحتجاجوں کاحکم

قرآن وسنت میں تفصیل اوردلائل کے ساتھ حکمرانوں اورعوام ورعایا کے حقوق وذمہ داریوں اوران کے صحیح اور غلط اعمال اور رویہ کی نشاندہی کردی گئی ہے، اور ظالم وفاسق بلکہ کافر حکمرانوں اورعوام کے بارے میں بھی قیمتی ہدایات بیان کردی گئی ہیں۔

مگر بہت سے مسلمانوں کوقرآن وسنت کی ان قیمتی ہدایات وتعلیمات سے اولاً تو واقفیت نہیں اورواقفیت ہے بھی توان پرعمل نہیں، جس کے نتیجہ میں ہم آج دیکھتے ہیں کہ ظالم وگناہ گاراور غیرمسلم حکمرانوں یا جماعتوں کے خلاف اوران کا مقابلہ کرنے کے لئے قرآن وسنت میں بیان کردہ تدبیروں کے بجائے، دوسری مختلف قسم کی تدابیراورطریقے اختیارکیے جاتے ہیں اوراس غرض کے لئے مختلف تحریکیں اور تنظیمیں تشکیل وترتیب دی جاتی ہیں جن میں عوام اوراہلِ علم کی بڑی تعداداور بعض اوقات عورتوں کی نفری بھی شریک ہوتی ہے۔

کبھی مختلف طرح کے احتجاج اور ہڑتالیں کی جاتی ہیں، کاروبار بنداور معطل رکھے جاتے ہیں، راستوں پر رُکاوٹیں قائم کی جاتی ہیں، مختلف اشیاء کو آگ لگائی جاتی ہے، توڑ پھوڑ کرکے سرکاری وغیرسرکاری املاک تباہ کی جاتی ہیں، پتھراؤاور گھیراؤ کیا جاتا ہے، اورلوگوں پر جبرکرکے ایذاء پہنچائی جاتی ہے، گرفتاری دے کرقیدی بنا جاتا ہے، بھوک ہڑتال کے عنوان سے فاقہ کشی کی جاتی ہے، اور مارچ کے عنوان سے حکومتی وسرکاری اداروں کا گھیراؤ کیا جاتا ہے، کبھی خونی انقلاب کا نعرہ لگاکرحکومت کے ساتھ خطرناک ٹکراؤ کیا جاتا ہے، اوران چیزوں کے نتیجہ میں مال اور وقت کے علاوہ اپنی اور دوسرے مسلمانوں کی قیمتی جانیں بھی ضائع چلی جاتی ہیں، کبھی جیل بھروتحریک چلتی ہے، جس میں بخوشی گرفتار ہوکر جیلوں میں جاتے ہیں، کبھی کسی شخصیت کے پتلے بنا کران کوآگ لگائی جاتی ہے، یاان کوپیروں تلے روندا

جاتا ہے، کبھی کسی ملک کے پرچم نذرِ آتش کئے جاتے ہیں، کبھی بائیکاٹ کیا جاتا ہے۔

مگران سب کوششوں کا نتیجہ اور حاصل عام طور پر مفید و مؤثر اور دیرپا سامنے نہیں آتا، اور اوپر سے ان نتائجِ بد کا ذمہ دار بھی جوشیلے اور جذباتی طبقہ کی طرف سے سنجیدہ، اور صبر وتحمل اور بردباری کو اختیار اور اس کی تلقین کرنے والے حضرات کو قرار دیا جاتا ہے۔

اور ان چیزوں کے مقابلہ میں شریعتِ مطہرہ نے جو اصلی تدابیر اور اصل حل بیان کیا ہے، ان کو اختیار نہیں کیا جاتا، اور جب ان مخترع تدابیر کا کوئی مفید اثر ظاہر نہیں ہوتا اور کوئی بہتر نتیجہ برآمد نہیں ہوتا بلکہ اکثر وبیشتر الٹا نقصان ہی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، تو پھر کسی اور نئے طریقے اور نئی تدبیر کی سوجھتی ہے، اور پھر اس میں لگ کر اپنی جان، مال اور وقت کو قربان کیا جاتا ہے، مگر اس میں بھی ناکامی اور خسارہ ونقصان کے علاوہ کچھ ہاتھ نہیں آتا، اور سلسلہ اسی طرح چلتا رہتا ہے، جس کے نتیجہ میں بعض لوگوں کو قرآن وسنت میں بیان کردہ اسلام اور مسلمانوں کے غلبہ کے وعدہ پر شک وشبہ ہونے لگتا ہے، اور کافروں کے سامنے جگ ہنسائی الگ ہوتی ہے۔

مگر مسلمان ایسے موقع پر یہ بھول جاتے ہیں کہ قرآن وسنت کا وعدہ اپنی جگہ برحق ہے، کوئی کسر اور کوئی کمی ہمارے اندر یا ہماری اختیار کردہ تدبیروں اور طریقوں میں ہے، جیسا کہ کسی نے کہا ہے۔

وعدۂ غلبہ ہے مؤمن کے لئے قرآن میں ~ پھر جو تُو غالب نہیں کچھ ہے کسر ایمان میں

حالانکہ بہت پہلے قرآن وسنت میں ایسے حالات کے احکام کی وضاحت کردی گئی تھی، اُن کو اختیار کرنا چاہیئے، خواہ بظاہر اُن میں کوئی فائدہ نظر نہ آرہا ہو، لیکن مسلمانوں کے لئے درحقیقت کامیابی کا راستہ بالآخر وہی ہے جو قرآن وسنت میں بیان کردیا گیا ہے۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ قرآن وسنت میں بیان کیے ہوئے طریقوں سے جو فوائد حاصل ہوتے ہیں، وہ دُوررَس اور پائیدار و مستحکم ہوتے ہیں، اور اس کے برعکس دوسرے طریقوں سے اوَّلاً تو فوائد حاصل نہیں ہوتے، بلکہ نقصان اور خسارہ کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور اگر کچھ

فوائد حاصل بھی ہوتے ہیں، تو وہ جزوی اور عارضی فوائد ہوتے ہیں۔ [1]

جبکہ بعض اوقات کوئی فائدہ تو حاصل ہوجاتا ہے، مگر ساتھ ہی کچھ گناہ اور مفاسد بھی لازم آجاتے ہیں، حالانکہ اگر کوئی کام گناہ ہو، یا بذاتِ خود تو جائز ہو مگر اس میں منکرات اور خرابیاں شامل ہوجائیں، یا اس کی وجہ سے مفاسد وخرابیاں لازم آتی ہوں، تو کسی جزوی فائدہ حاصل ہونے سے وہ کام جائز نہیں ہوجاتا، جیسا کہ شراب میں بعض فائدے بھی ہیں،

---

[1] حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ:

''اگر مقصود ترقی ہے اور چاہتے ہو کہ قوم کی فلاح اور بہبود کا سامان ہو اور اسی کے لئے تم یہ سب کچھ کر رہے ہو تو عقل کے دشمنو جیسے تم یہ مخترع (من گھڑت) تدابیر اختیار کر رہے ہو اور تجربہ سے غلط ثابت ہو رہی ہیں آخر خدا اور رسول کی بتلائی ہوئی تدابیر سے تم کو کیوں ضِد اور نفرت ہے اور ان کو کیوں نہیں اختیار کرتے، چند روز کے لئے ان کو بھی تو باعتقادِ دین نہیں بلکہ تدابیر ہی کا درجہ سمجھ کر اختیار کر کے تو دیکھ لو یعنی اگر اس خیال سے اختیار کرنے کی ہمت نہ ہو کہ ان کا دین میں کیا درجہ ہے اور اس پر خدا اور رسول کی خوشنودی ہوگی تو محض بطور امتحان ہی کے کر کے دیکھ لو، اسی کو مولانا فرماتے ہیں:

سالہا تو سنگ بودی دل خراش آزمورں ایک زمانہ خاک باش

بہت دن بتوں کی پرستش کرتے ہوئے ہوگئے سوائے ذلت اور خواری کے کچھ پلّے نہ پڑا، اب ذرا خدا کو راضی کر کے اور ان کے سامنے ناک ماتھا رگڑ کر دیکھ لو میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ چند روز میں کایا پلٹ ہوجائے گی اسی کی تعلیم ہے ؎ چند خوانی حکمتِ یونانیاں حکمتِ ایمانیاں راہم بخواں

اور وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ بات تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ بدون مشروع تدابیر کے (شرعی تدبیروں کے بغیر) اختیار کیے ہوئے مسلمانوں کی فلاح اور بہبود مشکل بلکہ محال (ناممکن) ہے اور یہ میرا دعویٰ بلا دلیل نہیں اور دلیل بھی ایسی کہ جس کا تم مشاہدہ کر رہے ہو کہ اس وقت تک غیر مشروع تدابیر (غیر شرعی طریقوں کے) اختیار کرنے پر تم کو ناکامی ہی ناکامی رہی، بھلا غیر مشروع تدابیر (غیر شرعی طریقوں) میں خیر و برکت کہاں؟ کیونکہ سب اسباب تو انہی کے قبضۂ قدرت میں ہیں، بدون (بغیر) ان کی مشیت کے نِری تدابیر واسباب سے ہوتا کیا ہے، اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

خاک و باد و آب و آتش بندہ اند با من وتو مردہ باحق زندہ اند

(خاک، ہوا، پانی، آگ سب خدا کے بندے ہیں، ہمارے تمہارے سامنے مردہ ہیں مگر حق تعالیٰ کے سامنے زندہ ہیں)

اور ان کی مشیت اہلِ ایمان کے لئے عادتاً بدون (بغیر) رضا کے ہوتی نہیں پھر کامیابی کہاں؟ اگر تم نے یہ طریقہ اختیار نہ کیا تو تمہاری ان تدابیرِ غیر مشروع (غیر شرعی طریقوں) پر یہ حالت ہوگی کہ بجائے کسی بہبود اور فلاح (کامیابی و کامرانی) کے خسارہ ہی خسارہ (ناکامی اور نقصان ہی) ہوگا'' (ملفوظات الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ جلد نمبر ۵ ص ۱۱۲ و ۱۱۳، ملفوظ نمبر ۱۱۶)

لیکن اس کے باوجود وہ گناہ ہے۔ ۱؎

ان حالات میں منکرات ومفاسد اور خرابیوں کو نظر انداز کر کے جزوی اور عارضی فوائد سے متاثر ہونا، اور ان کے وظیفے پڑھتے رہنا یا گُن گاتے رہنا، دین کے کمزور ہونے کی نشانی ہے، جس پر حقیقی اور دیرپا کامیابی کا مرتب ہونا ممکن نہیں۔ ۲؎

۱؎ چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''تحریکات کی مصالح (فوائد) مسلَّم سہی مگر حدودِ شرعیہ کا اتباع تو ہم پر ہر وقت اور ہر حالت میں فرض ہے اور احکامِ شرعیہ ہر وقت اور ہر حالت میں واجبُ العمل ہیں'' (ملفوظات الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ جلد نمبر ۳ ص ۲۳۷ و ۲۳۸، ملفوظ نمبر ۳۸۲)

''اگر پچاس دنیوی مصلحتیں (یعنی دنیا کے فائدے) ہوں اور ایک دینی مفسدہ (یعنی دینی نقصان) ہو تو مفسدہ (نقصان) ہی غالب سمجھا جاوے گا، عرض کیا گیا کہ جن نصوص (قرآن وحدیث) میں جہاد کا حکم ہے یا صبر کا اس کے اعتبار سے حکم منصوص (یعنی قرآن وحدیث کا حکم) ہوتے ہوئے اپنی رائے سے اس کے خلاف ایک طریقہ کا اختیار کرنا کہ نہ وہ جہاد ہے نہ صبر ہے یہ مسکوت عنہ (یعنی ایسا کام کہ جس سے نہ شریعت نے منع کیا اور نہ ہی اس کا حکم دیا، بلکہ سکوت رکھا) ہوگا یا اس کو منہی عنہ (ممنوع) کہیں گے، جواب فرمایا کہ باوجود ایسی ضرورتیں واقع ہونے کے متقدمین نے جب اس کو ترک کیا اختیار نہیں کیا تو یہ اجماع ہوگیا اسکے ترک پر، اس لئے ممنوع ہوگا، یہ احتمال بھی نہ رہا کہ نصوص کو مأول یا معلل کہہ لیا جاوے (یعنی قرآن وحدیث میں بیان کئے ہوئے دلائل میں کوئی تاویل کر کے یا کوئی علت نکال کر معنیٰ کچھ اور مراد لے لئے جاویں)'' (ملفوظات الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ جلد نمبر ۵ ص ۱۵۶، ۱۵۷ ملفوظ نمبر ۱۵۱)

''ان تحریکاتِ حاضرہ (موجودہ تحریکات) میں مصالح (فوائد) سے زائد مفاسد (نقصانات) ہیں اور مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک مفسدہ (نقصان) ہو اور پچاس مصلحت (فوائد) ہوں وہاں مفسدہ ہی غالب سمجھا جائے گا نہ کہ جہاں مفاسد غالب ہوں وہاں جواز کا حکم کیسے ہوسکتا ہے، طیب اور خبیث کا مجموعہ خبیث ہی ہوگا'' (ملفوظات الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ جلد نمبر ۵ ص ۱۹۹)

۲؎ دین میں دنیوی مصالح سے متاثر ہونا سب کمزوری کی باتیں ہیں بڑی چیز دین ہے، یہ محفوظ رہے خواہ تمام مصالح بلکہ سارا عالم فنا ہوجائے کچھ پرواہ نہیں (ملفوظات الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ جلد نمبر ۲ ص ۳۸۹ ملفوظ نمبر ۶۴۰)

''مصالح میں مفاسد ومنکرات کے انضمام کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ مصلحت واجبُ التحصیل نہ ہو تو اس کا چھوڑنا جائز تو ہر حال میں ہے اور کبھی مستحب اور کبھی واجب بھی ہوجاتا ہے، اور اگر واجبُ التحصیل ہو، اختلافاً یا اتفاقاً تو وہاں اس واجب کو بلا عذر ترک نہ کریں گے، لیکن اختلافی میں یہ عدمِ جوازِ ترک اختلافی ہوگا مگر اُن مفاسد پر ہر حال میں انکار کریں گے، اور جس درجے کا مَفسدہ ہوگا، اُسی درجے کا انکار واجب ہوگا، اور اگر کوئی عذر ہو تو اعتقاداً اتفاق واجب ہوگا اور عملاً معتقد عذر معذور ہوگا'' (اشرف السوانح جلد ۳ صفحہ ۱۷۶، المسئلۃ السادسۃ عشر، مضمون رابع ''الروضۃ الناضرۃ فی المسائل الحاضرۃ)

مروَّجہ احتجاجوں وہڑتالوں کے مفاسد ومنکرات

آج کل حکومت کے خلاف جو ہڑتالیں اور احتجاج یا مارچ کیئے جاتے ہیں، اُن میں سے بہت سی چیزیں تو ایسی ہیں کہ جن کا قرآن وسنت میں کوئی ذکر نہیں پایا جاتا، بلکہ اس سے بڑھ کر بہت سی تدبیریں اور چیزیں غیر قوموں سے لی گئی ہیں، اور تعجب کی بات یہ ہے کہ جن قوموں کے خلاف ان تدابیر اور چیزوں کو اختیار کیا جاتا ہے، اور جدوجہد کی جاتی ہے، وہ تدبیریں اور چیزیں بھی ان غیر اقوام کی ایجاد کردہ اور ان ہی سے لی گئی ہیں، اور باوجودیکہ خیرُ القرون اور اسلاف کے زمانے میں بھی ان مقاصد کی ضرورت تھی، مگر پھر بھی ان طریقوں اور تدبیروں کو اختیار نہیں کیا گیا۔ [1]

---

[1] چنانچہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''میں دیکھتا ہوں کہ ان نئی چیزوں میں اکثر میں نور نہیں بلکہ ظلمت محسوس ہوتی ہے، اب یہ تحریکاتِ حاضرہ (موجودہ دور کی تحریکات) ہی ہیں ان کے سوچنے سے قلب (دل) پر ظلمت اور کدورت معلوم ہوتی ہے، جس کی وجہ یہی ہے کہ اصولِ اسلام اور احکامِ اسلام پر اس کی بنیاد نہیں اس لئے اس میں ظلمت ہے''

(ملفوظات الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ ج۳ ص۳۲۱)

''لوگ کہتے ہیں کہ پرانی باتوں کو چھوڑ دینا چاہئے اب زمانہ ترقی کر رہا ہے نئی باتیں اختیار کرنا چاہئے، صاحب پرانی باتوں میں نور ہے، برکت ہے اور پرانی تو زمین بھی ہے، آسمان بھی ہے ان کو بھی چھوڑ دو اور خود اپنا وجود بھی تو پرانا ہوگیا اس کو بھی چھوڑ دو، کیا لغو باتیں ہیں کام کی چیز تو پرانی ہو کر ایسی ہو جاتی ہے''

(ملفوظات الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ جلد نمبر۴ ص۳۳، ملفوظ نمبر۳۲)

''جن چیزوں کی حاجت (ضرورت) خیر القرون میں نہ ہوئی ہو اور خیر القرون کے بعد حاجت پیش آئی ہو اور نصوص (قرآن وحدیث) ان کے خلاف نہ ہوں وہ تو مسکوت عنہا (یعنی ایسی چیز جس پر شریعت نے کوئی حکم نہ لگایا ہو بلکہ سکوت رکھا ہو) ہوسکتی ہیں لیکن ان چیزوں کی تو حاجت ہمیشہ ہی پیش آتی رہی پھر بھی نصوص (قرآن وحدیث) میں صرف جہاد یا صبر ہی کا حکم ہے تو اس اعتبار سے یہ مسکوت عنہ (جس پر شریعت نے کوئی حکم نہیں لگایا) نہ ہوگا (بلکہ) منہی عنہ (ممنوع) ہوگا کہ باوجود ضرورت کے متقدمین نے اس کو ترک کیا اختیار نہیں کیا تو اجماع ہوا اس کے ترک پر اس لئے ممنوع ہوگا۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

البتہ اُن میں سے بعض چیزوں کو کوشش وتاویل وغیرہ کر کے مباح وجائز قرار دیا جاسکتا ہے، لیکن ان میں بھی اگر غلو کیا جائے اور اللہ تعالیٰ سے نظر ہٹا کر انہیں چیزوں پر کامیابی وترقی کا مدار رکھا جائے، یا ان کو بذاتِ خود سنت وثواب یا اس سے بھی بڑھ کر لازم اور ضروری سمجھا جائے، یا ان کے ساتھ غیر شرعی اور گناہ کی چیزوں کو شامل کر لیا جائے، تو پھر ان کو مباح وجائز بھی قرار نہیں دیا جاسکتا، بلکہ ناجائز قرار دیا جائے گا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

علاوہ ان سب باتوں کے ایک یہ بات باریک ہے جس کو سمجھ لینے کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ ہر کام کرنے کے لئے حدود کی ضرورت ہے ان تحریکات میں بھی ضرورت ہے سو اس (حدود کی رعایت) کا تحفظ کون کرے گا یا کون کرائے گا؟.......... اگر تدابیرِ جدیدہ (موجودہ نئے طریقے اور تدبیریں) جائز بھی ہوں تب بھی اس کی ضرورت ہے کہ کوئی امیر ہو، تاکہ حدود کی رعایت خود بھی کرے اور دوسروں سے بھی کرائے بلا امیر کے کچھ نہیں ہوسکتا'' (الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ ج ۱ص ۱۱۰،۱۱۱، ملفوظ نمبر ۱۱۶)

[1] چنانچہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''تدابیر کو کون منع کرتا ہے تدابیر کریں لیکن (شرعی) حدود میں رہ کر۔ البتہ تدابیر غیر مشروعہ غیر منصوصہ (غیر شرعی اور قرآن وسنت میں بیان کیے ہوئے طریقوں کے خلاف) سے منع کیا جاتا ہے۔ اسی طرح تدابیرِ مباحہ (یعنی جائز طریقوں) میں غلو (حد سے آگے بڑھنے) سے منع کیا جاتا ہے کیونکہ غلو فی التدبیر (تدبیر اور سبب میں حد سے تجاوز کرنے) سے (اللہ تعالیٰ پر) توکل ضعیف ہو جاتا ہے۔ اور یہ ضعفِ توکل (توکل کا کمزور ہونا) تو تدابیرِ مباحہ (جائز طریقوں) میں غلو کرنے کا اثر ہے اور تدابیرِ غیر مشروعہ (غیر شرعی طریقوں) پر عمل کرنے اور پھر اس پر غلو کرنے (حد سے آگے بڑھنے اور منہمک ہونے) کا جو نتیجہ ہوگا وہ اظہر من الشمس (سورج کی روشنی سے بھی زیادہ ظاہر) ہے جس کا ہر شخص خود ہی فیصلہ کرسکتا ہے کہ پھر اس میں خیر وبرکت کہاں، نور کہاں؟ جب یہ (خیر وبرکت اور نور) نہیں تو مقصود میں کامیابی کیسی؟ اس لئے کہ بدون نصرتِ حق اور اعانتِ حق (یعنی بغیر حق تعالیٰ کی مدد ونصرت) کے منزلِ مقصود پر پہنچنا ایک امرِ محال (ناممکن سی بات) ہے اور اس حالت میں (یعنی غیر شرعی طریقوں کو اختیار کرنے، یا جائز طریقوں میں غلو کرنے اور ان میں منہمک ہونے کی صورت میں) نصرتِ حق کہاں۔ یہاں ایک مولوی صاحب آئے تھے بہت جوشیلے آدمی ہیں ساتھ ہی میں نیک نیت بھی ہیں۔ تحریکاتِ حاضرہ میں نہایت سرگرمی سے کام کر رہے تھے ان سے گفتگو ہوئی۔ میں نے کہا کہ مسلمانوں نے جو طریقہ کار اختیار کر رکھا ہے مجھ کو اس سے اختلاف ہے میں نے طریقہ کی قید اس لئے لگائی کہ مقاصدِ شرعیہ اور مسلمانوں کی فلاح اور بہبود سے کون ایسا مسلمان ہے جس کو اختلاف ہو۔ میں نے یہ بھی کہا کہ چونکہ مسلمانوں نے تدابیرِ غیر مشروعہ (یعنی غیر شرعی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

یہ بات تفصیل اور دلائل کے ساتھ پہلے ذکر کی جاچکی ہے کہ شریعت کی طرف سے کفار کے مقابلہ میں یا تو بعض صورتوں میں جہاد کا حکم دیا گیا ہے جبکہ مقابلہ کی قدرت ہو، یا صبر کا حکم دیا گیا ہے، جبکہ وہ کفار بھی محارِب ہوں، اور اگر وہ کفار محارِب نہ ہوں، بلکہ غیر محارِب ہوں، یعنی ان سے مصالحت ومعاہدہ وغیرہ ہو، تو ان کے حقوق کی تاکید بہت زیادہ بیان کی گئی ہے، اور ظالم وگنہگار حکمرانوں کے خلاف عموماً صبر ہی کا حکم دیا گیا ہے، اور بے صبری کی کسی بھی موقع پر اجازت نہیں دی گئی، اور اس قسم کے حالات میں حکمرانوں کی جائز کاموں میں اطاعت اور جائز قوانین کی پابندی اور اللہ کی طرف رجوع اور اپنے حقوق کی اللہ سے دعا کرنے اور اپنی اصلاح کا اہتمام کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

طریقوں) کو اپنی کامیابی کا زینہ بنایا ہے۔ اس صورت میں اول تو کامیابی مشکل ہے اور اگر ہو بھی گئی تو ہندوؤں (غیر مسلموں) کو ہوگی اور اگر مسلمانوں کو بھی ہوئی تو ہندونما (غیر مسلموں کی طرح کے) مسلمانوں کو ہوگی تم جیسے مسلمانوں کو کامیابی نہ ہوگی۔

اس پر ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت فلاں مسلمان لیڈر نے اپنی تقریر میں یہ بیان کیا کہ اسلام کوئی ضروری چیز نہیں۔ ضروری چیز ترقی ہے۔

اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کیوں بھیجا۔ فرعون تو ترقی یافتہ تھا اس میں کمی کس چیز کی تھی حتیٰ کہ خدائی کا دعویٰ کر رہا تھا کسر کس چیز کی تھی۔ ایمان ہی کی تو کسر تھی۔ عرض کیا کہ پھر کیا کرنا چاہیے۔ فرمایا کہ مسلمانوں کے واسطے جو زندہ ہیں ان کے لئے باہم اتفاق کی اور کفار پر غلبہ کی دعاء اور جو مردہ ہیں ان کے لئے مغفرت کی دعاء اور کچھ نہیں ہوسکتا میں یہ سب کچھ تجربات کی بناء پر عرض کر رہا ہوں۔ مسلمانوں کی موجودہ حالت پر نظر کر کے کہہ رہا ہوں میں یہ چاہتا تھا کہ قصبات اور دیہات میں کم سے کم مسلمانوں کی پنچائتیں قائم ہوجائیں یہ محض اس لئے کہ موقع اور وقت پر مدافعت (دشمنوں کا مقابلہ) کرسکیں اپنی حفاظت کرسکیں لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ سو یہ تو مسلمانوں کی حالت ہے جب اتنا بھی نہیں کرسکتے تو آگے ان سے کیا امید ہوسکتی ہے اور کیا ان کے بھروسہ کوئی کام کیا جاسکتا ہے ان تحریکات میں میری عدمِ شرکت (میری شرکت نہ کرنے) کی منجملہ اور وجوہ کے (یعنی دوسری وجوہات کے ساتھ ساتھ) ایک وجہ یہ بھی ہے یعنی مسلمانوں کی حالت سے کچھ امید نہ ہونا چنانچہ بہت سے حضرات نے کام کر کے تجربہ کرلیا اور تحریک سے علیحدگی اختیار کرلی'' (ملفوظات الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ جلد نمبر ۸ ص ۳۴۳، ۳۴۴، ملفوظ نمبر ۴۷۴)

البتہ بشرطِ قدرت زبان یا دل سے مخصوص طریقہ پر نہی عن المنکر کی بھی تعلیم دی گئی ہے، اور آج کل حکومت کے خلاف جو احتجاج اور ہڑتالیں کی جاتی ہیں، یہ شریعت میں بیان کردہ ان طریقوں سے میل نہیں کھاتیں، بلکہ قدم قدم پر شرعی احکام کی مخالفت کی جاتی ہے۔ [1]

(۱)...... بے صبری کا گناہ

ان احتجاجوں اور ہڑتالوں یا مارچوں میں بنیادی عنصر جو شامل ہوتا ہے، وہ بے صبری کا عنصر ہے، جس کے نتیجہ میں بڑے بڑے مفاسد اور فتنے لازم آتے ہیں، اور ان سب کا سدِ باب احادیث میں صبر کا حکم دے کر کیا گیا ہے، اور ظالم وگناہ گار حکمرانوں کے خلاف خروج اور بغاوت سے منع کیا گیا ہے، اور اس طرح کی حکومت کی اطاعت وفرمانبرداری کا حکم دیا گیا ہے، جب تک وہ گناہ کا کام نہ ہو، اور گناہ کے کام میں بھی اطاعت سے تو منع کیا گیا ہے، مگر خروج اور بغاوت کی پھر بھی اجازت نہیں دی گئی، البتہ حسبِ قدرت زبان یا دل سے گناہ پر

---

[1] چنانچہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''اگر قدرت ہے تو (کفار محاربین کے خلاف) تلوار لے کر غلبہ حاصل کرو منع کون کرتا ہے اور اگر اس کی قدرت نہیں جیسا کہ ظاہر ہے تو صبر کرو، حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

لا تلقوا بایدیکم الی التھلکة (اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو)

سارا مدار قوت اور قدرت پر ہے، جیسے نماز، روزہ فرض ہے (اسی طرح اسلامی) حکومت بھی فرض ہے لیکن اسی وقت جبکہ قدرت ہو اور عدمِ قدرت (قدرت نہ ہونے) پر ایسا کرنا اپنے کو ہلاکت میں پھنسانا ہے۔ اور (اِس وقت) کافی قدرت کا نہ ہونا اظہر من الشّمس (سورج سے بھی زیادہ ظاہر) ہے۔ اور (اِس وقت) جتنی قدرت (حاصل) ہے اس کی بالکل ایسی مثال ہے کہ کسی نے دیا سلائی جلائی اور اس پر دوسرے نے ہاتھ رکھ دیا بجھ گئی۔ ایسی قوت اور قدرت سے کیا کام چل سکتا ہے'' (ملفوظات الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ جلد نمبر ۸ ص ۳۳۰ و ۳۳۱ ملفوظ نمبر ۴۶۷)

''اگر کسی ظالم کے مقابلے میں قدرت ہو تو ضرب یضرب (یعنی جہاد وقتال) پر عمل ہو اگر قدرت نہ ہو تو صَبَرَ یَصۡبِرُ (یعنی صبر) پر عمل ہو، یہ بیچ کی صورت جس کو ستیہ گرہ (حکومت کے خلاف پُر امن تحریک) کہا جاتا ہے اس کا کوئی ماخذ سمجھ میں نہیں آتا'' (ملفوظات الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ جلد نمبر ۵ ص ۳۰۱ ملفوظ نمبر ۳۲۶)

نکیر کا حکم فرمایا گیا ہے، مگر اس میں بھی ایسی قید لگائی گئی ہے کہ اس کے نتیجہ میں نہ تو عوام میں بغاوت ونافرمانی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اور نہ حکومت کے ساتھ ٹکراؤ کی شکل پیدا ہوتی ہے، وہ یہ کہ حکمرانوں کو نکیر علیحدگی میں کی جائے، نہ کہ برسرِ بازار اور مجمع میں، اور ہڑتالوں اور احتجاجوں میں قدرت نہ ہونے کے باوجود صبر کے بجائے ایسے طریقے اختیار کئے جاتے ہیں، جن میں بلاوجہ اپنے آپ اور دوسروں کو ضرَر ونقصان میں مبتلا کرنا لازم آتا ہے۔

اس کی تفصیل اور اس سلسلہ میں بے شمار احادیث ''حکمرانوں کے حقوق اور عوام کی ذمہ داریوں'' کے ضمن میں نقل کی جاچکی ہیں۔ [1]

---

[1] حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ: ''جتھے (کفار ومحاربین سے) مقابلے کے لئے جاتے ہیں اور گرفتار ہوتے ہیں، خاموش مقابلہ کرتے ہیں، اگر حکومت کی طرف سے تشدُّد بھی ہو تو تب بھی جواب نہیں دیا جاتا ان صورتوں کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟

آپ نے جواب میں فرمایا کہ: ''عقلی دو ہی احتمال ہیں یا تو (ان کافروں سے) مقابلے کی قوت ہے یا قوت نہیں اگر قوت ہے تو گرفتار ہونے کے کیا معنیٰ؟ مقابلہ کرنا چاہئے اور جب مقابلہ نہیں کرسکتے تو یہ صورت عدمِ قوت (قوت نہ ہونے) کی ہے جیسا کہ ظاہر ہے تو عدمِ قوت (قوت نہ ہونے) کی حالت میں قصداً ایسی صورت اختیار کرنے کی کہ خود ضرب وحبس (قید اور مار پٹائی) میں مبتلا ہو، شریعت اجازت نہیں دیتی، بلکہ بجائے ایسے مخترع (خود ساختہ) مقابلہ کے مکارہ (ناگوار اُمور) پر صبر سے کام لینا چاہئے، خلاصہ یہ کہ اگر قوت ہے مقابلہ کرو، اگر قوت نہیں صبر کرو، ان دوصورتوں کے علاوہ تیسری کوئی صورت منقول نہیں، تو کیا ان تدابیر کو مسکوت عنہ (یعنی ایسی چیز جس پر شریعت نے کوئی حکم نہیں لگایا) کہا جائے گا؟

فرمایا کہ مسکوت عنہ (یعنی ایسی چیز جس پر شریعت نے کوئی حکم نہیں لگایا) وہ ہوگا جس چیز کی ضرورت خیر القرون میں واقع نہ ہوئی ہو بلکہ خیر القرون کے بعد اس کی حاجت پیش آئی ہو، اور باوجود ضرورت پیش آنے کے یہ تدابیر خاص اختیار نہ کی گئیں، اس کو مسکوت عنہ (یعنی ایسی چیز جس پر شریعت نے کوئی حکم نہیں لگایا) نہ کہیں گے، منہی عنہ (ممنوع) کہیں گے۔ اس میں ہم لوگوں کو اجتہاد کی گنجائش نہیں، اب اس قاعدہ کے بعد یہ سمجھو کہ خیر القرون میں زیادہ وقت اسی قسم کا گزرا اور بہت زیادہ ضرورتیں مخالفین کے مقابلے کی پیش آئیں مگر باوجود ضرورت کے اور ضرورت بھی سخت ضرورت، پھر بھی ان تدابیر کو اختیار نہیں کیا گیا تو یہ تدابیر منہی عنہ (ممنوع) ہوں گی نہ کہ مسکوت عنہ (یعنی ایسی چیز جس پر شریعت نے کوئی حکم نہیں لگایا)''

(ملفوظات الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ جلد نمبر ۵ ص ۱۹۴ و ۱۹۵)

حضرت سے ایک موقع پر سوال کیا گیا کہ: ''کشمیر پر جو مسلمانوں کے جتھے جارہے ہیں اُن کا وہاں

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

یہ بات یاد رکھی جائے کہ مسلمان خواہ خوشی ومسرت کی حالت میں ہوں، یا غم وغصہ اور صدمہ کی حالت میں، شرعی احکام کی پابندی ہر حال میں لازم ہے، غم وغصہ یا صدمہ میں مبتلا ہو کر شرعی احکام کو توڑنا اور بے صبری کا مظاہرہ کرنا ہرگز بھی جائز نہیں ہو جاتا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

پر جا کر لڑنا مقصود نہیں، صرف حکومت پر اثر ڈالنا ہے، یہ صورت شرعاً کیسی ہے''؟

آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ: ''یہ شرعی لڑائی تو ہے نہیں، اب دو ہی صورتیں ہیں، یا قتال پر قدرت ہے یا عجز؟ اگر قدرت ہے تو قتال اور اگر قدرت نہیں تو صبر، درمیان میں اور کوئی چیز نہیں ہے، نہ یہ درمیانی صورتیں سمجھ میں آتی ہیں اور نہ آج کل کی درمیانی صورتیں اسلامی صورتیں ہیں، سب دوسری قوموں کی تقلید ہے''

آپ سے سوال کیا گیا کہ: ''اِس وقت کے زمانے کے لحاظ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ کمزور کو قوی کے مقابلہ میں اسی صورت سے کامیابی ہوسکتی ہے، یعنی پبلک حکومت کا مقابلہ اسی صورت سے کرسکتی ہے''؟

اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ: ''یہ نصوص کے مقابلہ میں اجتہاد ہے، اور اجتہاد کا ہم کو حق نہیں، میں نے جو دو صورتیں بیان کیں یہ تو منصوص ہیں اور آپ جو تدابیر اور طریق کار بیان کر رہے ہیں، یہ اس مضمون کا معارِض (ومقابل) ہے، اسی لیے یہ طریق سلف سے منقول نہیں'' (الافاضات الیومیہ ج ۱ص ۱۰۳ملفوظ نمبر ۱۱۶)

آپ سے ایک سوال یہ کیا گیا کہ: ''لڑ تو سکتے نہیں، پھر کیا صورت ہو''؟

اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ: ''جو میں عرض کر رہا ہوں، وہ منصوص ہے، اسی پر عمل کریں، یعنی قدرت کو دیکھ لیں، اگر قدرت اور قوت ہے تو بجائے جتّھے بھیجنے کے قتال کریں، جہاد کریں، تلوار ہاتھ میں لیں، لڑیں۔ اور اگر قدرت نہیں، جیسا کہ ظاہر ہے، صبر کریں، نیز عجز کی صورت میں یہ بھی ہوگا کہ آئندہ اگر کوئی ضرر پیش آیا تو اس کے برداشت کی بھی قوت نہ ہوگی اور جس ضرر سے بچنے کی قدرت نہ ہو یا مشکل ہو، اس میں نہ پڑنا چاہیے۔

حضرت رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ: پھر کیا صورت ہے کشمیر کے مسلمانوں کی امداد کی؟

آپ نے جواب میں فرمایا کہ: یہ صورت ہے کہ وہاں جا کر اُن کو (شرعی احکام پر عمل پیرا ہونے کی) تبلیغ کی جائے اور آپس میں اتحاد کی ترغیب دی جائے، اور جب قوت ہو جائے، لڑیں، جہاد کریں۔

اس پر حضرت سے سوال کیا گیا کہ: دروازہ پر ہی روک لیا جاتا ہے، گرفتار کرلیا جاتا ہے، اندر جانے ہی نہیں دیا جاتا۔

آپ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ: ''آپ ہی دیکھ لیجئے کہ ایسی حالت میں آپ سے کشمیر کے مسلمانوں کو کیا امداد پہنچ سکتی ہے جبکہ وہاں تک پہنچنے پر بھی قدرت نہیں۔ جتھوں کا جیل میں جانا، پٹنا، بھوک ہڑتال وغیرہ کرنا خود کشی کے مرادف (برابر) ہے اور اگر خود کشی سے کسی کو فائدہ پہنچے تب بھی تو باوجود موجب فوائد (فائدہ مند) ہونے کے جائز نہیں، چہ جائیکہ کوئی فائدہ بھی نہ پہنچے، تو اس کا درجہ ظاہر ہے یعنی اگر یہ معلوم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مگر ایک عرصہ سے دیکھنے میں آ رہا ہے کہ ہمارے معاشرہ میں احتجاج اور ہڑتال کے دوران پُرامن وپُرسکون رہنے کی شرط پر عام طور سے عمل نہیں ہوتا، اور قتل، آتشزدگی، توڑ پھوڑ، جلاؤ گھیراؤ اور لوٹ مار اور اس سے بڑھ کر اپنے آپ کو ضرر وہلاکت میں مبتلا کرنے کے واقعات ضرور رونما ہوتے ہیں۔

اس قسم کی سب چیزیں بے صبری کا نتیجہ ہیں، جن سب کے بارے میں احادیث میں بار بار صبر کا حکم دے کر اس قسم کے سب فتنوں کا سدِ باب کر دیا گیا ہے۔

(۲)...... جوش، زبردستی، ایذاء رسانی اور املاک کی تباہی

ان ہڑتالوں اور احتجاجوں میں جو لوگ شریک ہوتے ہیں، ان میں اکثر وبیشتر تربیت وتہذیب یافتہ لوگ نہیں ہوتے، اور ان کے جذبات وخیالات اعتدال کے سانچے میں ڈھلے ہوئے نہیں ہوتے۔ [۱]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

ہوجائے کہ خودکشی کرنے سے کفار پر اثر ہوگا تو کیا خودکشی کرنا جائز ہوجائے گا؟ اور یہ جیلوں میں جانا اور بھوک ہڑتال کرنا کیا خودکشی کا مرادف (جیسا) نہیں ہے، اگر کوئی نفع بھی خودکشی پر مرتب ہو تو یہ خود ہی اتنا زبردست نقصان ہے کہ جس کا پھر کوئی بدل ہی نہیں، حضرت ہر منفعت (فائدہ) کا اعتبار نہیں، اس کی تو بالکل ایسی مثال ہے کہ کوئی شخص یوں کہے کہ فلاں شخص کی جان بچ سکتی ہے اگر تم کنویں میں گر جاؤ، تو اُس کی جان بچانے کی غرض سے کیا کنویں میں گر جانا جائز ہوگا؟'' (الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ ج۱ص ۱۰۶، ۱۰۷ ملفوظ نمبر ۱۱۶)

[۱] حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''نصوص سے خود معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی جماعت کفار کے مقابلے میں اکثر مواقع میں اس قدر کم ہوتی تھی کہ ملائکہ کا جوڑ لگایا جاتا تھا۔ چنانچہ ارشاد ہے: وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا

اور ارشاد ہے: بَلٰىٓ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ الٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ (سورۃ آلِ عمران آیت نمبر ۱۲۵)

اور یہ صورت ملائکہ کی مکہ میں رہتے ہوئے بھی ممکن تھی مگر پھر بھی اس صورت کو اختیار کر کے وہاں اجازت نہ دی گئی تو اس کی کوئی اور وجہ بتلانی چاہیے۔ اہلِ ظاہر اس کی شافی وجہ نہیں بتلا سکتے۔

﴿ بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں ﴾

IdaraGhufran

اس لیے ہڑتال واحتجاج کے دوران قدم قدم پر نفس وشیطان کے حملوں کا شکار ہوجاتے ہیں، اور اسی وجہ سے شرکاء جوش وجذبات کا بے ہنگم استعمال کر کے کئی مفاسد اور منکرات میں مبتلا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

محققین نے فرمایا ہے کہ اصل بات یہ تھی کہ مکہ میں عام مسلمانوں کے اندر اخلاقِ حمیدہ، اخلاص وصبر وتقویٰ وغیرہ کامل طور پر راسخ نہ ہوئے تھے، اس وقت اگر اجازت قتال کی ہوجاتی تو سارا مقابلہ جوش غضب وانتقام للنفس کے لیے ہوتا، محض اخلاص واعلاءِ کلمۃُ اللہ کے لیے نہ ہوتا، اور اس حالت میں وہ اس قابل نہ ہوتے کہ ملائکہ کی جماعت سے اُن کی امداد کی جائے، اور حمایتِ الٰہی اُن کے شاملِ حال ہو۔ چنانچہ آیتِ مذکورہ میں بَلٰٓی اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا کی شرط بتلا رہی ہے کہ حمایتِ الٰہی اُسی وقت متوجہ ہوتی ہے جبکہ مسلمان صبر وتقویٰ میں راسخ ہوں (اور تقویٰ کے معنیٰ ہیں: احتراز عمانهى الله عنه، و امتثال ماأمر به. جس میں اخلاص اور احتراز عن الریاء وعن شائبۃ النفس بھی داخل ہے) اور مدینہ میں پہنچ کر یہ اخلاق راسخ ہوگئے تھے۔ مہاجرین کو مکہ میں رہنے کی حالت میں کفار کی ایذاء پر صبر کرنے سے نفس کی مقاومت سہل ہوگئی، نیز قوتِ غضبِ نفسانی ضعیف بلکہ زائل ہوگئی تھی۔ پھر ہجرت کے وقت جب انہوں نے اپنے وطن واہل وعیال ومال ودولت سب پر خاک ڈال دی، تو اُن کی محبتِ الٰہی کامل ہوگئی، اور محبتِ دنیا اُن کے قلب سے بالکل نکل گئی۔ انصارِ مدینہ نے مہاجرین کے ساتھ جو سلوک کیا اس سے ان کے قلوب بھی محبتِ الٰہی سے لبریز اور محبتِ دنیا سے پاک ہوگئے تھے، چنانچہ انصار نے خوش خوش ان حضرات کو اپنے مکانات واموال میں شریک کرنا چاہا.........غرض واقعۂ ہجرت سے مہاجرین وانصار دونوں کا امتحان ہوگیا، جس میں وہ کامل اُترے۔ اس کے بعد ان کو اجازتِ قتال دی گئی کہ اب جو کچھ کریں گے محض خدا کے لیے کریں گے، جوشِ غضب اور خواہشِ انتقام وشفاءِ غیظِ نفس (نفس کے غصے کو ٹھنڈا کرنے) کے لیے کچھ نہ کریں گے، اس وقت یہ اس قابل ہوں گے کہ حمایتِ الٰہی ان کا ساتھ دے اور ملائکۂ رحمت ان کی مدد کریں۔ چنانچہ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے واقعات اس پر شاہد ہیں کہ وہ جو کچھ کرتے تھے خدا کے لیے کرتے تھے، حتیٰ کہ مثنوی میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک یہودی کو معرکۂ قتال میں پچھاڑا اور ذبح کا ارادہ کیا۔ مرتا کیا نہ کرتا۔ اس کم بخت نے آپ کے چہرۂ مبارک پر تھوکا، اب چاہیے تھا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو فوراً ہی ذبح کر ڈالتے، مگر تھوکنے کے بعد آپ فوراً اس کے سینے پر سے کھڑے ہوگئے۔ اور فوراً اسے چھوڑ دیا، وہ یہودی بڑا متعجب ہوا کہ میری اس حرکت کے بعد تو اُن کو چاہیے تھا کہ مجھے کسی طرح جیتا نہ چھوڑتے مگر اُنہوں نے برعکس معاملہ کیا؟ آخر اُس سے رہا نہ گیا، اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کی وجہ پوچھی کہ آپ نے اگر مجھ کو کافر سمجھ کر قتل کرنا چاہا تھا تو تھوکنے کے بعد کیوں رہا کر دیا؟..........حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ..........بات یہ ہے کہ اوّل جب میں نے تجھ پر حملہ کیا تو اس وقت بجز رضائے حق کے مجھے کچھ مطلوب نہ تھا، اور جب تو نے میرے اوپر تھوکا تو مجھے غصہ اور جوشِ انتقام پیدا ہوا، میں نے

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ہوجاتے ہیں، چنانچہ اولاً تو دوسرے لوگوں پر زور زبردستی کرکے ان کو اپنے ساتھ شریک ہونے پر مجبور کیا جاتا ہے، اور دوسروں کو بے جا تکلیف پہنچائی جاتی ہے۔ ؎۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

دیکھا کہ اب میرا تجھے قتل کرنا محض خدا کے لیے نہ ہوگا، بلکہ اس میں نفس کی بھی آمیزش ہوگی، اور میں نے نہ چاہا کہ نفس کے لیے کام کرکے اپنے عمل کو ضائع کروں، اس لیے تجھے رہا کردیا۔ وہ یہودی یہ سُن کر فوراً مسلمان ہوگیا اور سمجھ گیا کہ واقعی یہی مذہب حق ہے جس میں شرک سے اس درجہ نفرت دلائی گئی ہے کہ کوئی کام نفس کے لیے نہ کرو، بلکہ محض خدا کے لیے ہر کام کرو، دوستی اور دشمنی میں بھی نفس کی آمیزش سے روکا گیا ہے۔ اب ہماری یہ حالت ہے کہ جو لوگ خدمتِ اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں ان میں اکثر وہ لوگ ہیں جو نفس کے واسطے کام کرتے ہیں، اپنے ذرا ذرا سے کارناموں کو اُچھالتے اور اخباروں میں شائع کرتے ہیں، احکامِ الٰہی کی پرواہ نہیں کرتے، بس ان کا مقصود یہ ہے کہ کام ہونا چاہیے خواہ شریعت کے موافق ہو یا مخالف، چندہ میں جائز وناجائز کی پرواہ نہیں، صَرف میں حلال وحرام کا خیال نہیں، پھر حمایتِ الٰہی ان کے ساتھ کیوں کر ہو؟ بلکہ اب تو یہ کہا جاتا ہے کہ میاں مسئلے مسائل کو ابھی رہنے دو اس وقت تو کام کرنا چاہیے، بعد کو مسئلے مسائل دیکھے جائیں گے (اناللہ وانا الیہ راجعون) ان صاحبوں کو یہ خبر نہیں کہ مسئلے مسائل کے بغیر تو مسلمان کو نہ دنیوی فلاح ہوسکتی ہے، نہ اُخروی، اور سب سے زیادہ اخلاصِ نیت کی ضرورت ہے، جو یہاں صفر ہے“ (وعظ ”محاسنِ اسلام“ صفحہ ۳۹، تا ۴۱، ملخصاً؛ مطبوعہ: کتب خانہ اشرفیہ، دھلی)

؎۱ اس سلسلے میں حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

”کام وہی مفید ہوتا ہے جو ہوش سے کیا جائے، شریعت میں تو دشمنی تک کے بھی حدود ہیں، اسلام کی ایک بہت بڑی خوبی یہی ہے جو دوسرے ادیان (دوسرے مذاہب) والے نہیں دکھلا سکتے کہ وہ دشمنوں کی بھی رعایت کرتا ہے، نیز ہم جس طرح مخالفین کے دشمن ہیں اپنے (یعنی مسلمانوں کے) دوست بھی تو ہیں، اس غلو (حد سے تجاوز کرنے) میں اپنی بھی مضرت (نقصان) ہے“ (ملفوظات الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ جلد نمبر ۳ ص ۲۳۷، ملفوظ نمبر ۳۸۱)

”ایک بات ضروری ہے کہ عمل کرنے کی صورت میں کسی پر جبر نہ کیا جائے جیسے آج کل بعضوں نے وطیرہ اختیار کیا ہے کہ جو شخص ان کے ساتھ شرکت نہ کرے اس کو تکلیفیں پہنچاتے ہیں، جبر (زبردستی کرنے) سے قلوب (دلوں) میں بددلی ہوتی ہے، جو کام خوشی سے ہوتا ہے اس میں مداومت (پائیداری) ہوتی ہے ......میری تو دل سے تمنا ہے کہ دین کے ساتھ مسلمانوں کی دنیا کی بھی فلاح ہو، مگر طریقہ کے ساتھ، یونہی اڑنگ بڑنگ کرنے سے کام نہیں چلا کرتا، نہ اس میں برکت ہوتی ہے، میرا تجربہ ہے کہ آج کل مسلمانوں کا کام جوش کے ماتحت ہوتا ہے اسی لیے اس میں استقلال (واستحکام) نہیں ہوتا اگر ہوش کے ماتحت ہو تو دنیا کی تمام قومیں بیٹھی دیکھا کریں“ (ملفوظات الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ جلد نمبر ۳ ص ۲۷، ملفوظ نمبر ۶۹ ملخصاً)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

دوسرے عام طور پر ہڑتالوں کے دوران دوسروں کو جانی اور مالی تکلیف وایذاء اور نقصان پہنچایا جاتا ہے، گزرنے والوں کو گزرنے اور پیشہ وروں کو اپنے پیشوں سے روک دیا جاتا ہے، املاک وغیرہ کو جلا دیا جاتا ہے، اور سرکاری املاک کو بھی غیر معمولی نقصان پہنچایا جاتا ہے۔ [۱]

احتجاج اور ہڑتالوں کے ماحول میں عوامی لوٹ مار اور سرکاری وغیر سرکاری املاک کو نقصان پہنچانا کم وبیش لازمی روایت بن گئی ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ ''ہر کام اصول سے ہوسکتا ہے بے اصول تو گھر کا بھی انتظام نہیں ہوسکتا ملک کا تو کیا خاک انتظام ہوگا، یہ ہیں وہ اصولی باتیں جن پر مجھ کو برا بھلا کہا جاتا ہے اور قسم قسم کے الزامات وبہتان میرے سر تھوپے جاتے ہیں اور لوگ مجھ سے خفا ہیں اور وجہ خفا ہونے کی صرف یہ ہے کہ میں کہتا ہوں کہ اصول کے ماتحت کام کرو، جوش سے کام مت لو، ہوش سے کام لو، جوش کا انجام خراب نکلے گا، حدودِ شرعیہ کی حفاظت رکھو، وہ ان باتوں کو اپنے مقاصد میں روڑا اٹکانا سمجھتے ہیں، میں کہتا ہوں اگر دین نہ رہا اور احکامِ اسلام کو پامال کرنے کے بعد کوئی کام بھی کیا تو وہ کام پھر دین کا نہ ہوگا، کیا یہ دین کی خیر خواہی اور ہمدردی کہلائی جاسکتی ہے؟ اے صاحبو! آج سے پہلے بھی تو اسلام اور مسلمانوں پر اس سے بڑے بڑے حوادث پیش آئے ہیں کہ اِس وقت اُس کا عشرِ عشیر (دسویں کا دسواں حصہ) بھی نہیں مگر انہوں نے اُس حالت میں بھی اصولِ اسلام اور احکامِ اسلام کو نہیں چھوڑا، سلف کے کارناموں کو پیشِ نظر رکھ کر کچھ تو غیرت آنا چاہئے تم تو معمولی معمولی باتوں میں احکامِ اسلام کو ترک کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہو، وہ حضرات عین قتال کے وقت بھی حدود کی حفاظت اور رعایت فرماتے تھے جس پر آج ہم کو فخر ہے، اب تم ہی فیصلہ کرلو کہ وہ تھے خیر خواہِ اسلام، ہمدردِ اسلام، جانبازِ اسلام یا تم؟ تحریکِ خلافت کے زمانے میں صاف الفاظ میں یہ کہا جاتا تھا کہ یہ مسائل کا وقت نہیں کام کرنے کا وقت ہے (الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ ج ا ص ۱۱۵، ملفوظ نمبر ۱۱۶)

[۱] چنانچہ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ:

یہ پہیہ جام ہڑتال ہے، جس میں یہ اعلان کردیا جاتا ہے کہ ہم کسی گاڑی کو سڑک پر آنے نہیں دیں گے، چاہے وہ کوئی بھی گاڑی ہو، اس میں تو صریح ظلم ہے اور نہ جانے اس کی وجہ سے کتنے انسانوں کو عذاب میں مبتلا کرنا ہے، مثلاً کوئی بیمار پڑا ہے، تو اب ہڑتال کی وجہ سے اس کو ہسپتال نہیں لے جاسکتے، یا مثلاً کوئی شخص روزی کما کر کھانے والا ہے، تو اب ہڑتال کے ذریعہ اس کے رزق کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں، یا مثلاً کوئی مسافر ہے، اور سفر پر روانہ ہونا چاہتا ہے، اب ہڑتال کی وجہ سے نہ وہ ریلوے اسٹیشن پہنچ سکتا ہے، نہ ائرپورٹ پہنچ سکتا ہے، گویا اس پہیہ جام ہڑتال کی وجہ سے بے شمار انسانوں کو زبردستی ان کی ضروریات سے روک دینا ہے، اس لئے اس قسم کی ہڑتال شرعاً کسی طرح بھی جائز نہیں (تقریرِ ترمذی، ج ۲ ص ۳۲۰، باب ماجاء فی طاعۃ الامام)

www.idaraghufran.org

اپنے جذبات کے نہ صرف اظہار بلکہ اس کے استعمال اور غم وغصہ کی تسکین وبھڑاس نکالنے کا آسان ترین ذریعہ بہت سے لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ احتجاج اور ہڑتال کے دوران اور اس عنوان سے توڑ پھوڑ کی جائے، لوٹ مار کر کے ناجائز طریقہ سے مال بٹورا جائے، اس حیثیت سے ملک وملت کے دشمن، شرپسند عناصر اور چور ڈاکوؤں کے لئے ہڑتال اور احتجاج کا موقع ایک نعمتِ غیر مترقبہ سے کم نہیں ہوتا، اور اس کے نتیجہ میں عوامی اور ملکی مشکلات میں کمی کے بجائے دوسرے کئی طریقوں سے مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔

بعض لوگ تو اس قسم کی ہڑتال اور احتجاج کے دوران اپنی جان ہی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں، اور بہت سے لوگ لوٹ مار، جلاؤ اور گھیراؤ کی زد میں آ کر ہاتھ پاؤں سے ہمیشہ کے لئے معذور واپاہج ہو جاتے ہیں، یا احتجاجیوں کے ہاتھوں اپنا چلتا کاروبار، پراپرٹی گنوا کر بیٹھے بٹھائے درماندہ وتہی دست ہو جاتے ہیں، اور غربت وتنگ دستی کے غار میں جا گرتے ہیں۔

چنانچہ بعض لوگوں کے چلتے کاروبار لوٹ مار اور جلاؤ گھیراؤ کے نتیجہ میں بند ہو جاتے ہیں، کتنی گاڑیاں اور کتنی دوکانیں نذرِ آتش کر دی جاتی ہیں، اور وہ غریب طبقہ جو روزانہ کی بنیادوں پر محنت مزدوری کر کے اپنا چولہا گرم رکھنے کے قابل ہوتا ہے، مزدوری اور دہاڑی نہ لگنے سے فاقہ کشی تک پہنچ جاتا ہے۔

جہاں تک احتجاج اور ہڑتال کے دوران سرکاری املاک کی تباہی کی بات ہے، تو یہ اور بھی زیادہ سنگین معاملہ ہے، کیونکہ سرکاری املاک کسی حکومت یا حکمران کی ذاتی ملکیت نہیں ہوتیں، بلکہ اس کے ساتھ ملک کے کم وبیش تمام باشندوں کا حق وابستہ ہوتا ہے، جس میں لاکھوں نہیں کروڑوں افراد شامل ہوتے ہیں، اور سرکاری املاک میں عوام کے خون پسینہ کی محنت شامل ہوتی ہے، بلکہ ان مقدس ہستیوں کا خون بھی شامل ہوتا ہے، جو وطنِ عزیز کے حصول کے لئے جان کا نذرانہ پیش کر گئیں، اور جامِ شہادت نوش کر گئیں، اس لئے سرکاری املاک کی تباہی یا لوٹ مار کی معافی یا تلافی کوئی آسان کام نہیں۔

ایسے شر پسند عناصر کے خلاف آواز بلند کرنا اور مؤثر کارروائی کرنا انتہائی ضروری ہے، اور ایسے مواقع پر قانون نافذ کرنے والے اداروں کا چپ سادھنا بھی سنگین جرم ہے۔

(۳)......قانون شکنی اورسب وشتم وغیرہ کا گناہ

ظالم اور گناہ گار مسلمان بلکہ اصلی کافر حکومت کے جائز قوانین کی پابندی وہاں کے باشندوں کے لئے شرعاً بھی ضروری ہے، اور ظالم حکمرانوں کے بھی خلاف سب وشتم کرنے کی شرعاً ممانعت ہے، اس بارے میں بے شمار احادیث آئی ہیں، اور مروجہ احتجاجوں اور ہڑتالوں کے نتیجہ میں حکومت کے جائز قوانین کی اطاعت کا جذبہ بھی سست پڑجاتا ہے، بلکہ غم وغصہ کی وجہ سے نافرمانی کا جذبہ ترقی پکڑتا ہے، اور قانون شکنی بڑھتی ہے، جو بہت سے فتنوں کا باعث ہے۔

چنانچہ جس ملک میں جتنے احتجاج اور ہڑتالیں ہوتی ہیں، اس ملک میں قانون شکنی اور حکومت کے خلاف خروج کا تناسب اور شرح بھی اسی تناسب سے زیادہ ہوتی ہے۔

نیز احتجاجوں اور ہڑتالوں کے درمیان حکمرانوں کے خلاف سب وشتم اور ان کے عیوب کا برسرِ بازار، بلاکھٹک تذکرہ وچرچا کیا جاتا ہے، جبکہ احادیث میں ان سب چیزوں کی ممانعت آئی ہے، اور حکمرانوں کو نصیحت کرنے کے لئے بھی تنہائی اور خلوت کو اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

جن ممالک میں حکمرانوں کے خلاف بازاروں اور مجمعوں میں زبان درازی کا سلسلہ عام ہے، ان ممالک میں عوام کی طرف سے حکومت کے خلاف بے صبری، قانون شکنی اور مضبوط حکومت کے فقدان جیسے فتنوں کا دور دورہ ہے، اور افسوس کہ بہت سے لوگ تو ظالم اور گناہ گار حکمرانوں کی جائز کاموں میں اطاعت وفرمانبرداری کے قائل ہی نہیں، اور قانون شکنی کو بہت بڑی بہادری کی چیز سمجھتے ہیں، جو قرآن وسنت کے صریح حکم کی خلاف ورزی ہے، چنانچہ ظالم اور گناہ گار حکمرانوں کی اطاعت کے بارے میں تفصیلی احادیث پہلے ذکر کی جاچکی ہیں۔

Idara Ghufran

(۴)......ریاء کاری وشہرت آوری

مروجہ احتجاجوں اور ہڑتالوں میں شرکت کرنے والے بہت سے لوگوں کی نیت بھی عام طور پر درست نہیں ہوتی، چنانچہ بہت سے لوگوں اور جماعتوں کو اپنی شہرت پیشِ نظر ہوتی ہے کہ ایسا کرنے سے اخباروں میں خبر شائع ہوجائے گی، اور ذرائع ابلاغ پر ذکر آجائے گا، جس سے نام روشن ہوگا، اور لوگوں کی نظروں میں ان کی شخصیت یا جماعت کو قبولیت حاصل ہوگی، اور ظاہر ہے کہ ریاء کاری اور دکھلاوا ایسی چیز ہے کہ اس کی وجہ سے جہاد وقتال اور شہادت کے فضائل بھی حاصل نہیں ہو پاتے، پھر ان احتجاجوں اور ہڑتالوں سے کیا خاک ثواب حاصل ہوگا، جن کا شریعت کی طرف سے ثبوت بھی نہیں۔ [1]

(۵)......جھوٹ اور مبالغہ آرائی کا گناہ

آج کل جو احتجاج اور ہڑتالیں کی جاتی ہیں، ان میں الزام تراشی، جھوٹ اور غلط بیانی اور مبالغہ آرائی جیسی چیزوں کا بھی کثرت سے ارتکاب کیا جاتا ہے۔

چنانچہ اولاً تو ذراسی کوئی بات سامنے آنے پر اس کی تحقیق کئے بغیر کسی حکومت، جماعت یا فرد

---

[1] حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

جیل خانہ چلے گئے، دو چار مہینے رہ کر آئے آخر اس کا نتیجہ ہی کیا، جب چیز پر قدرت ہی نہیں تو کیوں آدمی اپنے کو پریشانی میں ڈالے، ہاں ایک نتیجہ تو جیل خانہ میں جانے سے ضرور نکل آتا ہے کہ شہرت ہوجاتی ہے فلاں صاحب ایسے ہیں ویسے ہیں مگر یہ کوئی دینی مقصد نہیں، اس کا تعلق صرف جاہ (نام اونچا کرنے) سے ہے جو خود ایک مستقل (روحانی ودینی) مرض ہے جو قابلِ اصلاح ہے، ان اہلِ جاہ (نام اور شہرت کے طلب گاروں) میں خلوص کا نام نہیں۔ بس اس پر مرتے ہیں کہ نام ہو پھر کام کہاں؟ اسی لیے تو میں مولویوں کو بھی مشورہ دیتا ہوں کہ ان کو چاہئے کہ ان فضولیات کو چھوڑیں اور ان کاموں میں لگیں کہ (مسلمانوں کی فلاح صلاح اور ترقی کے لئے) اللہ تعالیٰ سے دعا کریں (لوگوں کو پیش آمدہ مسائل میں) فتوے دیں، تبلیغ کریں، پڑھیں پڑھاویں، جاہلوں کے ساتھ ہو کر تضییعِ اوقات نہ کریں (ملفوظات الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ جلد نمبر ۷ ص ۵۲ ملفوظ نمبر ۴۳)

پر کوئی الزام عائد کردیا جاتا ہے، اور تحقیق کرنے پر حقیقت اور واقعہ کچھ اور نکلتا ہے، جبکہ شریعت میں بغیر تحقیق کے کسی کی طرف کوئی بات منسوب کرنا حتی کہ زبان سے منسوب کیئے بغیر دل سے بدگمانی کرنا بھی منع ہے، دوسرے اگر کسی واقعہ کی کوئی حقیقت بھی ہوتی ہے، تو اس کو بیان اور نقل کرنے میں بے حد غلو سے کام لیا جاتا ہے، جس کے نتیجہ میں وہ جھوٹ اور غلط بیانی کے زمرہ میں داخل ہوجاتا ہے، تیسرے بہت سی باتیں صریح جھوٹ میں بھی داخل ہوتی ہیں، اور خود اپنے کام کو بھی بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے، شریعت میں اس قسم کی چیزوں کو پسند نہیں کیا گیا، چوتھے اگر کسی سے کوئی گناہ یا غلطی کا ارتکاب ہوگیا، تو اس کی تشہیر وتبلیغ اور تضحیک وتذلیل کرنا ہر جگہ جائز نہیں، بہت سی صورتوں میں گناہ ہے، مگر ان احتجاجوں اور ہڑتالوں میں ان چیزوں کا بھی ارتکاب کیا جاتا ہے۔ [1]

---

[1] چنانچہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

’’تحریکات کے زمانے میں لوگ سمجھتے تھے کہ شرکاء زیادہ ہیں حالانکہ یہ خیال غلط تھا، شریک بہت کم تھے مگر وہ زیادہ اس وجہ سے معلوم ہوتے تھے کہ وہ شور وغل بہت کرتے پھرتے تھے اس سے ان کی تعداد زیادہ معلوم ہوتی تھی ورنہ واقع میں تعداد زیادہ ان ہی کی تھی جو شریک نہ تھے‘‘ (ملفوظات الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ جلد نمبر ۳ ص ۳۷۷ ملفوظ نمبر ۶۱۷)

’’غور سے معلوم ہوا کہ یہ نئی روشنی والے اس شورش کے اندر بھی یورپ کی تقلید کرتے ہیں۔ یہ طریقہ یورپ ہی کا ہے کہ جو کام کرتے ہیں بڑھا چڑھا کر لوگوں کو دکھلا کر کرتے ہیں۔............

اسی طرح اخبار نویسوں نے بھی بہت زیادہ لوگوں کو پریشان کردیا ہے، ایسے ایسے مضامین لکھتے ہیں جس سے خوامخواہ دیکھنے والے کو جوش آئے کیونکہ ان لوگوں کو تجارت مقصود ہے، ایسے مضامین سے ان کے اخبار کی اشاعت خوب ہوجاتی ہے یہ لوگ اہلِ دنیا ہیں، دین کا طریقہ تو رضا بر قضا ہے۔

دلآرامے کہ داری دل درو بند دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

وہ (یعنی دین والے) کتاب وسنت کو دیکھتے ہیں ان کو تو کوئی تجارت مقصود نہیں جو خواہ مخواہ جوش وخروش ظاہر کریں یہ سب باتیں صبر ومتانت کے خلاف ہیں۔ اور شریعت میں ایک تاکید یہ کی گئی ہے کہ مصیبت میں یاس (مایوسی) نہ ہو، حق تعالیٰ سے امید وار رہنا چاہیے، کیونکہ اسباب سے فوق (یعنی اسباب وتدابیر سے اوپر) بھی تو کوئی چیز ہے۔

تو یاس (مایوسی) کی بات تو وہ کہے جس کا دین تقدیر پر نہ ہو محض تدبیر پر ہو، یہ سب آداب ہیں ضراء یعنی مصیبت کے‘‘ (وعظ حقوق السرّآء والضرّآء، ص ۳۹ و ۴۰، ملخصاً؛ مطبوعہ، جامعہ دار العلوم الاسلامیہ)

(۲)......اپنے حقوق کا اللہ کے بجائے مخلوق سے سوال

مروجہ ہڑتالوں اور احتجاجوں میں بہت سی مرتبہ اللہ کے بجائے اپنے حقوق حاصل ہونے کا حکمرانوں سے سوال ومطالبہ کیا جاتا ہے۔

حالانکہ ظالم وگناہ گار حکمرانوں کی اطاعت کرنے اور ان کے خلاف خروج نہ کرنے اور صبر کرنے کے ساتھ احادیث میں ایک حکم یہ دیا گیا ہے کہ اپنے حقوق حاصل ہونے اور مظالم سے بچنے کی اللہ سے دعاء کی جائے۔

جس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اصل احکم الحاکمین، اللہ جل شانہٗ ہے، اس کو چھوڑ کر اپنے حقوق کا مخلوق سے مطالبہ وسوال کرنا، اللہ پر توکل کمزور ہونے کی نشانی ہے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ کی مدد ونصرت کے بغیر حکمران کبھی بھی عوام کے حقوق پورے نہیں کرسکتے، اس لئے ان سے حقوق مانگتے رہنے کا لازمی نتیجہ بے صبری اور اس کے بعد پھر خروج اور تفرقہ بازی، قتل وقتال وخون ریزی کی شکل میں نکلتا ہے۔

اس کے علاوہ موجودہ حالات میں اس چیز کی تعیین بھی تقریباً ناممکن ہے کہ کون سے حقوق کا مطالبہ جائز ہے، اور کون سے حقوق کا مطالبہ ناجائز ہے، بلکہ کون سی چیزیں جائز حقوق میں داخل ہیں، اور کون سی ناجائز حقوق میں داخل ہیں، اور عام طور پر یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ کوئی مخصوص جماعت یا گروہ جب اپنے حقوق کا مطالبہ کرتا ہے، تو اسے اپنے ذمہ میں حکومت کے حقوق کی ادائیگی کا بالکل بھی خیال نہیں ہوتا، مگر اپنے حقوق حاصل ہونے کے لئے آواز بلند کرتا ہے، نیز اس طرح سے ہر کس وناکس کی طرف سے حقوق کے مطالبات کا اگر سلسلہ چل پڑے، تو کوئی حکومت بھی بہتر قوانین بنانے پر قادر نہیں ہوسکتی، کیونکہ قوانین درحقیقت جرائم کی روک تھام کے لئے ہوتے ہیں، اور ہر قانون کسی نہ کسی جماعت اور گروہ کے مفادات کے خلاف ہوتا ہے۔

اسی طرح وسیع تر قومی مفادات کے لئے انفرادی نقصانات کو برداشت کرنا پڑتا ہے، مگر اس طرح کی ہڑتالوں واحتجاجوں کی وجہ سے چندلوگوں کی ہٹ دھرمی وسیع تر قومی مفادات کی قانون سازی اور پالیسی بنانے میں بھی رکاوٹ بن جاتی ہے، جیسا کہ ملکی ضرورت کے لئے ڈیم بنانے کا مسئلہ ہے کہ ڈیم بنائے جانے والی جگہ کے لوگوں کی طرف سے ڈیم بنانے کے خلاف ہڑتال اوراحتجاج کے نتیجہ میں ملک اس طرح کے وسیع تر مقاصد سے محروم رہتا ہے۔

(۷)......نااتفاقی اورتفرقہ بازی

حکومت کے خلاف بار بار ہڑتالوں اوراحتجاجوں کے نتیجہ میں ملک میں افراتفری اورنااتفاقی وتفرقہ بازی میں بھی اضافہ ہوتا ہے، جو کہ بہت سے فتنوں کا باعث ہے، اوران فتنوں میں قتل وغارت گری کا فتنہ بھی داخل ہے، چنانچہ اس کا عام طور پر مشاہدہ ہے کہ حکومت کے خلاف ہڑتالوں اوراحتجاجوں سے ملک میں نااتفاقی، تفرقہ بازی اور دہشت گردی وغیرہ جیسے فتنے رونما ہوتے ہیں، جبکہ احادیث میں ظالم وگناہ گار حکومت کے خلاف صبر کا حکم جو دیا گیا ہے، اس کا بڑااوراہم مقصود بھی اتحادواتفاق کو برقرار رکھنا ہے۔

خلاصہ

معلوم ہوا کہ آج کل رائج احتجاجوں، ہڑتالوں اور مارچوں میں متعدد مفاسداورخرابیاں پائی جاتی ہیں، اور اگر کوئی ہڑتال اس قسم کے مفاسد اورخرابیوں سے پاک ہو، تو بھی سَر پر کسی ایسے ذمہ دار کا ہونا ضروری ہے، جولوگوں کو ہر طرح کے مفاسد ومنکرات سے بچنے کا پابند کر سکے، جو کہ موجودہ حالات میں بظاہر مشکل ہے، کیونکہ غم وغصہ کی حالت میں بطورِ خاص کسی کو پابند کرنا مشکل کام ہے، خاص کر جبکہ آج کل بڑوں کی اطاعت کا جذبہ بھی بہت کمزور ہے، اور بڑوں کی موجودگی میں بھی توڑ پھوڑ اور دوسری خرابیاں لازم آتی ہیں، اوراس سے بڑھ کر خود بہت سے بڑے ہی اس کام کی سرپرستی کرتے ہیں، توان حالات میں مفاسد سے

کیونکر بچا جا سکتا ہے؟ ۱

مگر جیسا کہ عرض کیا گیا کہ آج کل جو احتجاج اور ہڑتالیں کی جاتی ہیں، ان میں مذکورہ یا اس جیسی خرابیاں ایک لازمی حصہ بن گئی ہیں، اور اگر کوئی احتجاج اور ہڑتال ان خرابیوں سے پاک ہو، اور کوئی محتاط جماعت اس کو انجام دے، تب بھی اس کا عمل دوسروں کے لئے سند اور حجت بنتا ہے، اور دوسروں کو سندِ جواز فراہم کرتا ہے، اور جو لوگ محتاط طریقہ پر ہڑتال یا احتجاج کرتے ہیں، وہ دوسروں کو غیر محتاط طریقہ پر ہڑتال یا احتجاج کرنے سے منع کرنے کی جرأت نہیں کر پاتے، اس لئے اُن کو بھی بچنے اور صبر کرنے میں ہی عافیت ہے۔ ۲

---

۱ چنانچہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

’’اب جو اِن باتوں پر تنبیہ کرے یا خاموش اور علیٰحدہ رہ کر خرافات کی شرکت سے اپنے دین وایمان کی حفاظت کرے اُس پر لعن طعن سبّ وشتم کیا جاتا ہے، یہ سب خرابیاں امیر عادل نہ ہونے کی وجہ سے ہیں، اگر امیر عادل ہو وہ اِن خرافات کا انسداد کر سکتا ہے، وہی حدود کی رعایت کرا سکتا ہے، غرض اصل چیز رعایت ہے (شرعی) حدود کی، پھر اگر اس میں کامیابی نہ ہو تو صبر کریں، اجی جان دینا تو مشکل نہیں مگر یہ تو اطمینان ہو کہ اپنے مصرف پر گئی، جان بھی کمبخت دی اور خلجان مول لیا کہ جس کام کے لیے جان دی ہے وہ دین ہے یا نہیں‘‘ (الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ ج۱ ص ۱۱۶، ملفوظ نمبر ۱۱۶)

۲ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب اس سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ:

ایسی ہڑتال جو لوگوں نے کلیتاً اپنی خوشی سے کی ہو، آج عملاً دنیا میں اس کا وجود نہیں ہے، اکثر وبیشتر تو لوگوں کو ان کی خواہش اور رائے کے برخلاف ہڑتال میں حصہ لینے پر مجبور کیا جاتا ہے، اگر کوئی حصہ نہ لے، تو اس کو جسمانی اور مالی اذیتیں دی جاتی ہیں، سنگ باری اور آتشزنی تو ہڑتال کا لازمی حصہ بن گئے ہیں، سڑکوں پر رکاوٹیں کھڑی کر کے لوگوں کے لئے اپنے ضرورت سے چلنا پھرنا مسدود کر دیا جاتا ہے، چلتی ہوئی گاڑیوں پر پتھراؤ ہوتا ہے، بہت سے لوگ اسی قسم کی ایذاء رسانیوں کے خوف سے اپنا کاروبار بند رکھتے ہیں، اور جو ضرورت مند شخص باہر نکلنے پر کسی وجہ سے مجبور ہو، وہ ہر وقت جانی ومالی نقصان کے خطرے میں رہتا ہے، اور بسا اوقات کوئی نہ کوئی بے گناہ مارا جاتا ہے، بعض مرتبہ مریض علاج کو ترس ترس کر رخصت ہو جاتے ہیں، اور بہت سے غریب لوگ فاقہ کشی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

یہ تمام باتیں ہڑتال کا ایسا لازمی حصہ بن کر رہ گئی ہیں، کہ ان کے بغیر ’’کامیاب ہڑتال‘‘ کا تصور نہیں ہو سکتا، ظاہر ہے کہ یہ تمام باتیں شرعاً حرام وناجائز ہیں، اور جو چیزیں ان حرام وناجائز باتوں کا لازمی سبب بنے، وہ کیسے جائز ہو سکتی ہیں؟ (حکیم الامت کے سیاسی افکار، صفحہ ۵۴)

احتجاجوں اور ہڑتالوں کے بجائے بہتر حکمرانوں کا انتخاب

جن ممالک میں ووٹوں کے ذریعہ سے حکمرانوں کے انتخاب کا طریقہ رائج ہے، ان میں ظالم وفاسق حکمرانوں کے خلاف اس ملک کے عوام کی طرف سے ایک مؤثر تدبیر ووٹوں کے ذریعہ سے بہتر اور اچھے حکمرانوں کے انتخاب کی کوشش وجدوجہد کرنا ہے۔

مگر افسوس کہ انتخاب اور ووٹ کے ذریعہ سے بہتر اور اچھے امیدواروں کے انتخاب کا یہ قانونی راستہ تو اکثر لوگ اختیار نہیں کرتے، اور اختیار تو کیا کرتے، الٹا اس پر طرح طرح کے اعتراضات کرکے اس سے منع کرتے ہیں، اسی لئے ملک کی اکثریت ووٹ کے استعمال سے دور رہتی ہے، اور اس کے برعکس غیر قانونی اور مفاسد ومنکرات پر مشتمل احتجاجوں اور ہڑتالوں کے راستے تلاش کیے جاتے ہیں، جو کہ غلط طریقہ ہے، جس کی تفصیل ''انتخاب اور ووٹ کے احکام وآداب'' میں بیان کردی گئی ہے۔

اور وجہ اس کی یہ ہے کہ جو کام کرنے کے ہیں، اُن کی طرف تو عام طور سے لوگوں کو توجہ نہیں ہوتی، اور اُن کو چھوڑ کر مہمل اور ترک کیے جانے کے قابل چیزوں کو اختیار کیا جاتا ہے۔

لہٰذا جن ممالک میں حکمرانوں کے انتخاب کے لئے ووٹوں کا طریقہ رائج ہے، وہاں سب لوگوں کو متفق ہوکر بہتر اور اچھے امیدواروں کے حق میں ووٹ کا استعمال کرنا چاہئے، بلکہ بہتر امیدواروں کو اس میدان میں آگے لانے کی کوشش کرنی چاہئے، جس کے نتیجہ میں امید ہے کہ مختلف احتجاجوں اور ہڑتالوں کی ضرورت بھی نہ رہے گی، اور بہتر حکمرانوں کے انتخاب کے نتیجہ میں داخلہ وخارجہ پالیسی بھی بہتر ہوگی، اور بیرونی ممالک کے جن غلط اقدامات پر عوام کو ردِعمل کرنا پڑتا ہے، ان کے لئے عوام کی ترجمان حکومت کی طرف سے سدِ باب کی کوششیں کی جائیں گی۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

بھوک ہڑتال کا حکم

آج کل رائج ہڑتالوں میں ہڑتال کی ایک قسم، بھوک ہڑتال کہلاتی ہے، جو اس زمانے میں ہڑتال کی مؤثر تدبیر سمجھی جاتی ہے، مگر اوّلاً تو کسی سے اپنا مطالبہ منوانے کے لئے بھوک ہڑتال کا قرآن وسنت سے کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

اس لئے یہ طریقہ بھی مسنون طریقہ نہیں، اور اس میں بھی حقیقی برکت نہیں۔ [1]

دوسرے بھوک ہڑتال میں اپنے آپ کو بھوکا پیاسا رکھا جاتا ہے، جس میں بسا اوقات جان کو بھی خطرہ ہو جاتا ہے، اور اپنے آپ کو بھوکا پیاسا رکھ کر ایذاء وتکلیف پہنچانا جائز نہیں، البتہ روزہ کی شکل میں بھوک، پیاس برداشت کرنا عبادت ہے، مگر روزہ کا مقصود کسی مخلوق سے مطالبہ منوانا نہیں، بلکہ اللہ کی رضا ہے، اور اگر اس میں مخلوق سے کوئی مقصد حاصل کرنا پیشِ نظر ہو جائے، تو روزہ کی عبادت بھی عبادت نہیں رہتی، پھر روزہ کا دورانیہ بھی عام طور پر اتنا ہوتا ہے کہ جس سے کچھ مشقت تو ہوتی ہے، مگر ہلاکت کا امکان نہیں ہوتا، اور اگر روزہ رکھ کر کبھی ایسی بھوک، پیاس لگے، کہ جان کا خطرہ لاحق ہو جائے، تو پھر فرض روزہ توڑ دینا بھی جائز ہو جاتا ہے، اور اگر کوئی ایسا مریض ہو، جسے روزہ رکھ کر غیر معمولی مشقت پیش آتی ہو، بلکہ مسافر ہو تو اسے بھی روزہ چھوڑ کر بعد میں قضا کرنے یا فدیہ دینے کی اجازت دی گئی ہے، اور ایسی صورت میں روزہ رکھ کر اپنے آپ کو غیر معمولی مشقت میں ڈالنے کو پسند نہیں کیا گیا۔ [2]

---

[1] چنانچہ حضرت حکیمُ الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

”برکت تدابیرِ منصوصہ (قرآن وحدیث میں بیان کردہ طریقوں) پر عمل کرنے سے میسر ہو سکتی ہے اور یہ ہڑتال اور جلوس یہ سب یورپ ہی سے سبق حاصل کیا ہے یہ سب انہیں کی تدابیر ہیں جن کے خلاف تم جدّ وجہد کر رہے ہو“ (ملفوظات الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ جلد نمبر۴ص ۵۸، ملفوظ نمبر ۶۴)

[2] كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ، فَرَأٰى زِحَامًا وَرَجُلًا قَدْ ظُلِّلَ عَلَيْهِ، فَقَالَ: مَا هٰذَا؟ فَقَالُوْا: صَائِمٌ، فَقَالَ: لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصَّوْمُ فِي السَّفَرِ (بخاری، رقم الحديث ۱۹۴۶، كتاب الصوم، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لمن ظلل عليه واشتد الحر ليس من البر الصوم فی السفر، عن جابر)

اور بھوک ہڑتال کا مقصود اور طریقۂ کار سب کا سب روزہ سے مختلف ہے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے سے منع فرمایا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے کہ:

وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ (سورة البقرة، رقم الآية ۱۹۵)

ترجمہ: اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو (سورہ بقرہ)

اور اسی وجہ سے اسلام میں خودکشی کو جائز نہیں رکھا گیا، خواہ کیسی بھی پریشانی اور تنگدستی کی حالت ہو، اور بھوک ہڑتال کے نتیجہ میں موت واقع ہونا خودکشی کے مترادف ہے۔ [1]

---

[1] چنانچہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''آج کل بہادری کی ایک نئی قسم نکلی ہے، مار کھانا، ذلیل ہونا، بھوک ہڑتال کر کے مرجانا......ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ ہندوؤں میں بڑی شجاعت (بہادری) ہے پھانسی تک کے لئے تیار ہیں، میں نے کہا یہ شجاعت تو عورتوں کی سی ہے کہ جان کھونے کے لئے کنویں میں جا پڑتی ہیں، اس سے آگے بھی ان کی بہادری کا کوئی درجہ دیکھا ہے؟ (الافاضات الیومیہ جلد ۶ ص ۳۴۶، ملفوظ نمبر ۳۹۴)

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ:

''اگر کوئی گرفتار ہو جائے ان میں سے بعضے لوگ جیل خانہ میں مقاطعۂ جوعی (بھوک ہڑتال) کرتے ہیں یعنی کھانا نہیں کھاتے، یہاں تک کہ مرجاتے ہیں اور قوم میں ان کی مدح (تعریف) کی جاتی ہے؟''

حضرت رحمہ اللہ نے اس سوال کا جواب یہ تحریر فرمایا کہ:

''اس کا خودکشی اور حرام ہونا ظاہر ہے:

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَلَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ وَفِي الْهِدَايَةِ كِتَابُ الْاِكْرَاهِ فَيَأْثَمُ كَمَا فِيْ حَالَةِ الْمَخْمَصَةِ اِلٰى قَوْلِهٖ فَكَانَ اِبَاحَةً لَا رُخْصَةً الخ وَفِي الْعِنَايَةِ فَامْتِنَاعُهٗ عَنِ التَّنَاوُلِ كَامْتِنَاعِهٖ عَنْ تَنَاوُلِ الطَّعَامِ الْحَلَالِ حَتّٰى تَلَفَتْ نَفْسُهٗ اَوْ عُضْوُهٗ فَكَانَ آثِمًا الخ

(ترجمہ: جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: اپنے آپ کو قتل نہ کرو، اور ہدایہ کی کتاب الاکراہ میں ہے کہ وہ گنہگار ہوگا؛ جیسا کہ مخمصہ کی حالت میں (گنہگار ہوگا) یہاں تک کہ فرمایا ''پس یہ مباح ہوگا، رخصت نہیں ہوگا'' آخر تک۔ اور ہدایہ کی شرح عنایۃ میں ہے: ''پس اس کے استعمال سے رُکے رہنا، ایسا ہی ہے کہ جیسا کہ حلال کھانے سے رُکے رہنا یہاں تک کہ اس کی جان چلی جائے، یا کوئی عضو ضائع ہو جائے تو وہ گنہگار ہوگا'' آخر تک) اس روایت سے معلوم ہوا کہ جان بچانا اس درجہ فرض ہے کہ اگر حالتِ اضطرار (مخمصے اور انتہائی مجبوری کی حالت) میں اندیشہ مرجانے کا ہو اور مردار کھانے سے جان بچ سکتی ہو اُس کا نہ کھانا اور جان دیدینا معصیت (گناہ) ہے چہ جائیکہ طعامِ حلال کا ترک (یعنی حلال وجائز کھانے پینے کو چھوڑنا) اور اس فعل کی مدح (تعریف) کرنے میں تو اندیشۂ کفر ہے کہ صریح تکذیب ہے شریعت کی کہ شریعت جس فعل کو مذموم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور بھوک ہڑتال کو قتال اور شہادت کا درجہ دینا سخت گمراہ کن بات ہے، کیونکہ جہاد وقتال کا مقصود مخصوص شرائط کے ساتھ اللہ کی رضا کا حاصل ہونا ہے، جبکہ بھوک ہڑتال میں عموماً دنیا کی اغراض پیشِ نظر ہوتی ہیں، اس کے علاوہ بھی کئی اعتبار سے فرق ہے۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(بُرا) کہتی ہو یہ اُس کو محمود (اچھا) کہتا ہے (اشرف السوانح ج۳ص۲۰۴ در ذیل رسالہ ''معاملۃ المسلمین فی مجادلۃ غیر المسلمین)

''ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت یہ بھوک ہڑتال نئی ایجاد ہے؟ فرمایا کہ یہ خودکشی کے مترادف ہے۔ اگر موت واقع ہوجائے گی تو وہ موت حرام ہوگی اور بزدلی پر بھی دال (بزدلی کی بھی نشانی) ہے کہ آئندہ آنے والے مصائب سے گھبرا کر ایسا کرنے پر آمادہ ہوجاتے ہیں، مزاحاً فرمایا نَر نہیں رہتے مادہ بن جاتے ہیں (آمادہ کا الف نکال کر مادہ رہ جاتا ہے، تو گویا کہ مصائب سے گھبرا کر بھوک ہڑتال کرنا مادہ بن جانا ہے، اور مادہ بزدل ہوتی ہے، ''نَر'' کے مقابلہ میں) میں کہتا ہوں کہ بھوکے مر گئے تو کسی کا کیا حرج ہوا اور کسی کو کیا نقصان پہنچا، جو سوجھتی ہے الٹی ہی سوجھتی ہے'' (ملفوظات الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ جلد نمبر۳ص۲۸ ملفوظ نمبر۱۴)

۱ حضرت رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ:

ضرر (نقصان) تو قتال میں بھی ہے، اشدِ ضرر کہ جان جاتی ہے؟

آپ نے جواب میں فرمایا کہ:

چونکہ قتال مقصود اور منصوص ہے، اس لیے اس کا ضرر معتبر نہیں اور یہ تدابیر اور طریقِ کار غیر منصوص ہیں اس لیے اس کے ضرر کو دیکھا جائے گا اور وجہ فرق دونوں میں یہ ہے کہ اصل مقصد یہ ہے کہ فتنہ نہ ہو، قتال فتنہ نہیں ہے کیونکہ قتال میں طبیعت یکسو ہوجاتی ہے اور سکون ہوتا ہے اور ان (مروّجہ غیر منصوص) اُمور میں تشتّت اور پراگندگی اور اضاعتِ اوقات ہے، اصل یہ ہے کہ لوگ فقہ کو نہیں دیکھتے پروگرام بناتے وقت، اور فقہ کو محض رائے سے دیکھنا کافی نہیں اور نہ مفید ہے بلکہ نصوص اور ذوق کے ساتھ دیکھنا مفید ہے (الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ ج۱ص۱۰۷ ملفوظ نمبر۱۱۶)

قتل سے مراد خودکشی نہیں ہے بلکہ مراد قتال ہے، یعنی لڑو جنگ کرو، اس نیت سے کہ جان اور مال اور ایمان بچ جائے، پھر اس قتال میں اگر جان چلی جائے تو چلی جائے، وہ شہادت ہے اور خود قتل مقصود نہیں ہے، وہ بھی جبکہ اس قتال کی سب شرطیں پائی جائیں اور موانع مرتفع ہوں جس کی تفصیل کتبِ فقہ میں ہے اور خود قتل کا مقصود نہ ہونا اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن میں ہر جگہ یُقْتَلُوْنَ (بصیغۂ مجہول) بعد میں ہے یَقْتُلُوْنَ (بصیغۂ معروف) پہلے، پس معلوم ہوا کہ یُقْتَلُوْنَ (یعنی قتل ہوجانا) خود مقصود نہیں بلکہ یَقْتُلُوْنَ (یعنی قتل کرنے) سے کبھی لازم آجاتا ہے (الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ ج۱ص۱۰۸ ملفوظ نمبر۱۱۶)

مروّجہ بائیکاٹ کا حکم

آج کل مختلف مواقع پر تنبیہ کرنے کی غرض سے یا کسی اور وجہ سے مخصوص کافروں یا ان کی کسی جماعت وگروہ کی مصنوعات یا ان سے معاملات کے بائیکاٹ کے اعلانات ہوتے رہتے ہیں، جس میں بعض لوگ بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں، اور وقتی طور پر بائیکاٹ کرتے ہیں، مگر اس بائیکاٹ میں عوامی سطح پر کئی طرح کی بے اعتدالیاں سامنے آتی ہیں، سب سے پہلی بات تو قابلِ تعجب یہ ہے کہ کافروں سے معاملاتی بائیکاٹ کرنے کو کافی سمجھا جاتا ہے، لیکن ان کے فیشن اور تہذیب ومعاشرت کو ترک نہیں کیا جاتا، حالانکہ شرعاً ہر قسم کے کافروں سے خواہ وہ مسلمانوں کا مقابلہ کر رہے ہوں یا نہ کر رہے ہوں، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف زبان درازی کر رہے ہوں یا نہ کر رہے ہوں، جس بائیکاٹ اور مقاطعہ کا حکم ہے وہ ’’ترکِ موالات‘‘ یعنی دلی دوستی اور لگاؤ کو ترک کرنے کا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ کافروں سے دوستانہ مراسم اور روابط نہ رکھے جائیں، ان کے ساتھ مذہبی ومعاشرتی تشبہ اختیار نہ کیا جائے، اور ان کی تہذیب وتمدن کو نہ اپنایا جائے، اور ان کی معاشرت وثقافت اختیار نہ کی جائے، مگر بائیکاٹ کے اس شرعی اور صحیح مفہوم پر تو آج عمل عام طور پر کیا نہیں جاتا، اور نہ ہی اس کی طرف عوام کو خاطر خواہ طریقہ پر متوجہ کیا جاتا، جس کی ہر وقت اور ہر حالت میں ضرورت ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہر مسلمان پر عائد ہوتا ہے۔ [1]

---

[1] اس سلسلہ میں حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

’’اب تو وہ زمانہ ہے کہ ہر شخص کی رفتار، گفتار اور لباس سے انگریزیت جھلکتی ہے، سادگی کا نام ہی نہیں رہا، زبان سے نصرانیت اور انگریزیت کی برائی کرتے ہیں اور دل میں وہی باتیں رچی ہیں، ان ہی جیسا لباس ان ہی جیسی معاشرت اختیار کر رکھی ہے، مجھے تو ایک عالم کا قول پسند آیا کہ یہ لوگ نصرانیوں (عیسائیوں) کے مخالف ہیں اور نصرانیت (عیسائیت) کے حامی ہیں بات تو کام کی کہی، واقعی یہی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

دوسری بات یہ ہے کہ مسلمانوں کا خود تو احکامِ اسلام اور عظمتِ اسلام پر عمل نہیں، اور کافروں وغیر مسلموں کی طرف سے اس کے خواہاں ہیں، اور ان کی طرف سے اس طرح کی کوئی

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

ہو رہا ہے، غضب تو یہ ہے کہ اس فتنہ سے بعض علماء بھی نہ بچ سکے اور نصوص (قرآن وحدیث) کے خلاف کرنا شروع کر دیا ان (لوگوں) کا طریقۂ کار بالکل نصوص (قرآن وحدیث) کے خلاف ہو رہا ہے، لیکن کسی کا عمل تو حجت (دلیل) نہیں، جب کوئی تدبیر (طریقہ) تدابیرِ منصوصہ (قرآن وحدیث میں بیان کردہ طریقوں) کے خلاف اختیار کی جاوے گی اس کو تو ممنوع (اور ناجائز) ہی کہا جاوے گا، بالخصوص (خصوصاً) جبکہ وہ فعل عبث یا مضر (بیکار یا نقصان دہ) بھی ہو تو اس کی حرمت (اور ناجائز ہونے) میں پھر کیا شبہ ہو سکتا ہے، وہاں تو (فقہ کے مشہور قاعدہ) ''اَلضَّرُوْرَاتُ تُبِیْحُ الْمَحْظُوْرَاتِ'' (کہ ضرورت اور مجبوری کے وقت ممنوع کام بھی جائز ہو جاتے ہیں) کا شبہ بھی نہیں ہو سکتا، مثلاً ہڑتال ہے، جلوس ہیں، ان میں وقت کا ضائع ہونا، روپیہ کا صرف ہونا، حاجتمند لوگوں کو تکلیف ہونا، نمازوں کا ضائع ہونا، (پتھراؤ، آتشزدگی، سڑکوں پر رکاوٹیں کھڑی کرنا، غیر شرعی نعرے اور بیان بازی وغیرہ) کھلے مفاسد ہیں، تو یہ افعال کیسے جائز ہو سکتے ہیں؟ ایک صاحب نے عرض کیا کہ اگر نیت امدادِ حق (یعنی حق کی مدد کرنے) کی ہو (تو کیا پھر بھی یہ کام جائز نہ ہوگا، اس کے جواب میں) فرمایا کہ (پہلی بات تو یہ ہے کہ) ان باتوں سے حق کو کوئی امداد نہیں پہنچتی، دوسرے نامشروع فعل (غیر شرعی کام اچھی) نیت سے مشروع (جائز) نہیں ہو جاتا، یہ تو محض جاہ طلبی (یعنی دوسروں کی نظروں میں اپنی قدر ومنزلت کو بڑھانا) ہے کہ جلسے ہو رہے ہیں، جلوس نکل رہے ہیں، گلوں میں ہار پڑ رہے ہیں، اور یہ سب بد دینوں ہی سے سبق حاصل کئے ہیں اور سب یورپ ہی کی تقلید ہے (چنانچہ اسلام میں ان چیزوں کا ثبوت نہیں) اور مزاحاً فرمایا کہ ہار (مغلوبیت) تو پہلے ہی گلوگیر (گلے میں پڑا ہوا) ہے پھر کامیابی (جیت) کہاں'' (ملفوظات الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ جلد نمبر ۵ ص ۱۵۶، ۱۵۷)

''تعجب ہے کہ جو لوگ اس کے دعویدار ہیں کہ ہم ہندوستان سے انگریزوں کو نکالنا چاہتے ہیں وہ خود انگریزیت کی حد درجہ حمایت کرتے ہیں، انگریزی فیشن، انگریزی تہذیب، انگریزی تمدن پر لٹے ہوئے ہیں (اسعد الابرار، ملفوظاتِ حکیم الامت جلد نمبر ۲۵ ص ۲۰۷، ملفوظ نمبر ۱۲۳)

''(ہمارا) حکام سے نہ کبھی ملنا نہ جلنا نہ واسطہ نہ مطلب، مگر ہم تو موالاتی (یعنی ان کے دوست) اور یہ طاعنین (ہمیں طعنہ دینے والے) ان کے یہاں جا جا کر شب وروز کرسیوں پر ڈٹے رہیں، صورت سیرت ان کی سی، لباس وضع قطع ان جیسی، کیک، بسکٹ، چھری، کانٹا ان جیسا، غرض کہ ہر طرح پر ان سے خلا ملا اور پھر یہ غیر موالاتی (یعنی ان کو کافروں کا دوست نہیں سمجھا جاتا) عجیب فیصلہ ہے (ملفوظات الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ جلد نمبر ۷ ص ۵۳، ملفوظ نمبر ۴۴)

حرکت سرزَد ہونے پر ان کو مطعون و بائیکاٹ کیا جاتا ہے، جبکہ غیر مسلم ان چیزوں کے مکلّف بھی نہیں۔ ۱

تیسری بات یہ ہے کہ اگر مصنوعات کے بائیکاٹ کو جائز بھی قرار دیا جائے، تب بھی مصنوعات کے بائیکاٹ کے مروجہ طریقہ میں شرعی حد بندیوں کا لحاظ بہت کم کیا جاتا ہے، چنانچہ اولاً تو مصنوعات کے بائیکاٹ کو فرض وواجب کا درجہ دیا جاتا ہے، اور جو کوئی اس کو

---

۱ اس سلسلہ میں حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

’’جو کام کرنے کے ہیں ان کی طرف تو کبھی التفات (خیال) بھی نہیں ہوتا اور یہ بائیکاٹ وغیرہ ان سے کام چلتا ہے؟ اگر انبیاء علیہم السلام بھی نرے بائیکاٹ سے کام لیتے تو ہرگز دین کی اشاعت نہ ہوتی، کام تو کام کے طریقہ اور ہر موقع پر اس کے مناسب عمل سے ہوتا ہے، دیکھ لیجئے جب تک قوت جمع نہ ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسے صبر اور حلم سے کام لیا، جہاد کی بھی اجازت نہ ہوئی، جب قوت جمع ہوگئی جہاد بھی فرض ہوگیا اور تلوار سے کام لیا گیا پھر اتنا بڑا کام کہ اظہر من الشّمس (سورج سے بھی زیادہ ظاہر) ہے، یہ سب برکت مناسب طریقے پر عمل کرنے کی تھی‘‘ (ملفوظات الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ جلد نمبر۳ ص ۷۰ و ۷۱، ملفوظ نمبر ۶۹)

’’سب خرابیوں کے ذمہ دار خود مسلمان ہی ہیں یہ خود ہی (شرعی) احکام سے اعراض کیے ہوئے ہیں پھر جب خود ہی ان کے قلوب (دلوں) میں احکامِ شرعیہ کی وقعت وعظمت نہیں اور خود ہی ان کی پابندی واحترام نہیں کرتے تو دوسری قومیں کیا احترام کریں گی اور ان سے کیا توقع کی جاسکتی ہے مثلاً نماز کی پابندی مسلمانوں میں نہیں، داڑھی منڈانا ان کا شعار ہوگیا...... ہماری شکایت واقع میں اپنا قصور دوسروں کے سر منڈھنا ہے اگر مسلمان فی الحقیقت مسلمان بن جائیں تو پھر آپ دیکھیں کہ ایک دم کایا پلٹ ہوجائے اور سب ان کے سامنے سر جھکادیں...... اگر یہ خود احکامِ اسلام اور شعائرِ اسلام کے پابند ہوجائیں دوسروں پر خود بخود اثر ہو یہ بھی ایک نہایت زبردست تبلیغ ہے‘‘ (ملفوظات الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ جلد نمبر۲ ص ۱۰۵ و ۱۰۶، ملخصاً ملفوظ نمبر ۱۳۸)

’’آج کل مسلمانوں کی حالت عجیب ہے، دوسروں سے اسلام، احکامِ اسلام کی وقعت وعظمت اور احترام کے خواہشمند ہیں اور خود احکامِ اسلام وشریعتِ مقدسہ کی وقعت اور عظمت قلوب (دلوں) میں نہیں رہی‘‘ (ملفوظات الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ جلد نمبر۸ ص ۳۳۱، ملفوظ نمبر ۴۶۹)

’’سب سے بڑی بات قابلِ ذکر بلکہ قابلِ شکایت یہ ہے کہ یہ لوگ (یعنی مسلمان) دوسروں سے تو اسلام کی عزت کے خواہاں ہیں اور خود اسلام اور احکامِ اسلام کو پائمال کرتے ہیں ایک زمانے میں نمازوں کے وقت میں جلسے ہوتے رہے کچھ پرواہ نہیں، رمضانُ المبارک میں عام شاہراہوں پر میزوں پر کھانے چُنے گئے اور کُرسیوں پر کھائے گئے یہ حرکات کہاں تک جائز ہیں‘‘ (ملفوظات الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ جلد نمبر۳ ص ۶۹ و ۷۰، ملفوظ نمبر ۶۹)

اختیار نہ کرے، اسے مطعون کیا جاتا ہے، یا اسے معیوب سمجھا جاتا ہے، حالانکہ کافروں سے جائز تجارت اور خرید وفروخت کی اجازت ہے، ممانعت نہیں، زیادہ سے زیادہ بعض مخصوص حالات میں ان کی مصنوعات کی خریداری ترک کر کے مسلمان کو نفع پہنچانے کو افضل قرار دیا جاسکتا ہے، دوسرے مصنوعات کے بائیکاٹ کا طریقہ تو یہ ہے کہ ان کی مصنوعات کی خریداری کرنے سے بچا جائے، مگر ہمارے یہاں بائیکاٹ کا مطلب یہ سمجھا جاتا ہے کہ جو مصنوعات ان سے خریدی جاچکی ہیں، اور اپنی ملکیت میں جائز طریقہ پر آچکی ہیں، ان کو بھی ضائع کیا جائے، چنانچہ اکثر لوگ اپنی ملکیت میں داخل شدہ خریدی ہوئی چیزوں کو توڑتے پھوڑتے اور جلاتے ہیں۔

حالانکہ جو مباح اور جائز چیزیں غیر مسلموں سے خرید لی گئیں، اور اپنی ملکیت میں داخل ہوگئیں، اب ان کو تلف کرنا اور جلانا درحقیقت اپنے مال کو ضائع کرنا ہے، جو کہ جائز نہیں۔

تیسرے وقتی طور پر ان مصنوعات کو ضائع کرنے کے بعد غم وغصہ ختم ہونے پر ضرورت پڑنے پر دوبارہ ان ہی کی مصنوعات کی خریداری کی جاتی ہے، جس کی وجہ سے ان کو دوبارہ نفع پہنچایا جاتا ہے، اور ''یک نہ شد دو شد'' والا معاملہ ہوجاتا ہے۔ [1]

---

[1] چنانچہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

اگر کسی قوم سے مخالفت ہوگی تو اہلِ یورپ اس کی بنائی ہوئی چیزیں استعمال نہیں کریں گے اور جو پہلے سے گھر میں ہوں اس کو جلد پھونک دیتے ہیں۔ چنانچہ پچھلے دنوں اٹلی کی مخالفت میں ہمارے نوجوان تعلیم یافتوں نے بہت سے کپڑے ٹوپیاں وغیرہ جلادیں کیونکہ وہ اہلِ اٹلی کا بنا ہوا تھا۔

ہم کو تو یہ بات پسند نہیں، لوگ کہتے ہیں کہ اہلِ شریعت میں تہذیب نہیں، اس وقت تو شریعت سے بعید ہونے والوں کی تہذیب معلوم ہوگئی، دوسرے ٹوپی وغیرہ کا جلانا اضاعتِ مال ہے جو شرعاً وعقلاً کسی طرح جائز نہیں (وعظ حقوق السرّآء والضرّآء، ص۳۹و۴۰ مطبوعہ، جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ)

''کوئی فقہی روایت دکھلائیں کہ کفار سے خریدنا ناجائز ہے، البتہ بعض اشیاء کا فروخت کرنا بے شک ممنوع ہے اور اس میں ایک راز ہے وہ یہ ہے کہ اعیان (خاص چیزوں) میں تو خود بلا واسطہ نفع پہنچتا ہے اور نقود (روپیہ پیسہ) میں بواسطہ ہوتا ہے مثلاً لوہا ہے خود وہی لوہا کام میں لاسکتے ہیں تو اگر اس کا مسلمانوں کے مقابلے میں

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

چوتھے اگر کسی بائیکاٹ کے کرنے سے شر کی طاقت مزید مضبوط ہوتی ہو، اور اپنے آپ کو ضرر

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

استعمال کریں گے مسلمانوں کو ضرر پہنچے گا اور روپیہ بعینہٖ کام میں نہیں آتا بواسطہ کام آتا ہے تو اس سے اگر ضرر ہوگا بواسطہ ہوگا جس میں فاعلِ مختار کا تخلّل ہے (یعنی خود وہ شخص درمیان میں حائل ہے، جو یہ کام کررہا ہے)

فقہاء نے اس راز کو سمجھا ہے دوسروں کو کیا حق ہے اجتہاد کا، کہ خوامخواہ احکام میں ٹانگ اڑائیں'' (ملفوظات الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ جلد نمبر ۷ ص ۱۹۸ ملفوظ نمبر ۲۸۹)

''بہشتی زیور کو بعض مقامات پر (ضِد اور عناد کی وجہ سے) جلایا گیا اور مجھ کو اطلاع دی گئی میں نے کہا کہ میرا کیا نقصان ہوا بلکہ تاجروں کا بھی نقصان نہیں ہوا اس لئے کہ وہ فروخت کر چکے تھے اب تو نقصان ان کا ہوا، جن کے وہ مِلک میں تھے'' (ملفوظات الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ جلد نمبر ۸ ص ۹۷ ملفوظ نمبر ۱۷)

ایک زمانے میں طرابلس پر اٹلی کا قبضہ ہوجانے سے ہندوستان کے شہر دہلی میں ایک جلسے میں یہ کہا گیا کہ اٹلی کے ساتھ تجارتی لڑائی کریں اٹلی ساخت کے کل سامان کا استعمال چھوڑ دیں اور خرید وفروخت ترک کردیں جو ایسا نہیں کرے گا وہ کافر ہے، اس سلسلہ میں حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ سے فتویٰ طلب کیا گیا جس کا آپ نے درجِ ذیل جواب تحریر فرمایا:

''کافر ہونے کی تو کوئی وجہ نہیں اور بلکہ بیع ناجائز بھی نہیں لیکن افضل یہی ہے، بشرطیکہ اپنا ضرر اور اتلافِ مال نہ ہو ورنہ افضل کیا جائز بھی نہیں'' (امداد الفتاویٰ ج ۳ ص ۸۸)

معلوم ہوا کہ اگر خدانخواستہ کوئی کافر قوم مسلمانوں کے ملک پر قابض ہوجائے تب بھی اُس قوم کی مصنوعات کی خرید وفروخت گناہ نہیں، زیادہ سے زیادہ اُن مصنوعات کی خرید وفروخت کا ترک کرنا افضل ہے لیکن اس میں بھی یہ شرط ہے کہ اس کی وجہ سے اپنا کوئی نقصان نہ ہو اور مال ضائع نہ ہو ورنہ افضل تو کیا جائز بھی نہیں۔

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ سے ایک سوال کیا گیا کہ:

''اہلِ ہنود (ہندو اور مشرکوں) کی دکان سے مٹھائی وغیرہ خریدنا اور ان کے یہاں کھانا کھانا جائز ہے یا نہیں، اگر ہے تو کس طرح؟

آپ نے جواب تحریر فرمایا کہ:

''اگر ظاہراً کوئی نجاست نہ ہو تو جائز ہے، لیکن اگر اس پر بھی اپنے بھائی مسلمان کو نفع پہنچاوے تو زیادہ بہتر ہے'' (امداد الفتاویٰ ج ۳ ص ۱۴۱)

مطلب یہ ہے کہ کافر کے مقابلے میں اگر مسلمان بھائی سے کوئی چیز خرید کر اس کو فائدہ پہنچایا جائے تو یہ کافر کو فائدہ پہنچانے سے بہتر ہے۔

ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

پہنچتا ہو، تو بائیکاٹ کی اجازت نہیں ہوتی، مگر یہاں اس پہلو کا بھی لحاظ نہیں کیا جاتا۔ [1]
اگر بالفرض ہر قسم کی خرابیوں سے بچ کر کافروں پر اثر ڈالنے کے لئے ان کی مصنوعات کا

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

''اہلِ اسلام کو اہلِ کفر کے ساتھ اختلاف کرنا اور بلا ضرورتِ شدیدہ یا بلا مصلحتِ شرعیہ اختلاط وارتباط (تعلق اور میل جول پیدا) نہ کرنا محمود مطلق (ہر حالت میں پسندیدہ) اور واجب ہے اور معاملات (لین دین، خرید وفروخت وغیرہ) ومعاشرات (رہن سہن) اس سے خارج ہیں، الخ (بوادر النوادر ص ۶۷۴، رسالہ احکام الایتلاف فی احکام الاختلاف، فصل پنجم)

ایک موقعہ پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

''اس عدمِ تعاون کا نام جو بعض نے ترکِ موالات رکھ لیا ہے اس عنوان سے اس کا حکم جو اوپر مذکور ہوا (یعنی مباح اجارات وتجارات وتعلیمات واستعانات وتعلقات حاکمیت ومحکومیت کے) بدل نہ جاوے گا، جیسا بعض نے یہ ترکیب کر رکھی ہے کہ قرآن مجید میں جو موالات کی ممانعت کی آیتیں آئی ہیں، اس عدمِ تعاون کو ان میں داخل کر کے اختلاف کرنے والے فریق کو قرآن کا مخالف بتا کر عوام الناس کو اس سے متوحش و متنفر کرتے ہیں...... تو سمجھ لینا چاہئے کہ کوئی نام رکھ دینے سے حقیقت نہ بدل جاوے گی اس لئے حکم بھی نہ بدلے گا'' (اشرف السوانح ج ۳ ص ۱۶۷)

[1] ''یہ مقاطعہ (بائیکاٹ) بعض اوقات ترکِ واجب تک مفضی (پہنچانے والا) ہو جاتا ہے، مثلاً کسی کے پاس بجز نوکری یا کسی خاص تجارت کے دوسرا کوئی جائز ذریعہ معاش کا نہیں، اور ادائے حقوق اہل وعیال کے لئے اُس پر اکتساب واجب ہے، تو اس مقاطعہ سے اس واجب کا ترک لازم آتا ہے، اور ترکِ واجب معصیت ہے، اور جن مقاطعات (بائیکاٹوں) میں اس واجب کا ترک بھی لازم نہ آتا ہو مگر حکومت سے عداوت لازم آتی ہے، اور بلا ضرورت شرعیہ ضعیف کے لیے جائز نہیں کہ قوی کو اپنا دشمن بنالے کہ اس میں بھی اپنے کو مصیبت میں ڈالنا ہے، جس کی ممانعت آیت، مرقومہ نمبر ا میں گزری ہے، اور یہ جب ہے کہ اس مقاطعہ کو واجب شرعی نہ سمجھا جاوے اور اس پر دوسرے کو مجبور نہ کیا جاوے، ورنہ واجب شرعی سمجھنا مصداق ہے ''یحرفون الکلم عن مواضعہ'' کا اور مجبور کرنا ظلم واکراہ ہے جس کی حرمت ظاہر ہے'' (اشرف السوانح ج ۳ ص ۲۰۳)

وهذا الهجر يختلف باختلاف الهاجرين فى قوتهم وضعفهم وقلتهم وكثرتهم فإن المقصود به زجر المهجور وتأديبه ورجوع العامة عن مثل حاله. فإن كانت المصلحة فى ذلك راجحة بحيث يفضى هجره إلى ضعف الشر وخفيته كان مشروعا. وإن كان لا المهجور ولا غيره يرتدع بذلك بل يزيد الشر والهاجر ضعيف بحيث يكون مفسدة ذلك راجحة على مصلحته لم يشرع الهجر؛ بل يكون التأليف لبعض الناس أنفع من الهجر. والهجر لبعض الناس أنفع من التأليف (مجموع الفتاوىٰ لابن تيمية، ج ۲۸ ص ۲۰۵، ۲۰۶، الحسبة، الهجر الشرعى)

بائیکاٹ کیا جائے، تو اس کی نہ صرف شرعاً اجازت ہے، بلکہ معاشی جنگ کی دنیا میں یہ ان پر اثر ڈالنے اور تنبیہ کرنے کا عمدہ ومؤثر طریقہ ہوسکتا ہے۔

مگر موجودہ حالات میں مشکل یہ ہے کہ مسلمانوں کی تیار کردہ مصنوعات کا عموماً وہ معیار نہیں ہوتا، جو کافروں کی مصنوعات کا ہوتا ہے، لہٰذا کافروں کی ان مصنوعات کا بائیکاٹ مؤثر طریقہ پر نہیں ہو پاتا۔

اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان اپنی مصنوعات کے معیار کو بہتر سے بہتر بنائیں، اور ملاوٹ اور ناپ تول کی کمی وغیرہ سے بچنے کا اہتمام کریں، جس کے نتیجہ میں ابتداءً خود ہی مسلمان غیر مسلموں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی مصنوعات کی خریداری اور استعمال کو ترجیح دیں گے، بلکہ غیر مسلم بھی معیار اچھا ہونے کی وجہ سے ان کی خریداری کریں گے، جس کی وجہ سے غیر مسلموں کو نفع پہنچنے کے بجائے مسلمانوں کو نفع پہنچے گا، اور اس راستہ کو اختیار کئے بغیر غیر مسلموں اور کافروں کی مصنوعات کے بائیکاٹ کی تحریک مؤثر طریقہ پر ثابت نہ ہوگی۔

افسوس کہ مسلمان اپنی طرف سے تو عام طور پر کوئی تعمیری ومعیاری کام کرتے نہیں، اور خود تو صریح محرمات اور ناجائز چیزوں میں مبتلا ہیں، اور دوسروں سے اس طرح کے امور سرزَد ہونے پر بائیکاٹ کے متمنی رہتے ہیں، ظاہر ہے کہ بائیکاٹ کا یہ طریقہ کامیاب کہلائے جانے کا مستحق نہیں۔

فقط

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

محمد رضوان

۲/ جمادی الاخریٰ/۱۴۳۴ھ 13 / اپریل/2013ء بروز ہفتہ

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بسلسلہ: اصلاح وتزکیہ

اصلاحِ اخلاق

اور

حفاظتِ زبان

قرآن وسنت کی روشنی میں

حُسنِ اخلاق واصلاحِ اخلاق کے فضائل وفوائد، بدخلقی وبداخلاقی کے عذابات ونقصانات

حُسنِ اخلاق واصلاحِ اخلاق میں زبان کی اہمیت، زبان کے ذریعہ سے بداخلاقی

وبدخلقی کی صورتیں، حفاظتِ زبان، اور آفاتِ زبان کی تفصیل وتشریح

آفاتِ زبان سے بچنے اور حفاظتِ زبان کے مسنون طریقے

قرآنی آیات، مستند احادیث اور معتبر تشریح وتوضیح کا جامع ومفید مجموعہ وذخیرہ

تزکیہ واصلاح کے موضوع پر ایک جامع، نافع وسہل کتاب

مصنّف

مفتی محمد رضوان

ادارہ غفران چاہ سلطان راولپنڈی

www.idaraghufran.org